امداد الفتاویٰ

جدید مبوب

جلد ۲

فتاوے حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان

ناشر
ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند
یوپی، انڈیا

امداد الفتاویٰ

مبوّب

جلد دوم

فتاوے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

ترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

ناشر

ادارہ تصنیفات اولیاء ۱۶۹۲

گلی تخت والی سوئیوالان نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

قیمت :- ۷۵/ روپیہ

فہرست مضامین امداد الفتاویٰ مبوّب جلد دوم

کتاب الزکوٰۃ والصدقات

کتاب الحج

باب الاحرام وارکان الحج — ۱۶۱

باب الحج عن الغیر — ۱۶۶

مسائل منثورہ متعلقہ بالحج — ۱۶۹

كتاب النكاح

کتاب الطلاق

کتاب الحدود والتعزیر

کتاب الایمان

کتاب النذور

کتاب الوقف

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

چوں آیت موصوفہ دال ست
بر وجوب سوال فی الدین از اہل الذکر بالمطابقت و بر وجوب جواب بذمہ ایشاں
و بر وجوب عمل براں جواب کہ من حیث الذکر باشد بالالتزام و کفی بہ تنویہا بشان
الاستفتاء والافتاء نیز بودنش از اعظم مدار دین از اجلی بدیہیات بلکہ مشاہدات
ست بناء علیہ شطرے از جوابات بر بعضے سوالات مسمٰی بہ

امداد الفتاویٰ

معروف بفتاوی اشرفیہ

مبوّب جلد دوم

کہ منقسم بر چند جلد ست و ایں جلد دوم ازاں ست کہ مشتمل بر تصحیح الاغلاط و تنقیح الاخلاط متعلق بخود ست

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

مع تبویب و ترتیب جدید

احقر الخدام محمد شفیع دیوبندی ہندی مولداً کراچوی سندی مہاجراً

بار دوم ماہ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوٰۃ والصدقات

نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔۔۔؟

سوال (۱) نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ جمیع نوٹوں پر جمیع احکام دراہم ودنانیر کے جاری ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نوٹ حقیقت میں سند ہے روپیہ کی اور اس روپے پر ہر وقت اس کو قدرت ہو جب چاہے حاصل کرے۔ پس نوٹ خود گو مال نہیں ہے مگر جس روپیہ کی وہ سند ہے وہ مال ہے۔ اور بوجہ مقدور التحصیل ہونے کے ضمار میں داخل نہیں لہٰذا اس پر واجب ہوگی اور احکام مختلف ہیں بعض جاری ہوں گے بعض نہیں بالیقین سوال ہو تو جواب دیا جائے مثلاً دس روپے کو کوئی چیز خریدی اور مشتری نوٹ دینے لگے تو بائع پر جبر نہ ہوگا کہ ضرور اس کو لے۔ اس میں مثل دراہم ودنانیر کے نہیں ہے اور وجوب زکوٰۃ میں ہے جیسا گزرا۔ فقط۔ ۱۵ / شعبان ۱۳۲۱ھ

سوال (۲) الامداد ماہ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ نوٹ کے متعلق ایک مضمون چھپا ہوا ہے۔ جس میں یہ ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔

۱ تو اب یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کے پاس سوائے نوٹ کے کچھ نقد نہیں ہے اس کے اوپر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیئے۔

۲ اسی طریقہ سے یہ بھی خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زکوٰۃ میں نقد روپیہ بذریعہ ڈاک روانہ کیا اور مرسل علیہ کو روپیہ کی عوض نوٹ ملے تو زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں۔؟

۳ بہشتی زیور میں یاد پڑتا ہے کہ جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نوٹ کو کمی زیادتی میں نہیں بیچ سکتے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک چیز ہے۔

۴ تو اس صورت میں نوٹ زکوٰۃ میں بھی ادا ہو سکتا ہے۔ اور زکوٰۃ بھی نوٹ پر واجب ہو سکتی ہے۔

۵ آجکل چونکہ رمضان میں زکوٰۃ دینے کا وقت آیا ہے۔ اور یہاں لوگوں کے پاس اکثر نوٹ ہیں۔ نقد روپیہ نہیں ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیئے۔

الجواب۔ (۱) یہ شبہ غلط ہے۔ اس لئے کہ یہ نوٹ جس روپے کی سند ہے وہ تو مال ہے جو بذمہ گورنمنٹ قرض ہے۔ اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) جب وہ اس نوٹ کو نقد بنا کر قبضہ کرلے گا اُس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی۔

(۳) یہ معلوم ہونا غلط ہے کمی بیشی کے ناجائز ہونے کی بنا یہ نہیں ہے کہ دونوں ایک حکم میں ہیں بلکہ اس کی بنا یہ ہے کہ کمی بیشی حوالہ میں بھی درست نہیں۔ اور نوٹ کا معاملہ حوالہ ہے

(۴) یہ تفریع غلط ہے جیسا اوپر معلوم ہوا۔

(۵) یہ کرنا چاہیئے کہ خود اگر دیں تو اوّل اس نوٹ کو نقد بنا دیں اور وہ نقد مساکین کو دیں۔ یا یہ کریں کہ اس نوٹ کا کپڑا یا غلہ خرید یں اور وہ کپڑا یا غلہ زکوٰۃ میں دیں یا ایسا کریں کہ جس مسکین کو مثلاً دس روپیہ کا نوٹ دینا چاہیں اس سے کہیں کہ تو کہیں سے دس روپے نقد لے آ جب وہ لا دے تو اس سے کہیں کہ تو اس روپے کے عوض ہمارا یہ نوٹ خرید لے۔ جب اس خرید کی رو سے اس زکوٰۃ دینے والے کے پاس نقد روپیہ آجاوے تو وہ نقد روپیہ اس مسکین کو دیدیں پھر وہ اپنا قرض خواہ نوٹ سے ادا کر دے۔ خواہ نقد سے ادا کردے۔ دوسرے شخص کے ذریعہ سے ادا کریں تو ایسے شخص کو وکیل بنا دیں جو اُن طریقوں کو سمجھتا ہو اور ان کے ذریعہ سے ادا کردے۔

نوٹ :۔ یہ میں نے بہت واضح کرکے لکھا ہے۔ مگر میرا گمان یہ ہے تاوقتے کہ آپ کسی عالم سے اس خط کو زبانی نہ سمجھ لیں سمجھنے میں غلطی ہوگی۔

۶ رمضان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامس ص ۲۷)

سوال (۳) آجکل نوٹوں کا اس شدت سے رواج ہوگیا ہے کہ بعض مرتبہ مہینوں بھی روپیہ کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی۔ تنخواہ وغیرہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں۔ اور وہی صرف میں آتے ہیں۔

(۱) بنیے فی نوٹ ایک پیسہ لیکر ریزگاری دیتے ہیں۔ یہ بٹہ دینا جائز ہے یا نہیں۔ بصورتِ اثبات کیا اس کے لئے بھی کسی شرعی حیلہ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ روپیہ کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک پیسہ شامل کرکے دیدیا جاوے۔

(۲) اگر کسی کے پاس بقدر نصاب کے نوٹ جمع ہوجاویں تو حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ نوٹوں پر واجب ہوگی یا نہیں۔ شبہ کا منشاء یہ ہے کہ نوٹ حقیقتاً چاندی یا سونا

نہیں۔ اگر یہ کہا جاوے کہ اجرائے نوٹوں میں گورنمنٹ مقروض ہے۔ اور قرض میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ گورنمنٹ قرضدار بیشک ہے۔ لیکن گورنمنٹ نے نہ اس کا وعدہ کیا ہے نہ اس کے ذمّہ ہے کہ ایک روپیہ کے نوٹ کے عوض میں روپیہ ہی دے، بلکہ اگر وہ چونسٹھ پیسے یا سولہ اکنی یا آٹھ دونی جو چاندی کی نہیں ہوتیں دیدے تو لینے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بڑی رقم کے نوٹوں کے معاوضہ میں گورنمنٹ چھوٹی رقم کے نوٹ دے سکتی ہے۔ اور چھوٹی رقم کے نوٹوں میں وہی پیسہ یا اکنی یا دونی والی صورت پیش آسکتی ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کی ایسی مثال ہوگی۔ جیسے کوئی شخص مثلاً کسی شخص کا ایک لاکھ پیسوں کا مقروض ہو یا پچاس ہزار کا نسی کی اکنی یا دونی کا مقروض ہو تو کیا ایسی صورت میں قرضخواہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۳) قیاساً علیٰ ذلک یہ جو اسّی ہزار ٹکہ کا مہر بندھتا ہے اُن میں وقت ادائیگی مہر زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیا فرق ہوا۔ اُمید ہے کہ جواب سے عزت بخشی جاوے۔ دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف جناب کی تحقیق مطلوب ہے۔

الجواب۔ اول ایک مقدمہ سمجھ لینا چاہئے۔ وہ یہ کہ حقیقت نوٹ کی کیا ہے۔ سو حقیقت نوٹ کی یہ ہے کہ جس وقت اوّل میں روپیہ دے کر گورنمنٹ سے نوٹ لیا تھا گورنمنٹ اس روپیہ کی مقروض ہوگی اور نوٹ اس قرض کی سند ہے۔ پس اصل حق مالک کا وہ روپیہ ہے۔ اور آئندہ کسی کو نوٹ دینا اپنے اسی قرضہ کا بذمہ گورنمنٹ حوالہ کر دینا ہے۔ اس سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔ چنانچہ تصریحاً بھی لکھا جاتا ہے۔

(۱) یہ بٹہ دینا اور اسی طرح سے لینا جائز نہیں۔ کیونکہ حوالہ میں کمی بیشی جائز نہیں۔ اور اس حیلہ کا محل حوالہ نہیں۔ بلکہ بیع یداً بید تفاضلاً ہے جو یہاں نہیں۔

(۲) زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کا اصل حق مال ہے۔ اور یہ مثال اس لئے غلط ہے کہ اس میں اصل حق مال زکوٰۃ نہیں عروض ہے اور دوسری جنس سے ادا ہو جانے سے جو اشتباہ ہو گیا ہے سو نہ قرضہ کا غیر جنس سے بتراضی طرفین ادا کر دینا صحیح ہے۔

(۳) اور اسی تقریر بالا سے ٹکوں کے مہر میں اور نوٹ کے بدل میں فرق ظاہر ہو گیا کہ مہر میں اصل سے ہی واجب ٹکے ہیں۔ اور یہاں ایسا نہیں جیسا مذکور ہوا۔ (حوادث خامس صفحہ ۳)

سوال (۴) زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں عموماً مرسل علیہ کو ڈاک خانہ سے نوٹ

دیئے جاتے ہیں نوٹ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس دشواری سے بچنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جاوے۔

الجواب۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ اس مقام میں کسی کو وکیل بنادیا کہ اس نوٹ کو نقد کرکے فلاں مستحق کو دیدو۔ ۱۳۲۸ھ

سوال (۵) زکوٰۃ کے منی آڈر میں ڈاک خانہ کو نوٹ دیئے جاسکتے ہیں یا روپیہ ہی دینا ضروری ہے۔

الجواب۔ دونوں یکساں ہیں زکوٰۃ ادا نہ ہونے کی شرطیں دونوں صورتوں میں مشترک ہیں۔ تاریخ بالا۔

سوال (۶) جب مرسل علیہ کو عموماً ڈاک خانہ سے نوٹ ہی دیئے جاتے ہیں تو پھر بیمہ کیوں نہ کیا جائے کہ اس میں فیس کی بھی کفایت ہے۔

الجواب۔ ایسا ہی کیا جاوے مگر زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے نوٹ کا قبض کافی نہیں۔ ۱۳۲۸ھ (حوادث خامس ص ۳۵)

سوال (۷) نوٹ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زکوٰۃ ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۵۸ حوادث ص ۵۴ ج ۱)

سوال (۸) زکوٰۃ میں نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں۔ | نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ صرف اس وقت ادا ہوئی جبکہ مسکین اس نوٹ کو نقد کرے یا اس کی کوئی چیز خرید لے

اسی طرح دوسری رقوم واجب التملیک مثل فدیہ صوم وصلوٰۃ وغیرہ۔

الجواب۔ چونکہ وہ مال نہیں محض سند مال ہے۔ اس لئے نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور یہی حکم ہے دوسری رقوم واجب التملیک کا۔ بلکہ ان صورتوں سے زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوجاتی ہے۔

(الف) یا تو خود مسکین کو نقد دے یا کوئی چیز از قسم مال اتنی قیمت کی دے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ غیر جنس سے بھی ادا ہوجاتی ہے۔ اور

(ب) یا مسکین کو نوٹ دیا۔ اور اس مسکین نے اس کو نقد یا کسی جنس کے بدلے فروخت کرکے اس نقد یا جنس پر قبضہ کرلیا۔ اب قبضہ کے وقت زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگئی۔ اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوئیں مثلاً اس مسکین کے پاس سے وہ نوٹ ضائع ہوگیا یا اس نے

اپنے قرض میں کسی کو دیدیا ان صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ ۵ر صفر ۱۳۳۷ھ (حوادث ص۲۳ ج۵)

مسکین کو زکوٰۃ میں نوٹ دیا گیا پھر مسکین کو اس نوٹ کی قیمت کچھ کم ملی اس کا حکم

سوال (۹) اگر کسی مسکین کو زکوٰۃ وغیرہ میں نوٹ دیدیا اور اس نے اس کا نقد یا جنس لیکر قبضہ کر لیا۔ مگر نوٹ لینے والے نے اس نوٹ پر بٹہ لیا۔ مثلاً فی روپیہ ایک پیسہ۔ اور اسی طرح اگر کسی مدرسہ میں دیا۔ اور مہتمم نے اس کو نقد کر کے کسی مستحق طالب علم کو دیا۔ اور نقد کرنے کے وقت اسی طرح بٹہ لگا تو آیا زکوٰۃ میں پورا روپیہ ادا ہوا یا پیسہ کم روپیہ۔ اور اگر اپنے روبرو ایسا نہ ہوا مگر معلوم ہے کہ جہاں نوٹ بھیجا ہے وہاں ایسا ہوا ہوگا تو احتیاط کی بات کیا ہے۔

الجواب۔ اس صورت میں پیسہ کم روپیہ ادا ہوگا۔ ایک پیسہ مثلاً اس شخص کو اور زکوٰۃ میں کسی مسکین کو دیدینا چاہیئے۔ اسی طرح جب قرائن سے اپنے غیبت سے بٹہ لگنا معلوم ہو تب بھی فی روپیہ مثلاً ایک پیسہ اور بھی مسکین کو دیدے۔ ۵ر صفر ۱۳۳۷ھ (حوادث ص۲۵ ج۵)

احکام گوٹہ وغیرہ در زکوٰۃ و بیع

سوال (۱۰) گوٹہ، کمخواب، کلابتون، سلور کی چاندی، سچے بنارسی دوپٹے تاش وغیرہ ان تمام پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں۔ اور ان کی خرید و فروخت میں احکام بیع صرف کی ملحوظ ہوں گے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تاش معلوم نہیں کیا چیز ہے۔ باقی سب چیزوں پر زکوٰۃ ہے۔ اور انکی بیع میں احکام بیع صرف کے جاری ہوں گے۔ یعنی جتنی چاندی ہے اس قدر میں نسیہ و تفاضل جائز نہ ہوگا اور یہ اس تقدیر پر ہے جبکہ سلور چاندی ہو۔ گو ادنیٰ درجہ کی سہی۔ اور اگر کوئی اور چیز ہے (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ چاندی نہیں ہے ۱۲ منہ) تو حکم بدل جاوے گا۔ فقط

۱۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ص۱۵۴ ج۱)

حکم غش در سیم و زر

سوال (۱۱) فقہاء جو تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غش غالب ہو تو غش ہوگا۔ اور اگر ذہب و فضہ غالب ہوا تو اس کے کیا معنی ہیں۔ بعض غش ایسا ہوتا ہے کہ بغیر گلائے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور بعض ہو سکتا ہے۔ دونوں مراد ہیں یا ایک۔ دوسرے یہ امر کہ غش کا لحاظ و اعتبار اس زیور کے لحاظ سے ہے کہ جس میں وہ موجود ہے یا نصاب کے لحاظ سے بھی۔ مثلاً ایک زیور میں غش غالب ہے اور زیور خالص ہیں۔ اگر وہ زیور بوجہ غلبہ غش ساقط الاعتبار کیا جائے تو باقی ماندہ زیوروں کی مقدار زکوٰۃ کی نصاب کو نہیں پہنچتی۔ یا یہ صورت کہ اس ناقص زیور میں جس قدر خالص چاندی اندازہ کی جاوے اور

دیگر زیور مقدار نصاب کو پہنچتے ہیں یا خالص زیور بقدر نصاب ہے - اور یہ غالب الغش مقدار سے زائد ہے تو ان سب صورتوں میں کیا کیا جاوے گا آیا جس زیور میں غش ہے اسکی غالبیت اور مغلوبیت کے احکام اسی زیور کے اعتبار سے ہوں گے یا دیگر زیوروں کے لحاظ سے -

الجواب۔ ذہب وفضہ کے ساتھ غیر ذہب وفضہ کے مخلوط ہونے کی دو صورتیں ہیں - ایک تو یہ کہ دونوں متمیز ہوں اور گلا کر نہ ملائی گئی ہوں - اس میں تو مجموعہ کا ایک حکم نہ ہوگا - ذہب وفضہ کی مقدار میں ذہب وفضہ کے احکام جاری ہوں گے - اور غیر ذہب وفضہ میں اس کے احکام جاری ہوں گے - مثلاً بیع صرف و زکوٰۃ صرف مقدار ذہب وفضہ معتبر ہوگی - مجموعہ میں نہ ہوگی - دوسری صورت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے متمیز نہ ہوں - اور گلا کر دونوں کو ایک کر دیا ہو، اس میں فقہاء نے کہا ہے کہ غالب کا اعتبار ہے - یعنی اگر غالب ذہب یا فضہ ہو تو مجموعہ کو سب احکام میں ذہب وفضہ کہا جائے گا - اور اگر غالب دوسری چیز ہے تو مجموعہ کو دوسری چیز کے حکم میں کہیں گے - اس میں جس قدر ذہب وفضہ ہے اس میں بھی احکام ذہب وفضہ کے جاری نہ ہوں گے - نہ اس پر زکوٰۃ ہوگی، نہ احکام بیع صرف اس میں معتبر ہوں گے - اس سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا - اگر کسی حکم میں شبہ رہے پھر دریافت کر لیا جائے - فقط - ۱۵ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۵ ج ۱)

حکم ادائے زکوٰۃ غالب الغش یا سکۂ غیر نقدین

سوال (۱۲) گلٹ کے سکے درحقیقت اس قیمت کے نہیں ہیں جو اُن پر درج ہے - اور نہ وہ شرعاً مال ہیں - اسلئے یہ کسی قدر نوٹ کے مشابہ ہیں - اور یہ بھی خبر ہے کہ روپیہ بھی گلٹ کا بنے گا - اور یہ خبر میں نے خود اخبار میں دیکھی کہ چاندی کی گرانی کی وجہ سے پارلیمنٹ میں یہ طے ہو گیا کہ آئندہ اگر چاندی کے سکے بنائے جاویں تو ان میں صرف چھٹا حصہ چاندی کا شامل کیا جائے اس صورت میں بھی یہ سکے شرعاً مال نہ ہوں گے - کیونکہ ان میں غش غالب ہوگا - پھر ادائے زکوٰۃ میں اور بھی دشواری ہوگی - براہ کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائے جائیں - کیونکہ مجھے ادائے زکوٰۃ میں ان امور سے بہت دشواری پیش آرہی ہے -

الجواب۔ غلبہ غش سے ذہب یا فضہ ہونے کی نفی صحیح ہے - نہ کہ مال ہونے کی - مال کی تعریف اس پر صادق آتی ہے - لہٰذا وہ مال ہے - البتہ اگر زکوٰۃ غیر جنس سے ادا نہ ہوتی ہو تو اس کا ذہب وفضہ نہ ہونا بھی مضر تھا - مگر غیر جنس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے -

جب بازار میں اس کی قیمت حق واجب کی برابر ہو اور یہ تساوی اس میں حاصل ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ میں کوئی دشواری نہیں۔ جیسے پیسوں سے نقدین کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ اور اگر ایسی ہی احتیاط ہو تو اور کوئی متقوم چیز خرید کر جیسے کپڑا یا غلہ زکوٰۃ کی نیت سے دیدے۔ ۱۳۲۸ھ (حوادث ۵ ص ۲۵)

مقدار نصاب زکوٰۃ بہ حساب تولہ	**سوال (۱۳)** مقدار نصاب تولہ اور سکۂ انگریزی کے وزن سے کس قدر پر ہوگا چاندی سونا دونوں۔؟

الجواب - مشہور قول ۵۲ تولہ چاندی اور ۷ تولہ سونا لکھنؤ کے تولہ سے جس کے حساب سے روپیہ ۱۱ ماشہ کا ہوتا ہے۔ فقط ۱۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ

تحقیق مانعیت وعدم مانعیت دین مہر از وجوب زکوٰۃ	**سوال (۱۴)** مہر مؤجل جس کے دینے کا بالفعل ارادہ نہ ہو مانع زکوٰۃ ہے یا نہیں۔؟

الجواب - اس میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی نے اس کو نقل کر کے لکھا ہے۔ (زاد القہستانی عن الجواہر والصحیح انہ غیر مانع) پس صحیح یہی ہوا کہ مانع وجوب نہیں۔ فقط۔ ۱۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۵ ج ۱)

سوال (۱۵) دین مہر بشرط نیت ادا مانع وجوب زکوٰۃ واضحہ ہے یا نہیں۔

الجواب[ع] - دین مہر کے مانع زکوٰۃ ہونے میں اختلاف ہے۔ در مختار میں تو مانع کہا ہے

ع فی ہذا الجواب رجوع عن الجواب السابق کما لایخفی ثم اعلم ان مولانا طال بقاءہم رجحوا القول الثانی فی الجواب السابق والقول الثالث فی ہذا الجواب وفی کلا الترجیحین نظر لان العلۃ التی جعلوا الدین مانعا من الزکوٰۃ لاجلہا موجودۃ فی المہر، مطلقا سواء کان موجلا او معجلا کان فی نیۃ الاداء ام لا لانہم قالوا ان حاجۃ المدیون الی ہذا المال حاجۃ اصلیۃ لان قضاء الدین من الحوائج الاصلیۃ والمال المحتاج الیہ حاجۃ اصلیۃ لایکون مال الزکوٰۃ اھ شامی والمہر مطلقا دین لہ مطالب من جہۃ العباد والمدیون مامور من جہۃ الشرع بادائہا فیکون ہو محتاجا الی المال فی فراغ الذمۃ ویکون المال مشغولا بحاجۃ اصلیۃ فلا یکون مال الزکوٰۃ ونیۃ الاداء وعدمہا لامدخل لہ فی المنع وعدمہ لانہ غیر مؤثر فی العلۃ کما ان الدین الذی ہو بدل مال التجارۃ او غیرہا لا داخل فی اسقاط الزکوٰۃ وعدمہ لنیۃ الاداء وعدمہا وما یقال من انہ لایعد دینا فہو ایضا غیر نافع لانہ لامدخل للعد وعدمہ فی کون المدیون محتاجا الی فراغ الذمۃ وعدمہ وکون المال مشغولا بالحاجۃ الاصلیۃ وعدمہ لانہ لایراد ذمۃ من عدم عدہ دینا کما لایخفی فالاظہر عندی القول الاول ولا عبرۃ لنقل القہستانی عن الجواہر تصحیح الثانی فلیتأمل (یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۳ سے کیا گیا ہے)

مؤجل ومعجل ہر دو کو اور طحطاوی نے دو قول بیان کئے ہیں۔ معجل مانع ہے مؤجل مانع نہیں۔ اگر عزم ادا ہو مانع ہے ورنہ نہیں لانہ لایعد دینا پس کل تین قول ہیں۔ اور طحطاوی نے قہستانی سے قول ثانی کی ترجیح وتصحیح نقل کی ہے۔ مگر میرے نزدیک قول ثالث قابل ترجیح ہے۔ واللہ اعلم (امداد ج۱ ص۳۶)

سوال (۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید کے ذمہ چار ہزار روپیہ دین مہر مؤجل ہے آیا یہ دین صدقہ، فطر واضحیہ وایفا نذر وزکوٰۃ وحج کو مانع ہے یا نہیں۔ درصورت اول امور خمسہ کو مانع ہے یا بعض کو۔

الجواب۔ شامی کتاب الزکوٰۃ میں اختلاف نقل کر کے جواہر سے بحوالہ قہستانی نقل کیا ہے۔ والصحیح انہ غیر مانع۔ جلد ۲ صفحہ ۸۔ اور جب یہ زکوٰۃ کو مانع نہیں تو واجبات کو بھی مانع نہیں کہ زکوٰۃ کے شرائط سب سے اشد ہیں۔ ۸ رمحرم ۱۳۳۲ھ۔ (تتمہ ثانیہ ص۱۱۱)

سوال (۱۷) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری والدہ مرحومہ کا کچھ زیور ہے۔ جس کے ۵۰ روپیہ سال زکوٰۃ کے ہیں جو کہ میرے اوپر واجب الادا ر ہیں۔ مگر مجھ کو مہر بھی ادا کرنا ہے جس میں کہ ایک ہزار تو معجل تھا۔ جو کہ ادا کر دیا گیا اور باقی نو ہزار کا ادا کرنا باقی ہے۔ تو ایسی حالت میں میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ عالمگیری میں ہے کہ نہیں ہوگی۔ جس کی عبارت یہ ہے وکذا لک المہر یمنع موجلا کان او معجلا لانہ مطالب بہ کذا فی المحیط السرخسی وہو صحیح علی ظاہر المذہب آہ عالمگیری جلد ا ص۱۶۳ مطبوعہ مصر کتاب الزکوٰۃ۔

الجواب۔ اس میں دوسری روایت عدم مانعیت مہر و وجوب الزکوٰۃ کی بھی ہے۔ پس تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ اگر اس شخص کی نیت ادائے مہر کی ہو تو یہ دین مانع وجوب زکوٰۃ ہوگا۔ اور اگر نیت نہیں ہے تو نہ ہوگا۔ لیکن اگر مہر بعد میں واجب ہوا ہے اور زیور آپ کی ملک میں پہلے داخل ہو چکا تو وجوب مہر کے قبل کی زکوٰۃ بلا اختلاف واجب ہوگی۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ ص۳۱)

سوال (۱۸) دین مہر مسقط زکوٰۃ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الزکوٰۃ فارغ عن دین لہ مطالب من جہۃ العباد الی قولہ وصداق زوجۃ الموجل للفراق فی رد المحتار عزاہ فی المعراج الی شرح الطحاوی وقال عن ابی حنیفۃ لایمنع و قال صدر الشہید لاروایۃ فیہ ولکل من المنع وعدمہ وجہ زاد القہستانی عن الجواہر والصحیح انہ غیر مانع جلد ۲ صفحہ ۷ و ۸۔ اس سے مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا اور مانع عن وجوب الزکوٰۃ نہ ہونے کا صحیح ہونا ثابت ہوا۔ ۱۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص۲۲۹)

حکم زکوٰۃ بر مال مخلوط از رشوت و تنخواہ	**سوال (۱۹)** تنخواہ اور رشوت دونوں مخلوط ہیں۔ ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ **الجواب۔** مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فی الدر المختار لو خلط السلطان المال

المغصوب بمالہ ملکہ فتجب الزکوٰۃ الی قولہ لان الخلط استہلاک آہ فقط۔ ۱۰ ربیع شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۱۵۹)

امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۵۶

خلاصہ سوال:۔ زکوٰۃ در مال مخلوط از رشوت و تنخواہ۔

خلاصہ جواب:۔ وجوب زکوٰۃ۔

تسامح۔ قید ضروری در جواب متروک نمودند و آں واجب الذکر بود وھذا اذا کان لہ مال غیر ما استہلکہ بالخلط منفصل عنہ یوفی دینہ الخ در المختار۔

اصلاح تسامح۔ واجب بود کہ تمام شرائط کہ در وجوب زکوٰۃ مال مخلوط حلال بہ حرام در کتاب در المختار ورد المحتار بود ازاں روایت ماخوذہ امداد الفتاویٰ درج فرمودہ باشند تا کہ سائل در غلطی نہ افتد۔ تمام عبارت ہر دو کتاب تحریر کردہ می شود بعدہ مقصود بوضوح خواہد انجامید۔ ولو خلط السلطان المال المغصوب بمالہ ملکہ فتجب الزکوٰۃ فیہ ویورث عنہ لان الخلط استہلاک اذا لم یمکن تمیزہ عند ابی حنیفۃ وقولہ ارفق اذ قلما یخلو مال عن غصب وہذا اذا کان لہ مال غیر ما استہلکہ بالخلط منفصل عنہ یوفی دینہ والا فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثاً کما فی النہر ۱۲ در المختار ص ۳۹۔

قولہ کما فی النہر اے اول کتاب الزکوٰۃ عند قول الکنز وملک النصاب حولی ومثلہ فی الشر نبلالیۃ وذکرہ فی شرح الوہبانیۃ بحثاً وفی فصل العاشر من التتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ من ملک اموال غیر طیبۃ او غصب اموالا وخلطہا ملکہا بالخلط ویصیر ضامناً وان لم یکن لہ سواہا نصاباً فلا زکوٰۃ علیہ فیہا وان بلغت نصاباً لانہ مدیون ومال المدیون لا ینعقد سبباً لوجوب الزکوٰۃ عندنا اہ فافاد بقولہ وان لم یکن سواہا نصاب الخ ان وجوب الزکوٰۃ مقید بما اذا کان لہ نصاب سواہا وبہ یندفع ما استشکلہ فی البحر من انہ ملکہ بالخلط فہو مشغول بالدین فینبغی ان لا تجب الزکوٰۃ اہ لکن لا یخفی ان الزکوٰۃ حینئذ انما تجب فیما زاد علیہا لا فیہا لا یقال یمکن ان یکون لہ المال سواہا مما لا زکوٰۃ فیہ کدار السکنیٰ

لہ یعنی بشرائط معلومہ زکوٰۃ جن میں فراغ عن الدین بھی ہے۔ پس چونکہ مال حرام خلط سے مستہلک ہو جاتا ہے اور استہلاک سے مستہلک کے ذمہ دین ہو جاتا ہے۔ اسلئے دیکھا جاوے گا کہ اگر مال مخلوط میں سے بقدر مال حرام کے نکالکر بقدر نصاب بچتا ہے تو باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی حضرت مولانا کے جواب پر بعض علمائے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں مذکور ہے اور احقر نے اصلاحات ملحقات میں اس پر کلام کیا ہے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۶۔

وثیاب البذلۃ مما یبلغ المقدار ما علیہ او یزید فتجب الزکوٰۃ فیہما من غیر ان یکون لہ نصاب آخر سواہما لانا نقول انہ لما خلطہا ملکہا وصار مثلہا دینا فی ذمتہ لا عینہا وقد منا ان الدین یصرف اوّلاً الی مال الزکوٰۃ دون غیرہ حتی لو تزوج علی خادم بغیر عینہ ولہ مائتا درہم وخادم صرف دین المہر الی المائتین دون الخادم ای فلو حال الحول علی المائتین لا زکوٰۃ علیہ لاشتغالہا بدین مع وجود ما یبقی بہ من جنسہ وہو الخادم وہنا کذلک ما لم یملک نصاباً زائداً نعم تظہر الثمرۃ فیما اذا ابراہ المغصوب منہم کما نقلہ فی البحر عن المبتغی بالغین المعجمہ وقال ہو قید حسن یجب حفظہ انتہی واذا صالح غرمائہ علی عقار مثلا فیبقی ما غصبہ سالما عن الدین فتجب زکوٰۃ الی آخرہ ۱۲ رد المحتار صفحہ ۴۰ باب زکوٰۃ ہکذا فی الکتاب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ فقیر محمد بخش ساکن چونی۔

تکملہ اطلاع نمبر ۵ - وہ حواشی لکھے جاچکے ہیں۔ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ شائع ہوجاویں گے۔

اشرف علی ۱۷ رجب ۱۳۳۲ھ۔ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۳)

زکوٰۃ بر کلابتون دوختہ بر پارچہ بہ تخمین

سوال (۲۰) اگر گوٹا کلابتون وغیرہ پر زکوٰۃ ہو اور وہ کپڑوں پر ٹکے ہوئے ہوں تو اندازہ کیا جائے گا یا نہیں۔

الجواب - اندازہ کیا جاوے گا - اور احتیاط یہ ہے کہ اندازہ سے کچھ زائد سمجھا جاوے - فقط

۱۵ شعبان - (امداد صفحہ ۱۵۶ ج ۱)

رفع شبہ غالب بودن پارچہ در کمخواب

سوال (۲۱) کمخواب میں غالب پارچہ ہوتا ہے - اس کا علٰحدہ اعتبار ہوگا یا دیگر اشیاء کے لحاظ سے -

الجواب - غالب کے یہ معنی نہیں جیسا کہ اس سوال[ع] سے چار سوال پہلے مذکور ہوا - اس لئے اس میں جس قدر چاندی ہوگی اس پر زکوٰۃ واجب ہے - فقط واللہ اعلم -

۱۵ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۱۵۶ ج ۱)

معنے حولان حول بر نصاب

سوال (۲۲) ایک شخص کی آمدنی روزمرہ کی ہے - وہ روپیہ بنک میں بطد امانت بلاسودی جمع کرتا جاتا ہے - مثلاً ماہ جنوری سے دسمبر تک آمدنی مقدبہ قابل زکوٰۃ ہوگئی - آخر ماہ دسمبر تک اس کا حساب زکوٰۃ کیوں کر کیا جاوے - کسی آمدنی پر گیارہ ماہ گزرے - کسی پر دس کسی پر دو چار، بلکہ کسی پر دو چار دن - اسی آمدنی سے خرچ ہوتا رہا - مگر اختتام سال پر باوجود خرچ کے وہ قابل زکوٰۃ ہو - لیکن کسی آمدنی پر سال پورا نہیں گزرا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا -

(ع موجودہ ترتیب میں صفحہ ۵ پر سوال ۱۶ ہے ۱۲)

الجواب- جس وقت سے وہ ذخیرہ بقدر نصاب ہوگیا ہو اس تاریخ سے سال شروع ہوگا اور اس سال کے ختم پر جس قدر اس وقت موجود ہوگا بشرطیکہ نصاب سے کم نہ ہو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی- گو ہر جزو پر سال نہ گزرا ہو- اور گو درمیان سال کے نصاب سے کم رہ گیا ہو- فی الدر المختار وشرطہ کمال النصاب، ولو ساعۃ فی طرفی الحول فلا یضر نقصانہ بینہما آہ-

۳ ر ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ- (امداد ص ۱۵۷ ج ۱)

حکم صرف زکوٰۃ بعض رشتہ داران

سوال (۲۳) اپنے حقیقی یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی بھائی بہن یا بھانجے یا بھانجی یا بھتیجے یا بھتیجی یا ماموں یا خالہ یا پھوپی یا سالہ یا سالی یا ساس کو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ زکوٰۃ و فطرہ دینا جائز ہے یا نہیں-؟

الجواب- جائز ہے اگر وہ نابالغ ہے تو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اُس کا باپ غنی نہ ہو اگرچہ ماں غنی ہو- فی الدر المختار ولا الی طفلہ بخلاف ولدہ الکبیر وابیہ وامرأۃ الفقراء وطفل الغنیۃ فیجوز لانتفاء المانع اھ قلت الضمائر فی طفلہ وولدہ وابیہ وامرأتہ راجعۃ الی الغنی کما فی الشامیۃ-

۲۶ ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵۸ ج ۱)

اولویت صرف زکوٰۃ ببلدے کہ دراں مال موجود باشد

سوال (۲۴) ایک شخص وطن اصلی میں کم رہتا ہے وطن اقامت میں زیادہ رہتا ہے تو زکوٰۃ کہاں کے لوگوں کو دینا چاہیے-

الجواب- فی رد المحتار ویعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال کلھا واختلف فی صدقۃ الفطر کما یاتی آہ اس روایت پر جس مال کی زکوٰۃ دی ہو وہ مال جس جگہ موجود ہو وہاں کے لوگ احق ہیں الا بعارض فضلوہ- اور اگر پھر بھی دوسری جگہ بھیجدے تو بھی ادا ہو جاوے گی- فقط واللہ اعلم

۲۶ ر محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۵۸ ج ۱)

حکم ادا کردن زکوٰۃ از غیر جنس

سوال (۲۵) اگر کسی شخص نے زکوٰۃ میں کچھ روپیہ نکالا- مگر وہ روپیہ مصارف میں صرف نہیں کیا- بلکہ اس روپیہ کا کپڑا یا غلہ یا اور کوئی چیز لیکر مصارف کو دیدی- تو کیا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی- اور دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی-؟

الجواب- ادا ہو جاوے گی- لان البدل فی حکم الاصل عند الحنفیہ بشرطیکہ مال خریدہ شدہ اتنی قیمت کا ہو مشتری کو کسی نے ٹھگ نہ لیا ہو- ورنہ بقدر قیمت بازار زکوٰۃ ادا ہوگی- ۲۷ ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۵۸ ج ۱)

زکوٰۃ از خلاف جنس

سوال (۲۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی مال میں زکوٰۃ

واجب ہو، تو آیا اسی میں سے ادا کرنا اس کا ضرور ہے یا خلافِ جنس میں سے بھی ادا کر دے تو ادا ہو جاتا ہے جیسے کسی کے ذمہ سونے یا چاندی کی زکوٰۃ میں ایک روپیہ واجب ہوا اور وہ اس روپیہ کا کپڑا خرید کر کسی کو دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ زکوٰۃ خلافِ جنس سے بھی ادا ہو جاتی ہے۔ اور خلافِ جنس قیمت میں واجب کی برابر ہونا چاہیئے۔ واجمعوا انہ لوادی من خلاف جنسہ اعتبرت القیمۃ۔ شامی جلد ثانی صفحہ ۳۰۔ پس صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ کیونکہ رکن زکوٰۃ کا تملیک ہے۔ وہ پایا گیا۔ فی الدر المختار فواطعم یتیما نادیا الزکوٰۃ لایجزیہ الااذادفع الیہ المطعوم کما لوکساہ ای کما یجزیہ لوکساہ ح شامی ۲ بشرط ان یعقل القبض ص۳ جلد ثانی وقال الشامی بعد اسطر ففی الکسوۃ لاشک فی الجواز لوجود الرکن وہو التملیک۔ فقط۔ ۶ جمادی الآخرہ رمضان ۱۳۲۰ھ (امداد ص۱۶۴ ج ۱)

تحقیق حیلۂ تملیک

سوال (۲۷) تملیک کرانے کا حیلہ جو اکثر مدارس اسلامیہ وغیرہ میں کیا جاتا ہے اسمیں نیت یقیناً اچھی نہیں ہوتی۔ گو از روئے فقہ صورۃً جائز ہی کیوں نہ ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ جو نیت اور دلوں کے ارادہ کو دیکھتا ہے ایسا کرنے سے راضی ہوگا۔ اور حیلہ کرنے والا مواخذۂ آخرۃ سے بری سمجھا جاوے گا۔؟

الجواب۔ قطع نظر ورع سے میرے نزدیک قاعدۂ فقہیہ کی رو سے بھی یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ تملیک رکن زکوٰۃ ہے۔ اور تملیک میں جب عاقدین ہازل ہوں تملیک نہیں ہوتی۔ اور صورتِ متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن قویہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں۔ فی الدر المختار وقدمنا ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ہذہ الاشیاء وہل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاہر نعم فی رد المحتار وفی التعبیر بثم اشارۃ الی انہ لوامرہ اولا لایجزی لانہ یکون وکیلا عنہ فی ذلک اھ ثم نظر فیہ[۵]

---

[۵] تقریر نظر الشامی ان المعتبر نیۃ الدافع ولذا اجازت وان سماہا قرضا او ہبۃ فی الاصح کما قدمناہ نافہم وتقریر مولانا فی ذلک النظر علی ما رأیتہ مکتوبا بہامش الشامی بخط طال بقائہ علی رد قول المستفیدین ان التملیک رکن الزکوٰۃ ولم یوجد فی التوکیل بخلاف القرض والہبۃ فانما تملیک وان اختلف الجہۃ وعسی ان یکون قولہ فافہم اشارۃ الی ذلک اھ وعندی ان نظر مولانا نجیہ لان القول العلامۃ المعتبر نیۃ الدافع منع لقول المستدل انہ یکون وکیلا عنہ فی ذلک ثم الحاصل انا لانسلم ان یکون وکیلا عنہ لان المعتبر نیۃ الدافع والمفروض انہ نوی الاعطاء وان لم یظہر باللاخذ فلا یرد علیہ ان التملیک رکن الزکوٰۃ ولم یوجد فی التوکیل الخ لان الظاہر من ہذہ العبارۃ انہ طال بقاہ فہم من عبارۃ الشامی ان العلامۃ سلم کونہ توکیلا ولیس کذلک کما لایخفی والحق فی النظر ان یقال ان التملیک الذی ہو فعل المعطی غیر کاف (باقی ص۱۴ پر)

(باقی ص۱۴ پر)

ونظرت فی ذلک النظر فیبقے الحکم سالما - فقط - ۲۷ محرم (امداد ص۱۵۹ ج۱)

حکم زکوٰۃ در مال حرام

سوال (۲۸) رشوت سے حاصل کئے ہوئے روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں آجکل عام مسلمان جیسے رشوت وکسب حرام پر جری ہیں زکوٰۃ دینے سے بھی اس بنار پر مستغنی ہیں کہ ناجائز مال پر زکوٰۃ ہی نہیں - حالانکہ خود استعمال کرنے میں تامّل نہیں کرتے اور نزدہ قریبی رشتہ دار جو مفلس و مصرف زکوٰۃ ہیں، اور اتفاقاً یہ روپیہ اُن کو ملے - پس اگر زکوٰۃ کی نیت پر اُن کو دیا جاوے تو کیا مضائقہ ہے -

الجواب - فی الدر المختار[۵] ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملکه فتجب الزکوٰۃ فیه ویورث عنه لان الخلط استهلاک اذالم یکن تمیزه الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی - واللہ اعلم - ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ - (امداد ص۱۶۰ ج۱)

خلاصہ سوال - زکوٰۃ در مالِ رشوت وکسبِ حرام ؟

خلاصہ جواب - وجوبِ زکوٰۃ -

تسامح - سوال از مالِ رشوت وکسب حرام خالص بود نہ از مال مخلوط حلال بحرام بود جواب

امداد الفتاوی جلد ۱ (۱۶۰)

---

[۵] اگر اصل سوال میں بظاہر خلط کی قید نہیں اور اس لئے وہ عام ہے اور شامل ہے خالص ومخلوط کو مگر حضرت مولانا نے بنا بر عرف اس سے مال مخلوط سمجھا - اور اُسی بناء پر اس کا جواب دیا ہے - لیکن تفصیل مال حرام میں یہ ہے کہ اگر وہ مالِ حرام خالص ہو تب تو اس میں زکوٰۃ نہ واجب ہوگی - کیونکہ اس کے مالک معلوم ہیں تب تو وہ واجب الرد ہے - اور اگر معلوم نہیں تو کل واجب التصدق ہے - اور اگر مخلوط ہے تب دیکھا جاویگا کہ اگر مال حرام کی مقدار اسمیں سے نکال لی جاوے تو بقدر نصاب بچتا ہے یا نہیں اگر بچتا ہے تو اس مقدار باقی میں زکوٰۃ واجب ہوگی - اور اگر نہیں بچتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی - حضرت مولانا کے اس جواب پر بعض علمانے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولی میں درج ہے - اور احقر نے اس پر اصلاحات ملحقات میں کلام کیا ہے - (یہ عبارت تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۸ سے نقل کی گئی)

(بقیہ ص۱۴۳ کا حاشیہ) فی اداء الزکوٰۃ بل شرط التملیک وہو اختیاری ہہنا فیتوقف علی قبول الآخذ ولم یوجد ہہنا لانه لم یعلم التملیک اصلا فلا یکفی ہذا التملیک فی اداء الزکوٰۃ نعم ان علم الآخذ انه تملیک بالشرط وقبل یتادی الزکوٰۃ بلا شبہۃ ان الہبۃ والصدقۃ لاتفسدان بشرط الفاسد ومن ہہنا علم ما فی قوله طال بقاءہ قطع نظر ورع سے میرے نزدیک الی قوله صورت متعارفہ میں دونوں بشہادت قرائن تو یہ معترف ہیں کہ تملیک مقصود نہیں - لان فی الصورۃ المتعارفۃ تملیکا بالشرط لاہزلا وبینہما فرق فتدبر - (یہ عبارت تصحیح الاغلاط ص۲۷ سے نقل کیگئی)

از ثانی ست و مطابق سوال نیست۔

اصلاح تسامح۔ لازم ست کہ جواب بایں طور دادہ آید اگر مال تمام حرام و خبیث ست چنانچہ رشوت و کسب حرام دراں زکوٰۃ واجب نیست بلکہ کل واجب التصدق ست فی القنیۃ لو کان الخبیث نصابا لایلزمہ الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ آہ۔ و مثلہ فی البزازیۃ ۱۲ رد المحتار صـ۲۹ باب زکوٰۃ۔ قولہ بمالہ متعلق بخلط و اما لو خلطہ بمغصوب آخر فلا زکوٰۃ فیہ کما یذکرہ فی قولہ کما لو کان الکل خبیثا ۱۲ رد المحتار صـ۲۹۔ ہکذا فی الکتاب واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم بالصواب۔

حررہ فقیر محمد بخش عفی عنہ ساکن چوٹی۔ ہو المصوب جل جلالہ (تتمہ اولیٰ صـ۳۳۹)

حکم زکوٰۃ در رقم لگان کہ بذمہ کاشتکار باشد

سوال (۲۹) کسی شخص کا کچھ روپیہ لگان کا کاشتکار کے ذمہ قرض ہے۔ تین سو روپیہ سے زائد ہے۔ اس کی زکوٰۃ کس وقت دینی چاہیے۔ اور اس روپیہ میں حولانِ حول کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار واعلم ان الدیون عند الامام ثلثۃ۔ قوی و متوسط و ضعیف فتجب زکوتہا اذا تم نصابا و حال الحول الخ فی رد المحتار قولہ و حال الحول ای ولو قبل قبضہ فی القوی والمتوسط و بعدہ فی الضعیف و فی الدر المختار الدین القوی کقرض و بدل مال تجارۃ و فی العالمگیریۃ رجل اجر ارضہ ثلث سنین کل سنۃ ثلثمأۃ درہم فحین مضے ثمانیۃ اشہر ملک مائتی درہم فینعقد علیہ الحول فاذا مضے حول بعد ذلک فعلیہ زکوٰۃ خمسمأۃ الخ۔

ان روایات کی بنا پر صورت مسئولہ میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اور حولانِ حول بھی شرط ہے[۵۷]۔ رہی یہ بات کہ ابتدا حول کس وقت سے لی جاوے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر زمیندار ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے جو کہ جنس دَین سے ہے تب تو جس وقت وہ بقدر نصاب اُجرت کا مالک ہو جائے اس وقت سے حساب ہوگا کما فی العالمگیریۃ رجل آجر ارضہ ثلث سنین کل سنۃ ثلث مأتہ درہم فحین مضے ثمانیۃ اشہر ملک مائتے درہم فینعقد علیہ الحول فاذا مضے حول بعد ذلک علیہ زکوٰۃ خمسمأتہ آہ اور اگر وہ مالک نصاب مذکور ہے تو یہ اجرت حولانِ حول اصل نصاب کے تابع ہوگی۔ اور جس قدر اُجرت کا مالک ہوتا جاوے گا وہ مقدار اصل کے ساتھ ملتی جاوے گی۔ جب اصل نصاب پر حولانِ حول ہوگا تو اس وقت جس قدر مقدار اُجرت کا مالک ہوگا۔

---

[۵۷] یہ تغیر تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۸ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲

اس پر بھی حولانِ حول ہو جاوے گا۔ اور اصل نصاب اور اس مقدار دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی کما تقتضیہ اطلاق قولہم والمستفاد فی اثناء الحول یضم الی نصاب من جنسہ انتہی شامی۔ مگر ادا زکوٰۃ دین مذکور قبل از قبض واجب نہیں۔ بلکہ اس وقت واجب ہے جبکہ دین مذکور میں سے دو سو درہم یعنی چوّن روپے بارہ آنہ تین رتی (کما قال المولوی احمد حسن فی حاشیۃ بہشتی زیور) وصول ہو جاویں۔ لانہ دین متوسط وقال فی الدر المختار وعند قبض مائتین منہ لغیرہا ای من بدل مال لغیر التجارۃ والدین المتوسط۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (امداد ص ۱۶۲ ج ۱)

حکم زکوٰۃ گرفتن آں کہ مالکِ نصاب نباشد

سوال (۳۰) ایک شخص کے پاس کچھ زیور ہے۔ مگر نصاب سے کم ہے اس شخص کو اگر کوئی شخص زکوٰۃ دینا چاہے تو کس مقدار تک یہ شخص لے سکتا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وکرہ اعطاء فقیر نصابا او اکثر اس روایت سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور فی السوال کو اس قدر لینا تو بلا کراہت جائز ہے جس کو لیکر وہ اب بھی صاحبِ نصاب نہ ہو جاوے اور زیادہ لینا مکروہ ہے[ف]۔ واللہ اعلم۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۶۲ ج ۱)

عدم جواز استقراض از مد زکوٰۃ برائے مد دیگر مدرسہ وصرف یک مد در دیگر

سوال (۳۱) ایک مدرسہ میں دو مد قائم ہیں۔ ایک مد میں زکوٰۃ اور صدقات اور فدیہ وغیرہ کی آمدنی جمع ہوتی ہے۔ دوسرا مد عام اغراض کے لئے ہے۔ جس میں یکمشت امدادی رقم اور دوامی چندہ اور تقریبات شادی وغیرہ کی رقومات آتی ہیں۔ مد زکوٰۃ صدقات وفدیہ وغیرہ سے یتامیٰ اور مساکین کی خوراک اور پوشاک وغیرہ کی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ اور عام اغراض میں سے تنخواہ مدرسین ودیگر ملازمین اور کرایہ مکان مدرسہ اور فرش وصفائی وچھپائی اشتہارات وطبع کیفیت وڈاک وغیرہ میں خرچ ہوتا ہے۔ مدرسہ کے ذمہ بابت خریداری زمین کچھ روپیہ قرض ہے۔ جس کا قرض ہے اس نے اپنا روپیہ طلب کیا۔ اور مدرسہ میں عام اغراض میں اس قدر روپیہ نہیں جو اس کے قرض کو پورا کرے۔ اور جو روپیہ مد زکوٰۃ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ قرضدار کا قرض دیکر کسی قدر روپیہ بھی بچتا ہے۔ صرف یہ دریافت طلب ہے کہ مد عام اغراض میں جس قدر روپیہ موجود ہے اول وہ روپیہ دیا جاوے اور باقی جو

[ف] لیکن اگر یہ شخص مقروض ہو یا عیال زیادہ رکھتا ہو کہ قرض ادا کرکے یا عیال کی حوائج میں صرف کرکے نصاب نہ رہے گا پھر مکروہ نہیں کذا فی الدر المختار ۱۲ منہ

کسمرد ہے اگر مد زکوٰۃ میں سے قرض لیکر دیا جاوے درست ہے یا نہیں۔ اور تحویلدار نے بوجہ اس
قدر معلوم ہونے کے کہ شاید مد زکوٰۃ میں سے لینا درست نہ ہو زکوٰۃ میں سے روپیہ دینے میں تامّل
کرنا چاہا۔ بلکہ اراکین کے سامنے یہ بھی کہا کہ یہ درست نہ ہوگا مگر نہ مانا بلکہ یہ کہا کہ درست ہے تم
زکوٰۃ میں سے قرض دیدو اُن کے اصرار کرنے سے تحویلدار نے روپیہ مد زکوٰۃ سے دیدیا یہ گناہ
تحویلدار کے ذمہ ہوا یا نہیں۔ اور یہ امر درست ہے یا نہیں۔ یعنی زکوٰۃ میں سے قرض لینا
درست یا نا درست۔ لہٰذا براہ عنایت جواب عنایت فرمائیے۔

الجواب۔ باذن معطین[ملہ] درست ہے کیونکہ اموال مذکورہ ہنوز اُن کے ملک سے
خارج نہیں ہوئے۔ رہی یہ بات کہ صورت مسئولہ میں اذن معطین دلالۃً ہے یا نہیں یہ ایک امر ہے۔
اور ظاہر یہ ہے کہ اذن ہے۔ کیونکہ جب چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں تو عادت یہی ہے کہ وہ
اس سے اپنا تعلق تصرف منقطع کردیتے۔ اور متولی کو ہر مناسب تصرف کا اختیار دیدیتے ہیں
اس لیے صورت مسئولہ میں، تصرف مذکور جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص۱۶۳ ج ۱)

سوال (۳۲) مد زکوٰۃ میں سے قرض لیکر دوسری مد میں خرچ کرنا اس طور پر کہ بعد وصول
چندہ یہ رقم مد زکوٰۃ میں شامل کردی جاوے گی جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ بھی باذن معطین درست ہے۔ ۱۴ ر صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۵۸)

حکم زکوٰۃ در مکانات کرایہ

سوال (۳۳) چہ می فرمایند علماء دین اندریں مسئلہ کہ بر مکانات ودکانات
کہ زائد از سکونت ہست وبراں کرایہ گرفتہ می شود آیا زکوٰۃ واجب ست یا نہ
بینوا توجروا۔ **الجواب**۔ زکوٰۃ برانہا واجب نیست زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائط
زکوٰۃ است ومکانات[ملہ۲] نامی نیستند ومنہا کون النصاب نامیا۔ عالمگیری جلد اول ص۱۷۱ ولا فی
ثیاب البدن واثاث المنزل ودور السکنی ونحوہا۔ درمختار قولہ ونحوہا کحوانیت وخانات
یستغلہا طحطاوی مصری جلد اول ص۳۹۲۔ ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ۔ (امداد ص۱۶۴ ج ۱)

جواز گرفتن زکوٰۃ طالب علم غنی را

سوال (۳۴) اگر سفر میں کوئی مال دار طالب علم یا کوئی شخص صاحب
نصاب ہو۔ خواہ بقدر نصاب اُس کے ساتھ ہو یا نہ ہو اس کو زکوٰۃ لینا

ملہ یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص۲۹ سے کیا گیا ہے ۱۲

ملہ۲ البتہ اگر کوئی شخص یہی تجارت کیا کرے کہ مکان خرید لیا اور بیچدیا تو مثل مال تجارت ان مکانات کی
قیمت میں بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ ۱۲ منہ

جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - ابن السبیل مالک نصاب خواہ طالب علم ہو یا غیر طالب علم۔ جب اُسکے پاس خرچ نہ رہے زکوٰۃ لینا بقدر حاجت جائز ہے۔ اگر فقیر ہو تو حاجت سے زیادہ بھی جائز ہے۔ ابن السبیل وھو کل من لہ مال لا معہ در مختار وفی الشامی عن الفتح ولا یحل لہ ان یاخذ اکثر من حاجتہ۔ اور بعض فقہاء نے جو طالب علم کے لیے مطلقاً اخذ زکوٰۃ جائز رکھا ہے کما فی الدر المختار ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ ولو غنیا الخ وہ غیر معتمد ہے۔ کما فی الطحطاوی و ہذا الفرع مخالف لاطلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد آھ۔ پس قول مرجوح پر افتاء باطل ہے۔ کما بین فی رسم المفتی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ / محرم ۱۳۰۴ھ ہجری۔ (امداد ص ۱۶۵ ج ۱)

تحقیق وجوب زکوٰۃ بر اصل ومنافع در مال تجارت وکمپنی وصرف زکوٰۃ در مدرسہ

سوال (۳۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمپنی قائم ہوئی ہے جو کہ ایک معین سرمایہ سے کاروبار کرنا چاہتی ہے۔ اور اس سرمایہ کو معین حصوں (مثلاً سو یا ہزار) پر تقسیم کر کے ان حصوں کو معین قیمت پر فروخت کرتی ہے۔ کوئی ایک حصہ خرید تا ہے کوئی دو کوئی چار کوئی دس الیٰ غیر ذلک۔ اور اس طرح وہ سرمایہ کی معینہ رقم وصول کر کے کاروبار کرتی ہے۔ اور کاروبار کی نوعیت بھی مقرر نہیں ہے۔ بلکہ وہ کمپنی کی رائے پر ہے اگر وہ سود پر روپیہ دینا مصلحت سمجھتی ہے تو سود پر دیدیتی ہے۔ اور اگر وہ کسی قسم کا کارخانہ قائم کرنے میں فائدہ سمجھتی ہے تو کارخانہ قائم کرتی ہے۔ اور اگر کوئی دوکان کھولنا مفید سمجھتی ہے تو دوکان کھولتی ہے۔ غرض جس کام میں وہ فائدہ سمجھتی ہے وہ کرتی ہے۔ شیر خریدنے والوں کو اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ وہ مال تقسیم کرا سکتے ہیں نہ روپیہ واپس لے سکتے ہیں۔ اور نہ انفرادی حیثیت سے کسی قسم کی مداخلت کر سکتے ہیں۔ اور اجتماعی حیثیت سے بھی صرف اس حد تک مداخلت کر سکتے ہیں جس حد تک کہ ان کو کمپنی کے قواعد وضوابط کی رو سے حق حاصل ہے۔ انفرادی حیثیت سے ہر حصہ دار کو دو حق حاصل ہیں۔ ایک[۱] یہ کہ نفع جس قدر ان کے حصہ میں آئے وہ لے لیں۔ اور دوسرا[۲] یہ کہ اگر وہ اپنا حصہ کسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کر دیں اس سے زیادہ اُن کو حق نہیں اس کے متعلق دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ روپیہ جو کمپنی نے خریداران شیر سے وصول کیا ہے اور اس سے جو اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ خریدی ہیں یا اس کو کسی دوسرے کام میں لگایا ہے کس کی ملک ہے۔ آیا خریداران شیر کی یا کمپنی کی۔ اگر کمپنی کو مالک کہا جاوے

اور خریداران شیر کمپنی کو سودی قرض دینے والے قرار دیئے جائیں، تو خریداران شیر اصل اور سود دونوں کی زکوٰۃ ادا کریں گے یا صرف سود کی اس کا جواب اس امر کو پیش نظر رکھ کر دیا جاوے کہ خریداران شیر اصل رقم کمپنی سے وصول نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر کمپنی کسی وقت ٹوٹ جائے تو اس کا سرمایہ حصہ داران میں بمقدار حصّہ تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر خریداران شیر کو مالک کہا جاوے اور کمپنی کا رکن تو اس صورت میں خریداران شیر اپنے مال کی زکوٰۃ کس قاعدہ سے دیں گے۔ اس کے جواب میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا جاوے کہ خریداران شیر کو کمپنی کے مقبوضات میں سوائے متذکرہ بالا دو حقوق کے اور کسی تصرف کا حق نہیں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ مالکوں کے مالکانہ تصرفات سے اس درجہ مجبوری اور کمپنی کا اختیار کامل کمپنی کو غاصب کی حد میں تو داخل نہ کر دیگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ قواعد کا مقتضا ظاہراً یہ ہے کہ کمپنی میں رقم داخل کرنے کے بعد بھی حصّہ دار ہی مالک رہیں۔ اور کارکن وکیل اور عدم واپسی کی شرط فاسد جس کا اثر حصّہ داروں کے ربح پر نہ پڑے گا وکیل کی اُجرت پر پڑے گا کہ اجر مثل سے زائد کا وہ مستحق نہ ہوگا۔ اور چونکہ یہ شرط مالک کی رضا سے ہے اس لیے غصب میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور جب حصہ دار رقم کا مالک ہے تو زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہو گی۔ باقی اگر یہ تحقیق نہ ہو سکے کہ وہ رقم کس مقدار اور کس صورت میں ہے تب بھی اس بنا پر کہ اصل رقم کا محل وجوب زکوٰۃ ہونا یقینی ہے اور کوئی امر جو زکوٰۃ کا مسقط و مانع ہو مشکوک ہے اور الیقین لا یزول بالشک اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب کہیں گے۔ اور نفع جو وصول ہوا ہے اس میں کوئی وجہ شک کی ہے ہی نہیں۔ جب تک اس کے خلاف کوئی امر ظاہر نہ ہو استصحاباً یہی حکم باقی رہے گا۔ واللہ اعلم۔

اور واقفین سے معلوم ہوا کہ ان امور کی تحقیق بھی سہولت سے ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں حکم زکوٰۃ سہولت سے متعین ہو جائے گا۔

نوٹ:۔ بہتر ہے کہ علمائے سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ (النور ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ)

سوال (۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں اول کسی شخص نے ایک انجمن تجارت متفقہ میں کچھ زر داخل کر کے شرکت حاصل کی۔ شریک کو انجمن کے کاروبار تجارت خرید و فروخت مال و انتظام و اہتمام میں کسی قسم کی مداخلت نہیں۔ مہتمم و سربراہ کار ششماہی خواہ سال تمام پر حسب قاعدہ معینہ زر منافع شرکاء کے پاس بھیجتا ہے۔ ایسی صورت

میں زرِ منافع پر جو شریک کو وصول ہو زکوٰۃ واجب ہے یا زرِ اصل و منافع دونوں پر۔ دوم زرِ زکوٰۃ تعلیم اطفال مسلمانان میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں۔ عام اس سے کہ تعلیم علوم دینی ہو یا دنیوی مثلاً زکوٰۃ دینے والے کو محض ہمدردی قومی اور حبِ اسلامی سے یہ مقصود ہے کہ مسلمان جو بوجہ عام عدم حصول اُن علوم کے کہ فی زمانہ آلہ کسب معاش سمجھے جاتے ہیں افلاس میں بسر کرتے ہیں، ان علوم سے ماہر ہو جائیں اور ان پر نوکری گورنمنٹ اور معاش کا دروازہ کھل جائے۔ اور اس ذریعہ سے اُن کی فلاکت و تنگدستی دُور ہو۔ پھر حاجات دنیوی سے فارغ البال ہو کر اگر توفیق ایزدی رفیق ہو تو اُن سے دینی امور کی امداد کی بھی اُمید ہے۔ پس زرِ زکوٰۃ بے مایہ اطفال کے خورد نوش یا کتابوں کی خرید یا معلموں مدرسوں و ماسٹروں کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروری سامانِ نشست و برخاست و اسباب استراحت اطفال داہلِ مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ جواب سوال اول صورت مسئولہ میں آخر سال میں جس قیمت کا سرمایہ اُس کے حصہ کا اور جس قدر اس پر منافع ہو دونوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ فی الدر المختار نام ولو تقدیرا بالقدرة علی الاستنماء، ولو بنائبه والمستفاد وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل ۱۲ وفی عرض تجارة قیمة نصاب ۱۲ واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم۔ ادا، زکوٰۃ میں چونکہ تملیک شرط ہے۔ لہذا مصارف مذکورہ میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ البتہ جواز کا یہ حیلہ[1] ہے کہ اولاً کسی مستحق کی تملیک کردی جاوے پھر وہ اپنی طرف سے ان مصارف میں صرف کردے۔ لیکن اس مستحق کو صرف نہ کرنیکا بھی اختیار ہے (یصرف الی کلهم او بعضهم تملیکا لا الی بناء مسجد و کفن میت و قضاء دینه و ثمن ما یعتق لعدم التملیک وهو الرکن وقدمنا ان الحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یامره ان یفعل هذه الاشیاء وهل له ان یخالف امره لم اره والظاهر نعم ۱۲ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۶۵ ج ۱)

سوال (۳۷) زید نے ایک مِل کمپنی کے حصے خریدے۔ ایک حصہ ۷۰۰ میں خریدا آج وہ حصہ ۹۰۰ میں بکتا ہے۔ اصل حصہ سو روپے کا ہے۔ اس کی آمد سالانہ کبھی تو کبھی زیادہ ہے۔ زید زکوٰۃ کس طرح دے۔ اور مفصل گزارش

کمپنی میں جو روپیہ لگائے اصل و نفع پر زکوٰۃ کا حکم

---

[1] لیکن یہ حیلہ اگر محض ضابطہ ہی پورا کرنے کو کیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اگر تملیک واقعی ہوتی ہے تو اس کو حیلہ کہنا بھی غلط ہے۔ اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی ۱۲ منہ

یہ ہے کہ کمپنی کی جائداد یعنی عمارت اور اس کی مشینیں سانچے وغیرہ یہ کل ۲۵ لاکھ روپیہ کی ہیں۔ اور روپیہ جمع ۲۵ لاکھ ہیں۔ زید کے حصہ میں اگر یہ جائداد اور روپیہ جمع ہوا تقسیم ہوئے تو دو سو روپے آنے کی اُمید ہے۔ یہ تو جواب ہے۔ اب بندہ پھر تفصیل سے عرض کرتا ہے۔ شروع کمپنی جب ہوئی تو ایک حصہ ایک سو روپیہ کا تھا ایسے دس ہزار حصّے کے خریدار لوگ ہوئے جس سے دس لاکھ روپیہ جمع ہوگیا۔ اس کی ایک عمارت بنائی اور کچھ مشینیں لا کر اس میں نصب کردی گئیں۔ پہلے سال سو روپے پر اس کمپنی نے نفع دس روپیہ تقسیم کیا تو ایک حصہ جو سو کا تھا دو سو روپے میں پہلے خریدار سے عمر نے خرید لیا۔ دوسرے سال بیس روپے ایک حصہ جو کہ سو کا تھا اس پر تقسیم کئے جس کی وجہ سے حصہ کی قیمت ۳۰۰ سو کی ہوگئی۔ عمرو سے ایک حصہ بکر نے ۳۰۰ میں خریدا ایسے ہی زیادہ نفع ہونے سے قیمت بڑھ گئی۔ اور بکر سے خالد نے ۴۰۰ میں خریدا پھر خالد سے زاہد نے ۶۰۰ میں پھر زاہد سے اب زید نے ۷۰۰ میں خریدا اب اس سال وہی حصہ ۸۰۰ میں بکتا ہے۔ سرمایہ اور عمارت وغیرہ جمع کی جاوے تو زید کو ۲۰۰ روپے حصہ میں آسکتے ہیں۔ اور سالانہ نفع کبھی سو روپے کبھی دو سو روپے کبھی ڈیڑھ سو روپے۔ اب سوال یہ ہے کہ آمدنی سالانہ پر زکوٰۃ دے یا سرمایہ وجائداد کی قیمت کرکے جو حصہ جس قدر زید کے حصہ میں آوے اس مقدار پر زکوٰۃ دے، یا اصل حصہ سو کا تھا اس مقدار پر زکوٰۃ دے۔ یا آجکل اس کی قیمت ۸۰۰ کی ہوگئی ہے اس مقدار پر زکوٰۃ دے تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ جواب سے پہلے یہ مقدمات سُن لینا چاہئیں۔

(۱) تجارت کی اصل اور نفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) عمارات وآلات حرفہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۳) مال حرام پر اگر وہ اپنی ملک میں مخلوط ہوجاوے زکوٰۃ ہے۔ مگر بقدر حق غیر دین ہونے کے سبب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوجاوے گا۔

اِن مقدمات کے بعد اب سمجھنا چاہئے کہ ابتدائی شرکت میں اصل شریک کا جو مثلاً سو روپے کا تھا۔ اس میں سے کچھ حصہ تو عمارات وآلات میں لگ گیا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ اور کچھ حصہ تجارت میں لگا اس پر مع نفع کے زکوٰۃ واجب ہوئی۔ خواہ وہ نفع پورا اس شریک کو مل گیا ہو خواہ کچھ تقسیم ہوکر بقیہ سرمایہ میں شامل ہوگیا۔ مثلاً سو روپے میں بیس تو عمارات وآلات میں لگ جاویں اور اسی تجارت میں لگ جاویں۔ اور اس

اسّی پر پندرہ روپیہ نفع ہو جس میں سے دس تو شریک کو ملے اور پانچ سرمایہ میں داخل کر دیئے گئے۔ اب زکوٰۃ ۹۵ روپے پر واجب ہوگی۔ پھر جب یہ حصہ مثلاً کسی نے خرید اتو حقیقت عقد کی یہ ہوگی کہ ۸۵ روپے تو ۸۵ روپیہ کے عوض میں ہو گئے۔ اور ایک سو پندرہ روپے حصۂ آلات وعمارات کے عوض میں۔ کیونکہ بدون اس تاویل کے یہ بیع جائز نہ ہوگی۔ اب شبہ رہا تقابض کا سو آلات وعمارات کے حصہ میں تو تقابض شرط ہی نہیں۔ اب حصہ پچاسی کا رہا سو بیع صرف کی بناء پر تو تقابض فی المجلس ضرور تھا جو یہاں ممکن نہیں۔ اس لیے اس کی صحت کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص صورۃً وعرفاً بائع ہے وہ مشتری حصہ سے پچاسی روپے قرض لے لے۔ پھر اس پچاسی روپے کا حوالہ اس پچاسی روپے پر کر دے جو کہ کارخانہ میں اسکے امین یعنی منیجر کے قبضہ میں ہے۔ اور اب اس کو یہ مشتری اپنی طرف سے وکیل وامین بناتا ہے۔ پس حوالہ مع قبض الامین سے وہ ۸۵ روپے اس مشتری کے حصے کی ملک میں آگیا۔ اور معاملہ مکمل ہو گیا۔ اب یوم ملک سے حولانِ حول ہونے پر حساب کرنے سو دیکھا جائے گا کہ علاوہ آلات وعمارات کے کل سرمایہ کتنا ہے۔ اور اس ۸۵ روپے والے کا اس میں اصل اور نفع ملا کر کتنا ہے۔ اس مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اُس قیمت کا اعتبار نہ ہوگا جس کے عوض میں یہ حصہ خریدا ہے۔ اسی طرح اگر یہ حصہ کسی اور نے خریدا یہی تفصیل تاویل اور احکام کی اس میں ہوگی۔ اور اگر بلا اس تاویل کے خریداری ہوئی تو اگر قیمت کی مقدار حصہ سے زائد ہے۔ تو گو یہ عقد ناجائز ہے۔ مگر اس حصہ میں کسی کا حق نہیں اس لیے زکوٰۃ صرف حصہ میں ہوگی۔ اور اگر قیمت کی مقدار حصہ سے کم ہے تو عقد بھو [illegible] ہے اور زائد حصہ دوسرے شخص یعنی بائع کا حق ہے۔ مگر چونکہ اس مشتری کے قبضہ میں اور اس کی ملک میں مخلوط ہے اس لئے زکوٰۃ مجموعہ میں ہوگی۔ مگر بقدر حق مذکور کے یہ شخص مدیون ہے۔ اسلئے اس حیثیت سے یہ مقدار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگی۔ البتہ اگر صاحب حق معاف کر دے تو پھر باوجود خبث مال کے بوجہ دَین نہ ہونے کے پھر مجموعہ پر زکوٰۃ ہوگی۔ اور یہ بائع حربی ہو۔ تو بناء بر روایت اباحت زیادۃ من الحربی یہ زائد حصہ حق غیر بھی نہ ہوگا۔ اُمید ہے کہ اس تقریر سے سوال کے سب اجزاء کا جواب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ ۳ر شوال ۱۳۳۹ھ

دوسرے علماء کو بھی دکھلا لینا یا خود غور کر لینا ضروری ہے۔ (حوادث صـ۲۱ ۵)

سوال (۳۸) مذکورہ بالا کمپنی[۱] کے دو ہزار روپیہ کے اگر حصص خریدے تو اس کی آمدنی کے اوپر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا دو ہزار روپیہ مذکورہ کے اوپر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا آمدنی اور مذکورہ دو ہزار روپیہ دونوں پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔؟

الجواب۔ زکوٰۃ اصل و نفع دونوں پر واجب ہوتی ہے۔ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۱۵۵)

مفقود کے مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۳۹) اگر کوئی زیور برس دو برس آدمی کے پاس رہے۔ اور وہ پاس سے جاتا رہے۔ یعنی کھویا جاوے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہو یا نہیں۔

الجواب۔ اگر خود کھو دیا یعنی خرچ کر دیا تب تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی بخلاف المستہلک بعد الحول لوجود التعدی۔ اور اگر خود گم ہوگیا تو سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔ ولا فی ہالک بعد وجوبہا اور اگر بعد گم ہونے کے مل گیا تو دیکھنا چاہئے اگر اس سال زکوٰۃ پورا ہونے کے بعد ملا ان ایام گم گشتگی کی زکوٰۃ لازم نہ آئے گی۔ ولا فی مال مفقود وجدہ بعد سنین رہا آئندہ کے لیے زکوٰۃ کا آنا اس کا یہ حکم ہے کہ اگر سوائے اس کے اس شخص کے پاس پہلے سے اس قسم کا نصاب ہے تو اس کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی دی جائے گی۔ اور اگر نصاب سے کم ہے تب پانے کے وقت سے سال کامل گزرنا شرط ہوگا۔ والمستفاد وسط الحول یضم الی نصاب من جنسہ فیزکیہ بحول الاصل قولہ الی نصاب قید بہ لانہ لو کان النصاب ناقصاً وکمل بالمستفاد فان الحول ینعقد علیہ عند الکمال۔ شامی۔ اور اگر سال کے اندر مل گیا۔ سو بھی دیکھنا چاہئے اُس کے پاس سوائے اس کے اور مال بھی اس قسم کا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وقت پانے سے جب ایک سال گزر جاوے تب زکوٰۃ لازم آوے گی۔ اور اگر اور مال بھی ہے کہ دونوں مل کر نصاب زکوٰۃ یا زائد ہو جاوے تو اس کی زکوٰۃ بھی مال باقی کے ساتھ دی جاوے گی۔ وشرط کمال النصاب فی طرف الحول فلا یضر نقصانہ بینہما فلو ہلک کلہ بطل الحول۔ درمختار۔

واللہ اعلم۔ ۱۲ / ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۶۶ ج ۱)

زیور، برتن اور غیر منقولہ جائیداد کی زکوٰۃ کا بیان

سوال (۴۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زکوٰۃ[۱] مفروضہ کا مسئلہ زیور مستورات پر جاری ہو سکتا ہے یا کیا۔ مواضع[۲] و دیہات کے منافع سالانہ پر زکوٰۃ ہے یا کہ قیمت مواضع پر زکوٰۃ دینا چاہئے۔ جو ظروف[۳] مثل دیگ ہائے

---

[۱] یعنی کپڑے اور روئی بنانے والی کمپنی کے حصص جن کا تذکرہ کتاب کی اصل ترتیب میں اس سے پہلے سوال کے اندر آیا ہوا ہے ۱۲ محمد شفیع

دیگن وغیرہ کلاں ہوں اور سال بھر میں اُن میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہو۔ اور ہمیشہ روزمرہ مستعمل نہ ہوتے ہوں تو ایسے ظروف، ظروف مستعملہ میں شامل ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - جواب سوال اول۔ جو زیور پہننے کے لیے نہ ہو بلکہ اجارہ یا تجارت یا اتفاق وقت حاجت کے لیے ہو یا ممنوع الاستعمال ہو اُس میں تو باتفاق مجتہدین زکوٰۃ فرض ہے۔ زیور مستعمل مباح الاستعمال میں ائمہ مختلف ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک اس میں بھی فرض ہے۔ لعموم قولہ تعالیٰ والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم۔ الاٰیۃ وقولہ علیہ السلام فی الرقۃ ربع العشر و لخصوص ما ورد فیہ وہو ما روی الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأتین اتیا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفی ایدیہما سواران من ذہب فقال لہما تؤدیان زکوٰتہ قالتا لا فقال لہما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتحبان ان یسورکما اللّٰہ بسوارین من نار قالتا لا قال فادیا زکوٰتہ۔ وما روی مالک و ابوداؤد عن ام سلمۃ قالت کنت البس اوضاحًا من ذہب فقلت یا رسول اللّٰہ اکنز ہو فقال ما بلغ ان یؤدی زکوٰتہ فزکی فلیس بکنز۔ واللّٰہ اعلم۔

جواب سوال ثانی۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ اگر نصاب نقود میں سے ہے اُس میں زکوٰۃ مطلقاً واجب ہے۔ اور اگر دواب میں سے ہے اور سائمہ ہے تب بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ اور اگر غیر نقود وسوائم ہو تو نیت تجارت سے زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ بل لا بد مع الحول من شئی اٰخر وھو الثمنیۃ کما فی الثمنین ای الذہب والفضۃ او السوم کما فی الانعام او نیۃ التجارۃ فی غیرھا ذکرنا۔ شرح وقایۃ۔ پس مواضع اگر واسطے تجارت کے ہیں تو بعد حولان حول اُن کی قیمت و منافع پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔ اور اگر اجارہ کے لیے ہیں یا اپنے مصارف کے لیے ہیں پس خود اُن میں تو زکوٰۃ واجب نہیں کالحوانیت والعقارات۔ شامی۔ اور ایسے ہی اگر منافع یا کرایہ جنس غلات سے ہو۔ البتہ اگر زرکرایہ یا منافع نقود میں سے ہو اور اس پر سال بھر گزر جاوے اُسمیں زکوٰۃ واجب ہے۔ لما مر من وجوب الزکوٰۃ فی النقدین مطلقاً۔ واللّٰہ اعلم۔

جواب سوال ثالث۔ ظروف مستعملہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ اُن میں زکوٰۃ نہیں ولا بد ان یکون فاضلاً من حاجتہ الاصلیۃ کالاطعمۃ والثیاب واثاث المنزل شرح وقایۃ۔ واللّٰہ اعلم (امداد ص ۲۶ ج ۱)

ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آرڈر

سوال (۴۱) منی آرڈر کے ذریعہ سے کسی فقیر کو زکوٰۃ بھیجنے

زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں - وجہ شک یہ ہے کہ فقہاء نے تو یہ تصریح کی ہے کہ کافر کو وکیل بنانا ادائے زکوٰۃ میں جائز ہے - مگر یہاں اہل ڈاک خانہ صرف وکیل ہی نہیں بلکہ یہ عقد داخل قرض ہو کر یہ صورت قرار پائی کہ کافر مدیون سے یوں کہا کہ ہمارا یہ قرض زید کو دیدینا اور دل میں یوں نیت کی کہ ہم زکوٰۃ میں دلاتے ہیں - لہذا مسئلہ دو وجہ سے مشکوک ہوا - ایک تو یہ کہ حوالہ سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں - دوم کافر کے اس طرح دینے سے زکوٰۃ جائز ہوگی یا نہ، آج کل مدارس میں اس کا بہت دستور ہے -

الجوابؔ - فی الدر مختار مسائل متفرقۃ من کتاب الھبۃ تملیك الدین ممن لیس علیہ الدین باطل الا فی ثلث حوالۃ او وصیۃ واذا سلطہ ای سلط المملك غیر المدیون علی قبضہ ای الدین فیصح حینئذ ومنہ مالو وھبت من ابنہا ما علی ابیہ فالمعتمد الصحۃ للتسلیط - اس جزئیہ ومنہ مالو وھبت الخ سے معلوم ہوا کہ صورت تسلیط میں بالفعل تملیک ہوتی ہے - ورنہ صحت کو تسلیط سے معلل نہ کیا جاتا کیونکہ تبیض حسی کے وقت تو صحت ہبہ میں کوئی تردد ہی نہیں پھر اس میں ترجیح صحت کے کوئی معنی نہیں - اس سے ثابت ہوا کہ خود تسلیط تملیک ہے - گو قبل القبض اس تسلیط سے عزل جائز ہو لعدم تمام العقد کما لو قال وھبت ولم یقل الآخر قبلت یصح رجوعہ ومع ذلك ھو تملیك ویصح نیۃ الزکوٰۃ عندہ وان لم یتوقت قبول الموھوب لہ پس جب تسلیط تملیک ہوا اور تملیک کے وقت نیت ادائے زکوٰۃ کافی ہے - اور منی آڈر بھیجنے میں یقیناً تسلیط ہے - لہذا روانگی منی آڈر کے وقت نیت کافی ہے - اب دونوں وجہ شک کی جاتی رہیں - کیونکہ یہاں حوالہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور نہ کافر کے دینے سے بلکہ مزکی کی تسلیط سے - کما ذکر مفصلاً - فقط - واللہ اعلم -

۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۲۹ ج ۱)

تحقیق ادائے زکوٰۃ بذریعہ منی آڈر وجواب مشبہ بریں مسئلہ

سوال (۴۲) صفحہ ۲۵ فتاویٰ اشرفیہ حصہ دوم میں مسئلہ منی آڈر کے متعلق تصور فہم سے کچھ خلجان ہے اس لیے کہ تسلیط کو تملیک کہا گیا اگر اسی مسئلہ میں براہ راست کسی فقیر کو منی آڈر نہ کیا جاوے بلکہ کسی غنی کے ذریعہ سے تو لامحالہ یہ تسلیط تملیک نہیں بلکہ توکیل بالقبض ہے پھر اقتران نیت بوقت منی آڈر کرنے کے مفقود ہے - ونیز فقہاء غالباً تسلیط کو توکیل بالقبض کہتے ہیں - کہ جس کے بعد مسلط اصیل فی القبض

ؔ اس جواب کی توضیح امداد الفتاویٰ جلد سوم ص ۵۶ میں ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۳

لنفسہ ہوتا ہے چنانچہ شامی قولہ علی قبضہ برسا تحانی سے نقل کرتے ہیں و ج یصیر وکیلاً فی القبض عن الآمر ثم اصیلاً فی القبض لنفسہ الخ اور جس عبارت کو صاحب درمختار نے الا اذا سلطہ سے تعبیر کیا ہے ہدایہ کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء من تملیک الدین من غیر من علیہ الدین من غیر ان یوکلہ بقبضہ و ذلک لا یجوز الی قولہ بخلاف ما اذا عین البائع لانہ یصیر وکیلا عنہ فی القبض ثم بتملکہ الخ سے تعبیر کیا ہے جس سے تسلیط اور توکیل کا متحد ہونا ثابت ہے۔ اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الوکالۃ بالبیع والشراء میں مسئلہ مذکورہ کو وجعل البائع وکیلاً بالقبض دلالۃ الخ سے ذکر کیا ہے۔ اور اگر تسلیط سے مانحن فیہ من تملیک مراد لیا بھی جاوے تو معنی الا اذا سلطہ علی قبضہ کا الا اذا ملکہ علی قبضہ ہوا اور تملیک علی القبض توکیل علی القبض ہے نہ تملیک العین۔ پس اقتران بوقت تملیک کیونکر متحق ہوا۔

الجواب۔ تسلیط وکیل کا اتحاد اس وقت مضر ہوتا کہ یہاں صرف تسلیط ہوتی اور جبکہ یہاں تملیک بھی ہے کما ہو مذکور صریحاً فی قولہ تملیک الدین الخ اور اس کی شرط میں کہا ہے اذا سلطہ الخ تو تملیک مع التوکیل بالقبض متحقق ہوگئی اور تملیک کے وقت نیت مقارن ہے پس محل تردد نہیں ہے۔ چنانچہ بعد عبارت سائحانی منقولہ فی السوال مصرح ہے۔ و اذا نوی فی ذلک التصدق بالزکوٰۃ اجزاہ کما فی الاشباہ اس تقریر سے محذور اخیر جو مبنی ہے تسلیط و تملیک کے اتحاد پر نیز دفع ہوگیا۔ کیونکہ اتحاد کا دعویٰ نہیں کیا گیا اور اگر اس جملہ سے ایہام ہو کہ "خود تسلیط تملیک ہے" تو اس سے اصل مقصود یہ دعوی کرنا ہے کہ تملیک وقت قبض تک موخر نہیں بلکہ بالفعل ہے البتہ تعبیر میں تسامح ہے مقصود تسلیط و تملیک کی مفارقت کا دعویٰ ہے فافہم البتہ غیر فقیر کی معرفت بھیجنے میں یہ تقریر جاری نہ ہوگی جس سے اصل سائل نے بھی سوال نہیں کیا۔ جیسا اس کی ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ گو مدارس کا ذکر قرینہ عموم تھا۔ مگر اس کی طرف التفات نہ ہوا تھا۔ بہر حال اس صورت میں وکیل کی نیت کو شرط کہا جاوے گا۔ واقعی اصل جواب میں اس کی تصریح ہونا مناسب بلکہ ضروری تھا۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۵۹ ج ۳)

توکیل زکوٰۃ میں غلطی

سوال (۳۴۳) زید نے عمرو سے کہا کہ میں کچھ کتابیں زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہوں۔ اس میں سے دس کتابیں مسماۃ ہندہ کو دینے کا ارادہ ہے تم کسی طرح اس سے پوچھ لو کہ آیا اسکے پاس بھیجدی جاویں یا تم اس کی جانب سے وکالۃً قبضہ کرلو۔ ہندہ اس شہر میں نہ تھی اتفاق سے بکر آیا تو عمرو نے یہ ذکر کرکے کہا کہ ہندہ سے پوچھ کر مجھ کو اطلاع دینا۔ غلطی سے بکر نے بجائے ہندہ کے زینب سے پوچھ کر عمرو کو لکھ بھیجا کہ میں فروخت نہیں کرسکتی تم قبضہ کرکے فروخت کردو۔ بخط

خط میں بکر نے ہندہ زینب کسی کا نام نہیں لکھا عمرو یہ سمجھا کہ میں ہندہ کا وکیل ہوں اور کتابیں لیکر بیچ ڈالیں۔
جب قیمت بکر کے پاس بھیجکر لکھا کہ یہ ہندہ کو دیدو تو بکر نے اطلاع دی کہ میں نے تو زینب سے پوچھا تھا۔
اور تم نے زینب ہی کے بارہ میں مجھ سے کہا تھا۔ غرض زید نے اپنے خیال میں کتابیں ہندہ کو دیں اور عمرو نے
اپنے نزدیک بھی اسی کی جانب سے قبضہ کیا۔ بکر سے اتفاقاً غلطی ہو گئی۔ تو اب زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں۔ اور
قیمت کتب کس کو دینا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بڑا تردد ہے۔

الجواب۔ یہاں جب واقع میں عمرو کسی کا وکیل نہیں ہے اسلیے یہ بیع کتب حق زید میں تصرف
فضولی ہے۔ پس اگر زید نافذ رکھے گا نافذ ہو جاویگی۔ اور قیمت ملک زید ہو گی۔ اور بجائے کتب اب
زکوٰۃ روپیہ کے متعلق سمجھی جاویگی۔ پس اگر وہ روپیہ ہنوز قبض زینب میں نہیں پہونچا تو زید کو اختیار ہے جسکو
چاہے دیدے۔ اور اگر قبض زینب میں پہونچ گیا ہے اور بعینہ باقی ہے تو اب زید کی نیت کرنے سے زکوٰۃ
ادا ہو جائے گی۔ اور اگر باقی نہیں رہا تو زید عمرو سے رجوع کرے۔ اور عمرو بکر سے اور بکر زینب سے کیونکہ
یہ سب تصرفات حق غیر میں ہوئے۔ اسلیے یہ تصرفات فسخ کیے جاویں گے۔ اور ہر شخص اپنے عاقد سے رجوع
کرے گا۔ اور اگر زید نے بیع مذکور کو نافذ نہیں کیا تو ان رجوعات مذکورہ کے بعد عمرو وہ کتابیں مشتری سے
واپس لیکر اسکو روپیہ ثمن کا واپس کر دے اور کتابیں لاکر زید کو دے۔ پھر زید یہ کتابیں زکوٰۃ میں جسکو چاہے
دے۔ فقط۔ (امداد ص ۱۶۹ ج ۱)

وکیل زکوٰۃ کا زکوٰۃ کے روپیہ کو نوٹوں سے بدلنا

سوال (۴۴) ایک شخص نے کچھ روپیہ بمد زکوٰۃ ایک اپنے دوست کو دیا۔ کہ یہ رقم ایک مدرسہ میں بھیجدو۔ چنانچہ اس دوست نے وہ روپیہ نوٹوں
میں ایک لفافہ میں بند کر کے اپنے نابالغ لڑکے کو جو بظاہر کچھ نہ کچھ سمجھدار ہے دیا۔ کہ اسکی رجسٹری کرا دو۔
اس لڑکے نے بھول سے بجائے رجسٹری کرانے کے ویسے ہی خط بند کر کے ڈاک میں چھوڑ دیا۔ اس خط
کے اندر وہی نوٹ تھے جو مدرسہ میں جانے کو تھے۔ وہ خط راستہ میں گم ہو گیا۔ اور مدرسہ تک نہیں پہونچا۔
اب یہ فرمایئے کہ وہ روپیہ کس کے ذمہ پڑیگا تاکہ مدرسہ کو ادا کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار کتاب الایداع فلو دفعہا لولدہ الممیز الی قولہ لم یضمن خلاصہ بناء بر اس
روایت کے اپنے سمجھدار لڑکے کو دینا تو موجب ضمان نہیں ہے لیکن جب روپیوں کو نوٹوں سے بدلا تو اس
سے یہ دوست ضامن ہو گا اور روپیہ اسی کے ذمہ[ف] پڑیں گے۔ فقط ۲۰ رجب ۱۳۳۹ھ (تتمہ ص ۵۷ ج ۱)

سادات کے لیے زکوٰۃ حرام ہے

سوال (۴۵) سید صاحب نصاب ہو اور اس کے اعزہ میں غریب

ف البتہ اگر یہ تبدیل باذن واقع ہوئی ہو تو ضامن نہیں ہو ۱۲ منہ

و محتاج ہوں۔ اور کوئی ذریعہ ان کی امداد کا بجز زکوٰۃ کے نہ ہو ایسی حالت میں سید صاحب نصاب کو
اپنے اعزہ غریب کو زکوٰۃ میں سے دینا درست ہے یا نہیں تاکہ ان کی حاجت روا ہو جاوے۔ اسی طرح
دیگر اقوام شیخ، مغل، پٹھان صاحبِ نصاب اگر کسی غریب سید کو زکوٰۃ میں سے دیدیں تو درست ہے
یا نہیں کیونکہ آجکل سیدوں کی حالت بوجہ نہ ہونے ذریعہ معاش کے بہت سقیم ہو رہی ہے۔ اور بیت المال
بھی نہیں ہے کہ جس سے امداد کی جاوے۔ مفصل بدلائل حدیث و فقہ ارقام فرمایا جاوے۔

الجواب۔ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ خواہ دینے والے بھی بنی ہاشم سے ہو یا اور کوئی
ہو۔ لقولہ علیہ السلام لابی رافع مولی القوم من انفسہم وانا لا تحل لنا الی بنی ہاشم الخ
قلت ولا تغتر بما یذکر من جوازہا لہم لسقوط عوضہا وہو الخمس لانہ قیاس فی مقابلۃ النص اولاً۔
ثم ہذا القیاس نفسہ لا یتم لانہ علیہ السلام علل حرمتہا بکونہا اوساخ الناس لا بتعویض الخمس ہہنا
وانما ہی حکمۃ مستقلۃ فی مشروعیۃ حکم الخمس فلما لم یکن علۃ لم یلزم من ارتفاع الخمس ارتفاع حرمۃ
الزکوٰۃ فتامل حق التامل۔ اور خدمت سادات کی ہدایا و صدقات نافلہ سے ممکن ہے اور وہ اُن کے
لیے حلال ہے فی الہدایہ بعد الروایۃ المذکورۃ بخلاف التطوع۔ فقط۔ (امداد ص ۱۶ ج ۱)

جو سید مشہور ہو اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال (۴۶) جو شخص کہ سید کہا جاتا ہے۔ مگر اس کے نسب کا کہیں پتہ نہیں بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے یہاں تعزیہ داری وغیرہ ہوتی ہے اس کے سبب سے سید کہلاتا ہے۔ اور اس قرابتیں بھی عام طور سے جو لوگ شیخ کہلاتے ہیں اُن میں ہوتی ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کا مال دے سکتے ہیں یا نہیں۔ یا صرف تسامع سے اس کو سید مانیں گے گو کہ سید نہ ہو۔

الجواب۔ نسب میں تسامع کافی ہے۔ جبکہ کذب بیّن نہ ہو۔ فقط ذالحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۸)

نابالغ پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۴۷) (۱) ولی و سرپرست یتیم پر مال یتیم سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں (۲) اور یتیم صاحب نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ۱ و ۲ نہیں۔ بلکہ جائز بھی نہیں۔ فقط

سوال (۴۸) آیا نابالغ کی چیز میں سے زکوٰۃ نکالنی چاہیے یا نہیں۔ اُمید کہ حسب الحکم شرع مبین کے جواب سے بواپسی مطلع فرمائیں گے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وشرط افتراضہا (ای الزکوٰۃ) عقل و بلوغ الخ وفیہ
ویجب (ای العشر) فی الذین وفی ارض صغیر الخ۔ ان روایات سے دو امر معلوم ہوئے

ایک یہ کہ زکوٰۃ نابالغ کے مال میں واجب نہیں - دوسرا یہ کہ عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں واجب ہے - چونکہ بعض لوگ عشر کو بھی زکوٰۃ بولتے ہیں - اسلیے جواب میں دونوں کا حکم لکھدیا - (تتمہ ثالثہ ص۲)

عاریت کے مکان میں رہنے والے مالک نصاب پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال (۴۹) مثلاً ایک شخص اگرچہ مکان غیر میں بلاکرایہ سکونت پذیر ہے - مگر اپنی ملکیت میں کوئی مکان سکونت نہیں رکھتا - اور روزانہ اخراجات میں سے بشکل کچھ بچا کر کسی قدر جوکہ قدر نصاب کو پہونچ چکا ہو زیور بنوا کر بطور عاریت پہننے کو اہل خانہ کو سپرد کیا - زیور مذکور حوائج اصلیہ سے فارغ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب - ردالمحتار جلد ثانی ص۹ سے اس مسئلہ کا مختلف فیہ ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نقدین اس غرض سے رکھے ہوں کہ حاجت اصلیہ مسکن وغیرہ میں صرف کیے جاویں تو زکوٰۃ اُن کی واجب ہوگی - پس احوط اس صورت میں وجوب ہے - بالخصوص اس وجہ سے کہ زیور بنانا قرینہ اس کا ہے کہ گھر بنانے یا خریدنے کا ارادہ بھی نہیں ہے - ۸ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ ص۵)

سوال - (۵۰) ایک شخص کے پاس دو سو روپیہ نقد ہیں - جن پر سال بھر بھی گزر گیا مگر اس خیال سے جمع کر رکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے - یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں ہے - بلکہ اپنی ہمشیرہ کے مکان میں سکونت پذیر ہے - نیز اس پر قرض بھی نہیں ہے - لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں - ؟

الجواب - اسمیں اختلاف ہے - مگر راجح وجوب زکوٰۃ ہے - والتفصیل فی ردالمحتار جلد ۲ ص۹ - ۵ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۵۷)

جائداد غیر منقولہ میں مقدار غنا کی تحقیق

سوال (۵۱) وجوب فطر واضحیہ وحرمت اخذ زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کے لیے عقار کی غنا کس طرح پر ہے - بہت جزئیہ دیکھے مگر تسکین نہ ہوئی - بر جندی میں ہے کہ زمین کی قیمت اگر نصاب کو پہونچے تو غنی ہے - شامی میں ایک مقام پر کہا (کتاب الاضحیہ) قولہ والیسار الخ ولہ العقار یستغلہ فقیل تلزم لو قیمۃ نصابا وقیل لو یدخل منہ قوت سنۃ تلزم وقیل قوت شہر فمتی فضل نصاب تلزمہ آہ اور کتاب الزکوٰۃ میں ہے علی قولہ فارغ عن حاجۃ الاصلیۃ وفیہا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا او حانوت یستغلہا او دار غلتہا ثلاثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کان تبلغ قیمتہا الوفا وعلیہ الفتویٰ وعندہما لایحل - اسی قسم اختلاف برجندی ابوالمکارم وبزازیہ وجامع الرموز واشباہ میں بھی ہے - کہیں تو زمین کو حاجت اصلیہ میں داخل کرتا ہے - اور کہیں خارج جیسے شامی میں ہے - کہیں قیمت لے مین

کے بعد اخراج قوت سال یا ماہ کے معتبر کی۔ کہیں اعتبار غلہ کا کہیں ابتداءً کہیں بعد اخراج دخل سال یا ماہ کے۔ اگرچہ شامی کا فتویٰ موجود ہے۔ مگر مقابلہ حل و حرمت کا اور کلا عندکا عندہما میں مذہب پر دلالت کرتا ہے۔ شامی جلد اول میں ہے یعمل بما صح من المذہب لا بفتوی المشائخ المذہب ما قال الامام۔ دوسری جگہ اس کے خلاف کہا الروایۃ المختار للفتوی مرجح علی ظاہر الروایۃ۔ جلد ثانی میں ہے ترک ظاہر الروایۃ بقول المشائخ اس مسئلہ میں منقح حکم فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب۔ روایات مذکورہ سوال سے زیادہ تو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن حضرت استاذی علیہ الرحمۃ کو امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور خود بھی احقر کا اسی پر عمل ہے۔ مگر اس میں قدرے تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔ پس اگر وہ فاضل از حاجت اصلیہ قیمت بقدر نصاب ہے تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر و اضحیہ ہے۔ اور اگر اس سے استغلال کرتا ہے تو اُس کے غلہ کا اعتبار ہے۔ اگر اُس کا غلہ سال بھر کے خرچ سے بمقدار نصاب نہیں بچتا تو مانع اخذ زکوٰۃ و موجب فطر و اضحیہ نہیں۔ اور امام صاحب کے قول کا تقدم علی الاطلاق نہیں ہے۔ کما فصل فی رسم المفتی واللہ اعلم۔ ۱۱ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ فقط (تتمہ اولیٰ ص۵)

ختم ماہ وجوب زکوٰۃ پر حساب شوار ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کا طریق

سوال (۵۲) زید ایک کارخانہ میں حصہ دار ہے۔ کارخانہ کا سالانہ گوشوارہ نفع و نقصان بحساب شمسی مہینوں کے ۳۰ر جون کو ہوا کرتا ہے۔ ۳۰ر جون کو جو منافع اس کے حساب میں جمع ہوتا ہے اس منافع میں سے سال بھر تک اپنے مصارف پورے کرتا رہتا ہے۔ زید پر زکوٰۃ بماہ رمضان المبارک واجب ہوتی ہے۔ اور یہ ہمیشہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ علیحدہ کیا کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جو رقم اس کارخانہ میں بماہ رمضان المبارک باقی ہوتی ہے وہ اپنی ملکیت شمار کرتا ہے۔ مثلاً ۳۰ر جون کو جب کہ گوشوارہ تیار ہوا تھا تو زید کا سرمایہ مع منافع ایک ہزار روپیہ تھا اور ماہ ستمبر یعنی رمضان المبارک میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ اُس وقت تک ایک سو روپیہ خرچ ہو چکے تھے۔ اور نو سو روپیہ باقی تھے۔ چنانچہ اس نے ۹۰۰ روپیہ شمار کرکے زکوٰۃ علیحدہ کر دی۔ جو نفع یا نقصان اس کارخانہ میں درمیانی تین ماہ میں ہوا اُس کا شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ کارخانہ کا حساب سالانہ بحساب شمسی مہینوں کے ہوا کرتا ہے۔ درمیان میں نہ ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ کیا یہ صورت جائز ہے۔ یا زید اپنے تخمینہ سے اُس درمیانی تین ماہ کا نفع نقصان شمار کرکے زکوٰۃ دیدے۔

الجواب - یہ تو ٹھیک ہے کہ رمضان تک جتنا روپیہ صرف ہو چکا ہے اُس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی - لیکن اس نو سو روپیہ کے ساتھ اصل سرمایہ کی اور نیز اس تین ماہ میں جس قدر اور نفع ہوا ہو اس مجموعہ کی تو زکوٰۃ واجب ہوگی - باقی یہ کہ درمیان سال میں حساب نہیں ہو سکتا سو اگر واقعی یہ حساب دشوار ہے تو تخمینہ احتیاط کے ساتھ کافی ہے - اور احقر کے خیال میں تخمینہ کیلئے سال گزشتہ کی نسبت سال آئندہ کا اعتبار اقرب ہے - یعنی آئندہ جون میں جب پھر گوشوارہ سے سرمایہ و نفع کی مقدار معلوم ہو تو اس مجموعہ کو اُن چڑھے ہوئے تین ماہ قمری پر تقسیم کر دے جو حاصل قسمت ہو اس کو ادا کر کے زکوٰۃ گزشتہ کی تکمیل کر دے - اسیطرح ہمیشہ سلسلہ جاری رکھے اس میں اتنا کرنا پڑے گا کہ زکوٰۃ ہمیشہ دو بار کر کے ادا کرنا ہوگی - اور احتیاط کیلئے کچھ زیادہ دیدے - اُمید ہے کہ کمی بیشی عفو ہو جاوے گی - اور اگر اس سے سہل اور اقرب الی التحقیق کوئی صورت نکل سکے اس کو ترجیح ہوگی - ۱۸ ر رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۱)

زکوٰۃ کا حساب قمری سال سے ہونا چاہیے شمسی سے نہیں

سوال (۵۳) عمرو تجارت کرتا ہے - اور سالانہ گوشوارہ ۳۰ ر جون کو بحساب شمسی تیار کرتا ہے - اور ۳۰ ر جون ہی کو زکوٰۃ علیحدہ کرتا ہے - سالانہ منافع مثلاً ۵۶۵ روپیہ یا اوسط ایک ہزار روپیہ اور رہوا - لہٰذا بابت فرق شمسی و قمری مہینوں کے دس روپیہ زائد شمار کر کے ان دس روپیوں پر بھی زکوٰۃ دیتا ہے - کیا یہ صورت جائز ہے -

الجواب - اُمید ہے کہ ادا ہو جائے گی - اگر قدرے زائد دیدے تو احتیاط کی بات ہے - ۱۸ ر رجب المرجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۲)

سوال (۵۴) زید کو اس کے خرچ روزمرہ سے زائد یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو سو روپے بچ گئے - جس کو اس نے بطور پس انداز کے رکھ چھوڑا - اور ۲۵ ر دسمبر ۱۹۱۳ء کو یعنی گیارہ ماہ بعد اس کے پاس مبلغ پانچ ہزار روپے اور آ گئے - جس کو بھی پس انداز رکھنے کی غرض سے اُسی رقم سو روپے کے ساتھ رکھدیا - اب یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو جو ختم سال کے بعد کا پہلا دن ہوگا - اُس پر صرف رقم سو روپے کی بابت زکوٰۃ واجب ہوگی یا مبلغ پانچ ہزار ایک سو روپے کی بابت - کیونکہ پانچ ہزار کو ابھی صرف پانچ ہی دن گزرے ہیں -

الجواب - چونکہ زکوٰۃ میں سال قمری کا حساب ہے - اور شمسی سال بڑا ہوتا ہے قمری سے - پس ۲۵ ر دسمبر کو جو اس کے پاس پانچ ہزار روپے آئے وہ سال قمری کے گزرنے کے بعد

آئے اسلیے ان کی زکوٰۃ بابت سال کے واجب نہ ہوگی۔ ۷ ررمضان ۳۲ھ۔ (حوادث ص ۱۲۵ ج ۱ ادا ۲)

معادن میں خمس واجب اور اسلامی بیت المال نہ ہونے کی صورت میں تصدق بر فقراء لازم ہے

سوال (۵۵) ماقولکم اندرینکہ در کتب فقہا نوشتہ اند کہ بر لعل ومرجان خمس لازم نہ واجب نہ گردد زیراکہ بر قعر بحر قہر سلطان نمی رسد ہمچناں در معدنِ جبال وصحرا خمس لازم نیاید دریں صورت مراد فقہاء کدام جبال وصحرا است مطلق ست یا مقید ست کہ قہر سلطان دراں جبال نرسد۔ ہر شقے اختیار فرمایند موجہہ بیان فرمودہ جواب ارشاد فرمایند۔ ومعنی قہر سلطان نرسیدن اگر واضح فرمودہ شود تا حکم مسئلہ حل گردد الغرض در اطراف ونواحی ایں دیار جبال کثیرہ است کہ در بعض کوہ چنان ست کہ مسکن مردمان است وبعض کوہ چنان ست کہ چراگاہ مرعی اہل قریہ است وبعض چنان است کہ اہل قریہ ہیزم وحطب ازاں کوہ می آرند وبعض کوہ بیکار افتادہ است۔ لیکن ہمہ جبال در ماتحت سلطنت انگریز است ومراد فقہاء کدام کوہ است دبر تقدیر وجوب خمس بر فقرار خمس را تقسیم کردن جائز گردد یا نہ زیراکہ سلطان اسلام یافتہ نمی شود الحاصل بر تقدیر خمس بر کدام جبال وصحرا لازم آید۔ وبر تقدیر عدم لزوم خمس کدام جبال وصحرا مراد فقہاء ست۔ وقہر سلطان در جبال مذکورہ رسیدن طلاق است یا نہ۔ فقط

الجواب۔ فی الہدایہ والبنایہ ثم ان وجدہ فی ارض مباحۃ کالجبال والمفاوز فاربعۃ اخماسہ للواجدہ وکذا فی الدر المختار وغیرہ من کتب الفقہ۔ ازیں روایت معلوم شد کہ مضمون سوال کہ ہمچناں در معدن جبال وصحرا خمس لازم نیاید صحیح نیست۔ پس سوالات متفرعہ بریں ہم ضروری الجواب نماند البتہ در یاقوت وزمرد وفیروزہ عدم وجوب خمس نوشتہ اند لیکن نہ بدیں سبب کہ بر آں قہر وارد نشدہ زیراکہ وقت فتح ہمہ جبال وصحاری داخل قہر می شوند کما فی الہدایہ والبنایۃ لانہا ای اراضی المعدن کانت فی ایدی الکفرۃ وحوتہا ایدینا غلبۃ فکانت غنیمۃ وفی الغنائم الخمس آہ۔ بلکہ بناء برآنکہ احجار کہ از معدن یافتہ شود خود محل خمس نیست چنانکہ روایتش در ہدایہ مذکور است وایں خمس را خود بر فقراء تقسیم نمودن جائز ست۔ اگرچہ خود فروع واصول ایں کس باشند۔ فی رد المختار عن کافی الحاکم ومن اصاب رکازا وسعہ ان یتصدق بخمسہ علی المساکین فاذا اطلع الامام علی ذلک امضی لہ ما صنع وان کان محتاجا الی جمیع ذلک وسعہ ان یمسکہ لنفسہ وان تصدق علی اہل الحاجۃ من آبائہ واولادہ جاز ذلک ولیس ہذا بمنزلۃ عشر الخارج من الارض آہ ج ۲ ص ۷۷۔ ہرگاہ باوجود امام جائز ست۔ بوقت فقدان امام بدرجۂ اولیٰ خواہد بود۔ آئے در ارض غیر مملوکہ در دار الحرب باشد ہمہ رکاز ملک واجد است

کما صرح بہ - واللہ اعلم - ۲۷ر شوال ۱۳۲۶ھ ہجری (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵۲)

جس دَین کے وصول ہونے کی اُمید نہ ہو اس پر وجوب زکوٰۃ کی تحقیق

سوال (۵۶) زید کے مبلغ پانچ سو روپے ایک شخص کے ذمہ قرض ہیں - اور وہ شخص بہت دنوں سے یہ روپیہ دینے میں لیت ولعل کرتا ہے - اور یوں ہی ٹال بتاتا رہتا ہے - اب زید ان پانچ سو روپیوں کی جو اس شخص کے ذمہ قرض ہیں زکوٰۃ ہر سال برابر ادا کرتا رہے یا نہیں کیا زید ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے ذمہ دار ہے - جو روپے کہ کسی کے ذمہ قرض ہوں اور ان کے آنے کی اُمید کم ہو یا بالکل نہیں ہو اگر زید ہر سال ایسے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنیکا ذمہ دار نہیں ہو تو جب یہ روپے قرض کے وصول ہو جاویں تب گزشتہ برسوں کی زکوٰۃ اکٹھی ادا کرنا اس پر لازم ہوگا یا اسی وقت سے جبکہ وہ روپیہ وصول ہو کر اُس کے پاس آیا ہے -

الجواب - اس میں اقوال مختلف ہیں - اور ہر جانب تصحیح بھی کی گئی ہے - جس کی تفصیل رد المحتار ج ۲ ص ۱۴ و ص ۹۹ مطبوعہ مصر میں موجود ہے بندہ کے نزدیک ان اقوال میں سے قول مختار یہ ہو کہ جس قرض کے وصول ہونے کی اُمید ضعیف ہو یا بالکل نہ ہو قبل وصول اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور وصول کے بعد جس قدر وصول ہوگا بعد حولان حول آئندہ صرف اسیقدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی ومتمسکی فیہ مافی رد المحتار بعد نقل عبارۃ النہر عن الخانیۃ قولہ قلت وقدمنا اول الزکوٰۃ اختلاف التصحیح فیہ ومال الرحمتی الی ہذا وقال بل فی زماننا یقر المدیون بالدین وبملاءتہ ولا یقدر الدائن علی تخلیصہ منہ فہو بمنزلۃ العدم ج ۲ ص ۹۹ - واللہ اعلم - یکم محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵۳)

قیمت جائداد نصاب سے زائد ہو اور آمدنی بقدر گزر ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۵۷) جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت دو سو درہم سے بہت زیادہ ہے - مگر اس میں جو زراعت پیدا ہوتی ہے وہ سال بھر کی خوراک کو پورے طور پر کافی نہیں - یا کافی ہے مگر فاضل نہیں - ایسے شخص پر صدقہ فطر و قربانی واجب ہے یا نہیں - فقط

الجواب - امام محمد رحمہ کے نزدیک یہ شخص غنی نہیں ہے - اور اسی پر فتویٰ ہے کذا فی رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۴ عن التتارخانیہ اسلیے اس پر صدقہ فطر و قربانی واجب نہیں - ۱۰ر صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵۳)

سوال (۵۸) کسی شخص کی دو سو تین سو روپیہ کی جائیداد ہے - اس کی پیداوار سے دو تین ماہ کی معاش و گزران کر سکتا ہے - اور باقی مہینے مشقت و مزدوری سے اپنی اوقات بسر

کرتا ہے۔ سوائے اس کے دوسرا کوئی طریقہ نہیں۔ آیا اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں۔ اور اگر اس پر واجب نہ ہو تو جس کی جائداد اتنی ہے کہ اس کی پیداوار سے پورے سال کی معاش ہو سکتی ہے۔ لیکن اس میں سے کچھ بچتا نہیں۔ اس پر بھی واجب نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان کیلئے یہ جائداد حوائج ضروریہ میں سے ہے۔ حالانکہ اکثر علماء ان لوگوں کے لیے صدقۂ فطر واجب فرماتے ہیں اور حوائج اصلیہ میں سے کون کون چیز ہے۔

الجواب۔ وفی رد المحتار وذکر فی الفتاویٰ فیمن لہ حوانیت ودور للغلۃ لکن غلتھا لا تکفیہ ولعیالہ انہ فقیر ویحل لہ اخذ الصدقۃ عند محمد رح وعند ابی یوسف رح لا یحل وکذا لو لہ کرم لا تکفیہ غلتہ ولو عندہ طعام للقوت یساوی مائتی درھم فان کان کفایۃ شھر یحل او کفایۃ سنۃ قیل لا یحل وقیل یحل لانہ مستحق الصرف الی الکفایۃ فیلحق بالعدم وقد ادخر علیہ السلام لنسائہ قوت سنۃ الی قولہ و فیھا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعھا او حانوت یستغلھا او دار غلتھا ثلاثۃ الاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ سنۃ یحل لہ اخذ الزکوٰۃ وان کانت قیمتھا تبلغ الوفاء وعلیہ الفتویٰ وعندھما لا یحل اھ ج ۲ ص ۱۰۳ و ۱۰۴ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایک سال کے خرچ کے لیے جائداد کی آمدنی کافی نہ ہو اس کیلئے حل زکوٰۃ میں اختلاف ہے اور امام محمد رح کے قول جواز پر فتویٰ ہے۔ پس حل زکوٰۃ دلیل ہے اُس کے فقیر ہونے کی۔ اسلیے اس پر صدقۂ فطر بھی واجب نہ ہوگا۔ اور جس کے لیے سال بھر کے خرچ کو کافی ہو جاوے اسمیں جزئیہ نہیں دیکھا مگر قوت دلیل سے اُس کا بھی حکم مثل مذکور معلوم ہوتا ہے۔ وھو قولہ لانہ مستحق الصرف الخ۔ یکم محرم ۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶)

سنین گزشتہ کی زکوٰۃ میں قدر واجب ہر سال منہا کرنے کا حکم۔ وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں

سوال (۵۹) ایک شخص کے ذمہ چند سال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وقت ادائیگی کے ہر پورے سال کی زکوٰۃ جو واجب ہے ادا کی جاوے گی۔ یا کچھ منہا واجب سے ہر سال میں ہوگی۔

(۲) اور اگر سال کے اندر ترکہ وغیرہ سے کچھ نقد و مال کا مالک آخر سال ہوا۔ جس سے کہ حج فرض اس پر ہو گیا۔ اور اس مال پر حولانِ حول ہوا نہیں تو زکوٰۃ اس مال میں سے ادا کرنی واجب ہو گی یا نہیں۔

الجواب۔ اوّل پورے مال کی زکوٰۃ واجب ہے۔ اور دوسرے سال اُس قدر واجب

کے منہا کرنے کے بعد بقیہ کی واجب ہے وعلیٰ ہذا (۲) وجوب حج مانع زکوٰۃ نہیں ہے پس اگر ابتداء سال میں اُس کے پاس نصاب ہے تو سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ گو ہر جزو پر حولانِ حول نہ ہو اور گو حج واجب ہو گیا ہو۔ ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵۵)

بھیڑ اور بکری برابر ہونے کی صورت میں ہر ایک قسم سے زکوٰۃ ادا کر سکتے ہیں۔ مگر جو زیادہ ہو اس سے ادا کرنا چاہیئے

سوال (۶۰) سوال اوّل۔ فی غایۃ الاوطار بھیڑ اور بکری دونوں برابر ہیں۔ نصاب کے پورا کرنے اور قربانی اور سُود میں نہ ادائے واجب میں اور قسموں میں۔ حضرتا اس سے معلوم ہوا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک بھیڑ زکوٰۃ میں لی جاویگی۔ یا عکس آں۔ پس بندہ کے پاس ایک سو اکیس نصفاً نصف یعنی ہر دو قسم کا نصاب موجود ہے۔ بھیڑیں و بکریوں کی زکوٰۃ میں دو بھیڑیں دیدی ہیں۔ اور گزشتہ سال میں دو بکریاں دے چکا تھا۔ ابھی اوپر کے مسائل دیکھ کر بالکل آپ کو قصور مند بنایا گیا ہے۔

سوال دوم:۔ اگر تیس بکریاں ہوں اور دس بھیڑیں ہوں۔ تو زکوٰۃ میں جو زیادہ قسم ہے اس سے دیا جاوے یا جو چاہے۔

سوال سوم:۔ اور اگر نصفاً نصف ہوں تو کیا حکم ہے۔

سوال چہارم:۔ پچاس گائیں ہیں۔ یہ غیر مشترک ہیں۔ اور بیس گائیں مشترک ہیں یعنی اس بیس سے ہر ایک میں آدھا ہے۔ پس دس گائیں یہ بھی ہوئیں۔ یہ دس پچاس میں شمار کی جاویں گی یا نہ۔

سوال پنجم:۔ اور علیحدہ علیحدہ آدمی سے ساٹھ گائیں میں نصف نصف ہے۔ یہ تیس ہوئیں۔ اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی یا نہ۔[۵]

الجواب۔ جواب سوال اوّل۔ فی الدر المختار باب زکوٰۃ الغنم لافی اداء الواجب ــــ فی رد المحتار لان النصاب اذا کان ضاناً یؤخذ الواجب من الضان ولو معزاً فمن المعز ولو منہما فمن الغالب ولو سواء فمن ایہما شاء جوہرۃ ای فیعطی ادنی الاعلیٰ او اعلیٰ الادنیٰ۔ اھ بنا بر روایت ہذا کے جب صورت مسئول عنہا میں حسب بیان سائل کے بھیڑیں اور بکریں دونوں عدد میں برابر ہیں تو اختیار ہے خواہ بکری دیدیں خواہ بھیڑ دیدیں۔ لیکن اگر ادنے

---

[۵] اس کا مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ ساٹھ گائے دو آدمیوں میں مشترک ہیں جواب اسی پر مبنی ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ ساٹھ آدمی آدھی آدھی گائے کے مالک ہیں اور ایک آدمی بقیہ آدھی آدھی کا تو جواب یہ ہے کہ کسی پر زکوٰۃ نہیں ۱۲ منہ

قسم دیں تو وہ اپنی صنف میں اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ شلاً اگر بجائے بکری کے بھیڑ دی تو وہ بھیڑ سب بھیڑوں میں اعلیٰ و افضل ہونا چاہیئے۔ اگر افضل نہیں دی گئی تو اس افضل کی قیمت میں جس قدر اس غیر افضل سے بیشی ہوگی اتنی قیمت اب دی جاوے۔ مثلاً جو بھیڑ دی تھی وہ ایک روپیہ کی تھی اور ان بھیڑوں میں جو سب سے افضل ہے وہ ڈیڑھ روپیہ کی ہے تو آٹھ آنہ اور مساکین کو بہ نیت زکوٰۃ دیدینا چاہیئے۔

جواب سوال دوم:۔ اوپر کی روایت سے اس کا جواب بھی معلوم ہوا کہ اس صورت میں بکری واجب ہے۔

جواب سوال سوم:۔ اور نصفاً نصف میں اختیار ہے۔ مگر اسی قید سے کہ اعلیٰ کا ادنیٰ یا ادنیٰ کا اعلیٰ جیسا روایت بالا میں گزرا۔

جواب سوال چہارم:۔ چونکہ غیر مشترک بھی بقدر نصاب ہے اس لیے اُن دس کو بھی اُن کے ساتھ شامل کیا جاوے گا۔ فی الدر المختار باب زکوٰۃ المال ولا تجب الزکوٰۃ عندنا فی نصاب مشترک الیٰ قولہ ولو بینہ وبین ثمانین رجلاً ثمانون شاۃ لاشی علیہ لانہ مما لا یقسم خلافاً للثانی۔ فی رد المحتار قولہ فی نصاب مشترک المراد ان یکون بلوغ النصاب بسبب الاشتراک وضم احد المالکین الی الآخر بحیث لا یبلغ مال کل منہما نصاباً قولہ ولو بینہ فی التجنیس ثمانون شاۃ بین اربعین رجلاً لرجل واحد من کل شاۃ نصفہا والنصف الآخر للباقین لیس علی صاحب الاربعین صدقۃ عند ابی حنیفۃ رحہ وہو قول محمدؒ ولو کانت بین رجلین تجب علیٰ کل واحد منہما شاۃ لانہ مما یقسم فی ہذہ الحالۃ وفی الاولیٰ لا یقسم آہ ای لان قسمۃ کل شاۃ بینہ وبین من شارکہ فیہما لا تمکن الا باتلافہا بخلاف قسمۃ الثمانین نصفین۔

جواب سوال پنجم:۔ ہوگی لما مر من الروایۃ آنفاً۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص۵۴)

سوال (۶۱) آپ نے جو پہلے تحریر مسئلہ متنازع فیہا میں کی تھی وہ یہ ہے:۔	زکوٰۃ سوائم میں تکمیل نصاب کے معنی اور بہشتی گوہر کی عبارت کی تحقیق جو اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے

الجواب[٥] تکمیل نصاب میں برابر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہر واحد کم ہو تو تب بھی یوں نہ کہیں گے کہ نصاب پورا نہیں ہوا۔ نصاب کو کامل کہیں گے اور یہ عام ہے نصاب سے زائد کو بھی پس جب ہر شریک کے ۸۰۔۸۰ ہیں تو (۸۰) کو دو نصاب نہ کہیں گے۔ لہٰذا ہر شریک

---

[٥] اس جواب کی نقل نہ رکھی گئی تھی اسلیئے مستقلاً اس مجموعہ میں پہلے یہ جواب منقول نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ

پر ایک شاۃ لازم ہے ادنیٰ سے اعلیٰ یا اعلیٰ سے ادنیٰ - دوم مشترک کا تو اعتبار ہی نہیں ہر شریک کی (۴۰ X ۴۰) دونوں چیزیں ہیں - پس ۸۰ ہوئے - پس ایک جانور ایک شریک پر واجب ہوا -

کتبہ اشرف علی - ۱۰ ر محرم ۱۳۲۹ھ

اور بہشتی گوہر" میں اس طرح مرقوم ہے :- زکوٰۃ کے بارے میں بکری بھیڑ سب یکساں ہیں خواہ بھیڑ دم دار ہو جس کو دُنبہ کہتے ہیں یا معمولی ہو - اگر دونوں کا نصاب پورا ہو تو دونوں کی زکوٰۃ علیحدہ دی جائے گی - اور اگر ہر ایک کا نصاب تو پورا نہ ہو مگر دونوں کے ملا لینے سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو دونوں کو ملالیں گے - اور جو زیادہ ہو گا تو زکوٰۃ میں وہی دیا جائے گا - پس بندہ کی فہم اور اس طرف کے علماء کے درمیان میں دونوں میں اختلاف واقع ہے یعنی پہلی تحریر سے (۴۰) بکری اور (۴۰) بھیڑ پر ایک شاۃ ثابت ہوتی ہے - اور عبارت بہشتی گوہر" سے دو شاۃ ثابت ہوتی ہیں پس اگر عبارت بہشتی گوہر" کے یہ معنی مقصود ہے - یعنی اگر زید کے پاس صرف بکریوں کا نصاب ہو گا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر بھیڑ کا نصاب پورا ہو گا تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی - یعنی انفرادی حالت میں - پس پہلی تحریر اور اس عبارت بہشتی گوہر" کی میں اور تحریر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحب کی میں کچھ اختلاف نہیں ہے - اور اگر اس عبارت رسالہ سے دو شاۃ لازم مقصود ہے تو اختلاف ہوا - پس معروض ہے کہ آں صاحب اپنے دستخطی الفاظوں سے جواب ارقام فرمادیں کہ بندہ کا یہی باعث تصدیع دینے کا ہے -

الجواب - ظاہر عبارت بہشتی گوہر سے جو مطلب مفہوم ہوتا ہے واقع میں وہ میری تحریر کے خلاف ہے - چونکہ تلخیص علم الفقہ کے وقت اس پر مفصل نظر نہیں کی گئی اس لیے ایسا ہوا - اب میری اس تحریر کو میری تحقیق سمجھی جاوے - بہشتی گوہر کو میری تحقیق نہ سمجھی جاوے - فقط - ۱۲ ر شوال ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۵)

طلباء علم دین پر زکوٰۃ خرچ کرنے کی افضلیت اگرچہ وہ دور ہوں

سوال (۶۲) مال زکوٰۃ و صدقہ فطر و قیمت چرم قربانی اپنے قرب وجوار کے فقراء اور مساکین کو دینے میں افضلیت ہے یا دوسری جگہ کے اسلامی مدارس میں - زیادہ مستحق کون ہے - اور زیادہ ثواب کس کے دینے میں ہے - اگر اپنے قرب وجوار کے فقراء و مساکین کو نہ دے اور اسلامی مدارس میں بھیجدے تو کسی قسم کا گناہ و حق تلفی ہے یا جائز - ؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب المصرف وکرہ نقلہا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین او من دار الحرب الی دار الاسلام او الی طالب علم۔ وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل وفی رد المحتار ای من الجاہل الفقیر قہستانی ج ۲ ص ۱۱۰۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو دینا زیادہ افضل ہے اگرچہ وہ دور ہوں۔ ۵ محرم ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۶)

اشرفیوں کی زکوٰۃ وزن کر کے دی جاوے یا اُن کو روپیہ سمجھ کر روپیہ کی زکوٰۃ دی جاوے

سوال (۶۳) (۱) اگر کسی کے پاس اشرفیاں ہوں تو اُن کی زکوٰۃ اس طرح ادا کی جائے کہ اُن کو وزن کر کے اُن کا چالیسواں حصہ جس قدر نکلے اس کی قیمت دی جائے اور قیمت بھی کھرے سونے کی لگائی جاوے یا جیسا کہ اس کا ناقص سونا ہے اور بازار میں اس کے دام ملتے ہیں یا اسطرح کہ فی اشرفی پندرہ روپے قائم کر کے جس قدر حساب سے نکلے اُس کے موافق دی جاوے؟

(۲) مدارس میں زکوٰۃ کا روپیہ دوسری مدات کے ساتھ خلط کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(۳) اور ایک مد کا دوسرے مد کے ساتھ مطلقاً بھی خلط جائز ہے یا نہیں۔ قاضی خان میں فی باب اداء الزکوٰۃ ناجائز لکھا ہے۔ اکثر مدارس میں اسی طرح ہوتا ہے۔ مد زکوٰۃ کے سوا اور مدات کا تو خلط ہوتا ہی ہے۔ اور بعض جگہ مد زکوٰۃ کا بھی خلط۔

الجواب (۱) دونوں طرح درست ہے۔

(۲ و ۳) باذن معطین درست ہے۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۸)

تبدیل حول زکوٰۃ میں ایک اشکال

سوال (۶۴) ایک شخص کے پاس یکم جمادی الاولیٰ کو تین سو روپے تھے۔ آٹھ مہینے میں ۳۰ ذی الحجہ تک بذریعہ تجارت ایک سو روپے اُس کو نفع ہوا اب اس کے پاس چار سو روپے ہیں چاہتا ہے کہ یکم محرم سے اپنے کاغذات سالانہ ترتیب وار کرے اب اِس آٹھ مہینے کی زکوٰۃ وہ کتنے روپے ادا کرے براہ کرم جواب ممتاز فرمادیں۔

الجواب۔ اِس میں ایک خرابی ہوگی وہ یہ کہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس مقدار پر جو وقت حولانِ حول کے موجود ہو تو صورت مسئولہ میں فرض کیجئے حولانِ حول ہوا ۳۰ ربیع الثانی کو۔ اور فرض کیجئے کہ اس وقت روپیہ زائد ہو۔ اور جب اس نے یکم محرم سے حساب رکھا تو ۳۰ ذی الحجہ کو جتنا روپیہ ہوگا زکوٰۃ اُس کی دیگا تو اگر اس وقت کم ہوا تو زکوٰۃ میں کمی رہے گی۔ اور ہر سال ایسا ہی احتمال رہے گا۔

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۱)

ادائے زکوٰۃ میں کوئی شرط فاسد لگادی تو زکوٰۃ میں خلل نہیں وہ شرط لغو ہے

سوال (۶۵) السلام علیکم - زکوٰۃ دہندہ اپنے ہی عزیم کو بایں شرط مال زکوٰۃ دے کر عزیم اس مال کو زکوٰۃ دہندہ کو فوراً واپس دیدے اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں - کیونکہ اول تو شرط واپسی مال ہو دوسرے عزیم اس صورت میں مالک کامل نہیں ہوسکتا - تیسرے بالواسطہ بھی نہیں اور عزیم کا ذرا بھی اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہ معاملہ شرط بالمواجہ ہوتا ہے -

الجواب - السّلام علیکم - ایسی شرط بوجہ اس کے کہ تصدیق تبرعات سے ہے خود باطل ہوجاوے گی - اُس سے ادائے زکوٰۃ میں کوئی فساد لازم نہ آوے گا - اور یہ شبہ کہ عزیم مالک کامل نہ ہوگا غلط ہے - مالک تو کامل ہوا مگر اُس تملیک میں ایک شرط کرلی ہے جس کا اثر اُس تملیک میں کچھ نہیں - بخلاف حیلہ متعارفہ کے کہ اُس میں فی الواقع محض صورتِ ملک ہے حقیقت ملک نہیں - لیکن تاہم اولیٰ یہ ہے کہ ایسی شرط بالکل نہ کی جاوے کیونکہ شرط تو خود فاسد ہی ہے بلکہ بلا شرط اُس کو مالک بنادیا جاوے جب وہ مالک ہوجائے اُس سے اپنا قرض مانگے اگر وہ نہ دے جبراً اس سے وصول کرلینا جائز ہے - اور اگر شبہ ہو کہ شاید اُس پر اتنی قدرت نہ ہو جواب یہ ہے کہ جب قدرت ہی نہیں تو اگر شرط لگانے کے بعد بھی وہ نہ دیگا تو اس صورت میں کیا کیا جاوے گا - پس اشتراط اور عدم اشتراط دونوں حالتیں یکساں ہوئیں - ۲۸ / ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ صفحہ ۱۳۲)

کرایہ یا تجارت کی کشتی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال (۶۶) ہر سفینہ کہ برائے تجارت ست آں را زکوٰۃ واجب است یا نہ - بینوا توجروا -

الجواب - دریں دو صورت است یکے آنکہ ازیں سفینہ کرایہ حاصل کردہ شود وایں مثل حانوت کرایہ است - کہ زکوٰۃ برآں حانوت واجب نیست - دوم آنکہ ہرگاہ ایں سفینہ خریدہ بود نیت کردہ بود کہ بدست خریدارے فروخت خواہم کرد پس ایں مال تجارت است و بر مال تجارت زکوٰۃ واجب است - - ۱۰ / رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۶۲)

سونے چاندی کو حساب زکوٰۃ میں باہم ملانے کی صورت

سوال (۶۷) اگر نزد کسے بعد حولان حول دو صد و پنج درہم و ہفت مثقال ذہب موجود باشد برآں کس بہ حسب مذہب امام یا حکم ہمی باشد کہ بجز پنج درہم کہ زکوٰۃ دو صد درہم است چیزے دیگر واجب نباشد زیرا کہ پنج درہم کہ از نصاب فضہ افزودہ باشد بجنس نصاب نمی رسد و ہفت مثقال ذہب

ناقص از نصاب ست یا قیمت ذہب باکسر فضہ یعنی مابقی من نصاب الفضہ منضم شدہ بحساب خمس درآں ہم زکوٰۃ واجب باشد

الجواب۔ فی الدر المختار من ذہب اوورق مقوماً باحدہما فلو احدہما ازدج تعین التقویم بہ ولو بلغ باحدہما نصابا دون الآخر تعین مایبلغ بہ الخ وفی رد المحتار عن البحر والنہر عن المحیط من انہ لاتضم احد الزیادتین الی الاخری الی قولہ وعندہ ماتضم لوجوبہا فی الکسور وبعدہ باسطران السروجی نقل عن المحیط الخلاف بالعکس ج ۲ صـ۴۸ و صـ۴۹ وفی رد المحتار عن البدائع ان ماذکر من وجوب الضم اذالم یکن کل واحد منہما نصاباً بان کان اقل الخ ج ۲ صـ۵۳ بناءً بریں روایات ذہب را بفضہ مقوم کردہ در مجموعہ زکوٰۃ واجب خواہد شد ودر عفو زیادت اختلاف است واحوط وجوب ست۔ ۱۶؍ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صـ۱۶۵)

چندہ وصول کرنے والوں کو رقم زکوٰۃ دیدینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال (۶۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدارس کی طرف سے جو لوگ محصلین چندہ ہیں اُن کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جاتی ہے۔؟

الجواب۔ نہیں۔ ۲۰؍ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث اولیٰ صـ۱۹)

ایک مشترک چیز ناقابل تقسیم کا حصّہ زکوٰۃ میں دینا

سوال (۶۹) مدرسہ دیوبند میں ایک پریس آہنی ۲۲×۲۹ ڈبل کی ضرورت ہے۔ میرے پاس موجود ہے ۱۳۰۰ روپیہ اس پر لاگت میری ہے۔ ایک وقت ۱۴۰ روپیہ ایک صاحب اس کے دیتے تھے میرے یہاں وہ بوجہ کام کم ہونے کے خالی ہے۔ اگر غرض مند آجاوے تو ۵۰۰ تک فروخت ہو سکتا ہے۔ اگر اسے اس صورت سے دوں کہ کچھ روپیہ نقد لے لوں اور کچھ روپیہ بمد زکوٰۃ مدرسہ میں دیدوں تو زکوٰۃ کتابوں کی ادا ہو جاوے گی۔؟

الجواب۔ بدون تملیک مسکین کے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اگر حصہ غیر مبیعہ کو اُن پر وقف کیا۔ تب تو زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اور اگر مالک مطبع کو بلاقیمت دیا تو ان کا مسکین ہونا شرط ہے اس کی تحقیق کیجئے۔ صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ خود یا بذریعہ وکیل معتمد کے وہ حصۂ غیر مبیعہ کسی مسکین کی ملک کر دیجئے۔ پھر اس مسکین سے صاحب مطبع خرید لیں خواہ وہ مسکین ایسا طالب علم ہو جس کو بقدر قیمت اُس حصہ کے نفع مالی پہونچانا مقصود ہو پھر خواہ ایک ہو یا متعدد۔ ۲؍ صفر ۱۳۳۲ھ (حوادث ثانیہ صـ۱۳۲)

روپیہ کی زکوٰۃ میں ایسا سکہ ادا کرنا جو قیمت میں روپیہ کا مساوی ہو وزن میں مساوی نہ ہو۔

سوال (۷۰) اگر کسی شخص کو زکوٰۃ میں دو تولہ چاندی دینی ہے اور اس کی قیمت ایک روپیہ ہے تو اس کو ایک روپیہ دیدینا کفایت کرے گا یا نہیں۔ کیا اس کو حکم فضہ میں کر کے باقی فضہ اور دینی لازم قرار دیں گے۔

الجواب۔ دو تولہ چاندی پورا کرنا واجب ہے۔ خواہ مسکوک ہو یا غیر مسکوک لان فی الجنس لا یعتبر القیمۃ۔ ۱۷ر صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۹)

کسی کے ذمہ قرض ہو اس کو بری کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال (۷۱) چند یوم ہوئے کہ جناب والد صاحب مکرم و معظم نے فرمایا تھا کہ تو مولانا صاحب کے پاس ایک عریضہ تحریر کر اور یہ مسئلہ دریافت کر کہ اگر مثلاً زید کا عمرو پر کچھ قرضہ آتا ہو اور زید کو اپنے قرضہ کے وصول ہونے کی امید نہ ہو اور زید کو زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہو جس کی مقدار اس قرض کی مقدار کی برابر ہو یا زیادہ ہو تو اگر زید یہ چاہے کہ میں اپنا قرضہ معاف کر کے زکوٰۃ ادا کر دوں تو اس طرح سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا نہیں" تو مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ مسئلہ "بہشتی زیور" میں ہو اس لیے میں نے اس میں ڈھونڈا تو بہشتی زیور مطبوعہ بلالی اسٹیم ساڈھورہ حصہ سوم صفحہ ۳۹ سطر ۳ پر یہ مسئلہ دیکھا۔ مسئلہ اگر کسی غریب آدمی پر تمہارے دس روپے قرض ہیں اور تمہارے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپیہ یا اس سے زیادہ ہے اس کو اپنا قرضہ زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ البتہ اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدو تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ اب یہی روپیہ اپنے قرضہ میں اس سے لے لینا درست ہے آھ جس کو کہ میں نے والد صاحب سے عرض کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد والد صاحب نے یہ فرمایا کہ میں نے عالمگیری میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کی عبارت یہ ہے فصل فی ھبۃ الدین من المدیون بنیۃ الزکوٰۃ ولو وھب جمیع الدین من المدیون بنیۃ الزکوٰۃ عن الدین فی الاستحسان یکون مؤدیا وتسقط عنہ الزکوٰۃ اھ جلد اول حاشیہ عالمگیری ص ۲۲۱ سطر ۲۲ مطبوعہ مصر اور دوسری جگہ ہے ولو مر فقیر ا بقبض الدین لہ علی آخر ونواہ عن زکوٰۃ عین عندہ جاز کذا فی البحر الرائق اھ عالمگیری جلد اول ص ۱۳۲ سطر ۴۔ مطبوعہ مصر۔ تو اب تو مولانا صاحب کی خدمت میں تحریر کر کہ کس پر عمل کیا جاوے تو اب حضور ایسا جواب ارشاد فرمادیں جس سے والد صاحب کی تشفی ہو جاوے۔

الجواب۔ پہلی عبارت میں عن الدین کی تصریح ہے۔ پس اس سے خاص اُس دَین پر جس قدر زکوٰۃ واجب تھی خاص اُس حصۂ زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم آیا نہ کہ دوسرے اموالِ موجودہ عیناً کی زکوٰۃ کا۔ اور دوسری عبارت میں چونکہ قبض دَین کے بعد وہ دَین نہ رہا عین ہوگیا اس لیے زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔ تو اس سے اصل سوال میں زکوٰۃ کا ادا ہونا لازم نہیں آتا۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۳)

زکوٰۃ میں اشیاء کی وہ قیمت معتبر ہوگی جو عام طور پر رائج و معروف ہو۔

سوال (۷۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید تاجر کتب اپنی کتب مختلف طور سے فروخت کرتا ہے۔ کسی کو نصف قیمت پر دیتا ہے کسی کو ۱/۴ قیمت کی رعایت کردیتا ہے۔ کسی کو چوتھائی قیمت کی تخفیف کر دیتا ہے اور کسی ثمن کمیشن پر دیتا ہے اور بعض کو پوری مشتہر قیمت پر دیتا ہے۔ اور مال خریدنے کی بھی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اب وہ چاہتا ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نقد روپے سے ادا کرے تو کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ خرید کا یا فروخت کا۔ اور فروخت میں کونسی صورت کا اعتبار کیا جاوے گا۔

الجواب۔ جزئیہ ملنے کی تو اُمید نہیں۔ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجرانہ قیمت کا تو اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف ورعایت ومصالح خاصہ پر بلکہ متفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے۔ اور اسمیں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے۔ اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے۔ یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی بنا کیا کرے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۲)

استعمالی مشین پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۷۳) کپاس کی ایک مشین ہے۔ اُس میں کچھ حصّہ ہے اس کا منافع ہر سال ملتا ہے۔ جو منافع ملتا ہے اس کی تو زکوٰۃ برابر دیدیجاتی ہے۔ اور جو روپیہ مشین میں لگا ہے اس روپیہ کی زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ مشین لوہے کی ہے۔ اس میں ہر سال مرمت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس مشین میں بہت سے آدمیوں کا حصّہ ہے۔ چندہ سے ہے۔ اُس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں۔

الجواب۔ وہ مشین آلۂ صنعت ہے مالِ تجارت نہیں۔ لہٰذا اس میں زکوٰۃ نہیں۔

۷ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ

(تتمہ ثالثہ ص ۱۴۰)

تنخواہ سے کٹ کر جو روپیہ جمع ہو (پراویڈنٹ فنڈ) اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال (۴۷) سرکاری ملازموں سے تنخواہ کا ایک آنہ روپیہ جو فنڈ میں جمع کیا جاتا ہے۔ اور مع سود وغیرہ مستعفی ہونے پر ملتا ہے اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ دَین مہر کی طرح یوم القبض سے حولان حول معتبر ہوگا یا دیگر دیوں کی طرح وصول ہونے پر سالہائے گزشتہ کا بھی ادا کرنا ہوگا۔؟

الجواب۔ یہ دَین قوی ہے لہٰذا گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔

۵؍ شوال ۱۳۳۴ ہجری (تتمہ رابعہ ص ۵۵)

سوال (۷۵) زید ایک ریلوے[۵] ملازم ہے۔ حسب قواعد ریلوے کمپنی اس کے مشاہرہ سے آٹھ روپے سیکڑہ کاٹ کر جمع کرتی ہے۔ ایک سال کے اندر جس قدر روپیہ کٹ کر جمع ہوا اُسی قدر روپیہ کمپنی اپنی طرف سے ملا کر اصل روپے کو دونا کرکے ایک کاغذ ملازم کے پاس بھیجدیتی ہے اگر اور کچھ نفع زائد ہوا تو کچھ زیادہ بھی دیتی ہے۔ اگر نقصان ہوا تو اسمیں کاٹ بھی لیتی ہے مگر اس جمع شدہ روپے پر ملازم کا کوئی حق نہیں ہے اور نہ وہ تصرف میں لاسکتا ہے تاوقتیکہ وہ نوکری سے برخاست نہ کیا جاوے۔ کیا۔ فرماتے ہیں علمائے دین اس جمع شدہ روپے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو اصل روپیہ جس قدر کٹتا ہے اُس پر یا کُل روپیہ پر۔؟

الجواب۔ فی الطحطاوی ولو اجر عبدہ او دارہ بنصاب ان لم یکونا للتجارۃ لا تجب ما لم یحل الحول بعد القبض فی قولہ وان کان للتجارۃ کان حکمہ کالقوی لان اجرۃ مال التجارۃ کثمن مال التجارۃ فی صحیح الروایۃ آہ ص ۲۵۷۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس جمع شدہ روپے میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ البتہ وصول کے بعد سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اِس تفصیل سے کہ اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب نہیں تب تو بعد حولانِ حول کے اور اگر کوئی نصاب ہو تو اس نصاب کی زکوٰۃ کے ساتھ۔

شوال ۱۳۳۸ ہجری (تتمہ خامسہ ص ۱۰۳)

---

[۵] **نوٹ**:۔ پرائیویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے دو متضاد فتوے مندرجہ بالا صفحہ ہٰذا ۴۲ و ۴۳ میں شائع ہوئے۔ مرض وفات میں حضرت کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو مسئلہ کی مکمل تحقیق کیلئے احقر اور مولانا محمد جمیل صاحب کو مامور فرمایا یہ تحقیق ص ۴۳ سوال ۷۶ پر درج ہے ملاحظہ ہو۔ بندہ محمد شفیع

فصل در تنقیح وجوب یا عدم وجوب زکوٰۃ بر پراویڈنٹ فنڈ بنابر داخل بودنش در دَین قوی یا ضعیف

سوال (۷۶) امداد الفتاویٰ تتمہ رابعہ صد ۵۵ اور تتمہ خامسہ صد ۲۳ میں پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق دو فتوے متعارض ہیں، اس کی تحقیق کی غرض سے روایات کا تتبع کیا گیا تو حسب ذیل تحقیق ثابت ہوئی، اب ان سب میں کس کو راجح سمجھا جاوے، وہ تحقیق یہ ہے:-

(۱) فی البدائع[عہ] وجملة الکلام فی الدیون انها علی ثلاث مراتب فی قول ابی حنیفة دین قوی ودین ضعیف ودین وسط، کذا قال عامة المشائخ، اما القوی فهو الذی وجب بدلا عن مال التجارة کثمن عرض التجارة من ثیاب التجارة وعبید التجارة ولا خلاف فی وجوب الزکوٰة فیه الا انه لا یخاطب باداء شئی من زکوٰته ما مضی ما لم یقبض اربعین درهما (الی قوله) واما الدین الضعیف فهو الذی وجب بدلا عن شئی سواء وجب له بغیر صنعه کالمیراث او بصنعه کما بوصیة او وجب بدلا عما لیس بمال کالمهر وبدل الخلع والصلح عن القصاص وبدل الکتابة ولا زکوٰة فیه ما لم یقبض کله و یحول علیه الحول بعد القبض، واما الدین الوسط فما وجب له بدلا عن مال لیس للتجارة کثمن عبد الخدمة وثمن ثیاب البذلة والمهنة وفیه روایتان عنه ذکر فی الاصل انه تجب فیه الزکوٰة قبل القبض لکن لا یخاطب بالاداء ما لم یقبض مائتی درهم فاذا قبض مائتی درهم زکی لما مضی، وروی ابن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفة انه لا زکوٰة فیه حتی یقبض المائتین ویحول علیه الحول من وقت القبض وهو اصح الروایتین عنه (الی قوله) ولابی حنیفة رح وجهان، احدهما ان الدین لیس بمال بل هو فعل واجب وهو فعل تملیك المال وتسلیمه الی صاحب الدین والزکوٰة انما تجب فی المال (الی قوله) فی الخلافیات کان ینبغی ان لا تجب الزکوٰة فی دین ما لم یقبض ویحول علیه الحول الا ان ما وجب بدلا عن مال التجارة اعطی له حکم المال لان بدل الشئی قائم مقامه کانه هو فصار کان المبدل قائم فی یده وانه مال التجارة وقد حال علیه الحول فی یده، والثانی ان کان الدین مالا مملوکا ایضا لکنه مال لا یحتمل القبض لانه لیس بمال حقیقة بل هو مال حکمی فی الذمة وما فی الذمة لا یمکن قبضه فلم یکن مالا مملوکا رقبة

عہ وقال ابو یوسف ومحمد رح الدیون کلها سواء وکلها قویة تجب الزکوٰة فیها قبل القبض، بدائع ص۱۰ ج ۲ ومثلہ فی المبسوط ص ۱۹۰ ج ۲۔

دیناً فلا تجب فیہ الزکوٰۃ کما فی الضمار فقیاس ھذا ان لا تجب الزکوٰۃ فی الدیون کلھا لنقصان الملک بفوات الید الا ان الدین الذی ھو بدل مال التجارۃ التحق بالعین فی احتمال القبض لکونہ بدل مال التجارۃ قابل للقبض والبدل یقام مقام المبدل والمبدل عین قائمۃ قابلۃ للقبض فکذا ما یقوم مقامہ وھذا المعنی لا یوجد فیما لیس ببدل رأساً ولا فیما ھو بدل عما لیس بمال وکذا فی بدل ما لیس للتجارۃ علی الروایۃ الصحیحۃ انہ لا تجب فیہ الزکوٰۃ ما لم یقبض قدر النصاب ویحول علیہ الحول بعد القبض لان الثمن بدل مال لیس للتجارۃ فیقوم مقام المبدل ولو کان المبدل قائماً فی یدہ حقیقۃ لا تجب الزکوٰۃ فیہ فکذا فی بدلہ بخلاف مال التجارۃ انتھی (بدائع ص ۱۰ ج ۲) وفیہ فی تفسیر مال الضمار ھو کل مال غیر مقدور الانتفاع بہ مع قیام اصل الملک (الی قولہ) فان کان مدفوناً فی البیت تجب فیہ الزکاۃ بالاجماع وفی المدفون فی الکرم والدار الکبیرۃ اختلاف المشائخ انتھی (بدائع ص ۹ ج ۲) وفی المبسوط لشمس الائمۃ سرد الاقسام الثلثۃ للدیون ثم نقل روایۃ ابن سماعۃ التی صححھا صاحب البدائع انہ اختیار الکرخی ثم ذکر من وجہ قول ابی حنیفۃ رحمہ ما ذکرہ صاحب البدائع فی الاول بعینہ ثم قال وفی الاجرۃ ثلاث روایات عن ابی حنیفۃ رح (۱) فی روایۃ جعلھا کالمھر لانھا لیست ببدل من المال حقیقۃ لانھا بدل عن المنفعۃ (۲) وفی روایۃ جعلھا کبدل ثیاب البذلۃ لان المنافع مال من وجہ لکنہ لیس بمحل لوجوب الزکوٰۃ فیہ، (۳) والاصح ان اجرۃ دار التجارۃ او عبد التجارۃ بمنزلۃ ثمن متاع التجارۃ کلما قبض منھا اربعین تلزمہ الزکاۃ اعتباراً لبدل المنفعۃ ببدل العین (مبسوط ص ۱۹۵ و ۱۹۶ ج ۲) وفی البحر الرائق ولو آجر عبدہ او دارہ لنصاب ان لم یکونا للتجارۃ لا تجب ما لم یحل الحول بعد القبض فی قولہ وان کان للتجارۃ کان حکمہ کالقوی لان اجرۃ مال التجارۃ کثمن مال التجارۃ فی صحیح الروایۃ الخ۔

وقال فی حاشیۃ منحۃ الخالق علی قولہ کان کلہ کالقوی، ھذا مخالف لما فی المحیط، حیث قال فی اجرۃ مال التجارۃ او عبد التجارۃ روایتان فی روایۃ لا زکوٰۃ فیھا حتی یقبض ویحول علیہ الحول لان المنفعۃ لیست بمال حقیقۃ

فصار کالمھر وفی ظاھر الروایۃ تجب الزکوٰۃ ویجب الاداء اذا یقبض منھا مائتی درھم
لانھا بدل مال لیس بمحل لوجوب الزکاۃ فیہ لان المنافع مال حقیقۃ لکنھا لیست
بمحل لوجوب الزکاۃ آہ قلت وھذا صریح فی انہ علی الروایۃ الاول من الدین
الضعیف وعلی ظاھر الروایۃ من المتوسط لا من القوی لان المنافع لیست
مال زکوٰۃ وان کانت مالا حقیقۃ تامل ثم رأیت فی الولوالجیۃ التصریح بان
فیہ ثلث روایات (منحۃ الخالق علی البحر، ص ۲۰۸ ج ۲)

عبارات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحہ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں
قوی۔ متوسط۔ ضعیف، دین قوی وہ ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے
ذمہ عائد ہوا ہو، اور متوسط وہ دَین ہے جو مال ہی کے بدلے میں عائد ہوا ہو، مگر وہ مال تجارت
یا نقد سونا چاندی نہ ہو، بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو، اور ضعیف وہ دَین ہے جو کسی مال کے بدلے
میں بذمہ مدیون عائد نہیں ہوا، جیسے دَین مہر وغیرہ،

دَین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے، مگر ادا کرنا
اس وقت ضروری ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کی مقدار روپیہ وصول ہو جائے، اس سے پہلے ادا کرنا
واجب نہیں ہوتا، لیکن جب زکوٰۃ ادا کی جائے گی تو تمام سنین ماضیہ کا حساب کرکے ادا کی جائے گی'
اور دَین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب
ہی نہیں ہوتی اور دَین متوسط میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں، ایک یہ کہ
اس پر دین قوی کی طرح زکوٰۃ تو ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی، مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی
پر لازم نہیں ہوگا، بلکہ پورا نصاب یعنی دو سو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی جب وصول ہو اسوقت
ادا کرنا لازم ہوگا، مگر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ دَین متوسط بھی
بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے، اس پر بھی زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے، بلکہ دَین وصول ہونے
کے بعد جب سال بھر اس پر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحب بدائع نے اسی آخری روایت
کو اصح قرار دیا ہے،

لہٰذا خلاصہ امام اعظم رحہ کے مذہب کا یہ ہوا کہ (۱) جو دَین کسی مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض
میں کسی شخص کے ذمہ واجب ہوا ہے (جس کو دَین قوی کہا جاتا ہے) اس پر تو ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے،
مگر ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب، بقدر چالیس درہم کے وصول ہو جائے، اور (۲) جو ایسے مال کے

عوض میں نہ ہو، خواہ بالکل کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو، جیسے حصہ میراث و وصیت، یا معاوضہ تو ہو مگر مال کا معاوضہ نہ ہو،

جیسے دین مہر (اس کو اصطلاح میں دین ضعیف کہتے ہیں) اسمیں ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں، بلکہ قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوگی، (۳) یا معاوضہ مال بھی ہو مگر مال تجارت کا معاوضہ نہ ہو، جیسے گھریلو سامان کا معاوضہ (جس کو دَین متوسط کہا جاتا ہے) اس صورت میں بھی اصح الروایتیں کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ رح کے نزدیک زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے، بلکہ وصول ہونے کے بعد جب اس پر سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی، اور ادائے گی زکوٰۃ لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس شخص کے پاس علاوہ اس رقم کے اور بھی کچھ نصاب سونے چاندی کا موجود ہے تو جتنی رقم وصول ہوگی وہ اصل نصاب میں شامل ہو کر اس کے پاس نہیں تو جب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے انداز کی رقم وصول ہو جائے، اور اس پر سال گزر جائے اُس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی،

اس کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں جو روپیہ جمع اور بذمہ گورنمنٹ یا کارخانہ وغیرہ قرض ہے وہ ان تین قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے۔

سو یہ تو ظاہر ہے کہ وہ دَین قوی نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ معاوضہ کسی مال تجارت کا نہیں بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے، جیساکہ بحرالرائق کی عبارت ان لم تکونا للتجارۃ لا تجب مالم یحل الحول ہے بوضاحت وصراحت ثابت ہے کہ غلام یا مکان تجارت کے لیے نہ ہو تو اس کی خدمت و اُجرت کو مال تجارت قرار نہیں دیا، تو خدمت حُر کو بدرجہ اولیٰ مال تجارت نہیں کہہ سکتے،

اب دو احتمال باقی ہیں کہ اگر خدمت کو مال قرار دیا جائے تو دین متوسط میں داخل ہے، اور اگر مال ہی قرار نہ دیں تو دَین ضعیف میں داخل ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رح سے دونوں احتمالوں پر دونوں روایتیں منقول ہیں، جن میں سے حسب تصریح منحۃ الخالق بحوالہ محیط ان دونوں میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مال قرار دے کر دَین متوسط میں شامل کیا جائے، اور ایک تیسری روایت مبسوط میں ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے کہ اُجرت و خدمت نہ علی الاطلاق مال ہے نہ غیر مال، بلکہ اگر عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت کی اُجرت ہو، تو مال ورنہ غیر مال، پہلی صورت دَین قوی میں داخل ہے، اور دوسری دَین ضعیف میں، اور اسی تیسری روایت کو مبسوط نے اصح قرار دیا ہے،

مگر یہ سب گفتگو اور روایات کا اختلاف عبد کی خدمت کے بارہ میں ہے، جو من وجہ مال ہے،

حُر کی خدمت حسب تصریح فقہاء مال نہیں ہے، اس لئے یہ اختلاف روایت بھی صورت زیر بحث میں مؤثر معلوم نہیں ہوتا،

خلاصہ یہ ہے کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے، کہ عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت یا ارض تجارت کا معاوضہ ہو، اُس کے سوا کوئی دین اُجرت دین قوی میں بالاتفاق داخل نہیں ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا یا بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں، اس لیے اس میں صرف دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں کہ دینِ متوسط ہو یا دینِ ضعیف، اور دینِ متوسط میں بھی اس کا داخل ہونا اس لیے مشکل ہے کہ دو روایتیں جو بحوالہ محیط منحۃ الخالق میں لکھی ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں، حُر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں، اور ظاہر ہے کہ حُر کی خدمت کو عبد کی خدمت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کہ حسب تصریحات فقہاء خدمت عبد فی الجملہ مال ہے، اور خدمت حُر مال نہیں ہے، اسلئے ظاہر یہی ہے کہ یہ دین دینِ ضعیف میں داخل ہے، اور اگر اس کو دین متوسط بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رح کے نزدیک دین متوسط بھی بحکم دین ضعیف ہے، اس پر بھی ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، کما صرح بہ فی البدائع،

الغرض پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ دین قوی میں تو داخل نہیں ہو سکتا، اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت پر منطبق نہیں ہے، جب تک کہ حُر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے، اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے،

تنبیہ[ع]:- روایات فقہیہ کو دیکھنے اور غور کرنے سے احقر کو یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس فنڈ کی رقم پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا مناسب ہے، نیز حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک چونکہ دیون میں قوی، متوسط، ضعیف کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے دین پر زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب ہے، اسلئے کوئی احتیاط اور تقویٰ پر عمل کرے اور ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرے تو بہتر ہے، اور شاید اسی اختلاف سے بچنے کے لیے ہمارے بلاد میں عام طور پر مہر باندھنے کے وقت بجائے روپے کے اتنی ہزار ٹکے دو دینار سُرخ کہا جاتا ہے جو کہ قیمت ہو ڈھائی ہزار روپے کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم - السائل الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند

الجواب - آپ کی جو تحقیق صحیح ہے، لہذا میں بھی اسکو اختیار کرتا ہوں اور اسکے خلاف سے رجوع کرتا ہوں، اشرف علی

[ع] یہ تنبیہ بحکم حضرت سیدی حکیم الامت اضافہ کی گئی ہے ۱۲ محمد شفیع

سونے کی بنائی ہوئی ناک یا دانتوں پر زکوٰۃ

سوال (۷۷) اکثر لوگ دانت سونے کے تاروں سے بندھوا لیتے ہیں یا کھوکھلے دانت کے اندر سونا بھروا لیتے ہیں، سونے کی ناک بنوا کر چہرہ پر لگاتے ہیں اور یہ ناک بلا حرج جدا بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن دانت میں سے اس طرح سونا جدا نہیں ہو سکتا۔ سوال یہ ہے کہ آیا صاحب نصاب پر اس سونے میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار بعد عد الجزئیات المتعددۃ التی لا فیہا الزکوٰۃ مانصہ لعدم النمو فی رد المحتار لانہ غیر متمکن من الزیادۃ الجزء ۲ ص ۱۴۔ اس تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ناک میں تو زکوٰۃ واجب ہے اور جو سونا دانت میں لگایا بھرا ہے اس میں واجب نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۷۵)

زکوٰۃ میں زیور کی گھڑائی لگے گی یا نہیں

سوال (۷۸) در تفصیل بعض صور ضروریہ اعتبار قیمت در ادائے زکوٰۃ از خلاف جنس۔ احقر اب تک طلائی زکوٰۃ کا جبکہ روپیہ سے ادا کی جاوے یہ طریق بتلایا کرتا تھا اور عجب نہیں کہ میرے کسی لکھے ہوئے فتوے میں بھی یہ مضمون ہو کہ اس زیور کا وزن کر کے اُتنے سونے کی قیمت کا چالیسواں حصہ دیدیا جاوے۔ مگر مجھی مولوی احمد حسن صاحب سنبھلی نے مجھ کو ایک روایت دکھلائی جو کہ ذیل میں منقول ہے جس سے معلوم ہوا کہ صرف سونے کی قیمت لگانا کافی نہیں بلکہ اس زیور کی بنوائی یعنی گھڑائی کی اُجرت بھی لگا کر مجموعہ کو اس زیور کی قیمت قرار دے کر اُس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں واجب ہوگا۔ یہ تو اصل مسئلہ ہے۔ البتہ اگر کہیں یہ عرف ہو کہ بیع و شراء زیور کے وقت بنوائی نہ لگاتے ہوں وہاں اس کو نہ لگاویں گے صرف سونے کی قیمت جس حیثیت کا اس زیور کا سونا ہو لگاویں گے۔ ہمارے دیار میں یہ عرف ہے کہ اگر سُنار یا صراف سے زیور خرید تو وہ بنوائی لگاتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ بیچو تو نہیں لگاتا۔ پس اس بنا پر مقتضیٰ قاعدہ کا یہ ہے کہ ایسے دیار میں مالک زیورات کا اگر تاجر زیورات کا ہے تب تو وہ زکوٰۃ میں بنوائی بھی لگاوے۔ اگر تاجر نہیں ہے محض استعمال میں لانے والا ہے تو وہ نہ لگاوے۔ اگر کہیں عرف اس کے خلاف ہو تو وہاں ویسا ہی حکم ہوگا اور اسی کی ایک فرع یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اسّی روپے کی زکوٰۃ قیمت سے دینا ہو اور پیسوں سے دینا چاہے تو دو روپے بھر چاندی جتنے پیسوں کی ملتی ہو اور وہ پیسے بوجہ ارزانی چاندی کے دو روپیہ سے کم کے ہوں ان کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ پورے دو روپے کے پیسے دینا ہوں گے

ف ۵ تنبیہ۔ یہ جواب فوائد سے لکھا گیا ہے علماء سے اُمید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو برائے تصحیح دینی مجیب کو مطلع فرمائیں سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کر دوں گا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ سکے سے قیمت روپیہ کی بڑھ گئی۔ اور وہ روایت یہ ہے ولو کان له ابریق فضة وزنه مائتان وقیمته لصیاغته ثلثمائة ان ادی من العین یؤدی ربع عشرہ وھو خمسة قیمتها سبعة ونصف وان ادی خمسة قیمتها خمسة جاز ولو ادی من خلاف جنسه یعتبر القیمة بالاجماع کذا فی التبیین (عالمگیریہ ج ۱ ص ۱۱۵) کتبہ اشرف علی ۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (ترجیح رابع ص ۴۶)

مال زکوٰۃ سے یتیموں کو کھانا کھلانے یا کپڑا بنانے کا حکم

سوال (۷۹) ایک شخص نے ایک یتیم خانہ قائم کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی کا روپیہ لیکر ان یتیم بچوں کے واسطے کھانے کپڑے کا انتظام بطور خود کرتا ہے۔ بچوں کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ نہیں دیتا ہے اور نہ وہ روپیہ زکوٰۃ کا کسی اور کو دیکر حیلہ تملیک کرتا ہے۔ دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ ایسا روپیہ کسی مستحق زکوٰۃ کو تملیک کرا کر یتیم بچوں کے واسطے خرچ کرنا چاہئے ورنہ زکوٰۃ دینے والوں کی ادا نہ ہوگی۔ پس ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب۔ تملیک ان سب رقموں میں شرط ہے۔ خواہ روپیہ کی ہو یا روپیہ سے جو چیز خریدی جاوے اس چیز کی ہو مثلاً کپڑا دیدیا مگر اسمیں چند شرطیں ہیں اول یہ کہ اہل رقم کا اذن ہو اس خریداری کے لیے۔ دوسرے یہ کہ وہ چیز قیمت میں اس رقم کے برابر ہو۔ تیسرے یہ کہ اُن بچوں کی ملک کی جاوے مثلاً اگر کھانا بٹھلا کر کھلاوے تو ادا نہ ہوگی۔ نیز لکڑی وغیرہ کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۳)

حیلۂ تملیک میں نابالغ کی تملیک کا حکم

سوال (۸۰) نابالغ یتیم بچہ کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب۔ ہو جاوے گی بشرطیکہ مصرف زکوٰۃ کا ہو۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۷)

عورت کا دین مہر جو بذمہ شوہر ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال (۸۱) اس خاکسار کی نکاح خوانی ہو کر تیس برس ہوئے مہر سوا پانچ سو روپے مقرر ہوئے تھے اب تک دیئے گئے نہیں ہیں۔ مکان کے لوگ تقاضا بھی کیے نہیں۔ باوجود قدرت ہونے کے ادا کئے نہیں گئے۔ ان تیس سال میں کوئی سال بھی اس مہر کی رقم کی زکوٰۃ دینے کا خیال بندہ کو گزرا بھی نہیں۔ ہر سال اس فدوی کے پاس رمضان شریف میں جتنی رقم جمع رہتی تھی اُس کی زکوٰۃ دیدیا کرتا تھا اور ہر بقرعید کے روز مکان کے لوگ کی طرف سے بھی ایک بکرا قربانی کیا کرتا تھا۔ گزارش خدمت شریف میں یہ ہے۔ چونکہ مکان کے لوگ کے مہر کی رقم کی زکوٰۃ علیحدہ تیس سال کے حساب کرکے دینا بندہ پر واجب ہے یا نہیں۔ آگاہی فرماکر

سرفراز فرمانا۔ انشاء اللہ تعالیٰ بندہ کا ارادہ بعد رمضان شریف کے مکان کے لوگ کو مہر میں ایک زمین جو نو سو روپے کو خرید کی گئی ہے دینے کا ہے۔

الجواب۔ رقم دین کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ تو کسی قاعدے سے نہیں اگر احتمال ہے تو یہ ہے کہ شاید عورت کے ذمہ ہو کیونکہ مہر عورت کا حق ہے۔ سو اس کا حکم درمختار وغیرہ سے لکھتا ہوں وہ یہ کہ جب تک مہر اُن کو وصول نہ ہو تب تک اُن کے ذمہ بھی زکوٰۃ نہیں۔ اور جب وصول ہوا اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نقد روپیہ وصول ہو تو اس تاریخ سے زکوٰۃ اُن کے ذمہ واجب ہوگی اور گزشتہ سالوں کی نہ ہوگی۔ اور اگر مہر میں زمین وغیرہ ملی تو اس پر بالکل زکوٰۃ نہیں۔

۲۲ رمضان ۱۳۳۷ھ ہجری (تتمہ خامسہ ص ۹۳)

حکم مخلوط کردن وکیل زکوٰۃ رقوم واجب التملیک وغیر واجب التملیک را

سوال (۸۲) اگر واجب التملیک وغیر واجب التملیک رقومات کو ایک ہی تھیلے میں رکھا جائے صرف کاغذات میں علیحدہ علیحدہ اندراج ہو جس کو دیکھ کر واجب التملیک رقم کو اس کے مد میں صرف کیا جاوے اور غیر واجب التملیک کو اُس کی مد میں تو آیا اس طرح دونوں ثمن کو یکجا رکھنے سے زکوٰۃ یا قربانی کے چرم کی قیمت ادا ہو جاوے گی یا نہیں۔ اگر کسی مدرسہ میں دونوں ثمنوں کو یکجا رکھا جاتا ہو تو باوجود اس علم کے اس مدرسہ کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی رد المحتار من الفصل التاسع من زکوٰۃ التتارخانیۃ دفع رجلان لرجل دراھم یتصدق بھا عن زکوتھما فخلطھا ثم دفعھا ضمن الا اذا وجد الاذن او اجاز المالکان او وجد دلالۃ الاذن بالخلط کما جرت العادۃ من ارباب الحنطۃ بخلط ثمن الغلات وکذا الطحان ضمن اذا خلط حنطۃ الناس الا فی موضع یکون ماذونا بالخلط عرفا اھ ملخصاً ج ۲ ص ۱۲۶۔

روایت بالا سے معلوم ہوا کہ اہل عطاء کے اذن سے ایسا کرنا جائز ہے خواہ اذن صراحتاً ہو یا دلالۃً مگر دلالت ضعیفہ نہ ہو۔ اور بلا اذن ایسا کرنا جائز نہیں۔ بلکہ ضمان لازم آوے گا۔ جس مدرسہ میں اس قید اذن کی رعایت ہو اس میں دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۵)

عدم وجوب زکوٰۃ مشترکہ در تجارت مشترکہ

سوال (۸۳) مشترک تجارت میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ مشترک واجب ہوگی۔؟

الجواب۔ نہیں

بقیہ سوال:- یا انفراداً؟

الجواب:- ہاں

بقیہ سوال:- یعنی کل شرکاء مل کر زکوٰۃ کا روپیہ نکالیں-؟

الجواب:- نہیں-

بقیہ سوال:- اور اگر بعض حصہ دار زکوٰۃ نہ دینا چاہیں تو ہر شخص انفراداً اپنے روپے و مال جو حولانِ حول کے بعد اُس کے حصہ میں آوے اُس کی زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے-؟

الجواب:- ہاں- (تتمہ خامسہ صفحہ ۳۶۷)

زکوٰۃ سکہ ہائے مختلفہ

سوال (۸۴) میں نے ممالک غیر کے نقرئی اور مسی سکے جمع کئے ہیں جن کا وزن اور قیمت مختلف ہے- دوسرے مال کے ساتھ ان سکہ جات کی بھی زکوٰۃ دینا چاہیئے یا نہیں- اور اگر دی جاوے تو کس طریقہ سے- کیونکہ اُن میں اکثر ایسے بھی سکے شامل ہیں جن کی قیمت نہیں معلوم ہے- اور معلوم کرنا بھی مشکل ہے-

الجواب- مسی سکوں میں زکوٰۃ نہیں- البتہ اگر نیت بیع سے خریدا ہو کہ اگر کوئی خریدار نفع دے گا تو فروخت کردوں گا اُس وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی باقی نقرئی سکوں پر بہر حال میں زکوٰۃ فرض ہے- اور زکوٰۃ میں اگر روپیہ دیا جاوے تو اس وقت اُن سکوں کی قیمت معتبر نہ ہوگی بلکہ وزن معتبر ہوگا- یعنی اگر یہ سکے وزن میں چالیس روپیہ بھر ہوں تو اُن کی زکوٰۃ ایک روپیہ ہوگی-

۸ محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ صفحہ ۹۰)

حکم صرف کردن چندۂ زکوٰۃ در تنخواہ مدرسین مدرسہ و در سکونت طلبۂ اغنیاء و در کرایۂ مکان برائے مدرسہ

سوال (۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں- مدارس میں طلباء غرباء یتامیٰ کی خوراک و لباس وغیرہ کے علاوہ مہتمم مالِ زکوٰۃ کو امور ذیل میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں-

(۱) باورچی کی تنخواہ و خوراک وغیرہ (۲) مدرسین و مہتمم و چندہ وصول کنندہ کی تنخواہ بقدر تعداد غرباء و یتامیٰ یعنی مدرسہ میں غرباء و غیر غرباء دونوں قسم کے طلباء پڑھتے ہیں- پس غرباء کے حصہ کے قدر مدرسین وغیرہ کی تنخواہوں میں زکوٰۃ صرف کی جائے یا نہیں- (۳) کرایہ مکان جس میں طلباء رہتے اور پڑھتے ہوں آیا طلباء کے رہنے کے لیے کرایہ والے مکان میں مہتمم کسی ایسے غیر شخص کو رکھ سکتا ہے جس کو مصالح طلباء میں کوئی دخل نہ ہو- (۴) اور پڑھنے کے لئے کرایہ والے مکان میں غرباء اغنیاء دونوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں- (۵) بچوں کو اسباق الاشیاء سمجھا کر

پڑھانے کے لیے اسکولوں میں کتابی شیر وغیرہ کی تصاویر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ بجز سوال ۶ کے کہ اس کے جواب میں تو تفصیل ذیل ہے باقی سب سوالوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور وہ تفصیل یہ ہے کہ اگر صراحۃً یا دلالۃً معطین چندہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اور اگر یہ کرایہ چندہ سے نہیں دیا جاتا بلکہ مال وقف سے دیا جاتا ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر واقف نے تصریحاً یا دلالۃً تعمیم کر دی ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ اور عدم جواز کی صورت میں اگر شرکت جماعت کے سبب سے اغنیاء کو اس مکان میں بیٹھنا ضروری ہو تو اغنیاء کے حصہ کا کرایہ یا تو وہ اغنیاء خود ادا کریں یا کسی ایسی مد سے دیا جاوے کہ اس میں تخصیص نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ ۱۵؍ شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۶)

تحقیق معنے تبدل ملک

سوال (۸۶) یوں مشہور ہے کہ تبدل ملک سے اور دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تبدل ملک سے تبدل عین کا ہو جانا اس کے یہ معنی نہیں جو عوام سمجھتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کسی خاص طریقہ سے کوئی چیز آئی جو اس شخص کے لیے وہ طریقہ حلال تھا لیکن اس طریقہ سے اگر دوسرے شخص کے پاس آتی تو اس کے لیے حلال نہ ہوتا اب اس شخص نے اس دوسرے شخص کو کسی دوسرے طریق سے وہ چیز دی جو کہ اس دوسرے شخص کے لیے بھی حلال ہے۔ سو اس میں اس پہلے طریقہ پر لحاظ نہ کیا جاوے گا اور اس کا ثواب باقی نہ رہے گا۔ مثلاً غنی کو صدقہ لینا حرام ہے مگر کسی فقیر کو کوئی چیز صدقہ میں ملی اور اس نے ہدیۃً اس غنی کو دی اب اس کے لیے حلال ہو گی گویا یہ دوسری چیز ہو گی۔ یہ مطلب ہے اس قاعدہ کا اسی طرح جو مشہور ہے کہ دام دینے سے حرمت زائل ہو جاتی ہے یہ تو بالکل ہی غلط ہے۔ فقط (امداد ج ۲ ص ۱۲۹)

ادلۂ حکم یضم المستفاد الی نصابہ من جنسہ

سوال (۸۷) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گزارش یہ ہے کہ یضم المستفاد الی نصابہ من جنسہ کی کیا دلیل ہے اگر کوئی حدیث مرفوع یا موقوف معلوم ہو تو مہربانی فرما کر بحوالۂ کتاب و باب مطلع فرمادیں۔ بظاہر قولہ علیہ السلام لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول سے عدم وجوب سمجھ میں آتا ہے کما ہو قول البعض کنز الدقائق کے حاشیہ پر یہ حدیث دیکھی ان من السنۃ لشہرا تؤدون فیہ زکوٰۃ اموالکم فما حصل بعد ذلک فلا زکوٰۃ علیہ حتی یجیئ راس الشہر رواہ الترمذی۔ لیکن اس خاکسار نے ترمذی شریف کے ابواب الزکوٰۃ کو ایک دفعہ سرسری نظر سے دیکھ لیا۔ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں

دیکھیں۔ باقی حضور کا سایۂ عاطفت ہم بیکسوں پر ہمیشہ دراز ہو۔

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ فی شرح العینی للھدایۃ فان قلت ماتقول فی الحدیث الذی استدل بہ الشافعیؒ رواہ الترمذی بسندہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استفاد مالاً فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول رواہ ابن ماجۃ من حدیث عمرۃ عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا زکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول قلت اما حدیث ابن عمر فانہ ضعیف لان فیہ عبدالرحمٰن بن زید قال الترمذی وھو ضعیف فی الحدیث ضعفہ احمد بن حنبل وعلی بن المدینی وغیرھما من اھل الحدیث وھو کثیر الغلط وقال الترمذی ایضاً وروی ایوب وعبید اللہ بن عمر وغیر واحد عن نافع عن ابن عمر موقوفاً قلت انفرد الترمذی باخراج ھذا الحدیث وانفرد ایضاً بالموقوف واما حدیث ابن ماجۃ ففیہ حارثۃ بن محمد وقال احمد لیس بشیئ وقال یحییٰ ثقۃ ولو ثبت لما کان مخالفاً لمذھبنا لان حول الاصل حول الزیادۃ کما قالوا فی الاولاد والارباح والزیادۃ فی البدن بالثمن ثم قال فی حدیث ان من السنۃ شہراً ما نصہ ولم اره فی الترمذی ثم قال ان مذھبنا فی ھذا الباب ھو قول عثمان وابن عباس والحسن البصری والثوری والحسن ابن صالح آہ مختصراً وقال محمد فی موطاہ بعد نقل قول ابن عمر لا تجب فی مال زکوٰۃ حتی یحول علیہ الحول مانصہ الا ان یکتسب مالاً فیجمعہ الی مال عندہ مما یزکی الی قولہ وھو قول ابی حنیفۃ وابراھیم النخعی وفی التعلیق الممجد عن ابن الھمام ھکذا وقال اصحابنا ھو حدیث ضعیف وعلی تسلیم ثبوتہ فعمومہ لیس مراداً للاتفاق علی خروج الارباح والاولاد فعللنا بالمجانسۃ فقلنا انما اخرج الاولاد والارباح للمجانسۃ لا للتولد فیجب ان یخرج المستفاد اذا کان من جنسہ وھو ادفع للحرج علی اصحاب الحرف الذین یجدون کل یوم درھماً فاکثر واقل فان فی اعتناء الحول لکل مستفاد حرجاً عظیماً وھو مدفوع بالنص اھ قلت ونسب الترمذی القول بالضم الی سفیان الثوری واھل الکوفۃ ووجدت فی حاشیۃ الترمذی مکتوباً بالخطی مانصہ محمول علی مال جدید لا المنضم الی نصاب فلا دلیل فیہ مع قیام ھذا الاحتمال ومع کون الحدیث موقوفاً علی الاصح اھ۔ ان عبارات میں آپ کے سب سوالوں کا جواب مذکور ہے۔ ۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ

(تتمہ ثانیہ ص۱۲۹)

تحقیق کیل و فرق

سوال (۸۸) فرق کی مقدار میں اختلاف ہے۔ کافی میں چھتیس رطل ہے۔ محیط میں ساٹھ رطل، صحاح میں سولہ رطل، اور تتمہ میں ہے فرق بالسکون سولہ رطل اور بقول بعض سولہ رطل اور بقول بعض چار رطل اور فرق بالفتح اسی رطل۔ قاموس میں ہے مکیال بالمدینۃ یسع ثلثۃ اصع ویحرک وھو افصح او یسع ستۃ عشر رطلا۶ او اربعۃ ارباع۔

الجواب۔ شیخین نے جو کعب بن عجرہ سے حدیث روایت کی ہے اس میں جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ فاحلق راسک واطعم فرقا بین ستۃ مساکین اور اس کے بعد یہ عبارت ہے والفرق ثلثۃ اصع۔ ہر چند کہ غالبًا یہ عبارت کسی راوی سے مدرج ہے مگر اس پر بعد والوں سے کہ فقہاء و محدثین ماہرین لغت وجملہ ثقات ہیں نکیر نہ ہونا مرجح ہے اس کا کہ احکام شرعیہ میں جو مقدار اس کی معتبر ہے وہ تین صاع ہے۔ صاحب مرقات نے طیبی سے بھی اس قول کے نقل کے بعد دوسرے اقوال کو قیل سے نقل کیا ہے۔ باقی دوسرے اقوال کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حسب اختلاف امکنہ یہ سب اطلاقات بھی صحیح ہیں۔ اس کی نظیر ہمارے محاورہ میں لفظ سیر، یا دھڑی یا من ہے کہ ہر جگہ جدا مقام پر اطلاق ہوتا ہے مگر احکام میں جس کا اعتبار ہو وہ وہی ہے جو اوّل مذکور ہوا۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۵)

عدم جواز جبر بر چندہ از مال زکوٰۃ

سوال (۸۹) اس اشکال کے حل کرنے کی احقر کو ضرورت ہے کہ اگر زکوٰۃ کی مد سے چندہ طلب کیا جاوے اور اس میں کچھ دباؤ یا اصرار سے کام لیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں۔ منشاء اشکال کا یہ ہے کہ حدیث الا بطیب نفسہ سے صدقات فرض خارج ہیں کیونکہ اُن کو ہر طرح ادا کرنا چاہئے۔ خواہ طیب نفس ہو یا نہ ہو۔ لہذا زکوٰۃ کے دباؤ سے وصول کرنے میں اعانت علی الفرض ہے۔ نیز امام کو اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جبرًا قہرًا وصول کر لینی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مفروضہ میں طیب نفس شرط نہیں۔ بعض محصلین چندہ سے گفتگو کی تو اس سے یہ خلجان پیدا ہو گیا۔ مہربانی فرما کر حکم مسئلہ سے آگاہی فرمائیں۔

الجواب۔ اگر نماز فرض پر جبر جائز ہو تو کیا اُس کی خصوصیات غیر لازمہ پر بھی جبر جائز ہے مثلاً یہ کہ فلاں مسجد ہی میں پڑھو یا فلاں گھنٹہ ہی میں پڑھو، یا فلاں امام کے پیچھے ہی پڑھو۔ جب یہ نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل فعل پر جبر کے جواز سے ایسی خصوصیات پر جبر کا جواز لازم نہیں آتا۔ پس اس قید پر جبر جائز نہ ہوگا کہ زکوٰۃ فلاں مصرف ہی میں دو۔ پس حدیث لا یحل الخ اس کو بھی عام رہی اور سلطان کو ایسے اختیارات من جانب الشرع حاصل ہیں، غیر سلطان کو اس پر قیاس

کرنا مع الفارق ہے۔ وہذا ظاہر جداً۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۷۶)

تحقیق وجوب وعدم وجوب زکوٰۃ در مواشی از قسم گاؤ وجاموش وغیرہ بقدر نصاب کہ غرض از انہا زراعت واستعمال گوشت وشیر وغیرہ باشد نہ تجارت

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس مواشی از قسم بھیڑ و بکری وگائے بھینس اس تعداد میں ہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مگر فروخت کے لیے نہیں ہیں۔ جو نر بچے پیدا ہوتے ہیں زراعت کے کام آتے ہیں اور مادہ بچہ کشی دودھ وغیرہ کے استعمال میں۔ اور بھیڑ و بکری کا گوشت وغیرہ استعمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مواشی سال کا نصف حصہ اور کبھی زائد ایسی زمین پر چرتے ہیں جو پٹہ کی ہے۔ اور اس زمین کا محصول مالگذاری سرکار کو ادا کیا جاتا ہے۔ اور کچھ زمانہ ایسی ہی محصولی زمین کا پیداوار گھانس گھر پر لا کر کھلایا جاتا ہے۔ پس ایسی صورت میں کیا متذکرہ مواشی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب السائمة هی المکتفیة بالرعی المباح فی اکثر العام لقصد الدر والنسل والزیادة والثمن الی قوله لو اسامها للحم (ای للاکل) فلا زکوٰة فیها کما لو اسامها للحمل والرکوب اهـ فی رد المحتار لو حمل الکلاء الیها فی البیت لاتکون سائمة بحر۔ اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے (۱) جس سال کے گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس سال کے اکثر حصہ کی چرائی کا اعتبار ہے۔ (۲) جبکہ مباح گھاس کھلایا ہو۔ اور خودرو گھاس مباح ہے۔ محصول دینے سے مملوک نہیں ہوتا۔ (۳) اگر گھاس گھر لا کر کھلایا تو شرط وجوب زکوٰۃ نہیں پائی گئی۔ واللہ اعلم۔ (۴) کھانے کے لیے جو جانور پالا جاوے اُس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح باربرداری یا سواری یا کاشتکاری کے لیے بھی۔ کہ کاشتکاری بھی باربرداری کے حکم میں ہے۔ اشرف علی۔ ۱۲ر شوال ۱۳۵۰ھ ہجری (النور صفحہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

مدارس کے سفیر عاملین کے حکم میں نہیں

سوال (۹۱) جیسے کہ عاملین صدقات کے دینے سے ادا ہو جاتی ہے اور یہ قائم مقام عاملین کے سمجھے جا سکتے ہیں یا وہ مال زکوٰۃ جب تک کہ مہتمم یا بانی مدرسہ کی طرف سے بطور نیابت کے مستحقین پر خرچ نہ کرے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

الجواب۔ ہاں یہی دوسری بات ہے۔ ۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ ہجری۔

اشتراء زکوٰۃ از مسکین

سوال (۹۲) کتابوں کی زکوٰۃ میں اگر کتابیں ہی مساکین کو دی جاویں اور ان مساکین سے تاجرانہ نرخ سے بتراضی طرفین وہ کتب مزکی خرید لے تو کوئی حرج تو نہیں۔

الجواب۔ صحت بیع میں تو کوئی شبہ نہیں باقی اگر قرائن سے معلوم ہو کہ اس نے

ہمارے لحاظ سے اتنی قیمت کو قبول کر لیا ہے اس صورت میں کراہت ہوگی۔ دلیلہ حدیث ارادۃ عمرؓ اشتراء الصدقۃ وغیبۃ علیہ السلام عنہ۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

فصل فی العشر والخراج

عشر در باغات | **سوال (۹۳)** باغات کی زکوٰۃ کس طرح دینا چاہیئے۔ آیا باغات کی پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر دینا چاہیئے۔ عام باغات جب تک تیار نہیں ہوجاتے بیچے جاتے ہیں جب تیار ہوگئے پھر اُن کو نہیں بیچتے۔ حاصل یہ کہ پیداوار اور پھلنے کے وقت اُن میں پانی نہیں دیا جاتا۔ پھر بعض لوگ باغات کی فصل فروخت کر ڈالتے ہیں تو کیا عشر یا نصف عشر کی مقدار فصل نہ فروخت کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو مصارفِ زکوٰۃ میں دیدینا چاہیئے۔ یا فصل کی قیمت میں سے عشر یا نصفِ عشر دینا چاہیئے۔ اگر قیمت میں سے دینا چاہیئے تو اسمیں عشر یا نصف عشر زکوٰۃ نہیں بلکہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ پھر حولانِ حول کی شرط الگ ہے۔ چونکہ اکثر لوگ باغات کی زکوٰۃ سے غافل ہیں۔ اس کے مفصل جواب سے مطمئن فرماویں۔

الجواب۔ فی رد المحتار اختلفوا فی وقت العشر فی الثمار والزرع فقال ابوحنیفۃ وزفرؒ یجب عند ظہور الثمرۃ والامن علیہا من الفساد وان لم یستحق الحصاد اذا بلغت حداً ینتفع بہا وقال ابویوسفؒ عند استحقاق الحصاد وقال محمدؒ اذا حصدت وصارت فی الجرین وفی الدر المختار ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع اھ۔ اِن اقوال مختلفہ میں میرے نزدیک امام ابویوسفؒ کا قول اعدل ہے۔ اس بناء پر پختگی ثمرہ کے وقت جس کے پاس وہ باغ ہو۔ اُس پر عُشر واجب ہوگا۔ خواہ پھل دے یا اُس کی قیمت بشرطیکہ بیع باطل نہ ہوئی ہو ورنہ بائع کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا۔ اور پانی نہ دینے کو اسمیں کوئی دخل نہیں۔ بارانی زمین و باغ میں بھی عشر ہے۔ اور اگر دام دے گا تو وہ زکوٰۃ ردیہ کی نہ ہوگی۔ بلکہ حق عشر کا بدل ہوگا۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر کوئی ابویوسفؒ کا قول نہ لے تو جس قول کو لے گا اس کے موافق وجوب عشر کا وقت دیکھا جاویگا۔

۲۶ محرم ۱۳۲۲ھ ہجری (امداد ص ۱۵۶)

عشر در زمین وآب معمول | **سوال (۹۴)** زید ایک شخص کی زمین میں زراعت کرتا ہے اور مبلغ

پانچ روپیہ دو آنہ فی بیگہ کرایہ اس شخص زمیندار کو دیتا ہے۔ اور زید کو کبھی کبھی آبپاشی ہر سال میں کرنی پڑتی ہے۔ اس میں جو غلہ پیدا ہوگا اس کی زکوٰۃ کس قدر اور کس طرح دے۔

الجواب ۔ فی رد المحتار ویجب (العشر) فی مسقی سماء وسیح ونصفہ فی مسقی غرب ودالیۃ وفی کتب الشافعیۃ او سقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لا تاباہ ولو سقی سیحًا وبآلۃ اعتبر الغالب ولو استویا فنصفہ وقیل ثلثۃ ارباعہ آہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آبپاشی پانی خرید کر کرتا ہے تو بیسواں حصہ پیداوار کا دے اور اگر مفت کے پانی سے کرتا ہے تو کنویں سے آبپاشی کر نہیں بھی بیسواں حصہ دے۔ اور نہر سے کرنے میں دسواں حصہ دے جبکہ زمین عشری ہو یعنی کسی کافر سے نہ لیگئی ہو۔ اور جس سال آبپاشی نہ کرنی پڑے اُس سال دسواں حصہ دے۔ اور جو دو قسم کی آبپاشی ہو تو جو غالب ہے اس کا اعتبار ہے، اور اگر دونوں مساوی ہوں تو کُل میں ایک بیسواں حصہ اور ایک چالیسواں حصہ دیا جائے گا۔

تحقیق وجوب عشر بر زمیندار یا کاشتکار

سوال (۹۵) زید کی زمین کا عمروہ ۱۵ من غلہ فی بیگہ ہر سال دیکر زراعت کرتا ہے۔ باقی غلہ آپ لے لیتا ہے۔ اور زید اس غلہ سے دو روپیہ دو آنہ فی بیگہ سرکار کو دیتا ہے۔ تو زید اُس غلہ کی زکوٰۃ کس طرح دے۔؟ ۵ھ۔ یہ جواب تصحیح الاغلاط صفحہ ۲۷ سے نقل کیا گیا ہے ۱۲

الجواب ۔ فی الدر المختار والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولہما ناخذ قلت ولکن افتی بقول الامام جماعۃ من المتاخرین الی ان قال لکن فی زماننا عامۃ الاوقاف من القریٰ والمزارع یرضی المستاجر بتحمل غرامات ومؤنہما یستاجرہا بدون اجر المثل بحیث لا تفی الاجرۃ ولا اضعافہا بالعشر او اخراج المقاسمۃ فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولہما فی ذلک لانہم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناء علی ان الاجرۃ سالمۃ لجہۃ الوقف ولا شیٔ علیہ من عشر وغیرہ اما لو اعتبر دفع العشر من جہۃ الوقف وان المستاجر لیس علیہ سوی الاجرۃ المثل تزید اضعافًا کثیرۃ کما لا یخفی فان امکن اخذ الاجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والا بقولہما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لا یقول بہ احد واللہ تعالیٰ اعلم آہ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر موجر پوری اُجرت لے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچے۔ تو عشر موجر کے ذمہ ہے۔ اور اگر موجر اُجرت کم لے اور مستاجر کے پاس زیادہ بچے۔ تو مستاجر کے ذمہ ہے۔ چونکہ ہمارے دیار میں اُجرت کم لی جاتی ہے اسی لیے

میں وجوب عشر علی المستاجر پر فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ ہاں اگر کسی جگہ پوری اُجرت لی جاوے جس میں زمیندار عشر بخوبی ادا کرسکتا ہو تو اس وقت وجوب عشر علی الموجر پر فتویٰ ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اُجرت اور پیداوار کی نسبت معلوم نہیں اس لیے حکم میں تعیین نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم (امداد ج ۱ صفحہ ۲۶)

عشری زمین کی تحقیق

سوال (۹۶) عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جاوے۔

الجواب۔ حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہونچی ہیں۔ ارثاً او شراءً وہلم جرّاً وہ زمینیں عشری ہیں۔ اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگیا تھا وہ عشری نہ رہی۔ اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے یہی سمجھا جاوے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے۔ بدلیل الاستصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی۔ وقدر العشر معروف فقط۔ ۱۰ ارمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۵۰)

تحقیق عشر وخراج در اراضی ہند

سوال (۹۷) ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ خراجی ہے یا عشری۔ جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد غدر کے سلطنت کی باگ اپنے قبضۂ اقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کرلی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے۔ اگر صاحب اراضی دعویٰ کرکے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی۔ چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کرکے بیّنہ قائم کئے اُن کو وہی اراضی یا بعوض اُن کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر صلہ میں زمین عطاء ہوئی اور مالگزاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی۔ اور بعض کو معاف کردی۔

(۲) برتقدیر وجوب عشر یا نصف عُشر کاشتکار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ یا زمیندار پر کاشتکار وہ ہے جو زمین کی جملہ خدمت کرتا ہے اور مالک اراضی یعنی زمیندار اُس سے نصف یا ثلث پیداوار کا بحیثیت شرائط جنس پیداوار سے یا غیر جنس سے لیتا ہے اور سرکاری مالگزاری زمیندار ادا کرتا ہے۔

(۳) کسی گاؤں کے بعض حصۂ اراضی کی پیداوار کا دارومدار صرف آسمانی پانی پر ہے اور اس کی آبپاشی نہیں ہوتی، اور بعض حصۂ اراضی کی آبپاشی چاہات وتالاب وغیرہ وغیرہ سے ہوتی ہے اور بعض حصہ اراضی کی پیداوار بارش وآبپاشی دونوں سے ہوتی ہے یعنی صرف بارش پر اکتفا کرنے سے پیداوار کم ہوتی ہے اور اگر اس میں آبپاشی کردی جاوے تو پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس اراضی کی آبپاشی ہوا کرتی تھی مگر وقت پر بارش ہونے سے آبپاشی کی ضرورت رفع ہوجاتی ہے تو ان تمام صورتوں میں برتقدیر وجوب عُشر، عُشر واجب ہوگا ۔ یا نصف عشر ۔؟

الجواب ۔ (۱) ضبط کرنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں ۔ ایک قبضۂ مالکانہ ۔ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عُشری نہیں رہیں ۔ دوسرا قبضۂ مُلکانہ وحاکمانہ ومنتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے ۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عُشریہ بحالہا عُشری رہیں ۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اُس کی زمین کی عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی سو چونکہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی مِلک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی ۔

(۲) والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولہما ناخذ وفی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیہما بالحصۃ ۔ در مختار ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے تو بقول مفتی بہ کاشتکار پر ہے ۔ اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشتکار کا ہے تو زمیندار اور کاشتکار دونوں پر اپنے حصہ کی قدر ہے ۔ (۳) ویجب (ای العشر) فی مسقی سماء ای مطر وسیح کنہر الیٰ قولہ ویجب نصفہ فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیۃ ای دولاب لکثرۃ المؤنۃ وفی کتب الشافعیۃ او سقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لا تاباہ ولو سقی سیحا وبالۃ اعتبر الغالب ولو استویا فنصفہ وقیل ثلثۃ ارباعہ ۔ در مختار ۔ قُلتُ واختلف الترجیح والاحتیاط فی الثانی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عُشر ہے ۔ اور آبپاشی چاہ وتالاب میں نصف عشر اور جس زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہو تو اس میں غالب کا اعتبار ہے ۔ اور اگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عُشر اور نصف میں نصف عُشر ۔ ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص۱۰)

تحقیق جواز قیمت عُشر افیون

سوال (۹۸) افیون کی زکوٰۃ میں افیون مثل غلہ کے دینا چاہئے یا قیمت پر ۔ اگر قیمت پر دینا چاہئے تو کس حساب سے ۔ واضح رائے عالی رہے کہ افیون کا فروخت گورنمنٹ میں ہوتا ہے ۔ کسی کو افیون دینا بطریق زکوٰۃ ملک اودھ میں بوجہ جرم ممکن نہیں ۔

الجواب ۔ قیمت بھی دیدینا جائز ہے ۔ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث ص۱۹ ج ادا)

عدم سقوط عشر بادائے محصول سرکاری

سوال (۹۹) زمین عشری کی مالگزاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی

اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی تحقیق تھی عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہ معاملہ احتیاط تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو علٰحدہ دے۔ مگر قول مضبوط آپ کے نزدیک کونسا ہے۔؟

الجواب۔ ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ باقی اِن حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں۔ (حوادث ص ۱۹ ج اول ۲)

دفع تعارض در عبارت بہشتی زیور وعلاج القحط والوباء درباب عشر

سوال (۱۰۰) "بہشتی زیور" حصہ سوم ص ۳۹ میں ہے اگر کھیت کو سینچنا نہ پڑے فقط بارش کے پانی سے پیداوار ہو گئی، یا ندی اور دریا کے کنارہ پر ترائی میں کوئی چیز بوئی اور بے سینچے پیدا ہو گئی تو ایسے کھیت میں جتنا پیدا ہوا ہے اس کا دسواں حصہ خیرات کر دینا واجب ہے الخ اور اگر کھیت کو پر چلا کر یا کسی اور طریق سے سینچا ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ خیرات کرے۔ فقط۔ اس سے معلوم ہوا کہ نہری اور بارانی کھیت میں دسواں حصہ واجب ہے۔ اور چاہی میں بیسواں۔ اور علاج القحط والوبا میں مرقوم ہے اگر بارانی ہو تو دسواں اور اگر چاہی یا نہری ہو بیسواں حصہ واجب ہے۔" اب عرض یہ ہے کہ حکم علاج القحط میں نہری کا حکم صراحۃً بیسواں حصہ مرقوم ہے۔ اور عربی کتابوں میں سے بھی نہری کا حکم دسواں حصہ معلوم ہوتا ہے کما فی القدوری العشر واجب سواءٌ سقی سیحًا او سقتہ السماء ازیں سواء۔ اس عرضداشت کے جواب سے ممتاز فرمانا ۱؎ سینچنے سے کیا مراد ہے۔ ۲؎ گرستی کا اسباب گرستی کے معنی کیا ہیں۔؟

الجواب۔ کچھ تعارض نہیں جس نہری میں دسواں لکھا ہے وہ وہ ہے جس میں سینچنا یعنی آبپاشی کرنا اور قیمت دینا نہ پڑے۔ چنانچہ بہشتی زیور کی پہلی عبارت میں اس کی تصریح ہے اور جس نہری میں بیسواں حصہ لکھا ہے مراد اس سے جس میں آبپاشی کرنا پڑے یا پانی کی قیمت دینا پڑے گرستی کے معنی اثاث البیت اور عشر کا لفظ عربی کتابوں میں بعض اوقات عام معنی میں آتا ہے۔ عشر و نصف عشر دونوں کو شامل در مختار میں تفصیل مذکور موجود ہے۔ رجب ۱۳۳۱ھ ہجری (تتمہ خامسہ ص ۶۲)

حکم اراضی سرکاری درباب وجوب عشر

سوال (۱۰۱) علاقہ پنجاب میں سرکار نے کچھ اراضی نہر کے پانی پر آباد کی ہے۔ اس اراضی کی ابتدائی حالت یہ تھی کہ ایک جنگل بیابان تھا سوائے گھاس کے کچھ پیداوار نہ ہوتی تھی۔ کچھ لوگ اپنے مواشی اس جنگل میں چرایا کرتے تھے۔ اور سرکار کو کچھ نقد اس کے معاوضہ میں دیدیا کرتے تھے۔ جب سرکار کا ارادہ نہر کا پانی

لاکر اُس اراضی کو آباد کرنے کا ہوا تو وہاں کے باشندوں کو کہا کہ تم اس اراضی کو آباد کرو اُنھوں نے کہا کہ ہم سے کھیتی کا کام نہیں ہو سکتا ہے تو سرکار نے باہر سے لوگوں کو بُلا کر اُس اراضی کو آباد کرایا۔ اس وقت وہاں پر مختلف ملکوں کے لوگ آباد ہیں۔ بندۂ خاکسار کا بھی کچھ تعلق وہاں پر ہے۔ سرکار نے وہ اراضی فی الحال لوگوں کو موروثی کر دی ہے۔ اور کچھ لگان نقد مقرر شدہ ششماہی یا سالانہ کاشتکاروں سے لیتی ہے۔ اور مالک خود سرکار بنی ہوئی ہے۔ جب سے وہ اراضی آباد ہوئی ہے سب کاشتکار وہاں کے اُس کی آمدنی سے عُشر برابر ادا کرتے رہے۔ جیسے اور ملکوں میں پنجاب ہندوستان میں عُشر نکالا جاتا ہے۔ اور اس عشر کو برابر لوگ واجب سمجھتے رہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا کہ یہ اراضی سلطانی ہے۔ اس میں نہ عشر واجب ہے اور نہ خراج۔ نقل فتویٰ حسب ذیل مکتوب ہے۔ اراضی المملکة والحوز لاعشرية ولاخراجية لاشئ علی زراع الارض السلطانية من عشر او خراج سوی الاجرة (درمختار) قلت وهذا النوع الثالث يعنی لاعشرية ولاخراجية من الاراضی تسمی ارض المملكة واراضی الحوز وهو مامات اربابه بلا وارث وال بيت المال او فتح عنوة وابقی للمسلمين الی يوم القيمة وحكمه علی ما فی التاتارخانيه يجوز للامام دفعه الی الزراع باحد الطريقين اما باقامتهم مقام الملاك فی الزراعة واعطاء الخراج واما باجارتها لهم بقدر الخراج فيكون الماخوذ فی حق الامام خراجا ثم ان كان دارهم فهو موظف وان كان بعض الخارج فخراج المقاسمة واما فی الاكرة فاجرة لاغير لاعشر ولاخراج فلما دل دليل علی عدم لزوم المؤنتين العشر والخراج فی الاراضی المملكة والحوز كان الماخوذ منهما اجرة لاغير الخ مافی الدر المنتقی ملخصاً قلت هذا لاشئ علی زراعها من عشر او خراج۔ شامی جلد ثالث صد ۳۹۵ ۔

از مسائل مسطورہ بالا استفادہ گردید کہ زمینہائے سُلطانیہ یعنی مالکاں سوائے سُلطان ندارند نہ عشری نہ خراجی۔ فقط آھ

فتویٰ مذکورہ بالا ایک اور مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا انھوں نے حسب ذیل جواب لکھا:۔

نقل جواب۔ ایک روایت شامی باب الرکاز میں یہ دیکھی گئی واحترز به عن دار ہ

وارضہ دار الحرب الیٰ ان قال فان ارضہا دار الحرب لیست ارض خراج وعشر الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان وغیرہ اراضی دار الحرب میں عشر اور خراج کچھ نہیں ہے۔

ملک سندھ میں ایک مولوی صاحب ہیں انہوں نے حکم لکھا ہے کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے۔ مثل اراضی پنجاب وہندوستان کے۔ اور فتویٰ مذکورہ بالا کی عبارت کو اراضی مصر وشام کے ساتھ مختص کرتے ہیں۔ یعنی شامی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اراضی مصر وشام کی بحث ہے عام نہیں اور شامی کی بعض عبارات سے وجوب عشر ثابت کرتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے اس فتوے کی عبارت کو نقل نہیں کیا گیا۔ فقط۔ حضور والا کی خدمت عالیہ میں ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ اراضی مذکورہ بالا میں عشر واجب ہے یا نہیں؟۔ علاوہ اس اراضی کے ہندوستان وپنجاب کی زمین کا کیا حکم ہے۔ عشری ہے یا خراجی ہے۔ پہلے فتویٰ کی عبارت کا اور شامی باب الرکاز کی روایت کا کیا مطلب ہو بحوالۂ کتب معتبرہ مفصل جواب سے سرفراز فرمایا جاوے۔

الجواب۔ اراضی سلطانیہ کا وہ حکم اس لیے ہے کہ وہ بیت المال یا عامۂ مسلمین کی ہیں کمافی رد المحتار۔ وھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ ولا خراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی **الحوز** وھو مامات اربابہ بلاوارث وال لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیمۃ (ص۳۹۵ ج۳) اور اراضی مذکورہ فی السوال ایسی نہیں۔ پس اس حکم پر حکم مذکور کی بناء ہی جائز نہیں۔ پھر خود اراضی مذکورہ کے اس حکم میں بھی کلام ہے۔ کما قال فی رد المحتار وبان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج الی قولہ فکان ملک الارض وعدمہ سواءً کما فی البدائع ثم الیٰ قولہ فالقول بعدم الوجوب فی خصوص ھذہ الارض یحتاج الی دلیل خاص ونقل صریح الخ ص۳۹۲ ج۲) خصوص صاحبین کے قول پر کہ عشر مالک پیداوار پر ہے مالک زمین پر نہیں۔ کمافی رد المحتار قلت فعلی ھذا لا شیء علی زراعھا من عشر او خراج الا علی قولھما بان العشر علی المستاجر کما مر فی بابہ ص۳۹۵ ج۳) اور باب مذکورہ میں ہے وفی الحاوی القدسی وبقولھما ناخذ ج۲ ص۵۸ اور بعض جزئیات سے جو شبہ سقوط عند ھما کا ہوتا ہے تو اس کی بناء یہ ہے کہ انہوں نے اجرت کو خراج کہا ہے مگر خراج کو واجب نہیں کہا۔ کمافی رد المحتار واما علی قولھما فالظاہر انہ کذٰلک لما علمت من ان المأخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ لانہ خراج فی

عوق الامام ص ۳۵ ج ۲

پس ثابت ہوگیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ پھر جن اراضی پر خراجی کی تعریف صادق آوے اُس پر خراج ہے اور جس پر عشری کی تعریف صادق آدے اُس پر عُشر ہے۔ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو۔ مگر یہ موقوف ہے دار الحرب ہونے پر۔ اور اس میں گنجائش کلام ہے۔ ۲۲ر رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ ۵ ص ۳۰۶)

حکم عشر در ترکاری و عدم جواز اجارۂ باغ

سوال (۱۰۲) از قسم ترکاری باجازت صاحب باغ اگر زراعت کردہ شود مثل میتھی و بادنجان و کدو و تربئی و مرچ وغیرہ وغیرہ شرعاً بر آں ہم چیزے عُشر لازم می شود یانہ۔ اگر شود از قیمت آں یا از نفس آں دادہ میشود آب چاہ می باشد اگر آب تالاب می باشد چہ حکم ست مثلاً کسے کدام باغ را باجارہ گیرد بایں شرط کہ تمام ثمرہ درخت را تا یک سال باجارہ گرفت وقدرے قدرے دراں باغ زمین خالی ہم باشد بخوشی و رضائے مالک باغ دراں زراعت ترکاری ہم کرد ازاں باغ ہرچہ فائدہ شود یا نقصان۔ مقدار مبلغ حصول از باغ عشر دادہ میشود یا زکوٰۃ موافق شرع باید داد حکم شرع را بیان فرمائید۔

الجواب۔ عشر لازم میشود خواہ از قیمت دہند یا از عین آں۔ و آب تالاب و آب چاہ یک حکم دارد کہ درو نصف عشر واجب می شود۔ چوں بآلہ آب رسانیدہ شود کذا فی الدر المختار و آنچہ در مثال صورت اجارۂ باغ فرض کردہ شدہ است ایں اجارہ جائز نیست لورودہ علی استہلاک العین ثمر باغ بدستور در ملک مالکِ اصلی خواہد ماند و عشرش بذمہ او واجب خواہد بود و آنچہ در زمین خالی باذن مالک کاشت کردہ است آں در ملک کاشت کنندہ خواہد بود و عشر بذمہ ایں واجب خواہد شد و ایں ہمہ [illegible] آنگاہ است کہ زمین عشری باشد و اگر خراجی باشد عشر واجب نخواہد بود و تفصیل عشری و خراجی در کتب فقہ موجود است مثلاً در صفائی معاملات و زکوٰۃ وقتے واجب باشد کہ ایں ثمرہ یا غلہ را [illegible] کردہ روپیہ او جمع کردہ [illegible] قدر نصاب ازانکہ فارغ از دَین وغیرہ باشد سال کامل گزارد۔ (تتمہ اولیٰ ص ۳۱)

چری کے کھیت میں عشر ہے

سوال (۱۰۳) چری جو بیل، بھینس [illegible] کو کھلاتے ہیں جو بونے سے تھوڑے ہی عرصہ بعد کاٹنا شروع ہو جاتی ہے جانوروں کے کھلانے کے واسطے اور جب تک اس میں جوار آتی ہے بہت کاٹ کر جانوروں کو کھلا دی جاتی ہے۔ ایسی زراعت میں زکوٰۃ کس صورت سے ادا کی جائے اور زکوٰۃ چری پر بھی ہے اور جوار پر بھی اور چری پر ہے تو چری کا کھڑا دسواں حصہ [illegible] سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں۔؟

الجواب - دسواں یا بیسواں حصہ جیسی زمین ہو سب پیداوار پر ہے - اس صورت میں بہتر ہے کہ کھڑے کھیت میں سے اندازہ کر کے اتنا علیحدہ کر دیا جائے - اخیر میں اس کو یا اس کے داموں کو مصرفِ عُشر میں خرچ کر دیا جائے - ۳ ر ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۷)

جواب یک سوال غیر مذکورہ دربارۂ زمین عشری - السلام علیکم - در مختار میں ہے یجب العشر الی قولہ وسقی سماء الخ اور اسی میں ہے الا فی نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن - اور رد المحتار میں ہے غیرانہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ صار ہو المقصود ج ۲ ص ۸۰) اس روایت کی بناء پر آپ کے سوال میں اس روپیہ فی صدی عشر واجب ہے اور بھوسہ میں نہیں لیکن دانہ پڑنے سے پہلے جتنا کاٹ لیا جاوے جیسے خوید کہلاتے ہیں اُس میں عُشر ہو گا - ۲۱ ر شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۸)

تحقیق خراج | **سوال** (۱۰۴) آجکل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں اگر ادا کیا جائے تو اُس کا مصرف اور مقدار کیا ہے -

الجواب - فی الدر المختار یجوز ترک الخراج للمالک لا العُشر وفی رد المحتار ترک السلطان او نائبہ الخراج لرب الارض او وھبہ ولو لشفاعۃ جاز عند الثانی وحل لہ لو مصرفا والا تصدق بہ بہ یفتی وما فی الحاوی من ترجیح حلہ لغیر المصرف خلاف المشھور ج ۲ ص ۹۱ وفی الدر المختار وثالثھا خراج الی قولہ وثالثھا حواہ مقاتلوں وفی رد المحتار الذی فی الھدایۃ وعامۃ الکتب المعتبرۃ انہ یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایۃ العلماء والقضاۃ والعمال ورزق المقاتلۃ وذراریھم ج ۲ ص ۹۲ و ص ۹۳ اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوئے ۱ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہو تو اپنے صرف میں خراج لا سکتا ہے ۲ اگر یہ مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے ۳ مصارف خراج میں سے علماء بھی ہیں - ۲۷ ر محرم ۱۳۳۳ھ

زکوٰۃ الفرض فی نبات الارض

بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر کے پاس ایک مخدوم واجب الاحترام کا والا نامہ بحکم ضبط کر دینے مسائل عشر کے آیا امتثالاً للامر اُن مسائل کو جمع کیا گیا اور حسب ایماء اُن بزرگ کے اس کو ایک رسالہ قرار دیکر ایک مناسب نام بھی اُس کا تجویز کر دیا گیا - اب اُس سوال وجواب کی نقل کی جاتی ہے

سوال (۱۰۵۱) گزارش یہ ہے کہ در باب عشر جو ہم لوگوں کے پاس زمینیں ہیں عجب خلجان رہتا ہے اکثر اس باب میں دریافت فرماتے رہتے ہیں۔ ایک قسم کی زمین معافی ہوتی ہے دوسرے مضبطہ جن کا محصول گورنمنٹ انگریزی کو دیا جاتا ہے ان ہر دو قسم کی زمینوں کو کبھی مالک کاشت کرتا ہے یا اکثر غلہ یا روپیوں پر اجارہ دیتا ہے بعض دفعہ بٹائی پر کاشتکاران کو مالک دیتا ہے بعض کی آبپاشی بوجہ انہار گورنمنٹ روپیہ آبپاشی دیکر ہوتی ہے بعض کی چاہات سے ہوتی ہے بعض کی محض باراں سے ہوتی ہے۔ ان سب میں عشر یا نصف عشر ہے یا زمین معافی میں عشر ہے زمین مضبطہ میں نہیں ہے جو زمینیں اجارہ پر دیگئی ہیں اُن میں کاشتکاران پر عشر عائد ہوگا یا مالکان زمین پر الحاصل اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے عموماً سب کو تساہل اس باب میں ہو رہا ہے۔

الجواب۔ الروایۃ الاولیٰ فی الدر المختار من باب العشر من الزکوٰۃ و تجب فی مسقی سماء ای مطر و سیح کنہر بلا شرط نصاب راجع للکل و بلا شرط بقاء و حولان حول لان فیہ معنی المؤنۃ و لذا کان للامام اخذہ جبراً و یؤخذ من الترکۃ و یجب مع الدین و فی الارض صغیر و مجنون و مکاتب و ماذون و وقف و تسمیتہ زکوٰۃ مجاز الا فی ما لا یقصد بہ استغلال الارض نحو حطب و قصب فارسی و حشیش و تبن و سعف و صمغ و قطران و خطمی و اشنان و شجر قطن و باذنجان و بزر بطیخ و قثاء و ادویۃ کحلبۃ و شونیز حتیٰ لو اشتغل ارضہ بہا یجب العشر و یجب نصفہ فی مسقی غرب ای دلو کبیر و دالیۃ ای دولاب لکثرۃ المؤنۃ و فی کتب الشافعیۃ او سقاہ بماء اشتراہ و قواعد نا لا تاباہ و لو سقی سیحاً و باٰلۃ اعتبر الغالب و لو استویا فنصفہ و قیل ثلثۃ ارباع بلا رفع مؤن ای کلف الزرع و بلا اخراج البذر لتصریحہم بالعشر فی کل الخارج الیٰ قولہ و اخذ الخراج من ذمی اشتری ارضاً عشریۃ و اخذ العشر من مسلم اخذہا منہ من الذمی بشفعۃ او ردت علیہ لفساد البیع اھ مختصراً فی رد المحتار قولہ و تبن بالباء الموحدۃ قال فی الفتح غیر انہ لو فصلہ قبل انعقاد الحب وجب العشر فیہ لانہ صار ہو المقصود **الروایۃ الثانیۃ** فی الدر المختار و یؤخذ العشر عند الامام عند ظہور الثمرۃ و بدو صلاحہا، برہان الیٰ قولہ لا یحل الخ فی رد المحتار و اختلفوا فی وقت العشر فی الثمار و الزروع فقال ابو حنیفۃ و زفر یجب عند ظہور الثمرۃ و الامن علیہا من الفساد فیہ تحت قولہ

لا یحل الخ فی الواقعات عن البزازیۃ لا یحل الاکل من الغلۃ قبل اداء الخراج وکذا قبل اداء العشر الا اذا کان المالک عازماً علی اداء العشر هو تقیید حسن **الروایۃ الثالثۃ** فی الدر المختار ویسقطان بهلاک الخارج فی رد المحتار قولہ ویسقطان ای العشر وخراج المقاسمۃ الی قولہ وفی البزازیۃ هلاک الخارج بعد الحصاد لا یسقطہ وقبلہ یسقط لو بآفۃ لا تدفع کالغرق والحرق واکل الجراد والحر والبرد اما اذا اکلتہ الدابۃ فلا لامکان الحفظ عنها غالباً **الروایۃ الرابعۃ** فی الدر المختار ولو باع الزرع ان قبل ادراکہ فالعشر علی المشتری ولو بعدہ فعلی البائع **الروایۃ الخامسۃ** والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقال علی المستاجر کمستعیر مسلم وبقولهما نأخذ وفی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیهما بالحصۃ فی رد المحتار قولہ کخراج موظف فانہ علی المؤجر اتفاقاً الی قولہ واما خراج المقاسمۃ وهو کون الواجب جزءاً شائعاً من الخارج کثلث وسدس ونحوهما فعلی الخلاف کذا فی شرح دار البحار وکذا الخراج الموظف علی المعیر ذخیرہ ای اتفاقاً بدائع اما العشر فعلی المستعیر کما یاتی تحت قولہ وبقولهما نأخذ فلا ینبغی العدول عن الافتاء بقولهما فی ذلک لانهم فی زماننا الی قولہ والا فبقولهما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لا یقول بہ احد وفیہ تحت قولہ وفی المزارعۃ لکن ما ذکر من التفصیل یخالف ما فی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهیریۃ وغیرها من ان العشر علی رب الارض عندہ وعلیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعۃ جائزۃ عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما اھ الی قولہ فکان ینبغی للشارح متابعۃ ما فی اکثر الکتب **الروایۃ السادسۃ** فی الدر المختار وثالثها خراج الی قولہ جوالی مقاتلونا فی رد المحتار الذی فی الهدایۃ وعامۃ الکتب المعتبرۃ انہ یصرف فی مصالحنا کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایۃ العلماء والقضاۃ والعمال ورزق المقاتلۃ وذراریهم ای ذراری الجمیع **الروایۃ السابعۃ** فی الدر المختار من باب المصرف

ای مصرف الزکوٰۃ والعشر فی رد المحتار وھو مصرف ایضاً لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذلک من الصدقات الواجبۃ کما فی القہستانی **الروایۃ الثامنۃ** فی الدر المختار باب العشر والخراج والجزیۃ ارض العرب وما اسلم اھلہ طوعاً او فتح عنوۃ وقسم بین جیش والبصرۃ ایضاً باجماع الصحابۃ عشریۃ الی قولہ ویجب الخراج فی ارض الوقف والصبی والمجنون لو کانت الارض خراجیۃ والعشر لو عشریۃ ومر فی الزکوٰۃ فی رد المحتار تحت قولہ وقسم بین جیش ولو قال بیننا الشمل ما اذا قسم بین المسلمین غیر الغانمین فانہ عشر لان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداءً ذکرہ القہستانی در منتقی **الروایۃ التاسعۃ** فی رد المحتار عن الاسعاف واذا دفع المتولی الارض مزارعۃ فالخراج او العشر من حقہ اھل الوقف ص ۳۹۵ ج ۳ **الروایۃ العاشرۃ** ولو احیاہ مسلم اعتبر قربہ ما قارب الشئی یعطی حکمہ **الروایۃ الحادیۃ عشر** فی الدر المختار ولا خراج ان غلب الماء علی ارضہ او انقطع الماء او اصاب الزرع آفۃ الی قولہ فان عطلہا صاحبہا وکان خراجہا موظفا او سلم صاحبہا او اشتری مسلم من ذمی ارض خراج یجب الخراج فی رد المحتار قولہ ولا خراج الخ ای خراج الوظیفۃ وکذا خراج المقاسمۃ والعشر بالاولی لتعلق الواجب بعین الخارج فیہما **الروایۃ الثانیۃ عشر** فی الدر المختار ولا یؤخذ العشر من الخارج من الخراج لانہما لا یجتمعان فی رد المحتار ای لو کان لہ ارض خراجہا موظف لا یؤخذ منہا العشر الخارج وکذا لو کان خراجہا مقاسمۃ من النصف نحوہ وکذا لو کانت عشریۃ لا یؤخذ منہا خراج لانہما لا یجتمعان الخ **الروایۃ الثالثۃ عشر** فی الدر المختار ترک السلطان او نائبہ الخراج لرب الارض او وھبہ لہ ولو بشفاعۃ جاز عند الثانی جاز وحل لہ لو مصرفا والا تصدق بہ یفتی ولو ترک العشر لا یجوز اجماعاً ویخرجہ بنفسہ للفقراء اھ مختصراً فی رد المحتار قولہ وحل لہ لو مصرفا کالمفتی والمجاھد والمعلم والمتعلم والذاکر والواعظ عن علم ولا یحل لغیرھم وکذا اذا ترک عمال السلطان الخراج لاحد بدون علمہ۔ ان روایات سے مسائل ذیل ثابت ہوئے (**اطلاع**) جہاں لفظ عشر آوے گا عشر و نصف عشر دونوں کو عام ہوگا۔ ۱۔ عشر یا نصف عشر ارض عشریہ میں جس کی تعریف عنقریب آتی ہے

کل پیداوار میں واجب ہوتا ہے نہ اُس میں کوئی نصاب شرط ہے اور نہ قرض وغیرہ مانع ہے نہ اخراجات زراعت کے اُس میں منہا کئے جاتے ہیں البتہ جو لوگ کسی خاص حصہ پیداوار پر زراعت میں کام کرتے ہیں اُن کے حصہ کا عشر خود اُن کے ذمہ ہے ۲؎ نابالغ بچہ و مجنون کی زمین میں بھی عشر واجب ہے ۳؎ ارض وقف میں بھی عشر واجب ہے ۴؎ ہر پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے خواہ غلہ ہو خواہ پھل پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے ۵؎ مقدار عشر میں تفصیل یہ ہے کہ جس کی آبپاشی بارش سے ہوئی ہو اس میں دسواں حصہ پیداوار کا واجب ہے اور جس کی آبپاشی چاہ سے یا نہر کے خریدے ہوئے پانی سے ہوئی ہو اُس میں بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح ہوئی ہو تو غالب کا اعتبار ہے اور اگر دونوں طریقے مساوی ہوں تو بعض کے نزدیک بیسواں حصہ اور بعض کے نزدیک عشر کا تین ربع یعنی چالیس میں سے تین واجب ہیں۔ ۶؎ خوید وغیرہ جو کاٹ لیجاتی ہے اس میں بھی عشر واجب ہے اور جو تیاری کے بعد غلہ سے بھوسہ نکلتا ہے اس میں واجب نہیں ۷؎ جب پھل قابل اطمینان ہو جائے اُس وقت کے حساب سے عشر واجب ہے۔

۸؎ تیاری سے پہلے جسقدر خرچ کرے گا اُس سب کا حساب یاد رکھے اُس کا بھی عشر دینا پڑے گا۔ ۹؎ اگر پھل توڑنے سے پہلے یا کھیت کاٹنے سے پہلے کسی آفت غیر اختیاری مثل برف یا غرق یا حرق وغیرہ سے پھل یا غلہ ہلاک ہو جاوے۔ عشر ساقط ہو جاتا ہے اور اگر چوری ہو جاوے یا جانور کھا جاوے۔ اس سے ساقط نہیں ہوتا۔ ۱۰؎ پکنے سے پہلے کھیت بیچ ڈالا تو اُس کا عشر مشتری کے ذمہ ہے اور اگر پکنے کے بعد بیچا تو بائع کے ذمہ ہے۔ یہی حکم پھل کا ہے۔ ۱۱؎ جو زمین اجارہ پر دی جاوے اُس کا عشر بقول صاحبین رح کے مفتیٰ بہ ہے کاشتکار کے ذمہ ہے کہ وہ پیداوار کا مالک ہے اور اگر مزارعت یعنی بٹائی پر ہے تو مالک زمین و کاشتکار دونوں کے ذمہ ہے۔ اپنے اپنے حصہ میں۔ ۱۲؎ عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ یعنی مساکین جو اصول و فروع میں سے اور ہاشمی نہ ہوں اور زوج و زوجہ نہ ہو۔ ۱۳؎ عشری زمین وہ ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اُس کو مفتوح کیا تھا اُس وقت تک برابر دہ مسلمان ہی کی ملک میں چلی آئی ہو۔ خواہ بذریعہ میراث یا بذریعہ خرید یعنی درمیان میں وہ غیر مسلم کی ملک میں نہ آئی ہو۔ اور جو ایسی نہ ہو وہ خراجی کہلاتی ہے ۱۴؎ خراج کی دو قسم ہیں ایک موظف کہ اس کا لگان یا ایک مقرر مقدار ہے مثلاً روپیہ بیگہ یا کم و بیش۔ دوسرا خراج مقاسمت کہ پیداوار کا کوئی حصہ

کسی خاص نسبت سے لیا جاتا ہے: مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ ۱۵ خراجی زمین میں خراج واجب ہوتا ہے۔ ۱۶ لیکن خراج موظف تو قدرت انتفاع زراعت سے واجب ہو جاتا ہے باوجود امکان زراعت کے اگر زمین کو معطل چھوڑے رکھے گا یہ خراج واجب ہو جاوے گا۔ البتہ جب قدرت زراعت کی نہ ہو تب ساقط ہو جاتا ہے۔ اور خراج مقاسمہ مثل عشر کے اُسوقت واجب ہوگا جب واقع میں پیدا بھی ہو۔ ۱۷ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے زمین خریدے وہ خراجی ہوگی ۱۸ اگر مسلمان کسی غیر مسلم کے ہاتھ عشری زمین بیچ ڈالے وہ خراجی ہو جاوے گی۔ ۱۹ خراج کے مصارف مصالح عامہ ہیں اور علماء مدرسین ومفتیین وطلبہ کی خدمت بھی ان میں داخل ہے۔ ۲۰ عشر اور خراج دونوں ایک زمین میں واجب نہیں ہوتے ۲۱ خراجی زمین سے عشر نہ نکالا جاوے گا ۲۲ اسی طرح جس زمین میں عشر واجب ہے اگر اس سے خراج لیا جاتا ہو تو عشر ساقط نہ ہوگا۔ جس طرح مال تجارت سے انکم ٹکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی ۲۳ خراج موظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے۔ کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ خراج مقاسمہ کا حکم مثل عشر کے ہے۔ ۲۴ اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب بھی اگر وہ خراج موظف ہے تو وہ مالک زمین کے ذمہ رہے گا۔ آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے مدرس ہے واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں اس کو پہونچا دے مدارس اسلامیہ کا مدچندہ اس کے لیے بہت مناسب ہے البتہ اگر انتفاع بالارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے اسی طرح خراج مقاسمت میں تفصیل ہے ۲۵ اور اگر بوجہ معافی ہونے کے اس کے محصول کی مقدار کی تعیین میں دشواری ہو تو اُس کے قرب وجوار کی آراضی غیر معافی کا محصول معتبر ہے ۲۶ ارض وقف کا بھی عشر یا خراج پیداوار سے نکال کر بقیہ کو مصارف میں صرف کیا جاوے گا۔

تنبیہ:۔ ارض خراجی میں خراج کا حق شرعی ہونا اب تک احقر کو بھی محقق نہ تھا۔ اب اس تحقیق کے بعد اراضی معافی کے متعلق یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابل تنبیہ واہتمام ہے کہ اس کے خراج کا قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کر کے مدارس اسلامیہ میں پہنچا دیا کریں ورنہ ان کے ذمہ یہ ایک حق شرعی واجب رہے گا اور عشر کے حق شرعی ہونے سے بے خبری یا انکار یہ تو غفلت وغلطی عظیم ہے یہ کل تیرہ روایتوں سے اُس کے مضاعف یعنی ۲۶ مسئلے ثابت ہوتے ہیں۔ وللہ الحمد علی اتمام الجواب واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب ——

ضمیمہ فی رد المحتار تحت قول الدر المختار یجب العشر ما نصہ ثبت ذلک بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول ای یفترض لقولہ تعالیٰ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ فان عامۃ المفسرین علی انہ العشر او نصفہ بینہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب اودالیۃ ففیہ نصف العشر ص ۷۰ قلت وایضاً لقولہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ الآیۃ۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ عشر فرض ہے مثل زکوٰۃ کے قرآن سے اور حدیث اور اجماع سے اور قیاس سے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوتاہی یا غفلت کرنا کیسی چیز ہے۔

واللہ الموفق۔ **اشرف علی** ۱۰ رجب ۱۳۳۴ھ

عشری وخراجی نبودن الخ

سوال (۱۰۶) اراضی عشری وخراجی منحصر بہ دار الاسلام ہے یا غیر دار الاسلام میں بھی عشری وخراجی ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار باب الرکاز تحت قول الدر المختار فی ارض خراجیۃ او عشریۃ اھ بعد بحث طویل مانصہ ثم رأیت عین ما قلتہ فی شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر الخ ج ۲ ص ۷۲ مصریہ سنہ ۱۲۹۹ھ۔ ۷ صفر ۱۳۳۷ھ

عشر بودن الخ

سوال (۱۰۷) ہندوستان کی زمینوں کی پیداوار پر عشر فرض ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن شرح شیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر ج ۲ ص ۷۲ و فی الدر المختار ارض العرب وما اسلم اھلہ طوعا او فتح عنوۃ وقسم بین جیشنا والبصرۃ عشریۃ اھ ج ۳ ص ۳۹۳۔ اگر ہندوستان کو دار الاسلام مانا جاوے تو ظاہراً قسم ثالث میں داخل ہونے سے اُس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جبکہ کسی غیر مسلم سے حاصل نہ ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دار الاسلام ہے تو اُس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۰ھ

تحقیق عشر وخراج

سوال (۱۰۸) الامداد جلد ۲ ص ۶ بابتہ ماہ محرم ۱۳۳۵ھ مضمون معنون بہ زکوٰۃ الارض میں ہے نمبر ۳ خراج موظف بالاجماع مالک زمین کے ذمہ ہے کاشتکار کے ذمہ نہیں البتہ خراج مقاسمۃ کا حکم مثل عشر کے ہے انتہی۔ فقرہ اخیرہ کا یہ مطلب ہے کہ بلا رض اور مزارع دونوں پر بحصتہما خراج مقاسمۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل صراحتاً در احد تدین میری

سرسری نظر سے تو باوجود تلاش نہ گزری بلکہ برخلاف اس کے - چنانچہ در مختار کے اس قول (و فی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیھما بالحصۃ) کی شرح کے بالکل آخر میں شامی لکھتا ہے ثم اعلم ان ھذا کلہ فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع شامی ج ۲ ص۷۵ اس کے اوّل میں وجوب عشر کا حکم بالتفصیل مع الاختلاف بیان کر چکا ہے اور یہاں وہ تفصیل مذکورہ معتبرہ فی العشر خراج سے مستثنیٰ کرتا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خراج مطلقاً رب الارض پر ہے مزارعۃ میں خراج موظف ہو یا مقاسمۃ کا ہو حضرت والا مد ظلہم عم فیضہم نے جو تفصیل لکھی ہے اور اس مطلق کو مقید کیا ہے ازراہ کرم اس کے ماخذ کی عبارت بعینہ سے مطلع فرماویں - تو باعث بصیرت وتشفی بندہ ہو اور رافع خدشہ - والسلام -

الجواب - الامداد کی اسی جلد اسی نمبر صفحہ ۲۷ تحت الروایۃ الخامسۃ میں ردالمحتار کی یہ عبارت ہے واما خراج المقاسمۃ وھو کون الواجب جزءاً شائعاً من الخارج کثلث وسدس ونحوھما فعلی الخلاف کذا فی شرح دار البحار میں اسی پر ۲۳ کو متفرع کیا ہے اور مثل عشر کا مطلب یہ ہے کہ علی الخلاف ہے اب آپ نے بدائع سے جو عبارت نقل کی ہے ان دونوں عبارتوں میں تطبیق میں غور کیجئے میں نے اپنا ماخذ لکھدیا - ۱۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

سوال (۱۰۹) اس پر یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ عبارت مذکور شرح دار البحار کی دلیل عقد اجارہ کی ہے نہ کہ مزارعۃ (بٹائی) کی زیراکہ شامی نے بھی اسی کو اسی مراد کے لیے لایا ہے - چنانچہ تحت قولہ کخراج موظف فانہ علی المؤجر الخ کے لایا ہے اور خدام والا کی عبارت نمبر ۳ حکم عقد مزارعۃ کا ظاہر کر رہی ہے چنانچہ لفظ کاشتکار اسی کی طرف مشیر ہے فلم یصح الاستدلال بتلک العبارۃ علی ذلک ہاں اگر خدام والا کی عبارت نمبر ۳ سے حکم عقد اجارہ ہے تو کوئی خدشہ نہیں - پس دریں حالت ازراہ کرم حکم خراج عقد مزارعۃ (بٹائی) سے سرفراز فرمایئے گا کہ سب مالک زمین پر ہے یا مزارع پر بھی بالحصۃ ہے جیسا کہ حکم عشر ہے -

اگر دونوں پر مثل عشر ہے تو شامی کی اس عبارت (ثم اعلم ان ھذا کلہ فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع) کا کیا مطلب ہے -

الجواب - کتاب دیکھنے کا وقت نہیں ملتا دوسرے علماء سے تحقیق کر لیجئے اور بعد حصول

اطمینان اگر یاد رہے مجھ کو بھی اطلاع کر دیجئے۔ مجھکو بھی فائدہ ہوگا۔

اس کے بعد مستفتی نے دیوبند خط لکھا جو مع جواب ذیل میں منقول ہے پھر حسب رحومت اس جواب کی یہاں اطلاع کر کے ایک جزو کا یہاں سے استصواب کیا وہ استصواب مع جواب بھی منقول ہے۔

والمجموع ہذا۔ بخدمت جناب مفتی دار العلوم دیوبند عم فیضہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جن سطور مسطورہ بالا پر خط مستطیل کھنچا ہوا ہے از راہِ کرم ان کے جواب مدلل سے واقف فرمانا اور نیز اس سے کہ خراج مقاسمہ اگر محض مالک زمین پہ ہے تو کل پیداوار کا خمس (جو کہ یہاں کا خراج ہے) اس سے لیا جائے گا یا جتنا حصہ اس کا پیداوار میں مقرر ہے اس کا خمس لیا جائیگا اُمید کہ ان دونوں سوالوں کا جواب دلائل کے ساتھ تحریر فرما کر مشکور فرمائیے گا کہ صورتِ مسئولہ واقعی ہے۔ والسلام۔

الجواب۔ شامی جلد ثالث باب العشر والخراج والجزیۃ میں درمختار کے قول وھو ای الخراج نوعان خراج مقاسمۃ الخ شرح میں ہے وقد تقرر ان خراج المقاسمۃ کالعشر لتعلقہ بالخارج ولھذا یتکرر بتکرر الخارج فی السنۃ وانما یفارقہ فی المصرف فکل شئ یوخذ منہ العشر او نصفہ یوخذ منہ خراج المقاسمۃ وتجری الاحکام التی قدرت فی العشر وفاقا وخلافا الخ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت منقولہ شامی ثم اعلم ان ھذا کلہ فی العشر اما الخراج فعلی رب الارض اجماعاً کما فی البدائع میں خراج سے مراد خراج موظف ہے نہ خراج مقاسمہ اور اصل مسئلہ کے متعلق ایک روایت شامی باب الرکاز ص ۴۵ میں یہ ہے۔ ولھذا قال القھستانی بعد قولہ فی الارض خراج او عشر لا خضر فی ارضنا سواء کانت جبلا او سھلا مواتا او ملکا واحترز بہ عن دار ہ وارضہ وارض الحرب ثم رائت عین ما قلتہ فی شرح الشیخ اسمٰعیل حیث قال ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی نہ عشری ہیں اور نہ خراجی فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

بخدمت سراپا برکت مرشدی و مولوی حضرت حکیم الامۃ دامت برکاتہم۔ بعد از سلام

علیکم وکورنشات بندگانہ معروض آنکہ حسب الارشاد مفتی صاحب سلمہ کی تحقیق بعینہ مرسول خدمت ہے اور جناب مفتی صاحب کا بالکل اخیر ارشاد کہ اس سے معلوم ہوتا ہے الی قولہ نہ خراجی صحیح ہو مطلب یہ ہے کہ آپ کی رائے عالی اس کے موافق ہے یا نہیں۔ والسلام۔

الجواب۔ ہاں صحیح ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دارالاسلام ہو تو یہ حکم نہ ہوگا۔

سوال ۷۰ جواب مسئلہ شرعی دادن براں صاحب ضروری امر است کہ از اہل ذکر ظاہری و باطنی ذات والا اندو بر ما سوال واجب است کہ عقل و علم مایان ناقص است۔ درباۂ اراضی تمام ہندوستان و پنجاب وخصوصاً ڈیرہ غازی خاں کہ سرحد اضلاع پنجاب است ایں ضلع قریب و ماتحت کوہ است مگر ضلع ہذا اکثر زمین صفاء از حجر است ضلع شامل صوبہ پنجاب جانب غربی دریا سندھ است عشری اند یا خراجی تمام کتب فقہ بناء عشری خراجی بر فتوحات اول داشتہ اند آں بطور علم الیقین ظاہر نمی شود مگر مولوی ہمایونی در فتاویٰ خود نوشتہ کہ ملک سندھ و ہند خراجی است کہ محمد ابن قاسم ثقفی در خلافت ولید بوقت فتح خمس نہادہ بطریق خراج کما یشعر بہ رسائل مخدوم ابی الحسن الدٔھری رح قال الشیخ الحسن فی بیان اراضی الھند والسندھ فی ضمن راجا دیالذی کان قبل نبوت عیسیٰ علیہ السلام کانت خراجیۃ وخراجھا الخمس وبعد الاسلام بقیت ایضاً خراجیۃ ۱۲ فتاویٰ ہمایوں، و در رسالہ الامداد بابتہ ماہ شعبان ۱۳۳۴ھ تحریر است۔ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خریدے وہ خراجی ہوگی۔ الخ۔ و در تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۵۰ کتاب الزکوٰۃ مرقوم است۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں الخ وہ زمینیں عشری ہیں تا آخر۔ لہٰذا معروض جواب امور ذیل مفصل عنایت فرمایند۔

(۱) زمین ضلع ڈیرہ غازی خاں پنجاب عشری است یا خراجی۔

(۲) تحریر مولوی ہمایونی صحیح است قابل اطمینان ست یا نہ مدلل تحریر فرمائید۔

(۳) جناب والا کہ در تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ صفحہ ۵۰ کتاب الزکوٰۃ فرق و تعریف عشری و خراجی تحریر فرمودند نقل کدام کتاب فقہ معتبر درج نہ فرمودند مہربانی فرمودہ ازماخذ آں اطلاع دہند کہ از کدام کتاب از کدام عبارت ایں فرق و تعریف استخراج فرمودہ فتویٰ دادند۔

(۴) بر مردماں اینجا خراج نہایت گراں است اکثر برابر تمام آمدنی اراضی می باشد انگریزاں رامی دہند آں بموجب تحقیق آں صاحب محسوب نمی گردد و مردمان غربا مقروض از کجا آرند

کہ خمس دیگر بمساکین دہند ایں تکلیف مالا یطاق است حالانکہ آں در شرع نمی باشد۔ البتہ بعضے ایماندار عشرین دادن برخود لازم کردہ اند مساکین را می دہند دریں بارہ امر فیصل مدلل تحریر فرمایند۔ چونکہ وجود مسعود حضور پُر نور سراسر رحمت برائے مسلمانان است وحکیم اُمت اند ہر سوال بجواب باصواب سرفراز فرمایند۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ

الجواب قولہ فی السوال۔ بر فتوحات اوّل داشتہ اند اقول بشرطیکہ استیلاً کافرے برآں طاری نہ شدہ باشد قولہ وآں بطور علم الیقین ظاہر نمی شود اقول بسے جا ہا تواتر حاصل است واگر نباشد استصحاب را حکم خواہند گفت قولہ کما یشعر بہ سائل المخدوم اقول اوّل بلا سند حجت نیست ثانیاً بعد تسلیم استیلاء کفار آں را رفع گشت باز موجب جدید مؤثر خواہد شد اکنوں جوابات سوالات بہ ترتیب میدہم۔

(۱) اگر تعریف عشری صادق باشد عشری است واگر تعریف خراجی صادق باشد خراجی است (۲) بالا گزشت۔

(۳) آں تعریف نیست بلکہ بناءً علی المقدمات المعلومہ بیان علامات ست وآں مقدمات ایں ست۔ **الف** عشری چند اقسام است لیکن قسمیکہ در ہندوستان کہ پنجاب وسندھ دراں داخل است یافتہ میشود آں ست کہ فقہاء در تعریفش نوشتہ اند او فتح عنوۃ وقسم بین جیشنا کذا فی الدر المختار۔

وقال فی رد المحتار ولو قال بیننا لشمل ما اذا قسم بین المسلمین غیر الغانمین فانہ عشری لان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداءً ذکرہ القہستانی در منتقی **ب** سلاطین الاسلام ہندوستان را فتح کردہ یقیناً بعض کسان را اراضی عطا کردہ اند دراں وقت آنہا یقیناً مصداق تعریف عشری بودند باز الیشاں بدیگراں منتقل شدند ارثاً یا شراءً اونحوہ الی وقتنا ھذا وہر جا کہ حال وسائط بالیقین معلوم نباشد استصحاب را حکم قرار دادہ خواہد شد پس آنچہ الحال بدست مسلمان ست وسائط را مسلمان قرار خواہند داد۔ **ج** تخلل کافر عشری را خراجی میکند کما صرح بہ پس بعد ایں مقدمات احکام منقولہ امداد الفتاویٰ در رسالہ الامداد ظاہر است۔

(۴) عشر وخراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست ہمچنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد وتکلیف مالا یطاق کہ در شرع مرفوع است مراد

نفی تشریع است نہ نفی وقوع گو از غیر شارع بلا اذن شارع باشد خوب تامل باید کرد ایں مغلطہ عظیمہ است کہ اثرش بر عقیدہ محتمل است البتہ اگر بقول بعضے کہ ارض دار الکفر نہ عشری است نہ خراجی نقلہ فی رد المحتار کسی تشبث کند امید کہ بحالت چنیں ابتلاء گنجائش باشد واللہ اعلم۔

۲۸ ؍ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ تمت رسالۃ النشر للعشر۔

فصل فی صَدقۃ الفِطر وغیرھا

اولویت صرف صدقہ ببلدے کہ دراں خود باشد

سوال (۱۱۰) اگر ایک شخص اپنے وطن کے غرباء و مساکین کو زکوٰۃ یا فطرہ میں سے بعض یا اکثر حصہ دے اور بعض یا اکثر حصہ غیر وطن کے غرباء و مساکین کو دے تو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔ اور وطن کا لفظ عام ہے خواہ اصلی ہو خواہ اقامت۔؟

الجواب۔ زکوٰۃ کا حکم تو اس سے پہلے جواب میں گزر چکا۔ اور فطرہ ادا کرنے والے کا مکان معتبر ہے وہاں کے لوگ احق ہوں گے۔ اور بلا عذر مذکور التفصیل نقل مکروہ ہوگا۔ فی الدر المختار، وفی الفطر لمکان المودی عند محمد رح وھو الاصح لان رؤسھم تبع لراسہ ۱ھ۔ ۲۷ ؍ محرم ۱۳۳۲ھ (امداد ص ۱۵۸ ج ۱)

حکم صدقہ فطر یک کس بر جماعتے یا جماعت بر یکے۔

سوال (۱۱۱) ایک جماعت آدمی کا صدقہ فطر ایک شخص کو دینا یا ایک آدمی کا فطرہ شخص واحد کو یا برعکس، یعنی شخص واحد کا فطرہ جماعت پر تقسیم کرے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی المذھب کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف ۱ھ و رجحہ فی رد المحتار اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی تینوں صورتیں جائز ہیں۔ فقط واللہ اعلم ۲۰ ؍ صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۶۳ ج ۱)

سوال (۱۱۲) ویجب دفع صدقۃ فطر کل شخص الی مسکین واحد حتی لو فرقہ علی مسکینین او اکثر لم یجز ویجوز دفع ما یجب علی جماعۃ الی مسکین واحد کذا فی التبیین ھکذا فی العالمگیری ص ۲۵۵ جلد اول مصری۔ ویجوز ان

یعطی الواجب عن واحد جماعۃ او علی العکس ہکذا فی قاضی خان ص۲۱۱ - ما بین عبارتین جو اختلاف معلوم ہوتا ہے ترجیح کس کو ہے اور وجہ ترجیح کیا ہے - امید کامل ہے کہ جلد ان شبہات مذکورہ کے جواب سے رفع تردد فرماویں گے -

الجواب - فی الدر المختار وجاز دفع کل شخص فطرتہ الی مسکین او مساکین علی ما علیہ الاکثر وبہ جزم فی الوالجیۃ والخانیۃ والبدائع والمحیط وتبعہم الزیلعی فی الظہار من غیر ذکر خلاف وصححہ فی البرہان فکان ہو المذہب کتفریق الزکوٰۃ والامر فی حدیث اغنوہم للندب فیفید الاولویۃ ولذا قال فی الظہیریۃ لا یکرہ التاخیر ای تحریما کما جاز دفع صدقۃ جماعۃ الی مسکین واحد بلا خلاف یعتد بہ۔ فی رد المحتار قد صرح فی مواہب الرحمٰن بالخلاف فی المسئلتین بقولہ ویجوز اخذ واحد من جمع ودفع واحد لجمع علی الصحیح فیہما - آہ ج ۲ ص۱۲۵ و ۱۲۶ ان عبارات سے دونوں امر کے جواز کی ترجیح معلوم ہوگئی - یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۷)

مصارف صدقۂ نافلہ

سوال (۱۱۳) رواج اس ملک کا یہ ہے کہ ثواب رسانی مردہ کے لئے وارثوں نے اپنی اپنی ہمت کے موافق طعام پختہ کھلاتے ہیں اور روپیہ پیسہ وغیرہ صدقہ کرتے ہیں - اب اس طعام پختہ اور روپیہ وغیرہ کے مستحق کون کون ہیں، فقیر، مسکین، یتیم، طالب علم وغیرہ غریب غرباء تونگر سود خوار بے نمازی کو دعوت کرکے کھلانا کیسا ہے -؟

الجواب - یہ صدقہ نافلہ ہے ہر ایک کے لئے جائز ہے - لیکن زیادہ اولیٰ مساکین کے لئے ہے - اور اگر شہرت کے قصد سے ہو سب کو بچنا واجب ہے - فقط - (تتمہ اولیٰ ص۱۶۳ ج۱)

معنے حلت صدقہ نافلہ اغنیاء را

سوال (۱۱۴) صدقۂ نافلہ اغنیاء اور فقراء سب کو مباح ہے - اس کے کیا معنی ہیں - آیا یہ معنی ہیں کہ جب کسی شے کو خدائے تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا اور اس کے ایصال ثواب کی نیت کسی کے لیے کر لی تو یہ صدقہ ہوگیا اس کا کھانا سب کو جائز ہے یا اور کچھ پھر بعد الانفاق ایصال ثواب کی ضرورت ہوگی یا وہی نیت کافی ہوگی ؟

الجواب - اس کی تحقیق مصرح تو کہیں باوجود تلاش کے ملی نہیں - لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدون تملیک کے ابھی صدقہ نہ ہوگا - کیونکہ مفہوم صدقہ میں تملیک داخل ہے - رہا اس کا کسی کے لئے حلال یا حرام ہونا اس کے معنی یہ معلوم ہوتے ہیں کہ جو چیز غنی وغیرہ کو دی کسی کا نی اور ادا نہیں ہوتی منفق علیہ پر واجب ہے کہ منفق کو اپنے مصرف اور مستحق نہ ہونے کی اطلاع اور تنبیہ کردے

کیونکہ یہ توہم اور احتمال ہو کہ شاید اُس کو اطلاع حقیقت کی یا حکم شرعی کی نہ ہو اور یہ واجب مثلاً اسکے ذمہ رہ جائے تو یہ ایک گونہ خداع اور تغریر ہے - اور یہ حرام ہو - البتہ اگر بیت المال میں زکوٰۃ وغیرہ آگئی چونکہ سُلطان بوجہ ولایت عامّہ کے فقراء کا بھی نائب ہو اس لئے اس کا قبضہ بجائے قبضہ فقراء کے ہے ادا اسی سے وہ صدقہ کے ساتھ متصف ہو گیا اور اگر زکوٰۃ ہے تو اس میں وہ نیت آگئی - اور غیر مصارف پر اس وجہ سے بھی حرام ہو گیا - تیسرا طریق جو کہ سب صورتوں میں مشترک اور بلا واسطہ مفید حلت و حرمت ہے یہ کہ صدقہ ہونا نہ تو زماناً تملیک پر مقدم ہے اور نہ مؤخر بلکہ مقارن ہو پس صدقہ ہونا اور مملوک ہونا معاً متحقق ہوں گے اس لیے اُسی وقت حلت و حرمت بھی حاصل ہو جائے گی گو تملیک بالذات مقدم ہو اور جب معلوم ہو گیا کہ تملیک کے وقت صدقہ ہو گا تو اس سے پہلے کی نیت بھی معتبر نہیں - البتہ زکوٰۃ میں اخراج کے وقت کی معتبر ہے کہ واسطے ادائے شرط واجب نیت کے نہ کہ ثواب کے لیے کہ وہ تملیک ہی پر موقوف ہو گا - واللہ اعلم - ۲۷؍ ذی الحجہ ۲۲ھ

وجوب قضاء صدقہ فطر بعد بلوغ اگر ولی ادا نہ کردہ باشد

سوال (۱۱۵) صبی مالک نصاب کا ولی اگر صدقہ فطر اُس کی طرف سے نہ دے تو اُس صبی پر بعد بالغ ہونے کے ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں - ؟

الجواب - ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا - اور اگر صبی مالکِ نصاب نہ ہو گو باپ صاحب نصاب تھا اور اس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد بلوغ واجب نہ ہو گا - کذا فی الدر المختار ورد المحتار تحت قولہ علی کل حر مسلم باب صدقۃ الفطر - یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵۶)

حکم ادائے صدقہ فطر و فدیہ صلوٰۃ از غیر منصوص مثل برنج وغیرہ و مقدار آنہا

سوال (۱۱۶) (۱) ہمارے ملک بنگالہ میں علی العموم ہر کس و ناکس کے واسطے خورش چاول ہے - اور کوئی غذا ہمارے یہاں ماکول نہیں ہو - پس اس صورت میں ہم لوگ نصف صاع چاول سے صدقۂ فطر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں بحوالہ کتب فقہ تحریر فرماویں (۲) ہمارے بنگالیوں کی غذا علی العموم چاول ہے - پس ہم لوگ نصف صاع چاول سے میت کے فوت نماز کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب - (۱) فی در المختار باب صدقۃ الفطر وما لم ینص علیہ کذرۃ وخبز ویعتبر فیہ القیمۃ پس اگر کوئی شخص صدقۂ فطر میں چاول ادا کرنا چاہے تو اس چاول کا کوئی وزن یا پیمانہ معتبر نہیں بلکہ وہ چاول اس قدر ہو کہ قیمت میں برابر نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جَو کے ہو جاوے مثلاً اُس وقت صدقہ فطر ادا ہو گا اور اگر کسی نے نصف صاع چاول دیدیا

اور وہ قیمت میں اشیاء مذکورہ سے کم ہوا صدقہ ادا نہ ہوگا۔ (۲) فی الدر المختار یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطر وکذا حکم الوتر والصوم فی رد المحتار قولہ نصف صاع من بُرّ ای او من دقیقہ او سویقہ او صاع من تمر او زبیب او شعیر او قیمتہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز و روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہے جو صدقۂ فطر میں دی جاتی ہے۔ پس اگر چاول فدیہ میں دینا چاہے تو اس میں بھی وہی شرط ہے جو سوال اوّل کے جواب میں مذکور ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۶۰ ج ۱)

سوال (۱۱۷) صدقۂ فطر ما سوائے اجناس گندم و جو و خرما و زبیب از دیگر اشیاء مثل جوار، باجرا، برنج وغیرہ دادن جائز یا حسب روایت جوہرہ و طحطاوی کہ در باب احکام العیدین لایجوز الا بالقیمۃ غیر جائز۔ آنچہ در نسخہ بہشتی زیور از دیگر اشیاء دادن جائز نوشتہ اید کدام استناد دارد تا کہ بر آں اعتماد کردہ آید۔

الجواب۔ صدقہ فطر از جوار و باجرا وغیرہ اجناس کہ غیر منصوص اند ادا کردن جائز است ہرگاہ کہ در قیمت با یکے از اجناس منصوصہ گندم و جو و خرما وغیرہ برابر باشد و ہمیں معنی است عبارت مذکورہ سوال را لایجوز الا بالقیمۃ ای لایجوز باعتبار الوزن بل باعتبار القیمۃ بان یساوی فی القیمۃ احدی المنصوصات فی الدر المختار مالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ وفی رد المحتار بعد ذکر بعض الفروع لان القیمۃ انما تعتبر فی غیر المنصوص علیہ آہ۔ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹)

سوال (۱۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقۂ فطر کے بارے میں اگر چاولوں سے صدقہ ادا کر دیا جائے آیا کہ جائز ہے یا نہیں۔ اور بر تقدیر اول کس طرح ادا کرنا چاہیئے۔ آیا کہ گندم کے طریقے سے یا اور کسی طریقے سے علی الخصوص جہاں پر علاوہ چاول کے دیگر اشیاء منصوصہ نہیں مل سکتی ہیں وہاں پر اگر نصف صاع چاول کا ادا کر دیا جاوے تو جائز ہوگا یا نہیں۔ اور نرخ چاولوں کا بھی وہاں پر بہ نسبت گندم کے نہایت ارزاں ہے۔ مفصلاً مع ادلہ بیان ہو۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب۔ بجز اشیاء منصوصہ یعنی حنطہ و زبیب و تمر و شعیر کے دوسری جنس سے اگر صدقۂ فطر ادا کیا جاوے تو اس میں قیمت معتبر ہے۔ یعنی وہ احد الاشیاء المنصوصہ کی برابر قیمت میں ہو مثلاً نصف صاع گندم کی برابر ہو یا ایک صاع جو کی برابر ہو۔ اور اگر وہاں گندم و جو مثلاً نہ ہوتے ہوں تو اقرب المواضع کی قیمت معتبر ہوگی۔ فی الدر المختار وما لم ینص

علیہ کذ ا ذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ فی رد المحتار قولہ وخبز علم جواز دفعہ الا باعتبار القیمۃ ھو الصحیح لعدم ورود النص بہ فکان کالذرۃ وغیرھا من الحبوب التی لم یرد بھا النص وکالاقط (بحر ج ۲ ص ۱۳۲) پس چاول بھی اسی قاعدہ سے دینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ۔ اشرف علی۔ ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۵)

تحقیق صدقہ فطر از جانب منکوحہ غیر مزفوفہ

سوال (۱۱۹) جس لڑکی کی شادی ہو چکی ہو اور وہ لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر ہو بالغ ہے یا نابالغ ہے تو اس کا فطرہ رمضان شریف ماں باپ کے ذمہ ہے یا سسرال والوں کے ذمہ ہے۔؟

الجواب۔ اگر وہ لڑکی مالدار ہے تو خود اس کے مال میں صدقہ فطر واجب ہے۔ خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ اور اگر مالدار نہیں تو اگر بالغ ہے تو کسی کے ذمہ نہیں۔ اور اگر مالدار نہیں اور نابالغ ہے اور رخصت نہیں ہوئی تو باپ کے ذمہ ہے۔ اور اگر رخصت ہوگئی تو کسی کے ذمہ نہیں۔ کذا فی الدر المختار ورد المحتار۔ ۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۵)

جواز فدیہ دادن برادر را

سوال (۱۲۰) شخصے نماز دو ماہ قضا کردہ بود۔ قبل موت وصیت کرد کہ از اموال متروکہ کفارہ اش ادا کردہ شود و درمیان برادران میت بعضے غنی و بعضے فقیر۔ اکنوں برادر غنی از ثلث مال ارادۂ کفارہ میداند و نیز می خواہد کہ بعض کفارہ فقیر اجنبی را و بعض برادر فقیر خود را دہد آیا برادرش را کفارہ دادن روا باشد یا نہ۔؟

الجواب۔ ہرگاہ برادر را زکوٰۃ دادن درست است فدیہ و کفارہ ہم درست است لاشتراکہما فی الوجوب۔ ۷؍ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۲)

وجوب صدقہ فطر بر مسافر اضحیہ

سوال (۱۲۱) مسافر جو مکان میں صاحب نصاب ہے اس کو حالت سفر میں اگر قربانی و فطرہ دینے کی قدرت ہو، تو اس پر قربانی یا فطرہ واجب ہوگا یا نہیں۔ لیکن فی الحال سفر میں مقدار نصاب مال ساتھ نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت منگانے پر قادر ہے ایسے شخص پر کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب المصرف وابن السبیل وھو کل من لہ مال لا معہ فی رد المحتار عن الفتح ولا یحل لہ ای لابن السبیل ان یاخذ اکثر من حاجتہ۔ ج ۲ ص ۹۹۔ وفی در المختار باب صدقۃ الفطر علی کل حر مسلم ولو صغیرا مجنونا ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ وان لم یتم ب۔ ای بھذا النصاب

تحرم الصدقۃ وتجب الاضحیۃ وفیہ کتاب الاضحیۃ وشرائطها الاسلام والاقامۃ والیسار الخ۔ ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) ایسے مسافر پر نہ صدقہ فطر واجب ہے اور نہ قربانی۔ کیونکہ وجوب صدقہ وحرمت اخذ صدقہ مجتمع نہیں ہوتے۔ اور اس شخص کو زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ پس صدقہ فطر وقربانی واجب نہیں (۲) ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا گو درست ہے مگر حاجت سے زیادہ نہ لے۔ اور دینے والا بھی اس سے تحقیق حاجت کی کرے۔ زیادہ حاجت سے نہ دے۔ (۳) اور اگر اس مسافر کے پاس نصاب ساتھ ہی موجود ہو تو قربانی تو پھر بھی واجب نہیں مگر صدقۂ فطر واجب ہے۔ (۴) لیکن اگر ایام قربانی میں مقیم ہوگیا تو پھر قربانی واجب ہو جاوے گی۔ (۵) سفر سے مراد سفر شرعی ہے۔ ۲۶ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۵۰)

صدقہ فطر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے واجب ہے

سوال (۱۲۲) زید ایک شخص ہے جو گھر کا مالک ہے۔ اور اس کے متعلقین بہ تفصیل ذیل لوگ ہیں۔ زوجۂ زید، بیٹا بالغ، حقیقی بھائی، زوجۂ حقیقی بھائی کے بیٹے کی، دو زوجہ اور چار زید کی لڑکیاں۔ ایک لڑکی جوان بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے اور کبھی کبھی اس کے یہاں آجاتی ہے۔ دوسری نابالغ بے بیاہی تیسری نابالغ بیاہی یہ دونوں آخر الذکر زید کے یہاں رہتی ہیں۔ چوتھی نابالغ بیاہی جو سسرال میں رہتی ہے۔ زید کی بہن بیاہی ہوئی جو بطور مہمان ہونے کے آگئی ہے۔ ایک خادمہ بے باپ وماں وشوہر کے جس کا کھانا کپڑا زید کے ذمہ ہے ان میں سے کس کس کا صدقۂ فطر زید کے ذمہ ہے؟

الجواب۔ زید کے ذمہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے جو کہ نادار ہوں صدقہ فطر واجب ہے۔ مگر جو لڑکی نابالغ بیاہی گئی ہو اور خاوند کے گھر رخصت ہوگئی ہو بشرطیکہ خاوند کی خدمت کے لائق ہو اس لڑکی کا صدقہ فطر بذمہ زید واجب نہیں فی الدر المختار عن نفسه وطفله الفقير الى قوله ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة آه وفی رد المحتار لو سلمت لزوجها لا تجب فطرتها على ابيها آه۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص۶۰)

تحقیق ادائے فدیہ صوم وصلوٰۃ درحیات خود وتعریف شیخ فانی

سوال (۱۲۳) قضاء نماز روزہ کا فدیہ کوئی اپنی حیات میں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار بعد ذکر الفدیۃ للشیخ الفانی هذا اذا كان الصوم

ف۵ جو مسافر نصاب ساتھ نہ رکھتا ہو مگر بقدر حاجت مال اس کے پاس ہو وہ چونکہ زکوٰۃ نہیں لے رہا لہٰذا اس پر وجوب صدقۂ فطر سے کوئی امر مانع نہیں پس اس پر صدقہ واجب ہوگا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

اصلا بنفسہ وخوطب باداثہ حتی لو لزمہ الصوم لکفارۃ یمین او قتل ثم عجز لم تجز الفدیۃ لان الصوم ھھنا بدل عن غیرہ فی رد المحتار ھذا ای وجوب الفدیۃ علی الشیخ الفانی ونحو قولہ اصلا بنفسہ کرمضان وقضائہ والنذر کما مر فیمن نذر صوم الابد وکذا لو نذر صوما معینا فلم یصم حتی صار فانیا جازت لہ الفدیۃ ۔ بحر۔ ج ۲ ص ۱۹۲ وفی رد المحتار عن الکافی ان العاجز عن صوم ھو بدل عن غیرہ کما فی کفارۃ الیمین والقتل لو فدی عن نفسہ فی حیاتہ بان کان شیخا فانیا لا یصح الخ۔ ج ۲ ص ۱۹۱ - فی رد المحتار ولو فدی عن صلاۃ فی مرضہ لا یصح بخلاف الصوم ۔ فی رد المحتار لان یصلی بما قدر ولو مومیا براسہ فان عجز عن ذلک سقطت عنہ اذا کثرت الخ ۔

اِن روایات سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی (بالتفسیر المذکور فی الجواب الاول (قبل ہذا ۱۲ منہ) روزہ کا فدیہ تو اپنی حیات میں دیسکتا ہے مگر نماز کا فدیہ نہیں دیسکتا۔ کیونکہ اشارہ سے قضا کر سکتا ہے۔ اور غیر شیخ فانی نہ روزہ کا فدیہ دیسکتا ہے نہ نماز کا۔ واللہ اعلم ۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۲)

صدقہ نفل محرم وغیرہ کا غنی کے لیے جائز ہونا

سوال (۱۲۴) ایک شخص نے عام لوگوں کی دعوت کی۔ ایک دوسرے شخص نے دوسرے شخص سے پوچھا کہ یہ دعوت کیسی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ماہ محرم کا کھانا اللہ کیا ہے تو یہ کھانا درست ہے یا نہیں۔ اور امیر وکبیر لوگ اس کھانے کو کھا سکتے ہیں یا نہیں۔ اور کھلانے والے کو ثواب مل سکتا ہے یا نہیں۔ اور جس مقام پر غریب لوگ نہ ہوں تو کس کو کھلاوے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار قبیل باب الرجوع فی الھبۃ لا لغنیین لان الصدقۃ علی الغنی ھبۃ وفیہ فی مسائل متفرقۃ کالھبۃ الصدقۃ الی قولہ ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لا العوض وفیہ باب المصرف ولا الی غنی ولا الی بنی ھاشم وجازت التطوعات من الصدقات وغلۃ الاوقاف لھم ای لبنی ھاشم۔ الخ مختصراً۔ اِن روایات سے معلوم ہوا کہ نفل صدقہ غنی کے لیے بھی جائز ہے۔ خواہ وہ حکماً ہبہ ہو یا صدقہ۔ اور اس میں ثواب بھی ہے گو فقیر کو دینے کے برابر نہ ہو۔ پس صورت مسئولہ میں گو بقرینہ اُس کے قول للہ کے یہ صدقہ ہے مگر نافلہ ہے۔ اسلئے غنی کیلئے حرام تو نہیں ہے۔ لیکن زیادہ ثواب فقراء ہی کو کھلانے میں ہے۔ اور غنی کو عذر کر دینا اولیٰ ہے۔ اور اگر وہاں فقراء نہ ہوں تو دوسری جگہ فقراء کے لیے بھیجدیں۔ خواہ طعام یا بقدر اُس کی قیمت کے نقد واللہ اعلم ۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۴)

ہندو کو صدقہ نفل دینا جائز ہے

سوال (۱۲۵) میں نے تفسیر بیان القرآن میں سورۂ بقر میں دیکھا کہ حضور والا نے فرمایا ہے کہ حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور صرف ذمی کافر کو صدقات نافلہ میں دے سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہندوستان میں جو کہ دار الحرب ہے ہندو فقیروں کو کوئی صدقہ نہیں دینا چاہیئے۔ اس وقت تک میں اُن لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد کرکے خیرات دیدیا کرتا ہوں۔ اب جیسا حکم عالی ہو۔

الجواب۔ کام کا سوال ہے جواب دیتا ہوں۔ مراد میری حربی سے محارب ہے۔ حربی سالم نہیں کہ اُس کا حکم ذمی جیسا ہے۔ عبارت میں قید رہ گئی ہے۔ مگر قواعد سے قید ظاہر ہے۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ (النور صفحہ ۱۰ محرم ۵۵ھ)

محصول چنگی سے بچنے والے کو گرفتار کرواکر حاصل کردہ انعام پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال (۱۲۶) ایک اسلامی ریاست میں منجملہ دیگر قوانین ایک یہ بھی ہے کہ جو شخص اپنا محصولی مال بلا ادائے محصول سرکاری خفیۃً لیجاتا ہوا گرفتار کیا جائے گا اُس کا کُل مال نیلام کرکے نصف گرفتار کنندہ کو دیکر باقی سرکار اپنے خزانہ میں داخل کرلے گی۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک ہندو کا مال گرفتار کرکے اسی قسم کا انعام حاصل کیا اور رقم انعام میں سے کچھ اپنے صرف کیلئے رکھی اور کچھ کسی کو قرض دیدی مگر مقروض نے یہ کہکر روپیہ لیا ہے کہ میں اس سے ایک مکان خرید وں گا اور اس کا کرایہ ماہ بماہ تم کو دیتا رہوں گا مکان کا بیعنامہ اپنے ہی نام کرایا اور مقرض سے صرف زبانی اقرار کیا اب اسمیں چند اُمور دریافت طلب ہیں۔

(۱) اُس ہندو نے جو کہ ذمی ہے تمام قوانین کے ساتھ اُس قانون کی پابندی کا بھی عہد کیا ہے تو کیا امام مسلمین کو ذمی سے اِس قسم کا عہد لینا جائز نہیں۔

(۲) اگر یہ قانون ذمی کے حق میں بھی غیر نافذ اور ناجائز ہے تو گرفتار کنندہ کا انعام حکم غاصب میں ہے یا نہیں۔

(۳) اگر حکم غصب میں ہے تو واجب الرد ہوگا۔

(۴) اگر رد نہ کرے تو زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

(۵) مقروض کو رقم قرض کسے واپس کرنا چاہیئے مقرض کو یا اُس ہندو کو جس کا یہ مال ہے۔

(۶) اگر مقروض ادا نہ کرے تو مقرض کو خود بھی اصل مالک پر رد کا قصد نہیں رکھتا تقاضا کرنیکا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۷) مقروض کا ماہانہ کچھ روپیہ دینا سود ہوگا یا نہیں اور مقرض کو اُس روپیہ کے تقاضہ کا

بھی حق حاصل ہے یا نہیں۔ فقط بینوا توجروا

الجواب ۔اول مال تجارت پر ذمی سے محصول لینے کا قانون شرعی سمجھ لیا جاوے پھر سوال کا جواب لکھا جاوے گا وہ قانون یہ ہے حسبما فی الدر المختار ورد المحتار۔

(۱) وہ مال تجارت کا ہو۔ (۲) سال بھر میں صرف ایک مرتبہ لیا جاوے زیادہ نہ لیا جاوے۔ (۳) وہ مال نصاب کے قدر ہو۔ (۴) اس پر اتنا دین نہ ہو جو کہ نصاب کو کم کردے (۵) اگر وہ کہے کہ اس مال میں میری نیت تجارت کی نہیں یا اس سال میں دوسری چوکی پر مجھ سے اس مال کا محصول لے لیا گیا ہے یا میرے ذمہ دَین ہے جس کے بعد نصاب نہیں رہتا اس سے حلف لیکر اس کی تصدیق کی جاوے گی (۶) بیسویں حصہ سے زیادہ نہ لیا جاوے (۷) مالک مال کا نابالغ نہ ہو۔

اگر اس قانون کے خلاف محصول لیا جاوے گا ظلم ہوگا پس اگر اس ریاست میں اس قانون کی پابندی نہیں ہے تب تو مال کا گرفتار کرنا ہی حرام اور اعانت علی الظلم ہے اور اس پر انعام لینا یہ صریح اکل سحت ہے اگر اس قانون کی پابندی (اور اس توقع بعید ہے) تو گرفتار کرنا تو جائز بلکہ طاعت اور اعانت علی الحق ہے لیکن اس پر انعام لینا بوجہ اجرت علی الطاعۃ ہونے کے پھر بھی ناجائز اور رشوت ہے۔ بہرحال جو انعام لیا ہے وہ ہر صورت میں ناجائز رہا اس کے بعد سوالوں کا جواب بہ ترتیب مرقوم ہوتا ہے:-

(۱) قانون شرعی کے موافق عہد لینا جائز ہے اور اس کے خلاف عہد لینا ناجائز ہے۔

(۲) ہر حال میں بحکم غصب ہے۔ (۳) واجب الرد ہے اور اس کے خلاف عہد لینا ناجائز ہے۔

(۴) اگر اس نے اپنے مال میں مخلوط کر لیا تو زکوٰۃ واجب ہے۔ (۵) اگر اس انعام گیرندہ نے اسکو دوسرے اموال میں مخلوط کر لیا تو وہ مالک ہوگیا گو ملک خبیث ہی پس یہ قرض اسی کو واپس کیا جاوے گا اور اگر مخلوط نہیں کیا بالکل علیحدہ رکھا ہے تو مالک وہی ہندو ہے اگر قدرت ہو تو اسی کو دیدے۔

(۶) اگر یہ مقرض کی اس کو مخلوط کر چکا تھا تو تقاضے کا حق رکھتا ہے ورنہ نہیں (۷) اگر یہ ماہانہ قسط ہے اصل قرض کی تب تو سود نہیں اگر اس کے علاوہ ہے تو سود ہے اور اصل قرض کا مطالبہ جائز ہوتا ہے سود کا جائز نہیں ہوتا۔ ۲۵ رمضان ۱۳۳۲ھ

وزن صاع **سوال (۱۲۷)** حضور کی بہشتی زیور نامی کتاب میں صدقہ فطر کے بارہ میں دیکھنے میں آیا کہ نصف صاع عراقی اَسّی تولہ کے سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہوتا ہے یعنی اسی قدر صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے۔ یہ فقیر حسب تحریر فقہاء عاملین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حساب لگا کر جو دیکھا

تو نصف صاع عراقی انگریزی سیر کے حساب سے ایک سیر ساڑھے گیارہ چھٹانک ہوتا ہے۔ نہ معلوم ایک چھٹانک کا بیش و کم کیونکر ہوتا ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں میرے ہی حساب میں غلطی واقع ہوئی ہوگی۔ اس لیے امیدوار ہوں کہ نصف صاع عراقی انگریزی سیر ساڑھے بارہ چھٹانک کس حساب سے ہوتا ہے اس فقیر کو ہدایت فرما کر سرفرازی دارین بخشیں۔ زیادہ ایام بکام باد۔

الجواب۔ چونکہ مرجع اخیر سب حسابوں کا مثقال ہے اس کے حساب میں اختلاف ہونے سے صاع کے حساب میں اختلاف ہو جاتا ہے سو ایسا اختلاف مضر نہیں سب میں توسع ہے۔

۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

کتابُ الصّوم والاعتکاف

تحقیق حکم صوم رجب

سوال (۱۲۸) ابن ماجہ میں باب الصیام اشہر الحرام میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ صُم اشہر الحرام اور اسی باب میں ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام رجب ان دونوں حدیثوں میں صورت تطبیق کیا ہے ؟

الجواب۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت رجب کی تعظیم میں غلو کرتے تھے چنانچہ رسم عتیرہ اس پر شاہد ہے جس کو حدیث لافرع ولاعتیرۃ سے منسوخ کیا گیا۔ بالخصوص قبیلہ مضر سب سے زائد اس امر میں مبالغہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی طرف رجب کی اضافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ احادیث میں ترکیب رجب مضر اس پر دال ہے۔ پس اس طور پر تخصیص کے ساتھ رجب کی تعظیم شعار جاہلیت کا تھا۔ چونکہ احتمال تھا کہ بعض لوگ جو رجب کی تعظیم کرتے تھے اور اب مشرف باسلام ہوگئے تھے شاید وہ لوگ یا اُن کی دیکھا دیکھی اور لوگ اس طرح کی تعظیم کے قصد سے اس میں روزہ نہ رکھنے لگیں۔ اس لئے شارع علیہ السلام نے اُس کی ممانعت فرما دی۔ جس طرح بعض احادیث میں صوم یوم السبت سے نہی آئی ہے، حالانکہ اطلاق سے دلائل سے دنیز اجماع سے اُس کا جواز ثابت ہے۔ وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ یہود کے دیکھا دیکھی تخصیص صوم کو ذریعۂ تعظیم نہ بنائیں اسی طرح صیام رجب کی نہی کو سمجھنا چاہیئے۔ پس اس حیثیت سے تو یہ منہی عنہ ٹھیرا۔ دوسری حیثیت رجب میں صرف شہر حرام ہونے کی ہے۔ جو اس میں اور بقیہ اشہر حرم میں مشترک ہے۔ پہلی حیثیت سے قطع نظر کر کے صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب فرمایا

گیا پس دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہا۔ لاختلاف المحملین کما ذکرنا۔ فقط (امداد ص۱۷۱ ج۱)

تحقیق صوم ۲۷ رجب

سوال (۱۲۹) بہشتی زیور حصہ ششم میں اس کے متعلق یہ لکھا گیا ہے۔ اس کو عام لوگ مریم روزہ کا چاند کہتے ہیں۔ اور اس کی ستائیس تاریخ میں روزہ رکھنے کو سمجھتے ہیں کہ ایک ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اگر نفل روزہ رکھنے کو دل چاہے اختیار ہے خدائے تعالےٰ جتنا چاہیں ثواب دیدیں۔ اپنی طرف سے ہزار یا لاکھ مقرر نہ سمجھے۔ اھ:۔ اس عبارت سے شبہ پڑتا ہے کہ اس کی نہ قوی اصل ہے اور نہ ضعیف۔ سو چونکہ ضعیف اصل اس کی پائی گئی ہے اس لیے الامداد بابت ماہ رجب ۳۴ھ میں اس کی مزید تحقیق کردی گئی جو بعینہٖ ذیل میں منقول ہے۔

اس ماہ کی ۲۷ ر تاریخ میں یہ اعمال مروج ہیں۔ (۱) روزہ جس کی روایات پر شیخ دہلوی رح نے ماثبت بالسنہ میں سخت جرح کی ہے۔ صرف ایک روایت کو جو کہ ابوہریرہ رض سے موقوفاً وارد ہے جس میں اس روزہ کو برابر ساٹھ ماہ کے روزوں کے کہا گیا ہے۔ شیخ نے سب سے امثل اور غنیمت کہا ہو لیکن پھر بھی ختم روایت پر فرمایا فھذہ احادیث ذکرت فیما حضر عندنا من الکتب ولم یصح منھا علی ما قالوا شئی وغایۃ الضعف وجلھا موضوع۔ مگر شیخ ہی نے ایک حدیث بروایت ابن ابی شیبہ وطبرانی حضرت عمر رض سے نقل کی کہ حضرت عمر رض صوم رجب پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے۔ اور جبراً کھانے میں ڈلواتے تھے۔ کہ یہ ماہ جاہلیت میں معظم تھا اسلام میں متروک ہو گیا خیر اگر کوئی روزہ ہی رکھے تو ایک تو اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ سمجھے۔ ابوہریرہ رض کا سمجھے۔ (۲) دوسرے اس کو ہزاری یعنی ہزار روزہ کے برابر ثواب میں نہ سمجھے کہ اس میں منقول کی تغییر ہے۔ (۳) تیسرے اس کو حدیث صحیح کے برابر نہ سمجھے۔ غایت سے غایت ضعیف سمجھ لے۔ اور اس کو بھی کسی فقیہ سے تحقیق کرلے کہ حضرت ابوہریرہ رض کے بیان کی فضیلت اور حضرت عمر رض کی ممانعت میں عملاً کس کو ترجیح ہوگی۔ آھ۔ پس اصل تو ظاہر ہوگئی باقی روزہ رکھنا نہ رکھنا اس میں بوجہ تعارض فتویٰ حضرت عمر رض و حضرت ابوہریرہ رض کسی محقق عالم سے تحقیق کرکے عمل کرے۔ قواعد سے اتنی گنجائش ہے کہ جاہلیت کی تشبہ کی بناء پر صوم کو منع کیا جاوے اور اب چونکہ یہ تشبہ نہیں رہا۔ اس لیے اجازت دی جاوے۔ بہر حال اس روزہ کو عملاً منع نہ کیا جاوے۔ مگر عقیدہ کی اصلاح کردی جاوے۔ فقط۔ ۲۷ ر ذی الحجہ ۳۴ھ (ترجیح رابع ص۸۵)

حکم صوم ہزاری

سوال (۱۳۰) ہزارہ روزہ جو مشہور ہے اُس کی کوئی سند نہیں ملتی ایک عنایت فرمانے

حضرت امام غزالی رح کی مکاشفۃ القلوب سے یہ حدیث پیش کی ہے۔ عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام السابع والعشرین من رجب کتب لہ صیام ستین شھراً وھو اول یوم نزل فیہ جبرئیل علیہ السلام علی النبی صلعم بالرسالۃ وفیہ اسریٰ بہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کو پیش کرکے کہتے ہیں کہ اس کے خلاف کوئی حدیث آئی ہو تو تم بتاؤ۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت من السنۃ میں اس روایت کو تو نہیں لائے مگر اس کے ہم معنی اور روایات کو لائے ہیں۔ اور سب کی تضعیف کی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کے اعمال میں ایسی روایات سے سند پکڑنا ضروری ہے۔ اُن کا یہ قول ایسا ہے کہ جس کا جواب کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ لہٰذا اس مسئلہ میں جناب کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اور یہ روایت کس کتاب کی ہے۔ اور کیسی ہے۔؟

الجوابؒ ۔ روایت مکاشفۃ القلوب کی نظر سے نہیں گزری۔ ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہے اور سند کا حال رجال دیکھنے سے معلوم ہو۔ باقی ایک علت تو اس حدیث میں بیّن ہے وھو اول یوم نزل فیہ جبرئیل علیہ السلام الخ۔ آپ کی ابتداء وحی ربیع الاول میں مشہور ہے۔ باقی نفس صوم رجب بے اصل نہیں ہے۔ گفتگو اس عدد خاص میں ہے۔ وہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں۔ بلکہ عدد مشہور سے زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اس عدد مشہور کا کہیں پتہ نہیں۔ اور اگر علت مذکورہ پر نظر کرکے حدیث کے ثبوت میں کلام کیا جاوے تو بھی گنجائش ہے۔ ۲۲ رجب ۱۳۳۲ھ

لہ حضرت قدس سرہٗ التشرف میں فرماتے ہیں۔ ابوہریرہ رض کی حدیث جو شخص رجب کی ۲۷ کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اُس کیلئے ۶۰ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھیں گے اور وہ وہ دن ہے جس میں جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے (کوئی خاص ہبوط مراد ہے مثلاً معراج کیلئے) روایت کیا اس کو ابو موسیٰ مدینی نے کتاب فضائل اللیالی والایام میں شہر بن حوشب کی روایت سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے۔ **ف** اگر یہ مہینے آدھے تیس کے لئے جاویں اور آدھے اُنتیس کے تو ان روزوں کی تعداد سات سو ستر ہوتی ہے اور عجب نہیں کہ یہ اصل ہو اُس کی جو عام لوگوں میں اور عام عابدین میں مشہور ہے کہ یہ روزہ ہزار روزہ کے برابر ہے اور اس کا لقب ہزاری روزہ رکھتے ہیں اور شاید اُنھوں نے کسر کو سہولت کے لئے حذف کر دیا ہو اور میں نے جو اپنے بعض رسائل میں اس کی نفی کی ہو تو وہ اس اثر پر مطلع ہونے کے قبل ہے بشرطیکہ یہ اثر سند کی رو سے ثابت ہو اور مجھ کو سند کا علم نہیں (التشرف صہ ۲۳) قلت۔ احیاء العلوم صہ ۳۲۸ ج ۱۔ بیان اللیالی والایام الفاضلۃ میں اس روایت کی سند پر زین الدین عراقی رح جیسے جلیل القدر محدث کا حاشیہ میں کلام نہ کرنا دلیل صحت ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

رمضان کے روزہ میں اجنبیہ سے جلق کرایا

سوال (۱۳۱) ایک شخص نے بذریعہ کسی اجنبیہ محرمہ کے رمضان میں جلق کرایا اب وہ شخص زانی کہلائے گا یا نہیں اور اس عورت کے اصول و فروع اس کے حق میں کیا ہے اور اس کے روزہ کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ زنا کی تعریف میں ادخال الذکر قدر الحشفۃ داخل ہے کما فی الدر المختار اس لئے یہ زنا حقیقی تو نہیں ہے البتہ مقدمات زنا کو حدیث میں زنا فرمایا گیا ہے اسلئے حکماً زنا ہے یعنی گناہ میں مشابہ زنا کے ہے اور چونکہ مس بالشہوۃ سے اس کے اصول و فروع سب حرام ہوجاتے ہیں اس لئے یہ حکم ثابت ہوجاوے گا۔ البتہ اگر انزال ہو تو حرمۃ ثابت نہ ہوگی۔ کما فی الدر المختار واصل ممسوسۃ بشہوۃ واصل ماستہ۔ وفروعھن وفیہ ایضاً فلو انزل مع مس او نظر فلا حرمۃ وبہ یفتی اور روزہ فاسد ہوجائے گا اور صرف قضا لازم آوے گی فی الدر المختار اذا استمنی بکفہ۔ الی قولہ کذا فقط

تحقیق حکم خبر تار دربارہ رویت ہلال رمضان وعید

سوال (۱۳۲) خبر تار واحد افطار شوال یعنی عید الفطر کرنے کے لئے موجب للعمل ہے یا نہیں بسند صحیح ارشاد فرمائیے۔

الجواب۔ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کی ہے۔ اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیزہ موجود ہے اور تار میں مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ وطبل وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور خط امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہ کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجت نہیں۔ اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہوجاوے، حجت ہے ورنہ نہیں اور تار وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار جو کہ (یہ تغییر تصحیح الاغلاط صد۳۱ سے کی گئی ہے ۱۲) مثل خبر ہلال صوم کے امور غیر ملزمہ سے ہے۔ چونکہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے اس کا مدار محض اخبار پر ہوتا ہے اور شہادت کا لحاظ نہیں کیا جاتا، اس لئے اگر بوجہ فقدان عدالت تار دہندہ توسط غیر مسلم وعدم لحاظ شہادت کے کسی شخص کو اعتبار سے مانع غلبۂ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں۔ اور اگر بوجہ عدم توسط غیر مسلم وعدالت تار دہندہ ولحاظ شہادت کے کسی کے اعتبار سے مانع نہ ہو تو اس کا حکم مثل نطق کے ہے۔ اور حالت صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور حالت غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔ والدلائل علی الدعاوی المذکورۃ ھذہ۔ فی الدر المختار بخلاف کتاب الایمان فی دار الحرب حیث لا یحتاج الی بینۃ لانہ لیس بملزمۃ وفی رد المحتار

قولہ لانہ لیس بملزم لان لہ ان لا یعطیھم الامان بخلاف کتاب القاضی فانہ یجب علی القاضی المکتوب الیہ ان ینظر فیہ ویعمل - ولا بد للملزم من الحجۃ وھی البینۃ. فتح ج ۴ ص ۵۳۶ مطبوعہ مصر وفی رد المحتار وذکر فی الکفایۃ اٰخر الکتاب عن الشافی ان الصحیح مثل الاخرس فاذا کان مستبینا مرسوما وثبت ذلک باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب ج ۴ ص ۵۳۵ وفی رد المحتار وقد مناول القضاء استظھار کون علۃ العمل بما لہ رسوم فی دواوین القضاۃ الماضیین ھی الضرورۃ وھٰھنا کذلک فانہ یتعذر اقامۃ البینۃ علی ما یکتبہ السلطان من البراءت لاصحاب الوظائف ونحوھم وبعد اسطر عدیدۃ وان ابن الشحنۃ وابن وھبان جزما بالعمل بدفتر الصراف ونحوہ لعلۃ امن التزویر کما جزم بہ البزازی والسرخسی وقاضیخان قال ان ھذہ العلۃ فی الدفاتر السلطانیۃ اولیٰ کما یعرفہ من شاھد احوال اھالیھا حین نقلھا ج ۴ ص ۵۳۷ وفی ردالمحتار قال البیری المراد من قولہ لا یعتمد ای لا یقضی القاضی بذلک عند المنازعۃ لان الخط مما یزور ویفتعل کما فی مختصر الظھیریۃ وبعد اسطر قال الشیخ ابو العباس یجوز الرجوع فی الحکم الی دواوین من کان قبلہ من الامناء ای لان سجل القاضی لا یزور عادۃ حیث کان محفوظا عند الامناء بخلاف ما کان بید الخصم اھ وبعد اسطر وصرح ایضا فی الاسعاف وغیرہ بان العمل بما فی دواوین القضاۃ استحسان وفی الظاھران وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ ما فیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذا لا یعتمد علیہ اھ ج ۴ ص ۵۳۷ وفی الھدایۃ کتاب الشھادۃ ثم التذکیۃ فی السران یبعث المستورۃ الی المعدل فیھا النسب والحلی والمصلی ویردہا المعدل وکل ذلک فی السر کیلا یظھر فیخدع او یقصد وفیھا بعد اسطر اذا کان رسول القاضی الذی یسئل عن الشھود واحد اجاز الی قولہ ولھما انہ لیس فی معنی الشھادۃ الخ قولہ مستورۃ اسم للرقعۃ التی یکتبھا القاضی ویبعثھا سرا بید امینہ الی المزکی سمیت بذلک لانھا تستر عن نظر العوام کفایۃ وفی رد المحتار یتسحر بقول عدل وکذا بضرب الطبول وبعد اسطر لا یجوز اذا لم یصدقہ - ولا بقول المستور مطلقا وبالاولیٰ سماع الطبل او المدفع الحادث فی زماننا لاحتمال کونہ لغیرہ ولان الغالب

کون المدعی غیر عدل فلا بد حینئذ من التحری فیجوز لان الظاہر من مذہب اصحابنا جواز الافطار بالتحری وبعد اسطر وقد یقال ان المدفع فی زماننا یفید غلبة الظن وان کان ضاربہ فاسقا لان العادة ان الموقت یذہب الی دار الحکم اخر النہار فیعین له وقت ضربه ویعینه ایضا للوزیر وغیرہ واذا ضربه یکون ذلك بمرأی من الوزیر واعوانه للوقت المعین فیغلب علی الظن بہذہ القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الافساد ج ۲ ص ۱۶۹ و ۱۷۰ وفی رد المحتار وکون المدعی والکاتب ذمیین یقوی شبہة التزویر وبعد اسطر وقلما یشتبه الخط من کل وجه الخ ج ۴ ص ۵۳۹ وفی الدر المختار ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة وبعد اسطر وقبل بلا علة جمع عظیم الخ واللہ اعلم ۲۷ شوال ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۱ ص ۱۷۲)

لفظ عید مبارک کا تار کے ذریعہ سے معتبر یا غیر معتبر ہونا

سوال (۱۳۳) مقام کراچی سے ایک تار آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ عید مبارک اور یہ تار وہاں سے ۲۹ تاریخ کو دیا اور چنار گڑھ دس بجے دن کو ملا۔ لہذا اس تار پر چند لوگوں نے افطار کیا اور جمیع مسلمانان نے افطار نہ کیا۔ جن لوگوں نے افطار کیا اُن پر کفارہ ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب محض اس مضمون کا تار شرعاً شبہ پیدا نہیں کرتا اس لئے اُن لوگوں پر کفارہ لازم ہے ونظائرہ کثیرة فی الفقہ۔ البتہ اگر بعد میں دلیل شرعی سے رُویت کی خبر کہیں سے ثابت ہو جاوے کفارہ نہ آوے گا۔ کما فی الدر المختار ولم یطرء مسقط فقط واللہ اعلم ۔ ۲ شوال ۱۳۲۷ھ

کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار بر خبر تار کہ در ۱۳۲۷ھ اکثر جا واقع شد

جواب سوال اوّل - اصل طریقہ اثبات رویت کا شہادت علی الرویة یا شہادت علی الشہادة یا شہادة علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتیٰ کہ شہادة علی رویة الغیر بھی حجت نہیں۔ کذا فی الدر المختار ورد المحتار باقی استفاضہ کو جو حجت کہا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجت نہیں کہا بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے لان البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی عادة فلا بد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم حاکمہم الشرعی فکانت تلك الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور الخ کذا فی رد المحتار ج ۲ صفحہ ۱۵۱۔ اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہاں حجت بھی نہ ہوگا۔ اور

ف۵ اقول ہذا فی الاصل ای الشامی ولیحرر بل ہو للوزیر او الوزیر ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۳۱

جمعرات کے روزے کی خبر میں تو استفاضہ بھی نہیں ہوا اور جمعہ کے چاند میں شنبہ کی شب اور روز تک بذریعہ تاروں کے بعض کو استفاضہ کا شبہ ہوگیا تھا۔ مگر تار دینے والوں کا بکثرت بے علم خود رائے غیر محتاط ہونا اور علماء سے رجوع نہ کرنا چونکہ معلوم ہے اس لئے وہ علت منتفی ہے۔ لہٰذا احتجاج بھی منتفی ہے۔ اگرچہ تار کو مثل خبر لسانی کے بھی قرار دیدیا جاوے مگر خود خبر لسانی میں بھی جب یہی شرط ہے تو تار میں کیوں نہ ہوگی۔ پس اکثر جگہ ایسے تاروں کی بناء پر افطار کر ڈالنے میں غلطی عظیم ہوئی۔ واللہ اعلم

۱۲ رشوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۰)

سوال (۱۳۴۴) رویت ہلال ماہ رمضان وماہ شوال تار برقی کی خبر پر معتبر ہے یا نہیں اور تار کی خبر پر روزہ رکھنا یا افطار کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اس کے قبل بندہ نے تار کو خط یا طبل ومدفع یعنی توپ پر قیاس کرکے اس باب میں ایک تقریر[۱] لکھی تھی جس میں قبول خبر تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تقیید تھی۔ مگر اس سال یعنی ۱۳۲۷ھ کی رویت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن وشرور پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود وشرائط کو ملحوظ نہیں کر سکتے ونیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے لہٰذا وہ خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو معرفت کاتب کی ہوتی ہے پھر بھی الخط یشبہ الخط بعض احکام میں کہا گیا ہے۔ اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں۔ اور نیز طبل سحر ومدفع افطار سے بھی اضعف ہے۔ کیونکہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے۔ تار میں یہ بھی نہیں۔ ان امور پر نظر کرکے سداً للذرائع وحسماً للمادۃ اس تفصیل سے رجوع کرکے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلاً قابل اعتبار ولائق عمل نہیں۔ ولہٰذا نظائر فی فن الفقہ منہا عدم جواز القضاء بعلمہ کما بسط القول فیہ فی الدر المختار ورد المحتار ج۴ ص۵۳۲ و ص۵۵۰

واللہ اعلم۔ ۳ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۱ وحوادث ۱۔۲ ص۵۴)

---

[۱] یہ تقریر اصل[۱] امداد الفتاویٰ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۲۹ھ جلد اول ص۱۶۲ میں چھپی ہے۔

ایک اور تقریر[۲] متعلق حکم تار کے اس تتمہ میں ہے وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جاوے ۱۲ منہ

[۱] اس تبویب جدید میں ص۸۰ پر ہے
[۲] اس تبویب جدید میں ص۹۲ پر ہے ۱۲۔ رشید احمد عفی عنہ

سوال (۱۳۵) متعلق حکم تار کے تھا جس کی عبارت نقل نہیں کی گئی۔

الجواب۔ اوّل دو مسئلہ بطور تمہید کے لکھے جاتے ہیں پھر جواب سوالات کا عرض کیا جائے گا۔ اوّل مسئلہ یہ ہے کہ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے۔ اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیزہ موجود ہے۔ اور تار میں یہ مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ اور طبل وغیرہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے اور خط کا حکم یہ ہے کہ امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب یا قیام بینہ حجۃ نہیں۔ اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جائے حجۃ ہے ورنہ نہیں اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار میں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے محض اخبار پر بلا اشتراط شہادت اُس کا مدار ہونے میں، مثل اخبار ہلال صوم کے امور ملزمہ سے ہے۔ اگر فقد ان علامت تار دہندہ وتوسط غیر مسلم کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبۂ ظن ہو اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں اور جس کے اعتبار سے مانع نہ ہو مثل نطق کے صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے۔ اور چونکہ کلام ہلال عید میں ہے اس لئے خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔ ذٰلک سائق الدلائل علی ہذا الدعاوی) امداد الفتاویٰ۔

دوسرا مسئلہ[۱]۔ یہ ہے طریق اثبات رویۃ کا۔ شہادت علی الرویۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتیٰ کہ اثبات رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں۔ لذا فی الدر المختار ردّ المحتار باقی استفاضہ کو جو حجت لکھا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجۃ نہیں کہا بلکہ علت اُس کی یہ لکھی ہے۔

لان البلدۃ لا تخلو عن حاکم شرعی عادۃ فلا بد من ان یکون صومھم مبنیاً علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور، الخ کذ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۵۰۔ اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو وہاں حجۃ بھی نہ ہوگا۔ بعد اس تمہید کے اب سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔

۱۔ اُس ایک یا متعدد تار کا مضمون دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے۔ اگر یہ ہے کہ یہاں چاند ہوا ہی یا فلاں شخص نے دیکھا ہے یا بہت آدمیوں نے دیکھا ہے، اور اکثر تاروں کا ایسا ہی مضمون ہوتا ہے تب تو معتبر نہیں اگرچہ کتنے ہی تار ہوں۔ اور اگر یہ مضمون ہے کہ میں نے دیکھا ہی یا فلاں

---

[۱] یہ مسئلہ ص ۹ پر بعنوان کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار الخ منقول ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا۔ یا یہاں کے فلاں حاکم شرعی یا عالم و مفتی نے قبول کرلیا ہے یا یہاں عید ہے، تو اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک تار ہے تو عمل جائز نہیں کیونکہ کلام بلال عید میں ہے۔ اور اگر دو تین ہیں اور بادل نہیں تھا تب بھی عمل جائز نہیں۔ اور اگر دو تین تار بادل کی حالت میں آئے مگر تار دینے والے معتبر نہیں یا شناسا نہیں تب بھی عمل جائز نہیں۔ اور اگر بادل کی حالت میں دو تین معتبر لوگوں کے آئے یا بدون بادل آٹھ دس آگئے اور مضمون وہ ہے جو آخر میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا ہے الخ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل گواہی دے کہ اس میں کذب اور خطا نہیں ہوئی تو عمل جائز ہے اور اگر دل گواہی نہ دے تو عمل جائز نہیں۔ اور جہاں کوئی محقق عالم ہو وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں۔ عالم کے دل کی گواہی اور اُن کا فتویٰ حجۃ ہے۔ اور عوام کی خود رائی کرنا یا فتویٰ کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ اور ایک جگہ کے تار کی خبر جو دوسری جگہ بذریعہ تار دی جاتی ہے چونکہ اس کا مضمون ویسا نہیں ہوتا جس کا معتبر ہونا اوپر بیان کیا ہے۔ اس لئے وہ بھی معتبر نہیں ہے۔ اور یہی تفصیل صورتوں کی اور احکام کی خط میں بھی ہے۔ عبارت سابقہ متضمنہ حکم تار میں ہر جگہ بجائے لفظ تار لفظ خط رکھدیا جائے تو خط کے سب احکام کی تعیین ہو جاوے گی۔

(۲) جو طرق خبر کی حجۃ ہونے کے ۔۔ میں مذکور ہوئے ہیں چونکہ اُن ممالک کے تاروں کے آنے یا منگانے میں اُن کی رعایت نہیں کی جاتی لہٰذا وہ حجۃ نہیں۔ البتہ اگر قواعد شرعیہ کی پوری رعایت ہو تو واقعہ جزئیہ کو عین وقت پر کسی عالم سے رجوع کرکے حکم شرعی پوچھ لیا جاوے اور صرف اختلاف مطالع حنفیہ کے نزدیک مانع قبول نہیں۔

(۳) چونکہ معاملات و دیانات میں فرق ہے اسی طرح شہادت و اخبار میں بھی فرق ہے اسلئے معاملات میں عدم اعتبار شہادۃ مطلقاً مستلزم نہیں دیانات میں عدم اعتبار مطلقاً کو بلکہ اسمیں تفصیل ہوگی جو ۔۔ میں مذکور ہوئی۔

(۴) جس طرح تار کے مضمون میں تفصیل ہے اسی طرح خط کے مضمون میں بھی ہے جو ۔۔ میں بسط کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۸ رشعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صـ ۶۴)

تحقیق خبر تار **سوال** (۱۳۶) چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے یا چند شہروں سے بذریعۂ تار یا خط آوے تو وہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

الجواب۔ چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے۔ نیز اُس میں غلط

اور غلط بھی کثیر ہوتا ہے، اس لئے معتبر نہیں۔ (تتمہ ثالثہ صلاہ)

تحقیق حکم خط

سوال (۱۳۷) ایک شہر سے یا چند شہروں سے ایک شخص یا چند شخصوں کے خطوط کے ذریعہ سے رُویت ہلال کی خبر آئی کہ ہم نے ۲۹ کو خود چاند اور بہت سے لوگوں نے دیکھا یہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔ اور عوام الناس کے اور خاص قاضی کے نام کے خط میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب - فی رد المحتار والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القناديل من المصر لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك الا لثبوت رمضان ج ۲ ص ۱۳۰ وفى الدر المختار لا يعمل بالخط الا فى مسئلة كتاب الامان ويلحق به البراءات ودفتر بياع وصراف وسمسار وجوزه محمد لراوٍ وقاضٍ وشاهد ان تيقن به قيل وبه يفتى واطال فى ذلك صاحب رد المحتار ورجح العمل به اذا امن التزوير ج ۴ ص ۵۴۶ و ص ۵۴۹۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو مضمون زبانی حجت ہو وہ خط سے بھی حجت ہے۔ جب خط کی شناخت اور اس کے واقعی ہونے پر اطمینان ہو اور قاضی عرفی اور عوام برابر ہیں۔ (تتمہ ثالثہ صلاہ)

حکم ٹیلیفون دربارۂ رویت رمضان وغیرہ

سوال (۱۳۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر رویت ہلال عید کی خبر کسی معتبر شخص سے بذریعہ ٹیلیفون معلوم ہو تو عند الشرع وہ معتبر سمجھی جائے گی یا نہیں؟

(۲) اگر رمضان المبارک کے چاند کی خبر مذکورہ بالا طریقہ سے معلوم ہو تو معتبر مانی جائے گی یا نہیں۔؟

الجواب عن السوالین - گو ان دونوں ہلالوں کی شہادت میں بعض احکام میں اختلاف یعنی تفاوت بھی ہے۔ لیکن یہ شرط مشترک ہے کہ شاہد عدل یا مستور یعنی غیر معلوم الوصف ہو اور یہاں وہ خود غیر معلوم الذات ہے۔ باقی آواز اول تو ٹیلیفون میں صاف پہچانی نہیں جاتی دوسرے اگر پہچانی بھی جاوے تب بھی آوازوں میں تشابہ ہوا کرتا ہے۔ اور جو شرط ہے متجب کے تعین کی وکر اس کے تکلم کے وقت دو معتبر شخص اُس کو دیکھ رہے ہوں اور وہ اس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ متکلم فلاں شخص ہے۔ اور یہ محتاج الی التعیین اُس وقت اُن دونوں کو دیکھ رہا ہو) یہ یہاں ممکن نہیں لہٰذا یہ شہادت ٹیلیفون کے واسطے سے رمضان[عه] یا فطر میں معتبر نہیں۔ فی الدر المختار (جلد ۲)

عه اگر صوت وغیرہ سے مخبر کا امتیاز ہو جائے اور وہ عادل بھی ہو تو رمضان میں وہ خبر معتبر ہوگی۔ البتہ فطر میں بہرکیف معتبر نہیں ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

للصوم مع علة کغیم وغبار خبر عدل او مستور علی ما صححه البزازی علی خلاف ظاہر الروایۃ لا فاسق اتفاقاً الخ (فیہ جلد ۲) ولا یشہد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل الی قولہ مع شہادۃ اثنین بانہا فلانۃ بنت فلان الخ۔ قریب ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص۱۱)

ایضاً **سوال (۱۳۹)** ایک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رؤیتِ ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ اس رؤیت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعۂ آلۂ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ ومخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہچانتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ اور مخبر الیہ کو اُس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں رہتا۔ تو اُس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی ہے یا نہ۔؟

الجواب۔ ایک کلام تو خود طریق بموجب میں ہے۔ سو اس کا سوال مقصود نہیں۔ دوسرا کلام ٹیلیفون کے واسطہ میں ہے۔ اور یہی مقصود بسوال ہے سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہو اس میں غیر معتبر ہے۔ اور جن میں حجاب مانع نہیں اُس میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جاوے تو معتبر ہے۔ ۱۶ر محرم ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص۳۱)

حکم انتظار خبر رؤیت درصورت عدم غیم **سوال (۱۴۰)** ۲۹ شعبان کو باوجود نہ ہونے ابر و باد کے چاند نہیں دکھائی دیا۔ اس صورت میں انتظار کرنا کہ اگر کل چاند کی خبر ہو گی تو نیت روزہ کی کریں گے ورنہ نہیں۔ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ بعض اقوال پر مطلع صاف ہونے پر بھی انتظار منقول ہے۔ لیکن زیادہ مناسب حالت عوام کے دوسرے قول پر فتویٰ دینا ہے کہ اس میں انتظار نہ کریں۔ فی الدر المختار ولا یصام یوم الشک ہو یوم الثلاثین من شعبان وان لم یکن علۃ ای علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤیۃ فی بلدۃ اخری واما علی مقابلہ فلیس بشک ولا یصام اصلاً اھ۔ فقط واللہ اعلم۔ ۱۰ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص۱۴۲ ج۱)

منتہائے وقت سحر **سوال (۱۴۱)** ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اُس وقت تک سحری کھانا درست ہے۔؟

الجواب۔ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ[عہ ۵] قبل تک سحری

عہ ۵ بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھدیا ۱۲ منہ

کھا سکتے ہیں۔ اور فقہاء نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کُل وقت بتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں۔ چھ حصہ میں سحر کھا سکتے ہیں۔ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۷۴ ج ۱)

دفع استدلال بر رمضانیت از خسوف شوال

سوال (۲۱۴۲) آپ نے شاید عید کے متعلق غور نہیں فرمایا چاند گرہن دوشنبہ کی شب کو ہوا۔ یعنی اتوار کی ۱۳ تاریخ تھی تو عید جمعرات کی ہوئی۔ اور ٹھیک ہوئی جن لوگوں نے بدھ کی عید کی اُن کے حساب سے چاند گرہن پندرھویں شب کو ہوا۔ جو کسی طرح ممکن نہیں۔؟

الجواب۔ فی شرح الجغمینی ص ۹۰۔ واذا ابعد عن الشمس مقدارا قریبا من اثنی عشر جزء واقل منه بقلیل او اکثر کذلك علی اختلاف اوضاع المساکن فان المسکن اذا کان مدار القمر فیه اقرب الی انتصاب یکون رویة الهلال فیه اسرع بل الرؤیة تختلف فی مسکن واحد ایضا بسبب قرب القمر وبعده عن رضه وکونه فی اجزاء مختلفة من فلك البروج وغیر ذلك وایضا فیه ص ۹۲۔ وانما لا یختلف حد القرب والبعد فی الخسوف باعتبار جهتی العقدة واختلاف البقاع کما یختلف فی الکسوف لان الخسوف امر عارض للقمر فی ذاته بخلاف الکسوف فانه امر یعرض للشمس بالنسبة الی الابصار اه وفی الحاشیة للامام لا یختلف وجودا وعدما بحسب البقاع وان اختلف قدرا بسبب وقوع کله او بعضه فی دائرة مخروط ظل الارض۔ عبارتِ اولیٰ میں تصریح ہے کہ رویت قمر باختلاف مساکن مختلف ہوتی ہے۔ اور عبارت ثانیہ میں مصرح ہے کہ جس وقت قمر اختلاف مساکن سے مختلف نہیں ہوتا۔ اور تاریخ کا مدار رُویت پر ہے۔ پس فرض کرنا چاہئے کہ ایک جگہ شام یکشنبہ کو رویت ہوئی اور غرہ دوشنبہ کا ہوا۔ اور دوسری جگہ شام دوشنبہ کو رویت ہوئی اور غرہ سہ شنبہ کا ہوا۔ اور اس کا ممکن ہونا اوپر مذکور ہو چکا تو اگر چاند گرہن شب دوشنبہ کو ہوا تو لامحالہ وہ اسی وقت سب جگہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شب غرہ دوشنبہ والوں کے حساب سے پندرھویں ہوگی۔ اور غرہ سہ شنبہ والوں کے نزدیک چودھویں ہوگی۔ پس ثابت ہوگیا کہ ہیئت کے قاعدہ سے بھی چاند گرہن پندرھویں شب کو ہونا ممکن ہے۔ پس اس بناء پر خسوف کا واقع ہونا کسی تاریخ کی تعیین کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ پس خسوف کی بناء پر تو شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب رویت دوسری جگہ معتبر نہ ہونا چاہئے۔ سو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے ہر جگہ کی

رویت اُسی جگہ کے لئے معتبر رکھی ہے جیسا قیاس کا مقتضی ہے۔ البتہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ سو اعتبار کی نفی سے وقوع کا انکار لازم نہیں آتا۔ باقی یہ کیوں نہیں اعتبار کیا سو وہ ادلۂ شرعیہ سے شارع کی غرض یہی سمجھے وہ ادلہ یہ ہیں صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ اور نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب ونحو ذٰلک سو یہ ایک انتظامی امر ہے اس میں کسی حقیقت کا انکار نہیں کیا گیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نصف النہار ہر جگہ کا مختلف ہے۔ مگر انتظامی سہولت کے واسطے ہندوستان بھر کی ریلوی گھڑیوں کو ایک خاص نصف النہار کے مطابق رکھ کر حساب وغیرہ میں اُسی کا اعتبار و لحاظ کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم۔ ۲۶؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۴۲ ج ۱)

تحقیق و مشورۂ تحصیل خبر رویت از مقامات مختلفہ و ایصالش بمقام دیگر

سوال (۳۴۲) بعالیخدمت جناب مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب ادام اللہ تعالےٰ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ انجمن نے اس دفعہ ہندوستان کے مشہور بلاد و امصار میں جو اُس ملک کے ہر طرف واقع ہیں۔ مثلاً کلکتہ، مدراس، بمبئی، پشاور، بنگلور، گوالیار، دہلی، میرٹھ، سہارن پور، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، سرینگر، وغیرہ میں ۶۷ خطوط اور تاربرقیاں رویتِ ہلال کے بارے میں روانہ کیں تاکہ سب جگہ رمضان سے غرہ ایک روز کا قرار پائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں بموقع رُویت ہلال رمضان المبارک ۱۳ تاربرقیاں ۷ اخطوط درباب رُویت ہلال بروز جمعہ موصول ہوئے صرف کلکتہ و پشاور میں بسبب محیط آسمان ہونے کے رُویت نہ ہوسکی۔ تمام ہندوستان میں شنبہ کے غرہ کی تصدیق ہوگئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر انجمن کی طرف سے ایسا انتظام ہمیشہ کے لئے مقرر کر دیا جاوے تو یہ کچھ بہت بڑا امر ہے یا نہیں۔ اور صرف استفتاء ذیل کے جواب پر موقوف ہے۔ اس دفعہ حیدرآباد سندھ کے علاقہ مورد میں اتوار کو روزہ ہوا۔ چنانچہ مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضا دینی چاہیئے۔ اس لئے گزارش ہے کہ استفتاء ذیل کا جواب ۲۵ رمضان تک عنایت ہو جاوے تاکہ بصورت جواز بموقع عید اس کی تعمیل ہوسکے۔ دیگر علماء کرام کی خدمت میں مضمون ہذا کے علیحدہ استفتاء ارسال کئے گئے ہیں۔ جوابات موصول ہونے پر مشتہر بھی کردیئے جاویں گے۔ پولیٹکل سکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور۔

استفتاء یہ ہے ۔ مسئلہ ذیل یعنی بحالات ذیل جناب کے نزدیک شریعت غرائے

محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مفتی بہ جواب کیا ہے۔ اگر ایسا انتظام کیا جاوے کہ رویتِ ہلال کے لئے ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے مقامات سے رویت کی خبر بذریعہ تار برقی منگوائی جاوے۔ اور ایسی تار برقیاں شرقی، غربی، شمالی، جنوبی، امصار ہندوستان سے بتعداد دس پندرہ بیس حاصل کی جائیں اور اُن کی کثرت اور تواتر اور مختلف اور متقابل اطراف سے جن میں صدہا کوس کا باہمی فاصلہ ہو دو چار گھنٹے ایک جیسے کثیر خبروں کا موصول ہوجانا معمولی دنیوی عقل کے مطابق شائبہ کذب کو قطعاً محو کر دیتا ہے۔ اور صداقت کا علم عام عقل کے مطابق تو ہوجاتا ہے لیکن شرعی قواعد کے موافق ایسی تار برقی کی خبروں پر غرہ قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں بہر دو شق اگر مطلع صاف ہو تو نہ ہو تو اور یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تاریں آن لوگوں کی طرف پہونچیں گی جن کے ساتھ پہلے خط وکتابت کے ذریعہ سے یہ بات قرار پاچکے گی کہ فلاں تاریخ فلاں وقت رویت کی بابت خبر بھیجیں گے اور وہ ایسے مسلمان ہوں جو قابل وثوق معتبر شاہد ہوں۔

الجواب۔ ایسی صورت میں یہ خبر متواتر شرعاً بھی معتبر ہے۔ خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو۔ لیکن اگر دوسری جگہ یہ خبر بذریعہ تار یا خط بھیجی جاوے جیسا خط مصحوب سے معلوم ہوتا ہے۔ سو وہاں چونکہ یہ خبر تواتر کے ذریعہ سے نہیں پہونچی اور جس طریق سے پہونچی ہے وہ شرعاً موجب اور حجۃ نہیں ہے۔ اس لئے وہاں والوں کے حق میں قابل عمل نہ ہوگی۔ وہذا کلہ ظاہر۔ ۱۴؍ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

جواب بالا کے ساتھ ذیل کے مضمون کا خط لکھا گیا تھا:۔

مکرم بندہ۔ السلام علیکم۔ جواب مسئلہ تو لکھ چکا۔ اب اپنی رائے بطور مشورہ کے عرض کرتا ہوں اس کے قبول وعدم قبول کو اپنے ارکان کے قبول پر رکھئے وہ یہ ہے کہ اول تو جب ثابت ہوا کہ یہ خبر دوسری جگہ قابل عمل نہ ہوگی تو اس صورت میں اطلاع کرنا ہی بیکار ہے۔ لیکن اگر دوسرے علماء کا فتویٰ بھی اس کے قابلِ عمل ہونے پر ہو جاوے۔ اور علماء انجمن کے نزدیک وہ فتویٰ راجح بھی ہو تب بھی بچند وجوہ یہ انتظام مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اوّل بے ضرورت انجمن پر اتنے مصارف کا بار ڈالنا اگر یہ رقم کسی مہم کام میں صرف کی جاوے تو کیسی خوبی ہے۔ دوم مجھ جیسے آدمیوں کی نیت بھی اس انتظام میں خالص ہونا مشکل ہے۔ شہرت ورفعت کا شائبہ ضرور ہوجاتا ہے اور میں آپ کو نہیں کہتا۔ سوم سب کا ماننا مشکل۔ سو اس صورت میں مسلمانوں میں بیحد اختلاف اور تفریق واقع ہوگا۔

ف لیعنی اس عبارت سے " مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضا دینی چاہئے " اور ظاہر ہے کہ یہ ایک تار ہوگا ۱۲ منہ

چہارم انجمن میں جب یہ رسم جاری ہوجاوے گی پھر آئندہ آنے والے ارکان ممکن بلکہ غالب ہے کہ تحقیق وایصال خبر میں اتنی احتیاط نہ کریں۔ اور بانی اُس کے اس وقت کے لوگ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

اس کو خاتمہ تحقیق نہ سمجھا جاوے۔ ہمارے مولانا غلام احمد صاحب اور دیگر علماء وارکان انجمن کے نزدیک جو امر طے ہوجاوے مبارک ہوگا۔ خواہ اس کے موافق ہو یا اُس کے خلاف (امداد ص۱۷۹ ج۱)

واجب نبودن تحقیق ہلال از دیگر بلاد

سوال (۱۴۴) جس شہر میں بوجہ ابر وغبار یا مطلع صاف ہونے کی صورت میں ۲۹ رشعبان یا رمضان کو چاند نظر نہ آیا ہو کیا وہ مکلف ہیں یا نہیں کہ کوشش کرکے دوسرے شہروں سے خبریں منگائی جاویں۔

الجواب۔ چونکہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں لہذا یہ امر واجب نہیں۔ (تتمہ ثالثہ ص۷۹)

طریق موجب اعتبار خبر ہلال

سوال تتمہ سوال بالا۔ اگر مکلف ہیں تو وہ کون سے ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے خبریں منگائی جاویں اور وہ قابل اعتبار ہوں اور جب معتبر ذریعہ سے خبر دوسرے شہروں سے آجاوے تو اس شہر کے قاضی یا مفتی کو اُس کا ماننا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر قاضی نہ مانے اور مانے اور عمل نہ کرے تو گنہ گار ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ اس کے مکلف تو نہیں لیکن اگر دوسری جگہ سے خبر آجاوے تو اُس کے معتبر ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں ایک شہادت بالرؤیۃ۔ دوسرے شہادت علی الشہادت بالرؤیۃ۔ تیسرے شہادت علی حکم الحاکم۔ چوتھے استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے۔ کذا فی الدر المختار قولہ شہد وا انہ شہد الی قولہ مجتبی وغیرہ وفی رد المحتار من قولہ لانہ حکایۃ الی قولہ بمجرد الشیوع ج۲ ص۱۵۰ و ص۱۵۱ وکما فی الدر المختار من قولہ فیلزم اہل المشرق الی قولہ کما مر وفی رد المحتار من قولہ بطریق موجب الی قولہ لانہ حکایۃ (ج۲ ص۱۵۵) اور جب ان ذرائع سے خبر آوے گی اس پر عمل واجب اور خلاف کرنا معصیت ہے۔ اگر کسی کے اجتہاد میں وہ طریق موجب نہ ہو تو معذور ہے اور رمضان میں جس طرح رویت پر ایک کی شہادت معتبر ہے اسی طرح اس شہادت پر بھی ایک کی شہادت معتبر ہے۔ فی الدر المختار ویقبل (ای فی رمضان) شہادۃ واحد علی آخر الخ ج۲ ص۱۴۶ اور اسی طرح جہاں حاکم نہ ہو فطر میں عدد تو ضروری ہے لیکن لفظ شہادت ضروری نہیں کذا فی الدر المختار ایضاً ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ ج۲ ص۱۴۶)

وقت افطار در حکم حیلولۃ جبل

سوال (۱۴۵) وقت نماز مغرب کا اور افطار صوم کا بمجرد غروب آفتاب کے ہو جاتا ہے یا کچھ دیر بعد جب پہاڑ بفاصلہ چھ سات کوس بجانب مغرب واقع ہو اور آفتاب پہاڑ کے پیچھے ہو جاوے تو وقت نماز مغرب و افطار صوم ہو جاتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ وقت افطار و صلوٰۃ مغرب کا بمجرد غروب شمس کے ہو جاتا ہے کچھ دیر کی ضرورت نہیں اگرچہ جانب مغرب پہاڑ واقع ہو۔ کیونکہ غروب کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں کہیں آفتاب نظر نہ آئے ایسا تو ممکن نہیں کہیں غروب ہوتا ہے کہیں طلوع۔ بلکہ غروب کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے افق سے غائب ہو جائے اور مشرق میں تاریکی نمودار ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص[ع] پہاڑ پر کھڑا آفتاب دیکھ رہا ہے اس کو افطار حلال نہیں کیونکہ اس کے افق سے غائب نہیں ہوا۔ اذ المراد بالغروب زمان غیبوبۃ جرم الشمس بحیث یظہر الظلمۃ فی جہۃ المشرق قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ہھنا فقد افطر الصائم ای اذا وجدت الظلمۃ حسًّا فی جہۃ المشرق فقد ظہر وقت الفطر شامی کلکتی ج ۲ ص ۸۰ - جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۷۸ ج ۱)

حکم صوم یوم عرفہ للحاج

سوال (۱۴۶) صوم یوم عرفہ واقفین عرفہ کے واسطے جائز ہے یا نہ۔ حدیث سے تو ثابت ہے کہ عرفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کیا۔ کمافی الترمذی افطر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعرفۃ وارسلت ام الفضل الیہ بلبن فشرب اسی طرح اکثر حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ واقفین عرفہ کے لئے روزہ رکھنا اچھا نہیں لیتقوی بہ الرجل علی الدعاء اور جو بعض اہل علم نے روزہ کو ان کے واسطے جائز رکھا اس پر ہمارا عمل ہے اس کی تحقیق تحریر کریں گے۔

الجواب۔ صوم یوم عرفہ حاجی کے لئے اگر اندیشہ ضعف کا نہ ہو بلا کراہت مستحب ہے۔ اگر اندیشہ ضعف کا ہو مکروہ ہے۔ فی الدر المختار فی الصیام المستحبۃ وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ اھ قولہ لم یضعفہ صفۃ لحاج ای ان کان لا یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلو اضعفہ کرہ رد المحتار ج ۲ ص ۸۳ واللہ اعلم اقول وعلیہ یحمل افطارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحریضہ علیہ مطلقاً۔ ۲۰ ذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۸۲ ج ۱)

جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہو وہاں روزے کا حکم

سوال (۱۴۷) باشندگان جزیرۂ لاپ لینڈ کہ جہاں پر چھ مہینے تک دن رہتا ہے اور علیٰ ہذا رات۔ روزہ کس اعتبار سے رکھیں۔ اگر یوں کہا جائے کہ گھڑی سے اعتبار کریں تو اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بابرکت

ع یعنی ایسی اونچی جگہ کھڑا ہے کہ علم اول کے افق سے اس کا افق مغائر ہو گیا ۱۲ منہ

میں گھڑی نہیں تھی آپ نے کیوں اس جزیرہ کی بابت حکم نہیں فرمایا نہ فقہ میں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے یا تمام دن کا روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ وہاں کوئی باشندہ ہی نہیں اور نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے اس لئے نہ سوال متوجہ ہے نہ جواب کی ضرورت۔ ۲۵؍ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۳)

نقارۂ افطار و سحور کا حکم

سوال (۱۴۸) اگر رمضان المبارک میں سحری و افطار کے اوقات صحیح بتانے کے لئے جامع مسجد میں نقارہ کا انتظام کیا جاوے اور اس کے ذریعہ سے تمام مسلمانوں کو اطلاع دیجاوے اور ان کو صحیح وقت بتلا کر غلطی سے بچایا جاوے تو آیا ایسا کرنا عندالشرع جائز ہے یا نہیں بعض لوگ ناقوس وغیرہ اور ہندوؤں کی عبادات کے مشابہ ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ میں ثابت ہونے سے نامشروع اور قبیح سمجھتے ہیں۔ جواب مع دلیل ارشاد ہو اور ایسی تقریر فرمائی جاوے کہ سارے شبہات برأسہ مندفع ہو جاویں گو ہر مسئلہ کی دلیل درکار نہیں ہوتی مگر صورت ہذا میں دلیل کی حاجت بوجہ شبہات مذکورہ پیدا ہو گئی ہے۔ فقط۔

الجواب۔ طبل سحور کو فقہا نے جائز لکھا ہے۔ اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے اس کے لئے بھی کچھ حرج نہیں۔ مگر فرش مسجد سے علیحدہ ہو۔ اور ناقوس وغیرہ سے اُس کو اس لئے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریق اعلان کی خصوصیت کو عبادت بھی سمجھتے ہیں اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا۔ اور خیر القرون میں اس کی نظیر دفِ نکاح ہے کہ اُس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کی تحقیق کا۔ اور اس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کے وقت کے تحقیق کا۔ بلکہ عندالتامل دَف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔ یکم رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۹)

ایضاً

سوال (۱۴۹) سحری کے وقت روزہ داروں کی اطلاع اور نیند سے بیداری کے لئے نقارہ پیٹنا یا ڈھول کوٹنا، گھنٹہ بجانا یا توپ سر کرنا، یا گولہ چھوڑنا جائز ہے یا نہ۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کہا کرتے تھے اب بھی اذان کہنا تو جائز بلکہ سنت ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے اس میں کیا تحقیق ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فقہاء کے کلام سے اجازت معلوم ہوتی ہے بشرط عدم التطریب اور اذان موجب التباس ہے۔ لہٰذا اُمت نے ترک کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع تلبیس کا انتظام فرما دیا تھا۔ حضورؐ کے نائب یعنی خلیفہ کو اب بھی اس کی اجازت ہے کیونکہ وہ جو کچھ کرے گا انتظام سے کرے گا دوسرے لوگ ایسے انتظام پر قادر نہیں۔ اس لئے ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں۔ ۱۳؍ شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۳)

حکم تعدد نیت بہ تعدد صوم

سوال (۱۵۰) کفارہ کے روزوں میں ہر روزہ کی نیت الگ الگ کرے یا صرف ایک بار کی نیت ساٹھ روزوں کو کافی ہے۔

الجواب۔ ہر روز جُدا نیت ضروری ہے کہ فلاں روزہ کا کفارہ۔ تاریخ بالا۔ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۳۶)

وجوب صوم بر رائی ہلال کہ شہادتش نہ شنیدہ باشد

سوال (۱۵۱) ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا، مگر قاضی نے نہ مانا اس شخص نے روزہ رکھ کر توڑ ڈالا۔ اس پر کفارہ لازم ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ صرف قضا ہے۔ فی الدر المختار رائی مکلف ہلال رمضان او الفطر ورد قولہ بدلیل شرعی صام فان افطر قضی۔ فقط فیہما اھ۔ ۱۴ر رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۵۶)

حکم ابر کہ بر مطلع بود نہ بر باقی آسمان

سوال (۱۵۲) چاند رات کے روز چاند کی جگہ ہلکے ہلکے ابر کے ٹکڑے ہوں اور باقی تمام آسمان صاف ہو تو رویت میں ابر کا حکم ہوگا یا غیر ابر کا۔؟

الجواب۔ ابر کا۔ ۲ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۹۰)

مقدار جمّ غفیر۔

سوال (۱۵۳) جمّ غفیر کی تعداد تخمیناً کس قدر ہے۔؟

الجواب۔ ہر جگہ آبادی کی کمی بیشی پر اس کی مقدار بھی متفاوت ہے۔ حاصل مشترک یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ اتنے آدمی غلط کہتے ہوں گے۔ ۲ر شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۹۱)

ایضاً

سوال (۱۵۴) بحالت صاف ہونے مطلع کے ابر و غبار سے ہلالِ عید اور رمضان کے لئے قاضی کو قبولِ شہادت کے لئے کس قدر نصاب کی ضرورت ہے۔ اور کتب فقہ میں جو جمّ غفیر لکھا ہے اس سے کیا مراد ہے اور اس میں علماء کے کیا کیا قول ہیں؟ اور مفتی بہ قول کیا ہے۔؟

الجواب۔ اقوال مختلفہ سے حدیث صحیح یہ ہے۔ یقع العلم الشرعی وھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو مفوض الی رای الامام من غیر تقدیر بعدد علی المذہب کذا فی الدر المختار۔ ج ۲ ص ۱۴۳۵ (تتمہ ثالثہ صفحہ ۱)

حکم صیام ایام بیض درماہ ذی الحجہ۔

سوال (۱۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایام بیض کے روزے ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخ رکھتا ہے۔ مگر اب بقر عید کی ۱۳ ر تاریخ کو چونکہ روزہ حرام ہے۔ لہذا ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶ تاریخ رکھے یا کیا کرے۔ مگر اس میں ایام بیض کا شمار ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ فوت ہوتا ہے۔

الجواب۔ اس ماہ میں ایام بیض کے روزے نہیں ہو سکتے۔ بطور بدل کے خواہ ۱۶ کو رکھ لے۔ یا بعد میں رکھ لے سب برابر ہیں۔ ۶ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۹۵)

حکم روزہ یوم الشک و تردد نیت میاں دو روزہ دراں یوم

سوال (۱۵۶) آج ۲۵ر جولائی ۱۹۱۴ء مطابق یکم رمضان یا ۳۰ر شعبان روز شنبہ ہے - بروئے جنتری آج یکم رمضان ہے - لیکن ۲۹ شعبان کو آسمان پر اس قدر ابر غلیظ رہا ہے کہ چاند تو در کنار سورج بھی نظر نہیں آیا - اور نہ اسوقت تک کوئی اطلاع باہر سے چاند نظر آنے کی آئی - ایسی حالت میں روزہ رکھا جاوے یا نہیں - اور اگر کوئی اس پر نیت رکھے اگر چاند نظر آگیا ہو تو فرض ورنہ نفل تو روزہ جائز ہے یا نہیں - میں نے یہ نیت کی ہے کہ فرض روزوں کی قضا دینی ہے - اگر چاند ۳۰ کا ہو تب تو یہ آج کا روزہ قضا روزوں میں شمار ہوگا - اور اگر چاند ۲۹ کا ہو اس رمضان شریف کا پہلا روزہ فرض ادا ہوا - یہ صورت جائز ہے یا نہیں - اور اگر بعد میں اطلاع معتبر آوے کہ چاند ۲۹ کا ہوا تو اس روزہ کی قضا دینے کی ضرورت نہیں ہے -

الجواب - عوام کو یوم الشک میں روزہ نہ رکھنا چاہئے - اور سوال میں جو دو طرح کی نیت لکھی ہے یہ مکروہ ہے - لیکن اگر اس یوم کا رمضان ہونا ثابت ہو گیا تو دونوں صورتوں میں رمضان ہی کا روزہ ہوگا - قضا، کی ضرورت نہیں - فی الدر المختار یصومه الخواص ویفطر غیرهم الی قوله ویصیر صائما مع الکراهة لو ردد فی وصفها بان نوی ان کان من رمضان فعنه والا فعن واجب اٰخر وکذا یکرہ لو قال انا صائم ان کان من رمضان والا فعن نفل متردد بین مکروہین او مکروہ وغیر مکروہ فان ظهر رمضانیته فعنه والا نفل فیهما ای الواجب والنفل آہ - ۳ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۵۸)

تحقیق حدیث من صام یوم الشک

سوال (۱۵۷) حدیث من صام الیوم الذی یشك فیه فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیه وسلم ذکرہ البخاری تعلیقا ووصله الخمسة وصححه ابن خزیمة وابن حبان کذا فی بلوغ المرام والمصفی شرح الموطاء کو صاحب در مختار لکھتے ہیں الا اصل لہ مگر چونکہ مقابل تصحیح نقاد محدثین قول فقہاء کرام قابل اعتماد نہیں ہوتا، کیونکہ تنقید حدیث ہر ایک کا حق نہیں ہوتا، اس باب میں قول محدثین ہی معتبر ہوتا ہے، لکل فن رجال مقولہ مشہور ہے، لہذا آپ کی تحقیق میں کیا ہے -؟

الجواب - فی رد المحتار علی قول الدر المختار فلا اصل له مانصه کذا قال الزیلعی ثم قال ویروی موقوفا علی عمار بن یاسر وهو فی مثله کالمرفوع اهـ قلت وینبغی حمل نفی الاصلیة علی الرفع کما حمل بعضهم قول النووی فی حدیث صلوۃ النهار عجماء

انہ لا اصل لہ علی ان المراد لا اصل لرفعہ والا فقد ورد موقوفا علی مجاہد وابی جلیدہ وکذا ھذا اوردہ البخاری معلقا بقولہ وقال صلۃ عن عمار من صام الخ قال فی الفتح و اخرجہ اصحاب السنن الاربعۃ وغیرھم وصححہ الترمذی عن صلۃ بن زفر الخ ج ۲ ص ۱۴۲ مصریہ۔ (تتمۂ ثانیہ ص ۱۷۴)

ایضاً **سوال (۱۵۸)** درمختار کی ایک عبارت کتاب الصوم بابتہ روزہ یوم الشک کے لکھتا ہوں اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ والتنفل فیہ احب ای افضل اتفاقا ان وافق صوماً یعتادہ والا یصومہ الخواص ویفطر غیرھم بعد الزوال بہ یفتی نفیاً للتھمۃ انتھی۔ آخر کی عبارت زیر سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ خواص جن کو کیفیت نیت یوم الشک معلوم ہو اُن کو یوم الشک کا روزہ رکھنا جائز ہے۔ حالانکہ حدیث لاتقدموا رمضان بصوم یوم او یومین عام ہے۔ خواص کہاں سے مستثنیٰ ہوئے۔ پھر جب خواص کو رکھنے کی اجازت ہے تو عوام کس طرح بچیں گے۔ قواعد فقہیہ پر نظر کرتے ہوئے عوام کی ابتلاء کے خوف سے خواص کو بچنا چاہئے۔

الجواب۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین الا ان یکون رجل کان یصوم صومہ فلیصم ذلک رواہ البخاری۔ اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ بعض عوارض کے سبب بعض افراد تقدم کے مستثنیٰ ہیں۔ پس اگر کسی دوسری دلیل سے دوسرے بعض افراد مستثنیٰ ہوں تو حدیث لاتقدموا رمضان بصوم یوم او یومین کے معارض نہیں۔ اور صوم یوم الشک کے باب میں دوسری دلیل موجود ہے۔ اور وہ دلیل ان حضرات کا عمل ہے۔ علی رض، عائشہ رض، عمر رض وابن عمر رض، انس بن مالک رض، اسماء بنت ابی بکر رض، ابوبکر رض، معاویہ رض، عمرو بن العاص رض۔ یہ اصحاب ہیں جن کا عمل مالا یدرک بالقیاس میں مرفوع حکمی ہے۔ اور مالا یدرک بالقیاس میں دلیل ہے حدیث مرفوع کے مؤول ہونے کی۔ اور ان تابعین سے بھی یہ عمل منقول ہے۔ مجاہد، طاؤس، سالم بن عبداللہ، میمون بن مہران، مطرف بن الشخیر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابوعثمان نہدی۔ یہ سب نام نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۷ میں شمار کئے ہیں۔ پس حدیث لاتقدموا غیر صوم یوم الشک۔ غیر صوم یوم معتاد پر محمول ہوگی یہ تو اہل علم سے منقول ہے۔ اور احقر عرض کرتا ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حدیث لاتقدموا الخ کو صوم یوم الشک سے کچھ تعلق ہی نہیں کیونکہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ رمضان سے پہلے روزہ مت رکھو۔ تو ظاہر ہے کہ وہ غیر رمضان کا روزہ ہوگا۔ اور یوم الشک پر غیر رمضان ہونے ہی کا حکم نہیں کر سکتے۔ جو شخص اُس کا روزہ رکھتا ہے

وہ بحیثیت یوم رمضان ہونے کے رکھتا ہے۔ نہ کہ غیر رمضان کا تعظیم واستقبال رمضان کے لئے اور احتیاط امور دیانات میں خود منصوص ومطلوب شرعی ہے۔ جب تک کہ کوئی مفسدہ لازم نہ آوے۔ اور خواص میں یہ مفسدہ محتمل نہیں۔ اور عوام میں محتمل ہے۔ لہٰذا قواعد شرعیہ نے دونوں میں فرق فرمادیا۔ رہا یہ کہ اس فعل خواص سے عوام کو ابتلاء ہوگا سو یہ اس وقت محتمل ہے کہ عوام کو اس کی اطلاع ہو سو وہ خواص اس کی اطلاع کیوں کریں۔ بلکہ پوچھنے پر بھی ٹال سکتے ہیں۔ یا انکار کرسکتے ہیں اور ایسا جحود مذموم نہیں۔ ۲۹ رشعبان ۱۳۳۷ھ (حوادث خامسہ ص۲۸)

حکم تعیین سال دیوم وغیرہ درقضائے صوم فرض

سوال (۱۵۹) علالت کی وجہ سے چند سال کے روزے میرے قضاء ہوگئے تھے، جن کی مع چند نفل روزوں اور سحر میں تاخیر ہوجانے کی وجہ سے جو قضاء ہوئے اُن کی کل مجموعی تعداد ۶۳ ہوگئی تھی۔ اُن میں سے ۳۴ روزے کئی مرتبہ میں نے ادا کئے مگر نیت کرنے میں اس کا خیال کبھی ذہن میں نہیں پیدا ہوا کہ فلاں سال کے روزہ کی نیت کرتا ہوں۔ اور دو چار مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ خفیف ارادہ رات ہی سے روزہ رکھنے کا کیا گیا مگر مستقل نیت قبل زوال آفتاب صبح کو کی گئی۔ بہشتی زیور میں مسئلہ یہ لکھا ہے کہ قضاء کے روزہ کی نیت رات ہی سے کرنا ضروری ہے۔ اور دوسرے سال کا خیال بھی ضروری ہے کہ فلاں سال کے روزہ کی قضاء رکھتا ہوں میں نے سال کا خیال کبھی نہیں کیا۔ اور دو چار بار صحیح تعداد یاد نہیں ہے مستقل نیت صبح کو قبل زوال آفتاب کی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ ۳۴ روزے جو میں نے رکھے وہ درست ہوئے یا نہیں۔ یا اُن کا اعادہ پھر سے کیا جاوے۔

الجواب۔ جو روزے دن کو نیت کر کے رکھے گئے وہ تو قضاء میں شمار نہیں ہوں گے۔ قضاء رمضان میں شب سے نیت شرط ہے۔ باقی یہ تعیین کہ فلاں سال کا روزہ رکھتا ہوں سو اس میں دو قول ہیں۔ بہشتی زیور میں احتیاط کا قول لے لیا ہے۔ باقی ضرورت میں دوسرے قول پر بھی کرنے کی گنجائش ہے۔ فی الدر المختار ولو نوی قضاء رمضان ولم تعیین الیوم صح ولو عن رمضانین کقضاء الصلوٰۃ صح ایضاً الیٰ قولہ وھو ای التعیین، المعتمد قال فی رد المحتار قد علمت ان الثانی مصحح وان کان الاحوط التعیین۔ ط ج ۲ ص ۱۱۹۔ اس لئے ایسے فرض قضاء روزے جن میں تعیین نہیں کی گئی صحیح سمجھے۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۲۱)

حکم ترک سحور بسماع اذان

سوال (۱۶۰) ایک شخص بیدار ہو کر اس خیال سے کہ ابھی رات باقی ہے سحری کھانے لگا کہ دفعتًا اذان کی آواز کان میں آئی۔ اُس نے اذان سنتے ہی فوراً لقمہ منہ سے نکال کر

پھینکدیا۔ اور کلی کرڈالی۔ اور غروب آفتاب تک روزہ پورا کیا۔ .... تو کیا یہ روزہ اس کا صحیح ہوگیا اور قضاء کی ضرورت نہیں۔

الجواب۔ یہ تو مستبعد ہے کہ بمجرد طلوع فجر اذان بھی شروع ہوتی ہو۔ عادۃً طلوع قبیل اذان ہوا ہے۔ پس اس کا اکل بعد فجر کے واقع ہوا ہے۔ اس لئے یہ روزہ نہیں ہوا۔ البتہ اگر اذان قبل طلوع ہوئی ہے تو روزہ درست ہوگیا۔ ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۳)

حکم عدم رویت ہلال در تاریخے کہ او را ثلاثین شمار کردہ اند بوجہ شہادت بلد دیگر

سوال (۱۶۱) ایک شہر میں ۲۹ شعبان کو بوجہ ابر و غبار چاند دکھائی نہیں دیا۔ کسی دوسرے شہر کی شہادت قابل اعتبار گزری کہ ۲۹ تاریخ کو شعبان کا چاند فلاں مقام پر میں نے دیکھا ہے۔ جس کو قاضی نے مان لیا۔ اور اس شہادت کے اعتبار سے رمضان المبارک کل تیس تاریخ کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں جب کہ اس شہر کی رُویت کے حساب سے ۲۹ ہے اور اس شہادت کے حساب سے ۳۰ تاریخ ہوتی ہے پس کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر وہ گواہ خاص اسی شہر میں ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنا بیان کریں اور فوراً حاضر نہ ہوں تو ایسی صورت میں کچھ فرق ہوجاوے گا یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو صاموا بقول عدل حیث یجوز وغم هلال الفطر الخ وفی رد المحتار عن المعراج عن المجتبی ان حل الفطر هنا (ای فیما اذا غم هلال الفطر) محل وفاق وانما الخلاف فیما اذا لم یغم ولم یروا الهلال فعندهما لا یحل الفطر وعند محمد یحل کما قاله شمس الائمة الحلوانی وحرره الشرنبلالی فی الامداد وقال فی غایة البیان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداءً بل بناءً وتبعاً فکم من شئ یثبت ضمناً ولا یثبت قصداً الخ ج ۲ ص ۱۵۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت مختلف فیہ ہے۔ مگر علامہ شامی کا رجحان امام محمدرح کے قول کی تصحیح و ترجیح کی طرف ہے۔ کہ باوجود مطلع صاف ہونے کے بھی عید کرلیں گے۔ لیکن جہاں تشویشِ عوام کا اندیشہ ہو شیخین کے قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے۔ بلکہ اس گواہ کو تنبیہ بھی کرنا چاہئے۔ فی رد المحتار قال فی الدر ویعزر ذلک الشاهد ای لظهور کذبه (ج ۲ ص ۱۵۱)

اور جو گواہ خود شہر میں موجود تھا اور اس وقت حاضر نہ ہوا اور ایک مہینہ کے بعد آکر بیان کرے اُس کا اعتبار نہ کیا جاوے کیونکہ اس نے ترک واجب کیا اس لئے عادل نہ رہا۔ اور ایسا شخص مقبول الشہادۃ نہیں رہا۔ فی الدر المختار وحل له ای للفاسق ان یشهد الی قوله ویجب علیه بحکم العدل

ان تخرج - ج ۲ صـ۱۴۵ و صـ۱۴۶ - البتہ اگر وہ اس توقف کا کوئی عذر جو شرعاً مسموع ہو بیان کریں تو مقبول ہوگا - کما فی رد المحتار صفحہ مذکور وقول الشارح وھل لہ یفید علمہا لوجوب بناء علیٰ عدم علمہ باعتقاد القاضی الخ - وفی رد المحتار علیہ تفرع مالو شھدوا فی اٰخر رمضان برویۃ ھلالہ قبل صومھم بیوم ان کانوا فی المصر ردت لترکھم الحسبۃ وان جاؤا من خارج قبلت من الفتح ملخصاً ج ۲ - صـ۱۴۵ - (تتمہ ثالثہ صـ۸۰)

بیان اشتراط عدالت و معنے آں در شہادت رویت ہلال رمضان وعید

سوال (۱۶۲) ہلالِ عید و رمضان کی شہادت کیلئے شاہدوں میں عدل کی ضرورت ہے یا نہیں - اور عدل کی کیا تعریف ہے - یعنی رویتِ ہلال کے بارہ میں فاسق فاجر یا مستور الحال کی شہادت معتبر ہے یا نہیں - ؟

الجواب - فی الدر المختار للصوم مع علۃ کغیم وغبار خبر عدل او مستور علیٰ ما صححہ البزازی علیٰ خلاف ظاھر الروایۃ لا فاسق اتفاقاً الیٰ قولہ وشرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشھادۃ الخ - وفی رد المحتار العدالۃ ملکۃ تحمل علیٰ ملازمۃ التقویٰ والمروۃ والشرط ادناھا وھو ترک الکبائر والاصرار علی الصغائر وما یخل بالمروۃ ج ۲ صـ۱۴۵ - اور یہ شرط خبر واحد میں ہے اور جمع عظیم مفید تواتر میں یہ شرط نہیں - (تتمہ ثالثہ صـ۸۲)

تحقیق اعتبار اختلاف مطالع و مراد حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ در آں باب

سوال (۱۶۳) رویتِ ہلال کے بارے میں کس قدر دور درازکی خبر ایک شہر کے دوسرے شہر میں مانی جاسکتی ہے - اسمیں کچھ علماء کا اختلاف ہے یا نہیں - اور مذہب حنفیہ میں اس کی بابت مفتیٰ بہ قول کیا ہے -

الجواب - فی الدر المختار واختلاف المطالع غیر معتبر علیٰ ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتویٰ - بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب الیٰ قولہ قال الکمال الاخذ بظاھر الروایۃ احوط ج ۲ صـ۱۴۹ و ۱۵۰ - اس سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں - ۲۵ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ صـ۸۲)

ایضاً

سوال (۱۶۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ افشیہ راندیر کا ایک طالب علم رویت ہلال کی گواہی دور کی قبل عید الضحیٰ کے نامنظور کرتا ہے - اور موافق ذہن اپنے کے اس پر دلیل عبارت شامی کی جو کہ ذیل میں لکھی گئی ہے پیش کرتا ہے تو یہ موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شئ لو ظھر

انہ رئی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم وھل یقال کذلک فی حق الاضحیۃ لغیر الحاج لم اراہ والظاھر نعم اھ مختصراً۔

الجواب۔ قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع معتبر ہو مگر حنفیہ نے بنا بر قول علیہ السلام لا نکتب ولا نحسب الحدیث۔ اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج و رعایت قواعد ہیئت سے نہ تھا پس مقتضیٰ حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو۔ نہ قبل وقوع عبادت نہ بعد وقوع عبادت، بلکہ ہر مقام کی رویت ہر مقام کے لئے کافی ہو جائے۔ چنانچہ قبل وقوع تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا۔ ہاں بعض مواقع میں جیسے بعض بعض صور حج میں اس کا اعتبار کرنا بظاہر مفہوم ہوتا ہے مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں۔ لاطلاق الحدیث بلکہ عمل اس حدیث پر ہے الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحی یوم تضحون الحدیث اوکما قال چنانچہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ حج میں اسی کو دلیل ٹھہرایا حیث قال وفی الامر بالاعادۃ حرج اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے ہر چند کہ بناء عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطالع پر ٹھہرائی ہے مگر اس کو کسی نے صراحۃً نقل نہیں فرمایا۔ بلکہ یفھم من کلامھم کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ اُن کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرا کما ھو ظاہر من اطلاق اتھم اور استنباط علامہ شامی کا مسئلہ اضحیہ میں اسی بناء پر ہے کہ انھوں نے عدم قبول شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی بر اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرایا۔ حالانکہ عند التامل یہ امر غیر صحیح ہے۔ بلکہ بناء اس عدم قبول کی وہی حرج ہے۔ پس جب بناء ہی صحیح نہیں تو مبنی کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ کتب مذہب کے خلاف ہو۔ پس صورت مسئولہ میں رد شہادت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۶ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ (امداد ص ۱۸۶ ج ۱)

ایضاً **سوال** (۱۶۵) کیا حدیث ابن عباس رضؓ سے جو ترمذی و بخاری میں مروی ہے فقہاء نے صرف اختلاف مطالع استنباط کیا ہے۔ حدیث مذکور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ منقول نہیں۔ صرف ابن عباس رضؓ نے کریب رضؓ کی شہادت کو جو شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے قبول نہیں کیا۔ کیا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کہ بوجہ اختلاف مطالع یا تنہا شہادت کی وجہ سے قبول نہیں کیا جن فقہاء نے اختلاف مطالع کو معتبر نہ سمجھا (جیسا کہ درمختار وفتویٰ عالمگیری میں تحریر ہے) انھوں نے اس حدیث پر عمل کس وجہ سے نہیں کیا۔ اس حدیث

ھ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۳۲ سے کی گئی ہے

پر بصراحت روشنی ڈالئے۔

الجواب۔ قائلین باعتبار اختلاف المطالع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث اس کو محتمل ضرور ہے۔ لیکن نافین اعتبار اختلاف المطالع اس کا وہ جواب دے سکتے ہیں جو امام نووی نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔ وقال بعض اصحابنا تعم الرؤیة فی موضع جمیع اهل الارض فعلی هذا نقول انما لم یعمل ابن عباس بخبر کریب لانه شهادة فلا تثبت بواحد اور حدیث اس کو بھی محتمل ہے فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اسی طرح هکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم میں دونوں احتمال ہیں۔ اس حالت میں نووی کا اس کے بعد کہنا لکن ظاهر حدیث الخ خصم پر حجت نہیں ہو سکتا۔

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۷۵)

معتبر بودن رویت ہلال از دوربین یا در دریا یا آئینہ وغیرہ	**سوال** (۱۶۶) شخصے در دوربین ماہ ہلال عید الفطر امسال بتاریخ بست ونہم دیدہ است آیا ایں رویت ہلال صحیح باشد یا نہ

الجواب۔ دوربین محض آلہ تحدید بصر ست ورویت بصر واقع ست پس حکمش مثل عینک باشد ودریں دیدن رویت کہ مدار وجواب احکام ست صادق ست پس لامحالہ صحیح ومعتبر ومناط احکام باشد البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بہ ثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین چنیں ست کہ ہلال باوجود تحت افق بودن بواسطہ آں بنظر می آید حتی کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آرے صحیح ومعتبر نباشد۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۹۰)

ایضاً	**سوال** (۱۶۷) ذیل کے سوالات میں اپنی تحقیق از روئے کتب حدیث وفقہ تحریر

فرما کر ممنون فرمادیں۔

(۱) ۲۹ تاریخ کو دو سرے شخص کمزور بینائی والے سفر میں جارہے تھے۔ جنگل میں مغرب کے وقت چشمہ یا خوردبین سے اُن دونوں نے عید الفطر کا چاند دیکھ لیا۔ لیکن بلا چشمہ یا خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور سوائے اُن دونوں کے اور لوگوں نے چاند نہیں دیکھا ایسے حال میں وہ دونوں دوسرے روز روزہ رکھیں گے یا عید الفطر کی نماز پڑھیں گے۔ اور جن لوگوں نے نہیں دیکھا اُن کے لئے کیا حکم ہے۔

(۲) دو شخص دریا میں جارہے ہیں ۲۹ رمضان کو پانی میں دونوں کو چاند کا عکس صاف نظر آیا۔ لیکن آسمان پر دیکھنے سے چاند نہیں معلوم ہوا۔ خواہ نظر کی کمزوری سے خواہ اور کسی وجہ سے اور

ان دو شخصوں کے سوا اور کوئی چاند دیکھنا بیان نہیں کرتا ہے ایسے وقت میں اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے کیا حکم ہے۔

(۳) دو شخص کسی جگہ پر ہیں ۲۹ ماہ رمضان المبارک کو آئینہ کے اندر دونوں کو چاند صاف معلوم ہوا لیکن آسمان پر دونوں نہیں دیکھ سکے ایسی حالت میں وہ کیا کریں گے۔

الجواب۔ (۱) دوربین یا خوردبین سے دیکھنے کا کوئی جدا حکم نہیں بلا آلہ دیکھنے کے جو احکام ہیں وہی اس کے بھی ہیں پس اگر افق پر ابر و غبار ہو تب تو اُن کی رویت بشرط عدم مانع اور وں کے لئے کافی ہو۔ سب عمل کریں۔ اور اگر ابر وغیرہ نہیں ہے تو اوروں کو بھی عمل جائز نہیں اور خود اُن کو بھی عمل جائز نہیں۔ بلکہ روزہ رکھیں۔ (۲) دریا کو بھی مثل چشمہ وغیرہ کے رویت کا ایک آلہ کہا جاوے گا، اور اس کا حکم بھی مثل جواب سوال ۱ کے ہوگا۔ (۳) اس کو بھی مثل دریا کے ایک آلہ رویت کہیں گے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو نمبر ۱ میں مذکور ہوئی۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ رابعہ ص ۹۹)

حکم شہادت واحد بر قضاء رویت ہلال

سوال (۱۶۸) کسی مقام کے قاضی کے حکم کی تصدیق کے لئے دوسرے مقام پر صرف ایک آدمی کی شہادت کی ضرورت ہوگی یا دو کی اور عدالت کی شرط ہوگی یا نہیں۔ مثلاً زید نے رویت شوال کی باقاعدہ شہادت لیکر اپنے شہر الہ آباد میں افطار کا حکم دیا۔ اب بکر جو اُس وقت الہ آباد ہی میں مقیم تھا۔ شہر کانپور میں جاکر اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں زید نے باقاعدہ شہادت لیکر افطار کا حکم دیا ہے اب تم لوگ بھی افطار کرو تو ایسی صورت میں اگرچہ یہ مسلّم ہے کہ قاضی کا حکم حجت شرعی ہے دوسرے شہر کے لئے بھی۔ مگر اثبات حکم پر جو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صرف بکر کی شہادت زید کے حکم کے اثبات کے لئے کانپور والوں کے لئے کافی ہوگی یا نہیں۔ یا ایک اور شہادت کی ضرورت ہوگی۔ اور زید اگر خود کانپور میں جاکر اپنی باقاعدہ شہادت لینے کی خبر کرے تو کانپور والوں کو افطار کرنا درست ہوگا یا نہیں۔ اور جنہوں نے صرف بکر کی شہادت پر کانپور میں افطار کرلیا اُن کا کیا حکم ہوگا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار فی احکام ہلال رمضان وتقبل شہادۃ واحد علی اٰخر کعبد وانثی ولو علی مثلھما الخ فی رد المحتار بخلاف الشہادۃ علی الشہادۃ فی سائر الاحکام حیث لا تقبل ما لم یشہد علی شہادۃ کل رجل رجلان او رجل وامرأتان ح وفی لکن الخ احکام ہلال الفطر و شرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ اشہد وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد لکن لا تشترط الدعوی الی قولہ ولو کانوا

ببلدۃ لاحاکم فیہا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بکر کی شہادت ہلال رمضان میں معتبر ہو جاوے گی۔ لان الشہادۃ علی القضاء کالشہادۃ علی الشہادۃ لکونہما موجبین اور اسی طرح زید کا قول بھی معتبر ہوگا۔ لانہ شہادۃ علی الشہادۃ اور ہلال فطر میں عدد بھی شرط ہے کالاصل وان سقط لفظ الشہادۃ فی سائر الاحکام ای فی غیر احکام ہلال رمضان اور یہ بھی ان روایات سے ثابت ہوا کہ عدالت ہر حال میں شرط ہے۔ ۱۷؍شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۲)

عدم اعتبار حکایت رویت بلا طریق موجب

سوال (۱۶۹) یہاں میرے پڑوسی نائب تحصیلدار بحکم گورنمنٹ بصرہ بغداد کو گئے تھے۔ اب وہ رخصت لیکر ۲؍جون کو بغداد سے دجلہ میں کشتی پر سوار ہو کر چلے تو رمضان المبارک کا چاند بدھ کے روز یعنی پنجشنبہ کی شب میں انھوں نے اور سب ہمراہیوں نے دیکھا۔ اور جمعرات کو روزہ رکھا۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اُن کا چاند دیکھنا یہاں والوں کے لئے مانا جاوے گا یا نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُن کی شہادت بھی شرعاً معتبر ہے یا نہیں اس سے بحث نہیں دیگر کوئی خبر جناب کے یہاں بھی ایسی موصول ہوئی ہو جو قابل اعتبار ہو اور اس پر عمل کیا جاوے اُس سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ ایک خبر یہاں بھی بجنور سے آئی ہو بابو مردان علی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ بدھ کے روز یہاں بھی چاند نہیں دیکھا گیا۔ مگر جمعرات کے روز صبح کو جہاں آباد سے رویت ہلال کے گواہ معتبر آگئے۔ اور ہم نے روزہ رکھ لیا۔ انتہی۔ یہ دو خبریں ہیں۔ قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہو کہ ایسی خبر کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہو کہ وہ طریق موجب سے پہونچے۔ اور طریق موجب یہ ہیں:-

(۱) شہادت بالرویت، (۲) شہادت علی الشہادت بالرویت (۳) شہادت علی حکم الحاکم (۴) استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہو۔ اور مجرد حکایت معتبر نہیں ہو۔ (زوال السنہ ص ۱۵) اسی طرح خبر واحد کے معتبر ہونے کے لئے علت یعنی ابر وغیرہ شرط ہے۔ اسی طرح رائی کا ثقہ ہونا شرط ہے۔ کذا فی کتب الفقہ۔ پس دجلہ کی خبر میں آسمان پر علت ہونا ثابت نہیں۔ اور شہادت دینے والے ایک صاحب ہیں۔ اور اوروں کے دیکھنے کی روایت محض حکایت ہے جو معتبر نہیں۔ اور اگر یہ صاحب ثقہ نہیں ہیں تو قبول ہدایت سے ایک دوسرا امر بھی مانع ہو۔ اور جہاں آباد کی خبر ہم لوگوں تک طریق موجب سے نہیں پہونچی۔ لہٰذا دونوں خبریں حجت نہیں ہیں۔

اشرف علی ۲۷؍رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۳)

عدم اعتبار قول اہل ہیئت در افطار وصوم

سوال (۷۰) اعلمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار ہمدم لکھنؤ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون چھپا ہے جو بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ اس پر شرعاً عمل درآمد کرنے کے لئے کیا حکم ہے۔ اور اس پر عمل درآمد کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اور ان امور کا ماننا درست ہے یا نہیں۔

اوقات صوم وصلوٰۃ

(۱) ملاحظہ ہو روزانہ ہمدم مورخہ ۲۱ر جون ۱۹۱۷ء (جس میں ایک مضمون اوقات کیمتعلق تھا۔ جس سے مسئلہ ہذا سے کوئی خاص تعلق نہیں)

(۲) مسلمان اگر علم ہیئت سکھیں تو اُن کو معلوم ہو کہ **الشمس والقمر بحسبان** کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید پ۲۷ سورہ رحمٰن آیۃ ۵

(۳) افلاک ارضی وقمر بیضاوی شکل کے ہیں۔ لہذا حساب واقعی طلوع اور غروب شمس بحساب مخروطی کرنا لازم ہوتا ہے۔ اشکال مدور اور بیضاوی میں فرق ہوتا ہے۔ ہند میں میعار وقت بلحاظ شمس وسطی ہوتا ہے لہذا جب واقعی طلوع اور غروب کا وقت کسی جگہ کا نکالنا ہو تو جو فرق شمس وسطی اور شمس واقعی میں ہو اُس کو دفع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے بعض روز دو ایک دقیقہ کی کمی یا زیادتی بغیر تسلسل کے ہوتی ہے۔

(۴) لیل ونہار ہمیشہ ۲۴ گھنٹے کے ہیں۔ کبھی طلوع اور غروب میں کمی اور زیادتی ہوئی تو بھی ۲۴ گھنٹے میں فرق نہیں ہو سکتا۔

(۵) پنجشنبہ ۵ر جولائی ۱۹۱۷ء کو ۹ ۸۶ دقیقہ ۳ گھنٹہ پر قبل ظہر خسوف یعنی چاند گرہن تھا اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی۔ اور اس روز پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔

(۶) غرہ رمضان المبارک میں بوجہ عدم رویت کے فرضیت نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدہ سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰ر جولائی ۱۹۱۷ء کو ۳۰ر رمضان المبارک ہے۔ اور اس روز اگر مطلع صاف نہ ہو تو رویت کی حاجت نہیں ہے۔ بلحاظ علم ہیئت اور شاہدہ شنبہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۷ء کو غرہ شوال ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے اور اس روز صوم بلاشبہ حرام ہے۔

الجواب۔ اول تو ان مقدمات ریاضیہ میں **بعضے** مخدوش بھی ہیں۔ دوسرے قطع نظر

اس سے شریعت میں اُن کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشہر ھکذا وھکذا اس کی صریح نفی کر رہی ہے۔ یعنی اُن کے اعتبار کی قطع نظر وقوع سے اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ باوجود کسی امر کے واقع ہونے کے اس پر اپنے احکام کو مبنی نہ کرے۔ جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے یقینی علم پر بدون ضابطہ کی شہادت کے عمل نہیں کر سکتا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ باوجود واقعی ہونے کے اُس پر حکم کا مبنی کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح یہاں سمجھ لیا جاوے اس قانون شرعی پر خلاف عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اور راز اس کا وہی ہے جس کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر۔ تیسرے ۲۶ میں جب عدم فرضیت صوم مان لیگئی تو شنبہ کو غرۂ شوال یقینی ماننا اُس کے منافی ہے۔ کیونکہ جمعہ کو ۳۰ قرار دینا مستلزم ہے پنجشنبہ کے غرہ ہونے کو گو اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو اور پنجشنبہ کا غرہ ہونا مستلزم ہے اسمیں فرضیت صوم کو تو لازم آتا ہے فرضیت اور عدم فرضیت صوم کا مجتمع ہونا اور یہ اجتماع خود محال ہے۔ اور مستلزم محال کو محال پس یہ فتویٰ دینا کہ شنبہ کو روزہ رکھنا یقینی حرام ہے بوجہ مبنی ہونے کے مقدمات مستحیلہ پر یقیناً باطل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ رائے محض غلط ہے۔ اور اسپر عمل کرنا بالکل حرام ہے اسکو اچھی طرح شائع کر دیجئے۔ کتبہ اشرف علی ۲۵ رمضان المبارک ۳۵ھ (تتمہ ۵ ص ۲۱)

عدم اعتبار حساب جنتری در افطار و صوم

سوال (۱۷۱) غرۂ ذیقعدہ جنتری کی رُو سے تسلیم کیا گیا ہے اور رویت نہیں ہوئی اس حساب سے شوال کے ۲۹ یوم ہوتے تھے۔ اب ذی الحجہ کی رُویت بھی نہیں ہوئی۔ اور ۳۰ یوم پورے کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی۔ اب شبہ یہ واقع ہے کہ ذی قعدہ کی رؤیت ہوئی نہیں۔ جنتری کے اعتبار پر شوال ۲۹ کا قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر اُس کو بھی ۳۰ یوم کا قرار دیتے ہیں تو پہلی جمعہ کی ہونی چاہئے۔ کیونکہ رویت ذی قعدہ تو ہوئی نہیں تھی۔ اب ارشاد فرمایا جاوے کہ ذی الحجہ کی پہلی قرار دینے کے لئے شوال کے ۳۰ یوم پورے ماننے پڑیں گے یا مطابق جنتری کے ۲۹ یوم جیسے قرار دیئے تھے سمجھے جائیں گے نیز اگر چند ماہ تک بوجہ ابر و غبار مثلاً چھ ماہ تک رویت نہیں ہوئی تو کیا ایسے سب مہینوں کو ۳۰ یوم کا قرار دینا چاہئے۔ اگر ایسا عمل ہوگا تو خدشہ ہوتا ہے کہ قمری سال کے ۳۵۵ دن ہوتے اس میں ضرور زیادتی ہوگی۔ اور اگر سب کو ۳۰ یوم کا نہ قرار دیا جائے تو یہ شبہ ہے کہ جب رویت نہیں ہوئی تو ۳۰ یوم کا کیوں نہ مانا جائے۔

الجواب۔ شریعت میں یا رویت حجت ہے یا شہادت رویت یا تکمیل ثلاثین اگر اولین نہ ہوں تو ثالث متعین ہے۔ اور جو خدشہ لکھا ہے یہ اُس وقت صحیح ہوتا جب شریعت اس قاعدہ

کو تسلیم کرتی کہ قمری سال ۳۵۵ سے نہیں بڑہتا اس لازم کے بطلان کی کیا دلیل ہے۔ ۱۱ر ذی الحجہ ۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ صـ۱۰۳)

اطار در غرۂ رمضان و صوم غرۂ شوال بعدم رویت۔

سوال (۱۷۲) مشرقی بنگال میں اکثر منگل کے روز روزہ رکھ کر جمعرات کو عید کی۔ اب ہم لوگ جو پیر کو روزہ نہیں رکھا اور بدھ کو عید نہ کرکے جو روزہ نہ رکھا اس میں ہم سب گنہ گار ہوئے یا کیا۔؟

الجواب - اگر پیر کے روز کی خبر معتبر طور سے آگئی تو ایک روزہ قضا کرنا ہوگا اور بدھ کے روزہ سے نہ تو گناہ ہوگا اور نہ پیر کے روزہ کے عوض محسوب ہوگا۔ ۹ر ذی قعدہ ۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ صـ۱۰۰)

تحقیق حکم انفراد صوم عاشورہ

سوال (۱۷۳) بندہ اب تک یہ فتویٰ دیتا تھا کہ دسویں محرم کا ایک روزہ رکھنا بلا کراہت درست ہے۔ مگر درمختار وغیرہ میں اس کے خلاف جزئیہ نکلا۔ لہذا میں اس سے رجوع کرکے اب موافق اس جزئیہ کے فتویٰ دیتا ہوں کہ دسویں تاریخ محرم کو اکیلا روزہ رکھنا مکروہ ہے اُس کے ساتھ نویں کا بھی رکھنے سے کراہت دُور ہوگی۔ اسیطرح اگر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لے تب بھی کراہت نہ رہے گی۔ مگر اوّل صورت اولیٰ ہے۔ یعنی نویں دسویں کا وہ جزئیہ ہے۔ المکروہ تحریمًا کالعیدین وتنزیھًا کعاشوراء وحدہٗ فی ردالمحتار قولہ وعاشوراء وحدہ ای مفرداً عن التاسع او عن الحادی عشر امداد لانہ تشبہ بالیہود۔ محیط صـ۱۳۴ ج ۲۔ فقط (ترجیح الراجح صـ۸ ج ۲)

ایضًا

سوال (۱۷۴) ضروری دریافت یہ ہے کہ احقر نے بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں نفل روزہ کے بیان میں دیکھا کہ محرم کی دسویں تاریخ میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ احقر نے دسویں تاریخ کو ایک روزہ ہی رکھا اب بعضے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ نویں دسویں کا رکھنا چاہیئے۔ ایک روزہ میں اختلاف ہے ایک نہیں رکھنا چاہیئے۔ اختلاف کیسا ارشاد فرمایا جائے۔

الجواب - واقعی دو ہی روزے رکھنا چاہئیں۔ بہشتی زیور کی تالیف کے وقت اس مسئلہ کی پوری تحقیق نہ تھی، لیکن اگر نویں کو نہ رکھے تو گیارہویں کو رکھ لے۔ ۹ر رجب ۱۳۲۳ھ (ترجیح صـ۱۵۱)

رسالہ کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم

سوال (۱۷۵) تمہید:۔ ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ ایک مولوی صاحب کا ایک مضمون دیکھنے کے لئے بھیجا اُس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی۔ ذیل میں دونوں منقول ہیں:۔

مضمون:۔ صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا

چاہتا ہوں۔ کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے اب تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دلائی ہے۔

یہ مسلّم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوت ملکیہ کو غالب کرنا ہے۔ اسی لیے شارع نے اُن مہیجات ومحرکات سے چند دنوں کے لیے روکا ہے جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ یعنی کھانا پینا، عورتوں سے متمتع ہونا اور ان تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کے لیے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں اُن میں ایک یہ ہے کہ غذا میں جہاں تک ممکن ہو کمی کی جائے۔ چنانچہ امام غزالی رح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلاء پیدا ہو جائے۔ کیونکہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اُس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں جو حلال کھانے سے بھر لیا جائے۔ درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیونکر ممکن ہے جب کہ روزے دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے جو دن میں کی گئی ہے بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانے وغیرہ سے وہ اُس پر اضافہ کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ ایک مستقل عادت ہو گئی ہے۔ کہ رمضان کے لیے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ وہ کھانے مہیا کئے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہش نفسانی کو شکست دینا ہے۔ تاکہ نفس کو تقویٰ حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے یہاں تک کہ اس کی خواہش طعام میں ہیجان پیدا ہو جائے اور اسکی رغبت غذا کی طرف زیادہ ہو جائے، پھر اس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ وسیر کر دیا جائے تو اسکی لذت طلبی بڑھ جائے گی۔ اُس کی قوت دُگنی ہو جائے گی۔ اور وہ خواہشیں اُبھر جائیں گی جو تقریباً دبی ہوئی تھیں۔ غرض روزے کی رُوح اُن قوتوں کو ضعیف کرنا ہے جو بُرائی کی طرف میلان پیدا کرنے میں شیطان کا آلہ ہیں۔ اور یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہی کھانا کھائے جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا۔ لیکن اگر صبح وشام دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے جو رمضان کے روزوں میں نہیں چاہیے تو اس کو روزے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ دار دن کو بہت نہ سوئے تاکہ اس کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔ (احیاء العلوم ج ۱ مطبوعہ مجتبائی پریس صفحہ ۱۴۷)

احادیث کے مطالعہ سے بھی اُس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں

رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا پانی سے افطار کرتے تھے۔ سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف کھجوریں کھائیں بعد کو بعض صحابہ ستو گھول کر لائے تو ستو پی لیا۔ اس سے زیادہ مجھے اُس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلمونی نظر نہیں آئی۔ لیکن اسوقت مسلمانوں کی حالت کیا ہے۔ رمضان نے ایک تہوار یا تقریب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ معمولی آدمی کے لئے بھی افطار کے وقت گھنگنی اور پھلوڑی (پھلکی)، تو لازمی ہے سحر کے لیے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لی گئی ہے۔ کھانے میں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا وہ کم از کم ترکاری کا اضافہ کر ہی لیتا ہے اہل ثروت کے دسترخوان تو رمضان میں گویا رنگینیٔ غذاؤں کا گلدستہ بن جاتے ہیں دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہو جاتا ہے۔ روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بن جاتا ہے۔ یہ حالت معمولی دنیاداروں کی نہیں ہے۔ علماء و صوفیہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ رمضان میں بجائے اس کے کہ حدیث و قرآن کا درس دیا جائے راحت طلبی کے لیے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہو جاتی ہے میں نے ایک خاص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں بیدار رہتے ہیں، اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دَور چلتا ہے چونکہ آپ نے زیادہ تر علماء و صوفیہ کا فیضِ صحبت اٹھایا ہے۔ اس لیے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین پیچ لاخبار، کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائیے، اور یہ بتلایئے کہ اس کی سند کیا ہے اور یہ حالت مقاصد صوم کے منافی ہے یا نہیں۔؟

تحقیق ۔ بعد الحمد والصلوٰۃ تحقیق مقصود کے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔

(۱) احکام باعتبار ثبوت کے تین قسم ہیں۔ منصوص، اجتہادی، ذوقی۔ اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے جس کو فقہاء اجتہاد کہتے ہیں، اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں، وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں اجتہاد سے صرف ظاہر ہو جاتے ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے القیاس مظہر لا مثبت۔ اور ذوقی وہ احکام ہیں جو نص کا مدلول نہیں، نہ بلا واسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے بلکہ وہ احکام محض وجدانی ہوتے ہیں۔ اور اس ذوق و اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلولِ نص ہیں اور یہ مدلول نص نہیں اسی واسطے مجتہدین سے ایسے احکام منقول نہیں، نہ کسی پر ان احکام کا ماننا واجب ہے

محض اہل ذوق کا وجدان اُن احکام کا مبنیٰ ہوتا ہے البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب وسنّت سے اُن کی تائید ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اُن کا قائل ہونا جائز ہے۔ اور اگر کتاب وسنّت کے خلاف ہو تو اس کا رد واجب ہے۔ اور اگر کتاب وسنّت سے نہ متائید ہوں نہ اُس کے خلاف ہوں تو اس میں جانبین میں گنجائش ہے۔ اسیطرح اگر ایک صاحبِ ذوق کو متائید معلوم ہوں اور دوسرے کو خلاف تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے۔ اور اجتہادیات جزو فقہ ہیں اور ذوقیات جزو تصوف۔

(۲) احکام اجتہادیہ کا مبنیٰ علت ہوتی ہے جس سے حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ اور ذوقیات کا مبنیٰ محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدی نہیں ہوتا نہ حکم کا وجود وعدم اُسکے ساتھ دائم ہوتا ہے۔ اور یہ عدم دوران حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے جیسے طواف میں رمل کہ اس کی بناء ایک حکمت تھی۔ مگر وہ مدار حکم نہیں رہی۔ مگر تمام مسائل تصوف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے ان میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں مقصود یہ ہے کہ اُنمیں جو ذوقیات ہیں اُنکی یہ شان ہے جو مذکور ہوئی۔

(۳) ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں۔ مقاصد اور مقدمات یہ احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں مقاصد نہیں ہوتے۔ مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں یا اجتہادی۔

(۴) احکام منصوصہ واجتہادیہ شریعت ہے۔ احکام ذوقیہ شریعت نہیں البتہ اسرار شریعت اُنکو کہا جاسکتا ہے۔ اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں۔ اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث نہ منصوص ہے نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے۔ اور ذوقی بھی مختلف فیہ۔ چنانچہ امام غزالی رحکا یہی ذوق ہے اور جو کچھ اس باب میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے وہ اسی ذوق پر مبنی ہے۔ اور ان کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں۔ مطلق جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں۔ اور بعض کا ذوق اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ علی قاری رح شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزی رح سے نقل کرتے ہیں۔ ومن جهلة الصوفية تقليل المطعم واكل لدسم حتى ييبس بدنه ويعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هذه طريقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا طريقة صحابته واتباعهم وانما كانوا يجوعون اذا لم يجدوا شيئا فاذا وجدوا اكلوا الخ (من حاشية تقليل الطعام بصورة الصيام) اور حضرت شاہ ولی اللہ رح حجۃ اللہ البالغہ ابواب الصوم میں فرماتے ہیں ثم ان

تقلیل الاکل والشرب له طریقان احدهما ان لا یتناول منهما الا قدرا یسیراً و الثانی ان تکون المدة المتخللة بین الاکلات زائدة علی القدر المعتاد والمعتبر فی الشرع هو الثانی لانه یخفف وینفعه ویذیق بالفعل مذاق الجوع والعطش ویلحق البھیمیة حیرة ودھشة ویاتی علیھا اتیانا محسوسا واما الاول انما یضعف ضعفا یعبأ به ولا یجد بالاحتی یدنف وایضا فان الاول لا یأتی تحت التشریع العام الا بجھد فان الناس علی منازل مختلفة جداً الخ۔ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا ذوق اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے اس کا موازنہ ذوق کے مؤیدات میں غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔ سو ذوق اول کے یہ مؤیدات ہو سکتے ہیں۔ (الف) کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ ای کی تحذروا المعاصی فان الصوم یعقم الشھوۃ التی ھی امھا اویکسرھا (ب) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء رواہ الشیخان (ج) احادیث فضیلت جوع وذم شبع مگر ان سب استدلالات میں شبہات ہیں (الف) میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں دوسری تفسیر بھی محتمل ہے۔ چنانچہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے۔ فتتقون من الطعام والشرب والنساء مثل ما اتقوا قبلکم اور تفسیر نیشاپوری میں ہے لعلکم تتقون بالمحافظة علیھا لقدمھا وبعد اسطرا و لعلکم تنتظمون فی سلک اھل التقویٰ فان الصوم شعارھم اور اگر وہی تفسیر مان لی جاوے تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں کما مر قریباً عن حجۃ اللہ البالغۃ وسیاتی ایضا اور ب میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے۔ تشریع صوم کی حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے۔ تقلیل اکل پر۔ کیوں کہ تجربہ ہے کہ باوجود شبع من اللذات کے رمضان میں ضعف معتد بہ ہو جاتا ہے۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی دو وقت رغبت کے ساتھ کھانے کی۔ اور اب رغبت کے ساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے یعنی شام کو اور سحر کے وقت عادت نہ ہونے کے سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا۔ اس لئے وہ جزو بدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا۔ پھر جب وقت معتاد آتا ہے عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق

ہوتا ہے۔ اور باوجود اشتیاق کے کھانے کو نہیں ملتا اس لئے طبیعت ضعیف ہو جاتی ہے چنانچہ یہ ضعف عشرہ وسطیٰ میں کمی کے ساتھ اور عشرہ اخیرہ میں زیادتی کے ساتھ بیّن طور پر محسوس ہوتا ہے۔ البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چند روز میں کھانے کے اوقات معتادہ بدل جاتے، پھر رغبت سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جزو بدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوتِ شہوۃ میں انکسار نہ ہوتا اور اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت قدیمہ نہیں بدلتی۔ اس لئے اُس کی اجازت مع بیان الفضیلت دیگئی۔ اور یہی تقریر الف میں بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اگر اُس تغیر کو متعین بھی مان لیا جاوے تب بھی صوم ہر حالت میں قوتِ شہویہ کا کاسر ہے۔ وھذا ھو الذی وعدناہ قریبًا فی قولنا وسیأتی ایضا وج میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع میں یہ احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری ہو یعنی اگر میسر نہ ہو تو اسکی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمدًا بیمار ہو جایا کرے۔ چنانچہ آیت ولنبلونکم الخ میں جوع کو مصائب میں شمار فرمایا ہے۔ اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا جو غیر اختیاری ہو۔ اسیطرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں اکثرھم شبعا فرمایا ہے من شبع منہم نہیں فرمایا سو ایسے شبع کو فقہاء نے بھی حرام فرمایا کذا فی الدر المختار ورد المحتار کتاب الکراہۃ یہ تو ذوق اول کے مؤیدات پر کلام تھا، اب ذوق ثانی کے مؤیدات عرض کرتا ہوں، د حدیث میں ہے شہر یزاد فیہ رزق المومن کذا فی المشکوٰۃ عن البیہقی تو کیا یہ امر معقول ہے کہ رزق زائد تو رمضان میں دیا جاوے اور اس سے منتفع ہونے کے لئے شوال کے انتظار کا حکم دیا جاوے، لا افطار کے وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے ذھب الظماء وابتلت العروق وثبت الاجر رواہ ابوداؤد، انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ ذہاب ظماء وابتلال عروق بدون سیراب ہو کر پانی پینے کے نہیں ہو سکتا، اور باوجود اس کے وہ منقص اجر نہیں ہوا، چنانچہ ثبت الاجر اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے سیری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو و حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی) اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اس کا سبب اور معین ہے وہ بھی ناپسندیدہ ہوتا، لان مقدمۃ الشئ ملحق بہ نہ کہ موجب اجر ہوتا،

ز شبع اور ری (یعنی پیٹ بھرنا اور سیرابی) تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع خود قضاء شہوت ہے اگر شبع اور ری مفوت رُوح صوم ہے تو جماع بدرجہ اولیٰ اس کا مفوت ہے، مگر اس کی تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی بلکہ اس کی اجازت وسیعہ کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے فالاٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم اور اس کے ساتھ کلوا واشربوا کو بھی مقرون فرما دیا گیا ہے اور سب کے لئے غایت فرمائی حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر، ج، اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی امر مقصود ہے تو فضائل صوم کے ساتھ اس کی فضیلت اور منکرات صوم کے ساتھ شبع کی مذمت نصوص میں یا مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی، کیا اس سے اکملت لکم دینکم میں اشکال نہیں وارد ہوتا، یہ پانچ مویدات ہیں ذوق ثانی کے، جو اس وقت ذہن میں حاضر ہوگئے اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں ہم کو مضر نہیں، کیونکہ احکام مختلفہ فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے، اس لئے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن وتشنیع اور ان کی تحقیر وتقبیح نہ فرماویں، کیونکہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں ہے چنانچہ قوم میں دعا، وترک دعا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور مباشرت اسباب و ترکِ اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور بہت مسائل ایسے ہی ہیں، اسیطرح یہ مسئلہ فقہی نہیں جس کا اتنا اہتمام کیا جاوے، چنانچہ فقہائے باوجودیکہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی مگر اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا، اور اگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونے کی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا، اس تقریر سے اُمید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہوگیا ہوگا، باقی بعض زوائد کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کئے دیتا ہوں،

۱ صحابہؓ کے وقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں کیونکہ ان کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی اسی عادت کے موافق بھی عمل تھا، نیز جب صحابہؓ کو رمضان کے لئے تکثیر اطعمہ کا اہتمام نہ تھا، اسیطرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا، پھر اس سے مدعا یعنی حکمت خاصہ کی بناء پر اہتمام جوع بھی کیسے ثابت ہوا۔

۲ اور اس کو تقریب بنا لینا اگر حدود کے اندر ہو تو کیا حرج ہے، خود حدیث میں ہے کہ رمضان کے لئے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے، (مشکوٰۃ عن البیہقی) سو اگر اسکی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہو تو کیا حرج ہے

۳ دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی حدیث میں اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا ہے (مشکوٰۃ عن البیہقی۔ ۴ روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین فرح

کیوں مذموم ہو قرآن مجید میں اس کو قرۃ العین فرمایا گیا ہے،

۵ تعطیل مدارس کی راحت اور اعمال رمضان کے لیے کیوں منکر ہے، اور وہ اس کے ساتھ عادۃً جمع نہیں ہوسکتے۔

۶ صوفیہ کی طرف سے جواب دینا خود صوفیہ کے مذاق کے خلاف ہے، وہ بیچارے خود ہی اپنے کو سب سے اخس اور ادون سمجھتے ہیں، اپنی نصرت سے خود اس طرح منع کرتے ہیں ؎

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

اس احقر کو صوفیہ کے اوراعمال میں تو ان کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی، مگر یہ رسم منکر جو اب تک نہ سنی تھی ضرور حرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دور جاگنے کی اچھی تدبیر ہے، مگر حرص ہی ہو کر رہ گئی، اس لیے کہ پھر نیند سے محرومی ہو جائے گی جس میں اس سے زیادہ حریص ہوں! اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا جس میں شبع بھی ہاتھ آوے اسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے جو مخل نوم نہ ہو، وہ مسلک یہ ہے :۔

حدیث من صلی العشاء فی جماعۃ فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعۃ فکانما صلی اللیل کلہ لمالک ومسلم۔

تفسیر عن انس تتجافی جنوبھم عن المضاجع قال ما بین المغرب والعشاء وعنہ ایضاً نزلت فی انتظار الصلوٰۃ التی تدعی العتمۃ وعنہ ایضاً فی قولہ تعالیٰ کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون قال یتیقظون یصلون ما بین ھاتین الصلاتین ما بین المغرب والعشاء وعن محمد بن علی قال لاینامون حتی یصلوا العتمۃ وعن ابی العالیۃ قال لاینامون بین المغرب والعشاء (تفسیر ابن جریر) وفی الدر المنثور کانوا لاینامون اللیل کلہ اھ فالقلیل لایقابل الکثیر بل یقابل الجمیع فھو فی معنی البعض کذا فی بیان ج ۱۱ اثر قال سعید بن المسیب من شھد العشاء من لیلۃ القدر فقد اخذ بحظ منھا (موطا الامام مالک) قلت وکانہ تفسیر للمرفوع من حرم خیرھا فقد حرم فالذی شھد فی جماعۃ لم یحرم جزءھا، اس نوم کی پسندیدگی سے وہ چائے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنے جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ ناکاروں کو بھی بخش ہی دیں گے، اس امید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں، اور چونکہ اس کی مقدار معتدبہ ہو گئی اس لئے اس کا لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کیے دیتا ہوں یعنی "کلمۃ القوم فی حکمۃ الصوم"

ضمیمہ، یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالی رح کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جائے، بلکہ اپنے زمانہ کے قویٰ کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا، اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ اب قویٰ ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہوجاوے گی، باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیہ پر بعض حالات کا یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے، اسمیں اس قسم کا عنوان بے ساختہ صادر ہوجاتا ہے، اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے، گویا قواعد طریقت سے وہ مرجوح ہے مثل کی، وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کے ساتھ، اور یہ تشبہ جس طرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے اسیطرح جوع مشوش سے بھی، کیونکہ ملائکہ دونوں سے منزہ ہیں، اور یہ سب تحقیق اس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت کسر قوت شہوت کو مان لیا جائے ورنہ اگر وہ امر تعبدی ہو جیسا خود روزہ کا عدد کہ اسمیں کوئی حکمت معلوم نہیں تو اس تمامتر سوال وجواب ہی کی گنجائش نہیں، اور بعض الفاظ حدیث سے یہ احتمال تعبد کا ظاہر اور قوی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے، من صام رمضان ایمانا واحتسابا رواہ الشیخان حیث جعل الباعث علیہ الایمان وطلب الثواب لا شیئاً من الحکمۃ والمصلحۃ وھذا ھو التعبد واللہ اعلم، ۲۵ رشعبان ۱۳۵۲ھ (النور ص۹ شوال ۱۳۵۲ھ)

تطبیق درمیان روایات متعلقہ بہ نیت صوم از شب

سوال (۱۷۶) کتاب بہشتی زیور حصہ سوم میں صفحہ ۲ زیر عنوان:- "رمضان شریف کے روزہ کا بیان" یہ مسئلہ درج ہے،

مسئلہ، اگر کچھ کھایا پیا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے رمضان کے روزہ کی نیت کر لینا درست ہے" خاکسار نے رمضان شریف کے پہلے اس مسئلہ کو دیکھا تھا اور اسی کے موافق سفر میں چند روزے رکھے، بعض دفعہ خیال ہوا کہ اگر دس گیارہ بجے تک سفر میں زیادہ تکان یا تکلیف محسوس نہ ہوئی، تو روزہ رکھ لوں گا ورنہ نہیں رکھوں گا، چنانچہ چند روزوں کی نیت دس بجے دن کے وقت کی، اس وقت میں کتاب تیسیر الوصول الی جامع الاصول مترجم اردو کا چوتھا حصہ دیکھ رہا ہوں، اس میں صفحہ ۵ پر روزے کی نیت کے بیان میں یہ احادیث درج ہیں عن حفصۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام لہ اخرجہ اصحاب السنن، وعن عائشۃ وحفصۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہما قالتا لا یصوم الا من اجمع الصیام قبل الفجر اخرجہ مالک ونسائی، ان کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ جس نے قبل فجر کے روزہ کی نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں، حضور براہ مہربانی جلد

فرمائیں کہ اس کتاب میں یہ احادیث درج ہیں یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہیں تو پہلے مسئلہ سے ان کی تطبیق کیا ہے اور خاکسار نے جو روزے ایسے رکھے جن کی نیت دس بجے کے قریب کی وہ ہو گئے یا نہیں؟

الجواب۔ روی مسلم عن عائشۃ قالت دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم فقال ھل عندکم شیئ فقلت یا رسول اللہ ما عندنا شیئ فقال فانی صائم الحدیث وروی الشیخان وغیرھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث رجلا ینادی فی الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیصم ای لیمسك بقیۃ یومہ ومن لم یاکل فلا یاکل (التعلیق الممجد) پہلی حدیث سے نفل کی نیت دن میں اور دوسری حدیث سے فرض روزہ کی نیت دن میں معلوم ہوتی ہے کیونکہ اولاً روزہ عاشورہ کا فرض تھا بہ وردکثیر من الاخبار کما اخرج الطحاوی عن الربیع وعائشۃ وعن جابر وعن قیس وفی الباب اخبار اخر مخرجۃ فی السنن والصحاح (التعلیق الممجد) اور رمضان بوجہ موقت ہونے کے مشابہ روزہ عاشورہ کے ہے جو اول فرض تھا، پس نفل اور موقت فرض میں دن کو بھی نیت جائز ٹھہری، پس لامحالہ تطبیق بین الاحادیث کے لیے احادیث مذکورۂ سوال محمول ہوں گی ان صیام کے غیر پر جیسے قضاء وکفارہ ونذر مثلاً، آپ کے روزے بلاشبہ صحیح ہوگئے،

۲۵ ررمضان ۱۳۳۲ھ ہجری (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۷)

سوال (۱۷۷) بہشتی زیور مسئلہ ۱۲ جب لڑکا یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہو جاویں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کرے، اور جب دس برس کی عمر ہو جاوے تو مار کر روزہ رکھاوے، اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھاوے، (بہشتی زیور حصہ ۳ ص ۲۳ مجتبائی دہلی) مسئلہ ۱۴ فتاویٰ رشیدیہ جب کہ بچوں کے ساتھ حکم نماز کا بعمر سات برس کے سکھلانے کا ہے، اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟ جیسا دس برس کے بچوں کو مار کر نماز پڑھانے کا حکم ہے کیا روزہ کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب۔ روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں، فقط، (ص ۱۳۴ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم قاسمی دیوبند)

بظاہر دونوں کتابوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، واضح فرمایا جاوے۔

الجواب

فی الدر المختار اول کتاب الصلوٰۃ بعد ذکر حدیث مروا اولادکم بالصلوٰۃ

وھم ابناء سبع واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر مانصہ والصوم کالصلوٰۃ علی الصحیح کما فی صوم القھستانی معزیا للزاھدی اھ اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دو قول ہیں، پس ایک کتاب میں ایک قول کو لے لیا گیا، دوسری کتاب میں دوسرے قول کو لے لیا گیا، پس کچھ اشکال نہیں، واللہ اعلم، ۲؍ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ (النور ص۲ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

ذکر بعض مسائل متعلقہ بشہادت ہلال رمضان وغیرہ

سوال (۱۷۸) ہلال رمضان کی شہادت بقاعدۂ شرعیہ باہر سے غیر قاضی کے پاس آوے اور قاضی اس کو تسلیم نہ کرے تو اس شخص کے لیے ۳۰؍ رمضان کے صوم کا کیا حکم ہے جب کہ قاضی اور عام اہل شہر کے نزدیک وہ ۲۹؍ تاریخ ہے، اور ابر کی وجہ سے رویت نہ ہو، جیسا کہ امسال ہوا، اور آیا اس پر ضروری ہے کہ عام اہل اسلام کو اس شہادت معتبرہ کا اور اس کی بناء پر ایک روزے کی قضاء کا اعلام کرے یا عرفی قاضی پر چھوڑ دے، کہ مرجع عوام شہر وہی سمجھا جاتا ہے، اور اسی پر اعلان اور عدم اعلان کا بار ہے، بہر حال قاضی عرفی کے اختلاف پر یہ شخص اپنے اذعان اور شہادت معتبرہ مامون من التزویر میں کن کن باتوں کا مامور ہے۔؟

الجواب۔ ظاہراً قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ اختلاف نہ کرے نہ علماً نہ اعلاماً یا اعمالاً تعذر کے وقت اس باب خاص میں وہ قائم مقام قاضی شرعی کے ہے، البتہ جب قاضی کی خطا اس کو متیقن ہوجائے تو خاص لوگوں کو حقیقت کی اطلاع ایسے طور سے کردے کہ تشویش و فتنہ نہ ہو، ۵؍ شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۵۵)

باب ما یفسد الصوم او یکرہ وما یوجب القضاء والکفارۃ

بیان اُن چیزوں کا جن سے روزہ فاسد یا مکروہ ہوتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے

تحقیق مفطر شدن حقہ

سوال (۱۷۹) حقہ مفطر صوم ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس وجہ سے، اور روزہ حقہ سے افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں روزہ میں کوئی نقص تو نہیں آویگا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان الی قولہ فلیتنبہ لہ فی رد المحتار رہ علم حکم شرب الدخان ونظمہ شرنبلالی فی شرحہ علی الوھبانیۃ بقولہ ؎ ویمنع من بیع الدخان وشربہ ؂ وشاربہ فی الصوم لاشک یفطر ویلزمہ التکفیر لوظن نافعا کذا دافعا شھوات بطن فقرر اھ اس روایت میں

تصریح ہے کہ حقہ پینا مفسد صوم ہے، اور موجب کفارہ[۵] رہا خود اس سے افطار کرنا جو شخص بعذر پیتا ہے اس کے لیے مکروہ نہیں، اور جو محض شوقاً و شغلاً پیتا ہے اس کے لئے مکروہ ہے،

۱۰ رمضان ۱۳۲۲ھ ہجری (امداد جلد ا صفحہ ۱۷۳)

وجوب قضاء صوم بانزال کہ بقبلہ و مس شود

سوال (۱۸۰) ایک شخص نے نیت روزہ رمضان کی کی، اور علی الصباح اتفاقیہ طور پر زوجہ سے اختلاط کیا، حالت اختلاط میں بحالت بے اختیاری انزال ہوگیا، اسیوقت اُسنے غسل کیا، اور نماز صبح باجماعت ادا کی، اور تمام دن روزے سے رہا، ایسی حالت میں اس شخص کو قضا، اور کفارہ دونوں دینا چاہیئے یا صرف قضاء کرے یا قضا، کفارہ دونوں معاف ہیں کیا صبح صادق سے طلوع آفتاب تک وہی احکام ہوں گے جو بعد طلوع آفتاب یا غروب کے ہیں،

الجواب - فی الھدایۃ ولو انزل بقبلۃ اولمس فعلیہ القضاء دون الکفارۃ اس سے ثابت ہوا کہ اگر بوس و کنار سے انزال ہو جاوے، تو اس روزے کی قضا، لازم آوے گی کفارہ نہوگا، لیکن اُس روز بھی کھانا پینا دن بھر جائز نہ ہوگا، اور یہ جواب اس صورت میں ہے کہ سوال میں اختلاط سے مُراد بوس و کنار ہو اور اگر مراد صحبت و جماع ہے تو دوسرا جواب ہے کہ قضا، و کفارہ دونوں لازم ہیں جیسا کہ ظاہر ہے، اور طلوع صبح صادق کے بعد کے وقت کا وہی حکم ہے، جو طلوع آفتاب کے بعد کا حکم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

حکم انزال در صوم بدوانیدن اسپ

سوال (۱۸۱) ایک شخص کو بعض اوقات یہ بات پیش آتی ہے کہ جسوقت گھوڑے پر سوار ہو کر اس کو دوڑاتا ہے تو شرمگاہ حرکت کر کے منی کو ذکر خارج ہوتی ہے حسب اتفاق ایک روز ماہ رمضان میں روزہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر ایک جگہ جاتا تھا یہی واقعہ پیش آیا، اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو مطلع فرمائیے گا، کیا کفارہ ہوگا یا قضاء ؟

الجواب - اس[۵] پر نہ قضا ہے نہ کفارہ، بلکہ اس کا روزہ صحیح اور باقی ہے، فی الدر المختار او احتلم

[ع۵] افطار کو نفس شرب پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ نفس شرب کا حکم ضرورت و عدم ضرورت سے مختلف ہو سکتا ہے، مگر افطار میں کوئی ضرورت نہیں ہے اسلئے افطار میں مطلقاً کراہت ہونی چاہئے، الا اذا لم یکن ھناک مفطر ما آخر ۱۲ تصحیح الاغلاط، صفحہ ۳۱

[۵] احتیاطاً قضاء رکھ دینا چاہئے، اس جواب پر بھی بعض علمائے کلام کیا ہے، جو ملحقات تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۲۶ کے حوالے سے اسکے بعد سوال نمبر ۲۹ میں درج ہوا اور تصحیح الاغلاط صفحہ ۳۱ میں اس پر کلام کر کے احتیاطاً قضا کرنیکا حکم لکھا ہے ۱۲ محمد شفیع

او انزل بنظر او بفکر اھ قلت وھذا المسئول عنہ دونہ کما ھو ظاھر واللّٰہ اعلم وایضاً فی الدر المختار
او مس فرج بھیمۃ او قبلھا فانزل الیٰ قولہ لم یفطر اھ قلت وھذا المسئول عنہ دونہ ایضاً،
۸ا رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۱ ص ۱۷۸)

سوال (۱۸۲) شرمگاہ سے بوقت سواری اسپ حرکت کرکے منی نکلے، روزہ جاتا رہا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہ،

تسامح۔ در لفظ قلت وہذا المسئول دونہ،

اصلاح تسامح۔ از تجربہ معلوم ست کہ بوقت سواری فرج بسرج سودہ میشود بسبب حرکت اسپ از مزاج رقیق منی بدفق وشہوت ولذت بیروں می آید اغلب کہ مراد سائل ہمیں طور ست پس ازیں قاعدہ وعبادت رد المحتار روزہ آں شکستہ معلوم میشود قضاء ست کفارہ نیست، قولہ (او مس فرج بھیمۃ او قبلھا فانزل) وکذا لا یفسد صومہ بدون انزال بالاولیٰ ونقل فی البحر وکذا الزیلعی وغیرہ الاجماع علی عدم الافساد مع الانزال واستشکل فی الامداد بمسئلۃ الاستمناء بالکف قلت والفرق ان ھناک انزالاً مع مباشرۃ بالفرج وھنا بدونھا وعلیٰ ھذا فالاصل ان الجماع ، المفسد للصوم ھو الجماع صورۃ وھو ظاھر او معنی فقط وھو الانزال عن مباشرۃ بفرجہ لا فی فرج او فی فرج غیر مشتھی عادۃ او عن مباشرت بغیر فرجہ فی محل مشتھی عادۃ ففی الانزال بالکف او بتفخیذ او بتبطین وجدت المباشرۃ بفرجہ لا فی فرج وکذا الانزل بعمل المرأتین فانھا مباشرۃ فرج بفرج لا فی فرج وفی الانزال بوطی میتۃ او بھیمۃ وجدت المباشرۃ بفرجہ فی فرج غیر مشتھی عادۃ وفی غیر مشتھی عادۃ وفی انزال بمس اٰدمی او تقبیلہ وجدت المباشرۃ بغیر فرجہ فی محل مشتھی اما الانزال بمس او تقبیل بھیمۃ فانہ لم یوجد فیہ شیٔ من معنی الجماع نصار کالانزال بنظر او فکر فلذا لم یفسد الصوم اجماعاً ھذا ما ظھر لی من فیض الفتاح العلیم ۱۲ رد المحتار صفحہ ۱۶۱ جلد ۲، ظاہرست کہ در ما نحن فیہ مباشرت فرج لا فی فرج ثابت ست بانند استمناء بالکف او بالتفخیذ او بالتبطین چراکہ فرج بسرج مباشر شدہ بعدہ انزال شد روزہ فاسد بخلاف انزال بمس فرج بہیمہ وتقبیل آں، وانزال بسبب نظر وفکر کہ دراں فرج مباشر نیست پس ما نحن فیہ فوق شدنہ دوں آں، فتدبر، فانہ دقیق وانصف فان الانصاف خیراہ وصاف چونکہ خالی جزئی دستیاب نشد جناب مجیب مدظلہ و قدس سرہ دریں جواب نظر ثانی بامعان فرمایندکہ بندہ

را روایۃ ذیل رد المحتار در خوف وخشیت انداختہ ست کہ براندام لرزہ افتادہ است چہ امکان ست کہ امثال ما قیاس مسئلہ بر فتویٰ دہند واللہ تعالیٰ ہو المصوب والعاصم، القاضی اذا قاس مسئلۃ علی مسئلۃ وحکم ثم ظہر روایۃ بخلافہ فالخصومۃ للمدعی علیہ یوم القیامۃ مع القاضی والمدعی (الیٰ ان قال) لان احدا لیس من اہل الاجتہاد فی زماننا وبعض اذکیار خوارزم قاس المفتی علی القاضی (الیٰ ان قال) والکلام فی الخصومۃ فی الآخرۃ ولا شک ان کلا من المباشر والمتسبب ظالم آثم وللمظلوم الخصومۃ معہما ۱۲ رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۵۳، (تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۳۶)

حکم ادخال صائم چیزے را در گوش و بینی۔

سوال (۱۸۳) اے علماء دین ومفتیان شرع متین صائم رمضان کو سوراخ بینی وگوش یا آنکھ میں کوئی شے مائع مثل تیل یا عرق یا پانی وغیرہ کے یا کوئی چیز خشک مثل سفوف وغیرہ کے دوا ڈالنا اور سر میں تقویت دماغ کے لیے تیل یا کوئی عرق یا پانی وغیرہ ڈالنا اور پانی کے اندر حدث کرنا اور غوطہ لگانا اور غرارہ کرنا اور سر پر یا اور کہیں ضماد لگانا اور زخم عمیق میں سر پر ہو یا پیٹ میں یا اور کہیں مرہم یا عرق یا تیل وغیرہ دوا ڈالنا جائز ہے یا نہیں، اور بر تقدیر عدم جواز کے اگر کوئی صائم باوجود علم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً یا بلا علم عدم جواز کے عمداً یا خطاءً ان امور میں سے کسی امر کا مرتکب ہو تو اس پر کس صورت میں کفارہ کس صورت میں قضا اور کس صورت میں نہ کفارہ ہے نہ قضاء۔

الجواب۔ سوراخ بینی وگوش میں دوائی تر ڈالنا مفسد صوم ہے، اور کفارہ واجب نہیں، ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ افطر ولا کفارۃ علیہ (ہدایہ) اور خشک میں اگر وصول یقینی ہو تو مفسد ہے ورنہ لا کما بحثہ الشامی اور آنکھ میں کوئی دوا ڈالنا اور سر میں لگانا مفسد نہیں، ولا باس بالکحل ودہن الشارب (ہدایہ) اور پانی پہنچانا مواضع مذکورہ میں علی الاصح مفسد نہیں، ولو اقطر فی اذنہ الماء او دخلہ لا یفسد صومہ (ہدایہ) اور پانی میں حدث کرنے اور غوطہ لگانے سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ اگر پانی اندر پہونچ گیا تو فاسد ہو جائے گا، ولو بالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ فسد وہذا قلما یکون ولو کان فیورث داء عظیما (درمختار) اور کفارہ لازم نہ آوے گا، کما فی مسئلۃ الاحتقان فی الہدایہ، علیٰ ہذا القیاس غرغرہ کرنے میں اگر پانی حلق سے اتر گیا تو فاسد ہوگا ورنہ لا اور سر وغیرہ پر ضماد کرنا جائز ہے قیاساً علی العین ودہن الشارب اور اگر زخم سر وشکم اس قدر عمیق ہے کہ ام الدماغ یا جوف تک پہنچا ہو تو اس میں دوا ڈالنے سے روزہ جاتا رہے گا، بشرطیکہ وہ جوف یا دماغ میں پہونچ گئی ہو ولو داوی جائفۃ او آمۃ فوصل الی

ــــــــــ
ؔ یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۱۳۱ سے کی گئی ہے ۱۲۔

جوفہ او دماغہ افطر (ہدایہ) اور چونکہ دوائی تر میں ظاہر وصول ہو اس لئے اس میں افطار کا مطلقاً حکم دیا جاوے، الا ان یعلم عدم وصولہ الی الجوف والدماغ، او خشک کا حکم بالعکس ہوگا، اور باقی زخموں میں دوا ڈالنا مفسد نہیں خشک میں تفصیل مذکور ہے، اور صور مذکورہ میں سے جن میں روزہ فاسد نہیں ہوا انمیں نہ قضا ہے نہ کفارہ اور جن میں فاسد ہوگیا ہے ان میں قضاء ہے کفارہ نہیں اگر عمداً ہو خواہ علم مسئلہ کا ہو یا نہ ہو، لان الجہل لا یعتبر فی ضروریات الدین اور اگر ناسیاً ہو تو روزہ باقی رہتا ہے، کیونکہ جب اکل و شرب جو اکمل مفطرات اور موجب کفارہ ہیں وقت نسیان مفسد نہیں تو غیر اس کا بدرجۂ اولیٰ وقت نسیان مفسد نہ ہوگا۔ واللہ اعلم ۲۱ شوال ۱۳۲۰ھ (امداد جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)۔

کان میں قصداً پانی ڈالنا مفطر صوم ہے یا نہیں

سوال (۱۸۴) شرح وقایہ کی کتاب الصوم باب مایوجب الافساد میں لکھا ہے، او صب فی احلیلہ دھن او فی اذنہ ماءً الی قولہ لم یفطر، اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محل نور اللہ مرقدہٗ نے اس عبارت کی توجیہ یہ لکھی ہے، اما فی صب الدھن فی الاحلیل فلانہ لیس بین المثانۃ وبین الجوف منفذ یصل بہ الیہ حتیٰ یوجد المفطر، وفی صب الماء فی الاُذن لانہ لیس فیہ صلاح البدن بخلاف الدھن، میں نے عبارت مذکورہ کے مطالعہ سے یہ سمجھا تھا کہ صائم اگر قصداً کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل نہ ہوگا، پس دل کی تسلی کیلئے گزشتہ خط میں آپ سے عرض کیا تھا کہ روزہ دار اگر اپنے کان کے اندر پانی ڈالے تو روزہ باطل ہوگا یا نہ، آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قصداً ڈالنے سے روزہ باطل ہوگا، اب عرض کرتا ہوں کہ میری سمجھ غلط ہے، نہ آپ کی اور معتبر و مفتی بہ قول سے فرماتے ہیں تبلا دیجئے،

الجواب۔ اصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے تصحیح دونوں جانب ہے شاید میں نے احتیاط پر عمل اولیٰ سمجھ کر لکھدیا ہوگا، بہرحال دونوں طرف گنجائش ہے، ہدایہ و تبیین ومحیط وولوالجیہ میں عدم فساد کو ترجیح دی ہے اور خانیہ و بزازیہ و فتح و برہان میں فساد کو ترجیح دی ہے کذا فی ردالمحتار باب مایفسد الصوم و مالا یفسدہٗ، ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۶۳)

حکم جماع کردن صائم بوقت فجر بظن شب

سوال (۱۸۵) ایک شخص کی جاڑے کے رمضان میں شب کو بہ نیت صوم حجرہ کے اندر اپنی زوجہ کے پاس آنکھ کھلی، تو بخیال شب جماع کیا، باہر آن کر دیکھا تو صبح ہوگئی تھی، پس اُن دونوں نے اس خیال سے کہ روزہ صحیح نہیں ہوا پانی پی لیا، اس صورت میں ان دونوں پر کفارہ ہے یا صرف قضا، اور اسی صورت میں اگر وہ دونوں پانی نہ پیتے تو ان پر کفارہ تھا یا صرف قضا یا روزہ صحیح ہو جاتا،

الجواب۔ جب بظن شب جماع کیا اور بعد میں صبح طالع دیکھی یہ روزہ صحیح نہیں ہوا، لیکن تمام دن کھانا پینا نہ چاہیئے، اور کفارہ لازم نہ آئے گا واذا تسحر وھو یظن ان الفجر لم یطلع فاذا ھو قد طلع امسک بقیۃ یومہ ولا کفارۃ علیہ (ھدایہ) فی الدر المختار فی موجبات القضاء اوجامع علی ظن عدم الفجر، اور اگر دن میں پانی پی لیا، تارک تعظیم رمضان کا ہوا کفارہ لازم نہیں قضا، ہر صورت میں لازم ہے پانی خواہ پیا یا نہ پیا، واللہ اعلم ۱۳۰۴ھ (امداد، جلد ا صفحہ ۱۸۰)

حکم فرد برون آب در حلق بخطا

سوال (۱۸۶) اگر کوئی صائم رمضان دریا میں تیر رہا ہے، اور دھوکے سے بلا اختیار باوجود یاد روزہ کے یہ شخص کئی بار پانی پی گیا تو اس پر کفارہ ہے یا صرف قضاء،

الجواب، باوجود یاد ہونے روزہ کے بلا قصد جب پانی پی گیا تو یہ شخص محض مخطی ہے، اس پر قضاء ہے ولو کان مخطیا اومکرھا فعلیہ القضاء (ھدایہ) فی موجبات القضاء من الدر المختار او افطر خطاء بان تمضمض فسبقہ الماء واللہ اعلم (امداد ج ۱ ص ۱۸۱)

حکم رفتن آب در بینی بحالت استنشاق

سوال (۱۸۷) اگر کسی صائم رمضان کی ناک کی طرف سے حالت استنشاق میں باوجود یاد صوم کے خطاءً یا عمداً دماغ تک پانی پہونچ گیا، یا دماغ تک نہ پہنچا، مگر اتنی دور تک کہ اس کو بہت تکلیف ہوئی تو اس پر کس صورت میں کفارہ ہے، کس صورت میں قضاء، اور کس صورت میں نہ کفارہ نہ قضاء،

الجواب، ناک کی راہ سے پانی پہنچانے سے بروایت متون روزہ نہیں جاتا، قیاسا علی ادخالہ الاذن واللہ اعلم ۱۳۰۴ھ (امداد جلد ا صفحہ ۱۸۱)

تتمہ مسئلہ مذکورہ

از ملحقات تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ

اطلاع نمبر ۳، فتاویٰ امدادیہ مطبوعہ مجتبائی جلد اول صفحہ ۱۸۱ میں جو مسئلہ مذکور ہے کہ ناک کی راہ سے دماغ میں پانی پہنچانے سے روزہ نہیں جاتا آہ اس مسئلہ میں بعض وجوہ سے تردد ہو گیا، یعنی اگر ناک سے حلق میں پانی چلا آیا، تب تو روزہ فاسد ہو ہی جاوے گا، اس میں تردد نہیں صرف دماغ تک پہنچنے کی صورت میں تردد ہے، تحقیق کرلیں، بعض علماء نے شرح المجمع سے یہ عبارت نقل کر کے اطلاع دی ہے لو استنشق فوصل الماء الی دماغہ افطر ۱۲ شرنبلالی حاشیہ درر المکارم ص ۲۰۳ ناظرین اس کی بھی تحقیق علماء سے کرلیں، اشرف علی،

ف امداد الفتاویٰ طبع سابق میں اسجگہ چند اطلاعات مختلف ابواب کے متعلق لکھی ہیں اسباب کے متعلق ۳ کی اطلاع تھی وہ یہاں نقل کیگئی ۱۲ محمد شفیع

ف، اور انہی عالم نے یہ بھی لکھا ہے کہ در بعض مسائل فتاویٰ امدادیہ تسامح واقع ست، اگر جناب اجازت دہند بحضور فرستادہ آیند بعدہٗ بطور الحاق طبع کنانند تاکہ عوام در غلطی نہ افتند اھ میں نے اس کی اجازت ممنونیت کے ساتھ لکھدی ہے، اگر میرے پاس اس کی فہرست آگئی انشاء اللہ کسی موقع پر اس کی اشاعت کردوں گا، ورنہ ناظرین کی سہولت کیلئے میں ان کا پتہ لکھے دیتا ہوں، تاکہ اُن سے بطور خود تحقیق کریں اور بہتر یہ ہے کہ ان سے ان مقامات کا پتہ دریافت کر کے ایسے علماء سے بھی اطمینان کریں جن پر پہلے سے اطمینان ہے، پتہ اُن کا یہ ہے۔ مولوی محمد بخش صاحب ڈاکخانہ شہر چوٹی ضلع ڈیرہ غازی خاں، ملک پنجاب، وجہ اس مشورۂ اخیرہ کی یہ ہے کہ مجھ کو ان سے نیاز حاصل نہیں، اور نہ کافی حالات معلوم ہیں،

اشرف علی (تتمہ اولیٰ ص ۳۲۸)

تکملہ مضمون ف مندرجہ اطلاع نمبر ۳

اس ف کے تحت میں جس فہرست کا ذکر ہے، پھر وہ میرے پاس دوبارہ کر کے آگئی، ایک ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی[عہ۵] یہاں اس کو بعینہٖ نقل کئے دیتا ہوں جن صاحبوں کو اطمینان ہو جاوے فبہا ورنہ اطمینان کی جگہ سے تحقیق فرمالیں[عہ۵]، اشرف علی، ۵ رجب ۱۳۳۲ھ (ملحقات تتمہ اولیٰ ص ۳۳)

حکم یافتن برگ تنبول دردہن بوقت صبح

سوال (۱۸۸) بہت سے لوگ شب رمضان میں شب کو بہ نیت صوم پان کھا کر لیٹ گئے، اتفاق سے سب کو نیند آگئی، سب کے سب بدون کلی غرارہ کئے ہوئے پان منہ میں لیے ہوئے سو گئے، صبح کو جاگے تو کسی کے منھ میں کل پان اور کسی کے چنے سے زیادہ اور کسی کے منھ میں بقدر چنے کے اور کسی کے منھ میں بقدر ماش کے اور کسی کے منھ صرف ایک دو پتی باقی ہر اور کسی کے منھ میں کچھ بھی نہیں، لیکن شب کو کلی غرارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں کس کس کا روزہ صحیح ہوگا اور کس کس پر قضاء واجب ہے اور جس کا روزہ اگر صحیح نہیں ہوگا اس نے اگر افطار کر ڈالا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا اور جس کا روزہ صحیح ہوگا اگر اس نے لاعلمی سے افطار کر ڈالا تو اسپر کفارہ یا قضاء؟

الجواب۔ اگر سوتے وقت پان منھ میں لے کر سوئے اور صبح تک منھ میں رہا، روزہ جاتا رہیگا جس صورت میں پان منھ میں نہ پایا تو ظاہر ہے کہ نگل گیا، اور یہی کہا جاوے گا کہ بعد صبح کے نگلا ہے، لان الحادث یضاف الی اقرب الاوقات علی ما فی قواعد الفقہ، اور اگر پان سالم

عہ۵ پھر تیسری فہرست ۱۸ رجب ۱۳۳۲ھ کی لکھی ہوئی پہونچی ۱۲

عہ۵ یہ فہرست مسائل اس جلد دوم کے آخر میں طبع کردی گئی ہے اس کو دیکھ لیا جاوے ۱۲ محمد شفیع،

بھی پایا تب بھی غالب ہے، کہ اس کا عرق ضرور حلق میں گیا ہوگا، دلیل اس کی یہ ہے کہ حکماء و اطباء اصل السوس وغیرہ منہ میں ڈال کر سونے کو بتلاتے ہیں، اگر عرق نہیں پہونچتا تو اس سے کیا نفع جب وصول ثابت ہوگیا تو حالاتِ نوم میں افطار کرنے سے قضا لازم آتی ہے او شرب نائماً در مختار فی موجبات القضاء اور اگر سونے سے پہلے پان تھوک دیا اور غرغرہ نہیں کیا تو اگر منہ میں بقدر نخود یا زیادہ تھا اور سونے میں نگل گیا موجب قضا ہے، اور جو اس سے قلیل ہو مفسد نہیں ولو اکل لحما بین اسنانہ فان کان قلیلا لم یفطر وان کان کثیرا یفطر والفاصل مقدار الحمص وما دونہا قلیل ہدایہ اور افطار صحیح الصوم و فاسد الصوم کا گزر چکا، فتذکر البتہ باوجود صحت صوم کے افطار کر ڈالا، تو کفارہ و قضا ہر دو لازم ہیں، لان ظنہ لیس بمستند الیٰ دلیل شرعی واللہ اعلم۔
سنہ ۱۳۰۳ھ (امداد جلد ۱، ص ۱۸۱)

حکم بقائے سرخی تنبول در دہن

سوال (۱۸۹) ایک مولوی صاحب نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے جس سے عوام کو مشکل پڑ گئی وہ یہ کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے جس طرح ریشم کا تاگا بانٹنے والے کے ریشم منہ میں جانے سے اس کا رنگ تھوک میں آجاتا ہے، اگر حالت روزہ میں اس تھوک کو نگل جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، ایسے ہی پان کھانے والوں کا چونکہ باوجود منہ صاف کر لینے کے پھر بھی سرخی پان کی تھوک میں صبح آتی رہتی ہے، تو جو شخص پان کھانے والا تھوک کو باوجود صاف کر لینے منہ کے نگل جاویگا روزہ نہیں ہوگا، سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس پان کا قیاس ریشم کے مسئلہ پر کرنا صحیح ہے یا نہیں اگر صحیح ہے تو تمام عمر کے روزوں کا اعادہ سحری کے کھانے والوں پر لازم ہوگا یا نہیں، اگر یہ ہوگا تو جو لوگ تمباکو کھانے کے عادی بوجہ امراض کے ہیں ان کو سخت تکلیف ہوگی، روزہ صحیح ہونے کی کوئی صورت ہو باوجود تھوک نگل جانے کے تو تحریر فرمایا جاوے،

الجواب - تاگا بٹنے والے کا مسئلہ تو مقید ہے حالت صوم کے ساتھ یعنی اس نے روزہ کی حالت میں ایسا تاگا منہ میں تر کر کے باٹا، اور ریق میں اس کا رنگ آگیا اور اس کو کوئی نگل گیا، اور یہاں پان حالتِ روزہ میں نہیں کھایا جاتا، پہلا کھایا ہوا ہوتا ہے جس کا اثر خود روزہ میں بھی باوجود سعی ازالہ کے رہتا ہے جو اختیار سے خارج ہو، اور ایسے غیر اختیاری آثار مفسد صوم نہیں، خود حالت صوم میں دخول غبار یا ذباب یا دخان فی الحلق کو اسی بنا پر عذر کہا ہے، لعدم امکان التحرز عنہ اسی طرح کہا گیا ہے او بقی بلل فیہ بعد المضمضۃ وابتلعہ مع الریق کطعم ادویۃ ومص اہلیلج الخ کذا فی الدر المختار، ۷، رجب سنہ ۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۳)

حکم فسخ نیت صوم در شب

سوال (۱۹۰) کسی نے شب رمضان میں صوم رمضان کی نیت کی یا غیر رمضان میں شب کو یا دن کو صوم نفل کی نیت کی، اب وہ شب کو یا دن کو بعذر یا بلا عذر نیت

فسخ کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر نیت صوم کو شب کو یا دن کو بعذر یا بلاعذر فسخ کرکے افطار کرلیا، تو اس پر کفّارہ ہے یا صرف قضاء،

الجواب۔ فسخ نیت رات کو ممکن ہے کہ افطار کا عزم کرے، اور دن کو جب روزہ شروع ہوگیا اب فسخ لغو ہے، ولا یبطل بالمشیة (ای قولہ انشاء اللّٰہ) بل بالرجوع عنہا بان یعزم لیلاً علی الفطر ونیة الصائم الفطر لغو (در مختار) پس صوم رمضان میں اگر شب کو نیت کرکے فسخ کردی اور دن کو افطار کیا تو صرف قضا، لازم آوے گی ومن اصبح غیر ناو للصوم فاکل لاکفارة علیہ، اور اگر دن کو فسخ کرکے افطا کیا تو کفارہ لازم آوے گا، لما مر من ان نیة الصائم الفطر لغو، اور اگر غیر رمضان میں شب کو نیت فسخ کردی تو نہ قضا ہے نہ کفارہ، لما مر انہا تبطل بالرجوع لیلا اور دن کو فسخ کیا تو قضا، لازم آوے گی لانہا لغو کما مر اور صوم معین میں بلاعذر فسخ جائز نہیں، اور غیر معین الوقت میں جائز ہے، واللّٰہ اعلم ۱۳۰۴ھ (امداد جلد ا صفحہ ۱۸۲)

> حکم افطار غیر ناوی صوم

سوال (۱۹۱) جس شخص نے شب رمضان کو نہ نیت صوم کی کی، نہ عدم صوم کی، تو دن کو اسے کھانا پینا جائز ہے یا نہیں، اور اگر کچھ نہ کھایا پیا تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور اگر افطار کرلیا تو اس پر قضاء ہے یا کفارہ ؟

الجواب۔ اگر صائم رمضان نے قبل زوال تک نیت نہ کی تو روزہ اس کا صحیح نہیں ہوا، اگرچہ دن کو بھوکا پیاسا رہا لیکن کھانا پینا بوجہ حرمت وقت کے جائز نہیں، اور اگر کھالیا تو صرف قضا، لازم آوے گی، لما مران من اصبح غیر ناو الخ واللّٰہ اعلم ۱۳۰۳ھ (امداد جلد ا صفحہ ۱۸۲)

> حکم دادن کفارہ نماز میت بر بنی ہاشم

سوال (۱۹۲) فوت شدہ نمازوں کے کفارے کے مصرف میں ایک شبہ پیدا ہوا ہے کہ اگر مرحومہ وصیت کرجاتی تب تو ثلث مال سے اس کا نکالنا واجب ہوتا اور یہ کفارہ صدقہ واجبہ میں شمار ہو کر مثل زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر وکفارہ صوم ہاشمیوں کو نہ دینا چاہئے تھا۔ لیکن جبکہ وصیت نہ تھی تو یہ فعل تبرع ہوا اور یہ صدقہ نافلہ ہوا لہٰذا مثل دیگر صدقات نافلہ کے ہاشمیوں کو دینا جائز ہونا چاہئیے۔ میں نے اس مسئلہ کو تلاش کیا کہیں نہیں ملا۔ بہشتی زیور کی عبارت سے کہ "اگر کفارہ نکالیں تو اپنے فضل وکرم سے اس کو قبول فرمالیں اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ کفارہ تبرع ہے۔

الجواب۔ بالکل تبرع ہے اور اس کا مقتضا ظاہراً بیشک یہی ہے کہ بنی ہاشم کے لیے جائز ہو مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود فدیہ کے احکام لازمہ سے یہ ہے کہ بنی ہاشم اس کا مصرف نہ ہوں اور راز اس میں یہ ہے کہ گو یہ تبرع ہے مگر ملحق ہے واجب کے ساتھ بوجہ فدیہ ہونے

کے ورنہ اس میں اس اثر کی اُمید نہ ہوگی جو فدیہ میں ہے پس اس کی مثال نفل نماز کی ہوگئی کہ وضو وغیرہ اس کے لیے بھی شرط ہے اس کی نظیر فقہاء کے کلام میں یہ ہے کہ عقیقہ کے احکام مثل قربانی کے لکھے ہیں حالانکہ عقیقہ واجب نہیں بلکہ خود قربانی ہی اگر نفل ہو اس کے بھی وہی احکام و شرائط ہیں جو واجب کے ہیں غور فرمایا جائے۔ دوسرے علماء سے بھی مراجعت مناسب ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

ادائے کفارہ صوم میں تعیین سال کا اور صوم کفارہ میں تتابع ضروری ہے

سوال (۱۹۳) ایک شخص پر دو رمضان کے دو روزوں کے کفارے تھے چند سال ہوئے کہ اُس نے بلا تعیین اس سال کے کہ جس میں روزہ توڑا تھا، ایک روزہ کا کفارہ دیا تو یہ کفارہ کسی رمضان کا صحیح ہوا یا نہیں، اور کون سے رمضان کا ہوا، پہلے کا یا بعد کا، اب دوسرے رمضان کا کفارہ بتعیین سال اب دے رہا تھا، پندرہ روزے رکھے تھے کہ سولھویں روزے کو رات سے نیت کرنا بھول گیا، اور بعد از زوال یاد آیا کہ میں فلاں سال کے روزے کا کفارہ دے رہا ہوں اور آج نیت کرنا تمام شب مجھ کو یاد نہ آیا غرض وہ بھی روزہ پورا کیا، اور آیندہ روزہ رکھ رہا ہے تو اب یہ فرمایئے کہ جب ساٹھ روزے رکھ لیوے تو کفارہ پورا ہو جاویگا یا نہیں، کیونکہ کفارہ میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے کہ جو اس نے سہواً ترک کی، اور اگر اول کے روزے میں نیت شرط ہو تو معلوم نہیں، اور اگر اس کی بیوی نے حسب معمول روزمرہ کے خواب سے اس کو جگا کر کھانا سحر کا کھلایا ہو اور اس کو کھانا کھاتے میں روزے کا خیال نہ آیا یا قریب صبح کے پانی پینے کی ضرورت ہوئی اور اس نے بخیال اس کے کہ اب صبح ہوگئی ہوگی اس لئے پانی نہ پیا ہو مگر روزے کا خیال نہ آیا ہو تو بھی وہ کفارہ صحیح ہو جاوے گا یا نہیں اگر نہ ہوگا تو اس ایک روزے کی اگر قضا، ادا کرے تو صحیح ہوگا یا نہیں یا از سر نو ساٹھ روزے رکھے،

الجواب- فی الدر المختار والشرط للباقی من الصیام قران النیۃ للفجر ولو حکما وھو تبییت النیۃ للضرورۃ وتعیینھا آہ وفیہ ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیہ واحدۃ ولو فی رمضانین عند محمد وعلیہ الاعتماد فی رد المحتار قولہ وعلیہ الاعتماد ونقلہ فی البحر عن الاسرار ونقل قبلہ عن الجوھرۃ لو جامع فی رمضانین فعلیہ کفارتان وان لم یکفر للاولی فی ظاھر الروایۃ وھو الصحیح آہ قلت فقد اختلف الترجیح کما تری ویتقوی الثانی بانہ ظاھر الروایۃ آہ وفی الدر المختار باب الظھار والاصل نیۃ التعیین فی الجنس المتحد سببہ لغو وفی المختلف سببہ مفید وفی رد المحتار ولذا کان صوم رمضان من قبیل الاول والصلوٰۃ من الثانی

وکذا صوم یومین من رمضانین (ای ہومن قبیل المختلف السبب)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جب اوّل کفارہ میں اس نے سال کی تعیین نہیں کی تو کسی سال کا بھی کفارہ ادا نہیں[1] ہوا، اگر ایک کی تعیین کر لیتا تو اس کا ادا ہو جاتا، خواہ وہ اوّل ہوتا خواہ دوسرا، مگر دوسرا کفارہ بوجہ اس کے کہ درمیان میں ایک روزہ صحیح نہیں ہوا درست نہیں ہوا اب از سر نو دونوں روزوں کے کفارے ادا کرنا پڑیں گے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۳۰ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ ص۵۹ ج ۱)

تداخل کفارات صوم یعنی کئی روزوں کے لیے ایک کفارہ کافی ہے

سوال (۱۹۴) اوائل عمر میں مجھ سے کچھ روزے قصداً فوت ہوئے اور جہاں تک مجھے یاد ہے تخمیناً پندرہ یا بیس ہوں گے، اب اُن کی اگر قضاء کرنا چاہوں تو بموجب حکم شرع ہر روزہ کے عوض دو مہینے کے روزے چاہئے، اور تتابعین بھی شرط ہے، اس شرط پر عملدرآمد بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ نقاہت بوجہ قلت غذا کے فی الحال بہت ہے اور باوجود اس کے بھی دو چار برس تک برابر روزہ رکھوں تو غالباً بوجہ زیادتی نقاہت فرائض عبادات میں بھی قصور ہوگا اور علاوہ اس کے بہت سے حقوق ضائع ہوں گے، پس ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ قضا تو ان روزوں کی عدد میں برابر کرنا ظاہر ہے کہ ضروری ہے، یعنی بیس رہنے تھے تو بیس روزے رکھنا چاہئے، اب رہ گیا کفارہ بوجہ اس کے کہ روزوں کو عمداً توڑا ہے، یعنی جب کر شروع کر کے توڑ دیئے ہوں، تو اس میں اقوال مختلف ہیں، امام محمدؒ کے نزدیک دو رمضان یا زیادہ کے روزوں کے کفارہ میں بھی تداخل ہو جاتا ہے، کما فی الدر المختار، پس اگر حالت مذکورہ سوال میں اس قول پر عمل کر لیا جاوے جائز ہے، پس اس بناء پر ساٹھ روزے علی التواتر کفارہ کی نیت سے رکھنا واجب ہوگا اس سے کسی طرح مفر نہیں، اور اگر شروع کر کے نہیں توڑے بلکہ سرے سے نیت ہی نہیں کی تو صرف برابر سرابر قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں۔ فقط ۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۰)

تحقیق وتفصیل تداخل کفارات صوم

سوال (۱۹۵) ایک رمضان کے چار پانچ روزوں کی طرف سے ایک کفارہ (یعنی ساٹھ روزے) کافی ہے یا نہ اگر کافی ہے تو اُس کے کافی ہونے میں یہ شرط بھی ہے کہ سب روزے ایک ہی سبب سے ٹوٹے ہوں یا یہ شرط نہیں۔؟

الجواب۔ سوال آئندہ کے جواب میں اس کا جواب بھی آجاویگا۔ ۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ

---

[1] یہ حکم جب ہے کہ روزہ جماع سے ٹوٹا ہو۔ اگر غیر جماع سے ٹوٹا تو قول راجح پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ لہذا تعیین کی ضرورت نہ رہی اور دونوں سالوں کا کفارہ ادا ہوگیا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

سوال ۲: بہشتی زیور حصہ سوم میں مرقوم ہے۔ مسئلہ اگر ایک ہی رمضان کے دو تین روزے توڑ ڈالے تو ایک ہی کفارہ واجب ہے البتہ اگر یہ دونوں روزے ایک رمضان کے نہ ہوں تو الگ الگ کفارہ دینا پڑے گا۔ انتہی۔ اس مسئلہ سے مطلقاً معلوم ہوتا ہے کہ خواہ کوئی بھی سبب سے کئی ایک روزے گئے ہوں ایک کفارہ کافی ہے اور کسی سبب کی تحقیق نہیں بشرطیکہ ایک رمضان کے ہوں، بہشتی گوہر میں تتمہ حصہ سوم بہشتی زیور میں مذکور ہے۔ مسئلہ سوائے جماع کے اور کسی سبب سے اگر کفارہ واجب ہوا ہو اور ایک کفارہ ادا نہ کرنے پایا ہو کہ دوسرا واجب ہو جائے تو ان دونوں کے لیے ایک ہی کفارہ کافی ہے اگرچہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں ہاں جماع کے سبب سے جو روزے فاسد ہوئے ہوں ہر ایک کا کفارہ علیحدہ رکھنا ہوگا اگرچہ پہلا کفارہ ادا نہ کیا ہو انتہی، اس مسئلے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزے بسبب جماع کے گئے ہوں تو ایک کفارہ کافی نہیں اگرچہ ایک رمضان کے ہوں اور اگر سوا جماع کے دوسرے سبب سے کفارہ واجب ہوا ہو تو ایک کفارہ کافی ہے اگرچہ دو رمضان کے ہوں پس مثلاً اگر کسی شخص کے دو رمضان کے ملا کر پانچ روزے کسی اور سبب سے سوا جماع کے گئے تو مطابق مسئلہ اولیٰ کے ایک کفارہ کافی ہے اور مطابق مسئلہ ثانیہ کے پانچ کفارے رکھنا پڑیں گے پس کون سی بات ٹھیک ہے۔[۵]

---

[۵] **حاشیہ بہشتی گوہر**:- از مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہٗ ——— اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک یہ کہ قبل کفارہ مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے۔ دوم یہ کہ ایک رمضان میں مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے اور دو رمضان میں مطلقاً نہیں ہو سکتا۔ سوم یہ کہ کفارہ جماع میں مطلقاً تداخل نہیں ہو سکتا اور کفارہ غیر جماع میں مطلقاً تداخل ہو سکتا ہے۔ بہشتی زیور میں مسلک دوم کو اختیار کیا ہے اور بہشتی گوہر میں مسلک سوم کو۔ یہ اختلاف رائے مولوی احمد علی صاحب مؤلف بہشتی زیور و مولوی عبدالشکور صاحب علم فقہ کا ہے اور حضرت مولانا مرحوم و مغفور نے تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص۳۷ میں ایک سوال کے جواب مسئلہ بہشتی زیور کو غیر معلوم السند اور مسئلہ بہشتی گوہر کو مستند والی الدر المختار و رد المحتار خیال فرمایا ہے اور ہم نے اسکی اصلاح میں ثابت کیا ہے کہ مسئلہ بہشتی زیور ماخوذ از در المختار ہے اور وہی ان کے نزدیک راجح ہے من شاء التفصیل فلیرجع الی اصلاحاتنا المتعلقہ بالتتمۃ المذکور ۱۲ تصحیح الاغلاط۔ پھر بعد میں بہشتی گوہر کے مسلک پر بھی ترمیم کر دی گئی، اب حاصل مسئلہ کا یہ ہے کہ غیر جماع میں تو مطلقاً تداخل جائز ہو سکتا ہے اور جماع میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہو سکتے ہیں دو رمضان کے نہیں کیونکہ جماع مطلقاً تداخل نہ ہونا خلاف ظاہر روایت ہے کما یظہر من الشامیۃ ومراقی الفلاح ظیراجع۔ خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر روایت میں ایک رمضان کے کفارات متداخل ہو سکتے ہیں جب ہنوز کوئی کفارہ ادا نہ کیا ہو دو رمضان کے متداخل نہیں ہو سکتے اور اسمیں جماع غیر جماع سب برابر ہیں مگر ہم نے غیر جماع میں قول صحیح و معتمد کو لے لیا ہے ۱۲ ظفر احمد

الجواب - بہشتی زیور کی سند میں تو اس وقت کوئی روایت نہیں ملی، مولوی احمد علی صاحب مرحوم نے معلوم نہیں وہ مسئلہ کہاں سے لکھا، البتہ بہشتی گوہر کے موافق روایت درمختار ورد المحتار میں موجود ہے لیکن اوّل مسئلہ تو بلا اختلاف اور دوسرا با ختلاف - فقط

عدم وجوب تقدیم قضاء بر کفارہ

سوال (۱۹۶) جناب نے قضا روزوں کی بابت تحریر فرما دیا تھا کہ سب روزوں کا کفارہ ساٹھ روزے ہوں گے، اب یہ عرض ہے کہ قضا روزے پہلے رکھے جاویں یا کفارہ کے روزے پہلے رکھے جاویں - ؟

الجواب - فی رد المحتار تحت قول الدر المختار قضی وکفر مانصہ وانما قدم القضاء اشعاراً بانہ ینبغی ان یقدمہ علی الکفارۃ الخ ج ۲ صفحہ ۱۶۹ اس روایت سے معلوم ہوا کہ زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ قضا روزے اوّل رکھے جاویں، لیکن اگر کفارہ کے روزے اوّل رکھ لے تب بھی جائز ہے، ۹ ر ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۸)

طاعونی ٹیکہ مفطر صوم نہیں

سوال (۱۹۷) چند جراثیم طاعونی کو بکری یا بھیڑی کی یخنی یا دودھ وغیرہ سیال شے میں ڈال دیتے ہیں جہاں وہ اپنی نسلیں بڑھا لیتے ہیں، پھر اس سیال سے ایک ایسا عرق تیار کرتے ہیں جس میں جراثیم طاعون کی خفیف زہریلی تاثیر موجود ہوتی ہے، اب اس مادۂ مذکور میں سے ذرا سا لیکر بذریعہ جلدی پچکاری ایک خرگوش یا چوہے وغیرہ کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں، جس سے اس چوہے یا خرگوش میں علامات مرض طاعون ظاہر ہو جاتے ہیں، اور جب اس کو افاقہ ہو جاتا ہے تو پھر اور تھوڑا سا مادۂ مذکور اس کے جسم میں داخل کرتے ہیں، اس دفعہ علامات طاعون بہ نسبت اوّل کے خفیف ہوتے ہیں، اسیطرح مادۂ مذکور کو چند بار داخل جسم کرنے سے اُس خرگوش یا چوہے کی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ پھر تھوڑی مقدار مادۂ مذکور سے اس میں علامات طاعون پیدا ہی نہیں ہوتے، کیوں کہ اس کا خون مادۂ مذکور کی سمیت سے ایسا متاثر ہو جاتا ہے کہ پھر اس قسم کی ذراسی سمیت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوتا، اب اس خرگوش یا چوہے کے خون سے سیرم مائیت خون لیکر بذریعہ جلدی پچکاری کسی تندرست آدمی کے جسم میں داخل کرتے ہیں تو اس سے خفیف علامات پیدا ہوں گے، جن سے وہ جلد شفایاب ہو گا اور پھر اسی مرض طاعون میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ رہے گا، اور اگر مبتلا ہو بھی جاوے تو اس سے خفیف قسم کا طاعون ہو گا مہلک نہ ہو گا؛ اور اس کی تاثیر چھ ماہ تک رہتی ہے، چھ ماہ بعد ضرورت ہو تو دوبارہ ٹیکہ لگا لینا چاہیئے،

بہرحال اس مفصل حالت اور کیفیت لکھنے سے میرا اصل منشا، اور غرض جو باعث ہیں اس عریضہ ارسال کرنے کی یہ ہے کہ صائم کو اس ٹیکہ لگانے سے روزے میں تو کوئی خلل نہیں ہے یا اس سے روزہ جاتا رہتا ہے بر تقدیر چلے جانے کے قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم آوے گا یا نہیں، اس کا لحاظ رہے کہ طاعونی ٹیکہ از قسم تداوی ہے اور بائیں ہاتھ کے بازو پر لگایا جاتا ہے، پچکاری کی نوک جو ہے کی ہے اور لمبی ——— اِس لکیر کے برابر ہوتی ہے سب کی سب جسم میں داخل کردی جاتی ہے جس کا اثر تمام رگ رگ میں اور دماغ وغیرہ میں ہوتا ہے، یہ ایک فتویٰ کی شکل کا عریضہ خدمت اقدس میں ابلاغ ہے،

الجواب۔ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ تداوی بالنجس ہے اس لیے مختلف فیہ ہے،

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۲)

روزہ میں منہ میں دوا رکھنے کا حکم

سوال (۱۹۸) اگر کسی شخص کے دانت میں درد ہو اس کے دفعیہ کے لیے کوئی دوا استعمال کریں بایں طور کہ وہ دوا حلق کے اندر نہ جائے یا پان کھانے والا پان گلوری منہ میں رکھ کر چبائے اور لعاب اندر نہ جانے دے، یا نسوار (یعنی ناس) جو تمباکو پیسکر بناتے ہیں، اور پنجاب کے لوگ، اکثر منہ میں ڈالتے ہیں اور بعض لوگ ناک سے سونگھتے ہیں اس کو یعنی نسوار کو صرف منہ میں رکھ کر عادت پوری کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں — جواب مدلل عنایت فرمائیے، بینوا توجروا، ؟

الجواب۔ فی در المختار وکرہ لہ ذوق شئی وکذا لمضغ بلا عذر قید فیھما اہ ثم عد عذرا مست الیھا الحاجۃ فی الحال ککون المزوج شئی الخلق وخوف الغبن فی الشراء، اس سے معلوم ہوا کہ صور مسئول عنہا سب مکروہ ہیں لاسیما قد یاالکراہۃ الحدیث من قولہ علیہ السلام افطر الحاجم والمحجوم وقولہ علیہ السلام من رتع حول الحمی اوشک ان یقع فیہ —

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۵)

قے کو مفطر صوم جان کر پھر قصداً کھانے سے کفارہ وقضاء کا حکم

سوال (۱۹۹) ایک بیمار شخص رمضان شریف کا روزہ دار تھا، صبح اس پر قے غالب ہوئی اور اس نے منہ بھر قے کی، پھر تشنگی غالب ہوئی مگر بخوف روزہ فاسد ہو جانے کے کچھ دوا نہیں پی، کیونکہ وہ شخص جانتا تھا، کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا مگر ایک دوسرے آدمی سے یہ خیال صحیح کرنے کے لیے بعد نماز جمعہ پوچھا کہ قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں تو اس آدمی نے کہا کہ قے ہونے سے روزہ

جاتا رہا، اگر تکلیف ہے تو افطار کرلو، چنانچہ اس بیمار نے بعد نماز جمعہ دوا دافع تشنگی پی لی، بعد ازاں معلوم ہوا کہ قے ہونے سے روزہ نہیں جاتا، پس اس صورت میں اس روزہ کی قضا رکھنا پڑے گی یا دونوں یعنی کفارہ وقضا ادا کرنا پڑیں گے، اور بیمار مذکور کا افطار کرنا قصداً سمجھا جائے گا یا غلطی سے، اگر قصداً ہے تو قضا و کفارہ دونوں دینے پڑیں گے، اور اگر مغالطہ سے ہے تو قضا و کفارہ کچھ نہیں ہونا چاہیئے، مالابد منہ فارسی کے میں لکھا ہے کہ اگر دوا یا غذا قصداً خورد کفارہ واجب بود مگر محشی صاحب خزانۃ المفتین وعالمگیری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ایں سخن وقتے ست کہ دوا و غذا برائے اصلاح بدن وبدل ما یتحلل مقرر بودہ باشد یعنی اوراز جنس دوا وغذا قرار دادہ باشند والا کفارہ لازم نیاید آرے قضا واجب شود کذا فی خزانۃ المفتین ہکذا فی العالمگیریۃ،

۲- کفارہ روزہ رمضان کا کیا قاعدہ ہے، اس کی مقدار کیا ہے، فقط،

الجواب - عامی کا فتویٰ مورث شبہ شرعاً نہیں لہٰذا یہ افطار متعمداً سمجھا جائے گا، پس اگر تشنگی قابل برداشت تھی تو افطار سے قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں فی الدر المختار اذا احتجم فظن فطرہ بہ فاکل عمداً قضیٰ وکفر لانہ ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاہ مفت یعتمد علی قولہ الی قولہ لم یکفر للشبہۃ، فی رد المحتار ویشترط ان یکون المفتی ممن یوخذ منہ الفقہ ویعتمد علی فتواہ فی البلدۃ، جلد ۲، صـ ۱۲۴،

۲- کفارہ کے ساٹھ روزے متواتر رکھے، فقط، ۸ رمضان ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ صـ ۹۶)

بخور کا مفسد صوم ہونا،

سوال (۲۰۰) ما قولکم ایہا العلماء الکرام دام فضلکم، طحطاوی حواشی مراقی الفلاح میں ہے فی سکب الانہر لو وجد بدا من تعاطی ما یدخل غبارہ فی حلقہ افسد لو فعل اھ ویدل علیہ التعلیل بعدم امکان الاحتراز انتہیٰ، اور محقق ابن عابدین شامی حواشی درمختار میں لکھتے ہیں، اذا وجد بداً من تعاطی ما یدخل غبارہ فی حلقہ افسد لو فعل شرنبلالیہ انتہیٰ، ان دونوں عبارت وامثال ذلک سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر روزہ دار کو ایسے فعل سے بچنا اور احتراز کرنا بدون نقصان وحرج کے ممکن ہو جو اس کے حلق میں غبار یا دخان کے داخل ہونے کا باعث ہو، باوجود اس کے اس فعل کو کرے تو روزہ فاسد ہوگا، تب رمضان شریف کے دن مجلس سوم یا چہارم اموات یا محفل میلاد شریف وغیرہ قریب مجمع واثنار حلقہ روزہ داران لوبان جلانا، اگر کی بتی سلگانا جو ضروری امر نہیں ہے، بغیر اس کے بھی بذریعہ چھڑکنے عرق گلاب وغیرہ اور تقسیم عطر کے حاضرین میں یا حلقہ روزہ داران سے کسی قدر دوری وفصل پر لوبان بتی اگر کی جلانے سے انتشار خوشبو کا ان مجالس میں ممکن ہے،

خواہ مخواہ باشارہ وقریب مجمع روزہ داران لوبان یا بتی اگر کی جلانا اور اس کے گرد اگرد وقریب ایسے موقع سے روزہ داران کا بیٹھنا جس سے دھواں حلق ودماغ میں ان لوگوں کے یقینی اور ضروری پہنچا رہے بوجہ ارتکاب فعل موجب داخل ہونے دخان کے حلق ودماغ میں باوصف چارہ وامکان احتراز کے اور نہ ہونے کسی مجبوری ولاچاری کے بمضمون عبارت افسد لو فعل موجب فساد صوم ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا ؟

الجواب - قیود مذکورۂ سوال کے ساتھ یہ بخور مفسد صوم وموجب قضا ہوگا، فی الدر المختار او دخل حلقہ غبار او ذباب او دخان ولو ذاکرا استحسانا لعدم امکان التحرز عنہ ومفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان ولو عودا او عنبرا لو ذاکرا لامکان التحرز عنہ فلیتنبہ لہ کما بسطہ الشرنبلالی فی رد المحتار قولہ لو ادخل حلقہ الدخان ای بای صورۃ کان الادخال حتی لو تبخر ببخور فآواہ الی نفسہ واشمہ ذاکرا لصومہ افطر لامکان التحرز عنہ وھذا مما یغفل عنہ کثیر من الناس ولا یتوھم انہ کشم الورد وماۂ والمسک لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسک وشبھہ وبین جوھر دخان وصل الی جوفہ بفعلہ امداد ۔

دب علم حکم شرب الدخان، الخ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۷)

عمل بر تخمین در تعداد صیام فاسدہ

سوال (۲۰۱) اگر کسی شخص کے دو تین سال کے رمضان کے چند روزے گئے، لیکن سال یاد نہیں کہ کس کس سال کے رمضان کے گئے ہیں، مگر غالب گمان سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سال کے رمضانوں کے روزے گئے ہیں، لیکن کسی رمضان میں تو بعض روزے بسبب جماع کے گئے ہیں، اور بعض کسی دوسرے سبب سے گئے ہیں جس سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور کسی رمضان میں صرف قضا والے روزے گئے ہیں، مگر پورے طور سے یاد نہیں کہ اس رمضان میں کفارے والا روزہ نہ گیا ہے، اور یہ بھی یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے گئے ہیں، مگر اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانچ یا چھ روزے گئے ہوں گے، اور یہ یاد نہیں کہ ہر رمضان میں کتنے روزے بسبب جماع کے گئے ہیں، اور کتنے روزے دوسرے سبب سے گئے ہیں، یعنی اسی سبب سے جس سے صرف قضا واجب ہے، تو اب ان روزوں کی قضا وکفارہ کس طرح ادا کرے، اور نیت بھی کس طرح کرے ؟

الجواب - غالب تخمینہ پر عمل کرے، احتیاط کے لیے دو چار اور بڑھا دے اور نیت

میں اوّل صوم واجب کہہ لینا کافی ہے، ۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۳۵)

وجہ نہ بودن غیبت باوجود مفطر بودن زنا حالانکہ غیبت اشد من الزنا ست

سوال (۲۰۲) کنز الدقائق میں آیا ہے کہ ومن جامع اوجومع او اکل او شرب غذاءً اودواءً عمداً قضی وکفر، اور حدیث شریف میں آیا ہے وعن ابی سعید وجابر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیبۃ اشد من الزنا الخ جب زنا سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو غیبت سے بدرجہ اولیٰ ٹوٹنا چاہیئے، اس وجہ سے کہ یہ اس سے زیادہ سخت ہے،

الجواب۔ اشد ہونے سے مفطر ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ اشدیت باعتبار گناہ کے ہے، نہ باعتبار منافات رکن صوم کے، بخلاف اکل وشرب وجماع کے کہ منافی ہے، رکن صوم یعنی امساک عن المفطرات الثلث کے غایت یہ کہ وہ صوم بسبب اقتران گناہ کے قابل قبول نہ ہو، لیکن عدم قبول سے عدم صحت لازم نہیں، جس طرح اسبال ازار سے نماز قبول نہیں ہوتی، لیکن صحیح ہو جاتی ہے، اور یہ اشدیت بھی من کل الوجوہ نہیں بلکہ خود حدیث میں وہ وجہ خاص آئی ہے کہ زنا توبہ سے معاف ہوتا ہے، اور غیبت بدون عفو مغتاب کے معاف نہیں ہوتی،

۱۶ر رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۴)

حکم تبرد در صوم برائے دفع تشنگی

سوال (۲۰۳) درحالت صوم از شدت تشنگی برائے تفریح وتبرید غسل کردن جائزست یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار لاتکرہ حجامۃ وتلفف بثوب مبتل ومضمضۃ او استنشاق او اغتسال للتبرد عند الثانی وبہ یفتی فی رد المحتار قولہ وبہ یفتی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صب علی رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر رواہ ابو داؤد وکان ابن عمرؓ یبل الثوب ویلفہ علیہ وھو صائم ولان ھذہ الاشیاء بعاون علی العبادۃ ودفع الضجر الطبیعی وکرھھا ابو حنیفۃ رح لما فیھا من اظہار الضجر فی العبادۃ کما فی البرھان امداد ج ۲ ص۱۸۳، ازیں روایت معلوم شد کہ اگر غسل کردن بدیں طور است کہ ازو اظہار بے صبری می شود کراہت دارد و اگر بطور تسہیل عبادت واستعانت برو باشد غیر مکروہ است وھو وجہ التوفیق بین قول الامام والثانی،

۱۲ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص۷۶)

حکم مسواک تازہ در صوم

سوال (۲۰۴) روزہ میں نیم کی ہری مسواک کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب - جائز ہے لما فی الدر المختار ولا سواک ولو عشیا او رطبا بالماء علی المذهب فی رد المحتار اما الرطب الاخضر فلا بأس به اتفاقا کذا فی الخلاصة، نہر ص ۱۸۳ ج ۲، ۳ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۷)

حکم مالیدن دوا دمنجن وغیرہ بر دندان در صوم

سوال (۲۰۵) بہشتی زیور کے حصہ ۳ صفحہ ۱۵ پر روزہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں لکھا ہے۔

مسئلہ - کوئلہ چبا کر دانت مانجنا اور منجن سے دانت مانجنا مکروہ ہے، اور اگر اس میں سے کچھ حلق میں اتر جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا، امسال ایک شخص نے اس پر بہت اعتراض کیا اور یہ کہا کہ جب تک حلق کے اندر نہ جائے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اور یہ بات بالکل غلط ہے، اور یہ اردو کے رسائل ہیں ان کا کیا اعتبار، بلکہ یہاں تک زیادتی کی کہ اگر کوئلہ یا منجن سے دانت مانجنے سے روزہ مکروہ ہوگا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، اور اس شخص کی وجہ سے چند آدمیوں نے امسال تمام رمضان بھر کوئلہ اور منجن سے دانت مانجے، بلکہ مجھکو نیز دوسرے خداموں کو خوب جتا جتا کر دانت مانجے، اگر کوئی روایت فقہ کی اس کے ثبوت میں تحریر فرما دی جاوے تو کیا عجب ہے کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو جاوے، اور اگر ان لوگوں کی اصلاح نہ ہوئی یعنی انھوں نے نہ مانا جیسا کہ اس زمانہ میں تجربہ ہو رہا ہے، تو کم از کم اتنا نفع تو ضرور ہوگا کہ اپنے آدمیوں کو زیادہ تقویت ہو جاوے گی،

الجواب - فی الدر المختار او ذاق شیئا بفمه وان کره لم یفطر فی رد المحتار قوله ان کره ای الا لعذر کما یاتی ط ج ۲، ص ۱۶۲ ثم قال فی الدر المختار وکره له ذوق شیء وکذا مضغه بلا عذر قید فیهما قال العینی ککون زوجها او سیدها سیئ الخلق فذاقت وفی کراهة الذوق عند الشراء قولان ووفق فی النهر بانه ان وجد بدا ولم یخف غبنا کره والا لا الی قوله وکره مضغ علک ابیض ممضوغ والا فیفطر فی رد المحتار قوله ابیض قیده بذلک لان الاسود وغیر الممضوغ وغیر الملتئم یصل منه شیء الی الجوف الی قوله فان کان مما یصل عادة حکم بالفساد لانه کالمتیقن ج ۲ ص ۱۸۰، ان روایات سے واضح ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے، اور اگر عادۃً جوف کے اندر پہونچ جاوے تو مفسد صوم ہے، ۲ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

(تتمہ ثالثہ صفحہ ۹۶)

حکم خوردن علانیہ در رمضان برائے معذور فطر

سوال (۲۰۶) رمضان میں جو بیمار ہو یا حائضہ اس کو روزہ داروں کے روبرو پان یا روٹی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی النہایۃ قیل تاکل الحائض سراً وقیل ھی والمسافر والمریض جہراً، جامع الرموز ج ۱ ص ۱۶۳، اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہو کر کھاوے، ۲۰ رذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۰۹)

مکروہ نبودن روزہ از بودن دندان مصنوعی در دہن

سوال (۲۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے دانت ٹوٹ گئے ہیں وہ مصنوعی دانت ہر وقت اپنے منہ میں لگائے رہتا ہے، دانتوں کی ساخت میں سنگِ مرمر اور ربڑ ہے، یعنی ان ہی دو چیزوں سے مصنوعی دانت بنے ہیں نہ اُن میں بو ہے نہ مزہ، نہ ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز پانی میں حل ہونے والی ہے، اب وہ شخص روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر روزہ کیحالت میں یہ مصنوعی دانت مُنہ میں رہیں تو روزہ مکروہ تو نہ ہوگا، جواب باصواب سے اطلاع دیجئے۔

الجواب۔ مکروہ نہ ہوگا، ۱۸ رشعبان ۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۲)

حکم وجوب کفارہ بر افطار کردن قبل الغروب بسبب رویت ہلال قبل از غروب

سوال (۲۰۸) گزشتہ رمضان روز جمعرات سے شروع ہو کر تیس تاریخ جمعہ کو ختم ہونے کے بعد سنیچر کی رات کو چاند عید الفطر کا نظر آیا، اور تمام ہندوستان میں شنبہ کو عید کی، مگر کہیں اتفاق سے ایسا ہو گیا کہ بوجہ جہل یا نادانی کے جمعہ کو دوپہر کے بعد یا اُس سے پہلے ہی ہو چاند نظر آنے پر دن ہی کو یعنی تیس تاریخ میں افطار کر دیا، تو اس صورت میں اُن پر فقط قضا آوے گی یا کفارہ بھی دینا پڑے گا، عبارت کتب معتبرہ جواب میں تحریر فرما کر مشرف فرماویں، اور دوپہر سے پہلے اور بعد دیکھنے سے دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا کچھ فرق ہے، اگر فرق ہے تو کیا،

الجواب۔ فی الدر المختار ورؤیتہ بالنہار للیلۃ الآتیۃ مطلقاً علی المذہب ذکرہ الحدادی فی رد المحتار مطلقاً ای سواء رُوی قبل الزوال او بعدہ وقولہ علی المذہب ای الذی ھو قول ابی حنیفۃ ومحمد قال فی البدائع فلا یکون ذٰلک الیوم من رمضان عندھما قال ابو یوسف ان کان بعد الزوال فکذلک وان کان قبلہ فھو للیلۃ الماضیۃ ویکون الیوم من رمضان وعلی ھذا الخلاف ہلال شوال فعندھما یکون للمستقبلۃ مطلقاً ویکون الیوم من رمضان وعندہ لو قبل الزوال یکون للماضیۃ ویکون الیوم

یوم الفطر الخ وبعد نحو نصف صفحۃ لان الخلاف علی ما صرح بہ فی البدائع والفتح
انما ھو فی رؤیتہ یوم الشک وھو یوم الثلاثین من شعبان او من رمضان فاذا کان یوم
الجمعۃ المذکور یوم الثلاثین من الشھر ورؤی فیہ الھلال نھاراً فعند ابی یوسف
ذلک الیوم اول الشھر (ای بالقید المذکور) وعندھما لا عبرۃ لھذہ الرؤیۃ ویکون
اول الشھر یوم السبت سواء وجدت ھذہ الرؤیۃ اولا الخ ج ۲ ص ۵۲، ۵۳ وفی الدر المختار
او احتجم فظن فطرہ بہ فاکل عمداً قضی وکفر لانہ ظن فی غیر محلہ حتی لو افتاہ مفت یعتمد
علی قولہ او سمع حدیثا ولم یعلم تاویلہ لم یکفر للشبھۃ وان اخطأ المفتی ولم یثبت
الاثر الا فی الادھان وکذا الغیبۃ عند العامۃ زیلعی لکن جعلھا فی الملتقی کالحجامۃ
ورجحہ فی البحر للشبھۃ فی رد المحتار قولہ یعتمد علی قولہ ولیشترط ان یکون المفتی ممن
یوخذ منہ الفقہ و یعتمد علی فتواہ فی البلدۃ وحینئذ یصیر فتواہ شبھۃ ولا معتبر بغیرہ
اھ وبہ یظھر ان یعتمد مبنی للمجھول فلا یکفی اعتماد المستفتی وحدہ فافھم قولھم
وکذا الغیبۃ لان الفطر بھا یخالف القیاس والحدیث وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم
ثلاث تفطر الصائم مؤول بالاجماع بذھاب الثواب بخلاف حدیث الحجامۃ فان
بعض العلماء اخذ بظاھرہ مثل الاوزاعی واحمد امداد ولم یعتد بخلاف الظاھریۃ
فی الغیبۃ لانہ حدیث بعد ما مضی السلف علی تاویلہ بما قلنا فتح وفی الخانیۃ
قال بعضھم ھذا او الحجامۃ سواء وعامۃ المشائخ قالوا علیہ الکفارۃ علی کل حال لان
العلماء اجمعوا علی ترک العمل بظاھر الحدیث وقالوا المراد بہ ثواب الآخرۃ ولیس
فی ھذا قول معتبر فھذا ظن ما استند الی دلیل فلا یورث شبھۃ اھ ج ۲، صفحہ ۱۵۵، ۱۴۶
ان روایات سے مستفاد ہوا کہ زوال کے بعد جو ۳۰ تاریخ کو چاند نظر آیا وہ بالاجماع آئندہ شب کا ہے
اور کسی کے نزدیک وہ دن یکم شوال نہیں ہے، پس نہ تو کوئی کسی عالم کا مذہب ہے، اور نہ حدیث
صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ کے کسی کے نزدیک یہ معنی ہیں، پس یہ فعل نہ کسی حدیث کی طرف مستند
ہوا نہ کسی فتویٰ کی طرف، پس کوئی ایسی دلیل شرعی اس کے لیے نہیں پائی گئی جس سے شبہ معتبرہ
پیدا ہو اس لیے ان لوگوں پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں، البتہ اگر قبل زوال چاند نظر آتا تو اس
میں یہ تفصیل ہوتی کہ اگر افطار حدیث موصوف کی بنا پر ہوتا تو یہی حکم ہوتا، کیونکہ حدیث کے یہ معنی
کسی کے نزدیک نہیں، اور اگر ابو یوسف رح کے قول پر ہوتا تو اگر اس قول کی اطلاع مفطر کو ہوتی

یا کوئی معتبر مفتی اس کا فتویٰ دیتا، تو صرف قضا لازم آتی، اور اگر یہ دونوں امر بھی نہ ہوتے تب بھی قضا و کفارہ دونوں لازم آتے، اگرچہ وہ فعل ابو یوسف کے موافق ہوتا، کیونکہ اس شخص کے شبہ کی تو کوئی وجہ نہ تھی، ۸؍ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص۱۶۲)

جو شخص تمام عمر سفر میں رہے وہ قضا کرے یا نہیں

سوال (۲۰۹) ایک شخص اکثر سفر میں رہتا ہے، اور رمضان بھی سفر میں گزرتا ہے، رمضان کے بعد اس کو اقامت کا موقع نہیں ملتا ہے، اگر ساری عمر اس کو اقامت کا موقع نہ ملے تو قضاء رمضان اس پر لازم ہوگی یا نہیں، اور وصیت فدیہ بھی اس پر لازم ہے یا نہیں، بینوا ولکم عند اللہ الاجر الجزیل۔؟

الجواب۔ نص قرآنی میں قضائے مسافر و مریض کا سبب وجوب صیام **عدۃ من ایام اُخر** کا ادراک بتلایا ہے، سو اگر ادراک ایام ہوا تو قضائے صوم بقدر ادراک واجب ہے، ورنہ وجوب نہیں ہوتا خواہ مرض و سفر تمام عمر رہے، فلا تجب علیھم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکھم عدۃ من ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکھم عدۃ من ایام اخر کذا فی الدر المختار۔ (تتمہ خامسہ ص۱۴۹)

حکم ادخال ربڑ اندرون فرج در صوم

سوال (۲۱۰) ایک ضروری مسئلہ اس وقت پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت بوجہ امراض رحمی کے سخت بیمار ہے، اور ضعف و ناتوانی بھی زیادہ ہے، حکیمی علاج بوجہ نہ ملنے ہشیار دائی کے چھوڑ کر ڈاکٹری علاج شروع کیا گیا، ڈاکٹری علاج میں جو مس ہشیار ہے اس کا علاج ہو رہا ہے، مس کہتی ہیں کہ بوجہ کجی رحم یہ شکایات ہیں، سو رحم میں داخلاً اگر ربڑ کا حلقہ ماہ دو ماہ تک بذریعہ عمل بالید چڑھا رہے، تو آرام ہو جاوے گا، اس پر اپنا تجربہ بتلاتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ رمضان شریف آگئے، اس حلقہ کے موجود ہی ہوتے ہوئے جو کہ داخل اعضاء اندرونی ہے، روزہ میں تو کچھ خرابی نہ واقع ہوگی، اور اگر خرابی روزہ کی وجہ سے تا رمضان اس علاج کو موقوف رکھا جاتا ہے تو مرض کی اور زیادتی ہوئی جاتی ہے آیا اس حالت میں روزہ ترک کر کے علاج مذکور کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ خود روزہ کی حالت میں یہ چھلا چڑھانا مفسد صوم ہے، لیکن اگر غیر حالت صوم میں چڑھایا ہوا حالت صوم میں داخل بدن باقی رہے تو اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا، ۷؍ شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (حوادث خامسہ ص۱۶)

انجکشن مفطر صوم ہے یا نہیں

سوال (۲۱۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ آجکل

جو انجکشن کے ذریعہ دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے یہ مفسد صوم ہے یا نہیں، ادلۂ شرعیہ سے جواب عنایت فرمایا جائے۔؟

الجواب۔ ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ دوا جوفِ عروق میں پہونچائی جاتی ہے، اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں دوا نہیں پہونچتی، اور فسادِ صوم کے لئے مفطر کا جوفِ دماغ یا جوف بطن میں پہونچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہونچنا مفسدِ صوم نہیں، لہٰذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہونچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں، فقہا کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تصریح کرتی ہیں اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ یا آمہ کی قید لگائی ہے، کیونکہ انہیں دو قسم کے زخموں سے دوا جوفِ دماغ یا جوفِ بطن کے اندر پہونچتی ہے، ورنہ جوفِ عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی دوا پہونچ جاتی ہے،

دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دوا وغیرہ مطلقاً جوفِ بدن میں تو پہونچ گئی، لیکن چونکہ جوفِ دماغ یا جوفِ بطن میں نہیں پہونچی، اس لیے اس کو مفطر و مفسدِ صوم نہیں قرار دیا، جیسے مرد کی پیشاب گاہ کے اندر دوا یا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، کما صرح بہ الشامی حیث قال وافادانہ لو بقی فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقاً ولا شک فی ذلک، شامی ص۱۰۳ ج۲، ومثلہ فی الخلاصۃ ص۲۵۳ ج۱، نقلاً عن ابی بکر البلخیؒ اگر دوا مثانہ تک پہونچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں، امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہونچ جائے اس کو مفسد قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے، جس سے دوا معدہ میں پہونچ جاتی ہے، ورنہ نفس مثانہ میں پہونچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے فکانہ وقع عند ابی یوسفؒ ان بینہ وبین الجوف منفذاً ولہذا یخرج منہ البول ووقع عند ابی حنیفۃ ان المثانۃ بینہما حائل والبول یترشح منہ وھذا لیس من باب الفقہ محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں یفید انہ لاخلاف لو اتفقوا علی تشریح ھذا العضو فان قال ابی یوسفؒ بالافساد انما ھو علی بناء قیام المنفذ بین المثانۃ والجوف (الی قولہ) قال فی شرح الکنز وبعضھم جعل المثانۃ نفسہا جوفاً عند ابی یوسفؒ

وحکی بعضہم الخلاف مادام فی قصبۃ الذکر دیسا بشئ انتہی الغرض اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ کما صرح بہ فی الدر المختار والخلاصۃ، حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے، اسی طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگے میں باندھ کر نگل جائے، اور پھر معدہ میں پہونچنے سے پہلے کھینچ لے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، کما قال فی الخلاصۃ وعلی ھذا لو ابتلع عنبا مربوطا بخیط ثم اخرجہ لا تفسد صومہ خلاصہ صـ۲۶ ج ۱ ومثلہ فی العالمگیریۃ مطبوعۃ الھند صـ۲۰۲ ولفظہ ومن ابتلع لحما مربوطا علی خیط ثم انتزعہ من ساعتہ لا یفسد وان ترکہ فسد کذا فی البدائع، اگر مطلق جوف بدن میں کسی شے کا پہونچنا مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے، اور مثانہ تو بدرجہ اولیٰ جوف ہے، کان اور حلق بھی جوف ہیں، ان میں پہونچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہونچنا مفطر صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن میں مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اس وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہونچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہونچ جانا عادت اکثریہ ہے، جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے قال فی البحر والتحقیق ان بین جوف الراس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الراس وصل الی جوف البطن من الشامی صـ۱۶۰ ج ۲، اس عبارت میں اس مقصد کی بالکل تصریح ہوگئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہونچنا لازمی ہے اس لیے اس میں پہونچنے کو بھی تبعا لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے، اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعا لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے، اما الحقنۃ والوجور فلانہ وصل الی الجوف ما فیہ صلاح البدن وفی القطور والسعوط لانہ وصل الی الراس ما فیہ صلاح البدن، اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف معدہ اور جوف دماغ ہے، مطلقاً جوف مراد نہیں، اور خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت اس مضمون کے لیے بالکل نص صریح ہے۔ وھی ھذا وما وصل الی جوف الراس والبطن من الاذن والانف والدبر فھو مفطر بالاجماع وفیہ القضاء ھی مسائل الاقطار فی الاذن والسعوط والوجور والحقنۃ وکذا من الجائفۃ والامۃ عند ابی حنیفۃ رح، اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں، وفی دواء الجائفۃ والامۃ اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ، عالمگیریہ مطبوعۃ الھند

صـ۲۰۲ ج ۱، اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لیے اصرح واوضح ہے،
وھذا وما وصل الی الجوف او الدماغ من المخارق الاصلیۃ کالانف والاذن والدبر
بین استعط او احتقن او اقطر فی اذنہ فوصل الی الجوف او الی الدماغ فسد صومہ
واما اذا وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی
الجائفۃ والآمۃ۔ فان داواھا بدواء یابس لا یفسد لانہ لم یصل الی الجوف
ولا الی الدماغ ولو علم انہ وصل یفسد فی قول ابی حنیفۃ رح بدائع صـ۹۳ ج۲، ھذا
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المتاب فی کل باب،

کتبہ الاحقر محمد شفیع غفرلہ، خادم دارالافتاء دیوبند، ۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ
الجواب صحیح وھو رائی منذ برھۃ من الزمان، اشرف علی، ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ
(النور، صـ۷، رمضان ۵۰ھ)

سوال (۲۱۲) میں نے آج اخی المکرم جناب ڈاکٹر صاحب سے انجکشن کے مفسد صوم ہونے کے بارہ میں گفتگو کی، ڈاکٹر صاحب نے یہ فرمایا کہ تمام اشیاء جو جسم میں مالش سے جذب ہوتی ہیں وہ ضرور بتدریج جوف میں پہونچتی ہیں، چنانچہ ایک دوا فیلپا کے لئے ران میں باندھ دی جاتی ہے، اور جب وہ بتدریج مسامات کے ذریعہ سے جذب ہو کر جوف معدہ میں پہونچ جاتی ہے، تو اس سے بہت قے آتی ہے، اسی طرح انجکشن کا بھی حال ہے، کہ وہ بھی بالضرور جوف میں پہونچتا ہے، چنانچہ مارفیا (افیون) مقئی ہے تو اس کا انجکشن بھی مقئی ہے، معدہ میں ریاح بھر جاتے ہیں، اور جب وہ خارج نہیں ہوتے، تو ان کے دفع کے لئے بازو میں انجکشن لگا کے انھیں دفع کر دیا جاتا ہے۔؟

الجواب۔ مطلقاً پہونچنا مفسد صوم نہیں بلکہ جب منفذ سے پہونچے، اور مسام سے پہنچنا مفسد نہیں، ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور صـ۸ شعبان ۱۳۵۱ھ)

تحقیق منفذ وجوف

سوال (۲۱۳) نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ کان میں تیل یا دوا ڈالی جائے تو اس کے معدہ میں کسی طرح پہونچنے کا امکان نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ظاہری سوراخ ایک جلد پر جسے پردہ کہا جاتا ہے ختم ہو جاتا ہے، اور وہ جلد اس طرح کان میں لگی ہوئی ہے جس سے وہ مثل ایک بند صندوق کے ہے جس کا راستہ صرف بیرونی سوراخ ہے، سوائے اس کے کہ کسی شخص کے کسی خاص مرض کی وجہ سے پردہ میں سوراخ ہو، البتہ

سوراخوں سے اندر پہونچنے کا امکان ہے، اسی طرح زخمِ دماغ (آمہ) کے متعلق بھی وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی کوئی منفذ معدہ تک نہیں ہے، اور نہ دماغ کی دوا معدہ میں پہونچ سکتی ہے، سوائے اس کے کہ ناک کے سوراخ سے کوئی چیز ڈالی جائے، تو وہ حلق میں اور حلق سے معدہ میں پہونچ سکتی ہے، یہ تمام امور جدید تشریح و مشاہدہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گئے ہیں، وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ آمہ و جائفہ کے متعلق فقہاء کے مسائل غلط نہیں ہیں بلکہ انہی کی جو تشریح معلوم ہوئی وہ غلط ہے، اس لئے ان امور پر از سر نو نظر کر کے فتاویٰ مرتب کرنیکی ضرورت ہے۔

الجواب - جوف معدہ کے ساتھ خاص نہیں، دماغ اور معدہ دونوں کو شامل ہے،

۸ ر ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ (النور ص ۹ شعبان ۱۳۵۱ھ)

رفع اشکال متعلق عقوبت بر ترک افطار نفل

سوال (۲۱۴) رسالہ قشیریہ باب حفظ قلوب المشائخ میں بسند ایک حکایت منقول ہے، ان شقیقا و ابا تراب قدما علی ابی یزید فقدمت السفرۃ وشاب یخدم ابا یزید فقالا لہ کل معنا یا فتی فقال انا صائم فقال ابو تراب کل ولک اجر صوم شہر فابی فقال شقیق کل ولک اجر صوم سنۃ فابی فقال ابو یزید دعوا من سقط من عین اللہ فاخذ ذلک الشاب فی السرقۃ بعد سنۃ فقطعت یدہ آلا، اس میں دو اشکال ہیں، ایک یہ کہ ایسی فضیلت کا وعدہ بدون نص کے کیسے جائز ہے دوسرا یہ کہ جو عمل شرعاً واجب نہ ہو بلکہ شاید جائز بھی نہ ہو، مثلاً افطار اس کے ترک پر عقوبت کیسے مرتب ہوئی ؟

الجواب - ثبوت درجہ قطع یا ظن میں تو ضرور موقوف ہے نص پر وہ نص جس درجہ کی بھی ہو، لیکن ثبوت درجہ احتمال میں بفحوائے انا عند ظن عبدی بی، محض بشارت الہامی سے بھی ممکن ہے، ان بزرگوں کو ایسی بشارت ہوئی ہوگی خواہ ابتداءً خواہ بطور اجابت دعاء یا ابرار المقسم[ع] کے، یہ پہلے اشکال کا جواب ہے، اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ غالباً روزہ نفل ہوگا، جس کا افطار مضیف کو ضیف کے لئے اور ضیف کو مضیف کے لیے بلکہ مدعو کو داعی کے لئے بلکہ ایک روایت میں جس کو بعض محققین نے اختیار کیا ہے بلا عذر بھی بشرط عزم قضاء جائز ہے، وہذا کلہ مذکور فی الدر المختار، اور مباح بعض عوارض سے مندوب اور مندوب بعض

[ع] اشارہ ہے حدیث لو اقسم علی اللہ لابرہ یعنی اللہ کے بعض مقبول بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو پورا کرتا ہے ۱۲ منہ

عوارض سے ایک درجہ میں مؤکد ہوجاتا ہے، اور ان عوارض میں سے ایک عارض وعدہ بھی ہے، اور وعدہ عام ہے قولی وفعلی سے، اور کسی کے ساتھ عقیدت کا معاملہ وعدۂ فعلی ہے عدم ایذا کا، اس قصہ میں اس خادم کی طرف سے ایسا ہی وعدہ متحقق ہوا اور اس کے ابا، سے ان بزرگوں کو اذیت ہوئی جس سے تحرز مؤکد ہوگیا تھا، اور گو وہ مؤکد اس درجہ کا نہ تھا کہ اس پر ایسی عقوبت مرتب ہو مگر عقوبت خفیفہ اس پر مرتب ہوسکتی ہے، اور وہ عقوبت خفیفہ ضعف تھا ہمت طاعت وترک معاصی کا اور یہی ضعف ہمت (جس کی دوسری تعبیر قلت توفیق ہے) محمل ہے ابویزید کے اس قول کا سقط من عین اللہ اور اس ضعف کا تدارک اور اس کی مقاومت اس کے اختیار میں تھا، اگر اختیار سے کام لیتا عقوبت سے محفوظ رہتا مگر اس نے اپنے اختیار سے کام نہیں لیا، اور معصیت کا مرتکب ہوا پھر اس معصیت پر عقوبت مرتب ہوگئی، پس وہ اذیت ان وسائط سے اس عقوبت تک مفضی ہوگئی وھکذا سنۃ اللہ فی اولیاءہ ومن اذاھم بغیر عذر، سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آیا، واللہ اعلم ــــ ۸ر محرم ۱۳۵۴ھ (النور ص ۹ ذی الحجہ ۵۴ھ)

بواسیر کا مسہ آبدست کرنے کے بعد چڑھانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں

سوال (۲۱۵) بواسیر کے مسّے اجابت کے وقت باہر نکل آتے ہیں اور آبدست کرنے کے بعد ان کو دباکر اوپر چڑھادیا جاتا ہے، اس صورت میں اگر پانی خشک نہ کرکے ان کو چڑھالیا گیا تو روزہ رہے گا یا نہیں؟

الجواب - فی ردالمحتار عن الفتح خرج سُرمہ فغسلہ فان قام قبل ان ینشفہ فسد صومہ والا فلا لان الماء اتصل بظاہرہ ثم زال قبل ان یصل الی الباطن بعود المقعدۃ اھ قبلہ فی نظیرہ عن الطحاوی ومحلہ اذا کان ذاکرا للصوم والا فلا فساد کما فی الھندیۃ عن الزاھدی اھ، ج ۱، ص ۱۵۸، ان روایات سے جواب ظاہر ہوگیا، کہ روزہ فاسد ہوگیا، بشرطیکہ روزہ اس وقت یاد ہو، ۱۶ر رمضان ۳۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۶۹)

تتمہ - اس کے ایک ماہ بعد یہ سوال دوسرے مقام سے آیا جس میں یہ اشکال ظاہر کیا کہ خشک کرنے سے بیحد سوزش وقبض وآمد خون کی ہوتی ہے، اس وجہ سے تر ہی چڑھانیکی عادت پچیس برس سے ہے تو گزشتہ روزوں کا کیا کرے، اور آئندہ کس طرح روزے رکھے، اس کا **جواب** مولوی ظفر احمد نے لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ فساد صوم مقید ہے موضع حقنہ تک تری پہونچ جانے سے اور وہ موضع بہت بعید ہے، معمولاً وہاں تک تری نہیں پہنچتی اس لیے فساد کا حکم نہ کیا جاوے گا، امداد الاحکام میں وہ جواب ۲ر ذی قعدہ ۴۳ھ

کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے۔[۱] ۳ ذیقعدہ ۲۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۶۹)

سوال (۲۱۶) زید بمرض بواسیر مبتلا ہے اور بول و براز کے وقت و نیز دیگر اوقات میں مسّے اندرونی باہر آجاتے ہیں۔ اگر ان کو بیٹھنے سے و رفتار سے یا زیادہ دیر کھڑے ہونے سے اور بغیر نم دیئے مسّے اپنی جگہ نہیں جاتے اور نہ قائم رہتے ہیں۔ اگر کچھ دبکر اندر ہو بھی جاتے ہیں تو قائم نہیں رہتے ہیں۔ باہر رہنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور نم دینے کی بابت یہ سنا گیا ہے کہ پانی کی تری دینے سے اور اُن کو اندرونی حصہ میں پہونچانے سے روزہ جاتا رہتا ہے۔ پس ایسی حالت میں جب زید کو سخت مجبوری ہو تو کیا عمل کرے۔

الجواب - فی رد المحتار وفی الفتح خرج سرمہ فغسلہ فان قام قبل ان ینشف فسد صومہ والا فلا لان الماء اتصل بظاہرہ ثم زال قبل ان یصل الی الباطن بعود المقعدۃ ج ۲ ص ۲۵۸ ، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں روزہ جاتا رہیگا۔ پس دن کے وقت ایسا کرنے سے احتراز کرے البتہ اگر ایسا کرے کہ تر کرکے کپڑے سے پوچھ ڈالے پھر اندر داخل کر دے تو روزہ نہ جاوے گا۔ ۶ شوال ۱۳۳۴ھ

سوال (۲۱۷) ایک شخص اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا، تو رمضان گزر جانے کے بعد سب روزوں کا فدیہ ایک دن میں ایک ہی فقیر کو دینا درست ہے یا نہیں، اور رمضان ختم ہونے سے پہلے تمام رمضان کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں، اور قسم کا کفارہ ایک دن میں ایک آدمی کو سب دیدیں تو درست ہے یا نہیں۔؟

متعدد مسائل فدیۂ صوم

الجواب - فی الدر المختار للشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوبا ولو فی اول الشہر وبلا تعدد فقیر کالفطرۃ لو موسرا والا فیستغفر اللہ فی رد المحتار قولہ وبلا تعدد فقیر ای بخلاف نحو کفارۃ الیمین للنص فیہا علی التعدد فلو اعطی منہا مسکینا صاعا عن یومین جاز، لکن فی البحر عن القنیۃ ان عن ابی یوسف رح فیہ

[۱] علاوہ ازیں رد المحتار کی عبارت میں جو جزئیہ بلفظ خرج سرمہ مذکور ہے وہ مسّہ بواسیر کے لیے صریح نہیں کیونکہ سُرم اور چیز ہے مسّہ بواسیر اور سُرم حسب تصریح اہل لغت و کتب تشریح بمعنی مستقیم کا نام ہے جس کو اردو میں کانچ بولتے ہیں وہ بعض اوقات باہر آجاتی ہے اور جب چڑھائی جاتی ہے تو موضع حقنہ تک پہونچتی ہے بخلاف مسّہ بواسیر کے کہ مبرز کے اوپر پیدا ہوجاتے ہیں کبھی باہر اور کبھی اندر وہ موضع حقنہ تک عادۃً نہیں پہونچتے اس لیے جو تری ان تک رہی وہ موضع حقنہ تک نہیں جاتی اس لئے مفسد صوم نہیں۔ واللہ اعلم، بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

روایتین وعند ابی حنیفۃ رح لا یجزیہ کما فی کفارۃ الیمین وعن ابی یوسف لو اعطی نصف صاع من بر عن یوم واحد لمساکین یجوز قال الحسن وبہ ناخذ اھ ومثلہ فی القہستانی (فصل فی العوارض) ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے :-

اول — ایسے بوڑھے کو فدیہ دینا درست ہے، ثانی — رمضان شروع ہونے کے بعد تمام رمضان کا فدیہ دینا بھی درست ہے، خواہ رمضان ختم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ثالث — کئی روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو دینا بھی درست ہے لیکن خاص اس مسئلہ میں اختلاف بھی ہے اس لیے احتیاط تو یہی ہے کہ کئی روزوں کا ایک کو نہ دے، لیکن دیدینے میں گنجائش بھی ہے، رابع — ایک روزے کا فدیہ کئی مسکینوں کو دیدینا درست ہے، **خامس** — پورا کفارہ یمین ایک کو دینا درست نہیں، ۱۶ر جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ (النور ص ۹ جمادی الثانی ۵۴ھ)

تعریف شیخ فانی

سوال (۲۱۸) شیخ فانی کی جس کو روزہ معاف ہے کیا تعریف ہے یعنی کس عمر اور حالت میں شیخ فانی سمجھا جاوے گا۔

الجواب - فی الدر المختار وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی الخ وفی رد المحتار ای الذی فنیت قوتہ او اشرف علی الفناء ولذا عرفوہ بانہ الذی کل یوم فی نقص الی ان یموت نہر ومثلہ ما فی قہستانی عن الکرمانی المریض اذا تحقق الیاس من الصحۃ فعلیہ الفدیۃ لکل یوم من المرض اھ وکذا ما فی البحر لو نذر صوم الابد فضعف عن الصوم لاشتغالہ بالمعیشۃ لہ ان یطعم ویفطر لانہ استیقن انہ لا یقدر علی القضاء ج ۲ ص ۱۹۱ -

ان روایات سے ملخص شیخ فانی کے مفہوم کا یہ نکلا کہ اُس کی موجودہ حالت سے یہ معلوم ہو کہ اُس کو نہ فی الحال روزہ پر قدرت ہے نہ آئندہ اُمید ہے اور اس عدم قدرت کی وجہ خواہ پیرانہ سالی ہو خواہ مرض۔ ۲۵ر ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

باب الاعتکاف

خروج معتکف بسوئے صحن مسجد کہ بر سقف دکانہا باشد

سوال (۲۱۹) جن مساجد کا اندر کا درجہ تو بھراؤ پر بنا ہوا ور صحن دو کانوں پر ہو یہ تو معلوم ہے کہ صحن میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب تو نہیں ملے گا، دریافت کرنا یہ ہے کہ جو شخص اندر کے درجہ میں اعتکاف

کرے اس کو جماعت سے نماز ادا کرنے کو صحن مسجد میں آنا (کیونکہ جماعت اکثر اوقات آج کل باہر ہی ہوتی ہے) مفسد اعتکاف ہوگا یا نہیں، اور صاحبین اور امام صاحب سے جو اختلاف مفسد اعتکاف مسجد سے نکلنے میں ایک ساعت اور ایک وقت نماز کا بل خارج مسجد سے رہے اس میں کون سا قول راجح تر ہے؟

الجواب - اول تو اگر دو کانیں مسجد کے لئے وقف ہوں تو بعض روایات فقہیہ کی رو سے اس سطح کو مسجد کہنے کی گنجائش ہے ضرورت جماعت میں اس روایت پر عمل جائز ہے، اور دوسرے اگر قول راجح ہی لیا جاوے کہ اس کا حکم مسجد کا نہیں تاہم معتکف کو ضرورت کی وجہ سے خروج عن المسجد جائز ہے، خواہ وہ ضرورت طبعی ہو یا دینی، اور ادراک جماعت مثل ادراک جمعہ ضرورت دینیہ ہے اس لیے خروج جائز ہے، تیسرے جب پہلے سے معلوم ہے کہ مجھ کو یہاں تک آنا پڑے گا تو گویا نیت استثناء کی ہوگئی اور استثناء کے وقت خروج جائز ہے،

چوتھے صاحبین کے قول کو بعض نے ترجیح دی ہے، کما فی الدر المختار فقط۔ ۲۰ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴۳ ج ۱)

حکم اخراج ریح متکف را در مسجد

سوال (۲۲۰) اعتکاف کے بارہ میں اختلاف ہو رہا ہے کہ حدث اندر مسجد کے کیا جاوے یا باہر مسجد کے، بعض شاگرد استاذ مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ سہارنپور و دیگر مفتیین مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ حدث کو اندر مسجد کا رائے فرماتے ہیں و بعض شاگردان حضرت اس کو پیشاب پاخانہ پر قیاس کرتے ہیں اور اس کو عذر شرعی قرار دے کر باہر مسجد کے اجازت دیتے ہیں اور حضرت مولانا صاحب مذکور سے بھی اندر مسجد کے جواب پایا گیا، اور مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ کی طرف قول کو نسبت کرتے ہیں اور حدث کو عذر شرعی پر قیاس کرنا بوجہ عدم نقل تسلیم نہیں کرتے، اس واسطے اُمید قوی ہے کہ بندہ کو جواب شافی سے ممنون فرماویں اگر دلیل موجود ہو تو بحوالہ کتب عنایت فرمانا ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے تاکہ مخالفین ہمارے ساکت ہو دیں، فقط،

الجواب - فی رد المحتار وکذا لا یخرج فیہ الریح من الدبر کما فی الاشباہ واختلف فیہ السلف فقیل لا باس وقیل یخرج اذا احتاج الیہ وھو الاصح حموی عن شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی ص ۶۸ ج ۱، اس سے معلوم ہوا کہ گنجائش تو مسجد کے اندر بھی ہے مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ مسجد سے باہر نکل جانا چاہیئے، اور روایت اپنے

اطلاق سے معتکف وغیر معتکف دونوں کو شامل ہے، ۲۴ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۹)

عدم جواز خروج معتکف بعذر مرض یا دوا،

سوال (۲۲۱) معتکف مسجد میں اکیلا ہے، اور رات کو بیمار ہو گیا ہے تو اس وقت اس کو دوا لا کر دینے والا شخص اُس کے پاس موجود نہیں تو کیا وہ خود گھر جا کر دوا منگانے کا انتظام کرا سکتا ہے یا خود ہسپتال جا کر دوا لا سکتا ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وحرم علیہ الخروج الا لحاجۃ الانسان طبعیۃ کبول وغائط وغسل لو احتلم ولا یمکنہ الاغتسال فی المسجد کذا فی النہر او شرعیۃ واذان لو مؤذنا وباب المنارۃ خارج المسجد والجمعۃ الخ ثم قال وان خرج بعذر یغلب وقوعہ وھو ما مر لا غیر لا یفسد وفی رد المحتار قولہ وھو ما مر ای من الحاجۃ الطبعیۃ والشرعیۃ ثم قال ولان الخروج لمرض وحیض ونسیان اذا کان مفسدا الخ، ج ۲ ص ۲۱۱ تا ص ۲۱۶، ان روایات سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں خروج جائز نہیں،

۴ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵)

حکم دیوار مسجد درحق معتکف

سوال (۲۲۲) معتکف کو مسجد کے کنارے پر جو دیوار ہے اس میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ معلوم نہیں بانی نے اس کو بھی نیت سے مسجد میں داخل کیا ہے یا نہیں (تتمہ خامسہ ص ۹۲)

خارج بودن فصیل از مسجد

سوال (۲۲۳) مسجد کی فصیل یعنی منڈیر مسجد کے اندر داخل ہے یا خارج؟

الجواب۔ مسجد کے اندر کسی جزو کے داخل یا خارج ہونے کا مدار بانی مسجد کی نیت پر ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو قرائن پر ہے تو میرے نزدیک قرائن عرفیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد سے خارج ہے اگر کسی کو اس کا خلاف قرائن سے محقق ہو جائے تو داخل سمجھنا چاہیئے لیکن خارج ہونے کی صورت میں بھی وہاں بیٹھکر کوئی ایسا فعل نہ کرے جس کا اثر مسجد میں پہونچکر موجب تفویت اُس کے احترام کا ہو مثلاً حقہ وغیرہ وہاں بیٹھکر پینا حدیث میں ہے من اکل الثوم فلا یقربن مصلانا اس میں لا یقربن کا لفظ اس دعوی مذکور کا موید ہے۔ ۱۵ شوال ۱۳۲۱ھ۔ (امداد ثالث ص ۱۳۹)

عدم جواز معتکف در غسل خانہ وجوب قضا در غسل کردن روزانہ در غسل خانہ

سوال (۲۲۴) گرمی کی وجہ سے غسل خانہ میں جا کر روزانہ نہانا جائز ہے۔؟

الجواب۔ نہیں۔

سوال (۲۲۵) اگر بوجہ ناواقفیت کے نہایا ہو تو اس کے اعتکاف ہوئے یا نہیں۔؟

الجواب۔ جتنے دن ایسا کیا ہے اتنے دن کے اعتکاف کی قضا کرے،

۱۵ر رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۹۲)

حکم سکوت در اعتکاف

سوال (۲۲۶) علم الفقہ و بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ چپ اعتکاف میں بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا کتنی دیر چپ رہنا مکروہ تحریمی ہوگا، خادم کی عادت ہے کہ بعد عشاء، تراویح وغیرہ جب سوتا ہے تو پاس انفاس کا ذکر کرتا رہتا ہے، جو ابتداء میں حضور نے تعلیم فرمایا ہے، تو یہ چپ میں تو نہ شمار ہوگا، اور کتب دینیات کا دیکھنا یا وعظ وغیرہ کا یہ بھی تو چپ رہنے میں شمار نہ ہوگا اور معتکف بات چیت کچھ کر سکتا ہے یعنی ضروری بات ضرورت کے مطابق ہیں اس وقت قصداً اپنے نفع کے لیے بالکل خاموش ہوں اشارہ سے کام لے لیتا ہوں، یا تحریر سے تو یہ کوئی حرج تو نہیں ہے،

الجواب۔ فی الدر المختار ویکرہ تحریما صمت ان اعتقدہ قربۃ والا لا لحدیث من صمت نجا ویجب ای الصمت کما فی غرر الاذکار عن شر وتکلم الا بخیر صفحہ ۲۱۷ ج ۲، اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسا سکوت آپ کا ہے یہ مکروہ نہیں بلکہ خیر ہے، البتہ جو کوئی سکوت ہی کو عبادت مستقلہ سمجھے وہ مکروہ ہے،

۲۵ر رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۹۲)

بعض جزئیات متعلق اعتکاف

سوال (۲۲۷) (۱) اگر کوئی ضعف جسمانی کی وجہ سے عشرۂ اخیرہ کاملہ کا اعتکاف نہ کر سکے اور ۳ یا ۵ یوم کا ۲۱ و ۳۰ کے مابین اعتکاف کرے تو سنیت کا کچھ اجر ملے گا، یا دیگر ایام رمضان کے اعتکاف کی طرح محض نفل سمجھا جائے گا، (۲) عشرۂ اخیرۂ رمضان کے اعتکاف مسنون میں جمعہ کے یا تبرید کے لیے غسل کرنے کی غرض سے خروج عن المسجد مفسد اعتکاف ہے یا متمم یا جائز غیر مفسد، اور خروج عن المسجد سے مراد احاطۂ مسجد ہے یا وہ حصہ جو نماز کے لیے حکم مسجد میں ہے، اگر غسل خانہ صدر دروازہ کے اندر ہو تو اس میں غسل کرنا اور باہر غسل کرنا مساوی ہے یا کیا۔؟

الجواب۔ (۱) سنت بقید عشر ہے، جب قید نہیں مقید نہیں، اور وہی سنت تھا، پس سنت نہیں، اور جزو سنت بحال انفراد کے لیے جزو سنت بحالت اجتماع مع سائر الاجزاء کے حکم میں ہونا لازم نہیں اور نہ ثابت، (۲) جس یوم کا اعتکاف شروع ہو گیا ہے اس کیلئے

مفسد ہے، بقیہ ایام کے لیے منہی و متمم ہے، البتہ معذور کے لیے مجموعہ کا بھی مفسد اور مسجد وہی موضع ہے جہاں نماز پڑھی جاتی ہے نہ کہ کُل احاطہ ۵ر شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۵۵)

کتاب الحج

اشتراط زاد مناسب حال ہر کس برائے حج

سوال (۲۲۸) جو شخص رئیس ہے ہمیشہ ملازم خدمت کرتے ہیں، ریل میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہے تو اس شخص پر حج جب فرض ہوگا کہ روپیہ قابل کرایہ آگبوٹ فرسٹ کلاس کے ہو اور ملازم کے لائق بھی کرایہ ہو، کیونکہ ظاہر ہے کہ روسا نہ بغیر ملازم گزر کر سکتے ہیں، اور طوطق میں تو کیا عجب ہے کہ مریض ہو جاویں، غرض اس تخمینہ میں ایسے لوگوں پر یک ہزار روپیہ ضرور ہوگا یا اُن پر بھی تین سو روپے سے ہی حج فرض ہو جائے گا؟

الجواب - فی الدر المختار ذی زاد یصح بہ بدنہ فالمعتاد للحم ونحوہ اذا قدر علی خبز وجبن لا یعد قادراً و فی رد المحتار لیس من الحوائج الاصلیۃ ما جرت بہ العادۃ المحدثۃ برسم الهدیۃ للاقارب والاصحاب فلا یعذر بترك الحج لعجزہ عن ذلك (ص ۲۳۱ ج ۲)

ان عبارات سے مستفاد ہوا کہ جو عادت ایسی ہو جن کے ترک سے بیمار ہو جاوے اس عادت کے موافق سامان ہونا شرط ہے وجوب حج کی اور یہ بھی مستفاد ہوا کہ ہدایا تحائف لانے پر قدرت شرط نہیں، اور اسی کے حکم میں ہے مدینہ طیبہ کا سفر، اور اس کی استطاعت بھی شرط حج نہیں، اور یہ معلوم ہی ہے کہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد کچھ سامان ہو اور نقد روپیہ نہ ہو تو اس سامان کو فروخت کر دینا واجب ہے، اور اس کے ہونے سے بھی حج فرض ہو جاوے گا،

۲۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول ص ۱۴۱)

عورت کے ساتھ حج میں محرم کا ضروری ہونا اور نہ ہونے پر وصیت آخر عمر میں کرنا

سوال (۲۲۹) ایک عورت بیوہ ہے، اور بمقدار حج اس کے پاس روپیہ ہے، لیکن اس کے ساتھ جانے والا محرم کوئی بیٹا ہے نہ باپ ہے نہ بھائی ہے، غرض کوئی شخص نہیں، ایسی صورت میں اس پر حج فرض ہے یا نہیں، اگر فرض ہے تو غیر شخص کے ساتھ جا سکتی ہے یا تنہا، اور جو حج اس پر فرض نہیں ہے اور یہ عورت کچھ روپیہ یا مقدار حج سارا روپیہ کسی نیک کام میں خرچ کرے تو اس کو حج کا ثواب مل سکتا ہے یا نہیں۔ ؟

الجواب۔ اگر روپے کی مقدار اتنی ہے کہ صرف اس عورت کے حج کو کافی ہوجاوے تب تو حج فرض ہی نہیں، فی الدر المختار ومع زوج او محرم بالغ عاقل الی قولہ مع وجوب نفقۃ لمحرمہا علیہا فی رد المحتار قولہ مع وجوب النفقۃ الخ ای فیشترط ان تکون قادرۃ علی نفقتہا ونفقتہ اھ ج ۲ ص ۲۳۲، اور اگر دو شخصوں کے لائق خرچ ہے تو نفس وجوب تو اس پر ہوگیا ہے وجوب ادا نہیں ہوا بوجہ محرم نہ ہونے کے، اس لیے اس کو اجنبی کے ساتھ سفر کرنا تو جائز نہیں، لیکن روپیہ محفوظ رکھے شاید کوئی محرم میسر ہوجاوے، اور اگر اخیر عمر تک میسر نہ ہو تو وصیت کر جاوے[۱]، کہ مرنے کے بعد اس کی طرف سے حج بدل کرادیا جاوے، فی رد المحتار والذی اختارہ فی الفتح انہ مع الصحۃ وامن الطریق شرط وجوب الاداء فیجب الایصاء الخ ج ۲ ص ۲۳۵، فقط ۲۲ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۷)

حکم تقدیم حج بر پرورش ونکاح اولاد

سوال (۲۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فقیر ہے گذر توکل علی اللہ، چار اولاد بالغ، اور چار نابالغ رکھتا ہے صاحب جائداد نہیں، البتہ علاوہ مکان سکونتی کے اس کی دوسری حویلی تھی، اس نے اس کو بعوض پانصد کے فروخت کرکے سو روپے اپنے قرض دیدیئے، اب ان چار سو روپے میں وہ ان بالغ اولاد کے نکاح سے فارغ ہوجاوے یا ان نابالغ کو نابالغ بچوں کی پرورش کا سرمایہ سمجھیں، یا اس قدر یکمشت روپے کی ملکیت سے اس پر حج فرض ہوگیا وہ حج کو چلا جاوے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار فضلا عما لابد منہ الی قولہ وحرر فی النہر انہ یشترط بقاء راس المال لحرفۃ ان احتاجت لذلک والا لا وفی الاشباہ معہ الف وخاف العزوبۃ ان کان قبل خروج اہل بلدہ فلہ التزوج ولو وقتہ لزمہ الحج وفضلا عن نفقۃ عیالہ ممن تلزمہ نفقتہ لتقدم حق العبد الی حین عودہ وقیل بعدہ بیوم وقیل بشہر امن الطریق بغلبۃ السلامۃ ولو بالرشوۃ علی ماحققہ الکمال اھ فی رد المحتار قولہ الی حین عودہ متعلق بقولہ فضلا او بما لابد منہ لانہ بمعنی ما یحتاجہ او ینفقہ لئلا یشترط بقاء نفقۃ لما بعد عودہ وھذا ظاہر الروایۃ اھ ج ۲ ص ۲۳۲،

بنا بر اس روایت کے جب اس شخص کو کسی پیشہ کے لیے روپیہ کی ضرورت نہیں اور نہ خوف غربت ہے اور دوسرا مکان بھی رہنے کو ہے اور وقت عود تک کے لیے اہل وعیال کا نفقہ

---

[۱] یا قبل موت ایسی حالت ہوجائے کہ اگر محرم بھی مل جائے تب بھی سفر نہ کرسکے تب بھی حج بدل کراسکتی ہو۔

نکل کر بھی حج کے لئے کافی خرچ بچ سکتا ہے اس لیے اس شخص پر بشرط امن طریق حج فرض ہوجاگا
واللہ اعلم۔ ۲۰ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۹)

صحیح بودن حج در ایام حکومت شریف مکہ

سوال (۲۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ شریف مکہ پر فتوی ہوچکا ہے توجو لوگ گزشتہ سال میں اور اب حج کو گئے ہیں ان کا حج ہوا اور ہوگا یا نہیں اور ایک عالم کہتے ہیں دار الحرب کے مسئلہ کی رو سے کہ جب کہ خطبۂ حج شریف یا اس کا قایم مقام پڑھے گا حج نہیں ہوگا، اور ہوا تو ناقص ہوگا اور خاکسار نے تردید پیش کی بحوالہ رسالۂ مناسک حج تصنیف مولانا مولوی شاہ رشید احمد صاحب، جس میں آپ نے لکھا ہے کہ اگر ۹ر تاریخ ذی الحجہ بعد ظہر یعنی حج کے دن محض میدان عرفات شریف بیچ گزر جائے تو بھی حج اس کا ہوچکا، اور میری یہ بھی عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ مکہ معظمہ کافروں کے قبضہ میں تھا حج کئے، اور اب تو مکہ معظمہ دار الاسلام بلکہ دار الایمان ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص کا تو عمل بگڑے اور دوسرے شخصوں کا عمل عمل نہ سمجھا جائے اس لئے جواب مرحمت فرمادیں،

الجواب۔ آپ کی خوش فہمی سے دل خوش ہوا جو سمجھا بیشک یہی بات ہے حج کے جواز میں کچھ شبہ نہیں خصوصاً جن پر حج فرض ہے اگر محض اس وجہ سے نہ جاویں گے تو سخت گنہ گار ہوں گے اور نفل بھی درست ہوگا۔ ۱۲ر شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۶)

حکم حج کردن مفلس از مال عطا کردہ غیر برائے حج

سوال (۲۳۲) جس شخص بالغ عاقل آزاد پر بوجہ مال نہ ہونے کے حج فرض نہیں ہے، اس کو نفل حج کرنے کے لیے کسی نے پیسے دیئے اور اس نے خود کی طرف سے نفل حج ادا کیا، بعد میں وہ نفل حج کردہ شخص مالدار ہوگیا اور وہ حج کرنے نہ جائے تو پہلا نفل حج جو اس نے کیا ہے اُس سے حج کی اس پر سے فرضیت ساقط ہو جاوے گی، یا نہیں۔؟

الجواب۔ پہلا حج جو اس شخص نے کیا ہے اگر خالص نفل حج کی نیت کی ہے تو وہ نفل ادا ہوگا اور فرض حج ساقط نہ ہوگا، اور اگر پھر مالدار ہوا تو حج فرض پھر ادا کرنا ہوگا، اور اگر خاص نفل کی نیت نہ کی تھی، اگر فرض کی بھی نیت نہ کی تھی، بلکہ مطلق حج کی نیت کرلی تھی تو اس سے فرض ساقط ہوگیا اب مالدار ہونے سے دوبارہ حج فرض نہ ہوگا، فی رد المحتار بان الحج یصح بمطلق النیۃ بلا تعیین الفرضیۃ بخلاف الصلوٰۃ الا تحت قول الدر المختار

حر مکلف عالم بفرضیۃ۔ اما بالکون بدار نا وفی نور الانوار بحث الظرف والمعیار ویتأدی (الحج) باطلاق النیۃ لا بنیۃ النفل ای ان ادی الحج بمطلق النیۃ۔ بان یقول نویت الحج یقع من الفرض بخلاف ما اذا قال نویت حج النفل فانہ یقع عن النفل اھ،

۸ رجب ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص۲۷)

میلین اخضرین کی حقیقت

سوال (۲۳۳) حج خانہ کعبہ میں میلین اخضرین پر سعی کرنے کا حکم ہے اس کی کیا بنیاد ہے، میلین کیا چیز ہیں، کیوں بنائے گئے ہیں، سنا جاتا ہے کہ یہ دونوں شیطان تھے پتھر ہو گئے ہیں، جواب تسکین دہ تحریر فرمائیے۔؟

الجواب۔ حضرت ہاجرہ جب پانی کو تلاش کرنے کے لیے کوہ صفا پر چڑھیں پھر دوڑ کر مروہ پر پہونچیں، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بچہ تھے، ان کو دیکھتی جاتی تھیں اس مقام پر نشیب تھا، اس لیے اس مقام کو دوڑ کر قطع کرتی تھیں اب دو نشان اس پر بنا دیئے ہیں اور وہ عمل جاری ہے، (تتمہ اولیٰ ص۲)

مرض تنفس سے فرضیت حج کی ساقط نہ ہوگی

سوال (۲۳۴) ایک شخص کے پاس دو سو روپے تھے، اس نے نیت کی تھی کہ میں ان روپیوں سے حج بیت اللہ کروں گا مگر اب تک وہ صورت خدا نے نہ دکھائی، اور اس میں سے پچاس روپے صرف ہو گئے، اور شخص مذکور کو عارضہ تنفس کا ہو گیا، اور یہ خوف ہے کہ سفر میں شاید اور زائد ہو جاوے، اب یہ نیت کرتا ہے کہ ان روپیوں سے اپنے محلہ کی مسجد جو بے مرمت ہے اس کی مرمت کرا دوں، شریعت کیا فرماتی ہے؟

الجواب۔ اس پر حج فرض ہو گیا تھا، اور جو عارضہ تنفس کا لکھا ہے وہ عذر کافی نہیں، فی الدر المختار صحیح البدن فی رد المحتار ای سالم عن الآفات المانعۃ عن القیام بما لا بد منہ فی السفر الخ، (تتمہ اولیٰ ص۱۷)

حکم منع زوج از حج زن را کہ بچہ شیر خوار داشتہ باشد

سوال (۲۳۵) ایک شخص مستطیع حج فرض کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اس کی بی بی جو مستطیع ہے اس کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے، شوہر کہتا ہے چونکہ تمہاری رضاعت وحضانت میں میرا فرزند ششماہی ہے، ریل، جہاز، اونٹ کی سواری پر جانا ہے، خوف ہے کہ لڑکے کو ضرر پہونچے، تم اپنا ارادہ ملتوی رکھو، انشاء اللہ تعالیٰ ہم بڑے لڑکے کے ساتھ حج کرا دیں گے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ میں ششماہی بچہ کے ضرر کا خوف تاخیر حج کے لیے عذر شرعی

ہوسکتا ہے یا نہیں، اور شوہر اگر بی بی کو روک دے تو شرعاً ماخوذ ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ جزئی تو تلاش کرنے سے نہیں ملی، مگر بمقتضائے قواعد شرعیہ جواب یہ ہے کہ چونکہ ارضاع اور تربیت زوج پر واجب ہے نہ عورت پر، رضاعت و حضانت حق اس کا ہے حق علیہا نہیں الا فی بعض الصور، لہٰذا زوج کو اس عذر سے جائز نہیں کہ زوجہ کو حج سے منع کرے، اور بچہ پر اول تو کوئی ضرر مظنون نہیں، اور علی سبیل التسلیم مرد کسی عورت کو ارضاع کے لیے نوکر رکھے، اور بچہ کو چھوڑ جائے اور تالم بمفارقت الولد عذر شرعی نہیں ہے، اور اگر بچہ کو ساتھ لے جانے میں اس بچہ کا کوئی ضرر مظنون نہیں تو یہ امر یعنی ماں سے جدا کر کے اس کا گھر چھوڑ جانا جائز نہیں، لان فیہ اتلاف الحق للمرأۃ من الرضاعۃ والحضانۃ،

واللہ اعلم، ۲۰ رجب ۱۳۲۱ھ (تتمہ خامسہ امداد ج ۱)

تحقیق عدم وجوب حج بر کسے کہ منافع آراضی او ہمہ خرچ شود و ہیچ رقم فاضل نمی ماند

سوال (۲۳۶) ایک زمیندار کے پاس چلد پانچ سو روپے کے منافع کی جائداد ہے، مگر اہل و عیال کے خرچ ایسے ہیں کہ سال میں کچھ بھی بچت نہیں ہوتی تو آیا اس پر حج واجب ہے،

الجواب۔ فی رد المحتار صفحہ ۱۰۴ جلد ثانی وفی التتارخانیۃ عن الصغریٰ لہ دار یسکنہا لکن تزید علی حاجتہ بان لا یسکن الکل یحل لہ اخذ الصدقۃ فی الصحیح وفیہا سئل محمد عمن لہ ارض یزرعہا او حانوت یستغلہا او دار غلتہا ثلثۃ آلاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ عیالہ یحل لہ اخذ الزکوۃ وان کانت قیمتہا تبلغ الوفا وعلیہ الفتویٰ وعندھما یحل الا، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر حج واجب نہیں[عہ] واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم، ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۱۸۴ ج ۱)

حج برائے کسیکہ اگر حج کند برائے صرفہ ہیچ سرمایہ نماند

سوال (۲۳۷) کچھ قرض دام کرکے دکان کی تھی اس سے بحمد اللہ مصارف ضروریہ پورے ہوجاتے تھے لیکن پس انداز کچھ نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ اس قدر کچھ ہوجاوے کہ سفر حج کے لئے کافی ہو، تتمہ اولیٰ

عہ اصل ص ۱۸۵ سطر ۱۱، اس شخص پر حج واجب نہیں، اصلاح سوال میں اجمال ہے کیونکہ خرچ میں ضروری و غیر ضروری کی تفصیل ہے نہ اہل و عیال میں واجب النفقہ و غیر واجب النفقہ کی تفصیل ہے اور بہت سے لوگ اخراجات غیر ضروریہ کو ضروریہ سمجھ کر فضول خرچی کرتے ہیں اور بہت سے اپنی کریم النفسی یا عرف و رواج کی بنا پر غیر واجب النفقہ اشخاص کا بار اپنے ذمہ لے لیتے ہیں پس جواب کو اسی صورت کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیئے جبکہ مالی ضروریات [illegible] (تصحیح الاغلاط ص ۲۳)

تھی کہ حق تعالیٰ اس مراد کو پہونچادیں، لیکن نہ ہوا، اب امسال پانچ سو روپیہ ترکہ ماموں صاحب سے ملے ہیں اور یہی سرمایہ کلی ہے جس سے تجارت کرتا ہے، اور مصارف ضروریہ کو اس کی آمدنی غالباً کافی ہو جائے گی، اور اس وقت نقد روپیہ بالکل موجود نہیں ہے، البتہ اتنا مالِ تجارت ہے کہ اس کو فروخت کرکے سفر ہو سکتا ہے، اور خانہ داری کے لئے بھی کافی ہوگا، مگر بعد واپسی کوئی سامان ظاہری نظر نہیں آئے گا، ایسی حالت میں مشورہ مناسب سے مطلع فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ حالت کذائیہ میں سفر حج مناسب نہیں ہے، فی الدر المختار وحرر فی النهر انه یشترط بقاء رأس المال لحرفته ان احتاجت لذلك والا لا فی رد المحتار کتاجر ودهقان ومزارع کمافی الخلاصة ورأس المال یختلف باختلاف الحرف قلت والمراد ما یمکنه الاکتساب به قدر کفایته وکفایة عیاله لا اکثر لانه لانهایة له اھ ج ۲ ص ۲۳۲، فقط واللہ اعلم، ۱۰ر شوال ۱۳۲۴ھ (امداد، ج ۱، ص ۱۸۵)

حکم سفر حج زنے کہ شوہرش نفقہ ندہد و برادرانش بحج برند

سوال (۲۳۸) اگر شوہر عورت کو نان نفقہ کچھ نہیں دیتا اور نہ کسی طرح کی خبر گیری کرتا ہے وہ اپنے میکہ میں رہتی ہے اور وہی اس کی خبر گیری کرتے ہیں، تو اگر اس کے بھائی وغیرہ جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں حج کو جاویں تو یہ عورت بلا اجازت شوہر حج کو جا سکتی ہے یا نہیں، اس عورت پر حج فرض نہیں ہے، بلکہ وہی لوگ اس کا سفر خرچ بھی برداشت کریں گے، اگر یہاں اکیلی رہتی ہے تو کوئی اس کا خبر گیراں نہیں رہتا اور شوہر سے خوف ہے،

الجواب۔ اس عورت کے حق میں سفر حج ایسا ہے جیسا دوسرا سفر کہ اس کے میکہ والوں کو پیش آوے، اور بہ ضرورت اس عورت کو اُن کے ہمراہ رہنا پڑے اور یہ جائز ہے، پس وہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم، ۷ر رجب ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۱، ص ۱۸۷)

مالِ حرام سے حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال (۲۳۹) جس شخص کے پاس مال حرام ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں، اور جبکہ وہ روپیہ صرف ہو گیا اور مالک روپیہ سے اجازت لے لی، تو اب وہ مال حلال ہو گیا، مگر اب صرف ہو چکا ہے تو اب اس پر حج فرض ہے یا نہیں اگر ہے تو سوال کرے یا قرض لیکر ضروری ہے۔؟

الجواب۔ مالِ حرام[۱] جب اپنے مال میں مخلوط ہو جاوے ملک میں داخل ہو جاتا ہے

---

[۱] خلط کر دینے سے مال حرام ملک میں داخل تو ہو جاتا ہے مگر دین شمار ہوتا ہے۔ اسلئے مال حرام سے زائد اگر بقدر استطاعت مال ہو تو حج فرض ہوگا ورنہ نہیں اس کی تفصیل مسئلہ ۱۳۵ ص ۳ اور مسئلہ ۲۳ ص ۱۲ پر ملاحظہ ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

اس لئے حج فرض ہو جاوے گا، اور بعد فرض ہونے کے مال کے صرف ہو جانے سے فرض بحالہ رہتا ہے، لیکن سوال نہ کرے، البتہ اگر اُمید ادا ہو تو قرض لینا جائز ہے کذا فی ردالمحتار اول کتاب الحج،
۱۶ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۸)

طریق حج قبل اشہر حج

سوال (۲۴۰) جو شخص اشہر حج سے پیشتر احرام باندھ کر برائے عمرہ یا حج جاوے یعنی مثلاً رمضان شریف یا اس سے پہلے جاوے تو کس طرح اور کس ترکیب وکس نیت سے احرام باندھے، اور وہ اشہر حج سے قبل حلال ہو کر مکہ شریف میں مقیم ہو سکتا ہے یا نہیں، اور عمرہ قبل اشہر حج کے لا سکتا ہے یا نہیں اور متمتع اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اس شخص کے تمتع میں یہ دشواری ہے کہ اشہر حج تک محرم رہنا پڑے گا اور اس کے قبل عمرہ نہیں کر سکے گا، اور قرآن[عہ] و افراد میں فراغ حج تک محرم رہنا ہوگا، اس لئے سہل صورت اس کیلئے یہ ہے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر رمضان میں مثلاً عمرہ کرکے حلال ہو جاوے اور رمضان میں جب چاہے عمرہ کرلے، پھر شوال کے داخل ہونے کے بعد چونکہ یہ شخص حکم مکی میں ہے عمرہ نہ کرے، پھر ایام حج میں افراد کا احرام باندھ کر منیٰ میں چلا جاوے، فی ردالمحتار عن الفتح والنہر والحیلۃ لمن دخل مکۃ محرمًا بعمرۃ قبل اشہر الحج یرید التمتع ان لا یطوف بل یصبر الی ان تدخل اشہر الحج ثم یطوف فانہ متی طاف وقع من العمرۃ ثم لم احرم باخری بعد دخول اشہر الحج وحج من عامہ لم یکن متمتعًا فی قول الکل لانہ صار فی حکم المکی حیث لہ ان میقاتہ میقاتہم اھ ج ۲، ص ۳۱۷، واللہ اعلم،
جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۹)

باب الاحرام و ارکان الحج

حکم استعمال پان در احرام

سوال (۲۴۱) احرام کی حالت میں معتاد شخص کو پان کھانا کیسا ہے۔ پان سے لبوں کی زینت ہو جاتی ہے، اور پان میں ایک قسم کی خوشبو بھی ہے، اور اگر پان میں الائچی اور خوشبودار تمباکو بھی ہو اس کا کھانا کیسا ہے اور غیر معتاد کو پان کھانا بلحاظ زینت یا بغیر لحاظ زینت کیسا ہے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ الطیب کل شئی لہ رائحۃ مستلذۃ ۱۲ ویعدہ العقلاء

[عہ] اس میں یہ قباحت بھی ہے کہ اشہر حج سے قبل حج کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

طیبا کذا فی السراج الوھاج وفیہا ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شئ علی المحرم فی اکلہ سواء کان یوجد رائحۃ اولا کذا فی البدائع وان خلطہ بما یوکل بلا طبخ فان کان مغلوبا فلا شئ علیہ غیر انہ ان وجدت معہ الرائحۃ کرہ و ان کان غالبا وجب الجزاء وفی الدر المختار وثوب صبغ بما لہ طیب کورس و عصفر الا بعد زوالہ بحیث لا یفوح فی الاصح، روایتِ بالا سے معلوم ہوا کہ پان چونکہ داخل طیب نہیں گو موجب زینت ہو منافی احرام نہیں، اور الائچی اور مثل اُس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان وتمباکو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں، گو خالی از کراہت بھی نہیں، اور جنایات میں عادۃ وعدم عادۃ میں تفاوت نہیں حتیٰ کہ تداوی جو ضرورت میں عادت سے بڑھ کر ہے اگر طیب وغیرہ سے ہو جنایۃ ہے، گو معصیت نہ ہو، فقط واللہ اعلم۔

۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد، ص ۱۸۴، ج ۱)

آفاقی کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونے کا حکم

سوال (۲۴۲) اگر کوئی شخص غیر باشندہ مکہ بغیر احرام کے حرم شریف میں داخل ہو کر احرام باندھے اور اسی احرام سے حج کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الجنایات آفاقی یرید الحج او العمرۃ وجاوز وقتہ ثم احرم لزمہ دم الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا حج ہو جاوے گا، مگر دم لازم ہوگا۔ فقط۔ ۲ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۸)

قاصد مدینہ کو بغیر احرام حرم میں داخل ہونیکا حکم

سوال (۲۴۳) یعنی کو جدہ شریف سے ینبوع بندر سے مدینہ منورہ جانے کا قصد ہے، بوقت گزرنے میقات یلملم کے احرام نہیں باندھا جب جدہ شریف میں پہونچا، پھر مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا، اور جدہ شریف سے ہی احرام باندھلیا، اب اس پر بسبب گزرنے بغیر احرام باندھے، یلملم کے سے دم لازم ہوگیا یا نہ یا کیا حکم ہے، یا مکہ معظمہ کا قصد بوقت گزرنے میقات کے شرط ہے،

الجواب۔ فی الدر المختار وحرم تاخیر الاحرام عنہا کلہا لمن قصد دخول مکۃ الی قولہ اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدۃ حل لہ مجاوزتہ بلا احرام فاذا حل بہ التحق باھلہ فلہ دخول مکۃ بلا احرام فی رد المحتار قولہ فلہ دخول مکۃ بلا احرام ای مالم یرد نسکا جلد ۲ صفحہ ۲۴۹، اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس کا

احرام جدہ سے صحیح ہوا، اور اس پر کوئی جنایت لازم نہیں آئی، ۷، شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۶۹)

متمتع کے لئے طواف قدوم کا حکم

سوال (۲۴۴) متمتع پر طواف قدوم سنت ہے یا نہ چراکہ طواف قدوم سنت ہے واسطے حج کے اور متمتع نے احرام باندھا ہے واسطے عمرہ کے ابھی اس پر طواف قدوم ساقط ہے یا نہ یا طواف عمرہ و قدوم ہر دو بجا کرے۔

الجواب- فی الدر المختار وطاف بالبیت طواف القدوم ویلسن ھذا الطواف للآفاقی، فی رد المختار ثم ان کان المحرم مفرداً بالحج وقع طواف ھذا القدوم وان کان مفرداً بالعمرۃ اومتمتعا او قارنا وقع عن طواف العمرۃ نواہ له او لغیرہ وعلی القارن ان یطوف طوافا اخر للقدوم اۃ ای استحبابا بعد فراغ عن سعی العمرۃ قاری ج ۲، ص۲۷۰ فی العالمگیریۃ ویفعل (ای المتمتع) ما یفعله الحاج المفرد غیر انه لا یطوف طواف التحیۃ ج ۱، ص۱۵۴،

اس سے معلوم ہوا کہ متمتع پر طواف قدوم نہیں ہے، (تتمہ اولیٰ ص۷۰)

ذبح کرنا قربانی کے جانور یا شکریہ کے جانور کا محرم کیلئے کیسا ہے

سوال (۲۴۵) قربانی یا شکریہ کا جانور محرم ذبح کرے یا نہ؟-

الجواب- فی الدر المختار وله ای للمحرم ذبح شاۃ وبقرۃ وبعیر الخ رد المختار ج ۲ ص ۲۵۸، اس سے جواز معلوم ہوا، (تتمہ اولیٰ ص۷۰)

ذبح حلق کے بعد ہے یا قبل

سوال (۲۴۶) ذبح بعد حلق کے کرے یا پیش؟

الجواب- فی الدر المختار ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر فی رد المختار ای او حلق ج ۲، ص۲۹۴، اس سے یہ ترتیب معلوم ہوئی اول رمی پھر ذبح پھر حلق، ۷، شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۷۰)

کیا طواف زیارت کے لئے مستقل احرام کی ضرورت ہے

سوال (۲۴۷) روز نحر کے جب جمار کو رمی کر لے اور ذبح کیا پھر احرام سے فارغ ہوا، پس واسطے طواف زیارت کے دیگر بار احرام باندھے یا نہ؟

الجواب- وحل له کل شیٔ الا النساء الی قوله ثم طاف للزیارۃ فی رد المختار وشرائط صحته الاسلام وتقدیم الاحرام ج ۲، ص۲۹۶ و ۲۹۷ اس سے معلوم ہوا کہ بار دیگر احرام نہیں ہوتا جس احرام سے حلال ہوا ہے وہی اس کیلئے

کافی ہے، ۷ر شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ صٓ)

ایام نحر میں سعی کرنا

سوال (۲۴۸) اور جو تین روز نحر کے میں سعی کرنا مکروہ لکھا ہے اگر کسی نے بوقت جانے عرفات کے طواف و سعی نہ کیا ہو ابھی وہ بوقت کرنے طواف زیارہ کے ایام نحر میں سعی کرے یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار احکام المفرد ثم طاف للزیارۃ یوماً من ایام النحر الثلاثۃ سبعۃ بلا رمل ولا سعی ان کان سعی قبل ھذا الطواف والا فعلھما لان تکرارھما لم یشرع فی رد المحتار تحت قولہ والا فعلھما ای وان لم یکن سعی قبل رمی وسعی وان رمل قہستانی ای لان رملہ السابق بلا سعی غیر مشروع ج ۲، صـ۲۹۷، وفی الدر المختار احکام المتمتع و یحج کالمفرد لکنہ یرمل فی طواف الزیارۃ ویسعی بعد ان لم یکن قدمھا بعد الاحرام فی رد المحتار قولہ ان لم یکن قدمھا ای عقب طواف تطوع بعد الاحرام بالحج فلا دلالۃ فی ھذا علی مشروعیۃ طواف القدوم للمتمتع ج ۲ صـ۳۱۹، اس سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں سعی کرے، (تتمہ اولیٰ صٓ)

لبس رنگین و مخیط احرام

سوال (۲۴۹) احرام باندھنے میں سیاہ کپڑا یا گیرو سے رنگا ہوا یا کسی دوسری چیز سے رنگا ہوا پہننا جس میں کوئی خوشبو نہ ہو جائز ہے یا نہیں، دوسرے کوئی ازار یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے اسی حالت احرام میں تو اس کے واسطے کیا حکم ہے۔؟

الجواب، فی الدر المختار باب الاحرام ولبس ازار ورداء جدیدین او غسیلین طاھرین ابیضین ککفن الکفایۃ وھذا بیان السنۃ الخ فی رد المحتار قولہ وھذا ای لبس الازار والرداء علی ھذہ الصفۃ بیان للسنۃ والا فساتر العورۃ کاف فیجوز فی ثوب واحد واکثر من ثوبین وفی السوادین او قطع خرقۃ مخیطۃ ای المسماۃ مرقعۃ والافضل ان لا یکون فیھا خیاطۃ لباب ج ۲ صـ۲۵۲، اس سے معلوم ہوا کہ سفید ہونا جامۂ احرام کا مستحب ہے، ورنہ سیاہ وغیرہ بھی جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو، لیکن اگر دو پاٹوں کے جوڑنے کو سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے، ۱۶ر شوال ۱۳۳۲ھ

(تتمہ ثالثہ صـ ۸۹)

حکم تبدیل احرام حج بعمرہ۔

سوال (۲۵۰) حجۃ الوداع میں آپ نے محرمین حج کو حکم دیا کہ جس نے سوق ہدی نہ کی ہو وہ عمرہ کرکے حلال ہو جائے چنانچہ ایسا کیا گیا، آیا اب بھی احرام حج مبدل بعمرہ ہو سکتا ہے اگر نہیں تو کیوں۔؟

الجواب۔ مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد اب بھی اس فسخ الحج بالعمرۃ کے جواز کے قائل ہیں اور جمہور مانع ہیں، دلیل جمہور کی بلال بن حارث کی حدیث ہے، قال قلت یا رسول اللہ فسخ الحج لنا خاصۃ ام للناس عامۃ قال بل لنا خاصۃ رواہ ابو داؤد والنسائی اور اس حدیث کو گو ضعیف کہا گیا ہے لیکن حضرت عمرؓ کا فتویٰ ان ناخذ بکتاب اللہ فان اللہ تعالیٰ امر بالاتمام قال اللہ تعالیٰ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ وان ناخذ بسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لم یحل حتیٰ نحر الھدی رواہ الشیخان اور حضرت عثمانؓ کا فتویٰ لما سئل عن متعۃ الحج قال کان لنا لیست لکم رواہ ابو داؤد باسناد صحیح اور ظاہر ہے کہ مراد اس متعۃ الحج سے فسخ الحج بالعمرہ ہے، نہ کہ تمتع بالعمرۃ الی الحج، کیونکہ اس کا عموم منصوص و مجمع علیہ ہے، اور اسی طرح ابوذر کا فتویٰ انہ کان یقول فیمن حج ثم فسخہا بعمرۃ لم یکن ذلک الا للرکب الذین کانوا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رواہ ابو داؤد، اور ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ ہیں انما کانت المتعۃ لنا خاصۃ اور گو یہ اثر ابوذر کا مرسل ہے لیکن مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے، غرض یہ تینوں فتوے اس حدیث کے ضعف کے رافع اور اس کی صحت معنویہ کے موجب ہیں، اور اگر حضرت عمرؓ کے اس قول سے کہ متعتان کانتا علی عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وانا احرمھما شبہ ہو کہ یہ منع فسخ الحج بالعمرۃ بحضرت عمرؓ کی رائے ہے اس لیے حدیث ضعیف مرفوع کی تقویت وصحت کی دلیل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ احرمھما کے معنی ہیں اظہر حرمتھما التی ثبتت عندی عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ دوسرے متعہ کی حرمت یقیناً حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے، بس جس طرح وہ حضرت عمرؓ کی رائے نہیں اسی طرح یہ بھی ان کی رائے نہیں، والبسط فی التفسیر المظہری وفیما لخصنا کفایۃ انشاء اللہ تعالیٰ، ۲۷ رجب ۱۳۵۱ھ (النور، ص۹، ربیع الاول ۵۲ھ)

متمتع پر علاوہ دم شکر کے قربانی کا وجوب

سوال (۲۵۱) متمتع پر جو واسطے شکر نعمت کے ذبح لازم ہے بغیر اس کے مسافر غنی پر اضحیٰ کی قربانی لازم ہے یا نہ؟۔

الجواب۔ فی الدر المختار علی حر مسلم مقیم بمصر او قریۃ او بادیۃ عین فلا تجب علی حاج

مسافر فاما اہل مکۃ فلزمہم وان حجوا الخ فی رد المحتار وذلک لانہم مقیمون، ج ۵ ص ۳۰۵، اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص شرعاً اگر مقیم ہوگیا ہے تو بشرط غنا اس پر قربانی اضحی کی مستقل واجب ہے اور اگر شرعاً مسافر قاصر الصلوٰۃ ہے تو واجب نہیں، (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۵)

حج کے بعد دم شکریہ کا حکم **سوال (۲۵۲)** حج کے بعد دم شکریہ کیسا ہے اور اغنیاء اور مساکین پر کیا حکم رکھتا ہے۔؟

الجواب۔ دم شکر قارن و متمتع پر واجب ہے اور مفرد کے لیے مستحب کذا فی الدر المختار اور اس دم سے کھانا فقیر و غنی اور خود مُہدی کو جائز ہے فی الدر المختار ویجوز اکلہ من ہدی التطوع اذا بلغ الحرم والمتعۃ والقران، فقط (تتمہ اولیٰ)

باب الحج عن الغیر

تحقیق اشتراط حج خود برائے حج بدل، **سوال (۲۵۳)** من العبد المفتاق الی حضرۃ الشیخ الاکمل الاشرف الابجل مد اللہ ظلالہ اما بعد فہذا العبد منذ زمان قد قصر عن التحریر ولیس ہذا الامر من قصور ابداع علی انی قد کان عوض لی الحمی بناقص فحالت بینی وبین ما اشتہی وبحمد اللہ قد برء السقم فنشکر اللہ علی اسباغ النعم وتلک الایام لم استطع علی حزبی فالہف نفسی ثم انی اکلف جنابکم لحل شبہات قد عرضت لی فی اثناء التدریس الصحیح للامام محمد بن اسمٰعیل البخاری ولم اقدر علی جواب شاف من عند فالتجأت الیٰ سندی ووسیلۃ النجاح فی یومی وغدی، انا معاشر الحنفیۃ نستدل علی جواز الحج عن الغیر وان لم یحج عن نفسہ بحدیث الخثعمیۃ المرویۃ فی البخاری المطبوع فی المطبع المصطفائی ص ۲۰۵ و ۲۲۶، ۲۵۰، ونقول الحدیث مطلق وایضا لم یسئلہا صلی اللہ علیہ وسلم احججت ام لا فیدل علی جواز الحج البدل وان لم یحج عن نفسہ لکن فی ہذا شئی لان سوال الخثعمیۃ کان غداۃ جمع کما وقع فی الصحیح ص ۲۲۶، و ۲۵۰، استنباطاً وفی سنن النسائی صریحاً بہذا اللفظان امرأۃ من خثعم سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم غداۃ جمع الحدیث باب الحج عن الحی الذی لا یستمسک علی الرحل فلا یمکن ان یکون المعنی افاحج عنہ عام

لان الوقت قد مضی بل المعنی افاحج عنہ عاما اخر ولما کان الغالب من حالہا انہا قد قضت الحج ثم سألت فلھذا لم یتعرض النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن سؤالہا بانہا حجت ام لا وقال نعم ای یجوز ذلك اداء فریضۃ الحج عن ابیك ولما کان الملبی عن شبرمۃ لم یحج من قبل قطعا اذ کان ذلك عامۃ حجۃ الوداع فلما قال لبیك عن شبرمۃ سأل من شبرمۃ فلما قال ھو اخی فلا جرم نھی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن ذلك وامرہ لقضاء الوطر عن نفسہ ثم عن شبرمۃ فحدیث الخثعمیۃ ظنی انہ مقید لا مطلق وعدم الکشف لما امر فلعل مبنی تلك المسئلۃ کون وقت الحج طرفا موسعا ھو العمر لا ھذا الحدیث وامثالہ فالمرجو ان تفیدونی بجواب شاف من عند کما اذا الشراح لم یاتوا بشیء یغنی ولم یفتح لی ما یعنی۔

الجواب - نعم ھذا الحدیث محتمل فلا یصح للاستدلال لکن لنا فی اصل المسئلۃ دلیل اخر ایضا وھو سوال الجھنیۃ وجوابہ صلے اللہ علیہ وسلم لھا بقولہ ارأیت لو کان علی امك دین الحدیث وھو مذکور فی صحیح البخاری صفہ ۲۵ من الجلد الاول فلما الحق صلے اللہ علیہ وسلم الحج عن الغیر بقضاء الدین ولم یشترط فی قضاء الدین تقدیم دین نفسہ علی دین غیرہ فکذا الحج واما الاستدلال بحدیث شبرمۃ فلیس بقوی لاحتمالہ علی الکراھۃ وقد قال فقہاءنا بہ واللہ اعلم، وما ورد فی بعض الروایات قولہ علیہ السلام ھذہ عنك فیحمل علی ما فی بعض روایات اخری حج عن نفسك ثم ھو موقوف عند بعضھم ورجحہ کثیر وھذا کلہ فی التلخیص الحبیر۔

(تتمہ ۱ ربعہ)

حکم افساد حج بدل

سوال (۲۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مامور بحج بدل نے قبل وقوف عرفات حج کو فاسد کر دیا، اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ سال آئندہ جو حج وہ ادا کرے گا وہ آمر کی طرف سے ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر وہ اس طرح کرے کہ سال آئندہ اس حج فائت کی قضا کرے، پھر ایک سال مکہ میں اور قیام کر کے دوسرے سال آمر کا حج کرے، اور احرام کسی میقات سے مواقیت خمسہ میں سے

میں سے باندھے، یا جدہ آکر احرام باندھے یا مکہ ہی سے احرام باندھے، ان صورتوں میں حج بدل ہو جائے گا یا کہ مثل ابتداء کے اس وقت بھی وطن آمر سے حج کرنا لازم ہوگا۔؟

الجواب ۔ جماع قبل الوقوف سے حج فاسد ہو جاتا ہے، باطل نہیں ہوتا، صرح فی اللباب بان مفسدہ الجماع قبل الوقوف و مبطلہ الردۃ، انتہی، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسرے حج کی نیت کرے گا تو حج فاسد بدستور قائم رہے گا دوسرے حج کی نیت لغو ہوگی، فلو اہل الحجۃ اخریٰ ینوی قضاءہا قبل اداءہا فہی ہی ونیتہ لغو لا تصح مالم یفرغ من الفاسدۃ، رد المحتار، اور جب کہ جماع قبل الوقوف سے مخالفت آمر کی لازم آئی تو یہ حج آمر کا نہ ہوا، بلکہ مامور کا ہو گیا، اس حج فاسد کے افعال اول پورے کرے پھر اگلے سال حج قضا اول حج کی کرے، اس کے بعد تیسرا حج آمر کی طرف سے کرنا ہوگا لانہ اذا افسدہ لم یقع مامورا بہ فکان واقعا عن المامور فیضمن ما انفق فی حجۃ من مال غیرہ ثم اذا قضی الحج فی السنۃ القابلۃ علی وجہ الصحۃ لا یسقط الحج عن المیت لانہ لما خالف فی السنۃ الماضیۃ بالافساد صار الاحرام واقعا عنہ فکذا الحج المؤدی بہ صار واقعا عنہ ابن کمال وعلیہ حجۃ اخریٰ للآمر ای سوی حج القضاء وہو الاصح کما فی المعراج، رد المحتار، جلد ۲ صـ ۲۶۷، لیکن اس میں آمر کی مخالفت ہوئی دو وجہ سے اس لیے کہ اس کا حج میقاتی نہ ہوگا، کیونکہ مامور بہ ملی ہوگیا، لیکن اس کا تدارک ممکن ہے، اگر مواقیت خمسہ میں ذوالحلیفہ یا کسی اور میقات سے احرام باندھے گا تو میقاتی حج ہو جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ سفر ہذا کو حج مامور بہ کے غیر میں مصروف کیا، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دوسرے کام سے سفر کا حکم نہیں بدل سکتا، ذکر العلامۃ القاری فی بعض رسائلہ مسئلۃ اضطرب فیہا فقہاء عصرہ وہی ان الآفاقی الحاج عن الغیر اذا جاوز المیقات بلا احرام الحج ثم عاد الی المیقات واحرم ہل یصح عن الآمر قیل لا وقیل نعم ومال ہو الی الثانی قال وافتی بہ الشیخ قطب الدین وشیخنا سنان الرومی فی منسکہ والشیخ علی المقدسی قلت وہذا یفید جواز الحیلۃ المذکورۃ لہ اذا عاد الی المیقات واحرم ورد الجواب عن قولہ لان سفرہ حینئذ لم یقع للحج انہ اذا قصد البندر عند المجاوزۃ لیقیم بہ ایاما للبیع او شراء مثلا لا یدخل مکۃ لم یخرج عن ان یکون سفرہ للحج کما لو قصد مکانا آخر فی طریقہ ثم النقلۃ عنہ رد المحتار، ج ۲، صـ ۱۶۸۔

فائدہ از حافظ عبد المجید صاحب تھانوی نزیل بمبئی لسفر الحج،

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے عرض کیا کہ مدینہ کا راستہ بند ہونے کی صورت میں حج بدل کا احرام کہاں سے بندھے گا؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ حج بدل کا احرام جدہ سے ہوگا، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے، وان لم یعلم المحاذاۃ فعلی مرحلتین من مکۃ کجدۃ المحروسۃ من طرف البحر، اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لیے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں ہوتی، لہذا جدہ بھی ان کے لیے میقات ہے،

۱۷ ر شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۴۹)

مسائل منثورہ متعلقہ بالحج

حکم زیارت روضہ منورہ در حج

سوال (۲۵۵) سفر زیارت روضۂ منورہ کے باب میں پہلا قول کتب فقہ میں مستحب وافضل مستحبات لکھا ہے، اور اس کے ساتھ بلحاظ قول بعض فقہاء علیہم الرحمۃ کے بل واجب لکھا ہے، اور حضرت مولانا مرشدنا قطب عالم حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز بھی اپنے فتوی میں مستحب ہی فرماتے ہیں، لیکن جناب مولانا مولوی عبد الحیٔ صاحب مرحوم لکھنوی قائل وجوب کے ہے، اس میں قوت کس کو ہے، اور محققین حنفیہ رحمہم اللہ کا مسلک اس باب میں کیا رہا ہے؟

الجواب۔ فی رد المحتار عن اللباب والفتح وشرح المختار، انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہ سعۃ ۱ھ، اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے، یعنی ہے تو

عہ اصل ص ۱۸۶ سطر ۶، اس سے قول بالوجوب کے معنی واضح ہوگئے الخ اصلاح اقول ھھنا ثلثۃ اقوال متخالفۃ الاول انہا مندوبۃ والثانی انہا قریبۃ من الواجب والثالث انہا واجبۃ والی کل ذھب رجح صحیح فرجح الفاضل الگنگوھی قدس سرہ الاول والثانی مولانا طال بقاءھم والثالث المولوی عبد الحیٔ رحمہ اللہ کما ذکر فی السوال ولا حاجۃ الی التطبیق لما فیہ تکلف بعید نعم ان قال قائل ان الثانی والثالث متحد ان فلہ وجہ لکن التطبیق بین الاول والثانی فبعید غایۃ البعد لان بین کون الشی مندوبا وکونہ واجبا او قریبا منہ منافاۃ ظاہرۃ کما لا یخفی الا ان یؤول الواجب یقال معناہ انہا واجبۃ من حیث الاخلاق لا من حیث الشرع بلیغ ھھنا۔

(تصحیح الاغلاط ص ۳۲)

مندوب مگر اور مندوبات سے زیادہ مہتم بالشان جس کو قرب وجوب سے تعبیر کیا ہے پس دونوں قول منطابق ہوگئے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳۲۵ھ (امداد، ج ۱، ص ۱۸۵)

ایام نحر سے حلق کو مؤخر کرنے کا حکم

سوال (۲۵۶) اگر تاخیر حلق ایام نحر سے ہو تو کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب الجنایات فی موجبات الدم او اخر الحاج الحلق او طواف الفرض عن ایام النحر لتوقتھا بھا الخ، اس سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں حاجی پر دم لازم ہوگا۔ فقط، ۲ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۸)

مغرب کی نماز عرفات میں اور عشاء کی مزدلفہ میں پڑھنے کا حکم

سوال (۲۵۷) عرفہ کے دن اگر کوئی تنہا مغرب کی نماز عرفات میں پڑھے اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں پڑھے تو کیسا اور کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی الدر المختار فصل کیفیۃ الحج ولو صلی المغرب فی الطریق او فی عرفات اعادہ الخ، اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر مغرب کی نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے، فقط، ۲ر شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۸)

عرفات میں بعد جماعت عصر و ظہر دونوں کو جمع کرنا کیسا ہے۔

سوال (۲۵۸) ہم نے حج کیا ہے، عرفات جبل کے ایلوان ایک بڑی مسجد حضرت آدم علیہ السلام کی بولتے ہیں، اس میں امام خطبہ پڑھ کر ظہر و عصر بعد زوال کے یک مثل میں پڑھاتا ہے بعد اس امام کے اگر چند حاجی مل کر یا بیرون مسجد بغیر خطبہ کے ظہر و عصر اکٹھی کر کے پڑھیں تو جائز ہوگا یا نہ، چرا کہ ہر دو کو اکٹھا پڑھنا جماعت و احرام کے شرط سے ہے، نہ خطبہ کا شرط، جو تصحیح ہو مرقوم فرمادیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار و شرط لصحۃ ھذا الجمع الامام الاعظم او نائبہ۔ والا صلوا وحدانا ج ۲ ص ۲۸۲، اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جمع جائز نہیں ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۷۱)

مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے جمع کرنے میں امام شرط نہیں

سوال (۲۵۹) مزدلفہ میں مغرب و عشاء بھی پہلے امام کے بعد چند حاجی مل کر ہر دو کو اکٹھا پڑھیں یا نہ؟

الجواب۔ فی الدر المختار کما لا احتیاج ھھنا للامام فی رد المحتار و شرائط ھذا الجمع الاحرام بالحج وتقدیم الوقوف علیہ۔ الزمان والمکان والوقف الیٰ آخرہ ج ۲ ص ۲۸۷، اس سے معلوم ہوا کہ اس جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر

فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے، (تتمہ اولیٰ ص۱۰۷)

مزدلفہ میں مغرب وعشاء میں ترتیب واجب ہے

سوال (۲۶۰) پہلے عشاء کی نماز پڑھیں یا مغرب، اور صاحب ترتیب بھی پہلے عشاء پڑھے یا مغرب؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو صلی العشاء قبل المغرب بمزدلفۃ صلی المغرب ثم اعاد العشاء فان لم یعدھا حتی ظہر الفجر عاد العشاء الی الجواز فی رد المحتار، لا فرق فی ھذا بین ان یکون صاحب ترتیب اولا فتزاد ھذہ علی مسقطات وجوب الترتیب ج ۲ ص۲۸۸، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مغرب پڑھیں پھر عشاء اور اگر بالعکس کر لیا تو بترتیب اعادہ واجب ہے، لیکن اگر اعادہ نہ کیا طلوع فجر سے دونوں صحیح ہو گئیں۔ فقط ۷، رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۰۷)

حج کرانے کی نذر سے صاحب نصاب کو حج کرانے سے نذر ادا نہ ہوگی

سوال (۲۶۱) ایک شخص نے حج کرانے کی نذر کی تھی ایک صاحب نصاب مولوی صاحب کو دیکر حج کرایا، بوجہ مسکین نہ ہونے کے اگر حج ادا نہ ہو نذر پوری نہ ہو اس کو دوسری دفعہ خرچ دے کر حج کرانا ہو گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نذر ادا نہیں ہوئی بقدر زاد حج کے مساکین کو دینا چاہئے، خواہ وہ حج کرے یا نہ کرے نذر ادا ہو جائے گی، یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۰۲)

اور اس صاحب نصاب پر روپیہ کی واپسی واجب نہیں

سوال (۲۶۲) اور مولوی صاحب کو وہ روپیہ واپس دینا ضرور ہو گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں ـــــــ۱ (تتمہ اولیٰ ص۱۰۲)

حج نذر سے حج فرض ادا ہو گا یا نہیں۔

سوال (۲۶۳) مولوی صاحب نے حج کیا اُن کا حج فرض ادا ہو گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ نیت کیا کی، یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۰۲)

عرفات میں درخت لگانے کا حکم

سوال (۲۶۴) بعض ہمدرد مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ میدان عرفات میں یہ موسم گرما دھوپ اور لُو کی شدت سے ہزارہا غیر مستطیع حجاج جو خیمہ وغیرہ کا انتظام نہیں کر سکتے، ہلاک ہوتے یا سخت تکلیف اُٹھاتے ہیں، اور اگر وہاں سایہ دار درخت کافی تعداد میں مثل برگد (بڑھ) یا پلکھن (پاکھر)

وغیرہ نصب کر دیئے جائیں تو اُن کے سایہ میں گرمی اور لُو سے امن متوقع ہے یہ لوگ نصب درختاں کے لئے ساعی ہیں، اور اُن کا یہ خیال ہے کہ سلف سے اب تک اس پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ زمانہ قدیم میں برگد اور نیلکھن کے وجود اور سرزمین حجاز میں ان کے سرسبز ہونے کا علم نہ تھا، اور نہ اس زمانہ کے سے ذرائع حمل ونقل موجود تھے، لوگ جفا کشی کے عادی بھی تھے، لیکن کچھ مسلمان اس امر میں متامل ہیں، آخر الذکر طبقہ کا یہ خیال ہے کہ وادی عرفات کے اس قدرتی منظر کو خیر القرون سے بھی ہزارہا سال پہلے انسانی تصرفات سے پاک اور بہیئتِ اصلی پر ہی برقرار رکھا جاتا رہا ہے -- اور باوصف اس کے کہ ضرورت رفع شدت وحدت قدیم ہے، اور اس کے اسباب (نصب درختان سایہ دار) بھی قدیم اور سہل ومعروف، تاہم سلف سے آج تک یہ صورت جو کسی وقت بھی دشوار نہ تھی اختیار نہیں کی گئی، جیسے کہ آب رسانی کی قدیم ضرورت کو نہر زبیدہ کی تعمیر سے باوجود عسیر الحصول ہونے کے زمانہ سلف ہی میں جبکہ کم از کم تبع تابعین بھی موجود تھے پورا کر دیا، تو رفع شدت حر کی قدیم ضرورت کو سہل الحصول ذریعہ (نصب درختاں) سے پورا کرنے کی سعی جدید بدعت کی تعریف میں آجاتی ہے، اور اس کا قیاس قطع مسافت کی قدیم ضرورت کے جدید سامان یعنی تیز رفتار مثلاً سیارات (موٹر و ریل) و طیارات (ہوائی جہاز) و دخانی جہازات وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ پر قیاس مع الفارق ہے، نیز اگر نصب درختاں کا سلسلہ قائم رہا تو وادی عرفات بجائے میدان کے باغ یا بن کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا، لہٰذا استفتار ہے کہ:-

۱- میدانِ عرفات میں حجاج بموسمِ گرما دھوپ اور لُو سے بچنے کے خیال سے سایہ دار درختوں کا نصب اور اس میں سعی شرعاً جائز ہے یا ناجائز-؟

۲- اگر نصب یا سعی جائز ہے تو مباح ہے یا مستحب یا سنت یا واجب یا فرض-؟

۳- اگر ناجائز ہے تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا حرام؟

۴- بصورت عدم جواز ناصبین یا ساعین کو منع کرنا مسلمانوں پر حسب حیثیت لازم ہے یا نہیں-؟

۵- حد عرفات کے خط کے باہر مسجد نمرہ کی پشت پر نصب درختاں کا حکم بھی مثل وادیٔ عرفات ہے یا اس کے غیر-؟

۶- شہر مکہ اور حدود حرم کے اندر نصب درختاں کے جواز کو میدان عرفات پر قیاس کیا جا سکتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب- عرفات اور حد حرم کے اندر سایہ کے لئے درختوں کا لگانا بلاشبہ فی نفسہ جائز ہے، اور لغیرہ استحباب کا حکم بھی کیا جا سکتا ہے، اگرچہ افضل اس کا ترک ہے، جواز کی دلیل یہی کافی ہے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ کلیات ظاہراً جواز ہی پر دال ہیں فقہاء نے باب جنایات الحج میں قطع حشیش حرم و اشجار حرم نابتہ و منبتہ مثمرہ و غیر مثمرہ کے احکام کی اباحۃً ونہیاً و ضماناً تفصیل فرمائی ہے، اگر غرسِ اشجار میں کسی درجہ کی بھی کراہت ہوتی اس موقع پر سکوت کے موہم ہونے کے سبب اس کا ضرور ذکر فرماتے، مگر اس سے اصلا تعرض نہیں کیا، یہ واضح دلیل ہے جواز بلا کراہت کی، نیز فقہا نے منیٰ میں جو کہ داخل حرم ہے ابنیہ کے وجود پر صحت جمعہ کو متفرع فرمایا ہے، اور ان کی کراہت سے تعرض نہیں کیا بطریق مذکور یہ بھی دلیل ہو ابنیہ کے جواز بلا کراہت کی، اور ابنیہ اور اشجار کا اشتراک غرض ارتفاق میں ظاہر ہے، پس قیاس سے بھی جواز کو قوت ہو گئی، اور جب حدِ حرم کے اندر ایسے تصرفات کی اجازت ہے تو حدِ حرم کے باہر مثلاً عرفات میں بدرجہ اولیٰ اجازت ہوگی،

یہ دلائل تھے جواز فی نفسہ کے، باقی استحباب لغیرہ کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ حجاج کو راحت پہونچانا ہے، اور حجاج کو راحت پہونچانا اقل درجہ مستحب ضرور ہے، اور یہ شبہ کہ خیر القرون میں نہ تھا اس لئے مرتفع ہے کہ خیر القرون میں پایا جانا عام ہے وجود عین اور وجود دلیل کو اور دلیل مع نظیر اوپر مذکور ہو چکی ہے وہ نظیر ابنیہ ہے، ان میں اور اشجار میں کوئی معتد بہ تفاوت نہیں- اور اگر جواز میں ارتفاق مؤثر نہ ہوتا تو خود ابنیہ منیٰ کا عہد نبوی ؐ نہ ہونا خیر القرون میں جواز سے مانع سمجھا جاتا اور بلا نکیر اس کو جائز نہ سمجھا جاتا- باقی ترک کا افضل ہونا وہ اسلئے ہے کہ اس میں سنت کی صورت و معنی کو جمع کرنا ہے- اور اس مجموعہ کا صرف رعایت معنی بلا صورت سے افضل ہونا ظاہر ہے- اور حجاج کے ہلاک غالب کے خوف کو اس افضلیت ترک میں قادح نہ سمجھا جائے- کیونکہ اس کا انتظام اہل استطاعت ضعفا، غیر اہل استطاعت کو اپنے خیمہ وغیرہ میں شریک کر لینے سے کر سکتے ہیں، البتہ اس غرض ظلال کے لئے کسی مسجد میں درخت لگانا بقول ارجح مکروہ ہے جس کی علت مشابہت بیعہ اور موضع موضوع للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے- البتہ خود عمارت مسجد کی مصلحت کیلئے درخت لگانا جیسے نمی کا جذب کرنا یہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہے- ذکر

ھذا کلہ فی الدر المختار ورد المحتار احکام المسجد قبیل باب الوتر واللہ اعلم۔

بعشرین من شعبان ۳۲ھ (النور ص۹ شعبان ۵۲ھ)

کتاب النکاح

ولی بلا اجازت منکوحہ کے نکاح کردے اس کا حکم

سوال (۲۶۵) بکر نے اپنی لڑکی کا نکاح جس کی عمر تیرہ برس کی ہوچکی تھی جبراً عمرو کے ساتھ کردیا باوجودیکہ لڑکی نے قبل نکاح صاف کہدیا کہ میں ہرگز ہرگز عمرو سے راضی نہیں ہوں مگر بکر نے بلا مرضی و اطلاع بطور خود نکاح عمرو کیساتھ کردیا اب بعد نکاح بھی لڑکی کا وہی کلام ہے جو قبل نکاح تھا اب یہ نکاح بطور خود جو بکر نے اپنی لڑکی کا عمرو کے ساتھ کردیا جائز ہوا یا نہیں اور مدت ولایت کی شرع شریف میں کہاں تک لی جاتی ہے جواب صاف ارقام ہو۔

الجواب۔ اگر وہ لڑکی بالغ ہے اور جس وقت اُس کے باپ نے اُس سے اذن طلب کیا یا نکاح ہو جانے کی خبر پہونچی اُس نے انکار کردیا تو یہ نکاح جائز نہیں ہوا کیونکہ ولایت اجبار ولی بلوغ تک ہے اور اگر نابالغ ہے یا باوجود بالغ ہونے کے وقت طلب اذن یا بلوغ خبر ساکت ہوگئی تو نکاح[۵۱] ہوگیا اور قبل نکاح یا بعد نکاح کے انکار کا اعتبار نہیں[۵۲] البتہ اگر باپ کے ہوتے ہوئے کسی اور نے اذن چاہا تو محض سکوت دلیل رضا نہیں جب تک زبان سے اذن نہ دے اس صورت میں بھی نکاح نہ ہوگا۔

ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح فاذا استاذنھا الولی فسکتت او ضحکت فھو اذن وان فعل ھذا غیر الولی لم یکن رضا حتی یتکلم بہ ولو زوجھا فبلغھا الخبر فسکتت فھو علی ما ذکرنا (ھدایہ) اور بلوغ لڑکی کا احتلام اور حیض اور حاملہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور اگر ان علامات میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا فتویٰ دیا جاوے گا البتہ اگر وہ لڑکی خود کہے کہ میں بالغ ہوں اور ظاہر حال اس کا مکذب نہ ہو اُس کی تصدیق[۱] کی جاوے گی۔ والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل وان لم یوجد منھما شئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی فان راھقا لا بلغنا صدقا

۵۱ یعنی جب کہ نکاح کرنے والا اذن لینے والا ولی ہو ۱۲ منہ

۵۲ یعنی جبکہ استیذان ولی کے وقت سکوت کیا ہو ۱۲ منہ

ان لم یکن بھما الظاھر - درمختار واللہ اعلم ۲۴ ذیقعدہ پنجشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد الفتاوی ص۲۵)

گونگے کے نکاح کا طریقہ

سوال (۲۶۶) گونگے کا نکاح کس طریق سے کیا جاوے۔

الجواب - اگر وہ لکھنا جانتا ہو تو لکھ کر ورنہ اشارہ سے جب منظور کرلے اور قبول کے لئے سر سے یا ہاتھ سے اشارہ کرے نکاح صحیح ہے۔ واذا کان الاخرس یکتب کتابًا او یومی ایماء یعرف به فانه یجوز نکاحه وطلاقه وعتاقه وبیعه وشراءہ ہدایہ جلد ثانی، واللہ اعلم (امداد جلد ثانی ص۲۶ ج۲)

زوجہ کو سفر میں لے جانے کے متعلق احکام۔

سوال (۲۶۷) زید اپنی زوجہ زبیدہ کو اپنے پاس سفر میں لیجانا چاہتا ہے اور وہ انکار کرتی ہی کسی نے فتویٰ دیا ہے کہ زید کا حق کسی طرح زبیدہ پر نہیں اور زبیدہ کو اختیار ہے کہ اپنا جہیز واپس کرے اور یہ دونوں لشکری ہیں سیر و سفر کرنا ان میں کچھ عیب نہیں یہ درست ہے یا نہیں۔

الجواب - اگر مہر پورا یا جس کا سر دست دینا یا کسی مدت پر دینا مشروط ٹھہرا تھا دے چکا ہے یا بعد طلاق و موت کے مہر مانگنے کا اور اس سے پہلے نہ مانگنے کا دستور ہو اور کچھ مہر نہ دیا ہو تب تو زید کو اختیار ہے جہاں چاہے لے جائے بشرطیکہ دق کرنے کے ارادہ سے نہ لے جائے اور اگر مہر باوجود شرط سر دست دینے کے کلًا یا بعضًا ادا نہیں کیا یا بقصد تنگ کرنے کے اس کو لے جاتا ہے تب سفر میں لے جانے کا اختیار نہیں۔ ولھا منعه من الوطی والسفر بھا ولو بعد الوطی وخلوۃ رضیتھما لاخذ ما بین تعجیله من المھر کله او بعضه او اخذ ما یجعل لمثلھا عرفا به یفتی لان المعروف کالمشروط ان لم یوجل او یعجل کله فکما شرط الا ان الصریح یفوق الدلالة الا اذا جھل الاجل جھالة فاحشة فیجب حالا - غایة الا التاجیل بطلاق او موت فیصح للعرف بزازیة ویسافر بھا بعد اداء کله مؤجلا او معجلا اذا کان مامونا علیھا والا یؤد کله او لم یکن مامونا لا یسافر بھا به یفتی در مختار اور جہیز کی واپسی مبنی عرف پر ہے اگر دختر کی ملک ہو اختیار ہے اگر داماد کی ملک ہو اختیار نہیں اگر دونوں کی ملک ہو بعد تقسیم اختیار

۱؎ بشرطیکہ دو سال سے کم نہ ہو ۱۲ منہ ۲؎ فقہائے نے یہ عبارت لکھی ہی الا التاجیل بطلاق او موت جس کا حاصل یہ ہو کہ شرط ٹھہرائی کہ قبل موت یا طلاق کے نہ مانگا جاویگا احقر نے المعروف کالمشروط پر نظر کرکے یہ لکھدیا کہ دستور ہو الخ پھر اس میں شبہ پڑ گیا کہ شاید وہ حکم جو فقہاء نے لکھا ہے صریح تاجیل کی صورت میں ہو پس ناظرین علماء سے اسکی کرر تحقیق کرلیں ۱۲ منہ

ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ر شوال ۱۳۰۴ھ (امداد ص۶ ج۲)

زوجہ کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے کی ممانعت میں تفصیل احکام

سوال (۲۶۸) شوہر بی بی کو ولی بی بی سے مصلحۃً بوجہ شر یا فساد کے اپنے مکان پر نہ آنے دینے اور بکثرت نہ ملنے دینے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں۔ فقط۔

الجواب - والدین کے ملنے سے تو نہ روکیں ہر ہفتہ میں ایک بار ملنے دیں اور دیگر محارم سے اگر ایک سال میں ایک بار سے زیادہ نہ ملنے دیں جائز ہے اور جو آنے میں کچھ شر یا فتنہ وفساد ہوتا ہو روکنا جائز ہے۔ مرد کو اس کا اختیار ہے۔ لیکن دور سے دیکھنے اور بولنے کو منع نہ کریں۔ ولہ ان یمنع والدیھا وولدھا من غیرہ واھلھا من الدخول علیھا لان المنزل ملکہ فلہ حق المنع من دخول ملکہ ولا یمنعھم من النظر الیھا و کلامھا فی ای وقت اختاروا لما فیہ من قطیعۃ الرحم ولیس لہ فی ذلک ضرر و قیل لا یمنع من الدخول والکلام وانما یمنعھم من القرار لان الفتنۃ فی اللباث وتطویل الکلام وقیل لا یمنعھا من الخروج الی الوالدین ویمنعھا عن للدخول علیھا فی کل جمعۃ وفی غیرھما من المحارم التقدیر بسنۃ وھو الصحیح۔

ہدایہ ص۴۲۱ واللہ اعلم ۲۶ر ربیع الاول ۱۳۰۱ھ ہجری (امداد ص۲ ج۲)

منع ملاقات زوجہ باولیاء

سوال (۲۶۹) زید اپنی زوجہ کو اُس کی ماں کے گھر جانے سے روکتا ہے اور نہیں جانے دیتا اس سبب سے کہ بظن غالب جانتا ہے کہ وہاں بے پردگی ہوگی اور پردہ شرعی غیر محارم سے نہیں ہوتا اور اس کی والدہ درپے تفریق زوجہ کے ہے اور اجازت دیتا ہے کہ اُس کی ماں میرے گھر میں آکر اپنی لڑکی کو دیکھ جایا کرے پس اس صورت میں زید کو اپنی زوجہ کو اُس کی ماں کے گھر جانے سے روکنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس کی ماں وغیرہ کو جبر طلب کرنے پر جائز ہے یا نہیں۔ فقط۔

الجواب - اگر ماں باپ لڑکی کے پاس آسکتے ہوں تو زوج کو بر مذہب مختار مطلقاً اختیار ہے کہ اُس کو اُن کے گھر نہ جانے دے بلکہ وہ خود آکر مل جایا کریں اور خصوصاً اگر خود فتنہ واحتمال پردہ دری کا ہو تو اُس وقت تو اذان دینا جائز نہیں اگر دیگا عاصی ہوگا۔ ولا یمنعھا من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانھا علی ما اختیار ہ فی الاختیار فی ھامشہ ھکذا نعم ما ذکرہ الشارح اختارہ

فی فتح القدیر حیث قال وعن ابی یوسفؒ فی نوادر تقیید خروجہا بان لا یقدرا علی ایتانہا فان قدرا لا تذہب وھو حسن وقد اختار بعض المشائخ منعہا من الخروج الیہما واشار الی نقلہ فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الابوان بالصفۃ التی ذکرت والا ینبغی ان یاذن لہا فی زیارتہما فی الحین بعد الحین علی قدر المتعارف اما فی کل جمعۃ فہو بعید فان فی کثرۃ الخروج فتح باب الفتنۃ خصوصاً اذا کانت شابۃ والزوج من ذوی الہیئات بخلاف خروج الابوین فانہ ایسر انتہی ۱۲ شامی ج۲ ص۶۶۴، وایضاً فی الدر المختار فی باب النفقۃ ویمنعہا من زیارۃ الاجانب وعیادتہم والولیمۃ وان اذن کانا عاصیین انتہی اقول انا الکاتب علۃ العصیان انما ھی خوف الفساد فمتی خیف الفساد عصی بالاذن پس صورت مسئولہ میں وکنا زید کا اپنی زوجہ کو جائز ہے اور اس کی ماں وغیرہ طلب پر جبر نہیں کر سکتی۔ واللہ اعلم۔

حدحق زوجہ ومحارم او درملاقات باہمی

سوال (۲۷۰) درمختار مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۱۰ سطر ۲۱ پر جو عبارت ہے کہ جو زوجہ کو خروج من البیت جائز ہے زیارت والدین کے لئے فی کل جمعۃ مرۃ الی ان قال لا فیما عدا ذلک وان اذن کانا عاصیین اس کی توضیح مطلوب ہے مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا برادری یا غیر ذی محارم میں کبھی ضرورت کے لئے آجانے کی اجازت عورت کو ہوسکتی ہے یا نہیں اور زیارت والدین کے لئے ہر جمعہ میں ایک دن سے زیادہ کو جانا کیا جائز نہیں یا حق نہیں اور خاوند کو ہر جمعہ میں جانے سے منع کرنے کا حق ہے یا نہیں بہر حال اس شبہ و خلجان میں طبیعت واقع ہے کہ عموماً عورتیں باجازت شوہر برادری غمی وخوشی کی تقریبات پر جاتی ہیں اور یوں بھی ملنے ملانے کے لئے دیور یا جیٹھ یا اور کی برادری میں جانا بھی ہوتا ہے اور راتیں بھی وہیں گزرتی ہیں اور اس میں ابتلاء عوام وخواص سب کو ہے پھر اس روایت کا مطلب کیا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب المہر ولہا السفر والخروج من بیت زوجہا الی قولہ اوالزیارۃ ابویہا جمعۃ ثم الی قولہ لا فیما عدا ذلک وان اذن کانا عاصیین والمعتمد جواز الحمام بلا تزین اشباہ وسیجئی فی النفقۃ فی رد المحتار وان لم یکونا کذلک (ای قادرین علی ایتانہا) ینبغی ان یأذن لہا فی زیارتہما

فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعۃ فھو بعید فان فی کثرۃ الخروج فتح باب الفتنۃ خصوصاً ان کانت شابۃ والرجل من ذوی الھیئۃ و فی رد المحتار تحت قولہ والمعتمد وحیث ابحنا لھا الخروج فیشترط عدم الزینۃ فی الکل وتغییر الھیئۃ ای ما لا یکون داعیۃ الی نظر الرجال واستمالتھم ثم قال فی الدر المختار باب النفقۃ ویمنعھا من زیارت الاجانب وعیادتھم والولیمۃ وان اذن کانا عاصیین۔ فی رد المحتار قولہ والولیمۃ ظاھرۃ ولو کانت عند المحارم لانھا تشتمل علی جمع فلا تخلوا من الفساد عادۃً۔ رحمتی ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) جمعہ تحدید شرعی نہیں مدار عرف وضرورت پر ہے اس سے زیادہ اگر فتنہ نہ ہو تو حق نہیں اور اگر فتنہ ہو تو جائز بھی نہیں (۲) ولائم وغیر محارم میں جانے سے نہی معلل بعلت احتمال فتنہ ہے اور فتنہ عام ہے ہر امر غیر مشروع کو جس کی تفصیل میرے نزدیک وہی ہے جو اصلاح الرسوم میں بندہ نے لکھا ہے باقی جس کے نزدیک جو فتنہ ہو مدار نہی کا وہ ہے اور علت کے ارتفاع سے معلول مرتفع ہو جاوے گا۔ (۳) جہاں جانے کی اجازت ہے مشروط ہے عدم تزین کے ساتھ اور اس کا مدار بھی وہی احتمال فتنہ ہے اُمید ہے کہ اب سب اشکالات اس کے متعلق رفع ہو گئے ہوں گے۔ ۷ جمادی الاخری ۳۲؁ھ (تتمہ رابعہ ص ۴۰)

حد زیارت ابوین منکوحہ شابہ را

سوال (۲۷۱) فلاں شخص یعنی خسر اپنی لڑکی کو لے گئے تو حضور میرا نقصان ہوا بلا میری مرضی کے لے گئے اور یوں کہتے ہیں کہ کیا ہمارا حق نہیں رکھنے کا اور اب خبر نہیں کہ وہ کب تک رکھیں اب حضور یہ کمترین یہ بات دریافت کرتا ہے کہ ماں باپ کو کتنا حکم ہے اپنے گھر رکھنے کا یا یہ ہے کہ اگر چار مہینے خاوند کے یہاں تو آٹھ مہینے باپ کے گھر اور حضور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی لڑکی کوئی بیع نہیں کر دی ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولا یمنعھا من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانھا علی ما اختارہ فی الاختیار الی قولہ ولا یمنعھما من الدخول علیھا فی کل جمعۃ وفی غیرھما من المحارم فی کل سنۃ لھا الخروج ولھم الدخول زیلعی فی رد المحتار فان قدرا لا تذھب وھو حسن الی قولہ و الا ینبغی ان یاذن لھا فی زیارتھما فی الحین علی قدر متعارف اما فی

کل جمعۃ فھو بعید فان فی کثرۃ الخروج فتح باب الفتنۃ خصوصًا اذا کانت شابۃ والزوج من ذوی الھیأۃ بخلاف خروج الابوین فانہ ایسر الخ ج ۲ ص ۱۹۳۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس جوان عورت کے ماں باپ اُس کے پاس خود آسکتے ہوں شوہر اگر اس کو بالکل نہ جانے دے تو ماں باپ کو کچھ اختیار نہیں بلکہ خود آکر مل جایا کریں اور اگر نہ آسکتے ہوں تو موافق عرف اور رواج کے کبھی کبھی اُس عورت کو جائز ہے کہ ماں باپ کے گھر چلی جاوے اور بار بار جانا اور زیادہ رہنا جائز نہیں۔

۳؍ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳۸)

نابالغہ کا نکاح بلا ولی باطل ہے

سوال (۱۷۲) چہ فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ عرصہ چند برس کا ہوتا ہے کہ ایک عورت نے اپنی دختر نابالغہ کو باقرار خانہ داری ساتھ ایک لڑکے برادری کے بلا رضامندی اپنے شوہر کے نکاح کر دیا اور کل خرچہ شادی طرفین کا اپنے پاس سے صرف کیا باندازِ دو صد روپیہ ہوگا باوجودیکہ خاوند اس عورت کا وقت شادی کے موجود تھا الا بوجہ بدطینتی و زبان درازی عورت کے دم نہیں مار سکتا سوائے خاموش رہنے کے بلکہ اس بارہ میں بارہا شوہر مانع ہوا کہ عبث دختر کو ساتھ ایسے لڑکے کے بیاہ کرتی ہو آخر ایک روز سوائے ہاتھ تغابن و افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آوے گا باوصف ایں ہمہ فہمایش نشیب و فراز تاہم بذات اس بدذات کے اثر پذیر نہ ہوا علاوہ آں بترش روئی و غصہ عورت مذکور کہتی ہے کہ تم چپ ہو تمہارا اس میں دخل نہیں وہ بے چارہ دم بخود اور بروقت نکاح ہونے کے نکاح پڑھلنے والے نے مہر کے بارہ میں استفسار مرد سے نہیں کیا پس اندریں صورت نکاح بدون اجازت باپ کے درست وقائم رہا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ اس صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوا کیونکہ نابالغہ کا نکاح بدون ولی نہیں ہوتا اور باپ کے ہونے ماں کو ولایت نہیں پہنچتی۔ ویجوز نکاح الصغیرۃ اذا زوجھما الولی بکرا کانت الصغیرۃ او ثیبًا والولی ھو العصبۃ ھدایہ۔ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام درمختار۔

۲۷؍ ذی الحجہ روز جمعہ ۱۳۰۶ھ (امداد ص ۲۷ ج ۲)

نابالغہ کا نکاح اجازت ولی پر موقوف ہے

سوال (۲۷۳) ایک لڑکی نابالغہ ۱۲ یا ۱۳ برس کی ہے اس کا بھائی ۱۵ یا ۱۶ برس کا مکان سے بہت دور کلکتہ میں نوکر ہے اُس لڑکی کے باپ و دادا نہیں ہیں چچا وغیرہ و دیگر اقرباء موجود ہیں لیکن پورے طور پر کوئی بھی اُس خبر گیری و خیر اندیشی نہیں کرتا اُس کی ماں جو ہنگام طفولیت سے پرورش کرتی آرہی ہے اُس نے بوجہ غربت و تکلیف کے بلحاظ پرورش اپنی دانست میں ایک اچھی جگہ اُس لڑکی کی نسبت ٹھہرائی لیکن چچا وغیرہ و دیگر اقارب نے بسبب حسد یا رنجش یا اور کوئی سبب سے ناپسند کرکے کنارہ کشی اختیار کرلی ماں نے بدرجۂ مجبوری خود ولی ہو کر اذن دیا اور نکاح کرادیا پس ایسی صورت میں یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں بصورت عدم جواز اب کیا کرنا چاہیئے اور بصورت معلق رہنے کے اگر لڑکی بجرد بلوغ اُسی جلسہ میں رضا کو ظاہر کردیوے تو پھر یہ نکاح اُس وقت درست ہوجائے گا یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار الجلد الاول صفحہ ۳۶۰ و اما اذا کان ثمہ وجد سلطان او قاض فی مکان عقد الفضولی علی المجنونۃ او الیتیمۃ فیتوقف ای ینفذ باجازتہا بعد عقلہا او بلوغہا لان وجود المجیز حالۃ العقد لا یلزم کونہ من اولیاء النسب کما تقدم فی الباب السابق تبیل قولہ و للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب الا پس چونکہ صورت مسئولہ میں مجیز نکاح کا موجود ہو لہٰذا یہ نکاح اولاً موقوف رہا اور جب بعد بلوغ لڑکی رضا کو ظاہر کردے تو اب صحیح و نافذ ہوجائے گا البتہ اگر ولی جائز اس کے بلوغ رضا سے پہلے اس نکاح کی خبر سُنکر اس کو رد کردے اب وہ معلق و موقوف نہ رہے گا بلکہ باطل ہوجائے گا۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ ہجری (امداد ص ۳۴ ج ۲)

سوال (۲۷۴) اگر نابالغ کے ولی کو علم اُس کے نکاح کا ہو اور وہ اس کے نکاح میں شمولیت نہ کرے تو یہ ولی اُس لڑکی کے نکاح کو ایک سال یا دو سال کے بعد جائز رکھے تو کیا باوجود علم نکاح کے ایک سال یا دو سال تک ولی کی رضامندی پر موقوف رہ سکتا ہے۔

الجواب:۔ رہ سکتا ہے جبتک رد نہ کیا ہو۔ فی الدر المختار باب الولی صغیرۃ زوجت نفسہا ولا ولی و لا حاکم ثم توقف و نفذ باجازتہا بعد بلوغہا لان لہ مجیزا وھو السلطان اھ

۱۸ محرم الحرام ۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۹)

نابالغہ کا نکاح غیر اب و جد کی طرف سے کر دینے کا حکم

سوال (۲۷۵) خدا بخش نامی ایک شریف شخص ہے اس کو ایک طوائف سے تعلق بلا نکاح پیدا ہوگیا اور بحالت تعلق اُس طوائف کے شکم سے ایک لڑکا پیدا ہوا اب وہ لڑکا خواہ خدا بخش کے نطفہ سے ہو یا کسی اور کے نطفہ سے کیونکہ فعل طوائفان قابل اعتبار نہیں مگر خدا بخش نے اس لڑکے کو اپنے نطفہ سے سمجھ کر اپنا بیٹا قائم کیا اور اس کا نام عبد اللہ رکھا بعد چند روز کے اُس طوائف کا انتقال ہوگیا کہ جس سے خدا بخش کو تعلق تھا اُس کے انتقال کے بعد جو اُس لڑکے عبد اللہ کو خدا بخش نے بغرض پرورش اپنے ساتھ لے لیا اُس کے وارثوں کو نہیں دیا اور اس خیال سے اُس کو اپنے ساتھ رکھا کہ میری ایک بھانجی ہے اُس سے عقد کر دوں گا اور یہ لڑکا عبد اللہ میرے قبضہ میں رہیگا چنانچہ خدا بخش مطابق اپنے خیال کے ویسا ہی عامل ہوئے اپنی بھانجی کے ساتھ اُس کے بھائی و ماں سے اجازت ولایت (کیونکہ بھائی و ماں لڑکی کے یہاں موجود نہ تھے ایک شبانہ روز بذریعہ ریل سواری ریل کے بُعد پر تھے) اس شرط پر لیکر کہ لڑکی ہملوگ کو دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بالغ ہونے پر عبد اللہ اپنے گروہ میں جا ملے اور لڑکی کو رخصت کرا لیجاوے چنانچہ خدا بخش نے اس امر کا اقرار کیا کہ ایسا نہ ہونے پاویگا (اور وہ لڑکی یتیم تھی اُس کے وارث ماں و بھائی تھے اور کوئی نہ تھا) اس شرط کے اوپر خدا بخش نے ولایۃً منجانب فرزند و بھانجی باختیار خود عقد کر دیا اور اس وقت میں عبد اللہ کی عمر تخمیناً آٹھ برس کی تھی اور لڑکی کی عمر جو اُس کی بھانجی ہے تخمیناً چودہ برس کی تھی۔ بعد دو سال کے خدا بخش کا خیال غلط نکلا یعنی اُس طوائف کے لڑکے کے وارثوں نے اُس لڑکے یعنی عبد اللہ کو اپنے ساتھ لے لیا اور لڑکی کی رخصت چاہی لیکن خدا بخش نے مطابق شرط اپنی ہمشیرہ و بھانجے کے رخصت نہیں کی اور بعد اُس کے خدا بخش کو یہ فکر ہوئی کہ اس لڑکی کو طلاق دلایا جائے اور دوسرا نکاح اپنی بھانجی کا کر دیا جاوے کیونکہ اگر طوائفوں کے زمرہ میں میری بھانجی رہے گی تو اس سے جو اولاد ہوگی وہ فعل طوائفانہ اختیار کرے گی اس خیال سے طلاق لینے کی کوشش کی گئی اور طلاق نامہ لکھا گیا اور اب اس وقت میں عبد اللہ کی عمر گیارہ سال کی ہے جس کا شمار نابالغی میں ہے اور بہت چھوٹا ہے اور خدا بخش کی بھانجی کی عمر اس وقت سترہ برس کی ہے جو پورے طور سے بلوغت کو پہنچی ہوئی ہے پس مطابق وجوہ بالا یہ طلاق صحیح و درست ہو سکتا ہے یا نہیں اور اس عورت بالغہ کا نکاح ثانی بلا انتظار عدت بعد گزرنے مدت دو ماہ دس یوم اُس لڑکی کا نکاح ثانی کر دیا گیا تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں

یا اور کوئی حکم ہے مشرح حکم کی ضرورت ہے رخصتی لڑکی دیگ جائی میاں بی بی تا صدور جواب

استفتار ملتوی ہے۔ فقط۔

الجواب - فی الدر المختار باب الولی وللولی انکاح الصغیر والصغیرة الیٰ قولہ وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ ولو الام لا یصح النکاح من غیر کفوٍ او بغبن فاحش اصلا وما فی صدر الشریعة صحح ولھما فسخہ وھم الا مختصراً - قلت وقد قررہ فی رد المحتار وفی الدر المختار باب الولی ایضاً وھو ای الولی شرط صحة نکاح صغیر الخ -

بنا بر روایات مذکورہ جواب یہ ہے کہ اگر وقت عقد اول کے یہ بھانجی نابالغ تھی تب تو اس عقد کے ناجائز ہونے کی دو وجہ ہیں ایک غیر اب وجد کا غیر کفو زوج سے نکاح کرنا کیونکہ عبداللہ بوجہ عدم ثبوت نسب کے کفو اس کا نہیں جیسا روایت اول سے معلوم ہوا اور دوسری بوجہ عدم ثبوت نسب کے عبداللہ کا کوئی ولی نہ ہونا اور اگر وہ بالغ تھی تو صرف وجہ دوم سے یہ عقد ناجائز ہے کہ عبداللہ کا کوئی ولی شرعی نہیں اور صغیر کا نکاح بلا ولی جائز نہیں جیسا روایت دوم سے معلوم ہوا بہر حال یہ عقد اول صحیح نہیں ہوا اور دوسرا نکاح درست ہوگیا۔ ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

سوالات تنقیح طلب ۱ عبداللہ کی ماں جو طوائف بلا نکاح تھی اُس کے اقارب دور و نزدیک کے کون کون ہیں یعنی ماں بھائی بہن وغیرہ اور اگر اس طوائف کی ماں و نانی ودادی وغیرہ بھی بے نکاح تھیں تو صرف اُن رشتہ داروں کو بتلایا جاوے جو بواسطہ ماں و نانی وغیرہ کے اس سے رشتہ رکھتے ہوں کیونکہ حرام سے باپ کے رشتہ داروں کا تعلق شرعاً ثابت نہیں (۲) اگر اس طوائف کے رشتہ دار موجود ہیں تو انھوں نے اس نکاح کے ہونے پر کچھ اپنی زبان سے کہا یا نہیں کہا اسی طرح اس دوسرے نکاح کے وقت کچھ کہا یا نہیں کہا۔

(۳) خدا بخش کی بھانجی کا بھائی وقت اجازت دینے نکاح کے بالغ تھا یا نابالغ۔

(۴) اس کہنے کا کیا مطلب تھا کہ لڑکی ہم تم کو دیتے ہیں کیا عبداللہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دینا مقصود نہ تھا۔ (۵) جب عبداللہ سے اس بھانجی کا نکاح کیا گیا اُس وقت یہ بھانجی بالغ تھی یا نابالغ یعنی اس کو معمولی ایام ہوتے تھے یا نہیں۔

جوابات تنقیح ۱ عبداللہ کی ماں کے اقارب دور و نزدیک کے بیان کئے

جاتے ہیں مولا بخش متوفی عبداللہ کا پرنانا تھا اُس کی زوجہ منکوحہ عبداللہ کی پرنانی نکاح عبداللہ کے وقت حیات تھی ایک سال کا عرصہ ہوا کہ وہ قضا کرگئی۔ مولا بخش سے ایک لڑکی مسماۃ چوہا نام جو عبداللہ کی نانی ہو وہ پیشہ طوائف میں رہی وہ ابھی تک حیات ہے یہ اپنے والدین سے اکیلی تھی اب مسماۃ چوہا کی طوائف سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ایک کا نام مسماۃ رمضان بخش والدہ عبداللہ جس کو تعلق خدا بخش سے تھا اور دوسری کا نام مسماۃ باندی ہو خالہ عبداللہ جس کو تعلق دوسرے سے ہے مگر اُس نے اب چار سال سے نکاح کرلیا ہے جو خالہ عبداللہ کی ہوتی ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے مسماۃ رمضان بخش کی دو لڑکی بالغہ اخت عبداللہ پیشہ طوائف میں تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام عبداللہ ہے جو بروقت نکاح و طلاق نابالغ تھا وہ ہی۔ اب اُس کے خاص رشتہ کا سلسلہ ختم ہوگیا اب رشتہ دور کا بیان کیا جاتا ہے عبداللہ کا پرنانا مولا بخش دو بھائی تھا ایک دوسرے بھائی کا غوث محمد متوفی تھا اُس کی زوجہ منکوحہ سے جو ابھی حیات ہے تین لڑکیاں جو پیشہ طوائف میں ہیں موجود تھیں وہ ہیں اور ایک لڑکا جس کا نام اللہ بخش میر شکار ہو جو بروقت نکاح عبداللہ بالغ تھا وہ اس وقت تک موجود ہے اور ان لوگوں کی نسل ابھی ترقی پر نہیں ہوئی یہیں تک محدود ہو اور کوئی رشتہ دار حلال و حرام کے بجز ان لوگوں کے بروقت نکاح عبداللہ نہیں تھے (۲) دونوں نے نکاح کے وقت کچھ اپنی زبان سے نہیں کہا اول نکاح میں بوجہ ولی ہونے خدا بخش و دوسرے نکاح میں بسبب ہوجانے طلاق نامہ کچھ نہیں کہا۔

(۳) نابالغ تھا (۴) دل سے منظور نہ تھا مگر بوجہ مروت خدا بخش کو اختیار دیدیا تھا۔

(۵) نابالغ تھی معمولی ایام نہیں ہوئے تھے۔

جواب تتمہ۔ اصل جواب تشقیق کے طور پر اس لئے لکھا تھا کہ بعض واقعات معلوم نہ تھے پھر تنقیح کے بعد جب نکاح اول کے وقت اس بھانجی کا نابالغ ہونا ثابت ہوگیا پس اس نکاح اول کے ناجائز ہونے کے لئے یہی وجہ کافی ہے بہر حال یہ نکاح اول صحیح نہ ہوا تھا اب دوسرے نکاح سے اگر یہ بھانجی راضی ہے تو درست ہوگیا۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۸۰)

صغیرہ کا اپنی جارت سے کیا ہوا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہو

سوال (۲۷۶) شخصے دختر صغیرہ عاقلہ خود را بعد قبض مہر معجلش بخانہ خاطب فرستاد و نکاح بعبارۃ صغیرہ موصوفہ در آنجا منعقد شد آیا این نکاح صحیح باشد یا نہ و بر تقدیر اول لازم باشد یا قابل الفسخ۔

الجواب - اگر ولی صغیرہ بصریح عبارت خود صغیرہ را اذن دادہ بود کہ بزبان خود قبول کنی یا بعد از نکہ صغیرہ قبول کرد آں ولی ایں قبول را بعبارت صریح خود جائز داشتہ نکاح منعقد شد والا زیرا کہ تصرفات صغیرہ محتاج و موقوف بر اذن ولی می باشد اذن سابق باشد یا لاحق وہو ظاہر فقط ۱۶ر شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۳)

حکم نکاح نابالغہ باجازت ام باوجود موجودگی عم در حضر و موجودگی اب در سفر

سوال (۲۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں زید مکان پر موجود نہیں تھا ملک برہما میں بذریعہ نوکری گیا تھا زید کی بی بی نے زید کی لڑکی زبیدہ کا نکاح جو نابالغ تھی عمرو کے ساتھ جو بالغ تھا کر دیا جب زید مکان پر آیا تو اس نے کہا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے بعد چند روز کے زید اپنی نوکری پر چلا گیا اور زبیدہ عمرو کے مکان پر گئی اور ایک سال رہ کر اپنے باپ کے مکان پر آئی زبیدہ جب عمرو کے مکان سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے مکان پر آئی اس کے ایک سال بعد بالغ ہوئی اور کہتی ہے کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں ہے اور زبیدہ کا باپ زید بھی مکان پر آیا ہے اُس کو بھی یہ نکاح پہلے سے نامنظور تھا اب بھی نامنظور ہے اب زید و زبیدہ اور اس کی ماں سب کو منظور ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح کر دیا جاوے زبیدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ جائز ہوا یا نہیں اور دوسرے شخص کے ساتھ زبیدہ کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ فقط

تنقیح - دو امر تنقیح طلب اس سوال میں معلوم ہوئے جواب ان پر موقوف ہے ایک یہ کہ زبیدہ کا نکاح جو اُس کی نابالغی میں عمرو سے کر دیا گیا تھا اس تعجیل کا سبب کیا یہ اندیشہ تھا کہ ایسا اچھا موقع پھر ہاتھ نہ آوے گا یا اور کوئی سبب تھا۔ دوسرا امر یہ کہ زبیدہ کا کوئی اور رشتہ دار و دھیالی بھی نکاح کے وقت موجود تھا جیسا اُس کا کوئی چچا یا بالغ بھائی یا موجود نہ تھا صرف ماں ہی موجود تھی اور اگر کوئی موجود تھا تو اس نے اس نکاح کے متعلق کیا کہا تھا ان دونوں تنقیح کے جواب پر جواب موقوف ہے۔

جواب تنقیح ۱ نکاح میں تعجیل کا یہ سبب ہے کہ زبیدہ کا نکاح عمرو سے ہوا اور عمرو کی ہمشیرہ کا نکاح زبیدہ کے بھائی بکر سے جو زبیدہ سے کم عمر ہے ایک ساتھ ہوا اسی وجہ سے زبیدہ کی ماں نے نکاح میں جلدی کی زید کو خبر نہیں دی ۲ وقت نکاح کے زبیدہ کا چچا موجود تھا اُس نے منع کیا مگر زبیدہ کی ماں نے اُس کے کہنے کو منظور نہیں کیا

اسی وجہ سے زبیدہ کا چچا نکاح میں شریک نہیں ہوا دوسرا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تھا۔

الجواب ۔ باپ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں ہے پس اس کا کیا ہوا نکاح موقوف ومعلق رہا تھا جب زید آیا اور اس نے کہدیا کہ ہم کو یہ نکاح منظور نہیں تو وہ نکاح باطل ہو گیا اس کے بعد زبیدہ جو عمرو کے مکان پر گئی اس جانے سے نکاح درست نہیں ہوسکتا پس اب زبیدہ چونکہ بالغ ہے اُس کی اجازت سے دوسری جگہ اس کا نکاح جائز ہے و لا یخالجك ان غیبۃ الاب کانت منقطعۃ فتنتقل الولایۃ الی الام لان الغیبۃ المنقطعۃ علی ما نقل الشامی عن الذخیرۃ اصح تفاسیرہ انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات الکفوء الذی حضر و فی البحر عن المجتبیٰ والمبسوط انہ الاصح و فی النہایۃ واختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل و فی الہدایۃ انہ اقرب الی الفقہ و فی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ واطال فی ترجیحہ جلد ۲ ص۵۱۶ ولم یوجد ھذا الشرط کما یعلم من جواب التنقیح وان فرض ان الغیبۃ منقطعۃ فالعم کان ولیا ولم یرض ونھی عنہ فلم یصح النکاح اصلا فارتفع الشبہۃ وصح الجواب بلا غبار۔ ۳۰ر شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۸۳)

حقوق زوجین کی مجملاً تفصیل۔

سوال (۲۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زوج پر زوجہ کے حقوق دنیا و آخرت کے کس قدر ہیں اور زوجہ کے ذمہ کیا کیا حق ہیں بالعکس دنیا و آخرت کے کیا کیا حقوق ہیں۔

الجواب ۔ زوج پر زوجہ کے یہ حقوق ہیں (۱) حُسن خُلق (۲) برداشت کرنا ایذا کا مگر باعتدال (۳) اعتدال کرنا غیرۃ میں یعنی نہ بدگمانی کرے نہ بالکل غافل ہو جائے۔ (۴) اعتدال خرچ میں یعنی نہ تنگی کرے نہ فضول خرچی کی اجازت دے۔ (۵) احکام حیض وغیرہ کے سیکھ کر اُس کو سکھلانا اور نماز اور دین کی تاکید رکھنا اور بدعات اور منہیات سے منع کرنا۔ (۶) اگر کئی عورتیں ہوں اُن کو برابر رکھنا حقوق میں (۷) بقدر حاجت اس سے وطی کرنا۔ (۸) بدون اجازت عزل نہ کرنا۔ (۹) بدون ضرورت طلاق نہ دینا۔ (۱۰) بقدر کفایت رہنے کو گھر دینا۔ (۱۱) اُس کے محارم اقارب سے اس کو ملنے دینا۔ (۱۲) راز ظاہر نہ کرنا جماع وغیرہ کا (۱۳) حد سے زیادہ نہ مارنا۔ اور مثل ان کے اور حقوق زوج

کے یہ ہیں :- (۱) ہر امر میں اس کی اطاعت کرنا بشرطیکہ معصیت نہ ہو۔ (۲) اُس کے مقدور سے زیادہ نان ونفقہ طلب نہ کرنا۔ (۳) بدون اجازت شوہر کے کسی کو گھر میں نہ آنے دینا (۴) بدون اس کی اجازت گھر سے نہ نکلنا (۵) بدون اجازت اُس کے کسی کو کوئی چیز اُس کے مال سے نہ دینا (۶) نفل نماز ونفل روزہ بدون اجازت اُس کے نہ پڑھنا نہ رکھنا۔ (۷) اگر صحبت کے لئے بلاوے بدون مانع شرعی کے اس سے انکار نہ کرنا۔ (۸) اپنے خاوند کو بوجہ افلاس یا بدصورتی کے حقیر نہ سمجھنا (۹) اگر کوئی امر خلاف شرع خاوند میں دیکھے ادب سے منع کرنا۔ (۱۰) اُس کا نام لیکر نہ پکارنا (۱۱) کسی کے روبرو خاوند کی شکایت نہ کرنا (۱۲) اُس کے روبرو زبان درازی نہ کرنا (۱۳) اس کے اقارب سے تکرار نہ کرنا اور مثل ان کے جانبین کے حقوق کثیرہ ہیں جو اس وقت ذہن میں مستحضر ہوئے لکھے گئے۔ ہذا ما اخذت من احیاء العلوم وغیرہ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ

(امداد الفتاوی جلد ثانی صک)

زوجہ کے مکان پر رہنے کی شرط بوقت نکاح

سوال (۲۷۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ وبکر نابالغ کا نکاح بولایت زید وعمرو ہوا تھا بروقت نکاح ولیین سے یہ شرط قرار پائی تھی کہ بکر آج سے زید کے مکان پر بطور متبنیٰ ہمیشہ بود وباش وسکونت اختیار کرے گا بصورت نہ بود وباش اختیار کرنے کے ولی ہندہ مختار فسخ نکاح کا ہے ہندہ وبکر اب تک نابالغ ہیں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور اب ولی بکر یعنی عمرو تعمیل شرط سے انکار کرتا ہے پس زید ولی ہندہ کو اختیار[ع۵] فسخ نکاح حاصل ہے یا نہیں۔

الجواب - قال اللہ تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ وقال تعالیٰ

ع۵ جواب میں اس شبہ کا دفع باقی رہ گیا کہ اس کو امر بالیہ میں داخل کیا جائے سو اس کا حل یہ ہے کہ اول تو امر بالیہ میں اختیار طلاق کا ہوتا ہے نہ کہ فسخ کا دوسرے اس میں تقیید بالمجلس ہے اور یہاں مجلس مخالفت شرط میں طلاق کو اختیار نہیں کیا گیا اور عموم پر کوئی لفظ دال نہیں تیسرے اسمیں شرط ہے کہ یا تو بعد نکاح ہو یا نکاح کے اندر ہو تو اس میں خاص قید ہیں۔ "مقید بما اذا ابتدأت بالمرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ والبزازیۃ شامی آخر باب الامر بالید اھ" سوال سے یہ صورت معلوم نہیں ہوتی پھر احد الکلامین میں لفظ نفس مذکور ہو یہ بھی نہیں ۱۲ منہ

وَاَوْفُوْا بِالعھد ان العھد کان مسئولا وقال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِاَیْمَانِکُم
اِنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ وقال تعالیٰ وَلٰکِن لا تواعدوھن سرا الآیات۔
آیتین اولین آمر ہیں ساتھ وفائے عہود کے مطلقاً اور آیتیں اخریین مخصص عہود کی ہیں
ساتھ عہود مشروعہ کے وہٰذا ظاہر وروی ابن الجوزی بسندہ عن عائشۃ عن
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال المسلمون عند شروطھم ما وافق
الحق من التفسیر المظہری وفی الصحیحین ماکان من شرط لیس فی
کتاب اللّٰہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط فقضاء اللّٰہ حق وشرط اللّٰہ اوثق۔
ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو شرط خلاف شرع نہ ہو اُس کا پورا کرنا واجب ہے
اور جو خلاف شرع ہو اُس کا پورا کرنا واجب نہیں یہ حکم تو مطلق عہود کا ہے اور یہی حکم خاص
شروط میں ہے۔ یؤیدہ عموم قولہ تعالیٰ اذا تراضوا بینھم بالمعروف وفی البخاری فی باب
الشروط فی المھر عند عقدۃ النکاح وقال عمرؓ مقاطع الحقوق عند الشروط ولک
ما اشترطت وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ
ما استحللتم بہ الفروج وفی باب مالا یجوز من الشروط فی عقدۃ النکاح ولا تسال
المرأۃ طلاق اختھا لتستکفی انائھا الحدیث ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ غیر
مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ صورت
مسئولہ میں شرط مذکور جائز ہے یا نہیں اگرچہ نظراً الی ظاہر العرف جائز معلوم ہوتی ہے مگر
عند التحقیق درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جبراً لڑکے کو خسر وغیرہ کے پاس رہنے میں
صبی اور اُس کے محارم میں تفریق لازم آتی ہے وقد اخرج الترمذی ان النبی صلی اللّٰہ
علیہ وسلم قال من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللّٰہ بینہ وبین احبتہ
یوم القیامۃ۔ دوسری یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے اور ایسی شرط لازم نہیں ہوتی
قال القسطلانی تحت حدیث احق الشروط الخ والمراد شروط لا تنافی مقتضی عقد
النکاح بل تکون من مقاصدہ کشروط العشرۃ بالمعروف وان لا یقصر
شئی من حقوقھا امّا شرط یخالف مقتضاہ کشرط ان لا یتسری علیھا و
لا یسافر بھا فلا یجب الوفاء بہ بل یلغوا الشرط ویصح النکاح بمھر المثل فھو عام
مخصوص لانہ یخرج منہ الشروط الفاسدۃ انتھی۔ تیسری یہ شرط لڑکے

پر لازم نہیں کیونکہ اولاً اس کی رضامندی محتمل ثانیاً غیر معتبر لتقدم الآیۃ ثالثاً وہ غیر مکلف لقولہ علیہ السلام رفع القلم عن ثلاثۃ وعد منھم الصبی حتی یحتلم اور ولی صبی پر بھی واجب نہیں کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں لکونہ فعل غیرہ وقد قال اللہ تعالیٰ لا تکلف الا نفسک الآیۃ ولا وجوب بدون الموجب علیہ پس اول تو اس شرط کی صحت ہی میں کلام ہے کما عرفت مگر باوجود فساد شرط کے نکاح میں کوئی نقصان نہیں فی الدر المختار وما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد لعدم المعاوضۃ المالیۃ ثمانیۃ وعشرون ... القرض والھبۃ والصدقۃ والنکاح الخ وفی رد المحتار والمراد بقولہ لا یبطل ما یصح فی نفسہ ویلغو الشرط وایضاً فی الدر المختار ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد وانما یبطل الشرط دونہ۔ پس صورت مسئولہ میں ولی صبیہ کو اختیار فسخ کا نہیں یہ جب ہے کہ صلب عقد میں شرط ہوئی ہو مثلاً کہا ہو کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ یہ لڑکا میرے گھر رہے اور دوسرے نے کہا ہو کہ میں نے یہ نکاح اس شرط سے قبول کیا اور اگر قبل نکاح یا بعد نکاح ٹھہری ہو وہ شرط نہیں ہو بلکہ وعدہ ہے اس وقت اس وعدہ کا مؤثر نہ ہونا نکاح میں زیادہ ظاہر ہے اور اس صورت میں بدرجۂ اولیٰ مختار نہ ہوگا البتہ جب لڑکی بالغ ہو اگر یہ ولی باپ یا دادا نہیں ہے تب لڑکی باعتبار خیار بلوغ کے بشرط قضاء قاضی مختار فسخ کی ہے اور اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہے تب یہ بھی اختیار نہیں۔ وکذا الغلام وھو معروف واللہ اعلم وانما اطلنا الکلام فی ھذا المقام وان کان یکفی سطر واحد فی کشف الابھام لان المستفتی امرنا ھذا بالزام و العلم عند اللہ العلام وھو ذو الجلال والاکرام وانا العبد المستھام الغریق فی بحار الآثام محمد المدعو باشرف علی عفا عنہ القدوس السلام (امداد ص ۲ج ۲)

سوال (۲۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بمقابلہ عمرو وخالد کے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا تھا کہ بعد نکاح کرنے کے یہیں بود وباش اختیار کریں گے دوسرے گانوں کلکتہ وغیرہ کبھی نہیں جائیں گے اب نکاح ہونے پر زید وعدہ خلافی کر کے کلکتہ یا بمبئی پھر چلا گیا اس صورت میں نکاح باطل ہو گیا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

عدم بطلان نکاح بعدم ایفاء وعدہ

الجواب۔ فی الدر المختار مع رد المحتار وما یصح ولا یبطل بالشرط الفاسد

الیٰ قولہ والنکاح۔ جلد ۲ صہ ۳۵۳ و صہ ۳۵۴ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں کوئی فساد یا بطلان نہیں آیا البتہ وعدہ خلافی بلا عذر کا گناہ الگ چیز ہے لقولہ تعالیٰ اوفوا بالعہد۔ ۹/ رمضان ۱۳۳۱ھ ہجری (تتمہ ثانیہ صہ ۷۲)

عورت ثیبہ بالغہ کا نکاح بدون ولی

سوال (۲۸۱) بیوہ ثیبہ بلا اذن ولی کے نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر وہ بیوہ بالغہ حرہ ہے تو اس کا نکاح بلا اذن ولی جائز ہے لیکن اگر غیر کفو سے یا مہر مثل سے کم پر کر لیا تو ولی کو تعرض[عہ] پہونچتا ہے۔ فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ولہ الاعتراض فی غیر الکفو۔ در مختار (امداد ج ۲ صہ ۱)

عدم صحت نکاح بالغہ با غیر کفو بدون اذن ولی

سوال (۲۸۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بیوہ ہو گئی ہے اور اس کے کئی بچے بھی ہیں قوم کی فاروقی ہے اور ان کے شوہر عالم دین دار تھے اب وہ چاہتی ہے کہ کسی عالم دین دار سے عقد کریں اُن کی برادری اور میل کا کوئی شخص نہیں ملتا ہے اُن کی مرضی کے موافق ایک صاحب ہیں جو کہ مدرسہ جامع العلوم کان پور اور مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں اُن کی جانب اُن کا میلان طبع بھی ہے مگر اتنا نقص واقع ہے کہ وہ صاحب قوم کے نوربافت ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ ہندہ کو ایسے شخص سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اور لوگوں کا بُرا بھلا کہنا کیسا ہے اور مسماۃ ہندہ بغیر رضامندی والدین عقد کر سکتی ہے یا نہ۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ ولو غیر محرم کابن عم فی الاصح خانیہ وخرج ذوالارحام والام والقاضی الاعتراض فی غیر الکفو الیٰ قولہ ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان فی ردالمحتار تحت قولہ بعدم جوازہ اصلاً وقول البحر لم یرض یشمل ما اذا لم یعلم اصلاً فلا یلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منہ لا یکون رضی کما ذکرنا فلا بد حینئذ بصحۃ العقد من رضاہ صریحاً وعلیہ فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتأمل وفیہ تحت قولہ وھو المختار اختری وقال شمس الائمۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ

عہ لیکن خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ قضاء قاضی شرط ہے ۱۲ منہ عہ مفتیٰ بہ قول پر بدون اذن ولی غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

قاسم لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولی وعدل القاضی فقد یترک انفۃ للتردد علی ابواب الاحکام واستثقالہ لانفس الخصومات فلیتقرر الضرر فکان منعہ دفعاً لہ فتح صہ ۴۸۶ و ۴۸۷ جلد ۲۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ والد کی صریح اجازت لیکر عقد کرنے سے صحیح ہوگا ورنہ نہ ہوگا۔ ۲۰ر شوال ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ صہ ۱۰۲)

وقت زفاف کی دعائیں

سوال (۲۸۳) کیا فرماتے ہیں علماء کہ جب دلہن کو اپنے گھر لاوے تو بوقت صحبت وخلوت صحیحہ کون کون امر زوج پر سنت ہے اور کون کون دعا پڑھنا احادیث سے ثابت ہے اور کوئی نماز بھی پڑھنا چاہیئے اور کیا کیا برکت ورحمت نازل ہوتی ہے ایسے حامل سنت پر۔

الجواب۔ سنت یہ ہے کہ اول اس کے موئے پیشانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور بسم اللہ کہہ کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَیْہِ اور جس وقت ارادہ صحبت کا کرے یہ کہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔ پہلی دعا کی برکت یہ ہے کہ زوجہ ہمیشہ تابع رہے گی، دوسری دعا کی یہ برکت ہے کہ اگر اولاد ہوگی صالح ہوگی اور ضرر شیطان سے محفوظ رہے گی زاد المعاد اور نماز پڑھنا کسی حدیث میں تو دیکھا نہیں مگر بعض علماء سے سنا ہے کہ اول دو رکعت شکریہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ تو نے مجھ کو حرام سے بچایا اور حلال عنایت فرمایا پھر بعد اس کے ادعیہ مذکورہ پڑھے۔ (امداد صہ ۱ ج ۲)

کیا انعقاد نکاح کے لئے منکوحہ کی تعیین اس کے نام کی تصریح کیساتھ ضروری ہے

سوال (۲۸۴) وقت نکاح قاضی کو نام زوجہ کا لیکر مجمع عام میں پکار کر ایجاب وقبول کرانا چاہیئے یا کیا اور جو بدون نام لینے زوجہ کے ایجاب وقبول کرادے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ شرط جواز نکاح یہ ہے کہ منکوحہ زوج اور شاہدین کے نزدیک مجہول نہ رہے بلکہ اپنے غیر سے متمیز ہو جائے خواہ کسی طرح سے امتیاز ہو پس اگر منکوحہ حاضر ہے تو اُس کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہے اور اگر غائب ہے تو اگر بدون تصریح نام کے بعض

ع پس سنت سمجھ کر نہ پڑھے محض شکر کے طور پر مضائقہ نہیں ۱۲ منہ

قیود سے اُس کی تعیین ممکن ہے تو نام لینے کی حاجت نہیں اور اگر اوصاف سے تمیز نہ ہو تو اس کا نام لینا ضرور ہے بلکہ اگر اس کے نام سے بھی تعیین نہ ہو تو باپ دادے کا بھی ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ رفع ابہام ہو جاوے فی الدر المختار ولا المنکوحۃ مجہولۃ وفی رد المحتار قلت وظاهرہ انها لو جرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشهود ایضاً یصح العقد وهی واقعۃ الفتوی لان المقصود نفی الجهالۃ وذلك حاصل بتعینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها کما اذا کانت احدهما متزوجۃ ویؤید ما سیأتی من انها لو کانت غائبۃ وزوجها وکیلها فان عرفها الشهود وعلموا انہ ارادها کفی ذکر اسمها والا لابد من ذکر الاب والجد ایضاً الی اخر ما قال واطال واللہ اعلم (امداد ص۱۱ ج۲)

حکم صحتِ نکاح بدون ذکر اسم زوجہ وقتیکہ نزد گواہان وعاقدین بمقدمات نکاح وغیرہ زن متمیز شود

سوال (۲۸۵) زید کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی کا نام زینب اور چھوٹی لڑکی کا کلثوم ہے زینب کا نکاح بکر سے ہونے کا مقرر ہوا اُس دن بکر کی طرف سے پانچ چھ آدمی کپڑا زیور وغیرہ لیکر زید کے مکان میں گئے تو زید نے اُن لوگوں سے کپڑا زیور وغیرہ لیکر زینب کو پہنایا بعد اُس کے زید اور بکر کی طرف کے لوگ مل کر بکر کے مکان میں آئے اور زید کے مکان پر زینب مذکور رہی بعد اُس کے حاضرین مجلس نے زید سے کہا کہ تمہاری لڑکی کا نکاح بکر سے کر دیں زید نے کہا کہ میں نے کر دیا بکر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور زید نے لڑکی کا نام نہیں لیا نکاح خواں حاضرین مجلس اور زید نے بکر سے پوچھا کہ کس کا نکاح ہوا تم سمجھے مجاب دیا کہ سنگھار کیا ہوا دلہن کا۔ آیا نام نہ لیکر فقط سنگھار کیا ہوا زینب کی طرف نسبت کر کے جو نکاح ہوا یہ صحیح ہے یا نہیں اور زینب مذکور نابالغ ہے بکر اور گواہ اس وصف اور پتہ سے زینب کی تعیین سمجھو ہیں۔

الجواب - فی رد المحتار- لو جرت المقدمات علی معینۃ وتمیزت عند الشهود ایضاً یصح العقد وهی واقعۃ الفتوی لان المقصود نفی الجهالۃ وذلك حاصل بتعیینها عند العاقدین والشهود وان لم یصرح باسمها جلد ۲ ص۴۳۷ - جب سب زینب کی تعیین سمجھ گئے نکاح

صحیح ہوگیا۔ ۱۶؍ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۷)

ضرورت عقد نکاح

سوال (۲۸۶) جب کہ زرخرید کنیز کے ساتھ مباشرت کرنا روا ہے تو پھر عقد کی کیا ضرورت ہے (۲) مہر کیوں تعین کیا جاتا ہے،

(۳) زوجہ منکوحہ اور کنیز زرخرید میں کیا فرق ہے،

الجواب۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محتاج بقاء نوع کا پیدا کیا ہے، اور بقاءٗ نوع بدون مصاحبت مرد و زن کے غیر ممکن ہے، پس احتیاج بقاء نوع مقتضی ہوئی اصطحاب مرد و عورت کو، اس اصطحاب کی کئی صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ نہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ مختص ہو، نہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ بلکہ ہر مرد کو ہر عورت سے صحبت حلال ہو، اور ہر عورت کو ہر مرد کا متمکن کردینا مباح ہو،

دوسری صورت یہ کہ مرد عورت کے ساتھ مختص ہو، اور عورت مرد کے ساتھ

یعنی ایک عورت ایک مرد کے پاس رہے ۱۲

تیسری یہ کہ مرد تو عورت کے لئے مختص ہو، یعنی سوائے اس مرد کے دوسرے مرد کو صحبت حلال نہ ہو، لیکن عورت اس کے لئے منفرد مختص نہ ہو، بلکہ تعدد نسواں جائز ہو،

چوتھی اس کا عکس یعنی عورت مرد کے لئے منفرد ہو، یعنی سوائے اس عورت کے دوسری سے صحبت حلال نہ ہو، اور مرد منفرد نہ ہو، بلکہ تعدد رجال جائز ہو،

ان چاروں صورتوں میں پہلی اور چوتھی صورت تو بالکل خلاف عقل ہے، کیونکہ مرد ہیں بالطبع شہوت وغیرہ رکھی ہے، اور در صورت تعدد رجال کے یقیناً ان میں تجادل وتقاتل کی نوبت پہونچے گی اور یہ امر مخل تمدن وعمارۃ عالم ہے، لہٰذا یہ دونوں صورتیں حرام ٹھہریں،

دوسری صورت بالکل موافق عقل ہے، کہ اس میں نہ عورتوں میں عناد وفساد کا احتمال نہ مردوں میں ٹھ جائز ٹھہری،

تیسری صورت اگرچہ بظاہر خلاف عقل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ وہ مفضی ہے طرف تنازع وتمانع عورتوں کے یہ بھی جائز نہ ہوتی، لیکن چونکہ عورتوں کو بوجہ ضعف قوت علمیہ وعملیہ مردوں کی برابر تمدن میں دخل نہیں، اس لئے ان کے بغضاء وشحناءٗ کو مضر نہیں سمجھا گیا، اور جتنا کچھ ضرر کا احتمال تھا اس کا تدارک وحدۃ قہریہ

زوج کے ساتھ کیا گیا، اس کو قوام وحاکم بنایا، کہ ان دونوں کو سلک اتفاق صوری میں منسلک رکھے، لہذا یہ صورت بھی جائز ٹھہری، پس مدار عدم جواز کا عدم اختصاص رجال اور مناط جواز کا اختصاص رجال ہوا، پس اختصاص رجال ایک امر مطلوب ومطمح نظر ٹھہرا، اس اختصاص کی صورتیں عقلاً متنوع ومتعدد ہیں، لیکن بشہادت فطرت سلیمہ عادلہ اس سے بہتر کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی، کہ مرد وزن سے بواسطہ یا بلاواسطہ اس اختصاص کا اقرار علیٰ رؤس الاشہاد دلیا جائے، تاکہ دوسرے مردوں کی طمع اس عورت سے قطع ہو جائے، اور نوبت جدال وقتال کی نہ پہونچے، اس صورت کا نام شرعاً عقدِ نکاح ہے، اور چوں کہ یہ اختصاص بوجہ ترجیح اس مرد کے اور ابناء جنس پر ایک امر مہتم بالشان ہے اس کے اظہار اہتمام وایضاح اعتناء کے لیے قدرے مال مرد کے ذمہ واجب کیا گیا، جس کا صرف وبذل عرفاً دلیل اہتمام مبذول علیہ کی ہو، تاکہ اختصاص کی ایک وجہ وجیہہ متعین ہو جائے، اور بباعث ارغبیۃ واجبیۃ مال وتعذر انفاق اس کے کے دیگر ابناء نوع اس اختصاص پر غبطہ نہ کریں اس کا نام مہر ہے، پس یہ متممات اختصاص میں سے ہوا، اسی وجہ سے یہ رسم قبل بعثت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی عرب میں شائع تھی، اور شارع علیہ نے بھی اس کو برقرار رکھا، دنیز فائدہ نکاح کا کہ معاشرت ومعاونت ہے تام نہیں ہوتا، جب تک کہ ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے توطین نفس حاصل نہ ہو، اور یہ اطمینان نہ ہو کہ یہ مجھ سے جُدا نہ ہوگا، پس مرد کی دلجمعی تو اس طور سے کی گئی، کہ عورت کے ہاتھ سے اختیار فراق کا سلب کر لیا گیا، اب عورت کی توطین کی یہ صورت تو نہیں ہو سکتی کہ مرد کو بھی مجاز ومختار فراق کا نہ بنایا جائے، کیونکہ اس صورت میں عورت کا اسیر ہو جائے گا، اور یہ منافی اس کی قوامیت کے ہے، پس مناسب ہوا کہ اس کے ذمہ کچھ مال واجب کیا جائے، کہ عادۃً وقت فراق کے اس کا مطالبہ شدت سے ہوتا ہے پس ہر وقت مرد کو اندیشہ رہے گا کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں گا تو اپنے حق کا سخت تقاضا کرے گی اور اس خیال سے بدون کسی ضرورت شدیدہ کے فراق پر اقدام وجرأت نہ کرے گا یہ صورت توطین عورت کی ہو پس یہ دوسری مصلحت ہو گی مشروعیہ مہر کی دنیز منکوحہ جو لخت جگر وپارۂ دل اپنے اولیاء کی ہو اس کا مفت سفت مالک ہونا موجب زیادت حزن ان کے کا ہے، پس قدرے مال کہ بالطبع محبوب ومرغوب ہے اس کے عوض میں مرد کے ذمہ واجب ٹھہرایا گیا کہ موجب شکیبائی اولیاء کا ہو کہ ایک محبوب ہمارا گیا، ایک محبوب اس

کا گیا، یہ تیسری مصلحت ہوئی مشروعیۃ مہر کی، ونیز مجاناً تملک میں ابتذال وارتذال بضع کا ہے جو منافی تکرم بنی آدم ہے، لہٰذا اظہاراً لشرف المحل مال واجب کیا گیا کہ اس کی قدر وخطر ظاہر ہو یہ چوتھی مصلحت ہے مشروعیۃ مہر کی، ونیز توافق زوجین کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی مراعات ومدارات کیا کرے اور طبعاً رعایت محسن کی بہت ملحوظ ہوتی ہے، سو محسنیت مرد کی تو بوجہ تحمل نفقہ وکسوت اس کی کے ممکن ہے، لیکن محسنیت عورت کی بسبب عاجز واسیر ہونے کے غیر متصور، لہٰذا مرد پر مال واجب کیا گیا کہ اگر عورت محسن بننا چاہے تو اپنا حق یا اس سے مؤخر کردے، یا کلاً یا بعضاً معاف کردے، اور یہ احسان جالب رعایت مرد کا ہو یہ پانچویں مصلحت ہوئی مشروعیۃ مہر میں، جب معلوم ہو چکی وجہ ضرورت عقد نکاح ومہر کی، اب سننا چاہیے کہ اپنی مملوکہ سے عقد مہر کی ضرورت کیوں نہیں صرف مالک ہو جانا کافی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو معلوم ہو چکا کہ ضرورتِ عقد اور اس کے متمم یعنی مہر کی بنا بر اختصاص مذکورہ کے ہے، پس جس جگہ یہ اختصاص مقصود ہو گا خواہ حرہ سے یا کسی کی کنیز سے وہاں عقد بھی ضروری ہو گا جہاں یہ اختصاص مقصود نہ ہو گا عقد کی بھی ضرورت نہ ہوگی، اور کنیز کے مالک ہونے سے مثل دیگر اموالِ تجارت کے مقصود صرف ملک رقبہ ہے، یہ اختصاص جو موضوع الملک المتعہ ہے مقصود نہیں، ورنہ چاہیے تھا کہ جس جگہ یہ مقصود حاصل نہ ہو تا تملک ہی جائز نہ ہو، جیسا کہ منکوحہ میں، چونکہ اختصاص ملک متعہ مقصود ہے، اس لیے جو عورت محل حل وطی کا نہ ہو، جیسی محارم ومعتدۃ الغیر وذات الزوج وغیرہ اس عورت سے نکاح ہی صحیح نہیں، لان الشئ اذا خلا من مقصودہ انتفی، حالانکہ باوجود عدم حل وطی کے بھی تملک جائز ہے، جیسے رضاعی بہن کو یا مشرکہ یا مجوسیہ کو یا غلام کو خریدنا کہ شرعاً محل حل وطی کے نہیں، جب باوجود حرمت وطی کے بھی تملک جائز ہے، تو معلوم ہوا کہ مقصود اس سے اختصاص مذکور نہیں، نیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو مملوکہ کا چند مالکوں میں مشترک ہونا جائز نہ ہوتا، جیسا کہ منکوحہ واحدہ کا ناکحین متعددین کے نکاح میں آنا بوجہ مذکورۂ بالا جائز نہیں، حالانکہ شرکت اس کی ملک میں جائز ہے، ونیز اگر اختصاص مقصود ہوتا تو چاہیے تھا کہ اپنی مملوکہ کا درصورت بقاملک کے کسی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہو، جیسا کہ اپنی منکوحہ کا درصورت بقاء نکاح کے کسی سے نکاح جائز نہیں، کہ منافی اختصاص ہے، حالانکہ اپنی مملوکہ کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے پس جب معلوم ہوا کہ اس سے وہ اختصاص مقصود نہیں، لہٰذا نہ عقد کی ضرورت نہ اس کے

متمم یعنی مہر کی حاجت اگر کسی جگہ مملوکہ سے وطی حلال ہے تو تبعاً لملک الرقبہ حلال ہے، خواہ وہ ملک رقبہ بالمال ہو مثل بیع کے، یا بلا مال ہو مثل ارث وہبہ کے کیونکہ اضعف اقویٰ کے تابع ہوتا ہے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو اور تفصیل اس کے موانع کی کتب فقہ میں مع الدلیل مذکور ہے، بعد سننے اس تقریر کے غالب ہے کہ ناظرین نے تینوں سوالوں کا جواب سمجھ لیا ہوگا۔ مگر بقدر ضرورت ہم بھی اس تقریر کو ان سوالوں پر مطابق کردیں، پس سمجھنا چاہیئے کہ سوال اول سے اگر یہ غرض ہے کہ جب اپنی کنیز کے ساتھ صرف زرخرید ہونے سے مباشرت جائز ہے پھر اس سے عقد نکاح کی کیا حاجت ہے تو ہم ابھی ثابت کرچکے ہیں کہ اپنی کنیز سے خواہ وہ زرخرید ہو یا مجاناً اس کی ملک میں آگئی ہو بوجہ نہ مقصود ہونے اختصاص مذکور کے عقد کی کوئی ضرورت نہیں، البتہ اگر کہیں تملک میں شبہ ہو تو احتیاطاً بوجہ شبہ مقصودیت اختصاص کے نکاح کرنا اولیٰ ہے، فی الدالمختار وحرم نکاح المولیٰ امتہ والعبد سیدتہ لان المملوکیۃ تنافی المالکیۃ نعم لوفعلہ المولیٰ احتیاطاً کان حسنا ۱ھ،

اور اگر یہ غرض ہے کہ غیر کی کنیز کے ساتھ عقد کی کیا حاجت ہے، یا یہ غرض ہے کہ جیسے کنیز کا تملک حل وطی کے لئے کافی ہے، علیٰ ہذا القیاس منکوحہ کو مہر دیدینا کافی ہو حاجت نکاح کی نہ ہو، تو ان دونوں سے عقد ضروری ہونے کی وجہ وہی مقصودیت اختصاص ہے، یہ جواب ہوا پہلے سوال کا، دوسرا سوال تعیین مہر کا ہے، اس کی پانچ وجوہ اوپر مذکور ہوچکیں،

تیسرا سوال بھی مثل اول کے مجمل ہے اگر اس سے غرض فرق پوچھنا ہے ان دونوں کے معنی میں، تو وہ فرق ظاہر ہے، کہ منکوحہ مملوکہ بملک متعہ ہوتی ہے اور امۃ مملوکہ بملک رقبہ، اور اگر غرض دریافت کرنا اس فرق کا ہے کہ کنیز تو خریدنے سے حلال ہوجاتی ہے، اور منکوحہ سوق مہر سے بدون عقد کے حلال نہیں ہوتی، تو بناء اس فرق کی وہی مقصود ہونا ملک متعہ کا منکوحہ میں، اور مقصود ہونا ملک رقبہ کا نہ ملک متعہ کا امۃ میں ہے جس کو ہم تین دلیلوں سے اوپر ثابت کرچکے ہیں، اور اگر ان سوالات سے کچھ اور مقصود ہے تو بیان لازم ہے، کہ اس کا جواب بھی انشاء اللہ تعالیٰ دیا جائے، ہذا ما القی فی القریحۃ واللہ اعلم بحقیقۃ اسرار الشریعۃ ۲۸ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۲۶ ج ۱۳)

عورت بلوغ کا دعویٰ کرے تو اس کے مقبول ہونے کے شرائط

سوال (۲۸۷) زن ہژدہ سالہ منکوحہ بولایت غیراب وجد فی الصغر منکر لزوم نکاح می گوید کہ مارا حالا حیض اول آمدہ اعتبار کردہ شود یا نہ، و عورت خانہ و محلہ گواہی دہند کہ حیض اورا از چند سال می آید و سینہ جسدش

فی البدیہہ می نماید کہ از چند سال بالغ است یا زنے صغیرہ بر ران زخم زدہ می گوید کہ مارا دم حیض است و پارچہ خون آلودہ مردم شاہ پارچہ دیدہ تحقیق نہ کردہ گواہی دادند یا خود آں زن گفت کہ مارا حیض می آید و خون و پارچہ کسے ندید گفتہ ایں زن بدفن قبول کردند،

الجواب - فی الدر المختار کتاب الحجر فان راھقا فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر و فی الدر المختار باب العدۃ قالت مضت عدتی والمدۃ تحتملہ وکذبھا الزوج قبل قولہا مع حلفہا وفیہ - قبیل فصل الحداد کذبتہ فی مدۃ تحتملہ لم تسقط نفقتہا ولہ نکاح اختہا عملا بخبر یھما بقدر الامکان و فی رد المحتار یعمل بخبر یھما بقدر الامکان بخبرہ فیما ھو حقہ وحق الشرع وبخبرھا فی حقہا اھ و فی الدر المختار باب الشھادۃ للولادۃ الی قولہ وعیوب النساء فیما لا یطلع علیہ الرجال امراۃ الخ وفیہ باب الولی زوجہا ابوھا فقالت انا بالغۃ والنکاح لم یصح وقال الاب او الزوج بل ھی صغیرۃ فان القول لھا ان ثبت ان سنہا تسع وکذا الولد عی المراھق بلوغہ ولو برھنا فبینۃ البلوغ اولی و فی رد المحتار و استشکل بعض المحشین تصور البرھان علی البلوغ قلت وھو ممکن بالحبل او الاحبال او سن البلوغ او رؤیۃ الدم او المنی کما فی الشھادۃ علی الزنا و فی رد المحتار بعد قول الدر ھذا قالت عند القاضی والشھود ادرکت الاٰن وفسخت فانہ یصح کما یاتی بیانہ ، از مجموعہ روایات بوضوح پیوست کہ در بلوغ قول زن معتبر است ہر گاہ صدقش محتمل باشد و وقت اختلاف او را حلف دادہ شود البتہ اگر بینہ شرعیہ بر کذبش قائم شود قول بینہ معتبر باشد و بینہ دو مرد یا یک مرد و دو زن باشد زیرا کہ اطلاع بر دم حیض بر طریقے کہ زنان را ممکن است مردان را نیز ممکن و قول امام صاحب در اکثر بلوغ ہیجدہ سال است پس بناءً علیٰ ہذہ الروایات ایں ہیجدہ سالہ دختر دہ سالہ تصدیق کردہ شود بشرطیکہ کم از نہ سال نباشد - فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۲ صفحہ ۲۰)

عورت کے بالغ ہونے کی علامات اور اس کے احکام میں تفصیل	**سوال** (۲۸۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ اللہ بندی ایک لڑکی بعمر نو سال ہے، والدین مسماۃ مذکور کے

ف لڑکی کے بلوغ سے متعلق امام صاحبؒ سے ایک روایت سترہ برس کی ہے اور دوسری پندرہ کی وھو قولہما وعلیہ الفتویٰ، لہٰذا اٹھارہ سالہ لڑکی کو اختیار بلوغ نہ ہوگا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

فوت ہو گئے ہیں، باپ کو مرے ہوئے تین برس اور والدہ کو مرے ہوئے آٹھ مہینے ہوئے، مسماۃ مذکورہ کے دو پھوپھی کے بیٹے غلام محمد و الٰہی بخش صحیح و سالم اور نانا کے تایازاد بھائی کے چار بیٹے رحیم بخش، کلو، قدرا، ردلھا، اور تین بیٹیاں عیدو، سوندھی، شبو اور ماں کی ایک خالہ زاد بہن اللہ دی اور ایک خالہ زاد بھائی نانو موجود ہیں، اس وقت مسماۃ اللہ بندی زیر حفاظت و پرورش رشتہ داران مادری یعنی نانا کے تایازاد بھائی کے اولاد کے ہے، اب مسماۃ مذکورہ کا حق ولایت نکاح کس فریق کو حاصل ہے اور اگر ولایۃً نکاح کیا جاوے تو حق رخصت کرانیکا شوہر کو فوراً حاصل ہو جائیگا یا منکوحہ کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جاوے گا، اور اگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو وہ مہر کسے دیا جاوے گا اور لڑکی کس کی حفاظت میں رہے گی، اور حد بلوغ عورت کیا ہے اور باپ یا ماں نابالغہ کیواسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصیۃً ولی کر سکتے ہیں یا نہیں اور وہ وصیت کہاں تک نافذ ہو گی اور میعاد حضانت کیا اور کس کو حق حضانت حاصل ہے، بینوا توجروا،

الجواب۔ صورتِ مذکورہ میں حق ولایت نکاح دونوں رشتہ داروں پھوپھی کی اولاد غلام محمد و الٰہی بخش کو ہے، ثم لذی الارحام العمات ثم الاخوال ثم الخالات ثم بنات الاعمام وبھذا الترتیب اولادھم شمنی در مختار قولہ وبھذا الترتیب اولادھم فیقدم اولاد العمات ثم اولاد الاخوال ثم اولاد الخالات ثم اولاد بنات الاعمام طحطاوی جلد اول ص۳۹ اور حق حضانت اس لڑکی کی ماں کی خالہ زاد بہن اللہ دی کو ہے، کیونکہ یہ ماں کی طرف کی رشتہ دار قریب ہے والاصل فی ذلک ان ھذہ الولایۃ تستفاد من قبل الامھات فکانت جھۃ الام مقدمۃ علی جھۃ الاب کذا فی الاختیار شرح المختار عالمگیری جلد ثانی ص۷۷، اور مسمیٰ نانو اور نانا کے تایازاد بھائی کی اولاد رحیم بخش، کلو، قدرادلھا، عیدو، سوندھی، شبو کو نہ حق ولایتِ نکاح ہے نہ حق حضانت ہے، اور اس صورت میں میعاد حضانۃ دختر کی اس کے قابل شہوت (یعنی ایسی عمر تک کہ اس کو دیکھ کر مرد کو اسکی طرف میلان قلب ہونے لگے) ہونے تک ہے، ومن سوی الام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تبلغ حدا تشتھی ھدایہ جلد اول ص۴۱۵، پھر جو اس کا ولی نکاح ہو اس کی حفاظت میں رہے، واذا کانت البالغۃ بکراً فللاولیاء حق الضم وان کان لا یخاف علیھا الفساد اذا کانت حدیثۃ السن عالمگیری جلد ثانی ص۸۸، اور اگر اس کا نکاح کیاجاوے تو وہ لڑکی اگر بسبب قوت و جسامت کے قابل شوہر کے پاس رہنے کو ہو شوہر کو فوراً رخصت کرالینے کا

اختیار ہوگا، اور اگر اس قابل نہیں تو انتظار بلوغ کا کیا جاوے گا، المرأۃ ان کانت صغیرۃ مثلھا لا توطأ ولا تصلح للجماع فلا نفقۃ لھا عندنا حتی تصیر الی الحالۃ التی تطیق الجماع سواء کانت فی بیت الزوج او فی بیت الاب ھکذا فی المحیط عالمگیری ج ۲ ص ۵۶۰،
اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب صغر میں باوجود شوہر کے گھر میں آجانے کے اس پر نفقہ واجب نہیں ہوتا تو شوہر کو اس کے حبس کا اختیار بھی نہ ہوگا، اور اگر منجانب شوہر مہر ادا کیا جاوے تو اگر لڑکی اس وقت بالغ ہو تو خود قبضہ کرے اور جو نابالغ ہو تو جو ولی نکاح کا ہے وہی اس کا قبضہ کرے امرأۃ زوجت بنتھا وھی صغیرۃ وقبضت صداقھا ثم ادرکت فان کانت الام وصیتھا فلیھا ان تطالب امھا الصداق دون زوجھا وان لم تکن الام وصیتھا لھا ان تطالب زوجھا والزوج یرجع الی الام وکذا فی غیر الاب الجد من الاولیاء ۱۲ والوصی یملک ذلک علی الصغیرۃ وفی البنت البالغۃ حق القبض لھا دون غیرھا عالمگیری جلد ثانی ص ۳۳۱، پھر جب وہ بالغ ہو جاوے ولی اس کا مہر اس کے حوالے کرے اور بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں ہو سکتی، اور پندرہ برس سے پیچھے نابالغ نہیں رہ سکتی، اور علامت اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہو تو بعد سترہ برس کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہو جائے حکم بلوغ کا دیا جائے گا اور اس کا مہر اس کے حوالہ کیا جاوے گا،
وان حاضت الجاریۃ او احتلم الغلام او تأخر فاستکمل الغلام تسع عشر سنۃ والجاریۃ سبع عشر سنۃ واونس منھما الرشد واختبروا بالحفظ لاموالھما والصلاح فی دینھما دفعت الیھما اموالھما، عالمگیری جلد ثانی ص ۲۱۳،
اور باپ یا ماں نابالغہ کے واسطے نکاح اپنی دختر کے کسی کو وصی نہیں کر سکتے الوصی لا ولایۃ لہ فی نکاح الصغیر والصغیرۃ سواء او صی الیہ الاب او لم یوص الا اذا کان الوصی ولیھما فحینئذ یملک الانکاح بحکم الولایۃ لا بحکم الوصایۃ کذا فی المحیط عالمگیری جلد ثانی ص ۲۹۲، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم، ۸ رذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۱ ج ۲)

سوال (۲۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ حد لڑکی کے بالغ ہونے کی کم سے کم کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے، اور حنفیوں کا معمول بہا اور مفتیٰ بہ قول کیلئے اور حساب عمر کا کس سن سے لگایا جاوے آیا شمسی سے یا قمری سے،

الجواب۔ فی الدر المختار فان لم یوجد فیهما شئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی لقصر اعمار اهل زماننا وادنی مدته ل۔ اثنا عشرة سنة ولها تسع سنین هو المختار، فی رد المحتار قوله لقصر اعمار اهل زماننا ولابن عمرؓ عرض علی النبی صلی اللہ علیه وسلم یوم احد و سنه اربعة عشرة فرده ثم یوم الخندق وسنه خمس عشرة فقبله الخ جلد ۵، ص۱۳۵ وفی رد المحتار باب العنین وجه ان الثابت عن الصحابة کعمرؓ وغیره اسم السنة واهل الشرع انما یتعارفون الاشهر والسنین بالاهلة فاذا اطلقوا السنة (مثلاً فی الحدیث السابق وسنه خمس عشرة فقبله ۱۲ لکاتبه) انصرف الی ذلك مالم یصرحوا بخلافه فتح ج ۲ ص۹۷۹،

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے،

(۱) ادنیٰ مدت بلوغ دختر کی ۹ سال ہے یعنی جبکہ علامات بلوغ کی پائی جاویں،

(۲) زیادہ سے زیادہ مدت بلوغ کی پندرہ سال ہے یعنی جب علامات بلوغ کی نہ پائی جاویں

(۳) فتویٰ اسی پندرہ سالہ کے قول پر ہے،

(۴) اس میں سنہ قمری معتبر ہے، ۱۹ رمضان سنہ ۱۳ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۶۶)

سوال (۲۹۱) خروج وصعود ثدیین علامت بلوغ ہے یا نہیں، یعنی اگر خروج ثدیین قبل حیض ہو جاوے اور غالب یوں ہی ہوتا ہے، تو وہ بالغہ قرار دی جاوے گی یا نہیں، اگر بالغہ نہ ہوگی تو بعد جماع اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا،

الجواب۔ یہ علامت بلوغ کی نہیں، ہاں مراہقہ کی دلیل ہے، جماع سے اس پر غسل فرض نہیں البتہ تعلیماً واعتیاداً وتادیباً اس پر تاکید غسل کی کی جاوے گی، فی الدر المختار والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیهما شیئ منها فحتی یتم لکل منهما خمسة عشر سنة به یفتی وایضا فیه لو کانا مکلفین ولو احدهما مکلفا فعلیه، فقط دون المراهق لکن یمنع عن الصلوٰة حتی یغتسل ویومر ابن عشر تادیباً، فقط ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۸ھ (امداد ص۲ ج۱)

سوال (۲۹۲) حد بلوغ عورت کیا ہے،

الجواب۔ بلوغ دختر کی کوئی مدت معین نہیں، مگر نو برس سے پہلے بالغ نہیں

ہوسکتی، اور علامات اس کے بلوغ کی حیض وغیرہ ہے، اگر کچھ علامت ظاہر نہ ہو تو بعد سترہ[1] برس کے کہ وہ اپنے کاروبار میں ہوشیار ہو جاوے حکم بلوغ کا دیا جاوے گا، اور اس کا مہر حوالہ کیا جاویگا، وان حاضت الجاریۃ واحتلم الغلام او تاخر فاستکمل الغلام تسع عشر سنۃ والجاریۃ سبع عشر سنۃ واونس منھما الرشد واختبروا بالحفظ لاموالھما والصلاح فی دینھما دفعت الیھما عالمگیری جلد ثانی ص۳۱۳ (امداد ص۱۲۷ ج۳)

سوال (۲۹۳) در مختار باب الرجعۃ میں ہے ولو خافت ان لا یطلقھا تقول زوجتک نفسی علیٰ ان امری بیدی، اب اگر کوئی شخص اپنی لڑکی بکر بالغہ کا نکاح اس طور سے کرنا چاہے تو کس طور سے کرے، آیا باپ لڑکی سے یوں اجازت لیکہ میں تیرا نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ امر طلاق میرے ہاتھ میں رہی، اور وہ لڑکی اس کو سُن کر سکوت کرے، پھر یہ شخص اس شرط کے ساتھ اس کا عقد کر دے، تو لڑکی کو اختیار رہے گا یا نہیں یا باپ کو اختیار رہے گا یا لڑکی باپ سے اپنی زبان سے کہے کہ میرا نکاح اس شرط سے کر دو اور پھر باپ اس شرط سے کر دے یا کوئی اور صورت اس امر کے واسطے تحریر فرمائیں غرض جہاں تک ہوسکے لڑکی کے کلام کی کم ضرورت ہو،

الجواب۔ فی در المختار باب تفویض الطلاق مشافھتًا او اخبارًا فی رد المحتار قولہ مشافھتہً ای فی الحاضرۃ او اخبارا فی الغائبۃ اھ قلت دل علیٰ ان التفویض یجوز للحاضرۃ والغائبۃ وفی رد المحتار باب الامر بالید تحت قولہ و ینبغی الخ لانہ یصح ان یجعل الامر بید اجنبی وان کانت بالغۃ الیٰ قولہ قلت علیٰ انہ اذا جعل امرھا بیدھا یکون فی معنی التعلیق علے اختیارھا نفسھا فلا یصح من ابیھا لو کانت صغیرۃ وکذا لو جعلہ بید ابیھا لا یصح منہ او لو کانت کبیرۃ لعدم وجود المعلق علیہ اھ قلت دل علے امرین احدھما ان التفویض یجوز لغیر الزوجۃ والثانی ان من فوض الیہ یکون الامر بید غیرہ ودل ایضًا علیٰ ان صحۃ التفویض لا یتوقف علے اذن المرأۃ وفی الدر المختار باب تفویض الطلاق لا تطلق بعد الا ای المجلس الا اذا زاد متی شئت الخ قلت دل علے ان بقاء الاختیار

[1] یہ امام صاحبؒ کا قول ہے اور صاحبین کے نزدیک ۱۵ سال اور اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے ۱۲ منہ

بعد المجلس لایکون الا بدلیل العموم وفی الدر المختار قبیل فصل المشیۃ نکحہا علی ان امرھا بیدھا صح فی رد المحتار قولہ صح مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لاتطلق ولایصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ والبزازیۃ وفی رد المحتار تحت قول الدر المختار المذکور فی السوال ھکذا قولہ وتمامہ فی العمادیۃ حیث قال ولو قال لہا تزوجتک علی ان امرک بیدک فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملک اومضافا الیہ ولم یوجد واحد منہا بخلاف ما مر فان الامر صار بیدھا مقارنۃ لصیرورتہا منکوحۃ اھ نہر وقدمنا قبل فصل المشیۃ والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأۃ لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی نعم یظہر علی القول بان الزوج ھو الموجب تقدم او تاخر والمرأۃ ھی القابلۃ کذلک تامل اھ قلت دل صریحا علی ان صحۃ اشتراط التفویض فی النکاح مقید بما اذا ابتدئ من الزوجۃ، ان سب روایات کے مقتضا سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر لڑکی کا باپ پہلے کہے کہ میں اپنی لڑکی کا تیرے ساتھ اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ امر اس کا میرے ہاتھ میں ہو یا اس لڑکی کے ہاتھ میں ہو کہ جب چاہوں یا جب چاہے طلاق دیدوں یا طلاق لے لے اور زوج کہے میں نے قبول کیا نکاح بھی ہو جائے گا اور امر بالید بھی ثابت ہو جائے گا اگر باپ کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہو گا لڑکی نہ ہوگی اور اگر لڑکی کے ہاتھ میں اختیار دیا ہے وہ مختار ہو گی باپ نہ ہو گا اور اس اختیار کی شرط ٹھہرانے میں باپ کو لڑکی سے پوچھنے کی اجازت نہیں، فقط ۲۳ / جمادی الآخر ۲۲ھ (امداد ص ۲۱ ج ۲)

نو مسلمہ کنواری لڑکی کے نکاح کی شرائط صحت

سوال (۲۹۴) ایک عورت عاقلہ و بالغہ مسلمان ہوئی ہے اور نکاح کیا چاہتی ہے اور اس کا زوج حاضر نہیں ہے اور نہ اس کا کچھ پتہ و نشان ہے کہ عرض اسلام کیا جائے اس صورت میں اس کا نکاح درست ہے یا نہیں بعرض اسلام اگر انتظار ضروری ہے تو کس قدر انتظار ہونا چاہیے بعد انتظار تو اس کا کچھ حق نہ رہے گا یعنی اُس کے زوج کا۔

الجواب - اگر اس کو حیض آتا ہے تو بعد اسلام کے تین حیض آنے کا انتظار کرنا چاہیئے اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل کا انتظار چاہیئے اور اگر نہ ذات حیض ہے اور نہ حاملہ تو تین ماہ گزرنے دینا چاہیئے اس کے بعد نکاح اس کا درست[1] ہے، فی الدر المختار باب لنکاح الکافر ولو اسلم احدھما ثمہ ای فی دار الحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلثۃ اشھر قبل اسلام الاٰخر وفی رد المحتار قولہ او تمضی ثلثۃ اشھر ای ان کانت لا تحیض لصغر او کبر کما فی البحر وحاملا فمتی تضع حملہا ح عن القھستانی، لیکن اگر اس مدت کے گزرنے کے قبل اتفاقاً پہلا زوج مسلمان ہو جائے تو پھر دوسرا نکاح درست نہیں اسی سے نکاح باقی ہو لما مر من الدر المختار من قولہ قبل اسلام الاٰخر فی رد المحتار قولہ لم تبن حتی تحیض الخ افاد بتوقف البینونۃ علی الحیض ان الاٰخر لو اسلم قبل انقضائھا فلا، واللہ تعالیٰ اعلم، ۶ر رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۲۲ ج ۲)

سوال (۲۹۵) اوّل ایک کافر عورت کو مسلمان کرتے ہی اُس کا نکاح مسلمان سے کر دیا ہے اور یہ عورت کنواری ہے اور اسی مسلمان سے مدت تک زنا کرتی رہی جس سے نکاح ہوا ہو اور یہ عورت مذکورہ اس کے نکاح کو بیس برس کا زمانہ ہو چکا ہو اور اولاد بھی ہو چکی ہو اب یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے اس مسئلہ کے پوچھنے کی اس لئے ضرورت پڑی کہ عدت سے یعنی تین حیض کے گزرنے سے پہلے نکاح کر دیا گیا ہے۔

الجواب - حیض کی شرط کہیں اس لئے ہے کہ یہ قائم مقام اباء کے ہے جو سبب ہے تفریق قاضی کا اور کہیں عدت کے لئے ہے اور یہ دونوں امر منکوحہ میں متحقق ہوتے ہیں پس کنواری نومسلمہ میں اس کی شرط نہ ہو گی قبل حیض آنے کے مسلمان مرد سے اس کا نکاح درست ہے، ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ ہجری (تتمہ خامسہ ص ۲۲۸)

از ترجیح خامس ۱۵۱ در فائدہ متعلقہ نکاح نومسلمہ

دار الحرب میں کافر عورت کے مسلمان ہو جانے کے بعد اس کا نکاح کسی مسلمان سے کرنے کی جو شرط ہے کہ حائضہ کے تین حیض اور غیر حائضہ کے تین مہینے گزر جائیں یہ شرط اس صورت میں ہے جب وہ کسی کے نکاح میں ہو گو نابالغ ہی کے نکاح میں ہو در مختار میں ہے ولو کان الزوج صبیا الخ اور نیز در مختار میں ہے ولیست بعدۃ للدخول غیر المدخول بھا

---

[1] اس کی اور زیادہ تفصیل امداد مبوب ص ۲۲۱ ع ۱۵۵ پر ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اور اگر کسی کے نکاح میں نہ ہو یا تو نکاح ہی نہ ہوا ہو یا مطلقہ یا متوفی عنہا زوجہا ہو اور حاملہ نہ ہو اس کے نکاح کے لئے یہ شرط نہیں البتہ حاملہ میں وضع حمل کا انتظار واجب ہے، کذا فی الدر المختار باب العدۃ پس اگر کہیں میری تحریرات میں یہ مضمون مطلق آیا ہو اس کو اس قید کے ساتھ مقید سمجھنا چاہیئے، ۹ر جمادی الاخری ۱۳۴۳ھ

سوال (۲۹۶) ایک شخص نے ہندہ سے اوّل عقد کیا بعد عرصہ کے اُس کی حقیقی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اگر درست ہو گیا تو فسخ نکاح کیونکر ہو یا دونوں کو طلاق دے یا صرف دوسری کو مہر وغیرہ ادا کر کے طلاق دیدے اور زوجہ سابقہ اُس کی زوجہ بنی رہے گی یا اس کو بھی طلاق دینا واجب ہے تا عدت سکنیٰ نفقہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں،

الجواب - فی الدر المختار ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطی ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد ولو لم یسم او جھل لزم بالغا ما بلغ ویثبت لکل واحد منھما فسخہ و تجب العدۃ من وقت التفریق او متارکۃ الزوج وفی رد المحتار عن البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لا تکون الا بالقول کخلیت سبیلک او ترکتک (ج ۲ ص ۵۴۴ الی ص ۵۴۶ باب المہر) وفی رد المحتار عن البحر ان قدم فی النکاح الفاسد من باب المہر ان المراد بھذہ العدۃ عدۃ المتارکۃ فلا عدۃ علیھا بموتہ الا الحیض بعد الدخول وانہ لاحداد ولا نفقۃ فیھا وانہ تحرم علیہ امرأتہ لو تزوج اختھا فاسدا الی انقضاء العدۃ اھ (صفحہ ۱۰۰۷ جلد ثانی باب العدۃ)

ان روایات سے یہ امور معلوم ہوئے (۱) یہ نکاح جائز نہیں ہوا (۲) طلاق دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اگر دخول نہیں ہوا صرف جدا ہو جانا کافی ہے اور اگر دخول ہو گیا تو مرد زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو علیحدہ کر دیا (۳) اگر صحبت ہوئی تو مہر مثل واجب ہوگا کہ مقدار میں مہر مقرر سے زائد نہ ہو اور اگر صحبت نہیں ہوئی تو مہر واجب نہ ہوگا۔ (۴) اگر دخول ہوا تو عدت واجب ہوگی ورنہ نہیں (۵) اس عدت میں نفقہ سکنیٰ

واجب نہ ہوگا (۶) جب تک یہ عدت نہ گزر جائے اپنی زوجہ سے صحبت درست نہیں،
(۷) زوجہ نکاح سے خارج نہ ہوگی نہ اس کو دینا واجب ہے، واللہ اعلم،
۲۰ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد صـ۲۲ ج ۲)

بطور نقل کے صیغۂ نکاح پڑھنے سے نکاح نہیں ہوتا

سوال (۲۹۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ بالغہ ثیبہ سے دو شخصوں کے سامنے اولاً خطبہ نکاح پڑھوالیا بعدہٗ ایک کاغذ ہندہ کے سامنے رکھدیا اور اس میں یہ لکھا تھا کہ یا زید زوجت نفسی منك علی مأتی درھم اور کہا کہ اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے بلند آواز سے اس کو پڑھا اور زید نے قبلت کہا اور ان دونوں شخصوں سے سنا اور ہندہ اور وہ دونوں شخص اس کو نہیں جانتے ہیں کہ زوجت نفسی منك سے عقد نکاح منعقد ہوتا ہے پس اس صورت میں بموجب قول صاحب شرح وقایہ کے کز وجتنی فقال زوجت وان لم یعلما معناہ وایضا سامعین معا لفظھما، و بموجب حدیث شریف جد ھا جد وھزلھا جد کے عقد نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں

الجواب۔ سوال مجمل ہے لیکن ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جو کاغذ لکھا ہوا پڑھ دیا نہ تو اس کو خطاب کرنا مقصود ہے اور نہ اُس کو یہ معلوم ہے کہ اس سے نکاح ہوجاتا ہے اور گواہوں کا اس امر کو نہ جاننا خود سوال میں مصرح ہے پس خطاب نہ ہونے سے تو وہ انشاء ہی نہیں صرف حکایت ہے ایک عبارت کی اس طور پر تو اگر ایسے الفاظ بھی کہیں جس کے معنی جانتے ہوتے تب بھی نکاح نہ ہوتا نہ قضاء نہ دیانۃً جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی طرح اس لفظ کا مفید نکاح ہونا جب معلوم نہ ہو تو بھی بعض علماء کے نزدیک نکاح بالکل نہیں ہوتا اور شرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے معنی مفصل و مفسر معلوم نہوں نہ یہ کہ اس کا مفید نکاح ہونا بھی معلوم نہ ہو اور بعض نے جو نکاح اس صورت عدم علم افادہ نکاح میں جائز کہا ہے تو صرف قضاء نہ دیانۃً اور یہاں ضرورت ہے صحت دیانۃً کی ورنہ وہ اس شخص پر حرام رہے گی گو قاضی تفریق پر جبر نہ کرے اسی طرح شہود کا اتنا سمجھنا کہ یہ مفید نکاح ہے علی الراجح شرط ہے یہاں یہ بھی مفقود ہے بہرحال یہ نکاح اصلاً صحیح نہیں ہوا ہرگز ہرگز اس کو حلال سمجھنے کی جرأت نہ کی جائے اور جو شخص ایسے حیلے کرنا چاہے وہ شخص قابل تعزیر ہے اور قابل احتراز و ترک ملاقات کیونکہ اس سے ڈر ہے کہ باب

اضلال کسی وقت اس سے مفتوح ہو نعوذ باللہ تعالیٰ من شر کل غوی مغوی فی رد المحتار تحت قول الدر المختار ولا یشترط لکن قید فی الدر عدم الاشتراط بما اذا علما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح ای وان لم یعلما حقیقۃ معناہ قال الفتح لو لقنت المرأۃ زوجت نفسی بالعربیۃ ولا تعلم معناہ وقبل الیٰ قولہ وقیل لا کالبیع کذا فی الخلاصۃ وبعدہ بسطرین واقعۃ فی الحکم الیٰ قولہ ینبغی ان یکون النکاح کذلک وفی الدر المختار شاھدین الیٰ قولہ فاھمین انہ نکاح علی المذھب بحر ونقل تصحیحہ صاحب رد المحتار عن التبیین والجوھرۃ والظھیریۃ والخانیۃ الیٰ قولہ ویحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فھم انہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فھم معانی الالفاظ بعد فھم ان المراد عقد النکاح، اور ہزل سے مراد یہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ علم معنی وقصد تکلم تو ہے لیکن ترتب اثر کا قصد نہیں اسکو ہزل کہتے ہیں، واللہ اعلم، ۱۵ رمضان ۱۳۲۳ھ

تفصیل سوال سابق۔ ہندہ بیوہ بالغہ ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے بلکہ خلوت تک شوہر اول سے نہیں ہوئی خود نمازی ہے اور قرآن بھی پڑھی ہے اس کا باپ بے نمازی ہے بلکہ تاڑی پیا کرتا ہے اور گفتگو کرتا ہے اُس سے آمادہ جنگ ہو جاتا ہے ہندہ زید کے گھر آیا جایا کرتی ہے پس زید نے ایک روز دو شخصوں کے سامنے اُس سے خطبہ نکاح پڑھوایا بعد اُس کے ایک کاغذ سامنے رکھدیا جس میں لکھا تھا کہ یا زید زوجت نفسی منک علی مأتی درھم اور ہندہ سے کہا تو اس کو بلند آواز سے تین بار پڑھ چنانچہ ہندہ نے ویسا ہی کیا اور خود قبلت کہا اور بعد کچھ دن کے ہندہ کے سامنے زید نے وہی خطبہ مذکور جو پڑھوایا تھا رکھدیا اور کہا کہ اس کو تم نے فلاں روز پڑھا تھا اُس نے کہا کہ ہاں پھر وہی کاغذ مذکور رکھ دیا اور کہا کہ اس کو بھی تم نے پڑھا تھا اُس نے کہا کہ ہاں پھر زید نے اس سے یہ کہا کہ یا زید زوجت منک نفسی کے معنی یہ ہیں کہ اے زید میں نے تجھ سے نکاح کر لیا پس تو میری عورت ہوگئی اور میں تیرا شوہر ہوگیا ہندہ اس پر ساکت ہوگئی اور کچھ جواب زید کو نہ دیا اور جس طرح اول زید کے گھر آیا جایا کرتی تھی اسی طرح اب بھی آتی جاتی ہے زید آدمی محتاط ہے فاسق اور فاجر نہیں ہے پس نکاح منعقد ہوا یا نہیں اور زید اس کا اعلان کر سکتا ہے یا نہیں کہ ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا ہے، بینوا توجروا،

الجواب۔ ساکت ہونے سے صحت نکاح لازم نہیں آتی اور اگر زید اس کو رضا سمجھتا ہو

تو گویا وہ عورت نکاح پر راضی ہے تو پھر اس حیلہ سے کیا فائدہ جس کا موجب نکاح نہ ہونا ثابت کر دیا گیا ہے جب وہ راضی ہے تو اس سے صاف طور پر گفتگو کر کے اب نکاح کر لیا جائے جہالت کی رسم خوب موقوف ہو جائے گی اور حیلہ مخترعہ میں اول تو نکاح نہ ہونا ثابت ہے پھر اُس سے رسم جہالت کی کیا موقوف ہو گی اُس جہالت سے بڑھ کر دوسری جہالت یعنی مکر و فریب کا رواج ہو گا پھر جب اس عورت کا باپ ایسا ہے تو لامحالہ وہ فساد ہر طرح کرے گا خواہ حیلہ سے نکاح ہو یا صاف طور پر ہو پھر حیلہ کرنے میں کیا نفع ہے جب زید ایسا محتاط ہے تو افسوس ہے اتنی بڑی بے احتیاطی کے حیلہ سے منتفع ہونا چاہتا ہے لہذا میری وہی تحقیق ہے جو پہلے لکھ چکا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، زید کو واجب ہے کہ ہندہ کو آمد و رفت سے روک دے ورنہ اندیشہ معصیت کا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم، ۲۸ر رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۲۵ ج ۲)

شرط بودن در انعقادِ نکاح بلفظ زوجنی للہ یا مولانا فہمیدن آنکہ ازیں لفظ نکاح منعقد شود

سوال (۲۹۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پڑھا لکھا اور درویش آدمی بکر کے مکان پر جایا آیا کرتا تھا اتفاق سے اُس کا قصد حج بیت اللہ کا ہوا اور اُس کی معیت میں خالد اور ولید تھے وہ بکر کے مکان پر گیا دروازہ میں سے بکر کی زوجہ کو بلایا اور کہا کہ میرا قصور معاف کر دو میں حج کو جاتا ہوں بکر کی زوجہ نے کہا تم نے ہمارا کیا قصور کیا ہے اس میں زید نے بہت اصرار کیا کہ ہمارا قصور معاف کر دو زیادہ اصرار کی وجہ سے زوجہ بکر نے کہا کہ معاف کیا اس کے بعد دختر بیوہ بکر کو آواز دی اور کہا کہ تم کچھ وظیفہ پڑھتی ہو اُس نے کہا کہ نماز پڑھتی ہوں اور جو دعا آپ نے بتائی تھی وہ پڑھتی ہوں وہ کیا دعا ہے اُس نے کہا وہ یہ ہی نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اس کے بعد زید نے کہا اور یہ پڑھا کر مقولہ عورت یعنی دختر مذکور رب زوجنی مولانا یا رب زوجنی جس وقت یہ الفاظ تعلیم کر دیئے تب بیرون دروازہ سے علاوہ خالد اور ولید کے ایک عربی خواں کو بھی بلایا اُس کا بیان ہے کہ یہ الفاظ تھے زوجنی للہ یا مولانا اس دختر سے یہ الفاظ صحیح نہ ادا ہوئے تو زید نے پھر بتلائے تب اس دختر نے زوجنی للہ یا مولانا کہا اور زید نے قبلت کہا ایسی حالت میں کہ دختر مذکورہ اور موجودین میں سوائے عربی خواں کے یہ جانتے ہیں کہ یہ درویش دعا تعلیم کر رہے ہیں ان کو ہرگز یہ خیال نہیں ہے کہ ایجاب قبول ہو رہا ہے اور نہ ہم لوگ گواہ ہیں بلکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ دعا تعلیم ہو رہی ہے اور وہ دختر بھی یہی جان کر یہ کلمات کہہ رہی ہے کہ میں دعا سیکھ رہی ہوں اس صورت میں کہ نہ عورت جانتی ہے کہ میں اپنا نکاح کرتی ہوں اور نہ گواہ

جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح ہو رہا ہے سوائے عربی خواں کے ایسی حالت میں زوجنی للہ یا مولانا کہنے سے ایجاب ہو جائے گا یا نہیں اور نکاح زید کا دختر مذکور سے صحیح ہو گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ اور مکرر یہ ہے کہ نہ اس وقت مہر کا ذکر ہوا نہ اس کے بعد،

الجواب۔ در مختار میں جہاں جہاں عدم اشتراط العلم بمعنی الایجاب والقبول کا ذکر کیا ہے وہاں رد المحتار میں درر سے یہ قید بھی لگائی ہے۔ اذا علما ان هذا اللفظ ینعقد به النکاح ای وان لم یعلما حقیقة معناه ج ۲ ص ۲۳۷ اسی طرح در مختار میں جہاں الفاظ مصحفہ سے انعقاد و عدم انعقاد کی بحث کی ہے اور رد المحتار میں اس میں تفصیل کی ہے وہاں یہ عبارت ہے۔ بل قصد حل الاستمتاع باللفظ الوارد شرعًا اور یہ بھی ہے قاصدا به معنی النکاح الی قوله ولا شك ان لفظ جوزت او زوزت لا یفهم منه العاقد ان والشهود الا انه عبارة عن التزویج ولا یقصد منه العاقد ان والشهود الا عبارة عن التزویج ولا یقصد منه الا ذلك المعنی بحسب العرف ج ۲ ص ۲۴۰ تا ص ۲۴۲ اور در مختار میں شاہدین نکاح کے لئے بحر سے یہ شرط لگائی ہے فاهمین انه نکاح علی المذهب۔ اور رد المحتار میں بعد نقل اقوال یہ کہا ہے۔ ووفق الرحمتی بحمل القول بالاشتراط علی فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح ج ۲ ص ۲۴۴ ان سب روایات سے متفقاً و مشترکا محقق و منقح ہو گیا کہ متناکحین و شاہدین کے لئے گو خاص معانی موضوع لہا کا جاننا شرط نہ ہو لیکن یہ سمجھنا یقیناً شرط ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے اس لئے صورت مذکورہ میں بالیقین نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ لفظ زوجنی تو اگر معنی سمجھ کر بھی کہا جاتا تب بھی اس سے یہ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے یہ معنی نہیں کہ تو مجھ سے نکاح کرے اس کے لئے تو تزوجنی یا زوجنی من نفسک موضوع ہے بلکہ معنے یہ ہیں کہ میرا کسی دوسرے سے نکاح کر دے تو یہ توکیل بالنکاح من نفسہ نہیں بلکہ توکیل بالنکاح من غیرہ ہے اور یہاں تو ایک دوسرا مانع یعنی عدم فہم کونہ نکاحًا بھی موجود ہے کما ذکر تیسرے صیغہ نکاح انشاء ہونا ضرور ہے اور یہاں یاد کرنے کے لئے نقل ہے نہ کہ انشاء ایک مانع یہ بھی ہے اور نیز جب وہ لڑکی اس کو دعاء سمجھ رہی ہے تو مولانا میں خطاب حق تعالیٰ کو ہے اور اللہ میں وضع مظہر موضع مضمر ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ اپنی ذات جامع الکمالات کے واسطے لے میرے مالک میرا

نکاح کسی سے کر دیجئے تو یہ خدا تعالےٰ سے دُعاء مانگ رہی ہے تو اس سے نکاح منعقد ہونے کو کوئی تعلق ہی نہیں اور یہ امر بھی واجب التنبیہ ہے کہ جس شخص نے مقتداء کی وضع بنا کر یہ حرکت تلبیسیہ ابلیسیہ کی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس شخص کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو مقتداؤں سے رکھا جاتا ہے، ۱۹ر شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامس صلا)

سوال (۲۹۹) کوئی شخص کسی بالغہ عاقلہ باکرہ یا بیوہ عورت سے عربی میں زوجتك نفسي دو گواہوں کے روبرو کہلوائے اور جب عورت یہ الفاظ کہے خود قبلت کہا جاوے اور دونوں گواہ ان لفظوں کے مطلب سے بے خبر ہیں کیا یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں، اگر نہیں درست ہوگا تو عورت اگر ان الفاظ کے معنی سے خبردار ہو لیکن گواہ بے خبر ہوں اس صورت میں بھی نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب فی رد المحتار فی اشتراط فهم الزوجین معنی الایجاب والقبول او عدم اشتراطه لصحة النکاح ما نصه لکن قید فی الدر عدم الاشتراط بما اذا علما (الزوجان) ان هذا اللفظ ینعقد به النکاح ای وان لم یعلما حقیقة معناه الخ وفیه فی اشتراط علی اشتراط فهمهم ان عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد النکاح۔
بنا بر روایات مذکورہ اگر عورت یا گواہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاویگا تو نکاح منعقد نہ ہوگا، ۲۲ر شعبان ۱۳۲۹ھ (النور ص۳ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

لڑکی کے نکاح پر معاوضہ لینا جائز نہیں

سوال (۳۰۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ اس ملک میں چند برس سے یہ رواج ہو گیا کہ مثلاً زید غریب ہے اپنی دختر کے نکاح میں کچھ خرچ نہیں کر سکتا ہے جو رواج ہے ملک کے موافق اپنے محلہ داروں کو کچھ پان و شربت وغیرہ خورد و نوش میں جو خرچ پڑتا ہے اور وہ بے چارہ اپنی دختر کو اس خرچ کی وجہ سے شادی نہیں دے سکتا تو کیا کرتا ہے کہ مثلاً دسویں شعبان کو اپنے چند رشتہ دار اور نوشہ کے چند اقرباء و رشتہ کے بھی باہم جمع ہو کر نکاح کی تاریخ بیسویں شعبان کو مقرر کرتے ہیں اور زیورات چاندی و سونے کے اور کپڑا و مہر معجل وغیر معجل وغیرہ سب کے سب فیصلہ توثیق کے ساتھ کر لیتے ہیں اور جو روپیہ مہر کی عوض ہوگا نصف معجل و نصف غیر معجل سب بات کا اُس دسویں تاریخ مذکور بندوبست عہد و پیمان سے ہو جاتا ہے تو آخری وقت اُس دسویں تاریخ جلسہ لڑکی کے

باپ کے نوشہ کی طرف کے آدمیوں سے کہتے ہیں کہ جو نصف مہر معجل نقد بیسویں تاریخ بوقت عقد نکاح آپ لوگ دیں گے وہ روپیہ اگر آج ساتھ ہو تو دیدیجئے یا کہ چار پانچ روز کے اندر دیدیجئے تاکہ میں اسی روپیہ سے کچھ رواج کے موافق حسب حیثیت خود تیار کروں غرض کچھ عہد و توثیق کرا کے جس سے شادی ہونے کا اطمینان و تسکین ہو جاوے کر کے تاریخ عقد مقررہ کے قبل وہ روپیہ دیدیتے ہیں اس شرط پر اگر خدانخواستہ کچھ فتنہ و فساد کی وجہ سے نکاح نہیں بھی ہوا تو روپیہ واپس دیا جائے گا اور بعضے لوگ عقد کے روز بھی اپنی لڑکی کا مہر معجل وصول کر لیتے ہیں تو ان صورتوں میں اول یہ کہ دختر باکرہ بالغہ ہو یا نابالغہ اگر اپنے والد ماجد یا قاضی کو منع نہ کرے تو باپ دادا قاضی کو لیکر لڑکی کی شادی میں یا اپنے تصرف میں کریں تو یہ جائز ہے یا نہ بر تقدیر اوّل بعد تصرف کے پھر واجب الاداء ہے یا نہ، دوم اگر دختر بالغہ مانع ہو تو اگر باپ تصرف کرے تو کیا حکم ہے اور لڑکی کسی صورت میں وصول کر سکتی ہے یا نہ، سوم پہلے عقد کے جیسا بیان ہوا لینا جائز ہے یا نہ اور بعد عقد کے مہر لینا کیسا ہے اور اسی روپیہ سے اگر آدمیوں کو کھلاوے تو کھانا کیسا ہے اور اگر قرض حسنہ کے طور پر اپنی لڑکی سے لیکر کھلاوے تو کھانا کیسا ہے اور ولی مثل برادر عم وغیرہما یہ لوگ کیلے سکتے ہیں اگر اپنے تصرف میں کرے تو جائز ہے یا نہ اور اسی طور پر محلہ داروں کو قرض اس سے لیکر کھلانا جائز ہے یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب - فی الدر المختار خطب بنت رجل وبعث الیها اشیاء ولم یزوجها ابوها فما بعث للمهر یسترد عینه او قیمته هالکا وفیه اخذ اهل المرأة شیئا عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة و فی رد المختار الحظر والاباحة و اما دعوة تقصد بها التطاول او انشاء الحمد وما اشبهه فلا ینبغی اجابتها الخ

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا کہ جو لیا جاتا ہے اگر وہ مہر میں سے نہیں تب تو رشوت اور حرام ہے اُس کا کھانا کھلانا سب ناجائز ہے اور زوج کو اُس کے استرداد کا حق اگر وہ مہر میں لیا گیا تو اگر وہ دختر صغیرہ ہے تو اُس کی ملک میں تصرف کرنا گو اُس کے اذن سے ہو حرام ہے اُس کا کھانا کھلانا بھی ناجائز ہے اگر وہ بالغہ ہے سو اگر اس کے بلا اذن ہے تب بھی یہی حکم ہے مگر نابالغہ تو اس کا مطالبہ باپ سے کرے گی اور بالغہ اس کا مطالبہ زوج سے کرے گی اور اس کے اذن سے ہے تو اگر وہ اذن محض ظاہری ہے طیب خاطر سے نہیں ہے تب قضاء مطالبہ تو کسی سے نہیں کر سکتی لیکن تصرف حرام ہے اور کھانا کھلانا سب ناجائز اور اگر بطور فرض محال عادی طیب خاطر سے ہے تو بوجہ اس

کے کہ ایسے مواقع پر اکثر قصد تفاخر د ناموری کا ہوتا ہے پھر بھی کھانا کھلانا سب ممنوع ہے البتہ اگر یہ خرابی بھی نہ ہوتی تو اس اخیر صورت میں جائز ہو جاتا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (امداد ج ۲ ص ۲۷)

سوال (۳۰۱) اس دیار میں یہ رواج روز بروز ترقی پذیر ہو رہا ہے کہ لڑکی یعنی منکوحہ کا باپ یا والی لڑکی کو مثل کنیز قیمت ٹھیرا کر لڑکے یعنی ناکح کے باپ یا والی سے بمعاوضہ عقد زر کثیر اخذ کرتا ہے اس رسم قبیحہ کی وجہ سے بہت نتائج قبیحہ عقلیہ و شرعیہ ظہور پذیر ہوتے ہیں علاوہ بریں اکثر افراد جن کو زر کثیرہ دینے کی استطاعت نہیں ہوتی اُن کو حالت تجرد میں بمجبوری رہنا پڑتا ہے جس کے نتائج نہایت تباہ کن پیدا ہوتے ہیں آجکل طمع دنیا کا مرض عالمگیر ہو رہا ہے ایسے زمانے میں بعض دین فروش علماء نے بھی یہاں لڑکی کے نکاح کے معاوضہ میں اُجرت لینے کا فتوے دیدیا اور اپنے فتوے کی تائید میں حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ سال بکریاں چرانے کی شرط پر اپنی لڑکی کے نکاح کا وعدہ کیا تھا اُن آیات کو بطور سند پیش کر کے بیان فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے لڑکی کی اُجرت بمعاوضہ نکاح جائز ہے اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی سنت ہے اس فتوے کا اثر یہاں بہت برا پڑ رہا ہے اور بعض اشخاص جن کو خوف خدا تھا وہ بھی لڑکی کی قیمت لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں لہٰذا استفتاء مرسلہ مع نقل ہذا کا جواب کافی و شافی مفصّل و مدلل بہ ادلۂ شرعیہ وضاحت سے تحریر فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہو جئے گا۔

الجواب۔ فی تفسیر بیان القرآن رعی مواشی مدت معینہ تک کا مہر مقرر ہونا ہماری شریعت میں بھی جائز ہے کذا فی رد المحتار اور اگر یہ بکریاں اُن صاحبزادی کی تھیں تب تو مہر کا اُن کو ادا کیا جانا ظاہر ہے اور اگر باپ کی تھیں تو بالغہ کی رضا سے ایسا معاملہ اس شریعت میں بھی جائز ہے اھ۔ یہ حقیقت ہے اس قصہ کی پس اس سے استدلال کرنا اس رسم پر موقوف ہے چند امور کے اثبات پر۔ اوّل یہ کہ رعی مواشی مہر کے علاوہ کوئی نفع باپ کا تھا جیسا کہ رسم قبیح میں وہ رقم مشروط علاوہ مہر کے ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ بدون اذن منکوحہ کے ساتھ تھا جیسا رسم قبیح میں منکوحہ کا اذن جو شرعی قواعد سے معتبر ہو حاصل نہیں کیا جاتا، بہر حال رسم مذکور میں جو رقم لی جاتی ہے اگر وہ مہر کے علاوہ ہے تب تو رشوت ہے اور قصہ میں اس کا غیر مہر ہونا ثابت نہیں اور اگر مہر ہے تو نہ وہ لڑکی کو دی جاتی ہے نہ اس کی اجازت لی جاتی ہے اور قصہ میں اس کا بدون اذن منکوحہ کے ہونا ثابت نہیں پس یہ استدلال سراسر باطل اور یہ رسم سراسر حرام

ہے۔ ۲۶ر صفر ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص۱۸۱)

نکاح سے پہلے جو رقم منکوحہ کے باپ کو دی ہے اس کو مہر میں محسوب کرنیکا حکم

سوال (۲۰۲) مہر بتیس روپیہ آٹھ آنہ کا مقرر ہے اور زوجہ کے والدین نے سترہ نقد بری کے نام سے لئے یعنی اس شرط پر کہ مہر کے ان ہی روپوں سے لڑکی کی لاگ لپیٹ کردیویں گے مثلاً کپڑا وغیرہ مگر انھوں نے کسی کو یا اپنی لڑکی کو ایک کپڑا تک نہیں دیا دیگر زیور جو کچھ چڑھایا تھا اُس کا مالک زوجہ کو یا اس کے والدین کو نہیں بنایا تھا چونکہ زوجہ نابالغ ہے اور اس کا والد شریر آدمی ہے اور خود طلاق کا خواہاں ہے سو اب مہر میں وہ سترہ روپیہ اور زیور جو زوجہ کے پاس ہے ادا ہوسکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب۔ اگر خلوت صحیحہ اس منکوحہ سے نہیں ہوئی اور تفسیر خلوت صحیحہ کی اگر نہ معلوم ہو دریافت کرلی جائے تو اس صورت میں طلاق دینے سے نصف مہر لازم ہے یعنی سولہ روپیہ چار آنہ اور یہ حق اس زوجہ کا ہے لیکن جب تک وہ نابالغہ ہے اس کے باپ ہی کو اُس پر قبضہ کرنے کا حق ہے اور باپ نے جو کچھ لیا ہے نقد یا زیور اُس لڑکی کو نصف مہر میں دیدو اگر وہ دیدے تب تو مہر ادا ہو جاوے گا اور اگر وہ اس لڑکی کو نہ دے تو مہر ادا نہ ہوگا بلکہ جب وہ لڑکی بالغ ہوگی بذمہ شوہر واجب ہوگا کہ اس کا مہر ادا کرے اور جو کچھ اُس کے باپ کو دیا تھا اُس کا مطالبہ اس کے باپ سے کرے البتہ وہ لڑکی بعد بلوغ کے اور وہ باپ اب اس پر رضامند ہوجاویں کہ وہ باپ اس لڑکی کو اُس کا مہر اس رقم میں سے ادا کردیگا جو باپ نے شوہر سے لی ہے تو حوالہ کے طور پر شوہر سبکدوش ہوجاویگا۔ ۱۲ر ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۳۲)

بعض جگہ لڑکی والا جو روپیہ لیتا ہے وہ مہر ہوگا یا نہیں،

سوال (۲۰۳) بعض دیار میں عرف ہے کہ دلہن والے دولہا سے قبل از عقد یا بعد از عقد کچھ روپیہ لیکر براتیوں اور دیگر خویش واقربا کو کھلاتے ہیں بعض اس کو دین مہر میں محسوب کرتے ہیں سو اس میں جو لوگ مہر سے علیحدہ محسوب کرتے ہیں اُس کو رشوت کہنا حسب روایت درمختار ممکن ہے۔ فی الدر المختار اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ اھ۔ مگر جو لوگ مہر میں محسوب کرتے ہیں اُن کے لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے اگر وہ باپ یا دادا ہے۔ فی الشامیہ ص۱۷ قبض الاب مہرھا وھی بالغۃ اولا وجہزھا و قبض مکان المہر عینا لیس لھا ان لا تجیز لان ولایۃ قبض المہر الی الاب

وکذا التصرف فیہ اھ وفیہا صـ ۱۷۵ للاب والجد والقاضی قبض صداق البکر صغیرۃ کانت او کبیرۃ الا اذا نہتہ وھی بالغۃ صح النہی ولیس لغیرھم ذلک والوصی یملک ذلک علی الصغیرۃ والثیب البالغۃ حق القبض لہا دون غیرھا اھ اس میں حضور والا کی کیا رائے ہے امداد الفتاوی جلد دوم صـ ۲۸ میں علی الاطلاق منع تحریر فرمایا گیا ہے جو کچھ ارشاد حضور کا ہوگا وہی بالراس والعین ہے امید کہ حضور اگر تکلیف نہ ہو مختصر تحریر فرمادیں کافی ہے۔

الجواب۔ مہر ظاہر ہے کہ باپ کا حق نہیں پھر اس رقم کا مہر میں محسوب کرنا اس میں ضرور تفصیل ہوگی وہ یہ کہ اگر منکوحہ بالغ ہے تو باپ کے قبض اور تصرف دونوں میں اذن اس کا شرط ہوگا خواہ صراحۃً یا دلالۃً چنانچہ روایت مذکورہ سوال میں الا اذا نہتہ اسکی صریح دلیل ہے باقی دوسری روایت میں جو ہے لیس لہا ان لا تجیز مراد اس عدم اجازت عدم اجازت بعد القبض ہو یعنی بعد قبض اب کے اگر منکوحہ شوہر سے مطالبہ کرنے لگے اور کہے کہ میں اُس قبض کو جائز نہیں رکھتی تو اس کو یہ حق نہیں مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اذن متعارف ہو اور اس کی جو دلیل ہے کلان ولایۃ قبض المہر الی آخرہ وہ بھی مقید ہے اذن متعارف کے ساتھ چنانچہ نہی صریح کے بعد ولایت قبض نہ ہونا اس کی صریح دلیل ہے یہ تو بلوغ کی صورت میں ہے اور اگر وہ نابالغہ ہے تو پھر باپ کے قبض وتصرف میں وہی شرائط ہیں جو اس نابالغہ کے دوسرے اموال میں ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے براتیوں کو کھلانا جائز نہیں۔ فکذا من المہر۔ ۸ رجب ۱۳۵۱ھ (النور صفحہ ۸ محرم ۱۳۵۲ھ)

حکم لفظ نکاح پڑھو حکم انکار زن از اذن نکاح

سوال (۳۰۴) فدوی نے ایک نکاح مسمی زید کا ساتھ صالحہ بی بی کے بدیں صورت پڑھا پہلے تقریباً ستر آدمی مردانہ وزنانہ مسمی مصاحب موچی بہنوئی صالحہ بی بی کے گھر میں جمع ہوئے اور مسماۃ صالحہ بی بی جس کی عمر چھبیس ۲۶ برس کی ہوگی کوٹھے غربی کی چھت پر جو تقریباً چار فٹ اونچا ہوگا بیٹھی تھی اور اس کے پاس ایک وکیل اور دو گواہ اس لئے بھیجے گئے کہ تیرا نکاح ساتھ فلاں ولد فلاں قوم موچی کے کیا جاتا ہے تو اس نے تین بار کلمہ شہادت پڑھ کر بآواز بلند کہا کہ میرا نکاح پڑھو جس کو نیچے والی مجلس کے لوگوں نے بھی سُنا پھر وکیل اور گواہ کوٹھے سے اتر کر مجلس میں آئے اور مجھ نکاح خواں کو اجازت نکاح کرنے کی دی اور میں نے ایجاب مسماۃ صالحہ بی بی کا سنکر حسب طریقہ شرعی ایک سو روپیہ ڈبل

رائج الوقت مقرر کرکے فلاں ولد فلاں کو قبول کرایا اور نوشہ نے قبول کرلیا اس پر شیرینی تل و شکر تقسیم ہوئی پھر اس کے بعد صالحہ بی بی کی بہن اور بہنوئی نے نوشہ کو کہا کہ اب ہم سامان چند روز میں کرکے تمہارے ساتھ کردیں گے تم اپنے گاؤں کے چند آدمی ہمراہ لانا اور اپنی منکوحہ کو لے جانا پھر وہ نوشہ اپنے گاؤں کی طرف چلا گیا عرصہ دو ماہ کے بعد صالحہ بی بی کو کوئی بدراہ کرکے لے گیا اور اس کو یعنی صالحہ بی بی کو سکھلا دیا کہ تم کہدو کہ میں نے اجازت نکاح کی نہیں دی اُس نے انکار کردیا اور کہا کہ خود بخود نکاح کرلیا اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ عورت کا یہ کہنا کہ میرا نکاح پڑھو ترجمہ ہے زوجنی کا اس کے ایجاب ہونے میں اختلاف ہے لیکن توکیل ہونا یقینی ہے پھر جب وکیل نے نکاح پڑھا یہ ایجاب قائم مقام ایجاب اصل کے ہوا اور نوشہ نے قبول کیا ایجاب و قبول دونوں متحقق ہوگئے پس نکاح یقیناً صحیح ہوگیا یہ اُسوقت ہے جبکہ عورت اُس اجازت دینے کا اقرار کرے اور اگر انکار کرتی ہو تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی ایسے مسلمان شخص کے پاس مقدمہ آوے جو سلطنت کی جانب سے حاکم ہو یا مرد و عورت دونوں رضامند ہوکر اُس کے پاس مقدمہ لے آئیں اور وہ گواہوں سے حکم کردے تو اس کا انکار مؤثر نہ ہوگا اور اگر دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں صرف علماء کا فتویٰ ہی ہے تو شوہر کو ان گواہوں کے بیان پر عورت کو لیجانا درست نہیں۔ فی الدر المختار کزوجنی الیٰ قولہ فانہ لیس بایجاب بل ہو توکیل دفیہ وقیل ہو ایجاب۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۳۱ ج ۲)

سوال (۳۰۵) اس زمانہ کی عیسائی عورتوں سے نکاح پر اشکال اور جواب — نصاریٰ جو تثلیث کے علی العموم قائل ہیں مشرک ہیں کہ نہیں اگر مشرک ہیں تو اُن کی عورتوں سے نکاح کیوں کر جائز ہوا قولہ تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات الخ اور اگر یہ مشرک نہیں ہیں۔ تو تثلیث کا قائل ہوکر ان کا موحد ہونا سمجھ میں نہیں آتا جواب شافی سے تسکین فرمائیے۔

الجواب۔ مشرک کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا مذہب سماوی نہ ہو، دوسرا وہ جو سماوی مذہب کا معتقد ہو گو اس میں تحریف کرکے شرک کا قائل ہوگیا پس آیت لا تنکحوا المشرکات میں ممانعت قسم اول سے نکاح کرنے کی ہے اور آیت والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ میں دوسری قسم سے نکاح کی اجازت ہے پس نہ نصاریٰ کا موحد ہونا لازم آیا اور نہ آیت لا تنکحوا کے خلاف مشرکات سے نکاح حلال ہونا لازم آیا لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دہری

وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (امداد ص ۳۲ ج ۲)

سوال (۳۰۶) قرآن شریف میں جو خداوند کریم نے فرمایا ہے والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم یعنی اس آیت شریف سے اہل کتاب کی عورتوں محصنہ سے نکاح جائز ہے حالانکہ اہل کتاب کا شرک جیسے ابن اللہ کہنا وغیرہ اور غلو فی البدعات شرکیہ ثابت ہو چکی تھی باوجود اہل کتاب کے ان خرابیوں کے پھر بھی ان عورتوں سے نکاح رکھا گیا تو اب بھی ان کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہو گا یا نہیں اس وقت تو اور بھی یہ لوگ خراب ہو گئے ہیں۔ جب ان سے نکاح جائز ہوا مرزائی عورتوں اور رافضی اور بدعتی جو شرک کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں انکی عورتوں سے بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیئے حالانکہ فقہاء ان سے نکاح کو منع کرتے ہیں بوجہ خارج الاسلام ہونے کے۔ اُمید ہے کہ جناب والا لوجہ اللہ جواب شافی عنایت فرمادیں گے میں کئی روز سے اس شبہ میں مبتلا ہوں شفاء العی السوال فقط

الجواب۔ شریعت میں مقرر ہے کہ کافر اصلی اور کافر مرتد کے احکام اور پھر کافر اصلی میں اہل کتاب یعنی معتقدین کتاب سماوی (نہ کہ عامل بکتاب سماوی) اور غیر اہل کتاب کے احکام مختلف ہیں اس مقدمہ سے سب شبہات رفع ہو گئے یعنی اہل کتاب کا جو شرک منقول ہے وہ مانع نکاح کتابیہ نہیں ہوا اور مرزائیوں وغیرہم پر جب کفر کا فتویٰ ہو گا اُس سے وہ مرتد قرار پائیں گے فحصل الفرق بینھما اور اس شرک سے اہل کتاب گو عامل بکتاب نہ رہیں گے مگر معتقدین کتاب تو ہیں البتہ جو باوجود اُس قوم میں سے ہونے کے کسی کتاب سماوی کے اعتقاد کا التزام نہ رکھیں جیسے آج کل بعض کی حالت ہو گئی ہے اُس کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہو گا۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامس ص ۷۹)

سوال (۳۰۷) (۱) زید مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہو گیا ہے اور اس کی بی بی اہل سنت کے عقیدے پر قائم ہے اس صورت میں نکاح شرعاً قایم رہا یا نہیں (۲) اور اہل سنت کے عقیدہ والی صبیہ کا نکاح مرزا غلام احمد قادیانی عقیدہ والے کے ساتھ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب (۱) اُس مرید سے پوچھنا چاہیئے کہ وہ مرزا کے تمام اقوال کا معتقد ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے کہ وہ تمام اقوال کا معتقد ہے تو یہ شخص مسلمان نہیں رہا اور نکاح

اُس کا اہل سنت وجماعت بی بی سے باقی نہیں رہا اور اگر وہ کہے کہ میں سب اقوال کا معتقد نہیں ہوں تو اُس سے پوچھنا چاہیئے کہ کس کس قول کے معتقد نہیں ہو اس کی تفصیل کے بعد استفتاء کرنا چاہیئے۔ (۲) اگر اس شخص کے اقرار سے اس کا تمام اقوال مرزائیہ کا معتقد ہونا ثابت ہو تب تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر بعض کا معتقد ہو بعض کا نہ ہو تو اس سے تفصیل پوچھ کر سوال کرنا چاہیئے اور بالفرض اگر اس کا مسلم ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی مبتدع اور ضال ہونے میں تو شبہ ہی نہیں اس لئے ہر حال میں ولی گنہ گار ہوگا اگر اس شخص کے ساتھ نکاح کریگا لہذا اس ولی پر واجب ہے کہ قطعاً انکار کردے (نکاح سے پہلے)

فقط ۱۴ ار صفر ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولےٰ صفحہ ۹)

چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں سے نکاح

سوال (۳۰۸) کسی کے چار بیبیاں موجود ہوں اور وہ خلاف حکم شرعی پانچواں عقد کرے تو یہ فعل اس کا لغو اور ایک بیہودہ فضول حرکت ہوگی اور نکاح نہ ہوگا یا نکاح ہو جائے گا مگر بی بی سے صحبت حرام ہوگی اس بنا پر اس کی چار بیبیوں میں سے اگر کوئی مرگئی یا کسی کو طلاق دیدیا تو بدون تجدید عقد کے صحبت جائز ہو جائے گی یا اُس کو تجدید عقد کرنا چاہیئے۔

الجواب۔ یہ پانچواں عقد باطل محض ہے منعقد ہی نہ ہوگا لہذا بعد وفات یا طلاق ایک زوجہ کے اس کے تجدید عقد کی ضرورت ہوگی نکاح سابق کافی نہ ہوگا، ۱۵ ر شوال ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۴۹ ج ۲)

چار سے زائد نکاح کرنے کا حیلۂ باطل

سوال (۳۰۹) زید کی چار عورتیں منکوحہ موجود ہیں اپنے مکان دہلی سے بمبئی کو جا کر ایک یا دو عورت اور کرنا چاہتا ہے اس صورت سے کہ اپنے آپ اکیلے خفیہ اپنی دو عورتوں کو جو مکان میں ہیں طلاق بائنہ غیر ثلاثہ کے دیتا ہے اور عورتوں کو خبر نہیں کرتا بعد گزرنے عدت سے جو اپنے قیاس سے تخمیناً جان لیتا ہو کہ اب میری عورتوں کی عدت ہوگئی ہے اُن دوسری دو عورتوں سے بمبئی میں نکاح کرتا ہے جب برس روز کے بعد مکان کو آتا ہے تو بمبئی کی دونوں عورتوں کو خفیہ طلاق دیتا ہے اور مکان میں آکر مطلقات سے تجدید نکاح کرلیتا ہے کیونکہ حلالہ تو مطلقہ مغلظہ میں ہوتا ہے نہ غیر میں بعد کو جب بمبئی والیوں سے نکاح کرلیتا ہے اور ہر دونوں جانب کی عورت کو خبر طلاق کی نہیں ہوتی بلکہ وہ جانتی ہیں کہ احتیاطاً تجدید ہوئی ہے ایسی صورت سے چار عورتوں سے زیادہ اپنے تصرف میں رکھتا ہے تو زید کا یہ حیلہ فتوے میں کیسا ہے۔

الجواب۔ یہ حیلہ محض لغو ومہمل وباطل ہے نکاحاً بھی طلاقاً بھی اول تو اس لیے کہ نکاح میں حلت واقعیہ کے لئے رضا۔ واقعی کی ضرورت ہے اور جب اُس مطلقہ کو معلوم ہی نہیں کہ میں انکار پر بھی قادر ہوں اور میرا انکار بھی مؤثر ہے وہ رضا معتبر نہیں اور ثانی اسلئے کہ وہی طلاق ما دون ثلثہ جب کئی بار میں تین تک پہونچ جاویں گی پھر بدون حلالہ نکاح جدید کیسے کافی ہوگا اور ثالث اس لئے کہ عورتوں کی عدت اختلاف احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے مثلاً حمل میں وضع حمل اور رضاع میں بوجہ حیض نہ آنے کے مہینوں کی جگہ سال صرف ہوتے ہیں پھر تخمین کیسے جائز ہے علاوہ اس کے خلوت بالاجنبیہ کے محذور سے بھی بچنا ممکن نہیں ہے، غرض یہ عمل محض اتباع خطوات شیطان ہے فقط ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۴۲ ج ۲)

سوال (۳۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور وہ ایک دختر زینب ساتھ لائی آیا زید کو جائز ہے کہ زینب سے نکاح کرے یا جائز نہیں جو کچھ حق ہو بحوالہ قرآن مجید وحدیث شریف۔ فقہ متین تحریر فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ وبہ نستعین اصطلاح شریعت میں ایسی دختر کو ربیبہ کہتے ہیں اور ربیبہ کا نکاح دو شرطوں سے جائز ہوتا ہے ایک شرط تو یہ ہے کہ اُس کی ماں سے جماع نہ کیا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اُس کی ماں نکاح سے نکل گئی ہو خواہ ساتھ طلاق کے یا ساتھ موت کے یا ساتھ خلع کے اور اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو نکاح جائز نہیں یعنی اگر اس کی ماں سے جماع کر لیا ہو تو دختر سے نکاح جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ فی الجزء الرابع وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم فی سنن الترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ایما رجل نکح امرأۃ فدخل بھا فلا یحل لہ نکاح ابنتھا وان لم یدخل بھا فلینکح ابنتھا ۱۲ فی صحیح البخاری فی تفسیر قولہ تعالیٰ وربائبکم اللاتی فی حجورکم الخ عن ام حبیبۃ قالت قلت یارسول اللہ ھل لک فی بنت ابی سفیان قال فافعل ماذا قلت تنکح قال اتحبین قلت لست لک بمخلیۃ واحب من شرکنی فیک اختی قال انھا لا تحل قلت بلغنی انک تخطب درۃ بنت ابی سلمۃ قال بنت ام سلمۃ قلت نعم قال لو لم تکن ربیبتی ماحلت لی ارضعتنی

وایاھا توبیۃ فلا تعرضن علی بناتکن واخواتکن فی الدر المختار وحرم بالمصاھرۃ بنت زوجتہ الموطوءۃ

اور اسی طرح اگر اُس کی ماں سے نکاح باقی رہا جب بھی دختر سے نکاح جائز نہیں کیونکہ لازم آتا ہے جمع کرنا ماں اور بیٹی کا نکاح شخص واحد میں اور یہ حرام ہے بالاجماع پس اس بنا پر زید نے اگر ہندہ سے جماع نہ کیا ہو اور جماع کرنے سے پہلے زید کے نکاح سے نکل گئی ہو یا تو مر گئی ہو یا طلاق دیدی ہو یا خلع کر لیا ہو تو زینب سے نکاح جائز ہے اور اگر ہندہ سے جماع کر لیا ہو تو زینب سے نکاح جائز نہیں خواہ نکاح ہندہ کا باقی رہا ہو یا نہیں اور اسی طرح اگر ہندہ سے نکاح قائم رہا ہو جب بھی زینب سے نکاح جائز نہیں خواہ ہندہ سے جماع کیا ہو یا نہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ (امداد صـ۲۳ ج ۲)

نکاح در حالت مرض شدید

سوال (۱۱۳۱) زید درد پسلی و پھیپڑے میں جس کو نمونیا یعنی مرض ذات الجنب کہتے ہیں مبتلا تھا اور اُٹھ بیٹھ چل پھر نہیں سکتا تھا بلکہ معطل الحواس تھا اُس کے مختار و سربراہ کار نے ایسی حالت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ اُس کا نکاح پڑھوا دیا اور بعوض مہر تمام جائداد زید کی زبانی طور پر دیدیا جانا مشہور کیا اس نکاح میں زید کے خاص قرابت دار نزدیکی کوئی موجود نہ تھے یہاں تک کہ ماں و چچا ناد بھائی وغیرہ بھی شریک نہ تھے نہ کسی کو اطلاع دی گئی تھی اور جائداد پدری بھی زید کی ہے بعد نکاح کے زید اس بیماری سے اچھا ہو کر ایک سال زندہ رہ کر فوت ہو گیا مگر اپنی حیات میں اس نے نہ تو رخصت کرایا اور نہ ہندہ کو اپنے گھر بلایا نہ جائداد کا انتقال باضابطہ کیا نہ سرکاری دفتر میں نام لکھوایا نہ خلوت صحیحہ ہوئی نہ زفاف ہوا۔ بعد مرنے زید کے ہندہ کل جائداد کے دلا پانے کی نالش کرتی ہے جو دائر عدالت ہے اب امر دریافت طلب یہ ہے[1] ایسا نکاح بحالت مرض مہلک جائز ہے؟ اور[2] بالعوض مہر کے کل جائداد اس طرح پر بلا مرضی دیگر ورثاء منتقل ہو سکتی ہے جبکہ زفاف[3] اور خلوت صحیحہ میں کلام ہے تو ایسی حالت میں ہندہ ترکہ پا سکتی ہے؟ یہ کہ اگر مہر بخشدیا گیا میراث کی حقدار ہندہ ہو سکتی ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار والمختار انہ (ای مرض الموت) ما کان الغالب منہ الموت وان لم یکن صاحب فراش (وفیہ) لابد ان یکون المرض الذی طلقھا فیہ مرض الموت فاذا صح تبین انہ لم یکن مرض الموت (وفیہ)

وما الزمه (ای المریض مرض الموت) فی مرضہ بسبب معروف (الیٰ قولہ) والسبب المعروف کنکاح مشاهدان بمهر المثل اما الزیادۃ فباطلۃ وان جاز النکاح عنایۃ (وفیہ) صدرت (ای صیغۃ النکاح) عن قصد (الیٰ قولہ) فیصح بہ (وفیہ) ویجب الاکثر منها (ای العشرۃ) ان سمی الاکثر ویتاکد عند وطی اوخلوۃ صحت اوموت احدھما ویجب نصفہ بطلاق قبل الوطی اوخلوۃ (وفیہ) فیفرض للزوجۃ فصاعدا الثمن مع ولد او ولد الابن والربع لها عند عدمهما وفی رد المحتار، ولیس منہ مالو تزوجها علی عبد الغیر لوجوب قیمتہ اذا لم یجز مالکہ الیٰ قولہ لامهر المثل ج ۲ ص ۵۴۳۔

روایات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر مرض مذکور میں زید کے اتنے حواس بھی باقی نہ تھے کہ جس سے وہ یہ سمجھ سکتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں یعنی ایسا بدحواس تھا کہ اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں تب تو یہ نکاح ہی نہیں ہوا اس لئے نہ مہر واجب ہوگا نہ میراث اور اگر اس قدر حواس باقی ہیں کہ جب اُس سے قبول نکاح کے لئے کہا گیا تو اس نے اپنے ارادے و قصد سے قبول کیا گو تامل اور فکر کی اس کو مہلت و فرصت نہیں ہوئی تو اس صورت میں نکاح درست ہوگیا اور چونکہ وہ اس مرض سے اچھا ہو کر ایک سال تک زندہ بھی رہا لہذا وہ مرض الموت نہیں رہا اس لئے تمام اپنی جائداد مملوکہ مہر میں ٹھہرانا صحیح ہوگیا پس اگر وہ جائداد کل اسی کی مملوک ہے تو پوری جائداد مہر میں ہو جائے گی گو وہ جائداد بدری ہو اور اگر جائداد میں اور بھی کوئی شریک ہے مثلاً زید کے باپ کا کوئی اور وارث بھی ہے اور اس جائداد میں وہ شریک ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جس قدر جائداد مملوکہ زید کی ہے وہ مہر میں ہو جاوے گی اور جس قدر اس میں دوسرے کی ہے وہ بھی مہر میں لگادی گئی ہے اُس کی مالیت و قیمت کی مقدار زید کی دوسری اشیاء ترکہ سے تکمیل کی جائے گی اور چونکہ زید مر گیا اس لئے کل مہر ثابت ہوگیا اگرچہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی کیونکہ موت سے کل مہر موکد ہو جاتا ہے پس خلاصہ جواب یہ ہوا کہ اگر اتنا ہوش تھا کہ اپنے قصد سے نکاح قبول کیا ہے تو وہ نکاح درست ہوگیا اور کل جائداد مہر میں آگئی اور اس صورت میں خلوت صحیحہ کی کوئی ضرورت نہیں لیکن یہ سب اس وقت ہے جب نکاح اور مہر عادل گواہوں سے ثابت ہو گو زید کے اعزہ موجود نہ ہوں اور گو وہ رضامند نہ ہوں اور گو عدالت میں باضابطہ اس کی تحریر و تکمیل نہ ہوئی ہو اور گو زید نے کبھی رخصت کرانے کی

استدعا نہ کی ہو کیونکہ شریعت میں یہ امور شرط نہیں ہیں وہذا ظاہر اور مہر ایک دین ہے جو مستقل حق ہے اور میراث جداگانہ مستقل حق ہے ایک حق کے معاف کردینے سے دوسرا حق ساقط نہیں ہوتا لہذا مہر بخشدینے پر بھی میراث ملے گی۔ فقط ۲۸ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۶)

محض الفاظ ہبہ سے بلانیت نکاح منعقد نہ ہوگا

سوال (۳۱۲) علاقہ پنجاب میں یہ دستور ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے اقارب والدین وغیرہ جب اُن کی منگنی کرتے ہیں تو اس خوف سے کہ شاید پھر لڑکی والا شادی کرنے سے انکار کردے لڑکا والا لڑکی والوں سے یہ فرمایش کرتا ہے کہ تم کہدو کہ ہم نے اپنی لڑکی تم کو یا تمہارے لڑکے کو بخشدی یا ہبہ کردی اور یہ الفاظ چند لوگوں کے سامنے بولے جاتے ہیں یہ دستور عام ہے مگر بعد اس کے پھر نکاح کرتے ہیں ان الفاظ سے صرف منگنی ہونا تصور کرتے ہیں تو آیا وقت منگنی کے لڑکی والوں کے یہ الفاظ کہہ دینے سے عقد ہوجاتا ہے یا نہیں پنجاب کے بعض مولویوں میں اختلاف ہوگیا اس لئے اس کا جواب محقق مطلوب ہے فقط اور اگر لڑکی والا لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہتا ہے تو لڑکے سے طلاق دلواتے ہیں تو طلاق دلانے کی ضرورت ہے یا بغیر طلاق دلائے ہوئے لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے۔ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار وانما یصح بلفظ التزویج والنکاح لانہما صریح وما عداہما کنایۃ وھو کل لفظ وضع لتملیک عین کہبۃ وتملیک الی قولہ لشرط نیتہ او قرینۃ وفھم الشھود المقصود وفی رد المحتار قولہ لشرط نیتہ الخ ھذا ما حققہ فی الفتح ردًا علی ما قد مناہ الی قولہ وملخصہ انہ لابد فی کنایات النکاح من النیۃ مع قرینۃ او تصدیق القابل للموجب وفھم الشھود المراد واعلامھم بہ اھ۔

اس روایت سے جو شرط مفہوم ہوتی ہے سوال کی اس عبارت سے کہ ان الفاظ سے محض منگنی ہونا تصور کرتے ہیں اُس شرط کا ارتفاع معلوم ہوتا ہے لہذا صورت مسئولہ میں نکاح منعقد نہ ہوگا جب نکاح نہ ہوا تو طلاق دلوانے کی ضرورت نہیں۔ فقط

۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۴۷)

اگر غیر ولی نابالغہ کا نکاح کردے تو اس کا کیا حکم ہے

سوال (۳۱۳) ہندہ نابالغہ کا نکاح باوجود ہونے ولی کے غیر ولی نے پڑھا دیا یعنی چچا کے ہوتے ہوئے نانی کا پڑھا دینا مقبول ہے

یا مردود و مطرود۔

الجواب۔ یہ نکاح موقوف و معلق رہے گا اگر ولی کو خبر پہونچے اور اس نے اجازت دیدی تو جائز و نافذ ہو جاوے گا، ورنہ جائز و نافذ نہ ہوگا۔ فی الدر المختار و نکاح عبد امۃ بغیر اذن السید موقوف علی الاجازۃ کنکاح الفضول الخ۔

یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص۷۶)

اجازت نکاح فضولی بتمکین من الوطی

سوال (۳۱۴) ایک بیوہ عورت سے نکاح کی اجازت کیواسطے اُس کے پاس آدمی بھیجا گیا وہ آدمی اُس کے پاس نہیں گیا صبح کو یوں نے شہرت سنی کہ نکاح ہو گیا اور اس خبر سے وہ اسی شخص کے گھر میں چلی گئی اولاد بھی پیدا ہوئی یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں بعد چند روز کے اسی عورت کی حقیقی بہن اُس کے خاوند کے یہاں ناجائز تعلق کے ساتھ بلا نکاح آگئی اور اس سے بھی اولاد ہوئی اب اس پہلی عورت کا نکاح باقی رہا یا نہیں پھر اس پہلی عورت کو اُس کے شوہر نے مار نکال دیا اور یہ کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا چنانچہ وہ دوسری بستی میں چلی گئی اب چاہتی ہے کہ کہیں نکاح ہو جاوے اسکیلے عدت کی کیا صورت ہونی چاہیئے اس کی دوسری بہن بلا نکاح اب تک اس کے شوہر کے پاس موجود ہے۔

الجواب۔ فی العالمگیریۃ کتاب النکاح الباب السادس و تثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول والفعل اھ و عد فی الدر المختار وغیرہ تمکینہا من الوطی من الافعال الدالۃ علی الرضاء۔

اس سوال میں سائل نے یہ نہیں لکھا کہ واقع میں نکاح پڑھا بھی گیا تھا یا صرف شہرت ہی ہو گئی تھی اگر محض شہرت ہوئی ہے تب تو نکاح نہیں ہوا اور نکاح نہیں ہوا تو عدت بھی نہیں اور اگر نکاح ہوا تھا تو یہ نکاح فضولی ہے عورت کی تمکین من الوطی اجازت نکاح ہے اس لیے یہ نکاح نافذ ہو گیا اور حقیقی بہن کے آنے سے اور صحبت سے اس نکاح میں کوئی خلل نہیں ہوا البتہ یہ جو کہا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلی جا اس سے تحقیق کرنا چاہیئے کہ بہ نیت طلاق کہا ہے یا کیا اور حالت مذاکرہ طلاق یا غضب میں کہا یا کیا اس کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے، فقط ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۷۷)

توقف نکاح فضولی

سوال (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں ایک عورت بیوہ اور اُس کی لڑکی نابالغہ ہے اور لڑکی کے تائے چچا غیر حقیقی

ہیں اس لڑکی کے نکاح کے وقت غیر حقیقی تائے چچا سے نکاح کی اجازت چاہی تو انھوں نے کہا کہ ہمیں اس نکاح سے کچھ غرض نہیں ہے نہ انکار ہے نہ اقرار ہے عورت بیوہ نے باذن خود نکاح کرادیا عرصہ دو سال گزر گیا اب یہی عورت بیوہ اُس لڑکی نابالغہ کا نکاح ثانی دوسری جگہ کرنا چاہتی ہے اس لڑکی تائے چچا غیر حقیقی کو نکاح ثانی کرنے میں اب بھی کچھ غرض مطلب نہیں ہے نہ انکار کرتے ہیں نہ اقرار کرتے ہیں اس حالت میں نکاح ثانی جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ فی الدر المختار نکاح الفضولی سیجیئ فی البیوع توقف عقودہ کلہا ان لہا مجیز حالۃ العقد والا تبطل فی رد المحتار لو باع الصبی مالہ او اشتری الی قولہ توقف علی اجازۃ الولی فلو بلغ ھو فاجاز نفذ اھ ج ۲ ص۳۵۵ وفی الدر المختار الفضولی قبل الاجازۃ لا یملک نقض النکاح بخلاف البیع فی رد المحتار قولہ لا یملک نقض النکاح ای لا قولاً ولا فعلاً قال فی الخانیۃ العاقدون فی الفسخ اربعۃ عاقد لا یملک الفسخ قولاً ولا فعلاً وھو الفضولی حتی لو زوج رجلا امرأۃ بلا اذنہ ثم قال قبل اجازتہ فسخت لا ینفسخ وکذا لو زوجہ اختہا یتوقف الثانی ولا یکون فسخا للاول اھ ج ۲ ص۳۵۸۔

بنابر روایات مذکورہ جواب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ اگر یہ تایا چچا عصبات میں سے ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح کردینا موقوف یعنی معلق ہے جب تک یہ تایا چچا زبان سے نہ کہیں کہ ہم اس کو قبول نہیں کرتے اُس وقت تک یہ ایسا ہی رہے گا اور دوسری جگہ بھی نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور اگر دوسری جگہ بھی ماں کردے گی تو وہ بھی معلق ہوجاوے گا پھر چچا تایا اگر اس ثانی کو جائز کہیں گے تو وہ جائز ہوجاوے گا اور اگر اس میں بھی سکوت کیا تو دونوں معلق رہیں گے پھر لڑکی جب بالغ ہوگی اُس وقت جس نکاح کو وہ زبان سے منظور کرے گی نافذ ہوجاویگا اور دوسرا فسخ ہوجاوے گا اور اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے گی تو دونوں معلق ہی رہیں گے (ان التمکین من الوطی یقوم مقام الاجازۃ باللسان) اور اگر وہ چچا تایا عصبہ نہ ہوں تو سوال مکرر کیا جاوے۔ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۴۴)

مرزائی اور سُنّی میں مناکحت کا حکم

سوال (۳۱۶) مناکحت باہم ایسے مرد و عورت کی کہ ایک اُن میں سے سُنّی حنفی اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور اُن کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ دونوں یا ایک ان

میں سے نابالغ ہو تو ولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے امید ہے کہ تشریح وبسط سے جواب مدلل مرحمت ہو بینوا توجروا۔

الجواب۔ مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہونچے ہوئے ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو اس لیے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے پس اگر یہ مرزائی خواہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہو سکتا لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود اس کا عقیدہ دیکھا جاوے گا اور اگر نابالغ ہے تو اس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جاویگا یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہے تو اس کو غیر مرزائی قرار دیکر یہ حکم مذکور ثابت نہ کریں گے اور اگر یہ مرزائی خاص کسی ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سُنی حنفی کا دیانت میں کفو نہیں پس اگر یہ عورت ہے تو مرد سُنی حنفی کا نکاح اس سے درست نہیں ہے اور اگر یہ مرد ہے اور عورت سنیہ حنفیہ ہے تو اگر یہ عورت بالغ ہے اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے تو نکاح ہو گیا اور اسی طرح اگر نابالغ ہے اور باپ دادا نے کر دیا تب بھی ہو گیا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا یا باپ دادا کچھ شفیق وخیر خواہ نہیں ہیں تو سوال میں اس کی تصریح ہونے سے جواب دیا جائیگا۔

فقط ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷)

عدم جواز نکاح زن مسلمہ با قادیانی

سوال (۱۷۱۳) بخدمت شریف علمائے اسلام سلمکم اللہ الیٰ یوم القیام کیا فرماتے ہیں اساطین دین متین ومفتیان شرع مبین اس امر میں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

قول	حوالہ کتاب
(۱) آیت مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کا مصداق میں ہوں،	ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۷۳
(۲) مسیح موعود جن کے آنے کی خبر حدیث میں آئی ہے میں ہوں،	، ص ۲۶۵
(۳) میں مہدی مسعود اور بعض نبیوں سے افضل ہوں،	معیار الاخیار ص ۱۱
(۴) ان قدمی علی منارۃ ختم علیہ کل رفعۃ }	خطبہ الہامیہ ص ۳۵
(۵) لا تقیسونی باحد ولا احد ابی، }	، ص ۱۹
(۶) میں مسلمانوں کے لیے مسیح مہدی اور ہندوؤں کیلئے کرشن ہوں،	لکچر سیالکوٹ ص ۳۳

قول	حوالہ کتاب
(۷) میں امام حسینؓ سے افضل ہوں۔	دافع البلا ص ۱۳
(۸) وانی قتیل الحب لکن حسینکم قتیل لعدا فالفرق اجلی واظہر	اعجاز احمدی ص ۸۱
(۹) یسوع مسیح کی تین دادیاں اور تین نانیاں زناکار تھیں (معاذ اللہ)	ضمیمہ انجام آتھم ص ۵
(۱۰) یسوع مسیح کو جھوٹ بولنے کی عادت تھی۔	"
(۱۱) یسوع مسیح کے معجزات مسمریزم تھے اُس کے پاس بجز دھوکے اور کچھ نہ تھا،	ازالہ ص ۳۲۲، ۳۰۴ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷
(۱۲) میں نبی ہوں اس امت میں نبی کا نام میرے لیے مخصوص ہے،	حقیقت الوحی ص ۳۹۱
(۱۳) مجھے الہام ہوا۔ یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا،	معیار الاخیار ص ۱۱
(۱۴) میرا منکر کافر ہے،	حقیقت الوحی ص ۱۶۳
(۱۵) میرے منکروں بلکہ مقابلوں کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں	فتاوی احمدیہ جلد اول
(۱۶) مجھے خدا نے کہا ہے اسمع ولدی (اے میرے بیٹے سُن)	البشریٰ ص ۴۹
(۱۷) لولاک لما خلقت الافلاک،	حقیقت الوحی ص ۹۹
(۱۸) میرا الہام ہے وما ینطق عن الھویٰ	اربعین ص ۳
(۱۹) وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین	حقیقت الوحی ص ۸۲
(۲۰) انک لمن المرسلین	" ص ۱۰۷
(۲۱) اتانی مالم یوت احد من العالمین	"
(۲۲) مجھے حوض کوثر ملا ہے۔ انا اعطینٰک الکوثر۔	ضمیمہ انجام آتھم ص ۸۵
(۲۳) اللہ معک یقوم اینما قمت	" ص ۱۴
(۲۴) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ہو بہو اللہ ہوں (اتینی فی المنام عین اللہ وتیقنت اننی ھو فخلقت السمٰوات والارض	آئینہ کمالات ص ۵۶۴، ۵۶۵
(۲۵) میرے مرید کسی غیر مرید سے لڑکی نہ بیاہا کریں،	فتاوی احمدیہ ص ۷

جو شخص مرزا قادیانی کا ان اقوال میں مصدق ہو اُس کے ساتھ مسلمہ غیر مصدقہ کا رشتہ زوجیت کرنا جائز ہے یا نہیں اور تصدیق بعد نکاح موجب فراق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو مسلمان ایسے عقائد بالا اختیار کرے جن میں بعضے یقینی کفر ہیں وہ بحکم مرتد ہے اور مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسیطرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح

نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جاوے گا۔
(تتمہ خامسہ ص۵۵)

سوال (۳۱۸) زید جو کہ حنفی مذہب رکھتا ہے ایک قادیانی المذہب عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے ایک حنفی مفتی سے سوال کیا گیا تو جواز کا فتوے دیا جو درج ذیل ہے ان کا جواب بعینہٖ حضور کی خدمت میں پیش کرتے استصواب چاہتا ہوں۔

نقل فتوے جواز

مکرم برادرم السلام علیکم۔ قادیانی مذہب کی عورت سے نکاح جائز ہے جو قادیانی مرزا غلام احمد کے قائل ہیں وہ اگرچہ کافر ہیں مگر اہل کتاب ضرور ہیں تو اہل کتاب عورت سے مسلم کا نکاح جائز ہے لاہوری مرزائی غلام احمد کو نبی نہیں مانتے صرف مجدد مانتے ہیں اس لئے ان کی تکفیر نہیں ہو سکتی بہر حال قادیانی عورت سے جب نکاح جائز ہوا تو اُس کی لڑکی سے بھی خواہ متزلزل عقیدہ رکھتی ہو ایک حنفی مسلمان کا نکاح بالکل درست و جائز ہے ہرگز شک نہ کیجئے۔

جواب جو یہاں سے گیا

میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں اُن کو داخل نہیں کرسکتے اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اُس کے عقاید کفریہ کو کفر نہیں کہتے کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے کیا اگر کوئی شخص مسیلمہ کذاب کو نبی نہ مانتا ہو مگر اُس کے عقاید کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اُس شخص کو مسلمان کہا جائے گا۔ ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ (النور رجب ۱۳۵۲ھ ص۸)

نکاح سُنّیہ باشیعی

سوال (۳۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ کا نکاح زید شیعی مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہو گیا اس نکاح کو عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہندہ کے بطن سے زید کی اولاد بھی ہوئی اب ہندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیعہ سبیّہ کافر ہیں اس لئے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا اور جماع بحکم زنا ہوتا ہے پس ہندہ اُسی علم کے وقت سے مباشرت سے محترزہ ہے اور چاہتی ہے کہ نکاح فیما بین الزوجین فسخ ہو جائے علماء شریعت غراء سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ سُنّی و شیعہ کا بہ تفرق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے عند الشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں اور عورت بوجہ جہالت مسئلہ یا شیعی مرد کے تقیہ اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کرنے کی بنا پر اگر شیعہ کے نکاح میں چلی جائے تو مسئلہ سے واقف

ہونے یا خاوند شیعہ کے خیالات تشنیع اور تبرا اور سب الشیخین علی الاعلان ظاہر ہونے پر اپنے نفس کو اُس کی زوجیت سے نکالنے کی مجاز ہے یا نہیں نیز اسی حالت میں پیدا ہونے والی اولاد پر کیا حکم لگایا جائے گا۔

الجواب - فی الدر المختار وتعتبر الکفاءۃ دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفو الصالحۃ الخ وفیہ لو زوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجھا علی ذلک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ولوالجیۃ فلیتحفظ۔ روایت اولیٰ کی بناء پر یہ نکاح غیر کفو سے ہوا ولم یثبت کون السب کفرا اور روایت ثانیہ کی بناء پر جب زوجہ اور اولیاء دونوں نکاح غیر کفو پر رضامند ہوں نکاح لازم ہو جاتا ہے اور غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو جب بھی نکاح ہو جاتا ہے البتہ اگر تصریحاً کفاءۃ شرط ٹھہری تھی یا زوج نے زبان سے تصریحاً خبر دی تھی کہ میں سنی ہوں اس صورت میں یہ نکاح باوجود انعقاد کے لازم نہیں ہوا لکن لابد للفسخ من وجود قاض شرعی اور باقی سب صورتوں میں حق فسخ نہیں ہے اور چونکہ نکاح منعقد ہو گیا لہٰذا اولاد سب ثابت النسب اور صحبت حلال ہے۔ واللہ اعلم، ۲۹ صفر ۱۳۲۳ھ

سوال (۳۲۰) ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں ماں نے کر دیا کیونکہ باپ بھائی چچا وغیرہ کوئی رشتہ دار نہیں ہے ابھی لڑکی بالغ نہیں ہوئی مگر معلوم ہوا کہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے نہایت آوارہ بدچلن اور شیعہ مذہب ہے اس نکاح کو لڑکی کے جوان ہونے کی وجہ پر اجازت دینے پر موقوف کہیں گے یا ولی نہ ہونے کی وجہ سے غیر کفو و آوارہ ہونے کی وجہ سے باطل وکالعدم یا سنی شیعہ کے تفرقہ کی وجہ سے نکاح کا انعقاد ہی نہ ہوگا اگر شق ثالث ہے تو کیا مطلق شیعہ کا سُنی سے نکاح نہیں ہو سکتا خواہ تفضیلیہ ہو سبیّہ یا غالیہ۔ حالانکہ تفضیلیہ پر کفر کا فتویٰ نہیں اور سبیّہ کی تکفیر بھی مختلف فیہ ہے اور نیز ممکن ہے کہ مرد اپنا نکاح قائم رکھنے کی وجہ سے تقیۃً اپنے آپ کو سنی یا کم سے کم شیعہ تفضیلیہ بتائے (یہ صورت واقع ہوئی ہے خاوند نہایت ظالم اور اُن یتیم بچیوں کو مارتا پیٹتا ہے جن کی ماں نے دھوکا کھا کر اُس کے نکاح میں دیدیا ماں مفارقت چاہتی ہے اور خاوند ضد پر کمر بستہ)

الجواب - فی الدر المختار ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ ولو الام او القاضی الی قولہ لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان

کان من کفوء بمهر المثل صح لکن لهما خیار الفسخ الی قوله یشترط القضاء للفسخ وفیہ ایضا فی باب الکفاءة وتعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحة او فاسقة بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاهر نهر روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ ماں اگر غیر کفو سے نکاح کردے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شیعی بوجہ فسق اعتقادی کے کفو سنیہ کا نہیں لہذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا وفی ما انعقد یحتاج الی قضاء القاضی وهو من له ولایة ولا ولایة للعلماء فهم لیسوا بقضاة وکذا لا ولایة للاجنبی الذی لیس من الاقسام المدونة للعصبة کما هو مبسوط فی کتب الفقه فافهم۔ ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ

تفصیل نکاح زن سنیہ با شیعہ الخ

سوال (۳۲۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں مسلمان ہیں یا کافر ہیں۔ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں قوم بوہرے جو بمبئی اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی قوم ہے ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہلسنت جماعت کی لڑکی اُس کے والدین کو لالچ زر دیکر اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی سنت جماعت لالچ زر میں جان کر لڑکی بیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانے کو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اُس کے اسلام کا اعتبار کیا جاوے گا یا نہیں اور اُس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب - فی الدر المختار وتعتبر (الکفاءة) فی العرب والعجم دیانة ای تقویٰ فلیس فاسق کفوا الصالحة بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاهر نهر وفیه وللولی انکاح الصغیر والصغیرة ولزم النکاح ولو بغبن فاحش وبغیر کفو ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانة وفسقا وان عرف لا وان کان المزوج غیرهما لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وفیه وله ای للولی اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفو ما لم تلد منه ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان وفی رد المحتار وهذا اذا کان لها ولی لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضی بعده

بحر، اما اذا لم یکن لہا ولی فھو صحیح نافذ مطلقاً اتفاقاً کما یاتی۔ بنا بر روایات مذکورہ و دیگر قواعد معروفہ مسلمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہے جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر تہمت لگانا یا حضرت علیؓ کو خدا ماننا یا یہ اعتقاد رکھنا کہ جبرئیل علیہ السلام غلطی سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی لے آئے تب تو کافر ہیں اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اور محض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے علامہ شامی نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے جلد ۲ صہ ۴۵۳ مگر اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے تو اگر اُس نے خود اپنا نکاح کر لیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں۔ اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیاہے باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہے کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا ہے اور ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہو یا اُس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اُس کی اجازت سے کر دیا تو اِن صورتوں میں اُن علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جاویگا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اِس کا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد نکاح کے رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے۔ تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اُس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو حق فسخ ہے جس کی ایک شرط قضاء قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اُس کو حق فسخ حاصل ہو گا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی۔ کما فی درالمختار فلو نکحت رجلا و لم تعلم حالہ فاذا ھو عبد لا خیار لہا بل للاولیاء ولو زوجوھا برضاھا و لم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لا خیار لاحد

الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار وفی رد المحتار قولہ لا خیار لاحد ھذا فی الکبیرۃ کما ھو فرض المسئلہ بدلیل قولہ نکحت رجلا فقولہ برضاھا فلا یخالف ما قدمناہ فی الباب المھر عن النوازل لو زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مد من لہ وقالت بعد ما کبرت لا ارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل لانہ انما تزوج علی ظن انہ کفوءٌ ثم بعد اسطر لکن کان الظاھر ان یقال لا یصح العقد اصلا کما فی الاب لماجن والسکران مع ان المصرح بہ ان لھا ابطالہ البلوغ وھو فرع صحتہ فلیتامل۔

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

نکاح سنیہ با شیعہ

سوال (۳۲۲) زید نووارد شیعی المذہب نے خالد سنی المذہب کو یہ باور کرا کر کہ میں سُنی المذہب ہوں اور حلفاً اس کی تصدیق کر کے خالد کی دختر نابالغہ ہندہ سے عقد کیا خالد نے باعتبار اس کے بیان وتصدیق حلفی کے زید کو سنی المذہب سمجھ کر اپنی لڑکی کا عقد زید سے کر دیا بعد عقد کے زید کے افعال مثل تعزیہ وشدہ پرستی بہ یوم عاشورہ ماتم سینہ زنی وغیرہ وقوع میں آئے جس کے لحاظ سے زید کے وطن کے قاضی صاحب وغیرہ سے مذہبی حالت دریافت ہوئی تو معلوم ہوا کہ زید واقعی شیعی المذہب گروہ شیعان وطن سے ہے پس بلحاظ احکام فقہ حنفی جو نکاح دختر خالد کا زید شیعی المذہب کے ساتھ ہوا ہے شرعاً وقوع پذیر ہو گا یا نہیں بصورت واقع ہونے کے خالد بدرو ولی ہندہ نابالغہ اس عقد کو فسخ وکالعدم کرانے کا مجاز ہے یا نہیں ایسا عقد بحکم قاضی یا حاکم کالعدم کرانا ضروری ہو گا یا خود بخود کالعدم وباطل قرار پائے گا بحوالہ عبارات کتب فقہ معتبرہ مستندہ جواب عطاء فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب - فی رد المحتار عن فتح القدیر عن النوازل لو زوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکر انہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت لا ارضی بالنکاح ای بعد ما کبرت ان لم یکن یعرفہ الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل وفیہ ثم اعلم ان ما مر من النوازل من ان النکاح باطل معناہ انہ سیبطل ج ۲ ص ۴۹۹ وفی الدر المختار ولو زوجھا (ای الکبیرۃ) برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاءۃ ثم علموا لا خیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد

تزوجہا علیٰ ذلک ثم ظہر انہ غیر کفو کان لہم الخیار ولوالجیۃ فلیحفظ ج ۲ ص ۵۲۱،

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ولی منکوحہ کو بھی اور اسیطرح بعد بلوغ کے خود منکوحہ کو بھی اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ فسخ بحکم حاکم ہوگا جو کہ علاقہ حیدرآباد میں آسان ہے۔ وقولہ قالت لا ارضی لیس للاحتراز فی صورۃ الاشتراط او الاخبار لیتوقف الفسخ علی بلوغہا لان المسئلۃ الثانیۃ التی رضیت الکبیرۃ فیہا یتحقق الاختیار فیہا للاولیاء واللہ اعلم۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

نکاح مرتدہ الخ	**سوال** (۳۲۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شادی کی اور بی بی کو گھر میں اپنے لایا اور خلوت کے چند ماہ کے بعد اُس

کے اولیاء رخصتی کے لئے آئے زید نے بی بی کو رخصت کردیا چندروز کے بعد زید نے جو رخصتی چاہی تو اُس عورت کے اولیاء حیلے حوالے کرنے لگے چندروز کے بعد رخصتی سے صاف انکار کیا اور خلع چاہنے لگے تو زید نے مجبور ہوکر گورنمنٹ میں رخصتی کے لیے درخواست کی جب اولیاء کو یہ معلوم ہوا تو اُن لوگوں نے جھٹ سے اُس عورت کو کلمات کفر سکھلا دیئے اُس عورت نے کلمات کفر زبان سے کہے اب اولیاء عدالت میں آکر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہوکر اس قسم کے کلمات کفر زبان پر لائی ہے اب زید سے اُس کا نکاح ہی کب باقی رہا کہ وہ رخصتی چاہتا ہے نکاح ٹوٹ گیا اس وجہ سے ہم لوگ رخصتی نہیں کرسکتے اس اظہار پر حاکم نے زید سے فتویٰ طلب کیا ہے اور اپنے فیصلہ کو فتویٰ پر موقوف رکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ اُس عورت نے اولیاء کے سکھلانے سے یا خود اپنی طبیعت سے بغرض فسخ نکاح اگر کلمات کفر کہے ہوں تو عنداللہ نکاح فسخ ہوگیا یا نہیں۔

الجواب۔ فسخ ہوگیا عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے یا کسی کی تعلیم سے سب موجب کفر ہے اور کفر موجب فسخ نکاح اس لئے نکاح ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کرنے والوں کا نکاح بھی ٹوٹ گیا اور جو شخص اس کارروائی سے راضی ہیں سب کا نکاح ٹوٹ گیا لیکن اتنا فرق ہے کہ زید کی بی بی کو توشرعاً مجبور کیا جاوے گا کہ وہ اسلام لاوے اور اسی شوہر اول سے نکاح کرے دوسرے شخص سے اس کو نکاح جائز نہ ہوگا۔ اور تعلیم کرنے والوں اور راضی ہونے والوں کی بیبیونکو اختیار ہوگا بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں۔ فی الدرالمختار اخبرت بارتداد زوجہا

فلما التزوج باخر بعد العدۃ الخ وفیہ لیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجھا
بہ یفتی وفی رد المحتار حکموا بجبرھا علی تجدید النکاح مع الزوج
وتضرب خمسۃ وسبعین سوطا واختارھا قاضی خان للفتوی اھ
ج ۳ صہ ۴۶۹ وصہ ۴۷۰، اور جب ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا تو اس لئے آئندہ کے
سوالات ان سب سے متعلق ہوں گے۔ ۴/ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ،

منکوحہ کی لڑکی کا نکاح زوج کے نواسے جائز ہے

سوال (۳۲۴) زید کی منکوحہ کی ایک لڑکی جو اس کے پہلے خاوند کی طرف سے اور زید کا حقیقی نواسا جو زید کی دوسری منکوحہ کی لڑکی کا لڑکا ہے آیا اس منکوحہ کی لڑکی مذکورہ کے ساتھ نواسے مذکور کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

والدہ کی خالہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال (۳۲۵) ہندہ کی حقیقی خالہ کی لڑکی کے ساتھ ہندہ کے لڑکے کا نکاح جائز ہے یا نہیں جواب بحوالۂ کتب ارشاد فرمائیں۔

الجواب عن السوالین۔ یہ دونوں نکاح جائز ہیں کیونکہ یہ دونوں قرابتیں محرمات سے نہیں۔ کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ ۱۹/ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ صہ ۷۹)

چچازاد بھائی کی دختر سے نکاح کا حکم

سوال (۳۲۶) چچازاد بھائی کی لڑکی سے شادی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے لقولہ تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذلکم۔ (تتمہ اولیٰ صہ ۷۹)

محض تحریری ایجاب وقبول سے نکاح نہ ہونا اور جواز کی شرط

سوال (۳۲۷) زبیدہ جو بالغ ہے پڑھ لکھ سکتی ہے کیا بکر کے ساتھ (جو پڑھ لکھ سکتا ہے) بذریعہ تحریر ایجاب وقبول کر سکتی ہے اور کیا یہ نکاح شرعاً درست ہوگا اور اگر دو عاقل اور بالغ مسلمان اپنے قلم سے اسی تحریر پر جن کو یقین ہو کہ وہ تحریر جس کے ذریعہ سے نکاح ہوا ہے زبیدہ اور بکر ہی کے قلم سے ہو تو کیا یہ گواہی شرعاً جائز اور قابل تسلیم ہوگی حالانکہ زبیدہ اور بکر ایک شہر میں موجود نہیں ہیں۔

الجواب۔ اگر دونوں طرف سے تحریر ہی ہوئی ہے تو نکاح درست نہ ہوگا اسی طرح اگر ایک طرف سے تحریر ہوئی اور دوسری طرف سے گواہوں کے روبرو زبانی قبول ہوا لیکن ان گواہوں کو تحریری ایجاب کی زبانی خبر نہیں دیگئی تب بھی نکاح نہ ہوگا اسی طرح گواہوں نے صرف زبیدہ یا بکر یا دونوں کا قلم پہچان کر گواہی کر دی تب بھی نہ یہ گواہی درست ہوگی نہ اس گواہی سے نکاح درست ہوگا صرف نکاح درست ہونے کی خاص صورت یہ ہے کہ مثلاً بکر زبیدہ کے نام بدرخواست نکاح خط لکھے اور زبیدہ دو گواہوں کو یا زیادہ کو جمع

شرعاً گواہی کے قابل ہوں یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورت عاقل بالغ مسلمان جوان کی زبان سمجھتے ہوں ایک جلسہ میں جمع کر کے اُن کے سامنے پورا مضمون خط کا بیان کرے کہ فلاں شخص نے میرے پاس بدرخواست نکاح خط لکھا ہے اور میں اس درخواست کو منظور کرتی ہوں اور اس کو نکاح میں قبول کرتی ہوں بس اب نکاح درست ہو گیا۔ فی رد المحتار الکتابۃ من الطرفین بلا قول لا تکفی ولو فی الغیبۃ وفیہ من الفتح ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورتہ ان یکتب الیھا یخطبھا فاذا بلغھا الکتب احضرت الشھود وقرأتہ علیھم وقالت زوجت نفسی منہ او تقول ان فلاناً کتب الی یخطبنی فاشھدوا انی زوجت نفسی منہ اما لو لم تقل بحضرتھم سوی زوجت نفسی من فلان لا ینعقد لان سماع الشطرین شرط صحۃ النکاح وباسماعھم الکتاب او التعبیر عنہ منھا قد سمعوا الشطرین بخلاف ما اذا انتفیا جلد ۲ صفحہ ۲۳۴۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص۸۸)

سوال (۳۲۸) ما قولکم ایھا العلماء الکرام ہندہ عاقلہ بالغہ بست سالہ نے زید کے نام حسب ذیل تحریر بھیجی جناب ...... صاحب آپ نے بذریعہ تحریر جو پیام نکاح بھیجا وہ میں نے بجان ودل منظور کیا اور میں صاف الفاظ میں کہتی نیز لکھتی ہوں کہ میں نے بعوض دس ہزار روپیہ مہر موجل اپنی ذات کو آپ کے عقد نکاح میں دیا راقمہ (دستخط) زید نے یہ تحریر وصول کر کے چند مستور الحال اہل اسلام کو مطلع کیا نیز قبولیت نکاح ومنظوری مقدار مہر سے آگاہی بخشی اور ہندہ کو بھی اطلاع کر دی کہ میں نے قبول کیا اور چند مسلمان آدمیوں کو میں نے گواہ کر لیا ہے از روئے شرع متین وفقہ عالیہ مذہب امام اعظم اس صورت میں نکاح مابین زید وہندہ منعقد ہو جائے گا یا نہیں۔

الجواب۔ اس طرح نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ لان الشرط سماع الشاھدین الفاظ الزوجین فی مجلس واحد ولم یوجد والذی وجد ھو الخبر لا الانشاء وھو الشرط وھذا کلہ فی الدر المختار ورد المحتار۔

۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۱ ہجری (تتمہ ثانیہ ص۷)

سوال (۳۲۹) زید اپنے زینب کی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ کر سکتا ہے بلکہ اپنی بی بی کے ساتھ جمع بھی کر سکتا ہے کیونکہ زید کی بی بی

اور اُس کے ربیب کی بی بی میں ایسا علاقہ نہیں کہ جس کو عرد فرض کریں، دوسرے سے نکاح حرام ہو (تتمہ اولیٰ ص ۹۱)

مرتدہ کا بعد توبہ کے غیر زوج اول سے نکاح نہ ہونا چاہیے

سوال (۲۳۰) بہشتی زیور حصہ سوم - دین سے پھر جانے کے بیان میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب کسی نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا اور جتنی نیکیاں اور عبادتیں اس نے کی تھیں سب اکارت گئیں اور نکاح ٹوٹ گیا پس اگر کسی عورت نے کفر کا کلمہ زبان سے نکالا اور توبہ کر کے پھر مسلمان ہوئی اب وہ کہتی ہے کہ میں کسی دوسرے مرد سے نکاح کروں گی تو اس عورت کے پہلے خاوند کو جس کے نکاح میں یہ تھی اُس کو طلاق دینے کی ضرورت ہے یا نہیں شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیے۔

الجواب - اوّل تو جو کلمات کفر فقہاء نے لکھے ہیں اُن میں تاویل ممکن ہے اس لیے اُن پر کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیئے مقصود فقہاء کا زجر ہے اور اگر غیر محتمل تاویل کلمہ بھی کہدیا تب بھی گو وہ کافر ہو جاوے گی مگر اس کو دوسرے مرد سے نکاح نہ کرنے دیں گے فی الدر المختار ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا بہ یفتی وایدہ فی رد المحتار جلد ۲ صفحہ ۴۶۹ فقط ۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۲)

لفظ قبول کے بجائے الحمد للہ کہنے سے نکاح نہ ہوگا

سوال (۲۳۱) زید نے لفظ قبول کی جگہ الحمد للہ کہا نکاح صحیح ہوا یا نہ۔

الجواب - فی الدر المختار وینعقد بایجاب وقبول وضعا للمضی وبما وضع احدھما لہ ای للمضی والاخر للاستقبال او للحال فالاوّل الامر الخ وفی رد المحتار تحت قول الدر المختار لو قال لہا یا عرسی فقالت لبیک الخ مانصہ صوابہ لم ینعقد فقد صرح فی البحر عن الصیرفیہ بان الانعقاد خلاف ظاہر الروایۃ ومثلہ فی النہر وکذا فی شرح المقدسی عن فوائد تاج الشریعۃ الخ جلد ۲ صفحہ ۴۲۳ مصری،

اس نظیر سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد للہ کہنا موجب انعقاد نکاح نہیں لیکن کوئی جزیہ نہیں ملا بہتر یہ ہے کہ کسی اور جگہ بھی تحقیق کر لیا جاوے۔ فقط ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ

لڑکی کا سکوت اس وقت اذن ہوگا جبکہ ولی پوچھے ورنہ زبانی جواب ضروری ہے

سوال (۲۳۲) اس طرف یہ دستور ہے کہ جس بالغہ لڑکی کا عقد ہوتا ہے تو اس طریقے سے ہوتا ہے کہ لڑکی جہاں پردہ میں بیٹھی ہوتی ہے وہاں تین آدمی ایسے جاتے ہیں کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک تو وکیل ہوتا ہے اور دو گواہ ہوتے ہیں لڑکی کی ماں بہن لڑکی

سے کہلواتی ہیں کہ میں نے اپنے نکاح باندھنے کے لئے (وکیل کا نام لیکر) فلاں کو اختیار دیا تو لڑکی یا تو بالکل خاموش رہتی ہے یا رو دیتی ہے یا سر ہلادیتی ہے پس وہ تینوں آدمی باہر آتے ہیں جس جگہ کہ دولھا اور قاضی وغیرہ موجود ہوتے ہیں اور وہ جو دو گواہ ہیں قاضی کے روبرو بیان کرتے ہیں کہ فلاں بنت فلاں نے اپنا نکاح کردینے کے لیے فلاں شخص کو (جس سے وکیل مراد ہوتا ہے) اختیار دیا ہے ہمارے روبرو پس قاضی وکیل سے مہر کی تعداد معلوم کرتا ہے اور نکاح پڑھانے کی اجازت چاہتا ہے جب وکیل نے اجازت دیدی تو قاضی نے خطبہ وغیرہ پڑھا اور دولھا سے کہا کہ مسماۃ فلاں بنت فلاں نے اپنے نفس کا اختیار بالعوض اتنے مہر (جتنی تعداد مقرر ہوئی) نصف معجل اور نصف مؤجل کے تجھ کو دیا وہ کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا اور ان دو گواہ اور وکیل کے نام مع نام قاضی و دولھا دلہن درج رجسٹر سرکاری ہو جاتے ہیں تو دریافت طلب یہ ہے کہ قاعدہ مذکورہ بالا درست ہے یا نہیں اگر نہ ہو تو اصلاح فرمادی جاوے۔

الجواب۔ یہ سکوت لڑکی کا جبکہ پوچھنے والا ولی نہیں ہے معتبر نہیں پس یہ وکالت درست نہیں گواہوں کا یہ کہنا کہ لڑکی نے اختیار دیا ہے جھوٹی گواہی ہے پس یہ نکاح درست نہیں ہوا البتہ اس کے بعد جب رخصت ہو کر دولھا کے گھر آئی اور صحبت کے وقت انکار نہ کیا اس وقت وہ نکاح جواب تک معلق و موقوف تھا صحیح ہوا لیکن چونکہ بروقت نکاح پڑھنے کے صحیح نہ ہوا تھا اس لئے یہ خلوت اور اس کو ہاتھ لگانا اور برہنہ کرنا اور برہنہ دیکھنا اور بے پردگی یہ کس طرح جائز ہوگی اسلئے اس کی اصلاح یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہو تب تو ولی سے اجازت لی جاوے اور اگر بالغ ہو تو اس لڑکی سے ولی کو دریافت کرنا چاہئے اس کے دریافت کرنے پر جو سکوت کریگی وہ اذن ہے پھر ولی کا اجازت دینا صحیح ہوگا اور اگر خواہ مخواہ وکیل ہی بننا ضروری ہے تو پھر ضرور ہوگا کہ وہ لڑکی اپنی زبان سے اس وکیل کو اجازت نکاح کی دے اگر زبان سے نہ کہے گی تو وہی خرابی ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس مسئلہ کو اچھی طرح لوگوں میں شائع کردینا چاہئے۔ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۹۴)

جواز نکاح بایجاب وقبول وکیل روبروئے شاہدین

سوال (۲۳۳) ایک مسئلہ دریافت طلب آں حضرت قبلہ کے حضور میں پیش ہے۔ زینب و زید میں آپس میں مناکحت کا اقرار ہوا زینب نے زید سے کہا کہ مجھے تمہارے ساتھ نکاح کرنا منظور ہے میں تم کو اپنا وکیل مقرر کرتی ہوں اپنے ساتھ میرا نکاح دو گواہوں کے روبرو کرلو۔ زید نے دو گواہوں کے روبرو

پیش کرکے کہا کہ بحیثیت وکیل مسماۃ زینب میں مسماۃ زینب کے اقبال و منظوری نکاح کو ہمراہ زید کے (میرے) ظاہر کرتا ہوں اور بحیثیت خود اقبال و منظوری نکاح کا اقرار کرتا ہوں آپ لوگ اس امر کے شاہد رہیئے۔ گواہوں نے سُن کر شہادت مناکحت زید و زینب منظور کرلی۔ آیا اس قسم کا نکاح جائز ہے۔

الجواب۔ جائز ہے۔ ۲۲ رجب ۱۳۳۱ھ ہجری (تتمہ ثانیہ ص۵۷)

حکم نکاح فرزند خود با دختر مزنیہ خود کہ زوج آں مزنیہ زندہ است و شبہ است کہ دختر از نطفہ زانی باشد یا از شوہر مزنیہ

سوال (۳۳۴) کیا فرماتے ہیں علمأ دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کی موجودگی میں بکر کی زوجہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا بکر کی زوجہ کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ دختر معلوم نہیں زید کے نطفہ سے یا بکر کے نطفہ سے کس کے نطفہ سے پیدا ہوئی ہے اور زید کی اصلی بی بی سے زید کے نطفہ سے ایک لڑکا ہوا ہے اب اس لڑکی اور لڑکے میں نکاح جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب۔ فتویٰ سے جائز ہے مگر احتیاط کے خلاف ہے، ۱۵ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۵)

حکم نکاح مرد و زن کہ ہر دو مدعی زوجیت اند، وقبل ازاں نکاح نہ شدہ باشد

سوال (۳۳۵) کیا فرماتے ہیں علمار دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ قوم طوائف سے تھی اور پیشہ ناچ گانے وغیرہ کا کرتی تھی جب زید سے اُس کا تعلق ہوا تو زید نے اس کو سمجھا کر پیشہ ناچ گانے وغیرہ سے توبہ کرادی اور ہندہ اس کو قطعی چھوڑ کر زید کے پردہ کے مکان کے اندر رہنے لگی زید کے آدمی کے سوا کوئی غیر شخص آجا نہ سکتا تھا اور زید اور ہندہ دونوں مثل میاں بیوی کے رہنے لگے اور ہر دو اشخاص نے دو شخصوں کے روبرو کہا کہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں اب فرمائیے کہ ہندہ زید کی بیوی ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن الفتح قال قاضی خان وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان اقرا بعقد ماض ولم یکن بینہما عقد لا یکون نکاحا وان اقر الرجل انہ زوجہا وھی انہا زوجتہ یکون نکاحا ویتضمن اقرارھما الانشاء الخ ج ۲ ص ۴۳۵۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب دونوں نے دو گواہوں کے روبرو اقرار کرلیا (بشرطیکہ وہ دونوں مرد ہوں اور دونوں اقرار ایک ہی مجلس میں ہوں) تو نکاح ہوگیا۔ ۱۶ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص۷۹)

سوال (۳۳۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ
بارہ سال کا ہوتا ہے کہ ایک مرد اور عورت سے تعلق بلا عقد نکاح ہو کر ایک لڑکا تولد ہوا اور چند
روز بعد عورت لڑکے کو لیکر دوسرے ملک میں جا کر رہنے لگی کئی برس بعد مرد بھی اُس ملک
میں گیا عورت مرد کے پاس خود آئی اور مرد کو اپنے مکان پر لے گئی اور آدمیوں سے کہا کہ ہمارا
خصم آیا ہے اور مرد نے بھی آدمیوں سے کہا کہ ہماری جورو ہے دوسرے ملک میں تین سال
گزرے دونوں کو رہتے ہوئے اور جبکہ مرد عورت کو جورو تسلیم کرتا ہے ہر آدمی کے سامنے اور عورت
خصم قبول کرتی ہے ہر آدمی کے سامنے اہل محلہ مرد کو خصم اور عورت کو بی بی کہتے ہیں اور
جانتے ہیں اور مرد و عورت اہل محلہ کے اس کہنے کو قبول کرتے ہیں تو ایسی حالت میں دونوں
کا کیا حکم ہے بموجب دستور زمانہ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں عورت کا وارث ابتداء
سے نہیں ہے از روئے شرع محمدی کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں اور قاضی خان نے اس تفصیل کو پسند کیا ہے۔
ان اقر بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لا يكون نكاحا وان اقر الرجل
انه زوجها وهی انها زوجته يكون نكاحا ويتضمن اقرارهما الانشاء الخ
كذا فی رد المحتار عن الفتح جلد ۲ صفحہ ۴۳۵۔

اس بناء پر اس مرد و عورت کے ان قولوں سے نکاح نہیں ہوا۔ لان قول المرأة
يتضمن الاقرار بعقد ماض لان معناه ان الرجل الذی هو زوجی قبل المجئ
قد جاء۔ ان کو اب نکاح باقاعدہ کر لینا چاہئے، ۴ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۶۰)

جواز نکاح زن با پدر نسبی برادر رضاعی خود

سوال (۳۳۷) عبد القدوس نامی ایک شخص ہیں اُن کی زوجہ
کے ایک لڑکا تولد ہوا اور اُن ایام میں زوجۂ عبد القدوس کے دودھ
نہ اترتا تھا تو زوجۂ عبد القدوس کی خالہ نے آکر کے اپنا دودھ اُس لڑکے کو پلایا اور جنہوں نے
دودھ پلایا ہے وہ رشتہ میں اس طرح کی خالہ ہیں کہ زوجہ عبد القدوس کی والدہ کے انتقال
کے بعد زوجہ عبد القدوس کے والد صاحب نے عقد ثانیہ کیلئے اُسی زوجہ عقد ثانیہ کی یہ عورت
جس نے دودھ پلایا ہے ہمشیرہ تھی اور اسی طرح سے اُس عورت کی ایک لڑکی تھی بعد وفات
زوجۂ عبد القدوس کے اپنی لڑکی کا عقد عبد القدوس سے کر دیا آیا یہ عقد جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ اس صورت میں یہ لڑکی جو کہ زوجۂ عبد القدوس کی سوتیلی والدہ کی بھانجی

ہے ابن عبد القدوس کی ہمشیرہ رضاعی ہے تو اُس کا نکاح جو عبد القدوس سے ہوا تو اپنے رضاعی بھائی کے نسبی باپ سے ہوا تو یہ جائز ہے۔ فی الدر المختار یجوز تزوجہ باخت اخیہ وتزوجہا بابی اخیہا الخ مع رد المحتار جـ ۲ ص ۶۶۹ - ۲۵ / ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۲۷)

غلطی نکاح خواں در عقد بر دیگر و عدم صحت ایں نکاح

سوال (۳۳۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لڑکی صغیرہ نابالغہ مسماۃ رقیہ کے باپ نے اپنے لڑکے مسمی داؤد کو جو کہ لڑکی مذکورہ کا سوتیلا بھائی ہے اجازت دی کہ رقیہ کا نکاح زید سے جاکر پڑھا دو بعدہٗ داؤد ایک ایسے جلسہ میں نکاح پڑھانے کے واسطے گیا جہاں دو تین لڑکوں کا نکاح تھا ازاں بعد قاضی نے بذریعہ ولایت داؤد کی غلطی سے عمرو سے قبول کرا دیا پھر اسی جلسہ میں داؤد نے انکار کیا کہ عمرو سے نکاح کرنے نہیں آیا ہوں پھر قاضی نے اُسی جلسہ میں زید سے قبول کرایا اب صورت مذکورہ بالا رقیہ کا عقد عمرو سے صحیح ہوا یا زید سے

الجواب۔ داؤد وکیل ہے اور قاضی عمرو کے ساتھ نکاح پڑھ دینے میں فضولی ہو اس کا یہ تصرف لڑکی کے باپ کی اجازت پر موقوف تھا مگر جب داؤد کی اجازت سے قاضی نے زید سے نکاح پڑھا تو بوجہ وکالت کے یہ ایسا ہوا جیسے خود لڑکی کے باپ نے یہ دوسرا نکاح پڑھا اور فضولی کے تصرف موقوف کے بعد اگر اصیل یا اُس کا وکیل کہ بمنزلہ اصیل کے ہے خلاف تصرف فضولی کے تصرف کرتا ہے تو اس سے وہ تصرف موقوف فضولی کا باطل ہو جاتا ہے اس لئے عمرو سے جو نکاح پڑھا گیا وہ باطل ہو گیا اور زید کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا وہ صحیح ہوا مگر یہ جواب اس صورت میں ہے کہ لڑکی کے باپ نے داؤد کو اس کا بھی اختیار دیا ہو کہ قاضی سے نکاح پڑھوا دے ورنہ وکیل کو توکیل درست نہیں اور زید سے جو نکاح پڑھا گیا ہے اس میں ایجاب مستقل بھی ہوا ہو یہ نہ کیا ہو کہ عمرو کے ساتھ جو ایجاب ہوا تھا اُس پر کفایت کی ہو اگر ان دونوں امر میں سے کوئی امر بھی کم ہو یعنی یا تو داؤد کو اس کی اجازت نہ دی گئی ہو کہ قاضی کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے یا عمرو کے ایجاب پر کفایت کی ہو تو یہ جواب نہیں ہے مکرر سوال کیا جاوے۔ (تتمہ ثانیہ ص۱۲۸)

عدم استحباب ایجاب و قبول بسہ مرتبہ

سوال (۳۳۹) نکاح میں ایجاب و قبول جو تین مرتبہ کہلایا جاتا ہے آیا واجب ہے یا سنت موکدہ یا مستحب۔ بینوا توجروا بحوالہ کتب معتبرہ حنفیہ

الجواب۔ کچھ بھی نہیں۔ ۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۲۸)

ابن الزناء کے ساتھ صحیح النسب عورت کے نکاح کا حکم

سوال (۳۴۰) ایک شخص ہے ولد الزنا جس کی عمر ۲۰ سال کی ہے اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی جب کہیں پیغام دیا جاتا ہے تو لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز درست نہیں ہے تو نکاح کیونکر درست ہوگا یہ کہہ کر نسبت قائم نہیں کرتے پس اس صورت میں شخص مذکور کا نکاح صحیح النسب عورت سے درست ہے کہ نہیں اگر کیا جائے خواہ کوئی عورت بالغہ خود کرے خواہ کسی نابالغہ کا کوئی ولی کرے ہر دو صورت میں نکاح درست ہوگا کہ نہیں شخص مذکور یقینی ولد الزنا ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔ جس عورت بالغہ کا کوئی ولی نہ ہو یا جس عورت بالغہ کا کوئی ولی ہو اور وہ عورت اور وہ ولی دونوں اس کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند ہوں اس کا نکاح درست ہے باقی صورتوں میں اختلاف ہے اس لیے نابالغہ کا اس سے نکاح کرنا یا بالغہ کا بدون رضائے ولی کے اس سے نکاح نہ کرنا چاہیے۔ ۱۰ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۲)

ولدیت میں غلطی سے نکاح منعقد نہ ہونا

سوال (۳۴۱) وقت نکاح اگر زوجین نابالغین کی ولدیت بیان کرنے میں فرق پڑ جائے تو نکاح ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار غلط وکیلہا بالنکاح فی اسم ابیہا بغیر حضورہا لم یصح للجہالۃ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیہا فیصح فی رد المحتار قولہ الا اذا کانت راجع الی المسألتین الخ اس سے ثابت ہوا کہ ولدیت کی غلطی سے نکاح نہ ہوگا البتہ اگر وہ سامنے ہو اور اس کی طرف نام لینے کے وقت اشارہ بھی کیا ہو تو نکاح ہو جاویگا۔ ۱۰ر محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷)

جمع درمیان زنے و زوجۂ پدرِ او

سوال (۳۴۲) زید نے اپنی زوجہ کے حین حیات ہی میں اپنے خسر کی منکوحہ بیوہ سے یعنی اپنی زوجہ کی مادر سے اپنا نکاح کر لیا تو شرعاً یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار فجاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجہا اس روایت سے ثابت ہوا کہ یہ نکاح جائز ہے۔ ۱۰ر شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸)

جواز زیادت علی الاربع در اماء

سوال (۳۴۳) جس زید کے ایک یا دو یا تین چار زوجۂ حرہ موجود ہیں تو یہ زید اپنی زرخرید کنیز سے بھی وطی بے نکاح کر سکتا ہے یا کنیز سے وطی کو بھی بحضور شاہدین نکاح شرط ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر ولہ التسری بما شاء من الاماء فلولہ اربع والف سریۃ واراد شراء اخریٰ فلامہ رجل خیف علیہ الکفر اھ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ چار منکوحہ کے بعد بھی کنیز صحبت کے لیے خریدنا درست ہے اور اس سے نکاح کی ضرورت نہیں لیکن یہ یاد رہے کہ ہندوستان میں جو کنیزیں کہلاتی ہیں وہ شرعاً کنیز نہیں ہیں اُن سے صحبت درست نہیں وہ حکم حرائر میں ہیں۔

۱۰ ارشوال ۳۳ھ (تتمہ ثالث ص۸۷)

تحقیق نکاح زن مکررہ الاعضاء

سوال (۳۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے دو لڑکی جڑی ہوئی پیدا ہوئیں کہ جن کے دو دو پیر اور دو دو ہاتھ اور جدا جدا سر اور جُدے جُدے پیشاب کے راستے مگر مقام براز دونوں کا ایک ہی ہے چونکہ کمر سے اوپر کا حصہ جُدا جُدا ہے اور کمر سے مع سرین کے ایک ہے اب اس کو ایک سمجھا جاوے گا یا دو اگر زید نکاح کا ارادہ کرے تو کیا اجازت ہے، بینوا توجروا۔

الجواب۔ جو اعضاء مکرر ہیں اگر اُن دونوں سے اُن کے افعال مختصہ صادر ہوتے ہیں تب تو وہ دو لڑکیاں ہیں ورنہ ایک لڑکی پس ایک ہونے کی صورت میں تو اس کا نکاح مرد سے جائز ہے بقیہ اعضاء کو زائد سمجھا جاوے گا اور دو ہونے کی صورت میں دیکھنا چاہیئے کہ وہ اسی طرح سے رکھی جائیں گی یا حکماء کے مشورہ سے اُن کو جُدا جُدا کر دیا جائے گا، اگر جُدا جُدا کر دیا جاوے تب بھی دونوں کا نکاح دو مردوں سے درست ہے اور اگر ملی ہوئی رہیں تو اُن کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر دونوں کا ایک مرد سے کیا جاوے تب تو دو بہنیں ایک شخص سے نکاح نہیں کر سکتیں اور اگر ایک مرد سے ایک ہی کا کیا جاوے تو اس لئے جائز نہیں کہ اس سے تمتع بدون دوسری سے تمتع ہوئے ممکن نہیں اور غیر منکوحہ سے تمتع حرام ہے پس موقوف علی الحرام بھی حرام ہے خصوص جبکہ عضو مشترک میں احتمال ہے کہ یہ شاید غیر منکوحہ کا ہو یا منکوحہ وغیر منکوحہ میں مشترک ہو جیسے کہ خنثیٰ سے نکاح ایسے ہی اشتباہ کے سبب باطل ہے۔ وقد صرحوا بہ، ۱۰ ارشعبان ۲۵ھ (تتمہ ۵ ص۲۰)

عدم جواز نکاح با دو زنان کہ باہم توام و متفق اند

سوال (۳۴۵) آجکل نمایش ہو رہی ہے اُس میں ریاست میسور کے برہمنی کی دو لڑکیاں توام بھی آئی ہیں ایک کا داہنا کولہا دوسری

کے بائیں کولھے سے خلقۃً جڑا ہوا ہے۔ اس طرح کہ نہ ایک تنہا بیٹھ سکتی ہے نہ لیٹ سکتی ہے نہ چل سکتی ہے نہ پاخانہ پیشاب کو جا سکتی ہے نہ دونوں الگ الگ پاجامہ پہن سکتی ہیں دونوں کا ایک ہی لہنگا ہے، چار پاؤں چار ہاتھ غرض سب اعضاء الگ الگ ہیں یہ سب امور میں نے اور حافظ یعقوب صاحب گنگوہی اور حاجی احمد مرزا صاحب نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں اور سینکڑوں آدمی مرد و عورت ہر روز ان کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ دوسروں سے معلوم ہوا ہے کہ بھوک پیاس نیند پاخانہ پیشاب کی حاجت تندرستی بیماری اور طمث طہر سب دونوں کو ساتھ ساتھ ہوتے ہیں چودہ پندرہ برس کی عمر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مجرائے بول ایک کے ہے دوسری کے نہیں جب صاحب مجرے پیشاب سے فارغ ہو جاتی ہے تو دوسری بھی فارغ ہو جاتی ہے مجرائے طمث الگ الگ ہیں یہ حال عرض کرنے سے مقصود یہ پوچھنا ہے کہ اگر دونوں مسلمان ہوتیں یا ہو جائیں تو شرعاً اُن کے نکاح کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب۔ فی الدر المختار حکم المفضاۃ ما نصہ وانہ لایحل وطؤھا الا ان امکن الاتیان فی القبل بلا تعدیہ ص۱۳۱ اس سے ایک کلیہ ثابت ہوا جس عورت سے وطی کرنا بدون ارتکاب معصیت کے عادۃً ممکن نہ ہو اُس سے وطی کرنا حرام ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اگر ایک سے وطی کی جائے تو وطی کرنے والے کو دوسری سے نہ تو انتفاع حلال ہے کیونکہ دونوں اخت ہیں اور نہ اس دوسری کے لمس و نظر و تعری سے عادۃً بچ سکتا ہے اس لئے کلیہ مذکورہ کی بناء پر منکوحہ سے بھی وطی حرام ہوگی یہ حکم تو وطی کا ہے باقی نکاح کی صحت میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا لیکن یہ نکاح فائدہ سے خالی ہونے کے سبب لغیرہ منہی عنہ ہوگا جیسے منکوحہ کا اگر کوئی شخص حق ادا نہ کر سکے جس کو خوف جور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے لیے حسب تصریح فقہاء نکاح کرنا مکروہ ہے اور جیسے منکوحہ اگر مصاہرۃً حرام ہو جاوے نکاح تو باقی ہے مگر اس کا امساک بالمعروف چونکہ ممکن نہیں اس لئے تسریح باحسان واجب ہوگا یہاں پہلے ہی سے نہی عن النکاح کا حکم کیا جاوے گا۔ ولو لغیرہ مع حکم الصحۃ۔ ۲/جمادی الآخریٰ ۳۴ھ (تتمہ ۵ ص۳۶۳)

مشورہ۔ اگر ڈاکٹر دونوں کو جلد قطع کر کے علیحدہ کر سکیں تو پھر سب اشکال رفع ہو جاویں۔

خلوت صحیحہ بودن از فرار زوجہ از مکانِ خلوت

سوال (۶۴ ۴ ۳) ایک مرد اپنی عورت کے پاس گیا اور کواڑ بند کیا فوراً عورت نکل کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی دو ایک منٹ کا عرصہ گھر میں ہوا ہوگا کیا یہ خلوت صحیحہ ہوگی مہر پورا دینا ہوگا یا نصف فقہاء عدم مانع کے قیود لکھتے ہیں مگر وقت کی مقدار نہیں بتلاتے اور یہاں ایک قصہ ایسا ہی ایک جگہ ہوا ہے سائل کو کیا جواب دیا جاوے۔

الجواب۔ جزئیہ کی تحقیق تو دیو بند سے کر لیجئے باقی قواعد سے جو مجھ کو شرح صدر ہوا وہ یہ ہے کہ خلوت کو قائم مقام وطی کے اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تمکن من الوطی ہے اور جتنے موانع خلوت کے ذکر کئے ہیں سب میں امر مشترک عدم تمکن من الوطی ہے پس معلوم ہوا کہ اصل مانع یہی عدم تمکن ہے اور صورت مسئولہ میں یہ متحقق ہے پس اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں خلوت صحیحہ نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ ۲۵ رصفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامس ص ۱۳۹)

صحیح بودن نکاح بقبول وکیل ولی دختر

سوال (۷ ۴ ۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ یہاں نکاح کا طریقہ یہ ہے پہلے نسبت ہوتی ہے جس میں تمام امور طے ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ وقت نکاح سے چند گھنٹے پہلے قاضی صاحب کو ولی کی طرف سے اس کی اطلاع دیجاتی ہے کہ فلاں کا نکاح فلانے کے ساتھ اتنے مہر میں ہوگا فلاں فلاں وکیل و گواہ ہوں گے اور آپ نکاح پڑھائیں گے قاضی صاحب اپنے رجسٹر میں حسب قاعدہ تمام باتیں درج کر لیتے ہیں پھر خود ولی یا اُس کی اجازت حاصل کریں لڑکی سکوت وغیرہ سے اجازت دیدیتی ہے اب وکیل و ہر دو گواہ قاضی صاحب کے پاس مجلس نکاح میں حاضر ہوتے ہیں مجلس میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں قاضی صاحب وکیل سے نکاح کی اجازت لیکر خطبہ پڑھتے ہیں اور خطبہ کے بعد وکیل کی طرف مخاطب ہو کر قاضی صاحب بآواز بلند کہتے ہیں (کیونکہ وکیل عموماً اپنے مطلب کو بخوبی ظاہر نہیں کر سکتے ہیں) آپ نے اپنی وکالت سے ان دو شاہدوں (شاہدین کی طرف اشارہ کرکے) کی شہادت سے اور حاضرین مجلس کی شہادت سے پچاس ٹیکل زر خالص مہر موجل کی عوض میں فلانہ بنت فلاں کو فلاں بن فلاں کی ذات کے تئیں آپ نے نکاح کرکے دیا وکیل جواب دیتا ہے کہ ہاں دیا اُسی وقت قاضی صاحب نوشہ کی جانب متوجہ ہو کر خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے سُنا پھر سے سنئے فلاں نے اپنی وکالت سے فلانہ بنت فلاں کو پچاس ٹیکل زر خالص مہر کے عوض میں آپ کے ذات کے تئیں

نکاح کرکے دیا آپ نے قبول کیا نوشہ جواب دیتا ہے قبول کیا پھر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ جو الفاظ میں کہتا ہوں وہی الفاظ آپ بھی کہیں کہو نکحتہا و قبلتہا و زوجتہا نوشہ انہیں الفاظ کو دہراتا ہے حاضرین مجلس میں سے بہت سے لوگ ان تمام کارروائیوں کو دیکھتے اور سنتے ہیں عام طور سے یہاں نکاح اسی طریق پر ہوتا ہے لیکن اس وقت بعض علماء نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ ایجاب و قبول قابل اعتماد نہیں اور نکاح نہیں ہوا کیونکہ وکیل کی موجودگی میں قاضی صاحب کے واسطہ ہونے کی ضرورت نہیں ان الفاظ کو خود وکیل کہے اور نوشہ جواب دے قاضی کی ترجمانی نکاح کے لئے مفسد ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا فی الواقع نکاح صورت مذکورہ میں نہیں ہوتا ہے اور کیا یہ مسئلہ مختلف فیہ فیما بین علماء ہے یا ائمہ احناف و شوافع کا مختلف فیہ ہے کیا ہے ہم میں سے بعض اصحاب شافعی بھی ہیں مہربانی فرماکر جواب میں نقل مذہب کے ساتھ حوالہ کتب بھی دیں بلکہ نقل عبارت بہت مناسب ہوگا اگر لڑکا یا لڑکی دو میں سے کوئی ایک شافعی اور دوسرا حنفی ہو تو کیا حکم میں بھی فرق ہو جاوے گا یہ بھی اس لئے سوال ہے کہ یہاں کبھی کبھی زوج تو حنفی ہوتا ہے اور زوجہ شافعی ایسی حالت میں طرفین میں اختلاف ہو جاتا ہے بہرحال جواب میں تمام شقوں کو صاف کر دیا جاوے تاکہ آئندہ یہ مسئلہ طے شدہ سمجھا جاوے اور نزاع سے پرہیز کی تدبیر اختیار کی جائے۔ فقط والسّلام۔

الجواب۔ فی الدر المختار والاصل عندنا ان کل من ملک قبول النکاح بولایۃ نفسہ انعقد بحضرتہ الیٰ قولہ والاصل ان الآمر متی حضر جعل مباشرا لہ فی رد المحتار لانہ اذا کان فی المجلس تنتقل العبارۃ الیہ کما قدمناہ (فی الصفحۃ السابقۃ) ج ۲ ص ۴۴۸ و ۴۴۹۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ مامور من الولی اگر مجلس میں رہ کر کچھ بھی نہ بولتا تب بھی قاضی کے عقد کرنے کے وقت اس کا موجود رہنا ہی صحت نکاح کے لئے کافی تھا اور یہاں تو قاضی کے سوال کے وقت یہ خود بولا ہے تو حقیقۃً عقد اس نے کیا ہے عدم جواز نکاح کی کوئی وجہ نہیں اور شافعی کے مذہب کی مجھ کو تحقیق نہیں نہ میرے پاس کتاب ہے اور نہ مہارت مگر ظاہر اس میں کوئی اختلاف کی بات نہیں بہتر یہ ہے کہ کسی شافعی عالم سے پوچھ لیا جاوے۔ ۸ محرم ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامس ص ۲۱۲)

حکم شادی صغر سنی	**سوال** (۳۴۸) تو لہ اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کیلئے

کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارۂ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے

وابتلوا الیتٰمٰی حتی اذا بلغوا النکاح۔

اقول۔ آدمی جس فن کو نہ جانے اُس میں کیوں دخل دے آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد و تناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آوے گا کہ آج تک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیونکہ مجتہدین کے اجتماعی فتوے کتب مذہب میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ رض کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ بالکل غلط ہے کہ صدیقہ رض کا نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۱۹۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں کتاب الکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے صنہ ۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء رض کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۰۰ سو برس کی لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ستائیس سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہ رض حضرت اسماء رض سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہ رض بالضرور ہجرت سے سترہ ۱۷ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر سترہ ۱۷ سال کی تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ صدیقہ زفاف کے وقت انیس یا بائیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رض کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول۔ کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اسی اکمال میں حضرت عائشہ رض رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر نو ۹

برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینے یا سات مہینے بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں آہ یہ کیا بات ہے کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو دوسرے کو نہیں ملتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کردیا ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ رضا اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہوسکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

فائدہ متعلقہ بمبحث نکاح صغرسن کہ در قانون ساختن یا نہ ساختن او درمیان قوم اختلاف افتاد

نمبرا۔ حضرت عائشہ رضا کی حدیث فعلی ہے جس میں جاہل کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید خصوصیت حضور کی ہو میں ایک قولی حدیث لکھتا ہوں جو قانون عام ہے جس میں یہ شبہ نہیں ہوسکتا وہ حدیث یہ ہے۔ عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ باب الولی فی النکاح)

نمبر۲۔ ساری خرابی اس سے ہوئی کہ مضمون لکھنے والوں نے اصل دلائل یعنی قرآن و حدیث سے استدلال کرنا شروع کردیا جاہلوں نے اس میں شبہات نکالنا شروع کردیئے یہ کام علماء ومجتہدین کا ہے ہم کو اتنا کافی ہے کہ جو کتابیں مذہبی تسلیم کرلی گئی ہیں یعنی فقہ کی کتابیں جن کو گورنمنٹ نے بھی مذہبی کتابیں مان لیا ہے اس میں جواز موجود ہے پس جواز کا حکم مذہبی ہوا۔

نمبر۳۔ بڑا شبہ ان جاہلوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت مذہبی نہیں ہے ورنہ ٹیکہ سے انکار جائز ہے اور قانوناً یہ انکار جرم ہے پس یہ بھی مداخلت ہونا چاہیئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی، الزامی

تو یہ گاؤ کشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارہ کر سکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جائے
اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت
کی نہیں جیسے معالجہ امراض کا اور اس کا ترک اور دوسرا درجہ جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت
کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح
کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی یہ صاف دلیل ہے اُس کے دین
ہونے کی اسی لئے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور ان کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح
کا نہیں ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہاء نے اس
کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اس کو اشتغال بالتعلیم والتعلم والتخلی للنوافل سے افضل
کہا ہے، کذا فی الشامی۔

پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت
فی الدین نہیں ہے یہ فرق ہے دونوں میں اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ مطلق نکاح دین ہو بقید
صغر سن تو دین نہیں ہے جواب اس کا کوئی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ
شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس
قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا، مثلاً نماز ظہر کی فرض
ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی
تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ
مداخلت فی الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغر سن کی حالت سے
پایا جاوے اُس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین
ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت
ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

آخر محرم ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامس ص ۶۳۲)

رسالہ ضم شارد الابل فی ذم شارد ابل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال (۳۴۹) بعد حمد و صلوٰۃ یہ ایک مختصر تحریر ہے ملقب بضم شارد الابل فی ذم شارد ابل جس کا مضمون عنوان ہذا کے دوسرے جزو سے ظاہر ہے اور جزو اول غایت ہے جزو ثانی کی یعنی جو لوگ جہل یا تجاہل کے سبب مستقر حقیقی سے متوحش و منتشر ہیں ان کو اس مستقر پر جمع کرنا مقصود ہے اور اب تک اس موضوع پر خاص طور پر لکھنے کی احتیاج دو وجہ سے نہ سمجھی تھی ایک اس لئے کہ مسئلہ اس قدر بدیہی جلی ہے کہ اس کو امارت کی بھی حاجت نہیں اس کی تقویت کے لئے کچھ لکھنا موہم ہے اس کے خفی یا نظری ہونے کا جو خلاف واقع ہے دوسرے اس لئے کہ دوسرے مستند علماء اس پر ضرورت سے زیادہ لکھ بھی چکے ہیں جو ہر پہلو سے کافی ہے یعنی شرعی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی بعض ذی علم مخلص احباب نے محض اس امید پر کہ شاید کوئی خاص عنوان تسکین کے سکون کے لئے زیادہ نافع ہو جاوے لکھنے پر اصرار کیا نیز اکثر مختلف اوقات میں اس کے متعلق استفتے بھی آتے رہتے ہیں جن کا جواب اب تک ضابطہ ہی کا جاتا رہا جس کو عجب نہیں سائلین نے دفع الوقتی سمجھا ہو اس تحریر سے ان کا حسب مرضی جواب بھی ہو جاوے گا اور یہ دونوں داعی گو ضعیف ہیں مگر محرکین کی دعاء کی برکت سے امید منفعت کی قوت پر نظر ہو کر یہ چند سطریں لکھنے کی رائے ہو گئی بقول عارف رومی رحمہ اللہ

کوئے نومیدی مرو کامید ہاست سوئے تاریکی مرو خورشید ہاست

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اطلاع۔ زیادہ تر مطمح نظر اس تحریر میں شرعی تحقیق ہے اور وہ بھی علمی اصطلاحات میں کیونکہ اس کے مخاطب اول وہی اہل علم ہیں جو اس تحریر کے محرک ہیں پھر وہ اپنی رائے سے غیر اہل علم کو مخاطب ثانی بنا سکتے ہیں اور سیاسی پہلو پر اس لئے کلام مقصود نہیں کہ میں نہ علماً اس پر قادر ہوں کہ اس قانون میں تمدن و معاشرتی خرابیاں دکھلا سکوں اور نہ عملاً اس پر قادر ہوں کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی تدبیریں بتلا سکوں باقی کسی موقع پر غیر سیاسی طرز پر اس کا تبعاً واستطراداً ذکر آجانا اور بات ہے اور نظر بعنوان بالا اس

تحریر کے اجزاء کو عطن سے ملقب کرتا ہوں اور نظر بمقاصد اس کو چند عطن پر منقسم کرتا ہوں فقط

عطن اول۔ اس کی تحقیق کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ و نابالغ ہونے سے آیا دنیا کا کام ہے یا دین کا تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ مدعی میں تصرف کرنا یہ تصرف فی الدنیا ہے یا فی الدین سو اس کا ایک معیار ہے وہ یہ کہ جس کام کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو وہ دین کا کام ہے پھر اگر اُس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضی بھی وارد ہو وہ فرض یا واجب ہے اور جس کے ترک پر وعید یا ناراضی وارد نہ ہو وہ مستحب ہے اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے گو اس کے متعلق جو احکام وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ بھی تغیر فی الدین ہے اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کرکے دیکھا جاوے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے کیونکہ بعض حالات میں اُس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اُس کے ترک کی مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

وانکحوا الایامی منکم (سورہ نور) تم میں جو بے نکاحی ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔

یہ امر کا صیغہ ہے جس کا اصل مدلول تو وجوب ہے اور اگر کسی وجہ سے وجوب مراد نہ لیا جاوے تو پھر اگر کسی قرینہ سے فعل کو ترک پر ترجیح ہو تو استحباب مراد ہوگا ورنہ اباحت اور یہاں قرینہ نکاح کی مطلوبیت کا موجود ہے کما سیذکر عنقریب اور یہی معیار تھا مامور بہ کے دین ہونے کا پس نکاح کا امر دینی ہونا ثابت ہوا اور وہ قرینہ اسی آیت میں یہ ارشاد ہے۔

ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ (یعنی ان بے نکاحوں کے نکاح میں اپنے عزیز ناکح کے فقر کو یا اپنی عزیزہ منکوحہ کے شوہر کے فقر کو مانع مت سمجھا کرو جبکہ بالقوہ اُس میں مادہ اکتساب و خدمت عیال کا ہو کیونکہ) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ (اگر چاہے گا) اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا آہ۔ اور اس کا قرینہ ہونا اس طرح ہے کہ زکوٰۃ اور حج تک میں جو کہ شعائر اسلام سے ہیں باختلاف احوال وجوب یا استحباب کے لئے فقر مانع ہے مگر نکاح میں یہ بھی مانع نہیں خواہ مستقل دلیل سے اور کوئی مانع ہو اس سے صاف طور پر

ف فی القاموس الایم ککیس من لا زوج لہا بکرا او ثیبا و من لا امرأۃ لہ آہ و اما اطلاق الایم فی بعض الاحادیث علے غیر البکر فمجاز بقرینۃ المقابلۃ۔ ویحتمل الروایۃ بالمعنی حیث ورد فی بعضہا الثیب مکان الایم ۱۲

نکاح کی مطلوبیت کی ترجیح ثابت ہوگئی اور اس سے اس کا دین ہونا ثابت ہوگیا اور راز اس تفاوت کا یہ ہے کہ حالت فقر میں زکوٰۃ اور حج ادا نہ کرنے سے کسی گناہ میں ابتلاء کا احتمال نہیں اور نکاح نہ کرنے سے زناء میں ابتلاء کا اندیشہ ہے اگر اس پر سوال ہو کہ اس مقام پر اگلی آیت میں ارشاد ہے۔

ولیستعفف الذین لایجدون نکاحًا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ	ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں اُن کو چاہیئے کہ ضبط کریں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے فضل سے غنی کردے آھ

یہاں فقر کو مانع نکاح قرار دیا گیا۔ **جواب** یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین میں خاصکر ایک ہی مقام میں تعارض کا تو احتمال ہو ہی نہیں سکتا جب تک کوئی دلیل نسخ کی نہ ہو پس حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں فقر کو مانع نہیں فرمایا گیا بلکہ بیوی کے نہ ملنے کو مانع فرمایا ہے چنانچہ عنوان لایجدون بھی بتلا رہا ہے یعنی کسی پر جبر تو ہے ہی نہیں اگر ملے تو کرلو نہ ملے تو صبر سے بیٹھے رہو اور اسی معنی کو دوسری آیت میں عدم استطاعت سے تعبیر فرمایا ہے۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المؤمنات فمما ملکت ایمانکم (سورۂ نسا)	اور جو شخص تم میں پوری مقدرت نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو لونڈیوں سے نکاح کرلے۔

یہاں بھی بالاجماع نہ ملنا مراد ہے باوجود ملنے کے فقر کے سبب نہ کرنا مراد نہیں باقی حنفی شافعی کا اختلاف کسی قید کے احترازی وغیر احترازی ہونے میں یہ دوسری بات ہے اور یہی مراد ہے عدم استطاعت سے حدیث آئندہ عہ میں ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم یہ تو نکاح کے امر دینی ہونے کا قرآن سے اثبات تھا اب حدیث لیجئے۔

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض	عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے جماعت جوانوں کی جو شخص تم میں خانہ داری کے بار عہ اٹھانے کا مقدور رکھے (بالقوۃ)

عہ ولیلا الحاشیۃ الآتیۃ من المرقاۃ ۱۲ عہ کذا فی المرقاۃ وضبطا وفیہ حذف مضاف ای مؤنۃ الباءۃ من المھر والنفقۃ لان قولہ ومن لم یستطع عطف علی من استطاع ولو حمل الباءۃ علی الجماع لم یستقم قولہ فان الصوم لہ وجاء لانہ لا یقال للعاجز ہذا آھ

للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ)

کما ذکر فی تفسیر الآیۃ) اُس کو نکاح کر لینا چاہئیے کیونکہ نکاح کو نگاہ کے پست ہونے میں اور شرمگاہ کے محفوظ رہنے میں خاص دخل ہے اور جو شخص مقدور نہ رکھے (اور اس لئے نکاح نہ کر سکے) وہ روزے رکھنا اختیار کرے وہ روزہ اُس کیلئے (گویا) خصی ہونا ہے

وعن انس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی النصف الباقی رواہ البیہقی (ترغیب)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نکاح کر لیتا ہے وہ آدھا دین کامل کر لیتا ہے اب اس کو چاہئیے کہ بقیہ نصف دین میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے

وعن ابی نجیح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان موسرا لان ینکح ثم لم ینکح فلیس منی رواہ الطبرانی باسناد حسن (ترغیب)

ابو نجیح سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں نکاح کرنے کی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے وہ مجھ سے بے تعلق ہے۔

وعن ابی ذر فی حدیث طویل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعکاف یا عکاف ھل لک من زوجۃ قال لا قال ولا جاریۃ قال ولا جاریۃ قال وانت موسر بخیر قال وانا موسر بخیر قال انت اذا من اخوان الشیاطین لو کنت من النصاری کنت من رہبانہم ان سنتنا النکاح شرارکم عزابکم وارا ذل موتاکم عزابکم ابالشیطان تمرسون ما للشیطان سلاح ابلغ فی الصالحین من النساء الا المتزوجون اولئک

ابو ذرؓ سے ایک حدیث طویل میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا اے عکاف کیا تیرے بیوی ہے انھوں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اور نہ لونڈی عرض کیا اور نہ لونڈی آپ نے فرمایا اور تو خیر سے وسعت والا ہے عرض کیا اور میں خیر سے وسعت والا ہوں آپ نے فرمایا تو اس حالت میں تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے اگر تو نصاریٰ میں سے ہوتا تو ان کا راہب ہوتا بلا شبہ ہمارا طریقہ نکاح ہے تم میں سب سے بدتر بے نکاحی ہیں اور مرنیوالوں میں بھی سب سے بدتر بے نکاحی ہیں کیا تم شیطان سے

ف دلیلہ الحاشیۃ السابقۃ من المرقاۃ ۱۲

المطهرون المبرؤن من الخنا الی قوله ویحك یا عکاف تزوج والا فانت من المذبذبين رواه احمد (جمع الفوائد)

نگاہ رکھتے ہو شیطان کے پاس عورتوں سے زیادہ کوئی ہتھیار نہیں جو صالحین میں کارگر ہو مگر جو نکاح کئے ہوئے ہیں یہ لوگ بالکل مطہر اور فحش سے مبرا ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ کمبختی ہے عکاف نکاح کرلے ورنہ تو ادبار والوں میں سے ہو گا۔

یہ چار حدیثیں ہیں جو نمونہ کے طور پر ذکر کی گئیں اور اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں ان میں سے پہلی حدیث میں امر کا صیغہ وارد ہے جس سے بانضمام قرآن مقامیہ یعنی سببیت نکاح لغض البصر واحصان الفرج جو کہ دونوں دین ہیں ونصب بدل یعنی صوم وقت العجز نکاح کی مطلوبیت صاف مفہوم ہے خواہ واجب ہو خواہ مستحب باختلاف احوال دوسری حدیث میں اُس کی فضیلت فرمائی ہے کہ مکمل ایمان ہے۔ تیسری حدیث میں وسعت ہوتے ہوئے نکاح نہ کرنے پر ناراضی اور بے تعلقی کا اظہار فرمایا جو علامات وجوب سے ہے اور چوتھی حدیث میں تو کئی طرح سے نکاح نہ کرنے والوں کی مذمت وشناعت فرمائی کہ یہ بھی امارت وجوب سے ہے گو بعض ہی احوال کے اعتبار سے سہی اور یہ سب معیار ہیں نکاح کے امر دینی ہونے کے البتہ جہاں شرعی لونڈی میسر ہو وہاں لونڈی رکھنا بھی نکاح کا بدل قرار دیدیا گیا ہے گو اکثر احوال میں خلاف اولیٰ ہے لیکن جہاں لونڈی بھی نہیں وہاں تو نکاح ہی متعین ہے جیسے ہندوستان میں

فائدہ:۔ جن حدیثوں میں استطاعت ووسعت کی قید ہے یہ قید اشتراط از بالمصلح کے لئے نہیں کہ اس کے فوت سے مشروط یعنی امر بالنکاح فوت ہو جاوے بلکہ اقتضا کے لئے ہے یعنی استطاعت مقتضی ہے امر بالنکاح کو اور مقتضی خاص کی نفی کو مقتضا کی نفی مقتضی نہیں جیسے آیت فمن کان یرجو لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا ولا یشرك بعبادة ربه احدا آیت رجاء رضا مقتضی ہے عمل صالح وترک شرک کو یہ نہیں کہ اگر یہ رجاء نہ ہو تو عمل صالح وترک شرک مطلوب نہ رہے یہ دوسری بات ہے کہ مقبول نہ ہو اور راز اس کا یہ ہے کہ شرط لازم ہوتی ہے اور مقتضی ملزوم او رانتفاء لازم مستلزم ہے انتفاء ملزوم کو نہ بالعکس۔ پس یہ حدیثیں معارض نہ ہوئیں آیت ان یکونوا فقراء یغنهم الله من فضله کی پس ان حدیثوں سے فقر کے مانع نکاح ہونے کا وہم نہ کیا جاوے۔

یہاں تک نکاح کے امر دینی ہونے کا اثبات قرآن وحدیث سے ہو چکا اب علماء امت

وائمہ کے اقوال لیجئے درمختار میں ہے۔

لیس لنا عبادۃ شرعت من عھد آدم الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔

ہمارے لئے بجز نکاح اور ایمان کے اور کوئی ایسی عبادت نہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کیوقت سے ابتک مشروع رہی ہو پھر جنت میں بھی ستمر ہے۔

اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہوسکتا ہے اور گو اس کے استمرار فی الجنت پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلّم ہیں اور ردالمحتار میں ہے۔

وقدمہ علی الجھاد الی قولہ وکذا علی العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضا لانہ اقرب الی الارکان الاربع حتی قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ وما یشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذٰلک۔

اور نکاح کے باب) کو (ترتیب ابواب میں باب) جہاد پر مقدم کیا پھر آگے چل کر کہا ہے کہ اسیطرح اعتاق اور وقف اور قربانی کے ابواب پر مقدم کیا) اگرچہ وہ بھی عبادات ہیں (بھی کا یہ مطلب کہ جیسے نکاح عبادت ہے ایسے ہی وہ بھی عبادت ہیں مگر پھر بھی نکاح کو ان پر مقدم کیا) اس لیے کہ نکاح (عبادت ہونے کے وصف میں) ارکان اربعہ (نماز روزہ زکوٰۃ وحج) کیساتھ (بہ نسبت اعتاق اور وقف اور قربانی کے) زیادہ قرب رکھتا ہے (اسلئے اُن ارکان کے ابواب کے بعد نکاح کا باب ترتیب میں رکھا گیا) یہاں تک کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ نکاح میں مشغول ہونا نفل عبادات کے لیے بالکل فارغ ہوجانے سے بھی افضل ہے یعنی خود نکاح کرنے میں مشغول ہونا اور نکاح جن چیزوں پر مشتمل ہے (ان میں مشغول ہونا) جیسے مصالح نکاح کا اہتمام کرنا اور نفس کو حرام سے بچانا اور اولاد کی تربیت کرنا اور اسی طرح کی جو چیزیں ہیں آہ

دیکھئے اس عبارت میں کیسے شد و مد سے نکاح کی فضیلت دینیہ کو بیان کیا ہے۔

(۱) اعتاق اور وقف واضحیہ پر جن کے ثواب سے نصوص بھری پڑی ہیں ذکر میں اس کا مستحق تقدیم ہونا (۲) ارکان اسلام کے ساتھ بہ نسبت اُن عبادات کے اس کو زیادہ مناسبت ہونا۔ ولعل السر فیہ ان ارکان الاسلام فیھا اکبار الاسلام باظھار الاحکام والنکاح فیہ اکبار الاسلام باکثار اھل الاسلام واشیر الیہ فی قولہ علیہ السلام

فانی اباہی بکمہ الامم فی تعلیس التزوج فاشبہ الارکان لاسیما الصلوٰۃ فان فی النکاح اعلانا ادناہ نصاب الشہادۃ کما ان فی الصلوٰۃ اذانا وان فی اولہ ثناء وتوحید اوقرانا وفی اخرہ دعاء کما ان فی اولھا ثناء وتوحید اوقرانا وفی اخرھا دعاء بالسلام علی الملائکۃ والمصلین ویسن کونہما فی المسجد فہو بالصلوٰۃ اشبہ (۳) نکاح اور متعلقات نکاح کے اشتغال کا نفل عبادات کے اشتغال سے افضل ہونا۔ ان تصریحات کے بعد اس کے امر دینی ہونے میں کیا خفا رہ سکتا ہے۔

عطن ثانی۔ اوپر کے دلائل سے مطلق نکاح کا عبادت ہونا ثابت ہوتا ہے پس وہ اپنے اطلاق سے عام ہیں ہر نکاح خالی عن الموانع کو خواہ متناکحین بالغ ہوں خواہ نابالغ ہوں خواہ ایک بالغ ہو ایک نابالغ ہو اور عام کی دلالت اپنے افراد کے لئے حکم ثابت کرنے میں قطعی ہوتی ہے جب تک دلیل خصوص کی نہ ہو خواہ عام ثبوتاً ظنی ہی ہو مگر یہاں ثبوت بھی قطعی ہے کتاب اللہ کا قطعی ہونا ظاہر ہے احادیث بھی معنیً متواتر ہیں اور اگر احاد بھی ہوں تو انضمام اجماع کے بعد قطعی ہو گئیں اس حالت میں خصوصیت کے ساتھ نابالغوں کے نکاح کی مشروعیت کے ثابت کرنے کی حاجت نہیں لیکن تبرعاً اس خصوص کے ساتھ بھی ثابت کیا جاتا ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلیٰ علیکم فی الکتٰب فی یتمی النساء اللاتی لاتؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن الآیۃ	اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارہ میں تم کو حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی حکم دیتی ہیں جو کہ اسکے قبل، قرآن کے اندر تم کو پڑھکر سنائی جایا کرتی

ہیں جو کہ اُن یتیم عورتوں کے باب میں جن کو تم جو اُن کا حق مقرر ہے نہیں دیتے اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو۔

ف۔ یہ مضمون مختصر ہے احادیث میں اس کی شرح آئی ہے کہ یتیم بچیاں جو اقارب کی پرورش میں تھیں ان کے ساتھ بعض لوگوں کا یہ برتاؤ تھا کہ اگر وہ صاحب جمال ہوئیں تو ان سے خود نکاح کر لیا مگر ان کا پورا مہر نہیں دیا اور اگر صاحب جمال نہ ہوئیں تو بے رغبتی کے سبب نہ خود اپنے ساتھ نکاح کرتے تھے اور نہ مال قبضہ سے نکل جانے کے خوف سے دوسروں کے ساتھ نکاح

کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں یتیمہ کے محل نکاح ہونے کی تصریح ہے اور لفظ یتیم لغۃً وشرعاً مخصوص ہے نابالغ کے ساتھ چنانچہ قاموس میں ہے۔

وہ یتیم ویتمان مالم یبلغ الحلم لا یتم بعد احتلام۔ رواہ ابوداؤد عن علی رض الی قولہ وحسنہ النووی متمسکا بسکوت ابی داؤد علیہ لاسیما وھو عند الطبرانی فی الصغیر من وجہ اٰخر عن علی بل لہ شواھد عن جابر وانس وغیرھما کذا فی المقاصد۔

یتیم اور یتماں کا اطلاق اُس کے وقت تک ہوتا ہو جبتک بلوغ کو نہ پہنچ جاوے۔ اور حدیث میں ہے۔ بلوغ کے بعد یتیمی نہیں رہتی روایت کیا اسکو ابوداؤد نے حضرت علیؓ سے آگے کہاہے کہ نووی نے اس حدیث کو ابوداؤد کے سکوت سے تمسک کرکے حسن کہا ہے خصوصاً اس حالت میں کہ یہ حدیث طبرانی کی صغیر میں ایک دوسرے طریق سے بھی حضرت علیؓ سے مروی ہے بلکہ اسکے شواہد دوسرے بھی ہیں حضرت جابر اور حضرت انس وغیرہ ان کے علاوہ اُور صحابہ سے بھی اسی طرح ہے مقاصد حسنہ میں۔

رہا احتمال مجاز کا بلا دلیل ہے اور اگر لفظ نساء کو اس کی دلیل کہا جاوے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ نساء کا احکام عامہ للبالغات وغیر البالغات کی نصوص میں بکثرت آنا جیسا عطن رابع میں بعض موارد نمونہ کے طور پر مذکور بھی ہوں گے اور لفظ یتامیٰ کا ایسے احکام میں شذوذ وقلت کے ساتھ آنا اس کی دلیل ہے کہ آیت میں نساء میں تجوز کا قائل ہونا راجح ہے بہ نسبت یتیم میں تجوز کے قایل ہونے کے اور اگر اس پر بھی کسی کو شبہ رہے تو وہ مشتبہ اس لئے مضر نہیں کہ دوسرے دلائل سے اصل مدعا ثابت ہے چنانچہ حدیث میں حضرت عائشہ رض کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہونا متواتر ہے پھر مساید بالاجماع ہے جس کے بعد شبہ کی گنجائش ہی نہیں اجماع تو ظاہر ہے اور حدیث یہ ہے:-

عن عائشۃ رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجہا وھی بنت سبع سنین وزفت الیہ وھی بنت تسع سنین ولعبہا معہا ومات عنہا وھی بنت ثمانی عشرۃ رواہ مسلم (مشکوٰۃ)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ اس وقت سات برس کی تھیں اور وہ آپکے پاس رخصت کی گئیں اور وہ اس وقت نو برس کی تھیں اور ان کی گڑیاں (جو تصویر دار نہ تھیں) اُن کے ساتھ تھیں اور آپ ان کے سر پر سے اُس وقت اُٹھ گئے جب اٹھارہ برس کی تھیں روایت کیا اسکو مسلم نے

ظاہر ہے کہ سات برس کی عمر یقیناً عدم بلوغ کی عمر ہوتی ہے اس سے مدعا صاف ثابت ہے۔ اور اگر

کسی کو خصوصیت کا شبہ ہو تو وہ غیر ناشی عن دلیل ہونے کے سبب محض لغو ہے۔

عطف ثالث۔ اور جب شرعی نابالغوں کے نکاح کی شروعیت ثابت ہو چکی تو جو قانونی نابالغ ہوں ان کے نکاح کی شروعیت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گئی کیونکہ قانونی نابالغ شرعاً یا بالغ ہوں گے یا نابالغ ہوں گے اور دونوں کے نکاح کی شروعیت ثابت ہو چکی کسی دلیل مستقل کے قایم کرنے کی حاجت نہیں جس میں قانونی عمر سے کم عمر کی تصریح کے ساتھ نکاح کا حکم ہو مگر تبرعاً ایسی مستقل دلیل کا بھی ذکر کرتے ہیں اور وہ ذیل کی حدیثیں ہیں جن میں سے ایک میں بعنوان عدد عمر کی تصریح ہے جس میں بعض اوقات شرعی بلوغ بھی نہیں ہوتا اور ایک میں بعنوان بلوغ کے جس کا منتہیٰ پندرہ سال ہے عمر کا ذکر ہے۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ و عن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ رواھما البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی کچھ اولاد پیدا ہو اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اچھی تعلیم دے پھر جب وہ بالغ ہو جائے (جس کا منتہی پندرہ سال ہے جو لڑکے کی قانونی عمر سے کم ہے) اسکا نکاح کر دے اگر وہ بالغ ہو جائے اور باپ اسکا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاوے تو اس کا گناہ (تسبب کے درجہ میں یعنی) باپ ہی پر ہوگا (گو مباشرت کے درجہ میں خود اس پر ہوگا) اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ توراۃ میں لکھا ہے جسکی لڑکی بارہ سال کو پہنچ جاوے (جو لڑکی کی قانونی عمر سے کم ہے اور قرائن سے نکاح کی حاجت معلوم ہو) اور یہ شخص اس کا نکاح نہ کرے پھر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جاوے تو اس کا گناہ اس باپ پر ہوگا ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے (مشکوٰۃ)

حدیثوں کی دلالت مدعا پر صاف ظاہر ہے۔

عطف رابع۔ مسئلہ کے متعلق بعض شبہات کے جواب میں **شبہ اوّل** قرآن مجید میں محل نکاح نساء کو فرمایا ہے مثلاً فانکحوا ما طاب لکم من النساء اور نساء مخصوص ہے بالغات کے ساتھ۔ **جواب۔** اگر اس کا حقیقت لغویہ ہونا بھی ثابت ہو جاوے مگر حقیقت

شرعیہ ہونے میں کلام ہے اور حقیقت ومجاز میں وہی اصطلاح معتبر ہے جس میں تخاطب ہو سو قرآن مجید میں جو احکام عام ہیں صغیرات وکبیرات کو اُن میں جابجا لفظ نساء ہی وارد ہے مثلاً ارشاد ہے

لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن (حجرات)	مردوں کو مردوں سے تمسخر کرنا نہ چاہیئے شاید وہ ان سے اچھے ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں سے تمسخر کرنا چاہیئے شاید وہ ان سے اچھی ہوں،

اور مثلاً ارشاد ہے:-

فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترك -	پھر اگر (وارث اولاد میں) عورتوں کا موجود ہونا دیتا) دو سے زیادہ تو ان کو میت کے ترکہ سے دو ثلث ملیگا-

ظاہر ہے کہ ان دونوں حکموں میں بالغات وغیر بالغات میں کوئی فرق نہیں اور جہاں مستفضین کی تفصیل میں استعمال لغوی کی بناء پر نساء کے بعد لدان بھی بڑھایا گیا ہے وہاں عذر کے سبب ضعف یا عفو کی تقویت کا عارض اس اصل سے عدول کا سبب ہوگا اور ما بقے اپنی اصل پر رہے گا اسیطرح اور آیات میں بھی نساء عام معنی میں آیا ہے اور اگر ان میں شرعی مجاز بھی تسلیم کرلیا جاوے تب بھی دوسرے دلائل قطعیہ مذکورۂ بالا سے تعارض سے بچنے کے لئے نساء کو مجاز پر محمول کرنا واجب ہے-

شبہ دوم وسوم - از جانب بعض ایڈیٹران اخباران میں ایک آیت کے متعلق ہے دوسرا حدیث کے متعلق چونکہ ان دونوں شبہوں کا جواب اس کے قبل لکھا جاچکا (یعنی اس رسالہ کے لکھنے کے قبل) اسلئے اس وقت اُن کو مع اُس جواب کے بعینہٖ نقل کئے دیتا ہوں

قولہ سے شبہ کی تقریر اور **اقول** سے جواب کی تقریر لکھی جاوے گی-

قولہ - اس میں شک نہیں کہ ایک مسلمان کے لئے کسی امر الٰہی کی نوعیت کا بدلنا حرام ہی نہیں بلکہ نافرمان اور مجرم بنانا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں کے جواز نکاح کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ملتا اسلام میں اس کی کوئی پوزیشن نہیں پائی جاتی بخلاف اس کے قرآن مجید کے پارہ چہارم رکوع ۱۲ میں نکاح کی عمر بتائی گئی ہے- وابتلوا الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح-

اقول - آدمی جس فن کو نہ جانے اس میں کیوں دخل دے آیت کا مفہوم تفاسیر میں تو دیکھ لیا ہوتا یہاں قابلیت نکاح سے مراد پوری قابلیت ہے اور پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے قبل وہ توالد وتناسل کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نکاح سے اصل مقصود یہی ہے پس پوری قابلیت نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے قبل نکاح جائز نہ ہو ورنہ لازم آویگا کہ

آجتک قرآن کو نہ کسی عالم نے سمجھا نہ کسی مجتہد نے کیونکہ مجتہدین کے اجتماعی فتوی کتب مستند میں نابالغ کے نکاح کے جواز میں مدون ہیں۔

قولہ - نابالغہ کے نکاح کے جواز میں اکثر حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کا نکاح پیش کیا جاتا ہے لیکن بالکل غلط ہے کہ صدیقہ رضہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حالت میں ہوا جب آپ نابالغہ تھیں ہم فروری ۲۶ء کے بلاغ میں اس غلطی کا ازالہ کر چکے ہیں کتاب اکمال فی اسماء الرجال کے ترجمہ کے صـ ۱۲ پر حضرت اسماء کے حال میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر ۷۳ھ میں سولی دیا گیا اور آپ اس واقعہ فاجعہ کے دس یا بیس دن بعد فوت ہوئیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ (یعنی حضرت اسماء) کی وفات بھی ۷۳ھ میں ہوئی وفات کے وقت آپ کی عمر سو برس کی لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت ہجرت کے ۲۷ سال پہلے ہوئی ہے اور چونکہ حضرت عائشہ حضرت اسماء سے دس سال چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہ رضہ بالضرور ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں یا یوں کہو کہ ہجرت کیوقت آپ کی عمر سترہ سال تھی اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ کا زفاف ہجرت سے دو یا تین سال بعد ہوا پس اظہر من الشمس ہے کہ جناب حضرت عائشہ رضہ زفاف کے وقت انیس یا بیس سال کی تھیں اس سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ کا نکاح ان کی بلوغت میں ہوا - اب تو اس کی سند صحیح موجود ہے۔

اقول - کیا اچھی سند موجود ہے جس اکمال میں یہ لکھا ہے اُسی اکمال میں حضرت عائشہ رضہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ زفاف کے وقت حضرت عائشہ رضہ کی عمر نو برس کی تھی اور زفاف ہجرت کے اٹھارہ مہینہ بعد ہوا اور نکاح ان سے تین برس قبل ہجرت ہوا تو نکاح کے وقت چھ یا سات برس کی ہوئیں اور حضور کی خدمت میں نو سال رہیں اور حضور کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کی تھیں - آہ یہ کیا بات کہ اکمال کے ایک جزو کو مانتے ہو اور دوسرے کو نہیں مانتے ہو اب اکمال کو چھوڑ کر کہیں اور جگہ سے ثابت کر دیں ہم اکمال سے زیادہ قوی دلیل سے ثابت کرتے ہیں سنو صحیح مسلم میں خود حضرت عائشہ رضہ اپنا قصہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا جب یہ سات برس کی تھیں اور زفاف ہوا جب نو برس کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی جب یہ اٹھارہ سال کی تھیں اور حدیث صحیح کے مقابل کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی مورخین کے پاس محدثین کی سی سند نہیں ہوتی۔

شبہ چہارم۔ متعلق حدیث عائشہ رضی یہ حدیث فعلی ہے ممکن ہے کہ اس میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔ **جواب** کوئی خصوصیت احتمال غیر ناشی عن دلیل سے ثابت نہیں ہوتی پھر دلائل عامہ وخاصہ مذکورہ بالا کی خصوصیت کی نفی کرتے ہیں۔

شبہ پنجم۔ حسب تصریح علماء نکاح عبادت محضہ نہیں ہے چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

ذکرہ عقیب العبادات الاربع ارکان الدین لانہ بالنسبۃ الیہا کالبسیط الی المرکب لانہ عبادۃ من وجہ معاملۃ من وجہ۔	مصنف نے کتاب النکاح کو عبادات اربعہ (نماز روزہ حج زکوٰۃ) کے بعد ذکر کیا جو کہ ارکان دین ہیں اسلئے کہ یہ نکاح بہ نسبت اُن عبادات اربعہ کے ایسا ہے جیسے بسیط ہوتا ہے بہ نسبت مرکب کے

کیونکہ یہ من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے (تو اس میں دو وصف ہوئے اور عبادات اربعہ میں صرف ایک ہی وصف ہے عبادت کا اور ظاہر ہے کہ ایک اور دو میں بسیط اور مرکب کی سی نسبت ہے)

الجواب۔ عبادات محضہ تو بعضے حالات میں وہ امور بھی نہیں رہتے جن کا جزو دین ہونا بلا اختلاف مسلم ہے جیسے روزہ کہ بعض حالات میں اس میں وصف عقوبت کا بھی آجاتا ہے جیسے اصولیین نے صوم کفارہ میں اس کی تصریح کی ہے مگر باوجود اس کے اُس کو کوئی امر دنیوی نہیں کہتا اسی طرح اگر نکاح میں دوسرا وصف معاملہ ہونے کا بھی ہو تو اس سے اُس کا امر دنیوی ہونا کیسے ثابت ہو گیا بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وصف عقوبت کو بہ نسبت وصف معاملہ کے عبادت سے زیادہ بُعد ہے کیونکہ عقوبت معصیت سے مسبب ہے جو کہ ضد ہے عبادات کی اور معاملہ معصیت سے مسبب نہیں بلکہ اکثر اوقات عبادت سے مسبب ہوتا ہے مثلاً ادائے حقوق واجبہ سے پس جب عبادت کے ساتھ وصف عقوبت ملکر بھی اُس عبادت کو امر دنیوی نہ بنا سکا تو عبادت کے ساتھ وصف معاملہ ملکر تو اس عبادت کو امر دنیوی کیسے بنا سکتا ہے دوسرے ایسے مرکبات میں اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور نکاح میں اُن ہی علماء کے قول سے جنھوں نے اس میں وصف معاملہ مانا ہے غالب وصف عبادت ہی ہے چنانچہ عطن اول میں جو عبارت رد المحتار کی نقل کی گئی ہے (اور رسائل کی عبارت منقولہ اسی عبارت کا جزو ہے) اس میں تصریح ہے کہ نکاح کو زیادہ قرب ارکان اربعہ ہی سے ہے اور جہاد و اعتاق ووقف واضحیہ پر اُس کی تقدیم کو اسی پر مبنی کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جہاد اور اُس کے اخوات میں جہت عبادت کی غالب ہے تو جو چیز اُن سے بھی زیادہ ارکان اربعہ سے مناسبت رکھتی ہو اس میں وصف عبادت کے

غالب ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور قطع نظر اقوال علماء سے اس مناسبت کی تائید حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے۔ عن علی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال یا علی ثلث لاتوخرھا الصلوٰۃ اذا أنت والجنازۃ اذا احضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا رواہ الترمذی (مشکوٰۃ) اس میں نکاح کو وجوب تعجیل میں نماز کا قرین قرار دیا جس سے اس مناسبت کی صریح تقویت ہوتی ہے۔ وذکر سرہ فی العطن الاول دیتاید ایضاً کون وصف العبادۃ فیہ غالباً علے وصف المعاملۃ بان المعاملات التی یتوقف انعقادھا علے تراضی الجانبین یتوقف فسخھا ایضاً علے تراضیھما والعبادات المحضۃ یتفرد العامل بفسخھا وکذلک النکاح یستقل الزوج بابطالہ فکان مشابھتہ بالعبادات اقوی وبالمعاملات اضعف۔

عطن خامس بلقب حق وطن۔ اس میں اس قانون کے مطالبہ نسخ کے متعلق ایک استطرادی اور مختصر کلام ہے اور اسی لئے اس کا عنوان گو تغلیباً عطن رکھدیا گیا لیکن اصل لقب حق وطن ہے کیونکہ اس کا تعلق خاص اپنے ملک ووطن کے مصالح سے ہے خطبہ میں بزیر عنوان اطلاع اس مادہ میں سیاسی پہلو پر کلام کرنے سے اپنا علمی و عملی عذر ظاہر کرچکا ہوں اور وہاں ہی یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید غیر سیاسی طور پر کسی موقع پر اس کا ذکر استطراداً آجاوے سو وہ موقع یہی ہے جس میں بجائے سیاسی کلام کے اپنے بھائیوں کیلئے ایک مفید مشورہ معروض ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے اس قانون کے نسخ کی درخواست دو بناؤں پر ہو سکتی ہے ایک تو اس بناء پر کہ یہ قانون خلاف معاہدہ عدم مداخلت فی المذاہب ہے سو اگر اس بناء کو اختیار کیا جاوے تو اس کی بھی ضرورت ہے کہ اُس معاہدہ میں جو لفظ مذہب یا اُس کا مرادف آیا ہے اُس کے مفہوم کی تحقیق کی جاوے جس میں استقراء سے کئی احتمال ہیں ایک یہ کہ مراد اس سے وہ امور ہیں جن کو احقر نے عطن اوّل میں امر دینی کہا ہے جس میں نکاح بھی داخل ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بھی عام معنی مراد ہوں یعنی وہ جمیع امور جن کا شریعت نے قانون بتلادیا ہے اس میں تمام دیانات و معاملات آگئے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مراد وہ امور ہیں جن کو عام خیالات سے دین کا کام سمجھا جاتا ہے خواہ دین میں اُس کی کچھ اصل ہو یا نہ ہو اس میں جس طرح امور دین یعنی نماز و اذان وروزہ وحج وزکوٰۃ و نکاح وغیرہ داخل ہیں اسی طرح رسوم محرم و شب برات اور اعراس قبور بھی داخل ہیں

چوتھا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مجموعہ معنی ثالث مع شفعہ و میراث و وقف و قربانی و امثالہا ہوں اور احتمالات عقلیہ گو اور بھی ہو سکتے ہیں مگر تتبع سے وہی احتمالات لکھے گئے جن کا تذکرہ زبانوں پر آتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی پانچواں مفہوم ہو اور ہر حالت میں جب لفظ مذہب کا مفہوم متعین ہو جائے گا تو آسانی سے معاہدہ کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ بھی ہو جائے گا اور بہت سے اختلافات رفع ہو جائیں گے اور بہت سے سوالات حل ہو جائینگے چنانچہ بعضے سوالات دائرہ علی الالسنہ مع جوابات نمونہ کے طور پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

سوال اوّل۔ اگر نکاح کا یہ قانون مداخلت فی الدین ہے تو بیع و شراء و حفظ صحت کے قوانین بھی مداخلت فی الدین ہیں حالانکہ ان کے متعلق کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

جواب۔ مذہب کے معانی مذکورہ میں سے جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق نہ ہو اُس پر تو یہ جواب ہے کہ عدم التفات کے وقت سکوت کر لینے سے التفات کے وقت بھی سکوت کر لینا لازم نہیں اور جس معنی کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہو تو جواب ظاہر ہے اور اسی جواب مبنی علی الفرق کو میں نے اپنی ایک تقریر میں ذکر کیا ہے۔

وہو ہذا۔ بڑا شبہ ان لوگوں کا یہ ہے کہ شرعی جائز کو قانوناً ممنوع کرنا مداخلت ہونا چاہیئے حالانکہ اس کو کوئی مداخلت نہیں کہتا اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ الزامی تو یہ کہ گاؤکشی بھی واجب نہیں جائز ہے تو کیا کوئی مسلمان گوارا کر سکتا ہے کہ یہ قانوناً جرم ہو جاوے اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ جائز کے دو درجے ہیں ایک محض مباح جس میں کوئی حیثیت دین اور طاعت کی بھی ہے اور معیار اس کا یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور ترغیب شریعت میں آئی ہو جیسے نکاح کہ اس کی تاکید وارد ہے اور اس کے ترک بلا عذر پر وعید بھی یہ صاف دلیل ہے اُس کے دین ہونے کی اسی لیے فقہاء نے جو نکاح کے اقسام اور اُن کے احکام لکھے ہیں ان میں کوئی درجہ مباح کا نہیں ہاں عارض کے سبب مکروہ تو ہو جاتا ہے مگر فی نفسہ طاعت ہی ہے اور فقہاء نے اس کو اس درجہ کی طاعت فرمایا ہے کہ اسکو اشتغال بالتعلم والتعلیم والتخلی للنوافل سے افضل کہا ہے کذا فی الشامی۔ پس نکاح کا کوئی نیا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہے اور معالجہ کا قانون بنانا مداخلت فی الدین نہیں ہے۔

سوال دوم۔ مطلق نکاح دین ہے بقید صغر سن تو دین نہیں۔ **جواب**۔ معانی مذکورہ میں سے جس معنی کر یہ دین ہے اس میں کوئی قید نہیں لہٰذا ہر عمر میں دین ہے۔ یہ تو اَسہل جواب

کی قانونی حقیقت ہے اور شرعی حقیقت اس جواب کی کسی قدر مہارت علم دین پر موقوف ہے وہ یہ کہ شرعی فقہی قاعدہ ہے کہ جو عمل اطلاق کے درجہ میں جس شان کے ساتھ موصوف ہوتا ہے وہ جس قید جائز کے ساتھ بھی صادر ہوگا اُسی شان کے ساتھ موصوف رہے گا مثلاً نماز ظہر کی فرض ہے اور خاص اس کی یہ قید کہ دو ہی بجے کے وقت ہو فرض نہیں لیکن اگر دو ہی بجے پڑھی گئی تو اس کو بھی فرض کہیں گے اگر کوئی ایسا قانون بنایا جاوے کہ دو بجے پڑھنا جائز نہیں تو وہ مداخلت فی الدین یقیناً ہے اسی طرح جب مطلق نکاح دین ہے تو اگر صغرسن کی حالت سے پایا جاوے اس فرد کو بھی دین ہی کہیں گے تو اس کی ممانعت کا قانون بنانا مداخلت فی الدین ہوگی اور اسی طرح قربانی میں کہیں گے کہ قربانی عبادت ہے اگر بقید بقرہ ہو تب بھی عبادت ہے تو اس کی ممانعت مداخلت فی الدین ہوگی خوب سمجھ لیا جاوے۔

سوال سوم ۔ قانونی بلوغ کے قبل کسی خاص عمر میں فرض دواجب نہیں۔ **جواب** بعض حالات میں فرض وواجب بھی ہو جاتا ہے مثلاً صحت بدنیہ وقوت مزاجیہ کے سبب تقاضا شدید ہو اس حالت میں فرض وواجب ہو جاتا ہے دوسرے جس معنی کر یہ دین ہے اُس میں فرض غیر فرض میں کوئی فرق نہیں جیسا فرض نماز اور نفل نماز سے روکنا برابر ہے اور اس دوسرے جواب کا مرجع وہی ہے جو سوال دوم کے جواب میں مذکور ہوا۔

یہ سب کلام اُس وقت تھا جب بناء درخواست نسخ کی معاہدہ عدم مداخلت فی المذہب ہو اور ایک دوسری بناء درخواست نسخ کی اور ہے اور یہ دوسری بناء اسلم ہے بالخصوص جو لوگ سیاسیات میں علماً وعملاً قاصر ہیں اُن کے لئے تو بالتعیین اسی بناء کے اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہوں یعنی اگر کریں اور تحریک کے عام کرنے کے لئے کریں ہی لینا اصلح ہے اور وہ یہ ہے کہ حکومت سے یہ درخواست کی جاوے کہ اگر اس قانون کو خلاف معاہدہ ہونے کی بناء پر آپ منسوخ نہیں کرتے تو ترحم وراحت رسانی ہی کی بناء پر منسوخ کر دیجئے۔ کیا رعایا کے صرف وہی حقوق ہیں جن کی فہرست منضبط کر دی جاوے کیا اُن کا یہ حق نہیں ہے کہ اُن کو تکلیف و پریشانی سے بچایا جاوے۔ کیا وقتاً فوقتاً حکومت کی طرف سے مصالح کی رعایتیں ہوتی نہیں رہتیں اور اس قانون سے جو کلفتیں اور زحمتیں ہوں گی کیا وہ متیقن و متبین نہیں پھر ان دونوں مقدموں کے بعد ترتیب نتیجہ یعنی نسخ قانون میں کاہے کا انتظار ہے۔

یہ تو خطاب تھا حکام سے مگر اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ حق تعالیٰ سے بھی التجا و دُعا

کرتے رہیں کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما کہ یہی گناہ اصل ہے نزول دواہی کی اور حکام کے قلوب کو قلت رعایت سے صاف فرما جو فرع ہے عفو مناہی کی واللہ الموفق تمت الرسالۃ لنصف رجب ۱۳۴۸؁ھ ہجری۔ (النور صد۳ تا ۱۹ بابت ماہ شعبان ۱۳۴۸؁ھ)

آیت وابتلوا الیتامیٰ سے صغیر کے نکاح کے عدم جواز پر استدلال کا حکم

سوال (۲۵۰) زید آیت وابتلوا الیتمیٰ حتیٰ اذا بلغوا النکاح سے استدلال کرتا ہے کہ نکاح قبل بلوغ صغیر وصغیرہ کا جائز ہی نہیں ولی کی اجازت سے ہو یا نہ ہو کیونکہ بلغوا النکاح سے وقت بلوغ مراد ہے تفسیر بیضاوی میں ہے حتیٰ اذا بلغوا احد البلوغ بان یحتلم وبلوغ النکاح کنایۃ عن البلوغ لانہ یصلح للنکاح عندہ اور حاشیہ بیضاوی میں ہے لان المقصود من النکاح التوالد ولا توالد الا عند البلوغ۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں نکاح کا کوئی وقت معین ہے کہ اس وقت انسان کو اس کی صلاحیت ہوتی ہے اور نکاح قبل کوئی چیز صحیح نہیں ہوتی جیسے نماز قبل از وقت۔ اب مطلوب یہ ہے کہ اس آیۃ میں نکاح سے کیا مراد ہے عقد یا وطی اور اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے اس کا قایل ایک غیر مقلد شخص ہے جو جمہور کے خلاف کہہ رہا ہے اس کے جواب کی ضرورت ہے پس اس کو استدلال کے جواب میں کیا کہنا چاہیے مختصر و خلاصہ تحریر فرمائیے کہ اپنے کو بھی تسکین ہو دوسرے کو بھی فائدہ ہو۔

الجواب۔ قولہ لانہ یصلح عندہ اقول صلاحیت سے مراد صلاحیت تامہ ہے قولہ المقصود من النکاح الخ اقول صلاحیت تامہ سے یہی صلاحیت توالد مراد ہے قولہ اس عبارت سے اقول اول تو عبارت کے معنے معلوم ہو گئے دوسرے بیضاوی کی تقلید کب درست ہو گی قولہ اور قبل از وقت اقول وقت سے مراد وقت جواز ہے یا وقت وجوب اگر اول ہے تو مسلم مگر مذکور کا وقت جواز ہونا ثابت نہیں اور اگر وقت وجوب مراد ہے تو خود یہ مقدمہ غیر مسلم چنانچہ وضو قبل از وقت درست ہے۔ قولہ عقد یا وطی اقول دونوں صحیح ہو سکتے ہیں قولہ ہو سکتا اقول نہیں قولہ خلاصہ تحریر فرمایا جاوے اقول استدلال مذکور کا جواب تو ہو گیا جس کے بعد اس کا دعویٰ بلا دلیل رہ گیا اب اس سے دوبارہ دلیل کا مطالبہ کافی ہے اور جب تک وہ دلیل نہ لاوے اس کا دعوے غیر مسموع اور قول جمہور کا غیر مقدوح ہے اب تبرعاً نفس مسئلہ پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ہے وہ اس وقت نابالغ تھیں چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح

۷- ۱۸ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۶)

حکم خنثیٰ | **سوال (۳۵۱)** میرے ایک بھائی ہے اس میں چند علامات پیدا ہوگئی ہیں جن کے سبب سے اُس کے مرد اور عورت ہونے کا پہچاننا مشکل ہوگیا ہے۔

(۱) پہلی علامت یہ ہے کہ ذکر نہیں ہے اور ذکر کی جگہ میں چھنگلیا انگلی کے سر کے برابر ایک ٹکڑا گوشت کا ہے وہ گوشت عورتوں کے شرمگاہ کی طرح بھی نہیں ہے اور اس سے پیشاب نکلتا ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ خصیتین بھی نہیں ہیں۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ہر مہینے میں عورتوں کے مانند حیض آتا ہے۔

(۴) چوتھی علامت یہ ہے کہ دو پستان بھی عورتوں کے پستان کے مانند اُبھر آئے ہیں۔

(۵) پانچویں شہوت بھی ہے کہ اگر مرد کے ساتھ لیٹے تو اس کی طرف خیال جاتا ہے اور اگر عورت کے پاس لیٹے تو عورت کی طرف بھی خیال جاتا ہے۔

(۶) یہ کہ کبھی منی نہیں نکلتی ہے گویا کہ بند ہے۔

آپ مہربانی فرماکر اس مسئلہ کا جواب دیجئے کہ وہ شخص حکم عورت میں یا حکم مرد میں اور نماز روزہ پڑھتے وقت کیسا پڑھنے کا حکم ہوگا۔

الجواب- چونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بالغ ہوگیا ہے اس لئے بول کے احتمالات کو تو علامت نہ بنایا جاوے گا۔ کما فی العالمگیریہ بعد ذکر ھذہ الاحتمالات قالوا وانما یتحقق ھذا الاشکال قبل البلوغ فاما بعد البلوغ والادراک یزول الاشکال فان بلغ وجامع بذکرہ فھو رجل وکذا اذا لم یجامع بذکرہ ولکن خرجت لحیۃ فھو رجل کذا فی الذخیرۃ وکذا اذا احتلم کما یحتلم الرجل اوکان لہ ثدی مستوٍ ولو ظھر لہ ثدی کثدی المرأۃ اونزل لہ لبن فی ثدییہ اوحاض اوحبل اوامکن الوصول الیہ من الفرج فھو امرأۃ وان لم تظھر احدی ھذہ العلامات فھو خنثی مشکل وکذا اذا تعارضت ھذہ المعالم کذا فی الھدایۃ واما خروج المنی فلا اعتبار لہ لانہ قد یخرج من المرأۃ کما یخرج من الرجل کذا فی الجواھر النیرۃ قال ولیس الخنثی یکون مشکلا بعد الادراک علی حال من الحالات لانہ اما ان یحبل او یحیض ویخرج لہ لحیۃ اویکون لہ ثدیان کثدی المرأۃ وبھذا یتبین حالہ وان لم یکن

له شیء من ذالك فهو رجل لان عدم نبات الثدیین کما یکون للنساء دلیل شرعی علی انه رجل کذا فی المبسوط شمس الائمه السرخسیؒ جلد ۷ صفحه ۲۸۵)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذکر سے جماع کرنا اور ڈاڑھی نکلنا اور مردوں کی طرح احتلام ہونا اور پستان کا نہ ابھرنا علامات ذکورت کی ہیں اور پستان ابھر آنا یا پستان میں دودھ اتر آنا یا حیض آنا یا مرد کا اُس سے فرج میں صحبت کرسکنا علامات انوثت کی ہیں اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو حیض آتا ہے اور پستان بھی ابھر آئی ہیں اور یہ علامتیں عورت ہونے کی ہیں اب دیکھنا چاہیئے کہ ذکورت کی مذکورہ علامات میں سے بھی اس میں کوئی علامت ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ خنثیٰ مشکل ہے ورنہ عورت ہے عورت کے احکام مشہور ہیں اور خنثیٰ کے احکام بھی کتب میں مذکور ہیں اگر پھر بھی ضرورت استفسار کی ہو پوچھ لیا جاوے۔

۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ خامس صـ۲۵۳)

حکم منع ثیبات از نکاح ثانی

سوال (۳۵۲) بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی سے روکنا۔

الجواب - فلما قال الله تعالیٰ فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف ذالك یوعظ به من کان منکم یؤمن بالله والیوم الاخر ذلکم ازکی لکم واطهر الآیه وقال الله تعالیٰ وانکحوا الایامیٰ منکم الآیه وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا علی لا تؤخر ثلثا وعدمنها الایم اذا وجدت لها کفوا الحدیث اور اگر اس کو عار و عیب و ننگ سمجھتا ہے تو خوف کفر ہے لقوله تعالیٰ فلا وربك لا یؤمنون حتیٰ یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما الآیه ولقوله علیه السلام لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به الحدیث - (امداد صـ۱۲۶ ج ۲)

چند بیویاں ہوں تو شوہر کو ہر ایک بیوی کے گھر شب باشی کرنا ضروری ہے یا ایک بیوی کے گھر میں سب کو بلا کر شب باشی کرنا کافی ہے

سوال (۳۵۳) ایک مرد مشائخ کے پاس تین یا چار عورتیں ہیں وہ فقط اپنی ایک عورت کے گھر میں سکونت پذیر ہے اور وہیں کھاتا پیتا سوتا ہے پھر وہ اسی گھر میں ہر نوبت والی عورت کے ساتھ بلا رضامندی اس کے بلوا کر شب گزاری

کرتا ہے۔ عورتیں اپنی سوکن کے گھر میں جانا پسند نہیں کرتیں بلکہ موت کو اس پر ترجیح دیتی ہیں اور وہ مرد کہتا ہے کہ میرے اوپر صرف یہ لازم ہے کہ شب گزاری میں مساوات کروں باقی ہر نوبت والی کے گھر اس کے دن (یعنی باری) میں جانا اور اس کے گھر میں شب گزار ہونا واجب نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم برابر ہر نوبت والی کے گھر میں جایا کرتے تھے اور کسی بیوی کو آپ سوکن کے گھر میں نہیں بلاتے تھے لیکن اُن کا یہ عمل اختیاری تھا آپ کے فعل سے اُمت مرحومہ پر ایسا کرنا واجب نہیں اور یبیت عندھا اور اقام عندھا کے معنی اس طرح کرتا ہے کہ اس سے فقط شب گزار ہونا مقصود ہے نہ کہ اس کے گھر میں بیوتت اور اقامت کرنا مطلوب و ثابت ہے کیا اس مرد کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور ایسے معنی کرنا اس کا صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولو مرض ھو فی بیتہ دعا کلا فی نوبتھا الخ فی رد المحتار ھذا اذا کان لہ بیت لیس فیہ واحدۃ منھن والا فان لم یقدر علی التحول الی بیت الاخری یقیم بعد الصحۃ عند الاخری بقدر ما اقام عند الاخری ثم یقسم بینھما (قبیل الرضاع) فی العالمگیریۃ لایجوز ان یجمع بین الضرتین او الضرائر فی مسکن واحد الا برضاء لھن للزوم الوحشۃ ولو اجتمعت الضرائر فی مسکن واحد بالرضا یکرہ ان یطاء احدھما بحضرۃ الاخری حتی لو طلب وطیھا لم یلزمھا الاجابۃ لاتصیر فی الامتناع ناشزۃ ولاخلاف فی ھذہ المسائل۔

(قبیل الرضاع فیما یتصل بذلک من المسائل)

یہ روایات اس مرد کے قول کے ہر جزو کے بطلان میں صریح ہیں اور اس مرد کا یہ فعل بالکل ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۷ رمضان ۵۷ھ) کتبہ اشرف علی عفی عنہ

الصراح فی اجر النکاح

بعد الحمد والصلوٰۃ والسلام للہ تعالیٰ وعلیٰ رسولہ وآلہ واصحابہ الکرام۔ بہت روز سے میرے دل میں خیال تھا کہ اس نکاح خوانی کی اجرت متعارفہ کے متعلق کچھ تحقیق کیا جاوے

لیکن اتفاق سے آجکل خاص طور پر اس کا ایک استفتاء آگیا چونکہ اس کا جواب قدرے مفصل لکھا گیا جس سے وہ ایک چھوٹے رسالہ کی برابر ہو گیا اس لئے بمناسبت مضمون الحق الصراح فی اجرۃ الانکاح اس کا نام رکھ دینا مناسب معلوم ہوا وجہ استفتاء کی یہ ہوئی تھی کہ احقر نے ایک جگہ ایک حافظ صاحب کو نیابت سے منع کر دیا تھا اس لئے منیب کے صاحبزادے نے بغرض اپنے والد ماجد کو کہ ان کا قیام دوسری جگہ ہے حکم شرعی سے اطلاع دینے کے اس کی تحقیق کی، فبارک اللہ تعالیٰ فیہم۔

العبد محمد اشرف علی عفی عنہ

سوال (۳۵۴) حضرت اقدس جناب مولانا صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حافظ صاحب نے رجسٹر نکاح یہ فرما کر واپس کر دیا ہے کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اوّل تو یہ آمدنی ناجائز ہے اور اگر طوعاً وکرہاً جائز بھی ہوئی ہے تو اس طرح ناجائز ہو جاتی ہے کہ تم اُس میں سے کچھ جزو قاضی صاحب کو دیتے ہو جو مقدمہ رشوت ہے رشوت جبریہ تو جائز ہے بھی مگر یہ رشوت طبعی ہے بلا کسی دباؤ کے محض بغرض انتفاع اس لئے ناجائز ہے۔ جناب والد صاحب یہاں تشریف نہیں رکھتے جو اس کام کو خود انجام دیتے یا کوئی انتظام فرماتے لہٰذا میری غرض یہ ہے کہ ان کی خدمت میں بذریعہ عریضہ کل احکام متعلقہ جواز وعدم جواز عرض کر دوں تاکہ انتظام میں سہولت ہو ورنہ خدا جانے کیا انتظام ہو اور ناحق بھی مبتلائے گناہ ہونا پڑے پس گزارش ہے کہ جناب ضروری احکام متعلقہ سے مطلع فرما کر سرفراز فرماویں گے اور نیز اس سے بھی مطلع فرماویں گے کہ آیا بطور تنخواہ دار کے کسی شخص سے یہ کام لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اطلاعاً یہ بھی گزارش ہے کہ لوگ نکاح خواں کا حق صرف چار ہی آنہ خیال کرتے ہیں باقی ایک روپیہ قاضی صاحب کے نام کا ہوتا ہے جس کو عطیہ یا نذرانہ جو کچھ بھی ہو کہنا چاہیئے اور اکثر ایسا ہوا بھی ہے کہ قاضی صاحب کے نام کا روپیہ انھوں نے نکاح خواں کو نہیں دیا خود اپنے آپ آکر دیگئے ہیں مگر یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب نے یہ کام نہ کیا تو اور لوگوں سے یہ اُمید نہیں کہ وہ مسائل کی تحقیق کریں گے پس بہت سے نکاح خلاف شرع ہوا کریں گے۔

جواب۔ اس کا مجمل جواب تو یہ ہے کہ مولانا محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسائل اربعین میں ایک ایسے سوال کے جواب میں خزانۃ الروایات سے استدلال کر کے

اس کے ناجائز ہونے کا فتوے دیا ہے چنانچہ وہ سوال وجواب مع روایات نقل ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ بعد نکاح بقاضی و وکیل وشاہداں کہ از طرف عروس می آیند بخوشی خود بدون مطالبۂ شان چیزے دادن جائز است یا نہ۔

جواب۔ دادن ایں مرداں بدون مطالبہ وجبر از طرف ایشاں مباح است واگر جبر کنند وخواہ مخواہ بکد واصرار طلب نمایند وبگیرند پس مباح نیست چنانچہ در کتاب خزانۃ الروایات مرقوم است ومماسنۃ القضاۃ فی دار الاسلام ظلم صریح وہوان یاخذوا من الانکحۃ شیئا ثم یجیزون اولیاء الزوج والزوجۃ بالمناکحۃ فانہم مالم یرضوا بالشئی من اولیاء ہمالم یجیز وبذلک فانہ حرام للقاضی والمناکح انتہی الجواب المذکور قلت فکما ان الاجازۃ غیر متقومۃ لایحل العوض عنہا کذلک لجاہ والعقود الفاسدۃ التی ہی المنشاء فی الاکثر لہذا الاخذ کما سیاتی غیر متقومۃ لایحل العوض عنہا۔ اور مفصل جواب یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دیجاتی ہے اُس کی دو حالتیں ہیں یا تو بعوض دیا جاتا ہے یا بلا عوض اور جو بعوض دیا جاتا ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو ایسی شئے کا عوض ہے جو شرعًا متقوم وقابل عوض ہے اور یا ایسی شے کا عوض ہے جو شرعًا متقوم وقابل عوض نہیں خواہ حقیقۃً جیسا عقود باطلہ میں ہوتا ہے یا حکمًا جیسا عقود فاسدہ میں ہوتا ہے اور جو بلا عوض دیا جاتا ہے وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو محض طیب خاطر اور آزادی سے دیا جاتا ہے یا تنگی خاطر وکراہت قلب سے دیا جاتا ہے خواہ وہ تنگی اور کراہت زیادہ ہو یا کم ہو یہ کل چار قسمیں ہوئیں۔

قسم اوّل جو متقوم شے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم دوم جو چیز غیر متقوم شے کے عوض میں حاصل ہو۔

قسم سوم جو بلا عوض بطیب خاطر حاصل ہو۔

قسم چہارم جو بلا عوض بکراہت حاصل ہو۔

قسم اوّل بوجہ اُجرت یا ثمن ہونے کے اور قسم سوم بوجہ ہدیہ وعطیہ ہونے کے حلال ہے اور قسم دوم بوجہ رشوت یا ربوا حقیقی یا حکمی ہونے کے اور قسم چہارم بوجہ ظلم یا جبر الی التبرع ہونے کے حرام ہے اب دیکھنا چاہیئے کہ نکاح خوانی کی آمدنی کون قسم میں داخل ہے تاکہ اُس کا ویسا ہی حکم ہو اگر قسم اوّل میں داخل کہا جاوے جیسا خود نکاح پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہرًا احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ جو خود نکاح پڑھنے نہ جاوے وہاں تو

اس کا احتمال ہی نہیں البتہ نکاح خوان کے اعتبار سے ظاہراً اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ نکاح خوان کے اس عمل کی اُجرت ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال صحیح نہیں رہتا کیونکہ صحت اجارہ کے لئے شرعاً چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ کام لینے والے کو پورا اختیار ہو جس سے چاہے کام لے اور کام کرنے والے کو پورا اختیار ہو کہ کام کرے یا نہ کرے اور اسی طرح مقدار اُجرت ٹھہرانے میں کام لینے والے کو پورا اختیار ہو کہ جس قدر چاہے کم کہہ سکے اور زیادہ پر راضی نہ ہو اور کام کرنے والے کو بھی پورا اختیار چاہے زیادہ مانگے ان امور میں اپنی آزادی اختیار سے منتفع ہونے میں ایک پر دوسرے کی طرف سے کوئی طعن یا ملامت مانع نہ ہو اور یہ سب امور مسئلہ مبحوث عنہا میں مفقود ہیں کیونکہ کام لینے والے کو اس میں تو آزادی حاصل ہے کہ کسی سے مفت نکاح پڑھوالے لیکن اگر وہ اجرت پر کسی نئے شخص سے نکاح پڑھوالے مثلاً مجمع حاضرین میں سے کیفما اتفق کسی کو کہدے کہ تم پڑھ دو اور وہ اُجرت تم کو دیں گے یا اسی مقرر نکاح خواں سے کہے کہ تم دوسری جگہ اتنا لیتے ہو ہم تو اس سے نصف دیں گے اگر نہیں پڑھتے تو ہم کسی دوسرے کو بلالیں گے یا اسی طرح اگر کام دینے والا نہ تو خود جاوے اور نہ اپنی طرف سے کسی کے بھیجنے کا اہتمام کرے بلکہ صاف جواب دیدے کہ کچھ ہمارے ذمہ نہیں یا یوں کہے کہ گو اور جگہ سے ایک روپیہ لیتا ہوں مگر تم سے دس لوں گا چاہے لے چلو چاہے نہ لیچلو تو ضرور ان چار صورتوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بھی اور عام سننے دیکھنے والوں کی طرف سے سخت ملامت ہوگی کہ لو صاحب ہمیشہ سے تو اس طرح چلا آرہا ہے انھوں نے یہ نئی بات نکالی اور سب قایل معقول کر کے اُسی رسم قدیم پر اس کو مجبور کریں گے پس جب صحت اجارہ کے شرائط مفقود ہیں تو اجارہ مشروعہ نہ رہا پھر اُجرت کہنے کی گنجایش کہاں رہی پھر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح خواں بلانے والے کا اجیر نہیں سمجھا جاتا بلکہ خود اصل قاضی کے خیال میں بھی اور دوسرے عوام کے خیال میں بھی اصل قاضی کا نوکر سمجھا جاتا ہے چنانچہ وہ قاضی اس کو جب چاہے معزول کر دیتا ہے اور اس صورت میں اس کا غیر مشروع ہونا اور زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نوکر کسی کا اور اجرت کسی کے ذمہ یہ خود باطل ہے اور شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں اور اگر قسم سوم میں داخل کیا جاوے جیسا خود نکاح نہ پڑھنے والے کی نسبت اس کا ظاہرا احتمال ہوسکتا ہے کیونکہ جو شخص نکاح پڑھانے گیا ہے وہاں تو مفت ملنے کا احتمال ہی نہیں البتہ غیر نکاح خواں کے اعتبار سے ظاہرا علی عکس القسم الاول اس کا شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس کو

عطیہ وہدیہ کے طور پر دیا گیا ہے جیسا سوال میں اس سے تعرض بھی ہے مگر غور کرنے کے بعد یہ احتمال بھی صحیح نہیں رہتا کیونکہ مشروعیت ہدیہ کے لئے بھی چند امور لازم ہیں وہ یہ کہ نہ تو دینے والا اُس کو لینے والے کا اور نہ خود لینے والا اس کو اپنا حق سمجھے اور دینا بھی ضروری نہ سمجھا جاوے اور اسی طرح مقدار ہدیہ میں دینے والے کو اختیار ہو کہ خواہ کم دے یا زیادہ دے غرضکہ نہ دینے میں بھی ملامت نہ ہو اور کم دینے پر بھی ملامت نہ ہو اور مسئلہ مبحوث عنہا میں یہ امور بھی مفقود ہیں کیونکہ گو بعضے لوگوں کو اس میں آزادی حاصل ہے کہ بالکل نہ دیں چنانچہ جو لوگ اس سے پورے واقف ہیں کہ ان کا کوئی حق نہیں وہ بالکل نہیں دیتے اور ان پر ملامت بھی نہیں کی جاتی لیکن عوام میں سے جو لوگ دیتے ہیں وہ بیشک یہی سمجھ کر دیتے ہیں کہ ان کا حق ہے خواہ بوجہ قدامت کے کہ ان کے بڑوں سے یہ بات چلی آرہی ہے خواہ اس خیال سے مختلف مقامات پر مختلف عادات وخیالات ہیں غرض دینے والے بھی حق سمجھتے ہیں اور لینے والے بھی بعضے تو ویسے بھی حق سمجھتے ہیں اور لینے والے بھی بعضے تو ویسے بھی حق سمجھتے ہیں چنانچہ بعض اُن میں قرض خواہوں کی طرح مانگ مانگ بھیجتے ہیں اور بعضے تدبیرات وتقریرات سے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ عوام میں یہ خیالات جاگزیں رہیں کہ یہ ان کا حق ہے حتیٰ کہ اگر دوسرا ان ہی طرح اس کام کو کرنا شروع کردے تو اس سے آزردہ اور اس کے درپے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے حق میں خلل ڈالتا ہے اسی طرح اگر کوئی بجائے روپیہ کے آنہ دو آنہ دینا چاہئے تو خود لینے والا بھی اور دوسرے لوگ بھی اس کو طریقہ مقررہ کے خلاف سمجھ کر موجب ملامت قرار دیں کے جب مشروعیت ہدیہ کے شرائط مفقود ہوئے پھر ہدیہ کہنے کی گنجائش کہاں رہی جب اس آمدنی کا قسم اول وسوم میں داخل نہ ہونا ثابت ہوگیا پس لامحالہ قسم دوم یا چہارم میں داخل ہوگی جس کی وجہ قسمیں منفیین کی تقریر نفی سے خود ظاہر ہوچکی ہے اور تنبہ مکرر کے لئے اُس کا خلاصہ پھر عرض کئے دیتا ہوں کہ بدون نکاح پڑھے دینا جیسا اکثر غیب کو ملتا ہے یا تو ان کے جاہ وقدامت وزمینداری کے عوض میں ہے اور یہ سبب ہو غیر متقوم ہیں تب تو یہ دینا رشوت ہوگا اور یا پابندی رسم کے سبب حق سمجھنے کی وجہ سے ہے تو یہ جبر فی التبرع ہوگا اور نکاح پڑھوا کر دینا جیسا اکثر نائب کو اور کبھی غیب کو ملتا ہے یہ اجارہ فاسدہ پر مبنی ہے اور خصوصاً جبکہ نائب نوکر قاضی کا سمجھا جاوے تو یہ آمدنی اجارہ غیر مشروع کی حکم ہوا ہوگی جب اس کا قسم دوم یا چہارم میں داخل ہونا ثابت ہوگیا تو ان دونوں قسموں کا جو حکم تھا یعنی عدم جواز وہ بھی ثابت ہوگیا اور یہ تقریر تو اس عمل کی نفس حقیقت کے اعتبار سے تھی

اور اگر اس کے ساتھ ایک امر خارجی کو بھی ملاحظہ فرمایا جاوے جو کہ وقوع میں اس کا مقترن ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ عادت ہے کہ نکاح خوانی کے لئے بلانے والا تو دولہن والا ہوتا ہے اور نکاح خوانی دلواتے ہیں دولہا والے سے اور وہ بوجہ پابندی رسم کے خواہ مخواہ دیتا ہے جو کہ شرعاً محض ناجائز ہے کہ بلا وجوب شرعی کسی سے کوئی رقم اس کو ضروری و لازم قرار دیکر وصول کی جاوے تو اس عارض کی وجہ سے اس کا عدم جواز اور زیادہ موکد ہو جاوے گا غرض باعتبار نفس عمل کے بھی اور باعتبار اس عارض کے بھی یہ رقم ناجائز ٹھیری اور یہ تمام کلام خود لینے والے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے کو دینا جیسا نائب کے ذمہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک بڑا حصہ اس رقم کا اپنے منیب کو دے سو یہ دینا محض اس بناء پر ہوتا ہے کہ اس نے مجھ کو اس کام کے لئے اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اجازت دینا شریعت میں امر غیر متقوم ہے اور غیر متقوم کے عوض میں دینار شوت ہے اور رشوت بلا ضرورت دفع ظلم دینا حرام ہے پس اس دینے والے کو ایک گناہ رشوت دینے کا اور زائد ہوا غرض جو صورتیں اس کے متعارف ہیں اس میں کسی کو نہ لینا جائز ہے اور نہ دینا جائز ہے اور اس میں نائب و منیب اور شادی والے سب آ گئے جیسا بوجہ اکمل و ابسط اس کی تفصیل گزر چکی اب ان متعارف صورتوں کے علاوہ دو صورتیں اور رہ گئیں جن میں ظاہراً جواز کا احتمال معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ بطور اجارہ کے قاضی کسی کو نوکر رکھ کر اُس کی تنخواہ مقرر کر دیں اور اس سے کام لیں جس سے سوال میں بھی تعرض ہے دوسرے یہ کہ بطور شرکت تقبل کے قاضی میں اور دوسرے کسی شخص میں باہم قرار داد ہو جاوے کہ دونوں نکاح پڑھا کریں اور جو کچھ دونوں کو آمدنی ہو وہ فلاں نسبت سے باہم تقسیم کر لیا کریں سو تامل کرنے کے بعد ان میں بھی جواز نہیں معلوم ہوتا مثلاً اول صورت میں اگر اس کو اجیر خاص کہا جاوے تو اُس میں دوسری نوکری نہیں کر سکتا حالانکہ اس میں نائب کو اس میں ممانعت نہیں ہوتی اور اگر اجیر مشترک کہا جاوے تو اجیر مشترک ہر شخص کا جو کام چاہے کر سکتا ہے حالانکہ یقینی بات ہے کہ اگر قاضی کو معلوم ہو جاوے کہ یہ نائب کچھ نکاح میری طرف سے پڑھتا ہے اور کچھ دوسرے شخص کی طرف سے جو اتفاقاً مثل قاضی کے وہ بھی کام کرتا ہو تو یقیناً اُس نائب کو معزول کر دے گا پھر دونوں شقوں میں محذور مشترک یہ ہے کہ خود قاضی میں اور اہل تقریب میں باہم کوئی عقد اجارہ نہیں ٹھیرتا پھر اس قاضی کو اجرت لینا کس طرح جائز ہوگا اور اگر کہا جاوے یہی نائب وکالۃً اہل تقریب سے عقد اجارہ ٹھیرا لے جو مثل قبول قاضی کے ہوگا اس کا جواب ایک تو اُن پر دونوں شقوں کے جدا جدا محذور سے معلوم

ہوگیا کیونکہ جواز اور عدم جواز کے مقتضیات جمع ہونے سے عدم جواز کا مقتضی موثر ہوگا، دوسرا جواب آگے شرکت تقبل کے محذور سوم میں آتا ہے یہ تحقیق تو اول صورت کی ہوئی اور دوسری صورت یعنی شرکت تقبل اولاً تو ایسا واقع نہیں کیونکہ قاضی کو جو ملتا ہے اس میں سے نائب کو کچھ نہیں دیا جاتا دوسرے ہدایہ کتاب القسمۃ میں مصرح ہے کہ جو لوگ تقسیم کا کام اُجرت پر کرتے ہوں حاکم اسلام کو چاہیئے کہ ان کو باہم شریک نہ ہونے دے کہ عمل تقسیم کی اُجرت گراں نہ ہوجاوے یہی حال ہے نکاح خوانی کا کہ ضرورت کی دنیا اور دین دونوں اعتبار سے ہر شخص کو پڑتی ہے اور اکثر نکاح خواں لوگ باوجاہت ہوتے ہیں اگر سب جدا جدا رہیں گے ہر شخص ارزاں ملے گا اور اگر سب شریک ہوگئے تو گراں ہوجاویں گے۔ تیسری خرابی وہی ہے جو قسم سوم کی نفی میں مذکور ہوئی ہے کہ عرفاً یہ قاضی کا حق مختص سمجھا جاتا ہے ظاہر ہے کہ اختصاص کا کوئی استحقاق نہیں اور جو شخص قاضی یا نائب قاضی کو بلاتا ہے اسی استحقاق واختصاص کی بناء پر بلاتا ہے پس قاضی کا اجیر بنانا واجب اس بناء فاسد پر مبنی ہے تو خواہ وہ بالانفراد اجیر ہو جیسا ابھی صورت اولےٰ میں مذکور ہوا جس میں حوالہ اسی محذور سوم کا دیا گیا ہے اور خواہ بالاشتراک اجیر ہو جیسا اس صورت دوم میں فرض کیا گیا ہے ہر حالت میں بناء الفاسد علی الفاسد کے سبب سے ناجائز ہوگا، پس سابقہ متعارف صورتیں اور اخیر کی غیر متعارف صورتیں سب ناجائز قرار پاتیں البتہ اگر مثل دیگر معمولی اجارات تعلیم اطفال وفرائض نویسی اور دوسری صنعتوں اور حرفتوں کے اس کی بھی حالت رکھی جاوے کہ جس کا دل چاہے جس کو چاہے بلاوے اور کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جاوے اور جس اُجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہوجاویں نہ کوئی اپنے کو اصل مستحق قرار دے نہ دوسروں کے ذہن میں اس کو پیدا کیا جاوے اور اگر اتفاق سے کوئی دوسرا یہ کام کرنے لگے نہ اس سے رنج وآزردگی ہو اگر نائب نیابت سے دستبردار ہوکر خود مستقل طور پر یہ کام شروع کردے نہ اُس کی شکایت ہو اور شہر میں جتنے چاہیں اس کام کو کریں اُن سب کو آزاد سمجھا جاوے ہاں جو اس کا اہل نہ ہو اُس کو خود ہی جائز نہ ہوگا وہ ایک عارض کی وجہ سے روکا جاوے گا جیسا کوئی امام اگر قرآن صحیح نہ پڑھتا ہو امامت سے روکا جاوے لیکن جو بہت سے آدمی اس کے اہل ہوں تو ان میں مختلف ومتعدد آدمی اس کام کو کرنے کے مختار سمجھے جاتے ہیں اسی طرح اس نکاح کے ساتھ معاملہ کیا جاوے اور نیز بلانے والا اپنے پاس سے اُجرت دے دولہا والوں کی تخصیص نہ ہو اس طرح البتہ جائز اور درست

ہے غرض دوسرے اُجرت کے کاموں میں اور اس میں کوئی فرق نہ کیا جاوے یہ تحقیق ہوا اس اُجرت نکاح خوانی کے متعلق اور جو مضمون اخیر میں مکرر کے عنوان سے لکھا اس کا جواب بہت واضح ہے کہ دوسرے شخص کے دین سنورنے کے لئے اپنا دین بگاڑنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا خصوصاً جبکہ اس کا دوسرا طریقہ بھی ممکن ہو جیسا کہ احقر نے ابھی عرض کیا تھا کہ اس پیشہ کو عام رکھا جاوے مگر نااہل کو نہ بلایا جاوے اس کا تو کام لینے والے خود یا کسی ذی علم سے دریافت کر کے انتظام کر سکتے ہیں دوسرے یہ کہ اس انتظام متعارف میں بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بہت جگہ نااہل اس کام کو کر رہے ہیں پھر اس انتظام کی پابندی سے شرعاً کون نفع خاص ہوا اور پابندی نہ کرنے سے کون ضرر خاص ہوا پھر یہ کہ قاعدہ شرعی ہے کہ جب کسی امر میں مفسدہ و مصلحت جمع ہو جاویں مفسدہ موثر ہوتا ہے مصلحت مؤثر نہیں ہوتی پس اگر اس مصلحت کو تسلیم بھی کیا جاوے تو اس قاعدہ کی بناء پر اُس عمل کی اجازت نہ دی جاوے گی۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۲ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۲)

در تحقیق اجرۃ الانکاح

سوال (۳۵۵) بحضور فیض گنجور مولانا صاحب مدظلہ تسلیم۔ تحقیق حضور در بارہ اُجرت نکاح خوانی در فتاوے امدادیہ و علیحدہ رسالہ دیدہ شد۔ چونکہ حضور حکیم الامت اند تمام مخلوق سیما طائفہ علماء و ملایان دریں امر مبتلا اند از اول وقت حکام اسلام در دیار ہند تاحال لہذا تاویل صحت آں ضروری است علامہ شامی در بارۂ مسئلہ شرب دخان در تنقیح فتاوی حامدیہ فرمودہ معان فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرھم مبتلون بتناولہ۔ اور نیز حضور والا در حوادث الفتاوے ۱۳۳۱ھ ص ۱۱۳ در مسئلہ تحقیق عدم تعین عمل و اجرت در استیجار عمال مزارعین فرمودند۔ بوجہ ابتلاء عام کہ اس عقد کو اس تاویل سے جائز کہا جاوے ۱۲ بغرض خلاص عوام نہایت بعید تاویل اختیار فرمودند در ما سخن فیہ ضرور بالضرور نظر ثانی فرمایند۔ و مخلوق را از ورطۂ ضلالت واکل حرام خلاص دہند۔ ورنہ امر نہایت صعب است وجود حضور رحمت است برائے امت مرحومہ ببرکت حاجی حرمین الشریفین علیہ الرحمۃ والغفران ضرور دریں مسئلہ خوض اتم و نظر ثانی بغور فرمایند برائے دفعہ تکلیف حضور تمام مالہ وما علیہ و روایات جواز و فتاوی علماء کرام بندہ در گاہ حاضر خدمت می کند جناب تعمق نظر فرمودہ بو اپسی اطلاع فرمایند ٹکٹ برا بلاغ است

ملایاں وافسر اوشان مسمیٰ بہ قاضی گرداد وایں اجرت بدلۂ عمل خود میگیرند وصورت مسئلہ درسوال وجواب علماء مستشار العلماء مفصل است ملاحظہ مایند بدلہ اجازت و وجاہت نمی باشد و نہ درمانحن فیہ متصور است تاکہ روایت مولوی محمد اسحاق دہلویؒ کہ در امداد الفتاوے استدلال فرمودہ اند سند ایں امر شود بلکہ حکام وقت ایں رقم کہ موجب دستور قدیم وصول می شد سہ حصہ ازاں ملا را بدلہ کار او مقرر کردند و چہارم حصہ افسر پرتال کنندہ مسمیٰ قاضی را بدلہ کار او مقرر کردہ اند تفصیل کار ہر دو در سوال جواب مستشار العلماء موجود است خلاصہ والمعروض آنکہ، ضرور از تمام امور رہائی غریق مقدم است زیادہ حد ادب۔ ۲۹ر جمادی الاولےٰ ۱۳۳۵ھ۔ نقل جواب مسئلہ اجرۃ نکاح از دفتر انجمن مستشار العلماء لاہور مورخہ ۱۹ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سوال ـــــ چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ دریں دیار از قدیم قبل از حکومت ہذا عرف بلا جبر جاری است کہ در ہر قریہ ومحلہ یک ملا نکاح خواں مقرر است مردماں بر تقرر او راضی اند واو را عوض ذہاب وایاب جلسہ نکاح وتلقین تجدید شرائط ایمان وطرائق ایجاب وقبول واندراج رجسٹر مبلغ یک روپیہ چار آنہ یا کم وبیش رقم نکاح خوانی میدہند در حکومت ہذا از جانب سرکار عالی بر سر تمام ملایان تحصیل یک افسر باسم قاضی مقرر است آں قاضی تمام ملایاں را طرائق اندراج رجسٹر ونقشہ وہدایات شرعی دربارۂ نکاح وطلاق تحریراً وتقریراً تلقین می کند واصلاح رجسٹر اوشان میکند ونزد ہر ملا دورہ برائے اصلاح اوشان می کند تاکہ کدام غیر شرعی امر ارتکاب نہ کنند عوض ایں خدمت برائے قاضی از ہر ملا از ہر نکاح خوانی چہارم حصہ یا فی نکاح ۴ر مقرر است قاضی مذکور از ہر ملا می گیرد۔ ایں تمام انتظام سرکار عالی برائے فوائد مسلمانان مقرر کردہ اند کہ بوقت خصومت مقدمہ نکاح اصلیت ظاہر گردد ونکاح بموجب شرع صحیح منعقد گردد بیان فرمایند ملا را رقم نکاح خوانی و قاضی را چہارم یا ۴ر فی نکاح از ہر ملا گرفتن بموجب حکم شرع شریف عوض عمل مذکور جائز است یا نہ اگر جائز است بہتر ورنہ دیگر مصیبت عظیم است کہ تمام اہل علم ایں دیار بایں مبتلا اند۔ رہائی کافہ مسلمان را از حرام خوری ضروری است۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ مندرجہ بالا صورت ایک قسم کا اجارہ ہے اور جس طرح تعلیم قرآن تعلیم فقہ امامت اذان پر بلحاظ ضرورت کے اُجرت مقررہ یا اجر مثل کا دینا یا لینا درست ہے

اسی طرح ملائے نکاح خواں کو حرمت وحلت نکاح کے مواقع اور مشروع صورت میں نکاح کے ایجاب وقبول اور تقرر مہر وغیرہ کے شرعی طریقے بتلا دینے کی اُجرت مقررہ یا اجر مثل لینا اور عقد کرنے یا کرانے والوں کو دینا شرعاً درست ہے جس طرح مثلاً تعلیم فقہ پر اجرت کے لینے اور دینے کے بند ہو جانے میں علم فقہ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے اسی طرح ملائے نکاح خواں کی مذکورہ بالا اجرت بند ہو جانے میں نکاحوں کے شرعاً فاسد اور باطل ہو جانے اور دیگر مفاسد پیدا ہو جانے کا سخت خطرہ ہے اسی طرح قاضی کو جو اُن ملاؤں کو رجسٹروں کے نقشے اور ان کے اندراج کے طریقے اور نکاح وطلاق کے احکام اور ہدایات کی تعلیم دیتا ہے اجرت مقررہ یا اجر مثل جیسی کہ صورت ہو لے لینا درست ہے اور تعلیم فقہ کے جواز میں اس کا جواز بھی شامل ہو سکتا ہے علاوہ بریں جب عام مسلمانوں میں مدت مدید سے اس کا تعامل اور تعارف چلا آتا ہو اور کسی نص شرعی اور صریح حکم مذہبی کے برخلاف بھی نہیں ہے تو اب اس کے جواز میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی شیخ الاسلام علاء الدین حصکفی کتاب درمختار میں فرماتے ہیں: "ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والامامة والاذان ویجبر المستاجر علی دفع ماقیل فیجب المسمی بعقد واجر المثل اذا لم تذکر مدة شرح وهبانیه من الشرکة ویحبس به وبه یفتی ج ۵ ص ۳۷

نیز ایک اور موقع پر فرماتے ہیں وجاز اجرة الحمام لانه علیه الصلوٰة والسلام دخل حمام الجحفة وللعرف وقال علیه الصلوٰة والسلام مارأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن قلت والمعروف وقفه علی ابن مسعود کما ذکره ابن حجر ج ۵ صفحه ۳۵۔

علامہ سید محمد امین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں قوله وللعرف لان الناس فی سائر الامصار یدفعون اجرة الحمام وان لم یعلم مقدار ما یستعمل من الماء ولا مقدار القعود فدل اجماعهم علی جواز ذلک وان کان القیاس یاباه لوروده علی اتلاف العین مع الجهالته انتهٰی جلد ۵ ص ۳۵ هذا والله اعلم بالصواب۔

کتبه العبد المذنب المفتی محمد عبد اللہ عفی عنه

دستخط علمائے مستشار العلماء لاہور

الجواب صحیح — المجیب مصیب

اصغر علی مدرس عربیہ مدرسہ لاہور — احمد علی عفی عنہ

قد اصاب من اجاب — المجیب مصیب فی ہذا الجواب

محمد عالم امام مسجد گمٹی بازار — محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور

نقل تحریر مولوی علی گوہر صاحب تونسوی شریف

درباره اُجرت نکاح حسب الارشاد در جواب مسئلہ مسئولہ عرض میرود کہ ملایان حسب دستور
درواج جماعہ مسلمین از قبیل اجیر مشترک اند کہ بر عمل خود کہ مشتمل است بر حرکات و نقل و تردد و
حضور جماعت و جلسہ نکاح و اقوال تعلیم تجدید ایمان و طریق ایجاب و قبول کہ ہمہ آں از قبیل
مباحات اند نہ واجب لعینہ و نہ معصیت اند و استیجار بر و شرعاً جائز است و تعریف اجارہ
کہ بیع المنفعت مع عوض است بر و صادق است و اجر میگیرند۔ بنا بریں کہ المتعارف
کالمشروط تعیین اُجرت ناکردن مفضی بنزاع جانبین یا فساد نمی گردد۔ غایت امر اگر ملا زیادت
کہ از قدر متعارف طمع کند بعد محادره جانبین و تراضی طرفین فساد مرتفع خواہد بود و ملا را
اخذ اُجرت کہ ناکحین یا اولیاء ایشاں بطیب خاطر یا برضاء بدون الاکراہ حوالہ اش کرده اند
درست خواہد بود البتہ اخذ اُجرت اضعافاً مضاعفہ بالجاء اولیاء بناء بر تعین خود کہ از
احکام وقوع یافتہ از قبیل رشوت و سُحت خواہد بود ملا مقرر را چاره جوئی کردن دریں باب
کہ دیگرے نہ خواند ہم ازیں قسم می تواں شد کہ یک اجیر مستاجر را بر اجیر ساختن خود تحریض
کند لیکن در صورت تراضی طرفین ایں کراہت مرتفع است و در عوض خبث پیدا نمی کند و
قاضی کہ برائے ملاحظہ رجسٹر و درستگی عمل ملایاں مقرر است ایں ہم منجملہ مشروعات و مباحات
است ملا را ازیں تصحیح و تنبیہات و ہدایات ناچاری است و تعین اجر بر و جائز است۔
درباب قسمت دیدہ باشند کہ فقہاء فرموده اند کہ اولیٰ ایں ست کہ وظیفہ قاسمین از بیت المال
باشد و اگر بر متقاسمین مقرر کرده شود و اُجرت از ایشاں گرفتہ شود ہم جائز است کہ نفع عمل او بمتقاسمین
راجع است و عمل او برائے ایشاں۔ اگر ملا عذر کند کہ مارا برائے تصحیح کارروائی احتیاج بتعین قاضی
معین نیست من خود درست کردن می توانم یا از کسی عالم مجاز اُو درستگی حاصل کردن

می توانم ایں عذر او نا مسموع است چراکہ حکام وقت برائے مصلحت عامہ باتفاق رائے جماعت مسلمین و دفع فساد انکحہ و تشاجرات در باب نکاح ایں مد مقرر کردہ اند و چونکہ عمل ملا بدون پڑتال و ملاحظہ عالم ناتمام است پس تقوم فعل ملا بریں موقوف خواہد بود و اضروریت کہ او ایں اجر را بطیب خاطر قبول کند و در صورت عدم رضاء مکابر خواہد بودن و مستحق بر عمل غیر تام خود نخواہد بود و حکام می تواند کہ دیگر ملا را کہ بطیب خاطر ایں قدر اجر دادن بر تصحیح عمل قاضی از قسم نقل و دورہ و ملاحظہ رجسٹرات متقوم است کہ گرفتن عوض بر و صحیح است قضاۃ و علماء را اگرچہ وظیفہ ایشاں مقرر باشد بر کتابت فتویٰ و تلاش مسئلہ و تفتیش کتب اجر مثل گرفتن جائز داشتہ اند چنانچہ در باب القضاء در فقہ مقرر است۔ بالجملہ عمل ملایاں از رفتن بجلسہ نکاح و تعلیم تجدید ایمان و طریقہ ایجاب و قبول و نیز عمل قضاۃ از دورہ ملاحظہ رجسٹرات وغیرہ از قبیل عمل متقوم است کہ اخذ اُجرت بر و جائز است۔ البتہ از امور یکہ از مفسدات اجارہ باشند از اکراہ بر زیادت اجر و گرفتن زیادت از اجر مثل متعارف یا کار ناکردہ محض بر بناء تعین خود اجر وصول کردن ازیں احتراز می باید کرد۔ فقط

(در مسئلہ اُجرت نکاح حضور فرمودند در ص ۹۶ سطر ۱۶۔ اور شرع میں اس کی نظیر نہیں)

نظائر شرعی

(۱) واما کاتب القاضی واجرۃ مثلہ فان رای القاضی ان یجعل ذلک علی الخصوم فلہ ذلک وان رائی ان یجعل ذلک فی بیت المال وفیہ سعتہ فلا باس بہ فتاوی عالمگیریہ جلد ثالث ص ۲۳ کتاب الادب)

(۲) وفی النوازل قال ابراھیم سمعت ابا یوسف رح سئل عن القاضی اذا اُجری لہ ثلثون درھما فی ارزاق کاتبہ وثمن صحیفتہ وقراطیسہ واعطی الکاتب عشرین درھما وجعل عشرۃ لرجل یقوم معہ وکلف الخصوم الصحف یسعہ ذلک قال وانا احب ان یصرف شیئاً من ذلک عن موضعہ الذی سمی لہ کذا فی التاتارخانیہ وعالمگیریہ

(۳) واجر ھذہ الصحیفۃ التی یکتب فیھا دعوی المدعی وشھادۃ الشھود ان رائی القاضی ان یطلب ذلک من المدعی فلہ ذلک (فتاویٰ عالمگیریہ ج ۳ ص ۱۲۵)

روایات کتب معتبرہ فقہ درجواز اجرۃ نکاح خوانی

(۱) وکل نکاح باشرہ القاضی وقد وجبت مباشرۃ علیہ کنکاح الصغار والصغائر فلا یحل لہ اخذ الاجرۃ علیہ ومالم تجب مباشرتہ علیہ حل لہ اخذ الاجرۃ علیہ کذا فی المحیط واختلفوا فی تقدیرہ والمختار للفتوٰی انہ اذا عقد بکرا یاخذ دینارا وفی الثیب نصف دینار ویحل لہ ذلک وھکذا قالوا کذا فی البرجندی فتاوٰی عالمگیریہ جلد ثالث الباب الخامس عشر فی اقوال القاضی وما ینبغی للقاضی ان یفعل ومالا یفعل مطبوعہ مصر ص۳۱۵

(۲) وفی شرح اداب القاضی للخصاف ان للقاضی ان یاخذ فی عقود الانکحۃ شیئا زائدا علٰی ما یاخذہ الاکابر فی ذلک الموضع ان کان الولی غیرہ وان کان ھو الولی لایحل لہ الاخذ واختلفوا فی تقدیرہ والمختار للفتوٰی انہ اذا عقد بکرا یاخذ دینارا وفی الثیب نصف دینار یحل لہ ذلک وھکذا قالوا۔ برجندی جلد رابع کتاب القضاء ص۵)

(۳) وذکر عن السبقالی فی القاضی یقول اذا عقدت عقد البکر فلی دینار ولو ثیبا فلی نصفہ انہ لایحل لہ ان لم یکن لھما ولی ولوکان لھما غیرہ یحل بناءً علٰی ما ذکرنا۔ فتاوٰی بزازیہ۔

(۴) ولایحل اخذ شئ علی نکاح الصغار وفی غیرہ یحل۔ خلاصۃ الفتاوٰی (لاولی لھم) (۵) ولایحل لہ (ای للقاضی) اخذ شئ علی النکاح ان کان یجب مباشرۃ علیہ کنکاح الصغائر وفی غیرھا یحل۔

معدن۔ ھکذا در باقی کتب بخوف تطویل بریں قدر اکتفاء کردہ شد۔

الجواب۔ روایات ودلائل دیدہ شد نزد من مفید مدعا نیست یعنی از جملہ ایں ہا جواز نفس اجرت النکاح ثابت میشود ولا کلام فیہ لیکن جواز صورت متعارفہ بخصوصیات مروجہ ثابت نمی شود از جملہ ایں خصوصیات اینست کہ عقد اجارہ با اولیاء دختر منعقد می شود و اجرت بر اولیاء پسر لازم می شود ھذا باطل بالضرورۃ وکذا اخذ الاجرۃ

لمن لم یباشر الانکاح - مگر تحریر سامی جزو رسالہ خود کردہ ام - علماء خود فیصلہ خواہند فرمود۔

باز بریں جواب مکتوب ذیل آمد

جناب والا مدظلکم - تسلیم - فدوی غریق را دستگیری نفرمودند - سرفراز نامہ کبارہ مسئلہ اجرت نکاح رسید - حضور در طلب سائل امعان نفرمودند - بار ثانی بطور خلاصہ معروض آنکہ - واقعی فرمان حضور مسلم است کہ اجرۃ لمن لم یباشر الانکاح را گرفتن جائز نیست ورنہ ایں امر کہ عقد اجارہ با ولیاء دختر منعقد می شود و اجرت بر اولیاء پسر لازم می شود جائز است در دیار ما ایں خصوصیت واقع نیست علیٰ ہذا القیاس باقی خصوصیات کہ در رسالہ جناب مصرح اند مگر ما نحن فیہ مسئلہ دیگر است حضور جواب آں بحکم ادائی امر واجب کہ از آیہ فاسئلوا اھل الذکر الآیۃ مفہوم میشود عنایت فرمایند۔

سوال (۳۵۶) دریں دیار بر تمام ملایان تحصیل از سرکار عالی منظوری گورنمنٹ یک افسر مسمیٰ باسم قاضی مقرر است عمل او ملاحظہ رجسٹر ہا ملایان ست کہ اوشان را نقشہا رجسٹر تحریر کردہ میدہد و ہدایات شرعی و مسائل شرعی متعلقہ نکاح و طلاق بر ہر رجسٹر نوشتہ دادہ و سال بسال دورہ می کند ملاحظہ ہر نکاح مندرجہ میکند کہ کدام طریقہ غیر شرعی سرزد نہ شدہ - و طرائق نکاح خوانی و طریقہ اجازت از عورت از طرف ولی تا کہ سکوت علامت رضاء گردد - ہر ملا را بر رجسٹر نوشتہ میدہد ہر وقت در خدمت امور شرعی نگراں است اگر کسے در عدت نکاح میکند آنجا قاضی مذکور رفتہ با سامیاں را طلب کردہ اصلاح می کند و تفریق زوجین میکند مرتکباں را سرزنش می کند بعد عدت جدید عقد می کناند - بر اغلاط رجسٹر اوشاں را تحریراً متنبہ می کند تا کہ آئندہ سرزد نکنند خلاصہ تمام ملایان را بر جادہ شریعت بموجب کتب فقہ داشتہ است روز و شب نگراں حال است از سرکار عوض ایں خدمت حق افسر مذکور در ہر نکاح خوانی از ہر ملا چہارم حصہ مقرر کردہ اند بوقت دورہ قاضی افسر از ہر ملا حساب کردہ چہارم وصول می کند دیگر قسم زاید و کدام ہدیہ و دعوت از ملایان نمی گیرد بلکہ حرام دانستہ است - نیز واضح باد کہ اگر ایں انتظام نہ باشد تمام ملایان مرتکب امور غیر شرعی میشوند و انتظام شرعی برہم و درہم می شود - جناب جواب ایں اُجرت قاضی و افسر مذکور را گرفتن جائز ست یا نہ کہ از ہر ملا میگیرد مفصل تحریر فرمایند - تمام امور تحریر ساختہ فرستادہ

سابقہ مستشار العلماء لاہور وغیرہ نقول فتاویٰ عالمگیری۔ نظر دارند عجلت نفرمایند بعد تامل صادق غریق را رہائی عطا فرمایند۔

الجواب۔ تحریر ہذا را مع تحریرات سابقہ محرر دیدہ شد حاصل ہمہ ایں قدر ست کہ ملایاں رو افسر ایشاں را بر عمل اُجرت ستدن دادن جائز ست ولا کلام فیہ انچہ درو کلام است دو امر ست یکے آنکہ اکثر قضاۃ ہیچ عمل نمی کنند و از ملایاں چہارم یا پنجم میگیرند و در دیار ما ہمیں زیادہ است پس ایں از کجا جائز باشد دیگر آنکہ وجوب اُجرت بر من یطلب العمل می باشد و ایناں از غیر من یطلب العمل ہم میگیرند و ایں محذور در ہمہ دیار ست کہ اگر کسے بطور خود نکاح منعقد کنانند بجبر از وہم وصول میکنند و اگر نہ دہد آں نکاح را کالعدم شمارند حتیٰ کہ در بعض جاہا بعد ایں نکاح خود ایں قضاۃ نکاح دیگر می کنند آیا کسے از فقہاء ایں چنیں مفاسد را جائز داشتہ است باوجود عدم احتیاج ایں مدعا بدلیلے نظیرے بتائیدش نقل می کنم فی النہایۃ وینبغی للقاضی ان ینصب قاسما یرزقہ من بیت المال لیقسم بین الناس بغیر اجر فان لم یفعل نصب قاسما یقسم بالاجر معناہ باجر علی المتقاسمین (غور فرمایند دریں جا متقاسمین طالب العمل ہستند) ویقدر اجر مثلہ کیلا یتحکم بالزیادۃ (غور فرمایند کہ تقدیر برائے نفی زیادت ست و اکنوں قضاۃ آں را در نفی نقصان استعمال می کنند یعنی بزور اجرت مقدرہ وصول می کنند) ولا یجبر القاضی الناس علیٰ قاسم واحد معناہ لا یجبرھم علیٰ ان یستاجروہ (غور فرمایند دریں جا ایں قضاۃ جبر می کنند) ولو اصطلحوا ای الشرکاء نہایۃ) فاقتسموا جاز (غور فرمایند ایں جا تراضی اولیاء نکاح را ایں قضاۃ جائز نمی دارند) ولا یترک القسام یشترکون (غور فرمایند ایں جا ایں ہمہ سازش میدارند کہ عامہ ناس آزادی را بکار نمی توانند برد) ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ فہذا قیاس المحظور علے غیر المحظور وبایں ہمہ جواز امرے موقوف بر موافقت بمن نیست مرا از خطا معاف دارند۔ ۱۳ ؍ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ

ترجیح الراجح ۱۳

اس کے بعد اُن صاحب کا خط ذیل آیا

جواب المجاب مسئلہ اجرۃ نکاح و عمل قاضی وملایاں رسید اطمینان شد جزاک اللہ خیر الجزاء۔

سوال (۳۵۷) (۱) بعض مقامات میں لوگ نکاح پڑھانے کا حق پھر نہ قاضی کو دیتے ہیں اور نہ نائب کا حق چار کنے دیتے ہیں جبر یہ ہمارے قاضی کا روپیہ مسجد میں لگاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں قاضی کی موجودگی ہی میں جبراً دوسرے سے نکاح پڑھواتے ہیں اور روپیہ قاضی کو نہیں دیتے (۲) اور بعض مقامات میں نکاح چاہے جو پڑھادے لیکن نکاح خوانندہ کو صرف ۴ر لوگ دیتے ہیں اور ایک روپیہ جبر یہ نکاح خوانندہ سے لیکر قاضی کے گھر بھیجدیتے ہیں یہ بات جائز ہے یا نہیں (۳) کانپور میں بعض ملا نکاح پڑھاتے ہیں کل حق پھر خود لیجاتے ہیں روپیہ قاضی کو نہیں دیتے یہ جائز ہے یا نہیں، حاصل کلام نکاح خوانندہ کو روپیہ قاضی کا دینا چاہئے یا نہیں فی زمانناشرعاً خواہ قاضی موجود ہو یا نہ ہو قاضی کا حق ہے یا نہیں۔

الجواب۔ دینے والا اگر دولہا والا ہو اور قاضی یا ملاّ کو بلا کر لے گیا ہو دلہن والا جبکہ اکثر ایسا ہی دستور ہے تب تو یہ لینا بالکل جائز نہیں کیونکہ اُجرت بذمہ بلانے والے کی تھی دوسرے پہ بار ڈالنا جائز نہیں اور اگر بلانے والا بھی دولہا والا ہے خواہ اپنے آدمی کے ہاتھ بلایا ہو یا دولہن والے سے کہہ کر بلایا ہو تو نکاح خواں کو اس کا دیا ہوا لینا جائز ہے مگر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر دینے والے نے پوری رقم اسی کی ملک کردی ہے تب تو سب رکھنا جائز ہے اور اگر یہ کہدیا کہ اتنا تم رکھ لینا اور اتنا قاضی کو دیدینا تو اپنا حصہ تو رکھ لینا درست ہے اور قاضی کا حصہ رشوت ہے وہ واپس کردینا واجب ہے قاضی کو دینا اور اسی طرح قاضی کو اس کو لینا جائز نہیں اور اگر صاف نہ کہا ہو تو مگر دستور ایسا ہو کہ کچھ نکاح خواں کا سمجھا جاتا ہے کچھ قاضی کا تب بھی اسی طرح حکم ہے اور اگر اور کسی نے نکاح پڑھا ہو تب تو قاضی یا نائب قاضی کو لینا بالکل جائز نہیں اور قاضی سے نکاح پڑھوانا واجب نہیں اور مسجد میں بھی جبراً لینے کا کوئی حق نہیں۔ ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۴۱)

نکاح میں تاشہ بجانے کا حکم!

سوال (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ شادی کی تقریب پر تاشوں کا بجوانا کیسا ہے تحفۃ المشتاق میں جواز لکھا ہے اور تحفۃ الزوجین میں عدم جواز کے متعلق درج ہے ایک مرتبہ یہاں پر حضرت مولانا مولوی شیخ حسین صاحب عرب انصاری بھوپال سے تشریف فرما ہوئے تھے اس موقعہ پر تاشے پیش کرکے دریافت کیا گیا تھا تو جواز ہی کا حکم فرمایا تھا آپ اسکے

متعلق کیا فتوے دیتے ہیں چونکہ میرے نزدیک خصوصاً اور یہاں کے لوگوں کے نزدیک عموماً آپ کا فتویٰ معتبر ہے فلہذا اس کے متعلق جواب شافی تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ چونکہ مجھ کو کبھی اہتمام کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا اتفاق نہ ہوا تھا اسلئے بنا بر قول مشہور مذکور علی لسان الجمہور یہ سمجھا تھا کہ شادی میں دف بجانا جائز ہے دوسرے باجے ناجائز مگر تھوڑا زمانہ ہوا کہ ایک مضمون جو ضمیمہ اخبار الفقیہہ امرتسر ۵ نومبر ۱۹۱۹ء میں بعنوان باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ شائع ہوا ہے نظر سے گزرا تب سے متعارف ضرب دف کے جواز میں بھی شبہ ہوگیا اور احتیاطاً ترک اور منع کا عزم کرلیا افادۂ عامہ کے لئے اس کی نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

باجوں پر تحقیق کی ایک زبردست چوٹ

کس قدر افسوس اور حسرت کا مقام ہے کہ حضور شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام تو فرمائیں کہ خدا نے مجھ ہدایت کے واسطے رسول بنایا اور حکم دیا کہ تمام جہاں سے راگ راجہ باجہ مٹادوں (رواہ ابو داؤد الطیالسی واللفظ لہ واحمد بن منیع واحمد بن حنبل والحرث) اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت سے ایک قوم آخر زمانہ میں مسخ ہوکر سور بندر ہوجائیں گے اصحاب نے پوچھا کہ یہ لوگ مسلمان ہوں گے یا کون حضورؐ نے فرمایا ہاں یہ سب مسلمان ہوں گے خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کے شاہد ہوں گے اور روزہ بھی رکھتے ہوں گے مگر آلات لہو یعنی باجہ اور دف بجاویں گے اور گانا سنیں گے اور شراب پئیں گے تو مسخ کردیئے جاویں گے (رواہ مسند و بن حبان عن ابی ہریرۃ)

ان احادیث کی رو سے تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ حضرات علماء جو شریعت کے حامل اور نائب رسول تھے یہ لوگ پوری کوشش کرکے کل راگ و باجہ اٹھا دیتے مگر بجائے اس کے الٹی کوشش کی کسی نے ڈھولک و سارنگی کو قوالی کے ساتھ جائز کیا اور کسی نے دف کو مطلقاً جائز سمجھا اور تحریراً تقریراً اس کا جواز شائع کیا اور مولوی وحید الزماں سرگروہ غیر مقلدین نے تو او غضب ڈھایا اپنی کتاب نزل الابرار جو باہتمام مولوی ابو القاسم بنارس میں چھپی ہے اس کے صفحہ تین میں صاف لکھدیا ہے کہ شادیوں میں ہر طرح کا باجہ دگانا بہتر ہی نہیں بلکہ واجب اور فرض ہی ہے اور جو حرام کہتا ہے وہ گمراہ ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل حدیث کا دعوے اور حدیث کی یہ قدر کی اور کھلم کھلا مخالفت رسول پر کمر باندھی ہے
چونکہ ہمارے علماء احناف کل باجے و گانے کو حرام کہتے ہیں اور اس میں کسی کا خلاف نہیں
ہے البتہ سماع کے ساتھ ڈھولک اور شادیوں میں دف بجانے میں اختلاف ہے لہذا
ضرورت معلوم ہوئی کہ اس مسئلہ پر تحقیق کی پوری روشنی ڈالی جائے تاکہ حق اور باطل میں
فیصلہ ہو جائے اور برادران سنی حنفی کو اپنا مذہب معلوم ہو جائے۔

پہلی روشنی - مذہب حنفی میں کل باجے حرام ہیں ہدایہ شریف میں ہے ان الملاهی
کلها حرام حتی التغنی بضرب القصب ونیز بزازیہ و در مختار میں ہے استماع
صوت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام۔ بخلاف مذہب شافعی کے
کہ ان کے یہاں مباح اور ترک اولیٰ ہے چنانچہ آگے معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روشنی - دف بھی چونکہ باجہ ہے لہذا حنفیہ نے تصریح و تشریح کردی
کہ دف بھی حرام ہے شامی میں ہے۔ استماع ضرب الدف والمزمار وغیر ذلك
حرام شرح نقایہ میں ہے۔ اما الاستماع فکاستماع ضرب الدف والمزمار و
الغناء وغیر ذلك حرام۔ ابو المکارم میں ہے۔ کرہ تحریما لهو کضرب
الدف والمزمار (مجموعہ فتاویٰ عزیزی رسالہ غنا میں کئی عبارتیں منقول ہیں) غنا و ضرب
بربط و دف و دوتار و طنبور است وآں ہم بایں نص حرام اند من استحله فقد
کفر و فی فتاوے البیهقی التغنی و استماعه وضرب الدف وجمیع انواع الملاهی
حرام ومستحلها کافر و فی النهایة التغنی والطنبور والبربط والدف
وما یشبه ذلك حرام مالابد منہ میں ہے ملاہی ومزامیر و طنبور دہل و نقارہ و دف
وغیرہ باتفاق حرام اند۔

تیسری روشنی - مذہب شافعی بموقعہ شادی وختنہ دف بجانا مباح ہے اور
سوائے شادی وختنہ میں حرام کہا چنانچہ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب کف الرعاع عن محرمات
اللہو والسماع مطبوعہ مصر صفحہ ۷۳ علی ہامش الزواجر میں لکھتے ہیں۔ القسم الرابع فی
الدف المعتمد من مذهبنا انه حلال بلا کراهة فی عرس وختان وترکه
افضل وهکذا حکمه فی غیرهما فیکون مباحا ابضا علی الاصح وفی
المنهاج وغیره وقال جمع من اصحابنا انه فی غیرهما حرام اور پیشوائے

طریقہ سہروردیہ حضرت عارف باللہ شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی شافعی علیہ الرحمۃ
عوارف المعارف میں فرماتے ہیں فاما الدف والشبابۃ وان کان فیہما فی
مذہب الشافعی فسحۃ الاولی ترکہما والاخذ بالاحوط والخروج من
الخلاف۔ یعنی باوجودیکہ ہمارے مذہب شافعی میں دف کو جھانجھ کے ساتھ بھی بجانا
مباح ہے اور ہمارے مذہب میں اس میں بڑی وسعت ہے مگر اس کا ترک کردینا بہتر ہے
اور بہتری واحتیاط اسی میں ہے کہ دف بالکل ترک کردیا جائے دیکھو شیخ سہروردی کا یہ
کتنا نفیس خیال ہے کہ جب ہمارے مذہب میں مباح ہے نہ مستحب کہ بجانے سے ثواب ملے
اور نہ واجب کہ ترک کردینے سے گناہ ہو۔ پس خیریت اس کے ترک کردینے میں ہے کیونکہ اور
مذاہب جیسے حنفیہ وغیرہ میں حرام ہے اور حرام سے گناہ ہوتا ہے تو خطر اور شبہ سے خالی
نہیں اور شبہ کی چیزوں کا ترک کردینا تاکیدی حکم ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فمن
اتقی الشبہات فقد استبرء لدینہ وعرضہ وقال دع ما یریبک الی ما
لا یریبک پھر شیخ سہروردی نے فرمایا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دف
بجانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔ عن الحسن انہ قال لیس الدف من سنۃ المسلمین۔

چوتھی روشنی ۔ مذہب شافعی میں جو تقریب نکاح وختنہ دف کا مباح ہونا لکھا
ہے وہ مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ چند قیود وشرائط کے ساتھ مقید ومشروط ہے ان شرائط کا لحاظ
ضروری ہے ورنہ اباحت نہ رہے گی اور صاف حرمت آجائے گی، علامہ ابن حجر مکی شافعی
نے اُن شرائط کو اپنے رسالہ کف الرعاع عن محرمات اللہو والسماع میں مفصلاً
تحریر فرمایا ہے اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ احناف
کے لئے بھی یہ شرائط قابل لحاظ ہیں۔

اوّل شرط یہ ہے کہ خاص عورتیں اور لڑکیاں دف کے بجانے والی ہوں اور حکم اباحت
خاص انہیں کے بجانے میں ہے نہ مردوں کے پس اگر تقریب نکاح یا ختنہ میں مرد بجائے گا
تو جائز نہ ہوگا اور وہ مرد بوجہ تشبہ بالنساء کے ملعون ہوگا کیونکہ سلف میں کسی مرد کا بجانا ثابت
نہیں ہوا دف کے بجانے میں جس قدر احادیث وآثار ثابت ہیں سب میں عورتوں یا لڑکیوں
کا ذکر ہے چنانچہ عبارت یہ ہے۔ انا اذا ابحنا الدف فانما نبیحہ للنساء خاصۃ و
عبارت منہاجہ وضرب الدف لایحل الا للنساء لانہ فی الاصل من اعمالھن

وقد لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المتشبھین بالنساء (الی قولہ لم یحفظ عن احد من رجال السلف انہ ضرب بہ وبان الاحادیث و الاٰثار انما وردت فی ضرب النساء والجواری بہ انتہی ملخصا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تکلف اور تصنع نہ کیا جاوے کہ طرب یعنی خوش آوازی معلوم نہ ہو بلکہ بالکل سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جاوے چنانچہ فرماتے ہیں دخلا عن الضنج ونحوہ وعن التانق والتصنع فی الضرب بان یکون الضرب بالکف پھر لکھتے ہیں کہ دف اسی طریقہ سے مباح ہے جیسا عرب لوگ بجاتے ہیں کہ اسمیں رقص وسرود نہ پایا جاوے اور نہ انگلی کے سرے سے بجایا جاوے کہ اس میں بھی ایک طرح کی صنعت طرب ہے عبارت یہ ہے۔ وانما یباح الدف الذی یدفن بہ وینقر ای بروس الانامل ونحوھا علی نوع من الانغام فلا یحل الضرب بہ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے بعد تھوڑی دیر تک عورتیں دف بشرائط مذکورہ بجاویں چنانچہ لکھتے ہیں۔ والمعھود عرفا انہ یضرب بہ وقت العقد ووقت الزفاف او بعدہ بقلیل۔

پانچویں روشنی۔ علامہ ابن حجر نے ماوردی کا قول لکھا ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں استعمال دف مکروہ ہے کیونکہ بے وقوفی اور سفاہت پائی جاتی ہے عبارت یہ ہے۔ و اما فی زماننا قال فیکرہ فیہ لانہ ادی الی السخف والسفاھۃ اس پر علامہ نے لکھا ہے کہ ہمارے اور ماوردی کے زمانہ میں پانچسو برس کا فاصلہ ہے اب تو اس سے زیادہ خرابی آگئی ہے میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن حجر کو بھی گزرے ہوئے قریب چار سو برس ہوئے شر و فساد کے سوائے خیر و صلاح کا نام نہیں ہے اب تو باوجود لحاظ شرائط مذکورہ ترک کردینا چاہیئے۔

چھٹی روشنی۔ اصل مذہب حنفیوں کا تو پہلی اور دوسری روشنی کے ذیل میں جو عبارات لکھی گئی ہیں اُن سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ عموماً باجہ اور خصوصاً دف بھی حرام ہے اب بعض علماء حنفیہ جو اپنی کتابوں میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا لکھتے ہیں تو اصل میں یہ قول ظاہر روایت کے خلاف ہے اور کچھ تعجب نہیں جو علماء حنفیہ کو روایات شافعیہ سے دھوکا ہوگیا ہو اور اس کے نظائر و امثال کتب حنفیہ میں کثرت سے ملتے ہیں کہ کسی ایک کتاب میں کوئی قول دوسرے مذہب کا کسی مصنف نے لکھا اور دوسروں نے اس کی

دیکھا دیکھی اعتماد کر کے اپنی تصنیف میں درج کر دیا اور وہ یوں ہی نقل ہوتا چلا آیا حتیٰ کہ دس بیس کتب میں منقول ہوا اب کسی عالم کو شبہ ہو سکتا ہے کہ مذہب حنفی کا یہ مسئلہ نہیں ہے مگر بوقت تحقیق معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قول خلاف مذہب نقل در نقل ہوتا آیا ہے۔ دیکھو علامہ ابن ہمام فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں فرماتے ہیں۔ فہذا ھو الوجہ وکثیرا ما یقلد الساھون الساھین یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں۔

بحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات میں لکھتے ہیں۔ وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئاً خطاء فی کتابہ فیاتی من بعدہ من المشایخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغیر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون لھا واصلھا الواحد مخطی۔ یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مؤلف کسی مسئلہ کے لکھنے میں خطا کر جاتا ہے اس کے بعد علماء و مشایخ اس کی دیکھا دیکھی لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ خطا کرنے والا ایک ہی تھا دیکھو صاحب در مختار نے بہ تبعیت صاحب نہر الفائق و بحر الرائق لکھدیا کہ اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ قرآن میں ۸۲ جگہ ہے حالانکہ یہ شمار غلط ہے صرف اعتماداً یہ غلط شمار منقول ہوتا گیا قرآن عظیم موجود ہے دیکھ لیجئے صرف ۳۲ جگہ یہ جملہ ملے گا پس ہماری کتب فقہیہ حنفیہ میں جو دف کا جواز اعلان نکاح کے واسطے لکھا ہوا ہے وہ اصل مذہب اور ظاہر الروایت کے خلاف ہے پس منشاء تقلید ہرگز یہ نہیں ہے کہ دف کو جائز سمجھا جاوے پس کسی عالم حنفی کی تصنیف یا فتاوے میں جواز لکھنے سے حقیقت میں جائز نہ ہوگا بلکہ ان حضرات علماء احناف محققین کا اپنی تصانیف و فتاویٰ میں لکھنا اسی پر محمول ہوگا کہ یہ ایک غلطی ہے جو نقل در نقل ہوتی گئی جس کا اصل مذہب میں پتہ نہیں اسی وجہ سے علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ دف اکثر مشایخ کے نزدیک حرام ہے اور اس حدیث کا جس میں اعلان نکاح کے واسطے دف بجانے کا ذکر آیا ہے ہمارے مشایخ حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ دف بجانے سے مراد اعلان ہے نہ حقیقت میں باجہ دف بجانا چنانچہ شرح نقایہ اور نقاب الاحتساب و بستان العارفین میں یہ جواب مذکور ہے عبارت شرح نقایہ یہ ہے۔ قال التورپشتی انہ حرام علے قول اکثر المشایخ وما ورد من ضرب الدف فی العرس کنایۃ عن الاعلان۔ جب حدیث میں ضرب دف سے مراد اعلان اور تشہیر ہے تو پھر متاخرین علماء حنفیہ کا جائز کہنا اور اس حدیث کو استدلال میں پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ بے محل ہے اور ضرب دف سے اعلان اور تشہیر کے مراد ہونے پر شاز بردست قرینہ یہ ہے کہ

ابتک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہ ہوا کہ زمانہ رسالت میں کسی صحابی نے اعلان نکاح کیلئے دف بجاکر اس حدیث کی تکمیل کی ہو حالانکہ صحابہ کرام کو اتباع سنت میں جو شغف تھا وہ علماء پر مخفی نہیں اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ خود حضورؐ نے متعدد نکاح اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا فرمایا کبھی کسی نکاح میں آپ نے دف بجانے کا حکم نہیں دیا۔ من ادعی فعلیہ البیان زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی حدیث ربیع بنت معوذ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چند نابالغ لڑکیوں نے بعد زفاف کے دف بجایا تھا اس حدیث سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت کر کے جواز سمجھنا ثابت اور صحیح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ لڑکیاں غیر مکلف تھیں اگر کسی روایت سے بالغ عورتوں کا بجانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث کافی ہے۔ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن ضرب الدف ولعب الصنج وضرب الزمارۃ یعنی اس حدیث کی رو سے یہ کہا جائے گا کہ اگر آپ نے اجازت دی ہو گی تو پھر منع فرما دیا جس کو حضرت علی رضؓ نے ظاہر فرمایا۔ علاوہ اس کے جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے دف کو مزمور الشیطان کہا اور حضورؐ نے سکوت فرمایا۔

خیال فرمایا جائے کہ اگر حضرت صدیق اکبرؓ کا دف کو مزمور الشیطان فرمانا بجا اور صحیح نہ ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور منع فرماتے پس بموجب اس روایت کے جب دف مزمور الشیطان ٹھہرا تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ صحابہ کرام اس سے اعلان نکاح کرتے پس اکثر مشائخ حنفیہ کا حدیث ضرب دف سے اعلان اور تشہیر مراد لینا بہت بجا ہے کیونکہ زبان عربی اور فارسی کے محاورہ میں ضرب دف بول کر اعلان اور تشہیر مراد ہوا کرتی ہے۔ زبان عربی کا حال تو ابھی علامہ تورپشتی اور علامہ فقیہ امام الہدیٰ ابو اللیث سمرقندی اور علامہ عمر بن محمد بن عوض سلامی رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال سے معلوم ہو چکا فارسی میں بھی دف زدن کے معنے اعلان کردن وشہرت دادن کے ہیں نظیر کے طور پر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا شعر جو بوستان میں ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

یکے را چو من دل بدست کسے ۔۔۔ گرو بود دے برد خواری بسے

پس از ہوشمندی و فرزانگی ۔۔۔ بدف بر زدندش بدیوانگی

مصرع اخیر کا ترجمہ یہ ہے کہ اس کی دیوانگی کا دف بجایا یعنی اس کو دیوانہ مشہور کیا پس جس طرح یہاں دف بجانے سے مشہور کرنا مراد ہے اسی طرح حدیث کا مطلب ہے کہ نکاح کو علانیہ کرو اور خوب مشہور کرو۔

ساتویں روشنی- تنزل کے درجہ پر اگر بعض علماء- احناف متاخرین کا استدلال صحیح مان لیا جاوے کہ اعلان نکاح کے واسطے دف بجانا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مباح ہے تو ان شرائط وقیود کا لحاظ ضروری ہے جن کو مباح سمجھنے والوں نے بیان کیا ہے (شرط اول) جھانجھ نہ ہو (شرط دوسری) تطریب نہ ہو چنانچہ شامی اور فتاویٰ سراجیہ اور شرح ابوالمکارم اور شرح نقایہ چاروں میں ہے۔ ھذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علی ھیئة التضریب-

(تیسری شرط) یہ ہے کہ بہت تھوڑی دیر تک بجایا جاوے- لمعات میں ہے- دل الحدیث علی اباحة مقدار الیسیر- مجمع البحار میں ہے- اقر علی القدر الیسیر فی نحو العرس والعید الخ پس آجکل جو جائز سمجھا جاتا ہے کہ متعدد دف برات کے ساتھ لیکر چلتے ہیں اور بجانے والے بھی کاریگر ہوتے ہیں جو کچھ دنوں تک بجانا سیکھتے ہیں جس میں صاف تطریب ہوتی ہے یہ کیونکر جائز ہوگا جائز ہونے کی صورت حسب تصریحات ان علماء کے صرف یہ ہوسکتی ہے کہ بعد نکاح چند مرتبہ ہاتھ سے دف یا اور کوئی باجہ پیٹ دیا جاوے تاکہ معلوم ہو جاوے کہ نکاح ہو گیا پس قبل نکاح کے برات کے ساتھ دف لیجانا اور اس کو شرعی برات قرار دینا نہایت قبیح اور مذموم ہے اور اس میں شرعاً چند قباحتیں ہیں- اول لہو کیونکہ نکاح ابھی ہوا نہیں یہ اعلان کیسا- دوسرے نمایش کیونکہ برات کے ساتھ دف لیجانے میں سوائے نمایش کے دوسری غرض شرعی نہیں ہوسکتی اور نمایش خود حرام ہے تیسری اسراف کیونکہ بے محل بجایا محل اس کا بعد نکاح ہے لہذا ناجائز پس صورت کے ساتھ علماء متاخرین نے خلاف مذہب دف کے جواز کی صورت لکھی ہے وہ طریقہ مروج نہیں اور جو مروج ہے وہ خود اُن کے نزدیک جائز نہیں علاوہ اس کے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ اعلان نکاح کے واسطے صرف دف کو لوگ جائز سمجھتے ہیں اور دوسرے باجوں کو ناجائز جانتے ہیں یہ ایک نہایت نامعقول بات ہے جن علماء متاخرین نے اعلان نکاح کیواسطے اپنے مذہب کے خلاف دف کی اجازت دی ہے وہی علماء لکھتے ہیں کہ اعلان نکاح کے واسطے دف کی تخصیص نہیں جس باجہ سے ممکن ہو اعلان کر سکتے ہیں مگر جو باجہ ہو تینوں شرائط مذکورہ جو ابھی لکھی گئی ہیں اُن کا لحاظ کرنا بہرحال لازم ہے-

اب ان عبارتوں کو ملاحظہ فرمایئے جن سے دف کی خصوصیت نہیں ثابت ہوتی- قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی رسالہ سماع میں فرماتے ہیں-

"چوں ضرب دف برائے اعلان نکاح حلال یا مستحب باشد دہل و طنبورہ و نقارہ را از

دف چہ تفاوت است برائے شہرت ہمہ حرام است و برائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان از ہر یک میشود فرق کردن در دف وغیرہ آں امریست غیر معقول" اور اسی عدم خصوصیت کی وجہ سے علامہ طحطاوی نے طبلہ کو اعلان نکاح کے واسطے جائز لکھا ہے عبارت یہ ہے وطبل العروس فیجوز حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددی تحقیق الحق المبین میں فرماتے ہیں۔ "پس بر قول مجیب حکم دہل و تاشہ وغیرہ نیز موافق طبل قیاس کن" علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک قاعدہ کلیہ تحریر فرمایا ہے جس سے کل باجوں کا اعلان نکاح کے واسطے بجانا ثابت ہو عبارت یہ ہے۔ ان آلۃ اللھو لیست محرمۃ بعینھا بل لقصد اللھو۔ دیکھو آلہ لہو کو عموماً لکھا ہے کہ بقصد لہو حرام اور بغرض صحیح جائز کیونکہ دف اور غیر دف باجہ ہونے میں برابر ہے۔

پس خلاصہ تحریر یہ ہے کہ اصل مذہب حنفی

یہ ہے کہ دف وغیرہ کل باجے حرام ہیں شادی اور غیر شادی میں کسی وقت جائز نہیں ہاں مذہب شافعی میں صرف ختنہ و نکاح وغیرہ بعض مواقع سرور میں بپابندی شرائط مذکورہ ذیل چوتھی روشنی مباح ہے اور ترک اولےٰ اور جو علماء احناف متاخرین خلاف مذہب جائز لکھتے ہیں وہ دف کی خصوصیت نہیں کرتے بلکہ کل باجوں کو بقصد لہو حرام اور بقصد صحیح مباح کہتے ہیں اور جن صورتوں سے مباح ہے وہ مروج نہیں پس مقلدین امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے لئے خیریت اسی میں ہے کہ ہرگز اس کو اختیار نہ کریں ورنہ سخت خطرہ میں مبتلا ہوں گے۔

(احقر ابو الاسحاق انصاری محمد آبادی) (تتمہ خامس ص ۱۲۱)

عدم قدرت مہر کے وقت نکاح کا حکم

سوال (۳۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کی آمدنی قلیل ہے اور عام رواج ہے کہ مہر کثیر ہوتا ہے کہ جسکو وہ شخص ادا نہیں کر سکتا ایسی صورت میں اس شخص کو نکاح کرنا چاہیئے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اس شخص کی حالت ایسی ہو کہ اس کے لئے نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت ہو کہ وہ ہو یعنی نفس میں ایسا تقاضا ہو کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو بظن غالب یا علی الیقین کسی معصیت میں مبتلا ہو جاوے اور معصیت عام ہے زنا اور نظر حرام اور استمناء بالید کو اور یہ صورت فرضیت و وجوب کی ہے یا اس درجہ کا تقاضا نہ ہو مگر اعتدال کے ساتھ تقاضا ہو اور یہ صورت سنیت کی ہے اور تینوں حال میں نفقہ واجبہ پر قدرت ہو اسی طرح مہر معجل پر قدرت ہو یا مہر موجل ہو گو فی الحال اس پر قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو نکاح کرنا فرض یا واجب یا سنت ہے اور مہر کثیر

پر قدرت نہ ہونا جبکہ وہ موجل ہو ترک نکاح میں عذر نہیں و دلیل الجمیع ما فی الدر المختار ویکون واجباً عند التوقان فان تیقن الزنا الا به فرض نہایہ وھذا ان ملک المھر والنفقة والا فلا اثم بترکہ بدائع ویکون سنة مؤکدة فی الاصح فیاثم بترکہ ویثاب ان نوی تحصینا وولد احال الاعتدال ای القدرة علی وطأ ومھر ونفقة اھ فی ردالمحتار تحت قوله عند التوقان قلت وکذا فیما یظھر لوکان لا یمکنه منع نفسه عن النظر المحرم او عن الاستمناء بالکف فیجب التزوج وان لم یخف الوقوع فی الزنا۔ وفیه تحت قوله وھذا ان ملک المھر والنفقة قلت ومقتضاہ الکراھة ایضاً عند عدم ملک المھر والنفقة لانھما حق عبد ایضاً وان خاف الزنا لکن یأتی (ای فی الدر المختار بعد سطر) انه یندب الاستدانة له وھذا مناف للاشتراط المذکور الا ان یقال الشرط ملک کل من المھر والنفقة ولو بالاستدانة او یقال ھذا فی العاجز من الکسب ومن لیس له جھة وفاء الخ۔

دلالت روایات کی جواب کے اجزاء پر ظاہر ہے صرف دو امر غالباً محتاج تنبیہ ہوں ایک یہ کہ روایات میں متبادر قدرت علی المہر سے قدرت فی الحال معلوم ہوتی ہے اور جواب میں قدرت کو عام لیا ہے فی الحال و فی المآل کو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مہر کی دو قسمیں ہیں تو قدرت بھی عام ہوگی۔ ہر قسم پر اس کے مناسب قدرت ہوگی پس عموم ثابت ہوگیا نیز بالاستدانة اور لیس له جھة وفاء سے بھی مہر مؤجل کو شمول معلوم ہوتا ہے کیونکہ غیر کے مدیون بننے سے منکوحہ کا مدیون بالرضا بننا اقرب الی الجواز ہے کیونکہ اس دین میں خود منکوحہ کے مصالح بھی ہیں اسی طرح زوجین میں باہم محبت و مودت رجاء ابراء کے لئے متوی ہے خصوص نساء ہند میں اور براءت ذمہ وفاء اور ابراء میں مشترک ہے اور صورت وفاء میں بھی تدریج پھر تاجیل بالفراق استدانت غیر سے بھی سہل ہے پھر جواز استدانت کے بعد عسرت کی صورت میں وجوب امہال معلوم ہے پس قدرت علی الاستدانة میں قدرت علی المہر المؤجل بھی داخل ہوگئی۔ دوسرا امر محتاج تنبیہ یہ ہے کہ عبارت مقتضاہ الکراھة الخ سے متوہم ہوتا ہے کہ عدم قدرت علی المہر کی صورت میں باوجود خوف زنا کے مکروہ ہے اور اس کا جو جواب دیا گیا ہے وہ محض ایک توجیہ ہے جس کا حجت ہونا محتاج دلیل ہے اس کا جواب یہ کہ یہ توجیہ محض بحث

نہیں بلکہ روایت استدلانۃً اس میں صریح ہے اور صریح مقدم ہوگیا مقتضاء پر پس ان دونوں امر کی تحقیق کے بعد کوئی جزو روایات مذکورہ کی دلالت سے خارج نہ رہا وللہ الحمد پس صورت مسئولہ میں قیود مذکورہ جواب کے ساتھ نکاح کا تاکد ثابت ہوگیا اور یہی مقصود تھا اب صرف ایک شبہ کا رفع کرنا باقی رہ گیا وہ کہ بعض روایات میں (جو کہ عنقریب مذکور ہوں گی) نکاح میں ادائے مہر کی نیت نہ ہونے پر وعید آئی ہے اور ظاہر ہے کہ مہر کثیر ناقابل تحمل کے ادا کی نیت نہایت مستبعد ہے تو ایسی حالت میں نکاح کرنا ممنوع ہوگا اور اس سے جواب بالا مخدوش ہو جاویگا

اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں یہ الفاظ ہیں:-

نمبر (۱) ینوی ان لا یعطیھا من صداقھا شیئاً الخ

نمبر (۲) وھو ینوی ان لا یؤدیہ الیھا

نمبر (۳) وھو لیس فی نفسہ ان یودی الیھا حقھا خدعھا الخ۔

ان الفاظ میں ادنیٰ تامل کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے سبب عدم نیت ادا پر وعید نہیں ہے بلکہ نیت عدم اداء پر وعید ہے۔ حیث قال ینوی ان لا یعطیھا وھو ینوی ان لا یؤدیہ ولم یقل لا ینوی ان یعطیھا ولا ینوی ان یؤدیہ۔

اور دونوں عنوانوں کا تفاوت ظاہر ہے اور تیسری روایت میں جو لاینوی کا مرادف وارد ہو یعنی لیس فی نفسہ ان یؤدی الخ سو مراد اس سے بھی ینوی ان لا یؤدی ہے جس کا قرینہ اسی روایت میں خدعھا کے ساتھ تفسیر فرمانا ہے کیونکہ خداع میں نیت عدم ادا ہوتی ہے جیسا ظاہر ہے پس سب روایات کا حاصل مشترک نیت عدم اداء ہے نہ کہ عدم نیت اداء۔ البتہ عدم نیت ادا، اگر بلا عذر ہو تو احکام میں وہ بھی بجائے نیت عدم ادا کے ہوتی ہے جیسے پورا وقت نماز کا گزر جائے اور کوئی مکلف اداء کی نیت نہ کرے تو یہ عدم نیت اداء بجائے نیت عدم ادا، کے ہوگی لیکن عذر کی حالت میں اس کا حکم جدا ہوگا اسی لئے میں نے عذر کی قید لگائی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ حالت عذر میں محض صورۃً عدم نیت ہوتی ہے ورنہ واقع میں ادا ہی کی نیت ہوتی ہے اس طرح سے کہ جب عذر مرتفع ہو جاوے گا ادا کر دوں گا پس وہ شبہ بھی رفع ہوگیا اور جواب مذکور خدشہ سے سالم رہ گیا اب وہ روایات نقل کرتا ہوں جن کے کچھ کچھ ٹکڑے جواب شبہ میں نقل کئے گئے ہیں وہ روایات یہ ہیں۔ روی الطبرانی فی الکبیر عن صھیب الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل تزوج امرأۃ ینوی ان لا یعطیھا من صداقھا شیئاً مات یوم یموت

وهوزان الحدیث وفی اسنادہ عمرو بن دینار متروك ورویٰ البزار وغیرہ عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم من تزوج امرأة علیٰ صداق وهو ینوی ان لا یؤدیه الیها فهو زان الحدیث وروی الطبرانی فی الصغیر والاوسط ورواته ثقات عن میمون الکردی عن ابیه رضی الله تعالیٰ عنه قال سمعت رسول الله صلے الله علیه وسلم یقول ایما رجل تزوج امرأة علےٰ ماقل من المهر وکثر ولیس فی نفسه ان یؤدی الیها حقها خدعها فمات ولم یؤد الیها حقها لقی الله تعالیٰ یوم القیٰمة وهو زان الحدیث الروایات کلها فی الترغیب والترهیب فی ذکر الترهیب من الدین۔

نیز یہ امر قابل غور ہے کہ ان روایات میں جو عدم اداء پر وعید ہے اس کی علت اضرار ہے صاحب حق یعنی منکوحہ کا تو اصل وعید کا مدار اضرار و اتلاف حق ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ صاحب حق مطالبہ کرتا ہو اور یہ بلا عذر ٹال مٹول کرے جس کو حدیث مطل الغنی ظلم میں ظلم فرمایا ہے اور عذر میں تو آیت وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ میں خود امہال کو واجب فرمایا ہے یا اس صورت میں ہے کہ صاحب حق سے وعدہ تعجیل کا کیا تھا اور نیت میں تاجیل تھی جس کو اوپر ایک روایت میں خداع فرمایا ہے اور جس صورت میں نہ اضرار و اتلاف ہو نہ خداع نہ ہو بلکہ صاحب حق کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ یہ حق مؤجل ہے اور وہ اُس پر راضی ہو یا من علیہ الحق کو توقع قوی ہو کہ صاحب حق معاف کردے گا خواہ وہ بعد میں معاف کرے یا نہ کرے تو ان دونوں صورتوں میں علت معدوم ہوگی پس حکم وعید بھی معدوم ہوگا اور ہندوستان میں عام عادت سے تاجیل پر رضا معلوم ہے یا توقع ابراء مظنون ہے اس لئے اس حالت میں اداء میں توقف محل وعید نہ ہوگا اور اتلاف حق دین پر وعید کچھ نکاح کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مطلق دین کے اتلاف پر وعید آئی ہے چنانچہ احادیث بالا کی ساتھ ہی کتاب الترغیب والترہیب میں وہ وعید بھی مذکور ہے۔ عن ابی هریرة رض قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم من اخذ اموال الناس یرید اداءها ادی الله عنه (فی الدنیا وفی الآخرة کما رد کلاهما فی هذا المقام ایضًا) ومن اخذ اموال الناس یرید اتلافها اتلفه الله الحدیث اور بھی اس مقام پر اس قسم کی چند حدیثیں وارد ہیں جن میں اشتراء کے بعد ثمن نہ دینے والے کو خائن اور دین ادا نہ کرنے والے کو سارق فرمایا ہے جیسے مہر نہ دینے والے کو زانی فرمایا ہے شاید

نکتہ اس میں یہ ہو کہ مہر بضع کے متعلق ہے جیسا زنا اور ثمن اور دین مال کے متعلق ہے جیسا خیانت و سرقہ سو اس نکتہ کے سبب وعید کے عنوان میں اختلاف ہے ورنہ نفس معنون میں سب برابر ہیں یعنی اصل مقصود اتلاف حق واجب پر معصیت کا حکم فرمانا ہے گو تشبیہ اس معصیت کی ہر مقام پر جدا معصیت سے ہے للتناسب بین طرفی التشبیہ واللہ اعلم۔ ولقبت هذه العجالة بتحقیق التشبیه باهل السفاح + لمن لا یرید اداء المهر فی النکاح۔

۲۰ رجب ۱۳۵۲ھ ہجری (النور رجب ۱۳۵۳ھ ص)

بعد خلوت صحیحہ کے جماع میں زوجین کا اختلاف غیر معتبر ہے

سوال (۲۶۰) اور ایک مسئلہ ضروریہ یہ ہے اذا اختلف الزوجان فی الدخول تو بعض فتاوے میں لکھا ہے القول قولہ وفی بعض القول قولها۔ تو کس پر فتوے ہوگا تو جس صورت میں زوج محلل بعد خلوت صحیحہ و دخول بوجہ خبث باطنی ولالچ دنیاوی دخول سے انکاری ہے اور زوجہ اقراری ہے اور شاہدین اُن کی خلوت صحیحہ وتنہائی کی شہادت دیتے ہیں تو قطع نظر از دخول یہ خلوت صحیحہ دخول مجازاً تو ہے گو حقیقت نہیں اور غالب ظن اس امر کا ہے کہ مرد و عورت جب چار پانچ روز ایک ہی مکان میں بدون ثالث شب باشی کریں تو کیونکر سالم رہیں گے اگرچہ محلل انکار کرے۔

الجواب[۵] - فی الدر المختار اول باب المهر ویجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة وفیه فی احکام الخلوة ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها۔ فی رد المحتار قوله فقالت بعد الدخول یطلق الدخول علی الوطی وعلی الخلوة المجردة والمتبادر منه الاول والمراد هنا الاختلاف فی الخلوة مع الوطی او فی الخلوة المجردة لا فی الوطی مع الاتفاق علی الخلوة لان الخلوة مؤکدة لتمام المهر وفیه ویظهر لی ارجحیة القول الاول (ای ان القول لها لا له) ولذا جزم به المصنف الخ

اس سے معلوم ہوا کہ جب خلوت صحیحہ ہو چکی ہے جیسا سوال سے ظاہر ہے تو یہ اختلاف مضر نہیں کیونکہ خلوت بدون وطی کے بھی موکد ہے تمام مہر کی البتہ اگر خلوت میں بھی اختلاف ہوتا تو اس وقت عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوتا البتہ اگر نکاح فاسد ہو تو اس میں

---

[۵] یہ جواب باعتبار وجوب مہر و عدم وجوب مہر کے ہے اور ایک سوال ایسا ہی کتاب الطلاق میں آتا ہے وہ باعتبار حلالہ و عدم حلالہ کے ہے ۱۲ منہ۔

خلوت مثل وطی کے نہیں فی الدر المختار ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطی فی القبل لا بغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطیہا۔ اور اگر اس میں اختلاف ہو تو بھی عورت کا قول مع الیمین معتبر ہے۔ ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۸۹)

شرائط صحت نکاح باذن غیر ولی

سوال (۳۶۱) فی زماننا اکثر بیوہ عورتیں اپنے جیٹھ اور دیور اور سُسر سے لڑکر علیحدہ ہو جاتی ہیں اور پھر وہ اپنی نابالغ لڑکیوں کا نکاح بلا حصول اذن جیٹھ و سُسر و دیور وغیرہ ورثاء کے اپنی مرضی کے موافق جہاں چاہیں کر دیتی ہیں شرعاً ایسے نکاح درست ہیں یا حرام۔ پھر ایسے نکاحوں سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ اپنے باپ دادا چچا تائے کے متروکہ میں سے حصہ لینے کی مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ اگر یہ لڑکی جس کا نکاح ہوا ہے بالغ ہے اور تصریحاً اس نے اجازت دی ہے یا سنکر سکوت کیا لیکن صحبت کے وقت رضامند ہے تو نکاح ہو گیا ورنہ نکاح نہیں ہوا۔ فی الدر المختار وھو ای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر الخ وفیہ فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لا بد من القول کالثیب البالغۃ الیٰ قولہ او ھو فی معناہ کطلب مہرھا وتمکینہا من الوطی اور جس صورت میں نکاح صحیح ہے میراث بھی ملے گی اور جس صورت میں صحیح نہیں میراث نہ ملے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ (امداد جلد ۲ ص۱۹)

زوجہ سے یہ شرط کرنا الخ

سوال (۳۶۲) زید نے کہا کہ اگر نکاح کروں میں کسی عورت سے بعد نکاح کے اُن پر طلاق ہے اس صورت میں نزدیک حنفی کے طلاق واقع ہو گا یا نہیں باوجود ایسے کہنے کے وہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہونے کا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں نزدیک حنفی کے کوئی صورت ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں۔

سوال (۳۶۳) زید نے کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد اُس سے اس طرح وعدہ کیا کہ تمھاری وفات کے بعد اگر کسی سے میں نکاح کروں تو اُس پر طلاق ہو گا۔ اس صورت میں اُس کی منکوحہ کا انتقال ہو گیا اور زید کو بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہونیکا نہایت اندیشہ ہے اس حالت میں اس کو کسی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں نزدیک حنفی کے اور اگر نہیں تو کسی دوسرے امام کی تقلید جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ دونوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جاوے گی لیکن اگر کسی شخص کو اس قدر غلبہ شہوت کا ہو کہ بدون نکاح زنا کا اندیشہ ہو تو اُس کو جائز ہے کہ شافعی رح کے مذہب پر عمل کرے۔ بعد تحریر جواب ہذا یہ سمجھ میں آیا کہ بلا ضرورت شدیدہ دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرنا چاہئیے اور یہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کر دے اور یہ شخص اُس کو اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے بلکہ اُس عورت سے جا کر صحبت کرے اس سے وہ نکاح نافذ ہو گا ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

بابُ الجہاز والمہر

تحقیق استحقاق مہر در حالت نشوز زن و واپسی جہیز از شوہر

سوال (۳۶۴) کیا بلا حصول طلاق منجانب خاوند بی بی یا اس کا ولی ایسی صورت یا کسی حالت میں کہ بی بی خود یا ولی اس کا عدم موجودگی و بلا اجازت شوہر و عدم رضامندی اُن اشخاص کے کہ جن کی حفاظت میں ہے بجبر چلی جاوے یا اپنے مکان پر لے جاوے مستحق پانے دین مہر و واپسی اسباب جہیز کے شوہر سے ہو سکتے ہیں۔

الجواب۔ مہر مثل دیگر دیون کے شوہر پر دین لازم ہے اور دین نشوز سے ساقط نہیں ہوتا تو اگر عورت بلا اجازت شوہر اپنے والدین کے گھر چلی گئی بوجہ نافرمانی کے گنہگار ہوئی لیکن مہر کا استحقاق باطل نہیں ہوا اور اسباب جہیز کا واپس کرنا یہ بات عرف کے متعلق ہے اگر عرفاً جہیز کو دختر کے ملک کرتے ہوں تو وہ اسباب اس کا مملوک ہے اپنی چیز کی واپسی کا اختیار ہے اور اگر عرفاً شوہر کی ملک کرتے ہوں تو واپس کرنا عورت کو تو جائز نہیں اور ولی کا واپس کرنا رجوع فی الہبہ ہے جو اس کا حکم ہے وہی اس کا جو شرائط و موانع اس کے ہیں وہی اس کے اور واپس کرنا مکروہ ہو گا جو عرفاً دونوں کا مملوک کرتے ہوں تو شئے مشترک ہے بغیر تقسیم[1] واپسی درست نہیں۔ فقط ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (امداد ج ۲ ص ۱۲۴)

حکم اختلاف زوجین در قدر مہر وقت قیام نکاح

سوال (۳۶۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ بحالت قیام نکاح زوج اور زوجہ میں تعداد مہر میں اختلاف ہوا زوج کم بیان کرتا ہے اور زوجہ زیادہ بیان کرتی ہے اور دونوں نے اپنے اپنے تائید قول میں

---

[1] البتہ تقسیم بالتہایؤ یعنی باری باری سے منتفع ہونے کا مطالبہ جائز ہے ۱۲ منہ

گواہ پیش کئے اور زوجہ نے اپنے مہر مثل کی تعداد اپنی ظاہر کی ہوئی تعداد سے بھی زیادہ ثابت کرائی تو اس حالت میں کس کا قول صحیح سمجھا جائے۔

الجواب۔ شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ فی الدالمختار ان کان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح الی قولہ ان اقاما البینۃ فبینتہا مقدمۃ ان شہد لہ مہر المثل وبینہ مقدمۃ ان شہد مہر المثل لہا لان البینات لاثبات خلاف الظاہر۔ واللہ اعلم ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۳۳)

اگر مہر مؤجل کی میعاد ایسی مجہول ہو کہ اُس کی تعیین نہ ہوسکے تو یہ مہر معجل سمجھا جائے گا

سوال (۳۶۶) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ تین برس گزرے جب ہوا اور اولاد بھی پیدا ہوئی اب باہم رنجش ہوئی تو ہندہ کہتی ہے میرا نصف مہر مؤجل تھا اور نصف غیر مؤجل تھا اور کوئی مدّت اور وقت مؤجل کا نہیں بیان کرتی کہتی ہے کہ مجھ کو نصف مؤجل ادا کردو تو تمہارے پاس رہوں گی ورنہ نہیں رہوں گی اب زید نے نالش رخصت کی دائر کی اس حالت میں قاضی کو کیا حکم دینا چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ عورت کے موافق حکم دینا چاہیئے۔ فی الدالمختار ولہا منعہ من الوطی الی قولہ فکما لو شرطا لان الصریح یفوق الدلالۃ اذا جہل الاجل جہالۃ فاحشۃ فیجب حالا غایۃ۔ البتہ اگر شوہر ثابت کردے کہ اجل معلوم ہے اور وہ اجل اب تک نہیں آئی تو عورت کے موافق حکم نہ ہوگا گو اس صورت میں بھی اگر کچھ مہر موجل ہو اس کے لینے تک عورت تسلیم نفس سے عذر کرسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تاریخ بالا)

ضرورت نیت در ادائے مہر

سوال (۳۶۷) زکوٰۃ میں تصریح ہے کہ اداء زکوٰۃ کے وقت اگر نیت نہ کی ہو تو جب تک مال قبضہ فقیر میں باقی رہے زکوٰۃ کی نیت کرلینا جائز ہے کسی نے زوجہ کو مہر دیا لیکن دیتے وقت نیت نہ کی تو کیا اسی پر قیاس کرکے قیام مال فی ید ہا تک نیت جائز ہے اور نیت لاحقہ سے بھی مہر ادا ہوجائیگا یا پھر دینا پڑیگا۔

الجواب۔ جب دینے کے وقت کچھ نیت نہیں کی تو ظاہر ہے کہ یہ تملیک ہبہ ہوئی ادائی دین نہیں ہوئی اور درمختار کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ ہونے کے بعد مہر نہیں بنتا۔ فی باب المہر منہ ولو بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جہۃ عند الدفع غیر جہۃ المہر کقولہ لشمع او حناء ثم قال انہ المہر

لم یقبل قیمته بوقوعه هدیة فلا ینقلب مهرا الخ قلت علله بوقوعه هدیة ووقوعه هدیة یکون بالذکر قضاء وبلا ذکره دیانة فلما لم ینو کونه من المهر وکان کونه مهرا متوقفا علٰے هذه النیة دیانة وقع هدیة فلا ینقلب مهرا۔ بخلاف زکوٰۃ کے کہ خود زکوٰۃ بھی تبرع ہے اور ہدیہ بھی تبرع یہاں کا انقلاب غیر تبرع کی طرف لازم نہیں آتا اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مہر ادا نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول (امداد ج ۲ ص ۴۴)

کیا مہر باقساط ادا کرنا اور نان ونفقہ ساقط کرنا جائز ہے

سوال (۳۶۸) مبلغ دو ہزار روپیہ تعداد مہر اگر اس شرط پر مقرر کی جاوے کہ اخراجات خورونوش و پوشاک ماہوار بھر پانچ روپیہ ادا ہوتے جاویں گے گویا کہ ہر سال میں ساٹھ روپیہ ادا ہوتے رہیں گے تو یہ تعیین مہر جائز ہے یا کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے۔

الجواب۔ عبارت سوال کی واضح نہیں تامل سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سوال کے دو جزو مقصود ہیں اول یہ کہ مہر کا ادا کرنا باقساط متعددہ بحساب ۵ ماہوار قرار پایا ہے دوسرے یہ کہ علاوہ مہر کے جو نان ونفقہ واجب ہوتا ہے اس کو ساقط کر دیا ہے سو اگر یہی مقصود ہے تو جزو اول کا جواب یہ ہے کہ شرط جائز ہے کیونکہ حاصل اس کا مہر کا مؤجل ہونا ہے اور اجل کی یہ صورت ٹھہری ہے سو اس میں کوئی امر مانع جواز نہیں دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ اس سے نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے ساقط نہیں ہوتا کیونکہ وجوب اس کا شیئاً فشیئاً ہے سو جو جزو ابھی واجب نہیں ہوا اس کا اسقاط لغو ہے البتہ جو ایام گزر چکے ہیں ان میں معاف کر دینے سے گزشتہ معاف ہو گیا اور آئندہ کے لئے جب عورت مطالبہ کرے گی دینا واجب ہوگا اور اگر منشاء سوال کا یہ شبہ ہے کہ اسقاط نفقہ ایک شرط فاسد ہے اور تعیین مہر کی بمقدار مذکور مشروط ہے اس شرط فاسد کے ساتھ تو شاید یہ تعیین بھی فاسد ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ تعیین مہر مبادلہ مال بمال نہیں اور ایسے عقود شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ خود شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے اور وہ عقود صحیح رہتے ہیں۔ کما فی الدر المختار قبل باب الصرف۔ ۱۲ رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹)

پچیس روپیہ نقد مہر کے عوض پچیس روپیہ بھر چاندی دینے کا حکم

سوال (۳۶۹) زید کا مہر مبلغ پچیس روپیہ ہے اور اس نے ایک یا دو زیور پچیس بھر کا مہر میں دیدیا عورت اور اس

کے گھر کے لوگ کہتے ہیں کہ چاندی کا نرخ آج کل بہت ارزاں ہے ہم کو پچیس روپیہ کی جتنی چاندی ملتی ہے اسی قدر وزنی زیور ملنا چاہیئے اور شوہر کہتا ہے چاندی چاندی کے مقابل برابر سرابر کا حکم رکھتی ہو ہمارا مہر ادا ہو گیا اگر اس سے زیادہ دیں تو سود لازم آئے گا اس صورت میں زید کے ذمہ سے مہر ساقط ہوا یا مطابق کہنے زوجہ کے اور دینا پڑے گا۔

الجواب ۔ زید کے ذمہ نقد ہے غیر نقد اس کے عوض دینا تراضی طرفین پر ہے اور جس شق پر شوہر راضی ہے اور اس پر عورت راضی نہیں اور جس پر عورت راضی ہے وہ جائز بھی نہیں ہے اس لئے یہ حکم ہے کہ زیور واپس کرے اور نقد دے۔ واللہ اعلم۔ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۹۲)

تحقیق مہر فاطمہ رض

سوال (۳۷۰) ۵۰۰/۲۲ مہر کو عوام مہر شرعی کہتے ہیں اس کا اصل کیا ہے حضرت فاطمہ رض کا مہر سکہ انگریزی سے کس قدر تھا اور اوقیہ کی مقدار کیا ہے۔

الجواب ۔ معلوم نہیں اس اصطلاح کی کیا اصل ہے اور مہر حضرت فاطمہ رض کا مثل دیگر صاحبزادیوں کے ساڑھے بارہ اوقیہ تھا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ سو درہم ہوئے اور درہم کا حساب ایک بار میں نے لگایا تھا چار آنہ چار پائی کا انگریزی سکہ سے ہوتا ہے تو پانچ سو درہم کے ۱۳۱/۵ روپے اور کچھ پیسے ہوئے۔ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۳۳)

تحقیق مہر مؤجل بالموت

سوال (۳۷۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں بابت کہ مسمیٰ زید کا نکاح پانچ چھ سال ہوئے مسماۃ ہندہ کے ساتھ بعوض دو ہزار دین مہر مؤجل ہوا تھا مہر کا کوئی جزو پیشگی ادا ہونا بر وقت نکاح نہیں قرار پایا تھا بعد نکاح زوجہ ہمیشہ اپنے شوہر کے پاس رہی اور اس کے دو تین بچے پیدا ہوئے جو فوت ہو گئے۔ اب زوجہ بوجہ رنجش باہمی اپنے والدین کے یہاں بلا رضامندی اپنے شوہر کے چلی گئی ہے اور اپنے عزیزوں کے اغواء سے اپنا کل زر مہر طلب کرتی ہے اور شوہر کے یہاں آنے سے انکار ہے درانحالیکہ شوہر اس کے بلانے پر رضامند اور اصراری ہے اب تک کسی قسم کی طلاق وغیرہ بھی نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں زوجہ کا زر مہر طلب کرنا شرعاً جائز اور درست ہے یا نہیں اور مسماۃ کو استحقاق وصولی زر مہر کا موجودہ صورت میں حاصل ہے یا نہیں۔ زید کی برادری کا رواج مہر مؤجل ہی کا ہے اور آج تک کسی مسماۃ کو قبل طلاق شوہر کی حیات میں مہر نہیں ادا کیا گیا اور نہ کسی نے طلب کیا اور نہ ایسا رواج ہے البتہ بعد طلاق بالموت وفات شوہر مہر کے لین دین کا رواج ہے۔

الجواب ۔ مؤجل وہ ہے جس میں تاجیل شرط ہو اور جس میں کوئی شرط نہ ہو وہ معجل ہے

گو تعجیل شرط نہ ہو پس اگر یہ شرط ٹھہر جاوے کہ طلاق اور موت تک کی مہلت ہے تب موجل ہوگا اور اگر یہ شرط نہیں ٹھہری گو یہ بھی نہیں ٹھہرا کہ پہلے ہی لیں گے تو وہ معجل ہی ہوگا غالباً سائل نے جیسا کہ طرزِ عبارت سے معلوم ہوتا ہے تعجیل کی شرط نہ ٹھہرانے سے مہر کو مؤجل سمجھ لیا ہے سو یہ صحیح نہیں ہے اور فقہاء نے جو تاجیل بالطلاق والموت کو جائز کہا ہے معنی اس کے یہی ہیں کہ اس طرح تاجیل کی شرط ٹھہر جاوے اور اگر شبہ ہو کہ واقعی تاجیل شرط ہی سے ہوتی ہے مگر عرف بمنزلۂ شرط ہی کے ہے اور سوال میں تصریح ہے کہ ہندہ کا فعل خلاف رواج ہے پس عرف سے مؤجل بالطلاق والموت ہو جانا چاہئے جیسا شرط سے ہوتا جواب یہ کہ اس کا عرف علی الاطلاق ہونا غیر مسلم ہے یہ عُرف اسی وقت تک ہے جبتک کہ ہم موافقت رہے ورنہ رنجش میں مطالبہ کا بھی عرف ہے پس میرے نزدیک شرعاً ہندہ کو استحقاق مطالبہ مہر کا حاصل ہے۔ ۱۹؍رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۵۶)

جو عورت مرض کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو اس کے مہر کا حکم

سوال (۲۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کر کے رخصتی کرا کر اپنے مکان میں لایا جب شب خلوت کو ارادہ مجامعت و مصاجعت کا کیا تو مقام دخول کو بالکل ضیق و تنگ ملا معلوم پایا فی زماننا طبیبہ فاضل میم پاس کردہ شدہ سے تجویز و ملاحظہ کرایا گیا۔ میم مذکورہ نے بعد ملاحظہ کے صاف طور سے کہدیا کہ یہ عورت فی الحقیقت عورت ہی نہیں ہے بلکہ مخنثہ ہے اور یہ حرج ہرگز و ہر آئینہ اصلاح پذیر نہیں ہو سکتا ہے اور کبھی ہرگز مرد کے لائق ہی نہیں ہو سکتی ہے پس ایسی صورت میں ہندہ اپنا مہر زید سے پا سکتی ہے یا نہیں اور بر تقدیر اول کس قدر مہر پا سکتی ہے اور بر تقدیر دغا و فریب دیدہ و دانستہ ولی ہندہ نے جو شادی کر دی زید اپنی شادی کا خرچ پا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب المھر وخلوۃ مبتدأ خبرہ قولہ الآتی کالوطی بلا مانع حسی وطبعی وشرعی ومن الحسی رتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعفل بفتحتین غدۃ الخ فی رد المحتار قولہ عظم فی البحر عن المغرب القرن فی الفرج مانع یمنع من سلوک الذکر فیہ اما غدۃ غلیظۃ او لحم او عظم قولہ عفل بالعین المھملۃ والفاء وقولہ غدۃ بالغین المعجمۃ ای فی خارج الفرج ففی القاموس انہ شئ یخرج

من قبل المدعٰی شبیھۃ بالادرۃ للرجال جلد ۲ ص ۵۵۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ محض ایسے امراض کے ہونے سے یہ نہیں کہ عورت عورت نہ رہے البتہ خلوت ایسی عورت کے ساتھ حکم جماع میں نہیں اس لئے اس خلوت سے پورا مہر لازم نہ آوے گا البتہ اگر اس کو طلاق دے گا تو نصف مہر لازم آوے گا اور اگر زوجین میں سے کوئی مرگیا تو پورا مہر لازم ہوگا۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۲)

رسالہ[1] تعدیل اھل الدھر فی درجۃ تقلیل المھر

تمہید (تحقیق تقلیل مہر)

سوال (۳۷۳) منجانب ریاست جاورہ ایک خط مع مضمون متعلق تجویز انسداد زیادت مہر بغرض مشاورت آیا جس کا جواب یہاں سے لکھا گیا اول خط کی نقل کیجاتی ہے پھر جواب جس میں اس مضمون کا خلاصہ لے لیا گیا ہے نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون خط ریاست جاورہ

بخدمت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دام فیضہ السلام علیکم

جاورہ ایک اسلامی ریاست ہے یہاں کے مسلمان حیثیت سے بہت زیادہ مہر باندھتے ہیں جس کو وہ کسی طرح ادا نہیں کرسکتے یہ بے اعتدالی مذہبی نقطۂ نظر سے بھی قابل تدارک ہے۔ میری ہدایت کے موافق یہاں کے مفتی صاحب شہر نے منسلکہ تجویز پیش کی ہے اس میں بھی حسب حیثیت صاف حدبندی نہیں اس لئے مکلف خدمت ہوں کہ اگر تجویز میں ترمیم کی گنجائش ہو تو از راہ کرم اصلاح فرمادی جاوے یا شرعی احکام کے تحت میں ایسی تجویز تحریر فرمائی جائے جس سے مذکورہ بے اعتدالیوں کا سدباب ہوجاوے۔ فقط

الجواب۔ اس مفصل تجویز کا مجمل حاصل یہ سمجھ میں آیا ہے کہ احادیث سے تقلیل مہر کی مطلوبیت معلوم ہوتی ہے مگر اس تقلیل کی کوئی خاص حد نہیں بلکہ معیار اس کا سہولت اداء و استطاعت ہے لیکن اگر باوجود اس کے کوئی شخص بہت زیادہ مہر

---

[1] اس رسالہ کو رسالہ بالا التنبیہ لاہل السفاح سے خاص تناسب ہے کیونکہ اول نے میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی مانعیت عن النکاح کی نفی مقصود ہے اور ثانیہ میں بعض صورتوں میں تکثیر مہر کی ممنوعیت فی النکاح کا اثبات مقصود ہے ۱۲ منہ

کا التزام کرے تو وہ سب واجب ہو جاوے گا اور حضرت عمر رضہ سے جو بعض روایات میں چالیس اوقیہ سے زائد ٹھیرانے پر زائد کو بیت المال میں داخل کرنے کی رائے منقول ہے جس سے تحدید معلوم ہوتی ہے سو ایک عورت کے محاجہ پر آپ نے اس سے رجوع فرمالیا۔ (وہٰذا کلہ فی الدر المنثور) غرض تحدید مشروع نہیں پھر سہولت اداء واستطاعت ہر ایک کے اعتبار سے جدا ہے نیز ہر ایک کی استطاعت کا علم بھی نہیں ہوسکتا ان موانع شرعیہ وحسیہ کے سبب کسی مقدار کا مقرر کرنا قضاءً جائز نہیں لیکن چونکہ مہر کے ایک معتد بہ حصہ کی تقدیم یعنی قبل دخول ادا کرنا بھی واجب یا مستحب ہے۔ علیٰ اختلاف العلماء (کما فی رد المحتار باب المہر تحت قول الدر المختار وروایۃ الاقل تحمل علی المعجل) اور بعض جگہ مقدم ومؤخر کی تنصیف کا عرف بھی ہے اس لئے اگر قضاءً یہ تجویز کر دیا جاوے کہ نصف مہر معجل بمعنی مقدم اور نصف مؤجل بمعنی مؤخر الی الاجل المشروط او المعروف ہونا چاہیئے تو اس صورت میں تحدید بھی نہ ہوگی اور اصل مقصود یعنی تقلیل مہر بقدر استطاعت بھی حاصل ہو جاوے گا کیونکہ استطاعت سے زائد کا نصف دینا بھی عادۃً متعذر ہے اھ۔

اگر تجویز کا یہی حاصل ہے تو جواباً عرض ہے کہ مقدمات سب صحیح ہیں مگر اس میں ایک جزو اور قابل اضافہ ہے وہ یہ کہ اگر مہر کثیر کی کسی مقدار کا کسی جماعت میں عام رواج ہو جائے تو تاوقتیکہ رواج نہ بدلے اُس وقت تک وہی مقدار کثیر شرعاً مہر مثل قرار دی جاوے گی اور بہت سے احکام (جیسے اُس سے کم پر بعض صورتوں میں نکاح کا صحیح نہ ہونا اور بعض میں قابل فسخ ہونا وغیر ذالک) اُس مقدار کے ساتھ متعلق رہیں گے البتہ خود اس رواج کا بدلنا ایک درجہ میں پھر بھی مامور بہ رہے گا۔ اب اس اضافہ کے بعد تجویز مذکور کے متعلق عرض ہے اول کچھ روایات لکھتا ہوں جن سے مسئلہ کا تعلق ہے پھر اُن کا نتیجہ عرض کروں گا۔

الروایات ہٰذہ الروایۃ الاولیٰ۔ فی الہدایۃ کتاب الکراھیۃ ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس لقولہ علیہ السّلام لا تسعروا الحدیث ولان الثمن حق العاقد فالیہ التقدیر فلا ینبغی للامام ان یتعرض لحقہ الا اذا تعلق بہ دفع ضرر العامۃ علیٰ ما نبیّن الیٰ قولہ فان کان ارباب الطعوم یتحکمون ویتعدون عن القیمۃ تعدیا فاحشاً وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتسعیر فحینئذ لا باس بہ

بمشورة من اهل الرأی والبصیرة فاذا فعل ذلك وتعدی رجل من ذلك
وباع باكثر منه اجازه القاضی وهذا ظاهر عند ابی حنیفة رح لانه لایری الحجر
علی الحر وكذا عندهما الا ان یكون الحجر علی قوم باعیانهم اه فی البنایة
ای كذا ظاهر عندهما لانهما وان رأیا الحجر لكن علی حر معین او قوم باعیانهم
اما علی قوم مجهولین فلا وههنا كذلك فلا یصح اه

الروایة الثانیة فی روح المعانی تحت قوله تعالیٰ اطیعوا الله واطیعوا
الرسول واولی الامر منكم وهل یشمل (المعروف) المباح ام لا فیه خلاف
فقیل انه لایجب طاعتهم فیه لانه لایجوز لاحد ان یحرم ما حلله الله
ولا ان یحل ما حرمه الله وقیل یجب ایضاً كما نص علیه الحصكفی وغیره
وقال بعض محققی الشافعیة تجب طاعة الامام فی امره ونهیه ما لم یأمر بمحرم
وقال بعضهم الذی یظهر ان ما امر به مما لیس فیه مصلحة عامة لایجب
امتثاله الا ظاهراً فقط بخلاف ما فیه ذلك فانه یجب باطناً وكذا یقال فی المباح
الذی فیه ضرر للمأمور به اه (قلت ولهذا الظاهر یجمع بین جمیع الاقوال
فالوجوب یحمل علی الظاهر وعدم الوجوب علی الباطن وفیما یضر العامة
علی الوجوب ظاهراً وباطناً والقواعد تقتضی ترجیح هذا الظاهر والله اعلم)

الروایة الثالثة فی الهدایة كتاب احیاء الموات فصل كری الانهار
فالاول (ای النهر الذی هو غیر مملوك لاحد) كریه علی السلطان من
بیت مال المسلمین فان لم یكن فی بیت المال شیٔ فالامام یجبر الناس
علی كریه احیاءً لمصلحة العامة اذ هم لایقیمونها بانفسهم وفی مثله
قال عمر رض لو تركتم لبعتم اولادكم الا انه یخرج له من كان یطیقه و
یجعل مؤنته علی المیاسیر الذین لایطیقونه بانفسهم اه۔

الروایة الرابعة فی الدر المختار تكبیرات العیدین عن المعراج
طاعة الامام فیما لیس بمعصیة واجبة وفیه بعد اسطر ان امر الخلیفة
لایبقی بعد موته او عزله كما صرح به فی الفتاویٰ الخیریة وبنی
علیه انه لو نهی عن سماع الدعویٰ بعد خمس عشرة سنة لایبقی

نہیہ بعد موتہ واللّٰہ اعلم اھ

الروایۃ الخامسۃ فی رد المحتار کتاب الحجر تحت قول الدر المختار بل یمنع مفت ماجن وطبیب جاھل ومکار مفلس ما نصہ اشار بہ الیٰ انہ لیس المراد حقیقۃ الحجر وھو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لو افتی بعد الحجر واصاب جاز وکذا الطبیب لو باع الادویۃ نفذ فدل علیٰ ان المراد المنع الحسی کما فی الدر عن البدائع اھ۔

اب روایات پر نتیجہ کو متفرع کرتا ہوں کہ تجویز مذکور بوجہ جامعیت درعایت تمام جوانب شرعیہ وعادیہ کے نہایت مستحسن ومناسب ہے اس وقت اس سے اچھی تجویز میرے ذہن میں حاضر نہیں اور زیادہ سوچنے کی فرصت نہیں مگر اس میں قابل غور یہ امر ہے کہ اس تجویز کی تنفید کا درجہ کیا ہوگا اگر قانون لازمی بنانا ہے اس طرح سے کہ اگر متنا کحین اس کے خلاف معاملہ کریں یعنی نصف مہر پیشگی نہ دیا جاوے تو اس معاملہ کو باطل اور کالعدم کہا جاوے اور جبراً نصف مہر کی تقدیم پر مجبور کیا جاوے تب تو شرعاً ایسا قانون بنانا جائز نہیں۔ **دلیلہ الروایۃ الاولیٰ** اگر اس پر شبہ کیا جاوے کہ حاکم مسلم کو گو ایسا عام قانون بنانے کا اختیار نہ ہو جس سے حکم شرعی کے تغیر کا ایہام ہو مگر وقتی طور پر بعض تصرفات مالیہ میں حکم امتناعی دینے کا تو اختیار ہے جس کا مکمل قانون کتب فقہیہ کے کتاب الحجر میں مذکور ہے اور حجر کی حقیقت یا لازم بطلان تصرف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہاں اسباب حجر نہیں جیسا ظاہر ہے اور اسباب حجر کی صورت میں بعد منع امام بھی تصرف کو باطل نہیں کیا جاتا۔ **دلیلہ الروایۃ الخامسۃ** حیث لم یبطل بیع الادویۃ وغیرھا بعد المنع ایضاً۔

دوسرے اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مجور علیہ معین ہو خواہ منفرد ہو یا جماعت چنانچہ روایت اولیٰ میں اس کی بھی تصریح ہے فی قولہ فاذا فعل ذلک الیٰ قولہ فلا یصح اور ظاہر ہے کہ محل متکلم فیہ میں کوئی جماعت بھی معین نہیں مجور علیہ ہمیشہ بدلتے رہیں گے اس لئے حجر کا قاعدہ بھی یہاں جاری نہیں ہو سکتا اور اگر یہ شبہ ہو کہ گو زیادت مہر مباح ہے لیکن اگر حاکم مسلم کسی مباح کو منع کردے محکومین پر اطاعت واجب ہو جاتی ہے اور

واجب کے ترک پر تعزیر جائز ہے پس تنقید بطور حجر کے نہ ہوحتیٰ کہ زیادت مہر یا تاجیل مہر کے التزام کو باطل نہ کیا جاوے لیکن خلاف کرنے پر تعزیر مقرر ہو اور وجوب اطاعت امراء مسلمین آیات واحادیث میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا محل وہی امر ہے جو فی نفسہ مباح ہے ورنہ واجب یا حرام میں خود امر و نہی شرعی کافی ہے اس میں اولی الامر کا کیا دخل اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو خود یہ مسئلہ ذات خلاف ہے جس میں تحقیق یہ ہے کہ اگر وہ امر ایسا ہو کہ اس میں مصلحت عامہ ہے اور خلاف میں ضرر عام اس میں تو اطاعت ظاہراً و باطناً واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو صرف ظاہراً واجب ہے تاکہ فتنہ نہ ہو باطناً واجب نہیں کیونکہ اپنے ضرر کے التزام کا ہر شخص کو اختیار ہے اور اگر اس سے قطع نظر کرکے اطاعت مطلقہ کو بھی واجب کہا جاوے تب بھی حاکم کو تو ایسا جبری حکم دینا جائز نہ ہوگا گو بعد حکم اطاعت واجب ہو یہ سب تفصیل روایت ثانیہ میں اور اسی طرح ضرر عام کی قید روایت ثالثہ میں مذکور ہے اور حاکم کے لئے ایسے حکم کے عام جواز کی تائید حدیث مسلم فضائل فاطمہ رضؓ میں صریح ہے۔ عن المسور بن مخرمة فی قصة خطبة علی رضؓ بنت ابی جهل قال صلے اللہ علیہ وسلم انی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً الحدیث۔

دیکھئے آپ نے باوجود ناخوشی کے حضرت علی رضؓ کو نہی نہیں فرمائی بلکہ اس نہی کو تحریم حلال میں داخل فرمایا اسی طرح حضرت بریرہ رضؓ کو مغیث رضؓ سے نکاح کرنے کا باوجود رجحان کے امر نہیں فرمایا بلکہ ان کے اس پوچھنے پر کہ یا رسول اللہ تأمرنی آپ نے جواب دیا انما اشفع جس پر انہوں نے عذر کیا لاحاجة لی فیه اور آپ نے مجبور نہیں فرمایا کذا فی المشکوٰۃ باب بعد باب المباشرۃ عن البخاری واما امرہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ رضؓ وزینب رضؓ بالنکاح فکان للمصلحة العامة التشریعیة فی مثل هذا المقام او هو من خصوصیاته صلے اللہ علیہ وسلم فی خصوص الواقعہ او کان لمعالجة النخوة وهو من باب ازالة المنکر۔

پھر اس سبب سے قطع نظر کرکے ایسا حکم دائمی نہیں ہوسکتا حاکم کی حیات تک باقی رہے گا پھر باطل ہو جائے گا اُس کے بعد کے حاکم کو خصوصیت کے ساتھ تجدید کی حاجت ہوگی۔ کمافی الروایة الرابعة۔ اور اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ جب زیادت مہر ایک درجہ

میں منکر ہے تو حاکم مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت میں مخالفت کرنے والے کو سزا دینا جائز ہے جیسا عام منکرات میں اجازت ہے جواب یہ ہے کہ یہ منکر درجہ معصیت میں نہیں جس پر سزا دینا جائز ہو یہ ایسا ہی منکر ہے جیسا طلاق بلا وجہ کہ حدیث میں اس کو ابغض فرمایا ہے اور مہر میں تو کوئی ایسا لفظ بھی وارد نہیں پھر بھی طلاق پر کوئی سزا نہیں اگر کہا جاوے کہ بعض احادیث میں اداءِ مہر کی نیت نہ ہونے پر تشبیہ بالزانی کی وعید آئی ہے جس سے اس کا معصیت ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مقدار زائد از تحمل کے لئے عدم نیت اداء عادۃً لازم ہے جواب یہ ہے کہ وہ وعید تکثیر مہر پر نہیں بلکہ نیت عدم اداء یا عدم نیت اداء پر ہے اور اس کے لئے نہ تکثیر مستلزم ہے نہ تقلیل مانع دونوں کے ساتھ اس کا تحقق و عدم تحقق مجتمع ہو سکتا ہے دوسرے علت اس وعید کی خداع ہے جیسا اس حدیث کے بعض طرق میں مصرح ہے اور جب منکوحہ کو معلوم ہو اور وہ اس پر راضی ہو تو علت نہیں پائی گئی اس کی پوری بحث احقر کے رسالہ[۱] تحقیق التشبیہ باہل السفاح۔ لمن لا یرید اداء المہر فی النکاح۔ میں ہے پس اس کا معصیت موجبہ لاستحقاق التعزیر ہونا ثابت نہ ہوا۔ یہ سب کلام اُس صورت میں ہے کہ جب اصل تجویز کی تنفید درجہ جبر میں ہو اور اگر محض درجہ ترغیب و مشورہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہر طرح مستحسن ہے جیسا کہ ظاہر ہے اگر شبہ کیا جاوے کہ دیکھئے روایت اولےٰ میں تسعیر جبری کو فی نفسہ ناجائز کہا گیا ہے مگر تعدی فاحش کے وقت جبر کی بھی اجازت دی گئی اسی طرح اگر تقلیل مہر پر جبر کو فی نفسہ ناجائز کہا جاوے مگر جب تکثیر سے تعدی فاحش ہونے لگے تو اس میں بھی جبر کی اجازت دی جاوے بلکہ درمختار کتاب الکراہتہ میں عام غلا میں امام مالکؒ کا قول وجوب تسعیر کا منقول ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں عدم تسعیر میں ضرر عام ہے اور یہاں تکثیر مہر یا عدم تعجیل میں ضرر خاص ہے جس پر زوج و زوجہ راضی ہیں فافترقا اس سے ایک دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ احتکار اقوات میں مخالفت پر تعزیر مشروع ہے کما فی الدر المختار کتاب الکراہتہ

فان لم یرجع بل خالف امر القاضی عزرہ بما یراہ رادعا لہ اھ

جواب ظاہر ہے کہ اس میں ضرر عام ہے اور اگر شبہ کیا جاوے اور غالباً یہ آخری شبہ ہے کہ امر مجتہد فیہ میں حاکم مسلم اگر ایک شق متعین کر دے تو وہ واجب ہو جاتی ہے اور تقدیم بعض

---

[۱] یہ رسالہ وضع ترتیبی میں رسالہ ہذا کے متصل ہے ۱۲۔

مہر کا وجوب مجتہد فیہ ہے جیسا خلاصۃ سوال میں مذکور ہوا اور ترک واجب پر تعزیر جائز ہے جواب یہ ہے کہ یہ بعض متعین نہیں خاتم حدید دینے سے بھی بشرط رضائے زوجہ یہ واجب ادا ہو جاتا ہے پس اس سے نصف مہر کے ادا کی تقدیم کا وجوب کیسے ثابت ہوا ولیکن هذا اخر الکلام + فی هذا المقام + والله ولی الاحکام + فی کل حلال وحرام + وادنی تسمیۃ هذه العجالۃ بتعدیل اهل الدهر + فی درجۃ تقلیل المهر و تلقیبها بحسن المشاورۃ + فی استفسار ریاستہ جاورہ - والحمد لله المفضال المنعام علی اتمام المرام - وصلی الله تعالیٰ علی نبیہ سید الانام + الف الف صلوٰۃ وسلام الی یوم القیام - ۲۷ رجب یوم الجمعۃ ۱۳۵۲ھ (النور شعبان ۱۳۵۳ھ)

قبض بودن تخلیہ صاحب حق

سوال (۳۷۴) ایک عورت اپنا مہر نہ لیتی ہے اور نہ خاوند کو معاف کرتی ہے ایسی حالت میں مرد کیونکر سبکدوش ہو سکتا ہے۔

الجواب- اُس کے سامنے کہہ کر ایسی طرح رکھدے کہ اگر وہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکے اور وہاں سے ہٹ جاوے سبکدوش ہو جاوے گا پھر اگر وہ عورت نہ اٹھاوے گی اور کوئی اور اٹھاوے گا تو وہ روپیہ اُس عورت کا ضائع ہو جاوے گا شوہر سبکدوش ہو جاوے گا اور اگر پھر شوہر نے اٹھا لیا تو شوہر کے پاس امانت رہے گا اس میں تصرف شوہر کو جائز نہ ہوگا۔ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۳۵)

حکم معاف کردن منکوحہ حقوق خود بذمہ شوہر

سوال (۳۷۵) اگر عورت بلا جبر و اکراہ محض اپنی خوشی و اپنی کسی مصلحت سے اپنے تمام حقوق متعلقہ شوہر ایک خاص مدت کے لئے یا ہمیشہ کے لئے معاف کر دے یا کوئی خاص حق معاف کر دے تو شوہر اس سے ان حقوق کے متعلق کیا بری ہے۔

الجواب- جی ہاں مگر اس عورت کو اُس وقت کے بعد بھی ہر وقت حق رجوع ہے اور شوہر پر واجب ہے کہ اس کی اطلاع اس کو کر دے کہ تم کو ہر وقت حق رجوع ہے۔

۲۵ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص۵۸)

ترجیح عدم عفو مہر در صورت کثیر بودن مال متروکۂ میت

سوال (۳۷۶) زید کا انتقال ہوا۔ دو بھائی ایک بہن۔ والدہ زوجہ وارث چھوڑے اور مال بھی اتنا چھوڑا کہ زوجہ کا مہر ادا ہونے کے بعد بھی بہت مال باقی رہے گا مگر زید کے بھائی بہن والدہ۔ مہر و حصہ ترکہ کی زوجہ

سے معافی چاہتے ہیں کچھ دینا نہیں چاہتے اس صورت میں معاف کردینا بہتر ہے یا لے لینا۔

الجواب - ظاہراً تو معاف کردینا بہتر ہے لیکن نظر غائر سے لینا افضل ہے کیونکہ اس معافی چاہنے کا مبنیٰ حرص ہے جو کہ مذموم ہے اور معاف کرنا اعانت ہے اُس مذموم کی۔

رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۹۵)

ایک ہندو عورت کے سوالات در بارہ اسلام و جہیز و زیور و دختر خود وغیرہ

سوال (۳۷۷) میں اہل ہنود ہوں اور عرصہ آٹھ سال سے بیوہ ہوگئی ہوں اور میں نے اپنی مذہبی رسوم کے موافق اپنی دختر بعمر دس سال کی شادی کردی ہے لیکن ابھی رخصتی (گونا) حسب رواج نہیں ہوا اب ہم دونوں کیا مسلمان ہوسکتے ہیں۔

الجواب ہوسکتے ہیں۔

س۔ اور مسلمان ہوجانے کی صورت میں میری دختر کی خسرال والے کسی قسم کا عدالت میں دعویٰ کرسکتے ہیں۔

ج۔ عدالت کا قانون تو وکلاء سے پوچھیں باقی شریعت کا حکم یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی نکاح ٹوٹ جاوے گا اور خسرال والوں کو کوئی حق دعوے کا نہ رہے گا بلکہ اگر لڑکی نابالغ ہو تو ماں ہی کے مسلمان ہونے سے لڑکی کا نکاح ٹوٹ جاوے گا۔

س۔ اس لڑکی کی شادی میں میں نے مذہبی رسوم کے موافق مبلغ سات سو روپے نقد اور تخمینی پانسو روپے کا جہیز دیا ہے جس پر لڑکی کے سسرال والے اور لڑکی کا شوہر قابض ہیں اور لڑکی کی سسرال سے دو سو روپے کا زیور لڑکی کو پہنایا گیا ہے جو میرے پاس ہے مسلمان ہونے کی صورت میں میں اور میری لڑکی اس سامان سے جو نقد جہیز میں دیا گیا ہے دستبردار ہوسکتے ہیں۔

ج۔ اگر لڑکی بالغ ہے تو اس کی دستبرداری جائز ہے اور اگر نابالغ ہے تو نہ اس کی دستبرداری جائز ہے اور نہ ماں کی جب تک کہ لڑکی بالغ نہ ہو۔ ۱۲ صفر ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۳۵)

حکم معافی مہر صغیرہ بعوض طلاق

سوال (۳۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی جس کی عمر چودہ برس کی ہے اور شوہر اُس کا بالغ ہے لڑکی کے بلوغ کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہے اور اس کا چچا دوسری جگہ موجود ہے اور والدہ والدماں کے کوئی نہیں ہیں وارث چچا ہی ہے وہ لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے اگر لڑکی اپنا مہر

بخشنا چاہے توکس طرح بخشے اگر اس کا چچا منظور کرے تو وہ کس طرح بخشے شوہر اس کا اسی مہر بخشنے کی شرط پر طلاق دینا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ چونکہ وہ نابالغ ہے اس لئے اگر چچا بھی منظور کرے تب بھی مہر معاف نہیں ہو سکتا اگر شوہر طلاق دیگا تو ہو جاوے گا مگر مہر ساقط نہ ہوگا۔ فی الدر المختار خلع الاب صغیرتہ بمالھا ومہرھا طلقت فی الاصح کما لو قبلت ھی وھی ممیزۃ ولم یلزم المال لانہ تبرع الی قولہ وان شرط ای الزوج الضمان علیھا ای الصغیرۃ فان قبلت وھی من اھلہ بان تعقل ان النکاح جالب والخلع سالب طلقت بلا شئ بعدم اھلیۃ الغرامۃ وان لم تقبل اولم تعقل لم تطلق وان قبل الاب فی الاصح زیلعی ولو بلغت واجازت جاز فتح فی رد المحتار قولہ وان قبل الاب لان قبولھا شرط وھو لا یحتمل النیابۃ فتح قولہ فی الاصح وفی روایۃ یصح لانہ نفع محض اذ تتخلص من عھدتہ بلامال فتح جلد ۲ صفحہ ۹۳۵-الی ۹۳۸- ۳ رمضان ۱۳۲۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۷)

بابُ المحرّمات وغیرہا

حکم نکاح باد ختر مزنیہ خود

سوال (۳۷۹) ہندہ زید کی مزنیہ فرع ہے جس کا باپ عمرو ہے زید کا نکاح اُس سے جائز ہے یا نہیں بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہو جاتی ہے لیکن زید کہتا ہے کہ اگر ہندہ سے میرا نکاح ہو جائے تو میں تمام کبائر سے جس میں اب مبتلا ہوں تائب ہو جاؤں گا ایسی صورت میں اگر اور کسی امام کے مذہب پر جن کے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرہ نہ ہو عملدرآمد کیا جائے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ چونکہ ترک تقلید شخصی بلا ضرورت شدیدہ بدلائل صحیحہ ناجائز ثابت ہو چکی ہے اور زید کا یہ عذر حد ضرورت شدیدہ میں داخل نہیں لہٰذا حنفی کو اس باب میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ عجب بات ہے کہ اگر اس کی اجازت ہو جائے تو سب کبائر سے توبہ کرلوں اول تو یہ خود کبیرہ ہے پس یہ کہنا ایسا ہے کہ اگر رشوت کی اجازت ہو جائے تو سود سے توبہ کرلوں دوسرے توبہ کرے گا تو کس پر احسان

ہے اور نہیں کرے گا تو کس کا نقصان ہے معاذ اللہ یہ تو گویا شریعت پر دباؤ ڈالنا ہوا سو عمل بالشرع اپنی فلاح کے لئے ہے شرع مستغنی محض ہے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یمنون علیك ان اسلموا۔

تیسرے اگر اس وقت بھی توبہ نہ کرے تو کوئی کیا کرے گا نفع موہوم کے لئے یقینی ضرر کی اجازت دیگر کون وبال میں گرفتار ہو۔ فقط ۱۸ رشعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص۳۵ ج ۲)

حکم زنے کرد باوجود شوہر با دیگر نکاح کند

سوال (۳۸۰) ایک عورت اپنے مرد سے چھپ کر دوسرے مرد کو لیکر دوسری جگہ چلی گئی اور اس کے ساتھ نکاح کر لیا چند روز کے بعد اس عورت کو اُس کے مرد نے تلاش کرنے سے پایا اپنے مکان پر لایا اب وہ عورت اس بُرے فعل سے توبہ کرتی ہے اب وہ مرد کس طرح رکھ سکتا ہے نکاح پھر کرنا چاہیئے یا بغیر نکاح رکھنا چاہیے اور اس کے واسطے کیا کفارہ ہے جیسا شرع شریف سے حکم ہو عمل میں لایا جائے۔

الجواب۔ چونکہ بدفعلی سے نکاح نہیں ٹوٹا اور غیر شوہر سے جو نکاح کر لیا تھا وہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوا اس لیے شوہر اول کا نکاح باقی ہے بس اب اس کو پھر نکاح کرنے کی ضرورت نہیں بغیر تجدید نکاح اپنی بی بی کو رکھ سکتا ہے اور اس کا کفارہ صرف توبہ خالصہ ہے کہ جو حق تعالیٰ کے روبرو خوب عاجزی اور پشیمانی سے عذر کرے اور آیندہ پختہ عہد کرے کہ ایسی حرکت نہ کرے البتہ اسی شوہر کے لئے مستحب ہے کہ جس سے وہ عورت اُس غیر مرد کے پاس سے علیحدہ ہوئی ہے اُس وقت سے جب اس کو حیض آچکے تب اس سے صحبت کرے لیکن اگر حیض آنے کا انتظار نہ کرے تب بھی گناہ نہیں صرف بہتر ہے فی الدر المختار وکذا لا عدۃ لو تزوج امرأۃ الغیر ووطئھا عالما بذلك وفی نسخ المتن ودخل بھا ولا بد منہ وبہ یفتی ولھذا یحد مع العلم بالحرمۃ۔ لانہ زنا والمزنی بھا لا تحرم علی زوجھا وفی شرح الوھبانیۃ لو زنت المرأۃ لا یقربھا زوجھا حتی تحیض لاحتمال علوقھا من الزنا فلا یسقی ماءہ زرع غیرہ فلیحفظ لغرابتہ۔ اھ وفی رد المحتار قولہ والمزنی بھا لا تحرم علی زوجھا فلہ وطیھا بلا استبراء عندھما وقال محمد لا احب لہ ان یطأھا مالم یستبرءھا کما مر فی فصل المحرمات قولہ فلیحفظ لغرابتہ۔ امر بحفظہ۔ لا لیعتمد بل لیجتنب بقرینۃ قولہ لغرابتہ ای قولہ فقد ظھر بما قررناہ الفرق بین جواز وطئ الزوجۃ اذا رأھا تزنی و

بیین عدم جواز التی تزوجها وھی حبلی من زنا فاغتنمہ اھ۔

البتہ اگر اس دوسرے غیر مرد کو خبر نہ ہوتی کہ یہ عورت کسی کی منکوحہ ہے اور پھر اس سے نکاح کر لیتا تو اس صورت میں گو اس شوہر اول کے پاس آتی تو اس کو تین حیض آنے کے بعد صحبت درست ہوتی فی الدر المختار عقیب القول المذکور بخلاف ما اذا لم یعلم حیث تحرم علی الاول الان تنقضی العدۃ وفیہ ایضا الموطوءۃ بشبہۃ ومنہ تزوج امرأۃ الغیر غیر عالم بحالھا الی قولہ ولم یکتف بحیضۃ احتیاطاً اھ ھذہ العبارات کلھا فی باب العدۃ۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۲ ص ۵۰)

ثبوت حرمت مصاہرۃ کے لئے شہادت کا ضروری ہونا

سوال (۳۸۱) ہندہ نے ایک یا دو مردوں اور ایک یا دو عورت سے کہا کہ خسر نے میرے ساتھ بُرا فعل کیا ہے وہ لوگ اس کی زبان کے شاہد ہیں اور اب ہندہ خود منکر ہے اور ایسا ہی ہندہ کی ساس نے بھی کہا کہ میرا خاوند اپنی بہو سے بد فعلی کرتا ہے جن سے کہا وہ لوگ مقر ہیں مگر ہندہ کی ساس منکر ہے ایک شخص عادل طالب علم شہادت دیتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ شہوۃ کے ساتھ ہندہ کے خسر نے ہندہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ دن میں دروازہ بند کر کے ہندہ اور خسر اس کا ایک لحاف میں غلطاں ہیں اور قرائن خارجیہ سے بھی اس شخص کا حال ایسا ہی معلوم ہوتا ہے موضع کے لوگ اکثر جو ثقات ہیں وہ ان امور کے وقوع کے قائل ہیں تو ایسی صورت میں کہ چند عورت اور چند مرد تنہا تنہا متفرق اوقات اور متفرق ایام کی شہادت دیں اور لامس اور ملموسہ دونوں منکر ہیں تو کیا حرمت مصاہرۃ ثابت ہو کر تفرقہ ہوگا یا نہیں ودواعی زنا کے لئے کیا زنا کا ثبوت جس پر ہوتا ہے ایسا ہی ہوگا یا کم اور تفریق قاضی کے حکم سے ہوگی یا کیا یہ تفریق فسخ ہے یا طلاق اگرچہ یہ مسئلہ درمختار کے اشعار

فرق النکاح جمعا نافعا   فسخ الطلاق وھذا الکل یحکیھا

سے بخوبی منکشف ہوتا ہے مگر بعض عبارات قوم موہم خلاف کی بھی ہیں۔ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار قبل امرأتہ حرمت امرأتہ ما لم یظھر عدم الشھوۃ وفی المس لاتحرم ما لم تعلم الشھوۃ لان الاصل فی التقبیل الشھوۃ بخلاف المس والمعانقۃ کالتقبیل وفیہ بحرمۃ المصاہرۃ

لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لہا التزوج بآخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ وفی رد المحتار الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکۃ وفی در المختار ان ادعت الشہوۃ فی تقبیلہ او تقبیلہا ابنہ وانکرہا الرجل فہو مصدق لاہی الا ان یقوم الیہا منتشرا آلتہ فیعانقہا القرینۃ کذبہ او یاخذ ثدیہا او یرکب معہا الخ وفیہ تقبل الشہادۃ علی الاقرار باللمس والتقبیل عن شہوۃ وکذا تقبل علی نفس اللمس والتقبیل والنظر الی ذکرہ او فرجہا عن شہوۃ فی المختار تجنیس لان الشہوۃ مما یوقف علیہا فی الجملۃ بانتشار او آثار۔

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

(۱) اگر ہندہ منکر بھی نہ ہوتی تب بھی صرف عورت کا دعویٰ مقبول نہ ہوتا۔

(۲) ہندہ کی ساس صرف شاہد ہے اور قبول شہادت کے شرائط مفقود ہیں۔

(۳) طالب علم مس کا شاہد اور وجود شہوت پر اس کے پاس کوئی دلیل کافی نہیں اور مس بدون علم شہوت کے موجب حرمت نہیں۔

(۴) محض دروازہ بند کرنے سے استدلال تو کافی نہیں واگر ایک لحاف میں دونوں کو دیکھا ہے تو یہ البتہ مثل رکوب معہا کے کافی قرینہ شہوت کا ہے لیکن نصاب شہادت کافی نہیں اور دوسرے ثقات کی شہادت کی کیفیت مذکور نہیں ورنہ اُس میں نظر کی جاتی لہذا حرمۃ مصاہرۃ قضاءً ثابت نہیں ہو سکتی البتہ اگر صاحب واقعہ کو اس کا علم ہے تو دیانۃً حرمت ثابت ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۹ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۳)

حرمت مصاہرۃ میں مراہق مثل بالغ کے ہے

سوال (۳۸۲) کیا حکم ہے اس صورت میں کہ زید و ہندہ حالت مراہقت میں مرتکب دواعی شہوت مثل تقبیل ومباشرت فاحشہ وغیرہ ہوئے صحبت نہیں ہوئی بعد بلوغ زید کا نکاح زاہدہ سے اور ہندہ کا نکاح عزیز الدین سے ہوا زید کے بطن زاہدہ سے ساجدہ متولد ہوئی اور ہندہ کے صلب عزیز الدین سے محمد حسن۔ زید کی اولاد کے ہمراہ زاہدہ کا شیر میمونہ نے حالت طفولیت میں پیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ محمد حسن کا نکاح جو کہ ہندہ کے بطن سے ہے ساجدہ دختر زید سے یا میمونہ رضیعہ زید سے ہو سکتا ہے یا نہیں حالت مراہقت میں دواعی شہوت

سے مصاہرۃ ثابت ہوتی ہے یا زنا شرط ہے۔ اُمید کہ سند کتاب درج فرمائی جائے ضرور بینے۔

الجواب۔ چونکہ حرمت مصاہرۃ میں مراہق کا حکم مثل بالغ کے ہے کما فی رد المختار عن فتح القدیر مس المراہق کالبالغ وفی البزازیۃ المراہق کالبالغ حتی لو جامع امرأۃ اولمس بشہوۃ تثبت حرمۃ المصاہرۃ اھ ج ۲ ص ۴۶۱۔

اس لئے محمد حسن اور ساجدہ نسب و مصاہرۃ سے اور محمد حسن اور میمونہ رضاع و مصاہرۃ سے باہم بھائی بہن ہیں اور تناکح ان میں درست نہیں۔ ۲۵ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ۲ ص ۲۱)

اشتراط شہوت عند المس برائے حرمت مصاہرۃ و شرط مشتہات بودن

سوال (۳۸۳) زید کا رشتہ ایک جگہ ہوا ہے زید ایک روز چانولوں کا نمونہ باہر سے گھر لے گیا اور اپنے خسر صاحب کو چاول اپنے ہی ہاتھ میں لئے دکھا رہا تھا اتنے میں زید کی خوشدامن بھی آگئی اُس نے بھی چاول زید ہی کے ہاتھ میں سے اُٹھا کر دیکھے بس تو زید کے دل میں کچھ ذرا دسوسا پیدا ہوا تھا اور شہوت وغیرہ کچھ نہیں تھی تو یہ لمس میں داخل ہو کر کچھ شرعی حد تو قایم نہیں ہوئی یعنی زید کا نکاح جو اس خوشدامن کی دختر سے ہوگا اسمیں کچھ فرق تو نہیں ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار والعبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر لا بعدھما وحدھا فیھما تحرک آلۃ او زیادتہ بہ یفتی وفی امرأۃ وشیخ کبیر تحرک قلبہ او زیادتہ فی رد المحتار قال فی الفتح ثم ھذا الحد فی حق الشباب اما الشیخ والعنین فحدھما تحرک قلبہ او زیادۃ لو کان متحرکا لا مجرد میلان النفس فانہ یوجد فیمن لا شہوۃ لہ اصلا کالشیخ الفانی ثم قال ولم یحد الحد المحرم منھا ای من المرأۃ واقلہ تحرک القلب علی وجہ یشوش الخاطر اھ وفی الدر المختار اصل الممسوسۃ بشہوۃ واصل ماستہ وفروعھن فی رد المحتار قولہ واصل ماستہ ای بشہوۃ قال فی الفتح وثبوت الحرمۃ بلمسہا مشروط بان یصدق فیہا ولیقع اکبر رائہ صدقہا۔

؎ یہ جواب بعض روایات کے موافق ہے جس میں احتیاط کی جانب لی گئی ہے بعض روایات دیگر کے موافق جواب یہ ہے محمد حسن اور ساجدہ کا نکاح درست ہے کیونکہ مزنیہ کا رضاع حکم نسب میں نہیں صفحہ ۲۱۵ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ؎ جب ابن زوجہ کا نکاح بنت زوج سے بالاتفاق بلاشبہ درست ہے تو ابن مزنیہ کا نکاح بنت زانی اور رضیعۂ زانی سے بطریق اولے صحیح ہوگا ۱۲۔ رشید احمد عفی عنہ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کی تندرستی اگر ایسی ہے کہ شہوت کے وقت اس کا آلہ منتشر ہوتا ہے تو وقت مس کے انتشار آلہ اگر ہوا ہے تو اس کو شہوت کہا جائے گا اور اگر انتشار نہیں ہوا تو شہوت نہ کہا جائے گا اور اگر اس کی تندرستی ایسی نہیں ہے تو اگر قلب کو ایسی حرکت ہوئی کہ طبیعت مشوش ہوگئی تو شہوت کہیں گے ورنہ نہیں کہیں گے یہ تو زید میں حد شہوت ہے اسی طرح اگر اس خوشدامن کو مس کے وقت قلب میں حرکت ہوگی تو اس کی شہوت ظاہر ہوگی غرض زید یا خوشدامن کا حال اُس کے بیان سے کسی کے اندر بھی شہوت پائی گئی تو لڑکی حرام ہوگی ورنہ حلال ہوگی اور خوشدامن کا حال اُس کے بیان سے معلوم ہوسکتا ہے اگر کسی قرینہ سے اس کا شبہ ہو تو دریافت کرنا ضرور ہے ورنہ کچھ حاجت نہیں۔ واللہ اعلم ۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد جلد ۲ ص ۲۳)

سوال (۳۸۴) زید کو ہندہ کے ساتھ ایک عورت نے متہم کیا زید رات میں روشنی گل کر کے جس جگہ ہندہ سوتی ہے آتا ہے مگر عورت مذکورہ نے زید کو ہندہ کے ساتھ کسی فعل ناجائز کا مرتکب نہیں پایا محض شبہ بیان کیا جب زید کی لڑکی نے یہ بات سُنی عورت مذکورہ کو شور وغل سے باز رکھا اور خود لڑکی مذکورہ کو تشویش پیدا ہوئی کہ آیا زید واقعی ہندہ کے ساتھ کسی امر ناجائز کا مرتکب ہے یا عورت نے محض شک سے متہم کیا ہے اور لڑکی مذکورہ نے شک کی وجہ سے ہندہ کو لعنت وملامت کیا اور تاکید کیا کہ اب جب زید تیرے پاس شب کو آئے تو شور کر چنانچہ ہندہ نے ویسا ہی کیا کہ ایک روز بآواز بلند کہا کہ دیکھو زید میرا پیر پکڑتا ہے اس آواز بے وجہ سے بنت زید کی آنکھ کھل گئی اور کیا دیکھا کہ زید ہندہ کے سونے کی جگہ سے ایک دو گز کے فاصلے سے جارہا ہے جو کچھ ظاہری حالت تھی عرض کیا باقی باطنی حالت اللہ خوب جانتا ہے آیا ان واقعات معروضہ سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگی یا نہیں (واضح رہے کہ زید نابینا ہے) اور ابن زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہوگا یا نہیں خود زید نے ہی ہندہ کے ساتھ اپنے لڑکے عمرو کی منگنی بھیجا ہے واضح رائے عالی ہو کہ عمرو بن زید اور اب ہندہ کو ان واقعات کی خبر نہیں اور نہ کوئی شخص خبر دینا چاہتا ہے کیونکہ اس میں بڑی بدنامی کا خوف ہے اور نہ کوئی گواہ معتبر موجود ہے سوائے بنت زید کے کیونکہ جس عورت نے اولاً متہم کیا تھا اس کا انتقال ہوگیا باقی رہی بنت زید فقط حرمت مصاہرۃ زنا سے امام شافعی کے یہاں ثابت نہیں یہ قول امام شافعی صاحبؒ کا کیسا ہے۔

الجواب۔ اگر ہندہ اُس وقت نو سال سے کم تھی تب تو حرمت مصاہرۃ ثابت نہ ہوگی فی الدر المختار وبنت سنہا دون تسع لیست بمشتہاۃ بہ یفتی۔ اور اگر نو سال سے زائد تھی تو زید سے اور ہندہ سے دریافت کیا جائے اگر ایک بھی کہے کہ اسوقت مجھ کو شہوت تھی تو حرمت مصاہرۃ ثابت ہوگی۔ فی الدر المختار وتکفی الشہوۃ من احدھما اور اگر دونوں شہوت کے منکر ہوں اور بجز مس قدم کے اور اگر کوئی اور بات نہ ہوئی ہو تو حرمت مصاہرۃ نہ ہوگی فی الدر المختار وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشہوۃ اور اگر کوئی اور بات بھی مرد کے یا عورت کے بیان سے معلوم ہو تو اس کے متعلق دوبارہ استفسار کرنا چاہیئے اور امام شافعی رح کے مذہب کی تحقیق کا یہ موقع نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۵ رجمادی الاخری ۱۳۳۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۴۱)

سوال (۳۸۵) شخصے بشب بعد نماز عشا بر بستر خود خوابیدہ بعد ازان بجہت تنگی جائے گاہ دخترش مراہقہ منکوحہ باجازت زنش کہ مادر دختر مذکورہ شدہ بر بوریئہ کہ بر آں بستر شخص مذکور شدہ خفتہ و شخص مزبور در خواب رفتہ واو را ایں امر بالکلیہ ہیچ معلوم نشد ناگاہ در شب چناں گردید کہ ہر دو پایش بر ہر دو ساق دختر شدہ و آلہ تناسلش انتشار یافت یعنی ہر گاہ بیدار شدہ آلہ اش از پیش منتشر بود یعنی درحالت منتشر شدہ ودر حالت بیداری منتشر یافتہ وبعد بیدار شدن در انتشار زیادتی پیدا نہ گشت۔ لیکن ہیچ خطرہ از شہوت ولذت در دلش بجانب دختر نیافت وفی الفور پا کشیدہ او را از دست خود مس نمودہ بنام او پرسید کہ تو فلاں ہستی دخترش جواب داد جی ہاں بعد ازاں از دختر رو تافتہ پشت داد۔ آیا در نکاحش نقصانے افتاد یا نہ چونکہ ایں امر بوقوع آمدہ ولبس کہ در گرداب حیرانی وغم لہذا در رمضان خصوصاً ایام اعتکاف تصدیع میدہم از عبارت درمختار فلو ایقظہ الخ وکذا لو فزعت فدخلت الخ۔ در دل اضطرار وبیقراری بہم رسید واز عبارت شامی وقال الفتح وفرع علیہ مالو انتشر وطلب امرأتہ فاولج بین فخذی بنتہا خطاء لا تحرم الخ۔ ودر دل قدرے تسلی می آید مگر ایں کہ مس مذکور برائے پرسیدن شدہ نہ امرے دیگر۔ فی قولہ مس نمودہ بنام او پرسید الخ ۱۲ منہ

الجواب۔ دریں صورت حرمت مصاہرۃ ثابت نشدہ فی الدر المختار وحدھا (ای الشہوۃ) فیہما (ای المس والنظر) تحرک آلتہ او زیادتہ بہ یفتی د

فی رد المحتار وفرع علیه مالو انتشر وطلب امرأته الی قوله لا تحرم امها مالم یزدد الانتشار جلد ۲ ص ۴۵۹، ۲۵ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۵)

خسر کا بہو کو صرف ہاتھ لگانا الخ

سوال (۳۸۶) بکر پسر زید جس کی عمر ۱۷ سال کی ہے بظاہر نابالغ معلوم ہوتا ہے اُس کی زوجہ ہندہ دعویٰ کرتی ہے اور حلفاً بیان کرتی ہے کہ میرا خسر زید بوقت نصف شب میری چارپائی پر اپنے مکان سے جو متصل میرے مکان سے ہے روشن راستہ سے جو دونوں مکان کے درمیان میں آمد برآمد کے لئے کھلا ہوا ہے آیا اور بارادۂ زنا مجھ کو ہاتھ لگایا جب میں یکایک چیخ اٹھی تو کہا چپ رہ میں ہوں پھر میں نے چیخ ماری تب ہمسایوں کو خبر ہوئی زید اپنے مکان میں چلا گیا ہمسایوں سے کسی نے کہدیا کہ چور تھا دروازہ کو ذرا ہلا کر بھاگ گیا زید سے معلوم کیا کہ تو نے یہ فعل کیا زید نے حلف اُٹھا کر بیان کیا کہ میں نے نہیں کیا اور نہ میں اس مکان میں گیا یہ میرے اوپر بہتان دیا ہے تو صرف ہندہ کے حلفی دعویٰ پر باوجود حلفاً انکار کرنے زید کے ہندہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

الجواب - فی الدر المختار فصل المحرمات وفی اللمس لا تحرم مالم تعلم الشهوة لان الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف اللمس اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صرف ہاتھ لگانے سے دعویٰ شہوت کا کرنا صحیح نہیں جب شہوت ثابت نہیں تو حرمت نہیں ہوئی البتہ اگر زید شہوت سے ہاتھ لگانے کا اقرار کرے تو حرمت ہو جاوے گی۔

عدم حرمت مصاہرہ بمس صغیر وصغیرہ

سوال (۳۸۷) زید کی عمر گیارہ سال تین مہینے یا کچھ کم وبیش غرض بارہ سال سے کم تھی ایک مکان میں دو پلنگ بچھے ہوئے تھے ایک پلنگ پر زید کی چچی لیٹی ہوئی تھی اور دوسرے پلنگ پر زید کا چچا لیٹا ہوا تھا اور زید اپنے چچا کے پاس لیٹا ہوا تھا پچھلی رات جو زید بیدار ہوا تو چچا کو اپنی چچی کی چارپائی پر دیکھا زید نے یہ کہہ کر کیا کر رہے ہو اپنا ہاتھ اُن کی چارپائی پر ڈالا تو وہ ہاتھ شاید چچا کے بدن لگا یا شاید چچی کے بدن پر لگا اور دوسری بات یہ ہے کہ ان ہی ایام میں ایک روز دن کو ایک مکان میں زید کا چچا اور چچی دونوں موجود تھے زید جو اچانک گھر میں گیا تو دیکھا کہ چچا اور چچی دونوں ایک چارپائی پر ہیں اور چچی کا بدن بالکل ننگا نظر آیا تو زید یہ حالت دیکھ کر باہر گیا تھوڑی دیر کے بعد دیوار کے اوپر کو زید نے جھانکا تو اس وقت بدن وغیرہ چچی کا

کچھ نظر نہیں پڑا کیونکہ اس وقت زید کا چچا ہم بستری میں مصروف تھا پس نہیں دیکھا اب زید جوان ہو گیا اور زید کا رشتہ اسی چچی کی لڑکی سے ہوا ہے تو اب شریعت سے کوئی حد زید پر قائم نہیں ہوئی کہ جس سے نکاح جائز نہ ہو مفصل جواب مع دلائل شرعیہ بیان فرمائیے۔

الجواب۔ فی الشامیة عن الفتح مس المراهق کالبالغ وعن البزازیة المراهق کالبالغ حتی لو جامع امرأته اولمس بشهوة تثبت حرمة المصاهرة وبعد سطر لابد فی کل منهما من سن المراهقة واقله للانثی تسع وللذکر اثنا عشر الخ جلد ثانی صـ۴۶۱ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بارہ برس سے کم عمر والے لڑکے کا لمس وغیرہ قابل اعتبار نہیں، علاوہ اس کے صورت مسئولہ میں خود بھی شک ہے کہ چچی کو ہاتھ لگایا نہیں اور برہنہ بدن دیکھنا جب تک کہ فرج داخل کو نہ دیکھے موجب حرمت نہیں غرض کسی طرح یہ لمس موجب حرمت مصاہرت نہیں اسلئے زید کا نکاح اس چچی کی دختر سے جائز اور درست ہے۔ فقط ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (امداد صـ۱۹ جلد ۲)

سوال (۳۸۸) ایک شخص نے اپنی چار پانچ برس کی عمر کی لڑکی کو ساتھ لیکر سویا نیند میں اپنی بیوی سمجھ کر اس لڑکی کا بوسہ لیا اور اس کو لپٹایا لیکن ایک بڑا کپڑا بیچ میں رکھ کر سویا تھا اب اس کی بیوی اس پر حلال ہے یا نہیں ہے۔

الجواب۔ اس سے حرمت مصاہرۃ نہیں ہوئی بیوی حلال ہے لانہا صغیرۃ جداً۔ ۳۰ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صـ۹۳)

عدم ثبوت حرمت مصاہرۃ یا لمس وقتے کہ انزال شود

سوال (۳۸۹) بہشتی زیور میں ایک مسئلہ ہے کہ جو شخص کسی عورت کو جوش جوانی کے ساتھ بدنیتی سے ہاتھ لگائے تو اس کی ماں اور لڑکی اس مرد پر حرام ہو جاتی ہیں تو اب زید علماء دین سے استفتاء عرض کرتا ہے کہ اپنی خوشدامن سے ران اور کمر کی مالش تیل سے کرائی خوشدامن اس کی نے بہ نیت پاک بغرض علاج مالش کی اور زید کو بحالت مالش ران وکمر حظ نفس ہوتا رہا اور بار ہا اس کی خوشدامن کا ہاتھ اس کے اعضائے تناسل سے مالش کرنے میں لگتا رہا جس سے زید کو زیادہ حظ نفس ہوا یہاں تک کہ جوش ہو کر انزال ہو گیا لیکن زید نے اس جوش کے ساتھ میں اپنی خوشدامن کو ہاتھ نہیں لگایا اور نہ اپنی خوشدامن سے عضو تناسل کی مالش کرائی اور نہ اس کی خوشدامن کی نیت میں کچھ فتور پیدا ہوا اور نہ زید نے برے فعل کے ارادے سے اپنی خوشدامن کو ہاتھ

لگا یا تو اب ایسی صورت میں زید کی زوجہ جو اس کی خوشدامن کی بیٹی ہے زید کیواسطے حلال ہے یا نہیں

الجواب - فی الدر المختار وتکفی الشھوۃ من احدھما فی رد المحتار ھذا انما یظھر فی المس وفی الدر المختار فلو انزل مع مس او نظر فلاحرمۃ بہ یفتی پس صورت مسئولہ میں جبکہ انزال ہوگیا اب زید پر اس کی زوجہ حرام نہیں ہوئی البتہ اگر کبھی اور بھی مالش کرانے کا اسیطرح اتفاق ہوا اور مساس میں انزال نہیں ہوا اس سے زوجہ زید پر حرام ہوجائیگی۔

واللہ اعلم - ۱۹ / رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۳۴ جلد ۲)

ثانی - امداد الفتاوی جلد ۲ ص ۳۲ میں مسئلہ عدم ثبوت مصاہرۃ الخ کا ہے اس میں اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر مس سے انزال ہوگیا تو حرمت مصاہرۃ ثابت نہ ہوگی۔ (تتمہ ثالثہ ص ۲۳۳)

رضاعی بھتیجی سے نکاح کی حرمت

سوال (۳۹۰) دو عورتیں ہیں ایک کا نام عظیمن ہے دوسری کا نام رحیمن - عظیمن کا لڑکا پانچ چھ ماہ کا ہے رحیمن کا لڑکا چار پانچ یوم کا ہے اور کچھ بیمار بھی ہے نہ اپنی ماں کا دودھ بوجہ اس کے کہ پستان میں دودھ بہت تھا اس کے منہ میں آسانی سے پستان نہیں آسکتا دودھ نہیں پی سکتا رحیمن نے اس غرض سے کہ پستان کچھ ہلکی ہوجائیں عظیمن کے لڑکے کو دودھ پلادیا اب اس وقت میں عظیمن کا لڑکا جوان ہوگیا اور اس کی شادی بھی ہوگئی اور اس کے گھر میں ایک لڑکی بھی پیدا ہوگئی اور رحیمن کے بھی آٹھ سات اولادیں ہوئیں اب رحیمن اپنے اس آٹھویں لڑکے کی شادی عظیمن کے اس لڑکے کی لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتی ہے جس کو دودھ پلایا تھا کیا یہ از روئے شرع شریف ہوسکتا ہے۔

الجواب - عظیمن کی یہ پوتی ہے رحیمن کے اس فرزند کی رضاعی بھتیجی ہے لہذا یہ نکاح شرعاً حرام اور باطل ہے لقولہ علیہ السلام لیحرم من الرضاع ما یحرم من النسب - فقط ۲۰ / جمادی الآخری ۱۳۶۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۹)

حرمت نکاح با عم رضاعی وخال رضاعی

سوال (۳۹۱) زید نے اپنی بہن حقیقی ہندہ کا دودھ مدت رضاعت میں پیا ہے اب زید چاہتا ہے کہ اپنی لڑکی کا عقد ہندہ کے لڑکے کے ساتھ کرے اور یہ لڑکا ہندہ کا جس کے ساتھ اپنی لڑکی کا زید عقد کرنا چاہتا ہے ہندہ کا وہ لڑکا نہیں ہے جس کے ساتھ زید نے ملکر ہندہ کا دودھ پیا ہے بلکہ ہندہ کا یہ دوسرا لڑکا ہے تو یہ نکاح شرعاً کیسا ہے۔

الجواب - ہندہ کا یہ لڑکا اس زید کی لڑکی کا رضاعی چچا ہے مثل حقیقی چچا کے حرام

ہے، لہٰذا یہ نکاح حرام ہے اور زید کے ساتھ دودھ پینے نہ پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

۱۵؍شوال ۱۳۳۱ھ (امداد ص ۵۱ جلد ۲)

سوال (۳۹۲) (۱) میرے چچا کی لڑکی ہے اُس لڑکی نے دو چار روز بحالت مجبوری میری بیوی کا دودھ پیا ہے تو وہ لڑکی میرے چھوٹے بھائی کے عقد میں آسکتی ہے یا نہیں یعنی شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۲) اور وہ لڑکی میرے حقیقی سالے کو ہوسکتی ہے یا نہیں۔

(۳) میرے ماموں صاحب نے میری والدہ کا یعنی اپنی ہمشیرہ کا دودھ پیا ہے تو اس ماموں کی لڑکی سے ہمارا نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ (۱) نہیں کیونکہ وہ چھوٹا بھائی اس لڑکی کا عم رضاعی ہے۔

(۲) نہیں کیونکہ وہ سالا اس لڑکی کا خال رضاعی ہے۔

(۳) نہیں کیونکہ آپ اس لڑکی کے عم رضاعی ہیں۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۶)

عدم جواز نکاح با دختر مرضعہ کہ از شوہر ثانی پیدا شود

سوال (۳۹۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و حارث حقیقی بھائی ہیں دونوں کی شادی ہوئی اور ایک ہی وقت میں بفضل خدا صاحب اولاد ہوئے زید کا لڑکا زندہ رہا اور حارث کا لڑکا بعد کئی مہینے فوت ہوا زوجہ حارث کے جس وقت دودھ اترا جوڑی بخار اعضا شکنی پیدا ہوئی قیامت کا سامنا ہوا سبھوں نے رائے دی کہ دودھ زید کے لڑکے کو برائے دفع گرانی پلا دیا جاوے لہٰذا بچہ مذکور کو دودھ پلایا گیا مگر تھوڑا کسی قدر تکان دفع ہوا دو چار بار ایسا کیا گیا اتفاق سے حارث کا انتقال ہوگیا زوجہ حارث نے بعد عدت دوسرا نکاح کر لیا شوہر دیگر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی زید کے لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ کام جو کیا گیا ہے بطور دوا جس طرح سے کسی کو تین فاقہ ہوں کچھ کھانے کو میسر نہ ہو تو کتا بلی بندر جو ملے کھا لیوے مگر شکم پر نہ کرے ایسی حالت میں وہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا یا مسلمان اُس سے تعرض و تحرز کریں گے مثال اسی کی ہے جواب باصواب جلد عنایت کیجئے گا تکلیف اترنے دودھ تحقیقات کر لیجئے گا اس وقت مستورات کو کیسا معلوم ہوتا ہے اور نہ اس ارادہ سے کیا گیا محض دفع تکلیف۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ نکاح جائز نہیں رضاعت کے احکام ہر حالت میں دودھ پینے سے ثابت

ہو جاتے ہیں عورہ دودھ پیا کسی طور پر ہو فی در المختار مخلوطا بما او دواء الخ ۱۴ رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱)

پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت

سوال (۳۹۴) زید صاحب اولاد ہے اور متقی ہے اور چالیس برس کا ہے اور زوجۂ اولیٰ زندہ ہے من بعدہ یعنی زید اپنی منکوحہ کی سوتیلی پھوپھی (یعنی عمہ) سے نکاح کرتا ہے آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور جب اس کو ٹوکا گیا تو اپنے فعل پر اصرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے کسی کتاب میں ایسا نکاح ناجائز نہیں دیکھا کیا ایسا شخص متقی ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے کیا یہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے آپ فتویٰ دیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب المحرمات وعمتہ وخالتہ الی قولہ ویدخل عمۃ جدہ وجدتہ وخالتہما الاشقاء وغیرھن فی رد المحتار قولہ الاشقاء وغیرھن لا یختص ھذا التعمیم بالعمۃ والخالۃ فان جمیع ما تقدم سوی الاصل والفرع کذلک کما افادہ الاطلاق الخ جـ ۲ ص ۵۵ وفی الدر المختار وحرم الجمع الی قولہ بین امرأتین ایتہما فرضت ذکرا لم تحل للاخری ابدا لحدیث مسلم لا تنکح المرأۃ علی عمتہا وھو مشہور یصلح مخصصا للکتاب فی رد المحتار قولہ وھو مشہور فانہ ثابت من صحیح مسلم وابن حبان رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وتلقاہ الصدر الاول بالقبول من الصحابۃ والتابعین ورواہ الجم الغفیر منہم ابوہریرۃ وجابر وابن عباس وابن عمر وابن مسعود وابوسعید الخدری الی اٰخر ما قال واطال جلد ۲ صفحہ ۲۶۶

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ پھوپی خواہ سگی ہو یا سوتیلی یعنی باپ کی علاتی بہن یا اخیافی سب حرام ہیں اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ جن عورتوں میں ایک کو مرد فرض کرنے سے دوسری سے نکاح حرام ہو ان کو جمع کرنا حرام ہے اور صورۃ مسئولہ میں جن عورتوں کو جمع کیا ہے یہ پھوپی بھتیجی ہیں جن میں ایک کو مرد فرض کرنے سے اُس کا نکاح دوسرے سے حرام ہے للروایۃ الاولیٰ پس دونوں کو جمع کرنا لا محالہ حرام ہوگا للروایۃ الثانیۃ ایسا شخص ہرگز متقی نہیں اگر وہ اس فعل سے توبہ کر کے پھوپی کو چھوڑ نہ دے فاسق ہے اور یہ فسق قریب بکفر ہے امامت اس کی جائز نہیں فقط ۵ شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۶)

نکاح کے بعد ساس کا اپنے حمل کو داماد کا بتانا

سوال (۳۹۵) ایک لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کیا گیا اُس کی ماں بیوہ تھی اس کو حمل ظاہر ہوا پوچھنے پر اس نے یہ کہا

کہ حمل فلاں شخص سے ہے جس سے اس لڑکی کا نکاح کر دیا گیا تھا نکاح کئے ہوئے مہینہ دو مہینہ ہوئے اور حمل چھ ماہ کا ہے اب لڑکی کے نانا نے رخصتی سے انکار کر دیا ہے پس آیا نکاح سابق صحیح ہوا یا کہ نانا کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح پڑھوا دے۔

استفتاء مولوی محمد رشید صاحب نسبت سوال مذکور

ایک مسئلہ ارسال خدمت خدام والا ہے اس کی نسبت بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوا اس لئے کہ فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ نکاح حرمت مصاہرت سے مرتفع نہیں ہوتا اُس سے بظاہر یہ مراد ہے کہ نکاح کے بعد جو حرمت پیش آوے وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح الخ درمختار نکاح فاسد و باطل کی تحقیق درمختار و شامی بھی قابل غور ہے اُس میں نکاح اختین میں لکھا ہے کہ ایک کے بعد اگر دوسرے سے عقد ہو تو متاخر باطل ہے تو جب زنا کی وجہ سے لڑکی حرام ہو گئی ہے تو نکاح باطل ہو جانا چاہیئے لیکن فقہاء نے نکاح محارم کے فاسد یا باطل ہونے میں اختلاف کیا ہے جیسے کہ شامی نے نکاح فاسد و باطل میں لکھا ہے آیا اس میں کون قول صحیح ہے اور فاسد میں غالباً طلاق کی یا جُدائی کی ضرورت ہو گی اور باطل میں ضرورت نہ ہو گی اور بحر نے جو لکھا ہے کہ نکاح فاسد وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہو اور باطل وہ ہے جس میں اتفاق ہو اس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ نکاح فاسد ہو اس لئے کہ اس میں شافعیؒ کا خلاف ہے ان کے نزدیک حرمت مصاہرت زنا ثابت نہیں ہوتی۔ غرضکہ شبہات پڑتے ہیں اس میں اعلیٰ حضرت کی کیا رائے ہے۔

الجواب - میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ باطل وہ ہے جہاں محل ہی صالح نہ ہو اور فاسد وہ ہے جہاں محل صالح ہو لیکن کوئی شرط جواز کی مفقود ہو سو باطل تو منعقد ہی نہ ہو گا اور فاسد منعقد ہو کر مثبت بعض احکام ہو گا مگر تفریق واجب ہو گی اور ما اختلف العلماء فی جوازہ میرے نزدیک صحیح نہیں اسی طرح فاسد و باطل میں فرق نہ کرنا بھی قابل ہے اس کے ساتھ کہ بعض کے کلام میں باطل کو فاسد سے تعبیر کر دیا ہے سو مطلب یہ ہے کہ اس بعض کے کلام و اصطلاح میں کچھ فرق نہیں نہ یہ کہ دونوں کے معنوں میں بھی فرق نہیں پس اس بناء پر چونکہ یہ نکاح محرم سے ہوا ہے جس میں محل ہونے کی صلاحیت بھی نہیں اس لئے یہ نکاح باطل بمعنے غیر منعقد ہو گا اور بلا طلاق یہ لڑکی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے مگر اس شرط سے کہ زید اس کا مقر بھی ہو

کہ ہندہ سے میں نے زنا یا مس بالشھوۃ کیا ہے اور اگر وہ انکار کرتا ہو تو لڑکی کو اپنے ظن پر ایک حق ثابت ظاہراً کا رفع جائز نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۵ رمضان ۱۳۲۵ھ (تتمہ اولیٰ ص۸۶)

استفتاء مکرر مولوی محمد رشید صاحب نسبت سوال مذکور

جو کچھ اعلیٰ حضرت نے ترقیم فرمایا ہے سب بجا و درست ہے لیکن مسئلہ اول کی نسبت پھر یہ تردد ہوتا ہے کہ محرمات سے نکاح کرنے کے متعلق شامی نے اختلاف نقل کیا ہے اور کسی کو ترجیح نہیں دی حد میں در مختار میں لکھا ہے کہ نسب ثابت ہو جاتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ باطل نہیں ورنہ وجود عدم برابر ہوتا پس اعلیٰ حضرت نے باطل ہونے کو کس روایت کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔

الجواب۔ شامی نے اس پر بھی کلام نقل کیا ہے اور ایسے ہی نکاح فاسد کی بحث میں لکھا ہے لا یثبت النسب ولا العدۃ فی نکاح المحارم الخ اور اگر یہ فاسد بھی ہو تب بھی زوجین میں سے ہر ایک کو بدون رضاء آخر فسخ و تفریق کا اختیار ہے جیسا کہ شامی نے چلپی سے نقل کیا ہے تحت قول در مختار کی من وقت التفریق ای تفریق القاضی و مثلہ التفرق وھو فسخھما او فسخ احدھما ج ۲ ص ۵۰۶ پس ترجیح نسب بھی متفق علیہ نہ رہا اور میں نے جو باطل ہونے کو ترجیح دی ہے وہ درایت سے ہے اور پھر باطل و فاسد اس امر مسئول عنہ میں مساوی بھی ہیں کما مر۔

خسر کا اپنی بہو کو بعد نکاح کر لینے پسر کے بیٹی کہدینے کا حکم!

سوال (۳۹۶) میرے والد نے میری والدہ کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح کیا اُس عورت کے ساتھ ایک لڑکی جوان تھی جس وقت وہ لڑکی جوان ہوگئی تو میرے ساتھ اس کا نکاح کرایا بروقت نکاح کے قاضی وکیل گواہان کے سامنے میرے والد نے بیان کیا کہ یہ لڑکی دوسرے خاوند سے ہے اس کا نکاح میں اپنے لڑکے سے کرتا ہوں قاضی جی نے جائز کر دیا تو میرا نکاح پڑھایا گیا چند مدت کے بعد مجھ سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی اور میرے نکاح کو ایک سال کا عرصہ ہو گیا ہے اور بعد ایک سال کے میرے ماں باپ مجھ سے برخلاف ہو گئے اور تجویز کرتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ لڑکی کو علیحدہ کر لیں یہ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی مجھ سے پیدا ہوئی ہے جب یہ جانتے تھے تو مجھ سے نکاح کیوں کیا ہے مجھ کو فتویٰ عنایت کرو۔

عہ قابل اظہار یہ امر ہے کہ مجھکو باوجود اس بسط کے اس بحث میں شرح صدر نہیں ہوا ناظرین اپنی طرح پر تحقیق فرمالیں ۱۲ منہ

الجواب۔ آپ کے والد کی یہ دوسری بات کہ یہ لڑکی میرے نطفہ سے ہے آپ کے حق میں معتبر و قابل التفات نہ ہوگی آپ کا نکاح بدستور باقی ہے بے فکر رہیں۔ فی الدر المختار شرط العدالۃ فی الدیانات فی رد المحتار ای المحضۃ۔ در ر۔ احتراز عما اذا تضمنت زوال ملک کما اذا اخبر عدل ان الزوجین ارتضعا من امرأۃ واحدۃ لا تثبت الحرمۃ لانہ یتضمن زوال ملک المتعۃ فیشترط العدد والعدالۃ جمیعاً اتقانی اھ اقول فاذا کان ھذا حال خبر العدل فی ذلک فکیف بخبر غیر العدل۔ ۲ ربیع الاول ۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۵)

بیوی کو نیند میں بیٹیا بیٹی کہنے کا حکم؟

سوال (۳۹۷) ایک شخص نے نیند میں اپنی بیوی کو بیٹیا یا بیٹی کہا اور اس کو بیٹیوں کی طرح پیار کیا اس کا نکاح بھی رہا یا نہیں۔

الجواب۔ نکاح باقی ہے۔ ۳۰ رمضان ۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۳)

اگر بہن سے زنا کیا تو اس بہن مزنیہ کی اولاد کا اپنی اولاد سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں

سوال (۳۹۸) زید نے اپنی بہن ہندہ کے ساتھ اپنی زوجہ کے دھوکے سے یا بالقصد جبراً یا برضامندی زنا کیا لیکن ہندہ زید سے حاملہ نہیں ہوئی زمانہ زنا سے چار پانچ سال کے بعد ہندہ کے شوہر سے ہندہ کے اولاد پیدا ہوئی تو دریافت طلب یہ ہے کہ زید اپنی اولاد کا عقد ہندہ کی اولاد سے کر سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ کر سکتا ہے کیونکہ ان دونوں کی اولاد کو اس صحبت کے اعتبار سے ایسی نسبت ہے جیسے مرد کی اولاد کو اس کی منکوحہ کی پہلے شوہر سے اولاد کے ساتھ نسبت ہو۔ (تتمہ اولیٰ ص۹۵)

عدم حرمت مصاہرۃ بنکاح فاسد

سوال (۳۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت سے معاذ اللہ پوشیدہ زنا کچھ مدت تک کیا اس کے بعد اسی کی دختر نابالغ سے نکاح کر لیا زن منکوحہ سے وطی نہیں کی اب ان دونوں عورتوں میں اس شخص پر کون سی حلال حرام ہے اور کس شرط اور قاعدہ پر۔

الجواب۔ جب اس عورت سے زنا کیا اس کی دختر اس پر حرام ہوگئی اب جو اس دختر سے نکاح کیا وہ نکاح صحیح نہیں ہوا اور نکاح غیر صحیح سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی جب تک لمس بالشہوۃ وغیرہ نہ ہو۔ لما فی الدر المختار وحرم بالمصاہرۃ بنت

زوجتہ الموطوءۃ وامر زوجتہ وجدا تہا مطلقا بمجرد العقد الصحیح وان لم توطاء الزوجۃ الخ فی رد المحتار قولہ الصحیح احتراز عن النکاح الفاسد فانہ لا یوجب بمجردہ حرمۃ المصاہرۃ بل بالوطی او ما یقوم مقامہ من المس بشہوۃ والنظر بشہوۃ لان الاضافۃ لا تثبت الا بالعقد الصحیح بحر۔

پس اگر اس شخص نے اس دختر کو شہوت سے ہاتھ لگایا ہو ماں بھی حرام ہوگئی اور اگر صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اس کو طلاق دیکر اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا کہ نکاح فاسد سے دختر کی ماں اس شخص کی ساس نہیں ہوئی۔ ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۶۴)

عدم ثبوت حرمت مصاہرۃ بزنا کردن داماد بازوجہ پدر زوجہ خود

سوال (۴۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ زید کے دو بیبیاں اور دونوں سے اولاد تھی اور باہمی دونوں میں یہ اتفاق تھا کہ اگر ایک اُن میں سے اپنا لڑکا چھوڑ کر کسی کام کو جاتی تو دوسری اُس کے لڑکے کو دودھ پلاتی محل ثانی کی لڑکی کی شادی ہوئی چونکہ زید کا انتقال ہوگیا تھا داماد کو اپنے ہی مکان پر دیکھ بھال کے لئے رکھا بعد چند روز کے محل اول سے ربط ضبط ہو کر بذریعہ زنا لڑکا پیدا ہوا۔ اب ایسی صورت میں محل ثانی کی لڑکی کا نکاح باقی رہا کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب۔ نکاح باقی ہے۔ لانہ لما جاز الجمع فی النکاح بین المرأۃ وامرأۃ ابیہا لم تثبت حرمۃ المصاہرۃ بوطی احدہما للاخریٰ۔ ۱۸/ شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۶۵)

خسر کا بہو کو صرف ہاتھ لگانا بلا علم شہوت اور خسر سے زنا کا اقرار بدون تصدیق شوہر موجب مصاہرت نہیں اور زانی و مزنیہ کے اقرار سے بھی حرمۃ مصاہرۃ ثابت نہیں ہوتی

سوال (۴۰۱) (۱) زید نے بکر کی بیوی ہندہ سے زنا یا لوازمات زنا کیا ہندہ مقر ہے اور زید منکر ہے اور گواہ ہندہ کا کوئی نہیں ہے اس صورت میں کس کا قول معتبر ہے آیا ہندہ مقر[a] یا زید منکر کا۔

(۲) ہندہ زید کے لڑکے کے نکاح سے بدون لفظ طلاق نکاح سے باہر ہو سکتی ہے یا یہ فعل باعث طلاق ہوگیا اور بدون حاصل کئے طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ (۱) ہندہ مدعی حرمت ہے جس سے حق بکر کا زائل ہوتا ہے اس لئے

---

[a] بشرط کو نہا مشتہاۃ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

صرف دعویٰ کافی نہیں اور ہندہ کا قول معتبر نہ ہوگا۔ نظیرہ ما فی الدر المختار وان ادعت الشہوۃ فی تقبیلہ او تقبیلہا ابنہ وانکرہا الرجل فہو مصدق الخ وفی رد المحتار ای ادعت الزوجۃ انہ قبل احد اصولہا او فروعہا بشہوۃ او ان احد اصولہا او فروعہا قبلہ بشہوۃ الخ قولہ فہو مصدق لانہ ینکر ثبوت الحرمۃ والقول للمنکر۔ البتہ اگر شوہر بھی ہندہ کی تصدیق کرے تو حکم حرمت کا کیا جائے گا۔ نظیرہ ما فی الدر المختار عن الخلاصۃ قیل لہ ما فعلت بام امرأتک فقال جامعتہا تثبت الحرمۃ ولا یصدق انہ کذب ولو ہازلاً۔ اور جس صورت میں ہندہ کی تصدیق نہ کی جاوے لیکن ہندہ واقع میں سچی ہو تو ہندہ کو چاہیئے کہ جہاں تک قدرت ہو شوہر کو جماع سے باز رکھے اور جب مجبور ہو جاوے تو خیر یہ تفصیل زنا کے دعویٰ میں ہے اور لوازم زنا میں اور بھی تفصیل ہے اُس لازم کی تعین کر کے سوال کرنا چاہیئے۔

(۲) فی الدر المختار وبحرمۃ المصاہرۃ لا یرتفع النکاح حتیٰ لا یحل لہا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور طلاق نہیں ہوئی بدون طلاق کے نکاح ثانی جائز نہیں۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۳ و ۱۱۴)

سوال (۴۰۲) (۱) زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے زنا یا لوازمات زنا کیا اور زانی و مزنیہ ہر دو مقر ہیں اب ہندہ بیوی بکر کے نکاح میں رہی یا نہیں۔

(۲) اور جو اس کے نکاح سے باہر ہو گئی یا بدون حاصل کئے طلاق نکاح ثانی کر سکتی ہو یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ (۱) نکاح نہ ٹوٹنے کی تحقیق تو سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔ پوچھنا یہ چاہیئے کہ ہندہ بکر پر حرام ہو گئی یا نہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ لوازم زنا کے متعلق اگر سوال کرنا ہو تو اُس لازم کی تعین کر کے پوچھنا چاہیئے اور اگر زنا کا اقرار ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ بکر ان دونوں کے اس اقرار کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں اگر تصدیق کرتا ہے تو ہندہ بکر پر حرام ہو گئی اور اگر تصدیق نہیں کرتا تو ہندہ حرام نہیں ہوئی۔ ماخذہ الاصل الذی ذکر فی رد المحتار تحت قول الدر المختار وشرط العدالۃ فی الدیانات مانصہ ای المحضۃ در احتراز عما اذا تضمنت زوال ملک کما اذا اخبر عدل ان الزوجین ارتضعا من امرأۃ واحدۃ لا تثبت الحرمۃ لانہ یتضمن زوال ملک المتعۃ فیشترط العدد

والعدالة جمیعاً وھذا بخلاف الاخبار بان ما اشتراہ ذبیحة مجوسی لان ثبوت الحرمة لایتضمن زوال الملك کما قدمناہ فتثبت لجواز اجتماعها مع الملك جلد ۵ ص ۳۳۹ -

(۲) اس کا جواب اوپر ہو چکا - ۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ -

عدم زوال نکاح بحرمت مصاہرت و عدم جواز نکاح آں زن قبل طلاق شوہر

سوال (۴۰۳) میری نوجوان لڑکی خوش وخرم ایک دو بچہ اور خاوند کے ہاتھ گزارا کر رہی تھی کہ ایک شب وہ نیند سے بیدار ہوئی تو شوہر کو اپنے ہمراہ بستر پر نہ پایا چراغ جلا کر ڈھونڈا توشوہر کو اپنی ماں سے عین مباشرت جماع میں دیکھا اور پکڑا اور ہم کو خبر کری اور ہم شرم کے مارے کچھ نہ کہہ سکے شوہر کے پاس رہنے دیا وہاں سسرال میں رہی اس شوہر نے جو صحبتدار علماء ہے پوچھکر اس سے برکنار ہو گیا مگر گھر سے نہ نکالا اور اس جوان کو کالمعلقہ سے بدتر بند کر رکھا باپ نے جو دریافت کیا تم زوجہ سے کیوں صحبت نہیں رکھتے صاف کہدیا کہ مجھ سے اپنی ساس یعنی والدۂ زوجہ سے جماع ہوا یہ مجھ پر حرام ہے باپ نے کہا کسی سے یہ ذکر نہ کرنا کہ ہماری بے عزتی ہے لڑکی جو ان تقاضاء جوانی سے آٹھ برس تاب لائی اور یہ بات کنبہ میں اور مجھکو یقینی طور پر حرمت معلوم ہو گئی مولوی صاحب کے پاس گیا اور یہ قصہ بیان کیا اُس نے کہا کہ یہ خاوند پر حرام ہے چونکہ وقت نازک ہے اور بہت عورتیں مفرور ہو گئی ہیں اپنی عزت سے شرع کے موافق خود ایک قابل ہم کفو کو بلا کر نکاح کر کے ہم بستر کردیا سسرال والوں نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکی ہمارے اختیار میں ہے ہم مالک ہیں ہم خود کسی اور کو بیاہ دیں گے ایک طمع دار عالم کے پاس گئے اُس نے کہا اب طلاق کراؤ اور پھر دوسرے شخص سے نکاح کرو زوج اول نے مطلقہ کردیا اور بعد دو تین ماہ شاید عدت گزاری یا کیا کیا اس لڑکی کو بہانے سے ملاقات برادرانہ پرے گئے اور نکاح جبراً کر کے دوسرے شخص کے حوالہ کردیا اور وہ لڑکی میرے خراب در عذاب ہے اور سفید پوش امام قصبہ ہوں اور جس نے جبراً نکاح کیا شیطان آدمی ہے اور جس سے میں نے نکاح کیا تھا برضامندی لڑکی خود کیا تھا وہ رئیس عزت دار ہے ضرور مقدمات سرکاری ہوں گے لہذا ایں بنام خدا و رسول پوچھتا ہوں کہ جس طرح حکم شرعی ہو لکھیں کہ اسی طرح فیصلہ کردوں - فقط خلاصہ طول طویل عبارت خام سے اگر نہ سمجھیں یہ ہے حرمت مصاہرت ثابت کر کے میں نے

اپنی لڑکی جوان کی رضا سے نکاح کر کے ہم بستر کر دیا بعد وقوع حرمت گزرنے آٹھ سال کے جو خوف فرار ہونے کا بھی تھا۔

الجواب۔ السّلام علیکم۔ فی الدر المختار وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج بآخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ فی رد المحتار قولہ الا بعد المتارکۃ ای وان مضی علیھا سنون کما فی البزازیۃ وعبارۃ الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکۃ اھ وقد علمت ان النکاح لا یرتفع بل یفسد وقد صرحوا فی النکاح الفاسد بان المتارکۃ لا تتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بھا کترکتک او خلیت سبیلک واما غیر المدخول بھا الی قولہ وقیل لا تکون الا بالقول فیھما الخ جلد ۲ صفحہ ۴۶۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک زوج[ع] قولاً متارکۃ نہ کرے اور اُس کے بعد عدۃ بھی گزرنا شرط ہے اُس وقت تک دوسرا نکاح درست نہیں لہٰذا جو نکاح آپ نے کیا تھا وہ بھی ناجائز رہا اور جو سُسرال والوں نے کیا وہ اس وجہ سے بھی اور دوسرے بلا اذن منکوحہ ہونے سے باطل رہا اب جس طور سے ممکن ہو زوج سے طلاق دلوایا جاوے یا کوئی دال علی الترک لفظ کہلوایا جاوے اور اُس کے بعد عدت بھی گزر جاوے پھر اس کے اذن سے کہیں نکاح ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ۸ر صفر المظفر ۱۳۳۶ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۲۴)

فساد نکاح از زنا کردن بہ خوشدامن رضاعی نہ بطلان او

سوال (۲۰۴۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کے کہ نظیر کا نکاح خاتون سے ہوا خاتون کی دو ماں حقیقی شافیہ سوتیلی کافیہ خاتون کی سوتیلی ماں نے خاتون کو اپنا دودھ پلایا تو

[ع] زوجہ کی طرف سے فسخ نکاح فاسد بالاتفاق صحیح ہے۔ متارکت میں اختلاف ہے۔ ابن عابدین نے اس کو ترجیح دی ہے کہ فسخ اور متارکت میں کوئی فرق نہیں دونوں زوجہ کی طرف سے صحیح ہیں وہٰذا خلص ما ھو شرح فی شرح التنویر وحاشیۃ ابن عابدین فی فصل المحرمات صفحہ ۳۸۹ وفی بیان النکاح الفاسد فی باب المھر صفحہ ۴۸۳ وصفحہ ۴۸۴ وفی باب العدۃ صفحہ ۸۲۱ وصفحہ ۸۴۲۔ حضرت قدس سرہٗ نے حیلہ ناجزہ میں یوں تطبیق دی ہے کہ حرمت اصلیہ یعنی موجودہ قبل العقد میں متارکت من الزوجہ صحیح ہے اور حرمت طاریہ بعارض بعد العقد میں متارکت من الزوجہ صحیح نہیں۔ مگر شامیہ کی عبارت اسی تطبیق سے ابا کرتی ہے فلیتأمل ۱۲ رشید احمد عفی عنہٗ۔

تو خاتون کی کافیہ رضاعی ماں بھی ہوئی اور نظیر کی رضاعی ساس نظیر نے اپنی اس رضاعی ساس یعنی کافیہ سے زنا کیا اور لڑکا بھی پیدا ہوا اب نظیر کا نکاح خاتون سے باقی رہا یا خاتون نظیر پر حرام ہوئی اور خاتون بمقابلہ علماء کے یا کہ اپنی برادری کے پنچ کے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا کہ نہیں۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن الذخیرۃ ذکر محمد رح فی نکاح الاصل ان النکاح لا یرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد اھ ج ۲ ص ۴۶۳

وفیہ قد صرحوا فی النکاح الفاسد بان المتارکۃ لا تتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بھا کترکتک او خلیت سبیلک واما غیر المدخول بھا فقیل تکون بالقول و بالترک علیٰ قصد عدم العود الیھا وقیل لا تکون الا بالقول فیھما حتیٰ لو ترکھا ومضی علی عدتھا سنون لم یکن لھا ان تتزوج بآخر فافھم اھ ج ۲ ص ۴۶۳۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورۃ مسئولہ میں خاتون نظیر پر حرام تو ہوگئی اور نکاح فاسد ہوگیا لیکن نکاح مرتفع نہیں ہوا جب تک نظیر متارکۃ نہ کرے یعنی زبان سے کہدے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اس سے تو بالاتفاق نکاح مرتفع ہوجاوے گا اور ایک قول پر بوجہ غیر مدخول بہا ہونے خاتون کے متارکۃ کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ نظیر عزم کرلے کہ کبھی اس کو اپنے پاس نہ رکھوں گا اور اس سے منتفع نہ ہوں گا اور اس عزم کی اطلاع دوسروں کو اس کے کہنے سے ہوگی غرض جب تک متارکۃ نہ پائی جاوے خاتون کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا اور یہ عجب ہے کہ خاتون کی عمر دودھ پینے کے قابل ہو ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ ۵ار صفر ۱۳۳۲ھ

علـه رضیعۂ مزنیہ بلاشبہ حلال ہے۔ شامی رح نے اس کی تعلیل یوں بیان فرمائی ہے لان الحرمۃ من الزنا للبعضیۃ وذلک فی الولد نفسہ لانہ مخلوق من مائہ دون اللبن اذ لیس اللبن کائنا من منیہ لانہ فرع التغذی وھو لا یقع الا بما یدخل من اعلی المعدۃ من اسفل البدن کالحقنۃ فلا اثبات فلا حرمۃ بخلاف ثابت النسب لان النص اثبت الحرمۃ منہ الخ پس صورت سوال میں حرمت ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ مزید برین رضیعۂ زوجہ بھی حلال ہے (اذا کان لبنہا من غیرہ) قال فی العلائیۃ طلق ذات لبن فاعتدت وتزوجت بآخر فحبلت وارضعت فحکمہ من الاول الخ وفی الشامیۃ ان الرضیعۃ بلبن غیر الزوج لا تحرم علی الزوج کما تقدم فی قولہ طلق ذات لبن الخ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

حکم نکاح عمہ وابن الاخ رضاعاً از زنا

سوال (۴۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ کے ساتھ زنا کیا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کے بنت الزید ہونے کا خود مسماۃ ہندہ کو اعتراف ہے اور اسی بار کا دودھ مسماۃ عائشہ بکر کی لڑکی نے پیا تو آیا زید کے پوتے خالد کا عقد مسماۃ عائشہ کے ساتھ ہوگیا ہے یا نہیں اور یہ رضاعت جو زید کے زنا کرنے کی بار کی عائشہ کے ساتھ واقع ہوئی مانع نکاح زید کے بیٹے یا پوتے کی ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ دونوں لڑکا لڑکی رضاعی پھوپی بھتیجا ہیں مگر رضاع لبن زنا سے ہوا ہے جس کے موجب حرمت ہونے میں اختلاف ہے۔ فی الدر المختار وبنت اخیه واخته وبنتها ولو من زنا وفیه وحرم الکل مما مر تحریمه نسباً ومصاھرۃ رضاعاً وفی رد المحتار مقتضی قوله والکل رضاعاً مع قوله سابقاً ولو من زنا حرمة فرع المزنیة واصلها رضاعاً وفیه ومقتضی تقییده بالفرع والاصل انه لاخلاف فی عدم الحرمة علی غیرهما من الحواشی کالاخ والعم الی قوله قلت وهذا مخالف لما مر من التعمیم فی قول الشارح ولو من زنا اھ۔ اور چونکہ معاملہ فروج کا احتیاط کا ہے لہذا حرمت پر عمل کرنا بہتر ہے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۲۸)

حرمت نکاح در رسوم شادی الخ

سوال (۴۰۶) امردان را مثل دختران باہم دیگر نکاح در رسوم شادی تمام رسومات ادا می کنند دریں باب حکم شرع چیست۔

الجواب۔ قال الله تعالی انکم لتاتون الرجال شهوۃ من دون النساء وقال تعالی وجعل منها زوجها لیسکن الیها وخلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن الله المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء رواہ البخاری مشکوۃ باب الترجل نصوص مذکورہ صریح است در حرمت ایں فعل وموجب لعنت بودن او۔

نکاح با اولاد بہنوئی کہ از بطن ہمشیرہ نا کح نباشد

سوال (۴۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کی شادی بعقد نکاح عمرو کے ساتھ کردی کچھ عرصہ کے بعد عمرو کی عورت یعنی دختر زید اولاد چھوڑ کر مرگئی عمرو نے اپنا نکاح ایک اور عورت

سے کر لیا اس سے بھی اولاد ہو گئی اُس طرف زید نے بھی اپنی بی بی کے مرجانے پر اپنا نکاح اور عورت سے کر لیا اُس کے بھی اولاد ہو گئی اور یہ دونوں عورتیں جو اس وقت زید وعمرو کے نکاح میں ہیں باہم کسی طرح کا بھی رشتہ نہیں رکھتی اب ان دونوں کی اولاد کا رشتۂ مناکحت آپس میں ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زید کی اولاد کا عمرو کی اس اولاد سے جو کہ دختر زید سے نہیں ہے کوئی علاقہ حرمت کا نہیں ہے اسلئے ان میں باہم مناکحت جائز ہے۔ ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۲۶)

حرمت زوجہ بمس مادرش و جواب شبہ بے قصور بودن زوجہ

سوال (۴۰۸) بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا ہاتھ زوجہ کی ماں یا بہن پر بخیال اپنی عورت کے رات کو شبہ میں پڑجائے تو اُس کی عورت تمام عمر کے لئے اس مرد پر حرام ہو گئی اگر ہاتھ پڑ گیا ہو اور ہاتھ یا پیر کو ہاتھ لگنے پر معلوم ہو جاوے اور مرد ناکام واپس ہو جاوے تو کس گناہ کا مرتکب سمجھا جاوے اور اس گناہ سے کیونکر سبکدوش ہو سکتا ہے اور حرکت کرنے سے یہ گناہ لازم آتا ہے یا صرف ہاتھ پانوں ایسے خیال میں لگنے سے بھی مفصل مطلع فرماویں چونکہ اکثر لوگ ایسی حالت میں اصلی عورت کو بے قصور کہتے ہیں کیا اس عورت سے پھر کسی طرح نکاح دوبارہ کچھ کفارہ وغیرہ دیکر حلالہ وغیرہ سے جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ جائز نہیں اور گناہ صرف قلت تحقیق کا ہوا زیادہ نہیں ہوا لیکن زوجہ حرام ہو گئی اس کا حرام ہونا کسی قصور کی وجہ سے نہیں بلکہ جب سبب پایا جاتا ہے سبب پایا جاتا ہے کوئی شخص بھولے سے زہر کھالے گناہ تو نہیں مگر مرجاوے گا اور یہ حکم ساس کے ہاتھ لگانے میں ہے اور اگر زوجہ کی بہن کو اس طرح ہاتھ لگ گیا زوجہ حرام نہ ہو گی۔ (تتمہ ثالثہ ص۳۲)

حرمت نکاح عمۂ رضاعیہ

سوال (۴۰۹) زید کی زوجۂ اولیٰ کا دودھ بکر نے پیا اور بکر کی حقیقی بہن کی لڑکی ہندہ نے زید کی زوجہ ثانیہ کا دودھ پیا تو آیا بکر کے لڑکے عمرو کیساتھ ہندہ کا عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں اور رضاعت کا تعلق ایسی صورت میں مانع عقد ہوتا ہے یا نہ۔

الجواب۔ اس صورت میں عمرو اور ہندہ رضاع کے علاقہ سے باہم پھوپی بھتیجے ہوئے اور یہ رشتہ جس طرح نسب سے حرام ہے اسی طرح رضاع سے بھی حرام ہے پس ان دونوں میں نکاح حرام ہے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ رابعہ ص۲)

تعدیۂ حرمت مصاہرت مزنیہ بجانب اصول و فروع رضاعیہ

سوال (۴۱۰) زید کو ایک عورت سے ناجائز تعلق ہو گیا جس نے زید کی زوجہ کو دودھ پلایا تھا یعنی زید کو اپنی زوجہ کی رضاعی

ماں سے زنا کیا آیا زید کی زوجہ زید پر حلال رہی یا حرام ہوگئی خلاصہ سوال یہ کہ حرمت مصاہرۃ مزینہ کے اصول و فروع رضاعیہ کی طرف متعدی ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار بیان المحرمات وحرم الکل مما مر تحریمہ نسبًا ومصاہرۃ رضاعًا الخ فی رد المحتار **تنبیہ** مقتضی قولہ والکل رضاعًا مع قولہ سابقًا ولو من زنا حرمۃ فرع المزنیۃ و اصلہا رضاعًا وفی القہستانی عن شرح الطحاوی عدم الحرمۃ ثم قال لکن فی النظم وغیرہا انہ یحرم کل من الزانی والمزنیۃ علی اصل الاٰخر وفرعہ رضاعًا اھ ج ۲ ص۴۵۶ و ۴۵۷ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کی بی بی زید پر حرام ہوگئی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (تتمہ ص۹)

سوال (۴۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے محمودہ سے جو زاہدہ کی دودھ پلائی ہے مباشرت بیجا کی اور اب زید زاہدہ سے عقد کرنا چاہتا ہے تو عقد جائز ہوگا یا نہیں اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رح کا کیا قول ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار مقتضی قولہ والکل رضاعًا مع قولہ سابقًا ولو من زنا حرمۃ فرع المزنیۃ و اصلہا رضاعًا اھ۔ تحت قول الدر المختار و حرم الکل مما مر تحریمہ نسبًا ومصاہرۃ رضاعًا اھ ج ۲ ص۴۵۶ و ص۴۵۷۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زید کا زاہدہ سے عقد جائز نہیں۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص۲)

جواز نکاح زانی از زوجہ پسر مزنیہ

سوال (۴۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں ایک مرد (الف) جس کا ایک ناجائز تعلق ایک عورت (ب) سے تھا یعنی وہ مرد (الف) اس عورت (ب) سے زنا کرتا تھا اور عورت (ب) کا شوہر (ج) اچھا خاصہ مرد تھا یعنی وہ سست نہیں تھا تو اس عورت سے لڑکا (د) پیدا ہوا اور وہ (د) جوان ہوگیا اور اس لڑکے (د) کی شادی کی اس کی ماں (ب) باپ (ج) نے اب اس لڑکے نے طلاق دیدی یا وہ لڑکا مر گیا اب ان صورتوں میں اس لڑکے (د) کی بی بی (ہ) سے اس مرد (الف) کا جو اس لڑکے کی ماں سے برا فعل کرتا تھا۔

عہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کی حلت تحریر فرمائی ہے اور حدیث یوم من الرضاع مایوم من النسب کی عجیب تقریر فرمائی ہے جو قابل دید ہے۔ اس کی تفصیل بندہ کے فتاویٰ کے مجموعہ "احسن الفتاویٰ" میں بلاحظہ ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار وبنت اخیه اخته وبنتها ولو من زنا الی قوله وزوجة اصله وفرعه مطلقا فی رد المحتار قوله ولو من زنا ای بان یزنی الزانی ببکر ویمسکها حتی تلد بنتا بحر عن الفتح قال الحانوتی ولا یتصور کونها ابنته من الزنا الا بذلك اذ لا یعلم کون الولد منه الابه اه ای لانه لو لم یمسکها یحتمل ان غیره زنی بها بعدم الفراش النافی لذلك الاحتمال اه قوله وزوجة اصله وفرعه الی قوله وذکر الاصلاب (ای فی الایة) لاسقاط حلیلة الابن المتبنی لا لاحلال حلیلة الابن رضاعا فانها تحرم کالنسب بحر وغیره اه قلت وکذا حلیلة الابن من زنا کما مر فی بنت اخیه واخته وبنتها۔ بنا بر روایات مذکورہ جواب یہ ہے کہ چونکہ اس لڑکے کا اس زانی کے نطفہ سے ہونا یقینی نہیں اس لئے اس کی بیوہ بیوی سے بعد انقضائے عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ ۲۰ صفر ۱۳۴۴ھ

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب آیا

حرام شدن زوجہ بسبب زنا کردن پدر شوہر با وے

سوال (۴۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں سوال اول:- زید کے باپ سے بد فعلی صادر ہوئی زید کی زوجہ کے ساتھ اور اس معاملہ کو زید نے بچشم خود دیکھا اب آیا زید پر وہ زوجہ حرام ہے یا نہیں اور اگر حرام ہو گئی تو پھر بعد نکاح کے رکھ سکتا ہے یا نہیں بحوالہ کتب بینوا توجروا۔

سوال دوم:- ایک مفتی سے یہ سوال بالا کیا انہوں نے یوں فتویٰ دیا۔

الجواب۔ حرام نہیں لقوله تعالیٰ احل لکم ما وراء ذلکم۔ کتبہ احمد علی عفی عنہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ

الجواب صحیح۔ کتبہ عبد اللہ عفی عنہ۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ

اس کے متعلق سوال یہ ہے کہ آیا جواب صحیح ہے یا غلط بینوا بالکتاب توجروا من اللہ الوہاب

یہاں سے اس کا یہ جواب دیا گیا

الجواب۔ حنفیہ کے مذہب پر غلط جواب ہے اور یہ ما وراء ذلکم میں نہیں ہے بلکہ ما نکح آباءکم میں داخل ہے اور اگر ما وراء ذلکم میں داخل بھی مان لیا جاوے

تب بھی ما، عام مخصوص البعض ہے چنانچہ جمع بین المراءۃ وخالتہا یا بینہا وبین عمتہا ماوراء ذلکم میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ ۸ رجمادی الاخریٰ ۲۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۵)

حکم نکاح درصورت شبہ رضاعت

سوال (۱۴۱۴) ایک لڑکی کا صغر سنی میں بولایت اپنے چچا کے کیونکہ اس کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا اس کے حقیقی ماموں زاد لڑکے سے نکاح کردیا نکاح کے وقت بھی خود لڑکے کے والدین یعنی دختر کے ماموں نے یہ کہا کہ اس لڑکی نے اپنی ممانی کا دودھ پیا ہے نکاح میں تعویق کی گئی لیکن پھر مشکوک ہوکر پختہ طریقہ پر یہ کہا کہ اگر لڑکے کی ماں زندہ ہوتی تو تحقیق ہوجاتی شاید نہ پیا ہو خیر نکاح اس کے ایمان پر چھوڑ کر کردیا گیا ازاں بعد کنبہ کی ایک عورت نے یہ کہا کہ واقعی میں نے بچشم خود لڑکی کو دودھ پیتے ہوئے اپنی ممانی کا دیکھا ہے کیونکہ لڑکی اور لڑکا دونوں صغیر سن تھے لڑکی کو اُس کے چچا نے اسی وجہ سے کہ دودھ کا قصہ ہے رخصت نہیں کیا لڑکی اب جوان ہے اور لڑکا بھی۔ لڑکے کا باپ متقاضی ہے کہ رخصت کردوا اور اپنے پہلے قول سے منکر ہے کہ دودھ نہیں پیا۔ جنھوں نے بچشم خود دیکھا تھا ان عورتوں کا انتقال ہوگیا سماعی مشکوک کہنے والے موجود ہیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں رخصت لڑکی کو کردیا جاوے یا نہیں جلد جواب باہ ادب مرحمت فرما کر مطمئن فرمائیے کہ کیا کیا جاوے۔

الجواب۔ ماموں کا جب اپنے قول پر اصرار نہ رہا وہ قول تو کالعدم ہوگیا۔ فی الخانیۃ اذا اقر رجل ان امرأتہ اختہ من الرضاع ولم یصر علی اقرارہ کان لہ ان یتزوجہا کذا فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۳۔ قلت اذا کان الحکم فی عدم اصرار الزوج ہذا ففی عدم اصرار غیر الزوج بالاولیٰ۔ باقی اس کے بعد جو کنبہ کی ایک عورت نے اپنا مشاہدہ بیان کیا تو صرف اس کا قول تو حجت نہیں فی البحر الرائق والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قبل النکاح فظاہر المتون انہ لا یعمل بہ کذا اخبار برضاع طارفلیکن ہو المعتمد فی المذہب ج ۳ ص ۲۳۳۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ زوجین یعنی یہ لڑکا اور لڑکی اُس عورت کی تصدیق کرتے ہیں یا دونوں تکذیب کرتے ہیں یا لڑکا تکذیب کرتا ہے اور لڑکی تصدیق یا اس کا عکس یہ چار صورتیں ہیں صورت اولیٰ میں نکاح مرتفع ہوجائے گا اور صورتِ ثانیہ میں نکاح رہے گا لیکن اگر زیادہ دل کو اس کا صدق لگتا ہو تو احتیاطاً اس کو چھوڑ دے اور تیسری صورت میں نکاح باقی ہے لیکن

عورت مرد سے قسم لے سکتی ہے کہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ تو میری رضاعی بہن ہے اور چوتھی صورت میں بھی نکاح مرتفع ہو جائے گا کذافی البحر الرائق عن خزانۃ الفقہ ج ۲ ص ۲۳۲۔

خلاصہ یہ کہ خود اس عورت کے قول سے تو کچھ ثابت نہ ہوگا اسی طرح منکوحہ کی تصدیق سے بھی کچھ نہ ہوگا ہاں مرد سے قسم لے سکتی ہے باقی اگر مرد نے تصدیق کرلی یا مرد کے جی کو لگ گیا تو طلاق دیدینا چاہیئے وھو الاحتیاط فی العمل بقولہ یرتفع النکاح ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴)

جواب سوالات در بارۂ زنا با ربیبۂ خود

سوال (۴۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی عمرو نے اپنی بیوی کی بیٹی ربیبہ سے جو دوسرے شخص کے نطفہ سے تھی زنا کیا آیا مذہب شافعیہ اور مالکیہ کی رو سے یہ شخص مسلمانان متنفران کے ساتھ جو حنفی مذہب ہیں پاک ہو سکتا ہے یا نہیں گو اس نے اس حرکت سے سخت توبہ کی اور نادم ہوا لیکن حنفی لوگ اب اس کو بلا قطع تعلق بیوی کے مسلمان نہیں سمجھتے ہیں اگر اس مسئلہ میں مالکیہ و شافعیہ کی تقلید کی جاوے تو اس کی بیوی جس کو وہ چھوڑنا نہیں چاہتا ہے اس پر حلال ہوگی یا حرام ہی مطابق مذہب حنفیہ کے رہے گی قطع تعلق جو سخت مشکل ہے بیوی سے اور غیر ممکن ہے کیونکر درست ہوگی اور کوئی صورت اس کی بیوی کے حلال ہونے کی شریعت میں ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ قولہ پاک ہو سکتا ہے۔ جواب توبہ گناہ سے پاک کردیتی ہے قولہ مسلمان نہیں سمجھتے۔ جواب۔ حرام کو حرام سمجھتے تب تک کافر نہیں ہوا کافر سمجھنا گناہ ہے قولہ تقلید کی جاوے۔ جواب۔ ضرورت تقلید کی کیا ہے بجز نفس پرستی کے۔ سو شرعاً یہ ضرورت نہیں۔ قولہ چھوڑنا نہیں چاہتا۔ جواب۔ وجہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تتمہ ۵ ص ۱۸۵)

حلت نکاح بازنیکہ زنا با ولد مرتکبہ او کنانید

سوال (۴۱۶) ایک مرد (زید) نے ایک عورت (ہندہ) سے زنا کیا تھا پھر وہ عورت (یعنی ہندہ) اس مرد (یعنی زید) سے جدا ہو گئی اور چند سال اور ایک عرصہ کے بعد اُس عورت (یعنی ہندہ) نے کسی اور مرد (بکر) سے زنا کیا اُس مرد سے لڑکا (خالد) پیدا ہوا اس لڑکے (خالد) نے ایک عورت (نادرہ) سے زنا کیا اور اس عورت (نادرہ) کو جدا کردیا اب یہ عورت (نادرہ) اُس اول الذکر مرد (زید) سے نکاح کرنا چاہتی ہے جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن الخیر الرملی ولا (تحرم) زوجۃ الربیب ولا زوجۃ الراب اھ قلت وظاھر ان ابن المزنیۃ لا یفوق الربیب ومزنیۃ الربیب لا تفوق زوجۃ الربیب فلما حلت زوجۃ الربیب فمزنیۃ ابن المزنیۃ بالاولی۔ حاصل یہ کہ زید کا نکاح نادرہ سے حلال ہے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

دلیل ثبوت حرمت مصاہرت بالزنا

سوال (۴۱۷) کیا حنفیہ کے پاس حرمت بالزنا کے مسئلہ میں کوئی وجہ استنباط کی قرآن مجید سے بھی ہے۔

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم الآیۃ آیت اس بات میں تو نص ہے کہ حرمت مصاہرۃ بنت المنکوحہ کی موقوف ہے اُس منکوحہ سے دخول پر اور اس حرمت میں کیا چیز ہے آیا نکاح محض یا نکاح بشرط دخول یا دخول محض یا دخول بشرط نکاح یا دونوں کا مجموعہ سو یہ سب احتمالات ہیں کیونکہ تتبع احکام سے سب میں صلاحیت علت مؤثرہ ہونے کی معلوم ہوتی ہے چنانچہ بعض احکام میں صرف نکاح کو بلا دخول مؤثر پایا جاتا ہے جیسے امہات نساء کی حرمت اور جیسے حلائل ابناء یا نساء آباء کی حرمت اور بعض احکام میں صرف دخول کو بلا نکاح مؤثر پایا جاتا ہے جیسے موطوءہ بالشبہ کا عقر اور بعض احکام میں احدہما بشرط الآخر مؤثر دیکھا جاتا ہے جیسے نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے وجوب مہر کامل اور بعض احکام میں مجموعہ مؤثر پایا جاتا ہے جیسے رجم کہ اس کے لئے نہ صرف نکاح موجب ہے نہ صرف دخول اور اس میں احتمال غیر ناشی عن دلیل ہے کہ مؤثر نکاح ہو مگر بشرط دخول کیونکہ نکاح مجرد کا کوئی اثر اس عقوبت کی جنس میں کہیں پایا نہیں گیا بخلاف وجوب مہر کامل بعد النکاح والدخول کے وہاں یہ احتمال موجود ہے کیونکہ صرف نکاح بھی نصف مہر کے وجوب میں مؤثر پایا گیا ہے تو مہر میں اس احتمال کی دلیل موجود ہے اور یہاں نہیں اور احتمال غیر ناشی عن دلیل غیر معتبر ہے لہذا رجم میں صرف نکاح بشرط دخول کو مؤثر نہ کہیں گے اور اسی طرح دخول کے مؤثر کہنے کا بھی کوئی قرینہ نہیں لہذا اس کو بھی مؤثر نہ کہیں گے پس مجموعہ ہی مؤثر ہوا اس سے ثابت ہو گیا کہ علیت کی صلاحیت ان سب میں ہے نکاح میں بھی دخول میں بھی ہالا شتراط بھی بلا اشتراط بھی مجموعہ میں بھی اس لئے بنت منکوحہ کی حرمت

کی علت میں سب مذکورہ احتمالات ہوئے اور نص سے احتمال اوّل تو باطل ہے پس چار احتمال باقی رہے اور نص ہی سے یہ بھی یقینی ہے کہ مجموعہ کے وجود کے بعد ترتیب حرمت کا دخول ہی کے متصل ہوا ہے اور اصل نسبت حکم کی جزو قریب کی طرف جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں اُس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے جیسے عنقریب واضح ہوگا لہٰذا حرمت کو دخول ہی پر مرتب کیا جاوے گا پس احتمال اخیر بھی ساقط ہوا پس ترجیح اسی کو ہوئی کہ اصل علت حرمت کی دخول ہے خواہ بشرط نکاح یا بلاشرط نکاح اور اصل علت کی مؤثریت میں عدم اشتراط ہے الا ان یدل علیہ دلیل اور یہاں کوئی دلیل نہیں کیونکہ اس اشتراط کی دلیل بھی وہی ہو سکتی تھی جو صرف دخول کی طرف حکم حرمت کے منسوب نہ ہونے کی دلیل ہو سکتی تھی سو اس کے متعلق اوپر اس قول میں تحقیق کا وعدہ کیا گیا ہے کہ عنقریب واضح ہوگا پس ایک ہی احتمال متعین ہو گیا کہ ربائب کی حرمت مصاہرت کی علت صرف دخول ہے اور جب دخول کا علت مؤثرہ ہونا مورد نص میں ثابت ہو گیا تو غیر ربائب میں یعنی بنات الموطوءہ میں بھی قیاس سے حکم متعدی ہو گیا اور چونکہ موطوءہ کے تمام اصول وفروع میں اسی طرح تمام اصول وفروع کے موطوءات میں کوئی فصل کا قائل نہیں اس لئے بنات الموطوءہ میں حرمت مصاہرت کا حکم کرنے سے سب میں حکم کر دیا جاوے گا مگر چونکہ اس دلیل کے بعض مقدمات ظنیہ ہیں اس لئے اس حکم کو ظنی کہا جاوے گا۔ اب صرف وعدہ مذکورہ قول واضح ہوگا۔ کا ایفا باقی رہا سو مراد اس سے وہ روایات ہیں جن سے جمہور نے اس میں تمسک کیا ہے کہ صرف وطی سے حرمت مصاہرت نہیں ہوتی اگر یہ تمسک متکلم فیہ نہ ہوتا تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دخول میں علت ہونے کی صلاحیت نہیں اسی طرح یہ بھی ثابت ہو جاتا کہ دخول کے ساتھ نکاح شرط ہے لیکن وہ روایات متکلم فیہ ہیں جیسا اعلاء السنن میں اُس کی تحقیق کی گئی ہے اس لئے ان کی دلالت حنفیہ پر حجت نہیں اور یہ وجہ مسئلہ کی من حیث المعقول ہے اور اس کی تائید منقول سے بھی ہوتی ہے جو اعلاء السنن میں مذکور ہے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۵)

حرمت نکاح با فرع اخت رضاعیہ

سوال (۴۱۸) ایک عجوزہ نے بعد سن ایاس وانقطاع حیض و نفاس وغیرہ کے یعنی بعد ساٹھ برس کے اپنی ایک بیٹی کے فرزند شیر خوار کو گود میں لیا اور اس کی پرورش کرنے لگی قدرت خدا سے اتفاقاً اس کے پستان میں دودھ

پیدا ہو گیا اور اس فرزند شیر خوار نے پیا اور اسی عجوزہ کی دوسری بیٹی کی ایک دختر یعنی نواسی ہے سوال یہ ہے کہ اس دوسری بیٹی کی دختر کا نکاح اس فرزند رضیع کے ساتھ (جو کہ اس نواسی کی نانی کا اخ رضاعی ہوا) ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ دوسری بیٹی کی دختر اس فرزند رضیع کی اخت رضاعی کی فروع میں سے ہے اور اخت کے فروع اور فروع الفروع اخ پر سب حرام ہیں اور اس قرابت کی حرمت میں نسب و رضاع کا ایک حکم ہے لہذا ان میں نکاح نہیں ہو سکتا اور ارضاع میں آئسہ وغیر آئسہ برابر ہیں۔ فی الدر المختار باب الرضاع ھو مص من ثدی آدمیۃ ولو بکرا او میتۃ او آئسۃ فی رد المحتار قولہ او آئسۃ ذکرہ فی النھر اخذا من اطلاقھم قال و ھو حادثۃ الفتوی۔ واللہ اعلم۔ ۷ر شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۵۱)

ماموں کی بیوی سے اور بیٹے کی بیوی سے الخ

سوال (۴۱۹) ماموں کی بیوی اور بیٹے کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات کے نکاح درست ہے یا نہیں اور نیز بھانجہ کی بیوی اور بھتیجے کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات کے نکاح درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ ماموں کی بیوی سے بعد طلاق یا وفات نکاح درست ہے۔ اور بیٹے کی بیوی سے نکاح باطل و حرام ہے اور بھانجہ کی بیوی اور بھتیجے کی بیوی سے بھی نکاح حلال ہے۔ فی الدر المختار و زوجۃ اصلہ و فرعہ مطلقا اھ قلت فالخال و ابن الاخ و ابن الاخت لیسوا باصول ولا فروع۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۲ر ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ،

عدم اعتبار قول مرضعہ و شہادت زنان در رضاع

سوال (۴۲۰) ایک عورت نے اپنے داماد سے بچپن کی شیر خواری کا دعویٰ کیا اور اس کی صرف دو عورتیں شاہد ہیں اور کوئی نہ مرد گواہ ہے نہ کوئی عورت بلکہ اکثر مرد و عورت یہ کہتے ہیں کہ ہم ضامن ہیں کہ اس نے شیر خواری نہیں کی ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار و شرط العدالۃ فی الدیانات کالخبر عن نجاسۃ الماء فیتیمم ان اخبر بھا مسلم عدل فی رد المحتار فی الدیانات ای المحضۃ درد احترازا عما اذا تضمنت زوال الملک کما اذا اخبر عدل ان الزوجین ارتضعا من امرأۃ واحدۃ لا یثبت الحرمۃ لانہ یتضمن زوال ملک المتعۃ فیشترط العدد والعدالۃ جمیعا اھ ج ۵ ص ۳۳۹

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس عورت کا بیان کافی نہیں بلکہ دو مرد

یا ایک مرد اور دو عورتیں معتبر شاہد ہوں تب معتبر ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ یکم صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۵۲)

جواز نکاح با اخت نسبیہ اخت رضاعی دبرادر رضاعی

سوال (۴۲۱) سماۃ ہندہ کی دو لڑکیاں سماۃ کلثوم و سماۃ زینب ہوں اور سماۃ راویہ کے ایک لڑکا مسمیٰ زید ہے اور سماۃ کلثوم اور زید برادر رضاعی اس طرح پر ہوں کہ سماۃ کلثوم نے سماۃ راویہ کا دودھ پیا ہو تو زید کا عقد ساتھ زینب کے جائز ہوگا یا نہیں،

الجواب۔ صورتِ مسئولہ میں زینب زید کی رضاعی بہن یعنی کلثوم کی نسبی بہن ہے اسلئے نکاح جائز ہے۔ فی الدر المختار وتحل اخت اخیہ رضاعا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی ولہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعا اخت نسبا وبھما وھو ظاھر اھ۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۵۲ ج ۲)

سوال (۴۲۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے مدت رضاعت میں ہندہ کی والدہ کا دودھ پیا اور ہندہ نے مدت رضاعت کے اندر زید کی والدہ کا دودھ پیا پس زید کا ایک بھائی حقیقی عینی مسمی بہ عمرو ہے اور عمر میں زید سے چھوٹا ہے اور ہندہ کی ایک بہن سماۃ بہ زینب حقیقی عینی مسمی ہے پس آیا درمیان عمرو زینب کے نکاح درست ہے یا نہیں بموجب حکم شرع شریف کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار وتحل اخت اخیہ رضاعا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان تکون لاخیہ رضاعا اخت نسبا وبھما وھو ظاھر اھ،

پس چونکہ صورت مسئولہ میں عمرو اور زینب میں علاقہ یہ ہے کہ زینب اخت نسبی ہے ہندہ کی جو کہ اخت رضاعی ہے عمرو کی اور عمرو اخ نسبی ہے زید کا جو کہ اخ رضاعی ہے زینب کا اس لئے بنا بر روایت بالا عمرو اور زینب میں باہم نکاح درست ہے ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ص ۹۶)

جواز نکاح پدر بایک زن ونکاح پسر باخواہر آن زن

سوال (۴۲۳) ہندہ و زینب دونوں حقیقی بہن ہیں اور زید و عمر دونوں باپ اور بیٹے حقیقی دونوں کا نکاح زینب اور ہندہ سے جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے فقط واللہ اعلم۔ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۵۳)

حرمت نکاح اولاد ایں دو نکاح مذکورۂ بالا در سوال

سوال متعلق سوال بالا (۴۲۴) اور ان دونوں سے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوئے ان دونوں کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ حرام ہے۔ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۵۲)

زید کی مرضعہ کی سب لڑکیاں زید پر حرام ہیں

سوال (۴۲۵) زید نے ہندہ کے ہمراہ ہندہ کی حقیقی والدہ کا دودھ پیا اب صرف ہندہ ہی کا زید سے نکاح از روئے شرع شریف ناجائز اور حرام ہے یا اس کی کل بہنوں کا بھی۔ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار ولا حل بین رضیعی امرأة لکونہما اخوین و ان اختلف الزمن والاب ولا حل بین الرضیعة وولد مرضعتہا الخ مع مایتعلق بہ من رد المختار ج ۲ ص ۶۷۰۔

بنابر روایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں ہندہ کی والدہ کی تمام لڑکیاں زید پر حرام ہیں۔ فقط ۹ / ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۶)

عدم اعتبار رضاعت باستعمال شیر زن در مغز یا گوش یا بینی

سوال (۴۲۶) ایک لڑکا جس کی عمر پورے ڈھائی برس کی ہے وہ بیمار ہوا اور محلہ میں سے کسی عورت کا دودھ اس کے ناک کان میں ڈالا گیا یا مغز میں لگایا گیا تو اس کے استعمال سے شرعاً وہ عورت اس کی رضاعی ماں قرار دی جاوے گی یا نہیں۔

الجواب[ع] ۔ فی الدر المختار ولا الاحتقان والاقطار فی اذن واحلیل و جائفة وآمّة ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں وہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں نہ ہوگی۔ ۵ / ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۳)

سوال (۴۲۷) ایک عورت نے اپنے شوہر کی اجازت سے اپنا دودھ اپنے چچازاد بھائی کو بطور دوا ناک میں ڈالنے کو دیا اس بھائی نے اس دودھ کو خالصاً یا دوسری ادویات میں شامل کرکے ناک میں سعوط کیا اُس وقت ایک لڑکی حالت رضاعت میں تھی جو کچھ عرصہ بعد فوت ہوگئی استعمال دودھ کے کچھ عرصہ بعد اُس عورت کے اولاد ہوئی

ع کیونکہ اگر باپ کے لڑکا اور بیٹے کی لڑکی پیدا ہوں تب تو وہ آپس میں چچا اور بھتیجی ہوئے اور اگر بالعکس ہوں تو وہ باہم پھوپی بھتیجے ہوئے اور حرمت نکاح ان کی ظاہر ہے ۱۲ منہ ع ناک میں دودھ ڈالنا موجب حرمت ہے مگر صورت مسئولہ میں دودھ مدت رضاعت کے بعد ڈالا گیا اسلئے حرمت ثابت نہ ہوئی

اور اس کے چچازاد بھائی مذکور کے بھی اولاد ہوئی۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ آیا اس عورت کے لڑکوں کا عقد نکاح اُس کے چچازاد بھائی مذکور کی لڑکیوں کے ساتھ جائز ہے یا نہیں

الجواب۔ چونکہ یہ شخص رضیع نہیں اسلئے حرمت نہ ہوئی۔ (تتمہ خامسہ ص ۱۵۱)

سوال (۴۲۸) الامداد بابت ماہ جمادی اولی صفحہ ۳ میں رضاعت کے متعلق سوال ہے سوال سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بعد مدت رضاعت خود اس کے بھائی نے سعوط کیا ہے تو کیا بعد مدت رضاعت بھی سعوط سے حرمت ثابت ہوگی جیسا کہ جواب سے معلوم ہوتا ہے یا کیا

الجواب۔ واقعی سوال ہی کے سمجھنے میں مجھ سے غلطی ہوئی سائل کی عبارت میں میری نظر سعوط پر رہی اور ذہن میں یہ رہا کہ سعوط میں سائل کو شبہ ہے کہ یہ حکم رضاع میں ہے یا نہیں بس اس بناء پر جواب دیدیا اس طرف مطلق التفات نہ ہوا کہ سعوط کرنے والا رضیع نہیں اب سوال کا مفہوم معلوم ہوا اس لئے اب رجوع کرتا ہوں اور جواب کی تصحیح اس طرح کرتا ہوں کہ گو سعوط بحکم رضاع ہے مگر اس صورت میں خود رضاع ہی موجب حرمت نہ ہوتا کہ مدت رضاع کے بعد ہے اسلئے نکاح مسئول عنہ جائز ہے فقط (ترجیح ۵ ص ۱۱۵)

تحریم لبن فحل | **سوال (۴۲۹)** ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ۔ زید کے اُس کی منکوحہ زینب کے بطن سے ایک پوتا خالد اور ایک نواسی صالحہ ہے خالد نے ایام رضاعت میں زید کی دوسری منکوحہ خدیجہ کا دودھ پیا تو اب خالد کا نکاح صالحہ سے درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ صالحہ رضاعی بھانجی ہے خالد کی پس حسب قاعدہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ان میں باہم نکاح جائز نہیں۔

شرح اس کی یہ ہے کہ ہرچند کہ خالد کا اور صالحہ کی ماں کا اشتراک ایک مرضعہ میں نہیں ہے لیکن چونکہ دونوں عورتوں کا دودھ زید ہی سے ہے لہذا یہ دونوں مرضعہ بحکم مرضعہ واحدہ ہیں۔ کما فی الھدایۃ لبن الفحل تتعلق بہ التحریم الی قولہ ویصیر الزوج الذی نزل لبنہا منہ ابا للمرضعۃ ثم قال لانہ سبب لنزول اللبن منہا فیضاف الیہ فی موضع الحرمۃ۔

ؔ رسالہ الامداد ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ میں جو جواب درج ہے اس میں یہ غلطی ہوگئی تھی کہ ذہن میں اس شخص کے رضیع ہونے کا خیال رہا لہذا یہاں صحیح جواب درج کیا گیا ہے ۱۲ شبیر علی عفی عنہ،

نقط ۲۹؍رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۴۲)

عدم ثبوت رضاع از محض گرفتن بچہ ثدی را در دہن

سوال (۴۳۰) اگر محض چھاتی سے بچہ کا منہ کسی طرح پر لگا یا گیا ہو ارادۃً یا سہواً خواہ کسی طور پر ہو جس کا اثر بھی مطلق نہ ہوا ہو دودھ پلانا مان لیا جاوے گا اگر شرعاً عقد ممنوع ہو یا بصورت ادائے کفارہ وغیرہ جائز ہو سکتا ہو تو کس طریقہ پر ادا کرنا چاہیئے۔

الجواب۔ اگر دودھ منہ میں دینے والی یقین کے ساتھ کہتی ہو کہ بچے نے بالکل دودھ نہیں لیا اور ایک قطرہ دودھ بھی اس نے نہیں پیا تو محض چھاتی منہ میں لینے سے حکم رضاعی ثابت نہیں ہوتا فی الدر المختار ان علم وصولہ بجوفہ من فمہ او انفہ لا غیر فلو التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لم یحرم لان فی المانع شکاً ولوالجیۃ، فی رد المحتار وفی الفتح لو ادخلت الحلمۃ فی الصبی وسکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمۃ بالشک ص ۶۶۴ ۱۲؍رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۳)

سوال (۴۳۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وفقہائے عظام اس بارہ میں کہ ایک عورت کے دس بچے ہیں اور سب میں سے جو آخر کا بچہ ہے اُس کے چھ بچے پیدا ہوئے ان چھ بچوں میں سے بھی جو آخری لڑکا پیدا ہوا اس کی ماں فوت ہوگئی اور اس کی بڑھیا دادی نے یعنی وہ پہلی عورت جس کی یہ سب اولاد ہوئی اس لڑکے کو اپنی پستانوں پر لگایا مندرجہ بالا تفصیل اولاد اور نیز مزید معلومات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بڑھیا کی عمر اس وقت قریباً (۱۰۰) برس کو پہونچ چکی ہوگی ورنہ ۸۰ برس سے کم ہرگز نہیں اور یہ بھی ثابت نہیں کہ اس کی پستانوں میں کوئی دودھ پیدا ہوا ہو اور نہ ایسا امکان ہی ہے تاہم لوگ اس لڑکے کو رضاعی بچہ تصوّر کر کے اس بڑھیا کی ساری اولاد سے شادی کرنا شرعاً جائز نہیں سمجھتے ہم نے جن بعض چھوٹے چھوٹے ملاؤں سے استفسار کیا ہے تو وہ سب نفی میں جواب دیتے ہیں حالانکہ از روئے قانون طبیہ جب یہ عمر دودھ پیدا ہونے سے خارج معلوم ہوتی ہے اور معلومات سے بھی یوں ہی ثابت ہوتا ہے کہ دودھ پیدا نہ ہوا تھا تو پھر رضاعی بچہ شمار کرنا کیسا۔ للہ مصرح جواب سے آگاہ فرما کر مشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار فلو التقم الحلمة ولم یدر ادخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیة فی رد المحتار قوله فلو التقم الخ تفریع علی التقیید بقوله وان علم وفی القنیة امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتها ثدیی ولم یعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اھ ط وفی الفتح لو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك اھ ج ۲ ص ۶۶۴۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر دودھ اترنا اور حلق میں جانا اس دودھ پلانیوالی کے قول سے یا دوسری کسی دلیل سے ثابت ہو تب تو رضاع مع اپنے احکام کے ثابت ہوگا اور جو کوئی ثبوت نہ ہو تو صرف پستان منھ میں دینے سے رضاع ثابت نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ دودھ پینے کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے دودھ نہ پینے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۸)

عدم حکم رضاع الخ

سوال (۴۳۲) بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا دو تین قطرے دودھ لیکر اُس کے منھ و حلق میں لگا دیا جاوے تو اس سے رضاعت کے بارہ میں کیا حکم ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار فلو التقم الحلمة ولم یدر ادخل اللبن فی حلقه ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا فی رد المحتار عن الفتح لو ادخلت الحلمة فی فی الصبی وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك ج ۲ ص ۶۶۴۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ثبوت حرمت کیلئے شرط یہ ہے کہ جوف تک پہنچنا متیقن ہو پس اگر صورت مسئولہ میں یہ وصول یقینی ہو اگرچہ قلیل ہی کا ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ شک میں حرمت نہ ہوگی۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ

جواز نکاح با دختر رضاعی منکوحۂ پدر

سوال (۴۳۳) کیا حکم صادر فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد وفات زوجہ اولیٰ کے اپنا دوسرا عقد ہندہ کے ہمراہ کیا اور زید کے زوجہ اولیٰ سے ایک لڑکا ہے اور ہندہ کی ایک چھوٹی بہن ہے جس کو اس نے زید کے نکاح میں آنے سے قبل دودھ پلایا پس

پس اس صورت میں اگر پسر زید کا عقد ہندہ کی بہن کے ہمراہ کر دیا جاوے تو جائز ہوگا یا نہیں نیز اس وقت عرصہ اس رضاعت کو قریب تیرہ سال کے گزرا ہے پس صورۃ مذکورہ میں عقد مذکور جائز ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ وہ دودھ چونکہ زید کا نہیں لہٰذا ہندہ کی اس بہن کا کوئی رشتہ رضاعت کا پسر زید کے ساتھ نہیں اسلئے ان دونوں میں مناکحت حلال ہے۔ ۲۸ر ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص۱۷۱)

حکم اخراج منی بساق یا دست حائضہ

سوال (۴۳۴) زید کو جماع کی سخت ضرورت ہے اور اس کی زوجہ حائضہ ہے اس صورت میں وہ کیا کرے گا۔

الجواب۔ بی بی کی ساق وغیرہ سے رگڑ کر نکالدے یا اس کے ہاتھ سے خارج کرادے لیکن اس کی ران وغیرہ کو مس نہ کرے فی الدر المختار ویمنع (ای الحیض) حل دخول المسجد الیٰ قولہ وقربان ما تحت الازار یعنی ما بین سرۃ ورکبۃ ولو بلا شہوۃ وحل ما عداہ مطلقا۔ فقط واللہ اعلم۔
۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۱۶۳)

رسالہ جلائل الانباء فی حرمۃ حلائل الابناء

سوال (۴۳۵) بعد الحمد والصلوٰۃ ایک صاحب نے الہ آباد سے ایک اشتہار بشکل استفسار بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی صلبی فرزند کی بیوی سے جو بیوہ تھی نکاح کر لیا لوگوں نے اعتراض کیا اور آیت وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم کو پیش کیا اس شخص نے جواب میں غایت بد دینی سے احکام میں انتہا درجہ کی تحریفات کیں اور کچھ تحریفات اُن کی تائید میں مشتہر نے کیں گو ان تحریفات کا بطلان اس قدر ظاہر ہے کہ اس کے اظہار سے شرم آتی ہے پھر تحریف بھی واضح اور قطعی امر میں پھر بنا بھی اس کی جہل بین جس میں کوئی درجہ شبہ تک کا بھی نہیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھکر کہ شاید کسی ہوا پرست کو آڑ نہ مل جاوے ضروری تنبیہ کیلئے سادہ الفاظ میں کچھ مختصراً لکھدینا مناسب معلوم ہوا اول اشتہار نقل کیا جاتا ہے جس کی نقل کے وقت تمام قلب ظلمت اور وحشت سے بھرا جاتا ہے پھر اسکا جواب نقل کیا جاتا ہے

استفسار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی صلبی فرزند کی جورو سے جو بیوہ تھی نکاح کرلیا جب یہ بات ہر خاص و عام میں مشہور ہوئی تو اکثر معترض ہوئے کہ یہ نکاح ناجائز ہے بیٹوں کی ازواج کو باپ کے اوپر پاک پروردگار نے حرام کیا ہے، سورۂ نساء کی آیت پیش کی گئی کہ (حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم الی اٰخر البیان) وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ ترجمہ اردو قرآن شریف مطبوعہ۔ حرام کی گئیں تم لوگوں پر جوروئیں تمہارے فرزندوں کی جو تمہاری نسل سے ہیں اس آیت کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ اپنے صلبی فرزندوں کی جوروئیں مطلقاً حرام ہیں۔

اس کا جواب وہ شخص (جس نے اپنے فرزند کی زوجہ بیوہ سے نکاح کرلیا ہے) یہ دیتا ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں یعنی (حرمت علیکم حلائل ابنائکم الذین من اصلابکم) میں بیٹوں کی جوروؤں کو من حیث الزوجیت حکم حرمت کا نہیں فرمایا ہے اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ حرام کی گئیں اوپر تمہارے حلال ہونے والی عورتیں تمہارے فرزندوں کی وہ کہ تمہارے اصلاب سے ہیں۔ دیکھئے حلائل ابناء دو طرح پر ہیں ایک عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں جیسے بھتیجیاں و بھانجیاں وہ صرف تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے حرام اور دوسرے حلائل ابناء جو تمہارے غیر اصلاب کی ہیں وہ تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے بھی حلال ہیں جس کی تفسیر اللہ پاک خود فرماتے ہیں کہ (الذین من اصلابکم) یعنی کی گئیں تم لوگوں پر حلائل تمہارے بیٹوں کی وہ کہ تمہارے اصلاب سے ہیں جبکہ اللہ پاک نے حکم حرمت کا تمہارے بیٹوں کے ان حلائل پر جو تمہارے اصلاب سے ہیں خاص کردیا تو وہ حلائل تمہارے بیٹوں کی جو تمہارے غیر اصلاب سے ہیں حلال تمہارے لئے ہیں تحقق خاص بے عام محال ہوتا ہے حرام ہونا حلال ہونا۔ نکاح کرنا۔ علیحدہ علیحدہ معنی رکھتے ہیں جو شئے حرام ہے ہمیشہ حرام ہے اور جو شے حلال ہے ہمیشہ حلال ہے حلائل کے معنی ازواج کے نہیں ہیں جن اشخاص نے (حلائل ابنائکم) کے معنی تمہارے بیٹوں کی ازواج سمجھا غلط سمجھا (حلائل ابنائکم) اور (ازواج ابنائکم) میں

کس قدر تفاوت ہے جو ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے اگر تمہارے صلبی فرزندوں کی ازواج حرام ہیں تو یہ بھی ضرور مدنظر کرنا پڑے گا اور کہنا ہو گا کہ کون کون شخصوں کی ازواج حلال ہیں یہ امر مخفی نہ رہے کہ جورو ہیں کسی شخص کی حلال نہیں ہیں چاہے بھائی ہو چاہے چچا ہو چاہے بیٹا ہو چاہے بھتیجا ہو چاہے متبنی ہو کسی شخص کی جورو پر حکم حلال ہونے کا نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ کسی کی جورو ہے ہاں بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت کو قطع نظر کر کے دیکھنا چاہیئے کہ اب ہمارے ساتھ کیا رشتہ و تعلق ہے اگر اُن حرام شدہ عورتوں میں سے ہے جن کو ہمارے اوپر اللہ پاک نے بالتفصیل بیان فرمادیا ہے وہ بیشک حرام ہیں اور اگر علاوہ ہیں بحکم (واحل لکم ما وراء ذلکم) بیشک حلال ہیں دیکھیے اور منصب ہو کر ملاحظہ فرمائیے آباء کے منکوحہ سے نکاح کرنے کی ممانعت اللہ پاک ان الفاظوں سے کرتا ہے (لا تنکحوا ما نکح آباءکم من النساء) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ازواج کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت ان الفاظوں سے فرماتا ہے کہ (وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا) دونوں آیتوں میں لفظ (لا تنکحوا اور لفظ (ازواج) اور (ما نکح آباءکم من النساء) قابل توجہ ہے۔

اگر بیٹوں کی جوروؤں سے باپ کو نکاح کرنے کی ممانعت اللہ پاک کو کرنا ہوتا تو یہ فرماتا (لا تنکحوا ازواج ابناءکم) یا یہ فرماتا کہ (لا تنکحوا ما نکح ابناءکم من النساء) نہ یہ کہ (حرمت علیکم حلائل ابناءکم الذین من اصلابکم) لہٰذا اس آیت شریفہ سے یہ مفہوم لینا کہ تمہارے بیٹوں کی ازواج تمہارے اوپر حرام کی گئیں اللہ پاک کے حکم میں تحریف لازم آتی ہے۔ اور اگر کوئی صاحب اس امر میں مدعی ہوں کہ حلائل کے معنی ازواج ہی کے ہیں تو کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی اس معنی کے ثبوت میں بطور مثال کے تحریر فرمادیں جس سے یہ امر واضح اور روشن ہو جاوے کہ لفظ حلائل اور لفظ ازواج میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں لفظ ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہیں جیسے لفظ ازواج کے ثبوت میں یہ آیتیں ہیں پہلی مثال (اُسکن انت وزوجك الجنۃ) دوسری مثال (ھم و ازواجھم فی ظلال علی الارائك متکؤن) تیسری مثال (ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا)

اسی طرح چاہیئے کہ لفظ حلائل کے ثبوت میں آیت قرآنی یا حدیث نبوی بطور مثال کے تحریر کریں اور ذیل کے دو فقرہ جو زبان اردو میں لکھے جاتے ہیں عربی فصیح میں لکھیں۔ فقرۂ اوّل تمہارے بیٹے جو تمہارے اصلاب سے ہیں ان کی جوروئیں تمہارے اوپر حرام کی گئیں فقرۂ دوم تمہارے بیٹوں کی حلال ہونے والی عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں تمہارے اوپر حرام کی گئیں۔

ختم ہوا بیان اس شخص کا جس نے لفظ حلائل ابناء اور لفظ ازواج ابناء میں فرق بیان کیا اور اپنے خاص صلبی پسر متوفی کی زوجہ سے جو اس شخص کے اصلاب سے نہیں ہو عقد کر لیا۔ لہذا علمائے محققین کے حضور میں عرض ہے کہ شخص مذکور کے بیان کو ملاحظہ فرما کر اللہ و رسول کا جو حکم اس مسئلہ کے متعلق ہو تحریر فرماویں کیا شخص مذکور کا بیان صحیح سمجھا جائے کیا بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت از روئے قانون شرع شریف عورت کے اوپر سے حادث و ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ شخص مذکور کا بیان ہے کہ بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت قطع نظر کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے ساتھ کیا رشتہ و تعلق ہے اگر ان عورتوں میں سے ہے جن کو بالتفصیل آیت حرمت علیکم میں اللہ پاک نے حرام کر دیا ہے وہ حرام ہیں اور اس کے علاوہ حلال ہیں چاہے بیٹے کی زوجہ ہو چاہے متبنیٰ وغیرہ کی نہ بالکل ازواج ابناء حرام ہیں اور نہ بالکل ازواج متبناء و بھتیجا و بھانجا وغیرہ کی حلال جس کا فرق اللہ پاک کے اس حکم سے ظاہر ہے کہ (حرمت علیکم حلائل ابناءکم الذین من اصلابکم)

اگر حکم شرع شریف سے نسبت زوجیت بعد فوت شوہر یا بعد طلاق ساقط ہو جاتی ہے تو حکم حرمت کا ازواج ابناء پر کس طرح باقی رہ سکے گا۔ آج دن ازواج ابناء ہے اس پر حکم حرمت کا اس کے آباء پر ہوا بعد فوت شوہر یا بعد طلاق متبنیٰ کے ساتھ نکاح کر کے متبنیٰ کی زوجہ بن گئی اور اسی طرح بھتیجا یا بھانجا کی یا اور کسی کی زوجہ ہو گئی اوروں کے ازواج کو اردو ترجمہ قرآن شریف سے حلال ہونا سمجھا یا جاتا ہے اور صرف ابناء جو ہمارے اصلاب سے ہیں ان کے ازواج پر حکم حرمت کا لگایا جاتا ہے اور اگر نسبت زوجیت بعد فوت شوہر یا بعد طلاق ساقط نہیں ہوتی تو غیروں کے ساتھ اس کا نکاح کیسے جائز سمجھا گیا۔ کیا ہندوؤں کے مذہبی قانون کی طرح مذہب اسلام میں بھی ہے کہ جب عورت کا عقد

کسی شخص سے ہو گیا تو شوہر مر بھی جائے تا بزیست عورت نسبت زوجیت اس کے اوپر سے ساقط نہیں ہو سکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو ان کے یہاں دوسرا عقد عورت کا نہیں ہو سکتا۔ اصل حکم شرع شریف کا اس مسئلہ میں کیا ہے۔

جواب اشتہار بالا

تحریف اوّل - حلائل ابناء دو طرح پر ہیں ایک وہ عورتیں جو تمہارے اصلاب سے ہیں جیسے بھتیجیاں اور بھانجیاں وہ صرف تمہارے بیٹوں کے لئے حلال ہیں اور تمہارے لئے حرام اور دوسرے حلائل ابناء جو تمہارے غیر اصلاب کی ہیں وہ تمہارے بیٹوں کیلئے حلال ہیں اور تمہارے لئے بھی حلال ہیں (نعوذ باللہ) الیٰ قولہ اللہ پاک نے حکم حرمت کا تمہارے بیٹوں کے اُن حلائل پر جو تمہارے اصلاب سے ہیں خاص کر دیا۔

اصلاح اللہ بچائے جہل سے اس شخص نے صریح الفاظ میں الذین من اصلابکم کو حلائل کی صفت قرار دیا ہے جس کا جہل ہونا نحو میر والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ حلائل کی صفت ہوتی تو بجائے الذین کے الاتی ہوتا لغت میں بھی ایجاد ہونے لگا نا اللہ اور اگر ایجاد نہیں ہے تو کسی اردو ترجمہ میں دیکھکر بے سمجھے گمراہ ہوا ہے جیسا اشتہار بالا میں دو جگہ شروع کے قریب اور ختم کے قریب اردو ترجمہ کا حوالہ اس کا قرینہ بھی ہے اگر اس شخص کا اور کوئی جہل بھی نہ ہوتا یہ ایک جہل ہی اس کے جاہل ہونے اور کسی فتویٰ یا استدلال کے اہل نہ ہونے پر کافی شاہد تھا مگر مزید اظہار جہل کے لئے بقیہ جہالات آئندہ کا بھی اظہار مناسب مقام معلوم ہوا یہ تو لغت کے خلاف ہوا اور حس کے خلاف اس لئے ہے کہ بھتیجی بھانجی چچا یا ماموں کے صلب سے کہاں ہے اگر بھتیجی بھانجی کا صلب سے ہونا حقیقت ہے تو نعوذ باللہ قرآن میں کذب کا وقوع لازم آتا ہے اور اگر آیت میں مجاز ہے تو تعذر حقیقت کی دلیل اور مجاز کا قرینہ کہاں ہے اور عقل کے خلاف اس لئے ہے کہ بھتیجی بھانجی کی حرمت اوپر تصریحاً بنات الاخ و بنات الاخت میں مذکور ہو چکی ہے گو وہ حلائل ابناء بھی نہ ہوں پھر اس عنوان سے ذکر کرنا جس کو حکم میں کوئی دخل نہیں محض عبث ہوا حاشا کلامہ تعالےٰ من ذلک اس سے صاف معلوم ہوا کہ

ان کی حرمت صرف حلائل ابناء ہونے کی وجہ سے ہے گو اُن سے اور کوئی رشتہ بھی نہ ہو۔

تحریف دوم۔ جو شے حرام ہے ہمیشہ حرام ہے جو شئے حلال ہے ہمیشہ حلال ہے۔

اصلاح۔ اس کے خلاف کا تو خود یہ شخص اپنی تحریر میں قائل ہو گیا کیونکہ منکوحات الآباء کو حرام مانا تھا حالانکہ وہ قبل نکاح آباء حلال تھیں نکاح کے بعد حرام ہو گئیں اور ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں پھر یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ قبل نکاح ابناء حلال تھیں اور بعد نکاح ابناء ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئیں۔

تحریف سوم۔ بعد فوت شوہر یا بعد طلاق نسبت زوجیت کو قطع نظر کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے ساتھ کیا رشتہ و تعلق ہے الخ **اصلاح** یہ تقریر تو منکوحات الآباء میں بھی جاری ہے پھر ان کو محرمات موبدہ میں کیوں مانا جاتا۔

تحریف چہارم۔ اگر بیٹوں کی جوروؤں سے باپ کو نکاح کی ممانعت اللہ پاک کو کرنا ہوتا تو فرماتا لا تنکحوا ازواج ابناء کم یا فرماتا لا تنکحوا ما نکح ابناء کم من النساء **اصلاح**۔ جب ازواج اور حلائل کا ہم معنے ہونا لغت سے ثابت ہے تو دونوں عنوان برابر ہیں جسکو چاہیں اختیار کر لیں فی القاموس حلیلك امراتك وانت حلیلها الخ باقی نکتہ ترجیح کا سو اول تو ہر جگہ ضروری نہیں پھر یہاں ایک لطیف نکتہ بھی ہو سکتا ہے (چونکہ وہ علمی نکتہ ہے اس لئے عربی حاشیہ میں[۵] ملاحظہ کریجئے)

تحریف پنجم۔ اگر کوئی صاحب مدعی ہوں کہ حلائل کے معنی ازواج ہی کے ہیں تو کوئی آیت قرآنی یا حدیث نبوی اس معنی کے ثبوت میں بطور مثال تحریر فرماویں **اصلاح**۔ اول تو آیات و احادیث کی دلالت میں خود لغت کی نقل شرط ہے نہ کہ لغت کی دلالت میں قرآن و حدیث کی نقل شرط ہو۔ دوسرے حدیث میں یہ معنی وارد بھی ہیں (ان تزنی حلیلة جارك ومشکوٰۃ باب الکبائر)

---

[۵] السر فی التعبیر بہا ہہنا دون الازواج او النساء ان الرجل ربما یظن ان مملوکۃ الابن رقبۃً ملك للاب بناء علی العرف او بناء علی حدیث انت ومالك لابیك ان مملوکتہ متعۃً کمملوکتہ رقبۃ فلا یبالی بالاستمتاع بہا فاشار بمادۃ الحلائل دیکون الاضافۃ للتخصیص الی کونہن مخصوصۃ بالابناء فی انہا تحل مع زوجہا فی فراش واحد او تحل حیث کان او ان زوجہا یحل ازارہا او انہا حلال لزوجہا علی اقوال محتملۃ فی مادۃ الحل علی ما نقلت فی روح المعانی ولم تکن نقطۃ الازواج او النساء مفیدۃ لہذہ الاشارۃ۔ واللّٰہ اعلم ۱۲ منہ

تحریف ششم۔ اگر حکم شرع شریف سے نسبت زوجیت بعد فوت شوہر یا بعد طلاق ساقط ہو جاتی ہے تو حکم حرمت کا ازواج ابناء پر کس طرح باقی رہ سکے گا **اصلاح** تحریف سوم کی اصلاح میں اس کا الزامی جواب گذر چکا ہے اور حقیقی جواب یہ ہے کہ نکاح ابناء اگر حرمت موقتہ کی علت ہوتی جیسے غیر اصول وغیر فروع کا نکاح تو یہ تقریر صحیح تھی لیکن نکاح مذکور حرمت موبدہ کی علت ہے اس لئے نفس حدوث نکاح سے حرمت موبدہ متحقق ہو جاتی اس نکاح کا بقاء شرط نہیں جیسے نکاح آباء میں نفس حدوث نکاح کا بھی اثر خود اس مدعی کو بھی مسلم ہے جیسا اوپر گزرا اور اسی سے ایک **تحریف ہفتم** کا بھی جواب ہو گیا جس کو آخر میں بصورت الزام ظاہر کیا گیا ہے کہ کیا ہندوؤں کے مذہبی قانون کی طرح مذہب اسلام میں بھی ہے کہ جب عورت کا عقد کسی شخص سے ہو گیا تو شوہر مر بھی جاوے تا بزیست عورت نسبت زوجیت اُس کے اوپر سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ **اصلاح**۔ کی وجہ حقیقت مذکورہ سے ظاہر ہے کیونکہ بقاء حرمت سے بقاء زوجیت کا لازم نہیں آتا یہ تو جواب ہو گیا ان تحریفات کا جن میں دو آخر کی مشتہر کی ہیں مگر شاید اس جواب کے سمجھنے سے بعض لوگ بے علمی کا عذر کریں جس کا اس زمانہ میں احتمال کچھ بعید نہیں اسلئے ایسے لوگوں کے لئے دو باتیں جو نہایت ہی عام فہم ہیں معروض ہیں۔ **پہلی بات**۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنی حضرت زیدؓ کی منکوحہ مطلقہ حضرت زینبؓ سے نکاح کیا اور کفار نے اس بناء پر طعن کیا کہ وہ فرزند صلبی اور متبنی کا یکساں حکم سمجھتے تھے تو حق تعالیٰ نے اس طعن کا جواب اس طرح دیا کہ زید آپ کے فرزند صلبی نہیں ہیں چنانچہ سورۂ احزاب کی آیات[عہ] میں یہ مضمون مذکور ہے نیز آیت زیر بحث کا سبب نزول بھی بعض روایات میں یہی[عہ] واقعہ کہا گیا ہے اس جواب سے صاف معلوم ہوا کہ اگر زید فرزند صلبی ہوتے تو یہ طعن

عہ قال تعالیٰ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم الآیۃ وقال تعالیٰ زوجنا کہا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءہم اذا قضوا منہن وطرا الآیہ۔ وقال تعالیٰ ما کان محمد ابا احد من رجالکم الآیہ ۱۲ منہ۔

عہ فی الدر المنثور اخرج عبدالرزاق فی المصنف وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم عن عطاء فی قولہ تعالیٰ وحلائل ابنائکم قال کنا نتحدث ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لما نکح امراۃ زید قال المشرکون بمکۃ فی ذلک فانزل اللہ تعالیٰ وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ونزلت وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ونزلت ما کان محمد ابا احد من رجالکم واخرج ابن المنذر من وجہ آخر عن ابن جریج قال لما نکح النبی صلے اللہ علیہ وسلم امراۃ زید قالت قریش نکح امراۃ ابنہ فنزلت وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم ۱۲ منہ۔

صحیح ہوتا اور معلوم ہوا کہ فرزند صلبی متبنیٰ کا ایک حکم نہیں ہے سو اگر اس محرف کا دعویٰ صحیح ہوتا تو حضرت زید کے فرزند صلبی نہ ہونے کو جواب میں کچھ بھی دخل نہ ہوتا کیونکہ فرزند صلبی ہونے کی حالت میں بھی یہی حکم ہوتا تو معاذ اللہ اس جواب کا لغو ہونا لازم آتا ہے تعالیٰ کلامہ عن ذالک۔

دوسری بات۔ جو اس سے بھی سہل ہے (اور آجکل خصوصیت کے ساتھ عوام کے لئے دین کی حفاظت میں دستور العمل بنانے کی قابل ہے) یہ ہے کہ نزول قرآن مجید کے وقت سے اس وقت تک امت محمدیہ میں بے شمار علماء مفسرین محدثین اصولیین متکلمین فقہاء مجتہدین جن میں حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں گزر گئے مگر آیت سے کسی نے یہ حکم نہ سمجھا حتیٰ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی باوجود وعدہ الٰہیہ ثم ان علینا بیانہ نہ سمجھے اور اگر سمجھے تو باوجود امر الٰہی بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ آپ نے اس کو کبھی ظاہر نہیں فرمایا اس صورت میں عقل اور شرع آیا اس نئی بات نکالنے والے کو گمراہ کہیں گی یا نعوذ باللہ ان تمام مقبولین کو جن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور یہ بات بھی قابل تنبیہ کے ہے کہ یہ گمراہی محض حد بدعت تک نہیں بلکہ صریح کفر ہے کیونکہ اس میں انکار ہے قطعی ضروری کا۔ اللّٰھم لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ واھدنا الیٰ طریق الصواب۔ فی کل باب۔ یامن الیہ المرجع والمآب ؛

کتبہ اشرف علی عفی عنہ غرۃ ذیقعدہ ۴۹؁ھ (النور جمادی الاخری ۵۰؁ھ)

استدلال بر حرمت مادر مخطوبہ

سوال (۴۳۶) جمیع کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطبہ نکاح نہیں بلکہ استنکاح ہے مگر ہدایہ مولانا عبدالحی چھاپ کی کتاب العدۃ میں قولہ ولا تخطب المعتدۃ کے نیچے بحوالہ عینی لکھا ہے (الخطبۃ التزوج ونکاح المعتدات لایجوز) اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے یہاں کے بعض بعض مولوی اسی عبارت سے خطبہ کو نکاح سمجھ کر طرح بطرح کے مباحث اور جدال برپا کر رہے ہیں اور بنت کے خطبہ کو نکاح جان کر اُس کی اُمّ کو حرام کہہ رہے ہیں جناب اس میں کوئی کافی تحریر بحوالہ کتب عنایت فرمائیں یہ عبارت ساری کتب معتبرہ سے مخالف ہے۔

الجواب۔ آپ اس عبارت کو خود دیکھ کر پوری لکھئے میرے پاس کتاب نہیں ہے اسلئے عبارت معلوم نہیں کر سکا لیکن مطلب یہ ہے کہ خطبہ حکم تزوج میں ہے اور تزوج معتدہ

کا جائز نہیں لہذا خطبہ اس کا جائز نہیں اور جو من کل الوجوہ اُس کو نکاح کہتے ہیں اُن سے پوچھئے کہ نکاح کی تعریف کیا ہے اور آیا وہ خطبہ پر صادق ہے یا نہیں۔ ذیلقعدہ ۲۶ھ (تتمہ ۵ صد ۱۷)

باب الاولیاء والاکفاء

در تحقیق بعض تخالف در عبارات دو رسالہ

سوال (۴۳۷) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۹ در بیان ولی۔ ماں پھر دادی پھر نانی پھر نانا پھر حقیقی بہن وغیرہ تحریر ہے اور اصلاح الرسوم صد ۲۳ میں ماں پھر دادی پھر نانی پھر حقیقی بہن وغیرہ تحریر غرضکہ اس میں یہ تفاوت ہے کہ بہشتی زیور مذکو میں دادی کے بعد نانی کو ولی قرار دیا ہے اور اصلاح الرسوم میں نانی کو ولی قرار نہیں دیا لہذا تحریر فرمایا جاوے کہ عبادت بہشتی زیور پر فتوے ہے یا اصلاح الرسوم پر۔

الجواب۔ اصلاح الرسوم کی عبارت ناکافی ہے بہشتی زیور کا مضمون کامل ہے۔

ترتیب اولیاء نکاح و معنی مدار بودن بر شفقت

سوال (۴۳۸) ولی اقرب نکاح میں کون ہو سکتا ہے اور ولی ابعد کون کون ہے اور کس کو ولایۃ عام مذکورہ بالا حاصل ہے۔

الجواب۔ ولی نکاح عصبہ بنفسہ ہوتا ہے بہ ترتیب ارث و حجب یعنی اولاً جزء ثانیاً اصل ثالثاً جزء اصل قریب رابعاً جزء اصل بعید در صورت عصبہ نہ ہونے کے ولایت ماں کو ہے پھر دادی کو بعض نے بالعکس کہا ہے پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر پوتے کی بیٹی پھر نواسی کی بیٹی اسی طرح آخر فرع تک پھر حقیقی بہن پھر علاتی پھر اخیافی بہن بھائی پھر ذوی الارحام اوّل پھوپی پھر ماموں پھر خالہ پھر چچازاد بیٹی پھر اسی ترتیب سے اُن کی اولاد پھر مولی الموالاۃ در مختار میں یہ تفصیل موجود ہے فلیرجع الیہ واللہ اعلم۔ (امداد ج ۲ ص ۱۸)

سوال (۴۳۹) نابالغ عورتوں کی شادی میں جو اولیاء بموجب شرع شریف کے علی الترتیب ہوا کرتے ہیں تو یہ ولایت باعتبار وراثت کے ہے یا خیر اندیش ہونے کے اگر باعتبار وراثت ہونے کے ہے تو وراثت کیلئے کما ینبغی خیر اندیشی و صلہ رحمی مشروط ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار علی ترتیب الارث والحجب اس سے معلوم ہوا

؎ اور رام الامہ کے بعد ام الام ہے کذا فی الشامیۃ ۱۲ منہ

کہ عصبات میں ولایت بترتیب ارث وجب ہوتی ہے۔ وفی رد المحتار الجلد الاول ص۳۰۶ وبہ ظہران الفاسق المتہتک وہو بمعنی سیئ الاختیار لا تسقط ولایتہ مطلقا لانہ لو زوج من کفو بمہر المثل صح کما سیاتی بیانہ وما فی البزازیۃ من ان الاب والجد اذا کان فاسقا فللقاضی ان یزوج من الکفو قال فی الفتح انہ غیر معروف فی المذہب۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ولی کے خیر اندیش نہ ہونے کا یہ اثر تو ہے کہ بعض مواقع میں اس کے کئے ہوئے نکاح میں علماء کو کلام ہے لیکن یہ اثر کہیں نہیں کہ اس کی موجودگی میں ولی ابعد کا نکاح نافذ ہو جائے۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۳۵)

تحقیق ولایت ام بوقت فقدان یا غیبت منقطعہ عصبات

سوال (۴۴۰) اگر باپ دادا مر گئے ہوں اور چچا وغیرہ جو از روئے شرع شریف کے علی الترتیب اولیاء ہونے کا استحقاق رکھتے ہوں وہ سب کے سب لڑکی نابالغہ کے نکاح میں بسبب حسد یا رنجش یا اور کوئی سبب ہے کنارہ کش ہو جائیں یا بروقت موجود نہ ہوں خواہ کہیں چلے گئے ہوں خواہ مر گئے تو ماں ولی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام وفیہ للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب وفی رد المحتار عن الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رائہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ الخ ونقل ترجیحہ عن کثیر من الکتب اس سے یہ امور ثابت ہوئے اول جب اولیاء میں عصبہ نہ ہوں تو ماں کو ولایت ملتی ہے دوم جب پاس ہوں ولایت نہیں ہوتی گو رنج وحسد رکھتے ہوں۔ سوم جب اس قدر دور ہوں کہ ان سے رائے لینے تک موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا تب بھی ولایت ثابت ہوتی ہے۔ فقط ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۳۵)

زانیہ کو حق حضانت نہیں

سوال (۴۴۱) ایک عورت زانیہ نے انتقال کیا اور اس نے ایک لڑکی صغیرہ اولاد حرام سے چھوڑی اور اس عورت کی ایک خ... ... خالہ زاد بھائی بہن اور ایک حقیقی بہن ہے حق حضانت اس صغیرہ کا کس کو ہے اور خالہ اس کی مغنیہ اور زانیہ اور بہن وغیرہ بھی ایسی ہی ہیں اور ولی اس کا کون ہو سکتا ہے۔

الجواب۔ حق حضانت ان مذکورہ لوگوں میں سے کسی کو نہیں فسق وفجور وغیرہ سے خود ماں کا بھی حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے ان کا تو بدرجہ اولیٰ ساقط ہوگا۔ احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الام الا ان یکون مرتدۃ او فاجرۃ غیر مامونۃ کذا فی الکافی وکذا لو کانت سارقۃ او نائحۃ او مغنیۃ فلاحق لہا ہکذا فی النہر الفائق عالمگیری جلد ثانی میں ۵۵۶ اور ولایت اُس کی عامہ مسلمین کو ہے وہی اُس کو پرورش کریں واللہ اعلم۔ ۲۹ شوال۔

بھائی چچازاد کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح نہیں

سوال (۴۴۲) چچازاد بھائی ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح پہونچتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الولی فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ الی قولہ ثم لولد الام الذکر والانثی۔ سو اس روایت سے معلوم ہوا کہ چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے اخیافی بھائی کو ولایت نکاح نہیں پہونچتی۔ (تتمہ اولیٰ ص۷۹)

چچا کے ہوتے ہوئے ماموں کو ولایت نکاح نہیں

سوال (۴۴۳) ایک نابالغ لڑکی ہے اُس کے والدین زندہ نہیں ہیں مگر اس کے چچا اور ماموں زندہ ہیں جائداد متروکہ والدین یتیمہ بقبضہ وانتظام چچا ہے لڑکی کی تقریر کسی جگہ سے آئی تو چنانچہ وہ تقرر سب برادری کے لوگوں کی رائے سے و نیز چچا کی رائے سے پختہ ہوگئی جس دن بارات آئی تو چچا بخیال اس کے کہ اگر نکاح ہوجائے گا تو بعد شادی جائداد میرے قبضہ سے نکل جائے گی اجازت نکاح دینے سے انکار کیا ہر چند برادری نے سمجھایا کہ لڑکی کا واسطہ ہے آپ اجازت دیدیں مگر چچا نے کو رنے بعد فہمایش بسیار بھی اجازت نہ دی آخر کار لوگوں نے اس کو ماموں سے اجازت لیکر نکاح لڑکی کا پڑھادیا اب استفسار یہ ہے کہ آیا اس صورت میں نکاح اُس لڑکی کا جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں ہوا لیکن اگر ہنوز چچا نے اس نکاح کو رد نہ کیا ہو اور صریح لفظوں سے اپنی ناراضی ظاہر نہ کی ہو بلکہ ساکت رہا ہو اور اس اثناء میں لڑکی بالغ ہوجاوے اور اس نکاح کی اجازت دیدے تو جائز ہوجاویگا فقط ۲۹ رجب ۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۹۲)

ترتیب در ولی مجنون

سوال (۴۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا اور کچھ جائداد وغیرہ منقولہ ترکہ میں چھوڑی ہے لیکن کوئی اولاد نہیں

چھوڑی صرف ایک بھائی حقیقی چھوڑا ہے جو مجنون ہے اور ایک بھائی متوفی کی (جن کا انتقال ہندہ کی موجودگی میں ہوچکا ہے) اولاد از قسم ذکور و اناث ہے اور ایک پوتی حقیقی ہے اور چند باپ شریک بھائی اور بہن چھوڑے ہیں اور ایک سوتیلی ماں ہے اس مجنون حقیقی بھائی کی اولاد میں از قسم اناث صرف ایک لڑکی سلمہ ہے اور از قسم ذکور کوئی دیگر اولاد نہیں ہے از روئے شرع شریف مسماۃ ہندہ مرحومہ کے وارث کون کون قرار دیئے جاسکتے ہیں اور کس قدر حصص ہر ایک کو پہونچتے ہیں اس بھائی حقیقی مجنون کا حق ولایت کس کو پہونچتا ہے مسماۃ سلمہ کے خاوند اپنے مجنون خسر کی جائداد کے ولی ہونا چاہتے ہیں از روئے شرع شریف ان کو ولایت پہونچتی ہے یا باپ شریک بھائی سے کسی کو پہونچتی ہے یا بھائی متوفی کی اولاد ذکور میں سے کسی کو پہونچتی ہے مع حوالہ کتب جواب تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ بعد تقدیم ما یتقدم علی المیراث کل ترکہ ہندہ کا دو حصے پر منقسم ہوکر ایک حصہ حقیقی پوتی کو اور ایک حصہ حقیقی بھائی کو ملے گا اور باقی سب محروم ہیں اور ولایت مال مجنون کی دو قسم ہے ایک ولایت تصرف دوسری ولایت حفظ۔ قسم اول میں یہ ترتیب ہے ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم القاضی او وصیہ کذا فی الدر المختار اور یہ اس وقت ہے جبکہ وہ بلوغ کے قبل سے مجنون ہو ورنہ یہ ولایت صرف قاضی کو یا جس کو قاضی تجویز کردے حاصل ہوگی کما فی رد المحتار ثم هذا اذا بلغ معتوها اما اذا بلغ عاقلا ثم عته لا تعود الولاية الى الاب بل الى القاضی او السلطان الخ ج ۵ ص ۱۶۹۔

اور بعض کے نزدیک پھر بھی اُن کی طرف عود کرے گی اور قسم دوم اُس شخص کے لئے ہے جو اس مجنون کی نگرانی و خدمت کرے اور اگر اس میں نزاع ہو تو حاکم یا عامہ اہلِ اصلاح و خیر خواہ اقارب یا اجانب سے جس کو متدین و معتمد قرار دیکر تجویز کردیں وہ ولی ہوجائے گا اس ولی کو اس مجنون کے مال میں تصرف تجارت کا حق حاصل نہ ہوگا صرف ضروریات کا اس کے لئے خرید کرنا اور جو چیز منقول زائد ہو یا بگڑنے لگے اس کا فروخت کرنا یہ جائز ہے۔ فی رد المحتار قال فی السابع والعشرین من جامع الفصولین ولو لم یکن احد منهم فلوصی الام الحفظ وبیع المنقول من الحفظ ولیس له بیع عقاره ولا ولایة الشراء للتجارة الا شراء ما لا بد منه

من نفقة وکسوة الخ ج ۲ ص ۱۷۳ وفی الدر المختار وعند عدمهم تتم بقبض من یعولہ کعمہ وامہ واجنبی ولوملتقطا لوفی حجرهما والا لا جلد ۲ ص ۲۸۳۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۴۱)

دفع شبہات از مسئلہ کفاءت

سوال (۴۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔

(۱) قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے کہ عجم کے نومسلموں سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کون سے پارہ میں اور کون سے رکوع میں ہے یا صحاح ستہ کی کتابوں میں سے اس مضمون کی حدیث بھی ہے کہ عجم کے نومسلم سے آبائی مسلمان زیادہ شریف ہیں اور اگر ہے تو کون سی کتاب اور کون سے صفحہ میں یہ حکم ہے۔

(۲) آبائی مسلمان شریف ہیں اُن نومسلموں سے جو خود مسلمان ہوا ہو یا اس کا باپ مسلمان ہوا ہو یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے یہ قول قابل عمل کرنے کے ہے یا نہیں۔

(۳) عجم کے آبائی مسلمانوں کے مقابلہ میں عرب شریف کے نومسلم زیادہ شریف ہیں۔

الجواب۔ ان سوالات کے ضمن میں سائل نے چند دعوے بھی کئے ہیں ان میں سے بعض بطور نمونہ کے مع مناشی کے ذکر کئے جاتے ہیں۔ **قولہ** قرآن شریف میں کہیں ایسا بھی حکم ہے الخ **وقولہ** صحاح ستہ میں اس مضمون کی حدیث بھی ہے الخ اس میں دعویٰ ہے کہ صرف قرآن وحدیث خصوص صحاح ستہ کی حدیث حجت ہے کتب ستہ کے علاوہ دوسری احادیث اور اجماع وقیاس حجت نہیں۔ **قولہ** یہ قول معصوم کا ہے یا علماء کا ہے الخ ظاہراً معصوم سے مراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تب تو اس میں بھی وہی دعویٰ ہے جو اوپر گزرا لیکن اگر معصوم میں اہلِ اجماع کو بھی داخل کیا ہے اس بناء پر کہ اُن میں گو ہر ہر واحد معصوم نہیں لیکن مجموعہ معصوم ہے لحدیث ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ تو قیاس کی حجیت کی نفی کا دعویٰ اب بھی باقی ہے **قولہ** کیونکہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ اگر یہ محذور دونوں تقدیروں پر لازم کیا ہے خواہ وہ معصوم کا قول ہو یا علماء کا تب تو بڑا شنیع دعویٰ ہے کہ معصوم کے قول کا محض ایک رائے سے رد ہے اگر خصوص معصوم سے مراد پیغمبر ہوں تو اُس کی شناعت کی کوئی حد نہیں کہ نص کا انکار ہے اور اگر صرف علماء ہی کے قول پر یہ محذور لازم کیا ہے تو اول تو نفس مسئلہ

تفاضل بالاسلام و بالعربیۃ میں کسی متبوع کا خلاف منقول نہیں گو بعض جزئیات میں اختلاف ہو تو مسئلہ اجماعی ہوا تو اجماع کا رد ہے اور اگر اجماعی بھی نہ ہوتا تب بھی اس میں علماء کے عدد کثیر کی تحمیق و تجہیل ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی مضرت کا احساس نہیں کیا اور یہ سب لوازم دعاوی ہیں علاوہ اس کے اس میں جو مانعیت کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ قول کافر مشرکوں کو ایمان لانے سے روک رہا ہے الخ سو یہ مانعیت کل کفار کے اعتبار سے ہے یا بعض کے اعتبار سے شق اوّل تو مشاہدۃً باطل ہے کیونکہ باوجود اس مسئلہ کے مشہور ہونے کے ہر زمانہ میں ہزاروں کفار برابر اسلام قبول کرتے رہے اور جن کو بعد میں معلوم ہوتا ہے وہ بھی سب مرتد نہیں ہوتے اور شق ثانی پر اس مسئلہ کی کیا تخصیص ہے بعض کفار کے لئے تو دوسرے ایسے مسائل بھی مانع عن الاسلام ہو رہے ہیں جو قطعی الثبوت قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد ۔ واسترقاق ۔ و تعدد نکاح و مشروعیۃ طلاق و ذبح حیوانات وغیرہا من الاحکام التی لاتتناہی تو کیا سائل صاحب ان سب مسائل کے ابطال کا التزام کر سکتے ہیں بلکہ خود اس مسئلہ کا مقابل مساواۃ مطلقہ بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی ہندو رئیس معزز راجپوت کو یہ معلوم ہو جاوے کہ میں مسلمان ہو کر شرافت میں ایک نومسلم بھنگی یا چمار کی برابر سمجھا جاؤں گا اور اگر وہ میری لڑکی کے لئے پیام دے تو خاندانی تفاضل یعنی عدم کفاءت کا عذر کرنا میرے لئے موجب معصیت و موجب عقوبت آخرت ہوگا تو کیا ممکن نہیں کہ یہ معلوم کر کے وہ اسلام سے رک جاوے تو یہ محذور دونوں جانب برابر رہا پھر اس مانعیت کے کیا معنی ۔

بہر حال یہ سوالات اس عنوان سے اتنے دعووں کو مستلزم ہیں اگر اب بھی اس عنوان کو باقی رکھا جاتا ہے تو ان دعووں کو ثابت کیا جاوے ورنہ عنوان بدلا جاوے جس میں غیر مسلم مقدمہ کا دعوے نہ ہو ۔ فقط ۔ ۱۷ ؍ جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ (النور صفر ص ۷ ۱۳۵۲ھ)

حصول کفاءت در مال باقدرت الخ

سوال (۴۹۶) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۱۷ سطر ۱ میں لکھا ہے کہ جو مہر معجل دے سکے وہ بڑے بڑے دولت مند کا کفو ہے کیا صرف مہر معجل پر قدرت کافی ہے یا اُس کے ساتھ نان و نفقہ کی قدرت بھی ضرور ہے کتب درسیہ میں نفقہ کی قدرت کو بھی شرط لکھا ہے ۔

الجواب ۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ کل مہر پہ قدرت شرط نہیں پس مقصود نفی کرنا ہے

اشتراط قدرت مہر موجل کی نہ کی نفقہ کی اس لئے تعارض نہیں البتہ اگر صحت نامہ میں بعد لفظ مہر معجل کے لفظ (اور نفقہ) بڑھا دیا جائے تو زیادہ توضیح ہو جائے۔ ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

نکاح ولی با غیر کفو بوقت عدم تلبیس وغیرہ

سوال (۴۷۴) زید نے اپنی لڑکی مسماۃ فاطمہ بی بی کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا اور لڑکی کو دستور کے موافق رخصت بھی کر دیا پھر برسم چوتھی دوسرے دن لڑکی اپنے باپ کے گھر رخصت ہو کر آئی بعض لوگوں نے اس بات کی شہرت دی کہ عمرو رنڈی کے پیٹ سے اور حرامی ہے اور بے عقد ہے یعنی عمرو کی ماں کا عقد نہیں ہوا اور حقیقت میں بعد تحقیق کے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور لڑکا عمرو کہتا ہے کہ میں تو یہی جانتا ہوں کہ قاضی صاحب میرے باپ ہیں اور لوگوں کی تحقیق ہے کہ اس لڑکے کو سہ سالہ لیکر قاضی صاحب کے گھر عمرو کو لیکر آئی تھیں اب یہ نہیں معلوم کہ عمرو کی والدہ کا عقد کسی کے ساتھ ہوا یا نہیں اب لڑکی والے جھگڑا کرتے ہیں اور لڑکی کو رخصت نہیں کرتے ہیں اس میں دو فرقے ہو گئے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ رخصت ہو جانا چاہیئے کیونکہ نکاح ہو گیا اور لڑکی ایک دو رات خاوند کے پاس رہ چکی جو داغ دھبہ لگنا تھا لگ گیا اور بدنامی جو کچھ ہونا تھی ہو گئی یہ نہیں مٹ سکتی پھر نکاح ثانی ہونا غیر ممکن ہے اور مشکل ہے۔

اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ لڑکی رخصت نہ ہونا چاہیئے کیونکہ عقد ہی نہیں ہوا لہذا فیصلہ کن جواب موافق شرع شریف ہونا چاہیئے لڑکے کی عمر اندازاً ۲۵-۳۰ سال کے درمیان ہے اور لڑکی کی عمر ۱۶-۱۷ سال کے درمیان ہے اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نکاح ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تب کیا کرنا چاہیئے اور اگر ہو گیا تب ازروئے شرع شریف کے کیا کرنا چاہیئے آیا فارغ خطی لینا چاہیئے یا نہیں کیا حکم ہے اور لڑکی وقت عقد اور وقت رخصت وزفاف کے قبل بالغ تھی کچھ شک نہیں اس کی ماں بہن کی زبانی معلوم ہوا۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولو زوجها برضاها ولم یعلموا بعد الکفاءۃ ثم علموا لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرهم بها وقت العقد فزوجها علی ذلک ثم ظهر انه غیر کفو کان لهم الخیار ولوالجیۃ فلیحفظ وانظر ما فی رد المحتار علی قوله لاخیار لاحد وعلی قوله کان لهم الخیار تجد

فیہ نفائس ص۵۲۱ ج ۲۔

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں یہ نکاح صحیح ولازم ہو گیا جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے نہ کوئی فسخ کر سکتا ہے اور نہ عورت کا نکاح ثانی ہو سکتا ہے۔

۱۸ر شعبان ۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۶۴)

سوال۔ (۴۴۸) زید صدیقی شیخ ہے اُس نے ایک شخص کے بیان پر اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح عمرو ایسے شخص سے کر دیا جو رنڈی زادہ ہے اور اس نے اب اپنے پیشہ سے توبہ کر لی ہے اور اپنی بہنوں کا نکاح کر دیا ہے دریافت کے بعد نکاح ہو جانے پر یہ حالات معلوم ہوئے جس شخص نے شریف بیان کیا تھا وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ واقعی ہم سے غلطی ہوئی اور غلط بیان کیا گیا علاوہ بریں نسلاً عمرو عجمی بھی ہے بینوا بسند الکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ سوال میں یہ تصریح نہیں کہ اس شخص کی ماں جو رنڈی تھی اُس نے کسی سے نکاح کر لیا تھا جس سے یہ شخص پیدا ہوا یا بے نکاح ہوا ہے اور اگر نکاح بھی ہوا تو وہ شخص کیسا تھا اس کا کیا کسب تھا دوسرے یہ تصریح نہیں کی کہ نکاح کی گفتگو میں آیا اس شخص نے اپنے نسب کے باب میں کچھ غلط بیان کیا تھا یا یہ کہ سکوت کیا تھا بہر حال اگر اس شخص یعنی رنڈی زادہ نے کوئی بیان غلط نہیں کیا صرف سکوت کیا تھا اور اولیاء منکوحہ کو ناواقفی سے دھوکہ ہوا ہے جیسا ظاہر سوال کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ نکاح صحیح ولازم ہو گیا اب فسخ نہیں ہو سکتا البتہ اگر شوہر طلاق دیدے اور بات ہے فی العالمگیریہ وان کان الاولیاء ھم الذین باشروا عقد النکاح برضاھا ولم یعلموا انہ کفو او غیر کفو فلا خیار لواحد منھما واما اذا شرط الکفاءۃ او اخبرھم بالکفاءۃ ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار۔ جلد ۲ ص۷

واللہ اعلم سلخ ربیع الثانی ۱۳۲۱ ہجری (امداد ج ۲ ص ۴۶)

والدہ کا دختر نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دینے کا حکم

سوال (۴۴۹) ایک لڑکی نابالغہ جس کی عمر دس سال کی تھی لڑکی کی والدہ بیوہ نے غیر کفو میں ایک لڑکے نابالغ سے اُس کے باپ کی استدعا سے نکاح کر دیا تھا اور اس لڑکے نابالغ کی والدہ انتقال کر چکی تھی ہذا لڑکی کے خسر نے بدنیتی سے خواہش زنا لڑکی سے یعنی اپنی بہو سے کرنا چاہی جب لڑکی سے اس کی خواہش بد ظاہر ہوئی تو متنفر ہوئی تو گھر میں ہر وقت تکرار فساد اور مار پیٹ شروع

ہوگئی اور لڑکی کے سر میں زخم زیادہ ہوگیا تب ہمسایوں نے لڑکی کے مائکہ میں جو وہاں سے ایک منزل کے بُعد سے ہے خبر پہونچائی اور یہ خبر پاکر لڑکی کی والدہ جاکر لے آئی اب لڑکی کہتی ہے کہ میں وہاں ہرگز نہ جاؤں گی دوسری جگہ کسی شریف سے نکاح کردیا جاوے اور اب اس وقت لڑکی کی عمر تیرہ سال کی ہے اور بالغ ابھی تک نہیں ہے لہٰذا گزارش ہے کہ اس تقدمہ میں بموجب حکم شرع شریف نفاذ حکم فرمایا جاوے کہ کیا جاوے۔ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار نکاح الصغیر وان کان الزوج غیرھما ای غیر الاب وابیه الی قوله لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا جلد ۲ صفحہ ۵۰۰۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح جو ماں نے اس لڑکی کا غیر کفو میں کردیا تھا وہ منعقد ہی نہیں ہوا لہٰذا اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے۔

۸؍ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ ہجری (تتمہ اولیٰ ص ۸۴)

کفاءت میں حرفت اور چال وچلن کا معتبر ہونا

سوال (۴۵۰) مسلمانوں میں جو تفریق ذاتوں کی ہے مثلاً:۔ شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان۔ جولاہہ۔ تیلی۔ گوجر۔ جاٹ وغیرہ معاملہ اخروی میں اگرچہ کچھ تفریق معتبر نہیں عمل کی ضرورت ہے مگر امور دنیوی میں مثلاً نکاح وغیرہ یہ سب ایک سمجھے جاویں گے یا کچھ تفاخر کو اس میں دخل ہے زید کہتا ہے کہ شیخ سید کے سوا سب ایک ذات ہے کچھ تمیز نہ کرنی چاہیئے عمرو کہتا ہے کہ علاوہ شیخ سید دیگر اقوام جو شریف ہیں مثلاً پٹھان مغل وہ ہم پلہ ہرگز ذلیل قوم مثل جولاہہ تیلی کے نہیں ہیں نکاح وغیرہ میں سب کا معاملہ ایک سا نہ ہونا چاہیئے اور کفو غیر کفو ہونا علاوہ شیخ سید دوسری قوموں میں باعتبار پیشہ اور چال چلن و نائت وغیرہ کے دیکھا جاوے گا اور ایسا تفاخر اور چھوٹی قوم سے نکاح وغیرہ میں عار کرنا شرعاً جائز ہے اب علمائے شرع سے سوال ہے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے اور نسب اور حسب میں کیا فرق ہے جیسا فخر نسب پر ہو سکتا ہے کیا شرعاً حسب پر بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اخرج الدارقطنی ثم البیھقی فی سننھما عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تنکحوا النساء الا من الاکفاء الحدیث کذا فی تخریج الزیلعی فی فتح القدیر لکنه حجة بالنظائر والشواھد ثم قال بعد ذکر الشواھد فوجب ارتفاعه

الی الحجۃ بالحسن لحصول الظن بصحۃ المعنی وثبوتہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ وفی فتح القدیر عن الدارقطنی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً الناس اکفاء قبیلۃ بقبیلۃ وعربی بعربی ومولی بمولی الا حائکاً او حجاماً وفیہ وبعض طرقہ کحدیث بقیتہ (ھو الذی رویٰ انفاً) لیس من الضعف بذلک فقد کان شعبۃ معظما لبقیۃ وناھیک باحتیاط شعبۃ وایضاً تعدد طرق الحدیث الضعیف یرفعہ الی الحسن اھ فی الدرالمختار وحرفۃ الخ فی ردالمحتار ذکر الکرخی ان الکفاءۃ فیہا معتبرۃ عند ابی یوسفؒ وان اباحنیفۃ رح بنی الامر فیہا علی عادۃ العرب ان موالیہم یعملون ھذہ الاعمال لا یقصدون بہا الحرف فلا یعیرون بہا واجاب ابو یوسف علی عادۃ اھل البلاد وانہم یتخذون ذلک حرفۃ فیعیرون بالدنی منہا فلا یکون بینہما خلاف فی الحقیقۃ بدائع فعلی ھذہ لو کان من العرب من اھل البلاد من یحترف بنفسہ تعتبر فیہم الکفاءۃ فیہا و حینئذٍ فتکون معتبرۃ بین العرب والعجم ج ۲ ص ۵۲۶ و ۵۲۷ و فی ردالمحتار بعد الکلام فی التکافؤ حرفۃ عن الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ ج ۲ ص ۵۲۷ وفی ردالمحتار ان المعتبر فی کل موضع ما اقتضاہ الدلیل من البناء علی احکام الآخرۃ وعدّ الی قولہ قلت ولعل ما تقدم عن المحیط من ان تابع الظالم اخس من الکل کان فی زمنہم الذی الغالب فیہ التفاخر بالدین والتقویٰ دون زماننا الغالب فیہ التفاخر بالدنیا فافہم ج ۲ ص ۵۲۸۔

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے ثابت ہوا کہ قول عمرو کا صحیح ہے اور یہ کہ مبنی اس کا عرف پر ہے جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسباً کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ اُن میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا۔ کما یعین الاستثناء فی الحسیف من مولی بمولی (ای عجمی بعجمی) بقولہ الا حائکاً او حجاماً

وصرمن قول الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف الخ چنانچہ خود عرب میں باہم باوجود تشارک فی شرف النسب کے ان ہی عوارض عرفیہ کے سبب بنو باہلہ کو تکافوء سے مستثنیٰ کیا گیا ہے کما فی الھدایۃ والعرب بعضھم اکفاء لبعض الیٰ قولہ وبنوا باھلہ لیسو باکفاء لعاذا العرب لانھم معروفون بالخساسۃ اور اسی عوارض عرفیہ کے مدار ہونے سے صاحب فتح نے اس اطلاق استثناء میں نظر کی حیث قال وقد اطلق ولیس کل باھلی کذلک بل فیھم الاجود وکون فصیلۃ منھم او بطن صعالیک فعلوا ذلک ای اخذ عظام المیتۃ وطبخھا واخذ دسوماتھا) لا یسری فی الکل اور اسی اعتبار عرف کی بناء پر اس قول متون والعرب اکفاء فلا یکافیھم غیرھم کے اطلاق کو اہل فتاویٰ نے مقید کیا چنانچہ رد المحتار میں ہے ولکن قیدہ المشائخ الیٰ قولہ وکیف یصح لاحدان یقول ان مثل ابی حنیفۃ او الحسن البصری وغیرھما ممن لیس بعربی انہ لایکون کفوًا لبنت قرشی جاھل او لبنت عربی بوال علی عقبیہ ج۲ صـ۵۳۰ ـ اور نسب نسبۃ الی الآباء ہے اور حسب لغۃً عام ہے کما فی القاموس لیکن عرفاً خاص ہے شرف نسب کے ساتھ خواہ دنیوی ہو یا دینی اور کفایت میں یہ بھی معتبر ہے مثل نسب کے چنانچہ فقہاء کا دیانۃً و مالاً و حرفۃً کہنا اس کی تصریح دلیل ہے اور مدار اس کا بھی عرف ہی پر ہے کما یظھر من التصریحات الفقھیۃ ۔ واللہ اعلم ۲۵ رمضان ۲۷ھ (تتمہ اولیٰ صـ۸)

اشتراط قضاء قاضی در فسخ نکاح بغیر کفو

سوال (۱۱۵۴) اگر لڑکی نابالغہ کا نکاح فی الحقیقت اُس کے کفو میں ہوا لیکن اُس کے اولیاء شرعی اپنے خیال میں اپنا کفو نہیں سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے ایسے نکاح پر ناراضامندی ظاہر کرتے ہیں تو یہ نکاح برخلاف رضامندی ان کے جائز ہوا یا نہیں۔

الجواب ـ فی الدرالمختار ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو فیفسخہ القاضی فی رد المحتار فلا تثبت ھذہ الفرقۃ الابالقضا[۶] لانہ مجتھد فیہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح تو جائز ہو گیا البتہ اگر ولی اس کو غیر کفو

---

[۶] رفع اختلاف کے لئے قضاء کی ضرورت ہے ورنہ مفتی بہ قول پر غیر کفو میں بدون رضائے ولی نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ۱۲ رشید احمد عفی عنہ ۔

سمجھتا ہے تو قاضی یعنی حاکم مسلم کے اجلاس میں رجوع کرے اس کی تحقیق میں اگر وہ غیر کفو ہوگا اور وہ فسخ کردیگا تو فسخ ہوجاوے گا ورنہ بدون حکم حاکم مسلم کے فسخ نہ ہوگا۔ فقط
۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد جلد ۲ صفحہ ۳۵)

اعتبار کفارت در بعض اقوام عجم و عدم اعتبار نسب مادر در کفارت

سوال (۴۵۲) ہندوستان میں جو اقوام پٹھان راجپوت وغیرہ ہیں اُن کے یہاں سخت عار ہے کہ ایک قوم دوسرے کے یہاں نکاح کرے مثلاً قوم افغان اگر تیلی کتنا ہی امیر ہو کبھی نکاح نہیں کرتا ہے اگر ایسا واقعہ کہیں ہوجاتا ہے تو اسے خاندان سے گرا ہوا سمجھتے ہیں ہاں شہروں میں جہاں آبادی پنج میل ہے مثل دہلی وغیرہ کے وہاں کے لوگ جتھ اور برادری کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں اور فقہ کی کتب میں لکھا ہے کہ نسب کا اعتبار سوائے عرب کے اور قوم میں نہیں ہے کیونکہ عجمی ضائع النسب ہیں اب سوال یہ ہے کہ جو قوم عجمی ہیں اپنے نسب پر فخر بمقابلہ دوسری قوم کرتے ہیں اور دوسرے کو اپنا برابر نہیں سمجھتے ہیں بموجب رواج اور عرف ان میں کفاءۃ کا مسئلہ جاری ہوگا اور جو شخص ماں باپ کی جانب سے اشرف ہو اور ایک شخص باپ تو اس کا اچھا ہے اور ماں ادنیٰ خاندان کی ہو اگرچہ نسب میں باعتبار باپ کے وہ اچھا شمار ہوگا مگر نجیب الطرفین کا غیر کفو شمار ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الکفاءۃ واما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما الخ وفی رد المحتار افاد ان الاسلام لا یکون معتبرا فی حق العرب لانھم لا یتفاخرون بہ وانما یتفاخرون بالنسب الخ وفی رد المحتار ویؤخذ من ھذا ان من کانت امھا علویۃ مثلاً وابوھا عجمی یکون العجمی کفوا لھا وان کان لھا شرف ما لان النسب للاباء ولھذا اجاز دفع الزکوٰۃ الیھا فلا یعتبر التفاوت بینھما من جھۃ شرف الام ولم ار من صرح بھذا واللہ اعلم ج ۲ ص ۵۲۳ وفی رد المحتار عن الفتح تحت قول الدر المختار فیشمل حائک الخ ما نصہ ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فید ور معہ وعلی ھذا ینبغی ان یکون الحائک کفوا للعطار بالاسکندریۃ لما ھناک من حسن اعتبارھا وعدم عدھا نقصا البتۃ الخ ج ۲ ص ۵۲۷ وفی رد المحتار تحت قول الدر المختار واما اتباع الظلمۃ فاخس من الکل ما نصہ

لاشك ان المراءة لا تتعير به فی العرف الی قوله لان المدار ههنا علی النقص والرفعة فی الدنیا جلد ۲ ص۴۸۵۔

پس جب مدار عار و عدم عار پر ہے اور اقوام مذکورہ میں ایک کو دوسرے سے تعلق عقد کرتے ہوئے عار ہے پس مسئلہ کفاءت کا جاری ہوگا اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ مال کا فی نفسہ اعتبار نہیں اور نیز ہمارے عرف میں ایسا زیادہ اعتبار نہیں کیا جاتا چنانچہ مشاہد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد جلد ۲ صفحہ ۳۰)

کفاءت درمیان قریش و انصار

سوال (۴۵۳) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۱۵ میں انصاری کو کفو شیخ و سید و علوی لکھا ہے فقہاء نے قریش کے بعض قبائل کو آپس میں ایک دوسرے کے لئے کفو لکھا ہے اور قریش کے علاوہ دیگر قبائل کو آپسیں شیخ۔ سید۔ علوی۔ قریشی ہیں کیا انصاری بھی قبیلہ قریش سے تھے اگر قریش ہیں تو خیر ورنہ مشکل ہے۔

الجواب۔ انصار قریش میں سے تو نہیں ہیں چنانچہ عالمگیری کی عبارت سے بھی تائید ہوتی ہے۔ غیر القرشی من العرب لایکون کفوا للقریشی والعرب بعضهم اکفاء لبعض الانصاری والمهاجری فیه سواء کذا فی فتاوےٰ قاضی خان لیکن باوجود قریشی نہ ہونے کے چونکہ عالمگیری میں قول صحیح اسی کو کہا ہے کہ عرب سب باہم کفو ہیں اس لئے قریشی و انصاری کفو سمجھے جائیں گے عبارت یہ ہے کذا۔ والصحیح ان العرب کلهم اکفاء کذا ذکرا بوالیسر فی مبسوطه کذا فی الکافی اس کے تھوڑی دور آگے یہ جزئیہ ہے قالوا الحسیب کفو للنسیب اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعتبار کفاءۃ کا دفع عار کے لئے ہے اور مدار عار کا عرف پر ہے اور عرفاً انصاری برابر قریشی کے سمجھا جاتا ہے اور متقدمین کے زمانہ میں مساوات نہ ہوگی اس لئے اختلاف زمان سے یہ حکم بدل گیا بہرحال مسئلہ بہشتی زیور کا صحیح ہے، ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ امداد ج ۲ ص ۱۹

حقیقی باپ کے ہوتے ہوئے سوتیلے باپ کی طرف سے نابالغہ کا نکاح کرنیکا حکم

سوال (۴۵۴) حقیقی باپ کے ہوتے ہوئے سوتیلے باپ نے ہندہ نابالغہ کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا اور جس وقت کہ ہندہ بالغہ ہوئی اسی مجلس میں چند آدمیوں کے سامنے ہندہ نے کہا کہ میں اپنے نکاح کو جو زید کے ساتھ بولایت میرے سوتیلے باپ کے ہوا تھا فسخ کرتی ہوں

بعد اس کے شہر بمبئی میں قاضی محمد علی صاحب مدظلہ کے پاس عرضی داخل کی کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے قاضی صاحب نے بعد ثبوت دعویٰ ہندہ کے یہ فیصلہ تحریر فرمایا کہ ہندہ کے فسخ کو ہم نے بھی قائم رکھا آیا قاضی صاحب کا اس طور سے فیصلہ کرنا موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں۔

الجواب۔ وہ نکاح موقوف تھا جب حقیقی باپ نے بھی اجازت نہ دی اور اس منکوحہ نے بعد بلوغ رد کر دیا تو وہ نکاح باطل ہو گیا قاضی صاحب کا فیصلہ شرع کے موافق ہے البتہ اگر کسی وقت حقیقی باپ نے زبان سے اس نکاح کو جائز رکھا ہو تو اس کی کیفیت ظاہر کر کے مکرر سوال کیا جاوے۔ ۷ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۷۸)

شرائط خیار فسخ نکاح الخ

سوال (۴۵۵) میرا عقد مسماۃ سمی بانو دختر لاڈلی جان طوائف عمر تخمیناً ۱۷ یا ۱۸ سال کی بموجودگی والدہ و ماموں وغیرہ خود مسماۃ مذکور کے بالعوض مبلغ پینتیس روپیہ دس آنے مہر کے ہوا اور بر وقت ہونے خلوت صحیحہ کے پیشتر ہی مہر ادا کر دیا گیا اور اُن کے خاندان کا علم مجھکو اب معلوم ہوا ہے۔ خیر اب مسماۃ مذکورہ میرے مکان پر نہیں آئی ہے صرف تین ماہ میرے ساتھ رہی اور حمل بھی قرار پایا چونکہ مسماۃ خاندان طوائف سے ہے اسلئے اُس کے باپ کا کوئی ٹھیک نہیں ہے اُس کی والدہ کُل بات کی مالک ہوتی ہے اب مسماۃ مذکورہ نے میرے نام نوٹس دیا ہے کہ اب آج میں بالغہ ہوئی اور میری والدہ کی ولایت میں میرا عقد ہو گیا لہٰذا میں نے اپنا عقد فسخ کیا اور اب آج سے نہ آپ میرے شوہر رہے اور نہ میں آپ کی زوجہ رہی مگر بوجہ ہونے خلوت صحیحہ کے آپ پر میرا مہر واجب الادا ہو گیا لہٰذا حضور انور جملہ عبارت کو خوب غور سے ملاحظہ فرما کر فتویٰ دیجئے کہ علمائے کرام و شرع اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو اب ایسی حالت میں عقد فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیہما شیئ فحتی یتم لکل منہما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی فی رد المحتار بہ یفتی ھذا عند ھما وھو روایۃ عن الامام وبہ قالت الائمۃ الثلثۃ وعند الامام حتی یتم لہ ثمانی عشرۃ سنۃ ولہا سبع عشرۃ سنۃ جلد ۵ صفحہ ۱۴۸

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ منکوحہ یعنی مسماۃ سمی بانو وقت نکاح کے بالغہ تھی اگر پورے سترہ برس کی تھی تب تو بالاتفاق اور اگر سترہ سے کچھ کم تھی تو بقول مفتیٰ بہ کہ پندرہ سال میں بلوغ کا حکم کردیا جاتا ہے اور بالغہ کا نکاح جب اس کا ولی کردے اور وہ بالغہ سُن کر خاموش رہے تو وہ نکاح لازم ہوجاتا ہے اور جب غیر ولی کرے تو جب وہ صحبت کرنے دے اس وقت وہ نکاح لازم ہوجاتا ہے۔ فی الدر المختار ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح فان استاذنها هو او وکیله او رسوله او زوجها فسکتت فهو اذن وکذا اذا زوجها الولی عندها ای بحضرتها فسکتت صح فی الاصح فان استاذنها غیر الاقرب فلا بل لا بد من القول کالثیب البالغة او ما هو فی معناه کطلب مهرها و نفقتها و تمکینها من الوطی و دخوله بها برضاها فی رد المحتار عن البحر عن الظهیریة ولو خلا بها برضاها هل یکون اجازة لا روایة بهذه المسئلة وعندی انها اجازة اھ وفی البزازیة الظاهر انه اجازة جلد ۲ صفحہ ۲۹۴۔ سو اگر ماں کے سوا اُس کا کوئی ولی نہ تھا تب تو نکاح کرتے ہی اگر وہ منکوحہ بالغہ ساکت رہی یہ نکاح لازم ہوگیا اور اگر بالفرض ماں سے زیادہ اور کوئی ولی تھا اور وہ نکاح میں شریک یا راضی نہ تھا تب بھی اگر وہ منکوحہ ساکت رہی پھر صحبت کے وقت انکار اور مخالفت اور مزاحمت نہ کی تو وہ نکاح اب لازم ہوگیا غرض بالغہ وقت النکاح کو خیار فسخ شرعاً حاصل نہیں اور اگر فرضاً یہ نابالغہ بھی ہوتی تب خیار فسخ کے لئے صرف منکوحہ کا یہ کہدینا کہ میں نے فسخ کردیا کافی نہیں بلکہ قضاء قاضی یعنی حاکم مسلم کا حکم اُس کے لئے شرط ہے جس کا ہمارے دیار میں کوئی انتظام نہیں ہے۔ فی الدر المختار وشرط الکل القضاء الاثمانیة فی رد المحتار تحت قوله الا ثمانیة وخیار البلوغ مبنی علی القصور الشفقة وهو امر باطنی والاباء ربما یوجد وربما لا یوجد (ای بهذا السبب یشترط له القضاء) کذا فی البحر ج ۲ ص ۵۰۴ و ص ۵۰۵ اور واقعہ مسئول عنہا میں تو منکوحہ بالغ ہی ہے خیار فسخ کا احتمال ہی نہیں۔ ۲۲ شوال ۳۳ھ

مسائل منثورہ متعلقہ بالنکاح (از انجملہ مفقود الخبر وغیرہ)

تنبیہ ضروری مسئلہ مفقود کے متعلق امداد الفتاوی میں جو حاشیہ ... سے ... تک مختلف اوقات میں لکھے گئے ہیں

۱۳۵۱ھ میں اتفاقاً ایسے واقعات کی کثرت ہوئی جنمیں عورتوں کے تنگ آکر مرتد ہو جانیکے واقعات پیش آنے لگے تو حضرت سیدی حکیم الامت نے ان مسائل میں سہولت و رخصت کے پہلو شرعی و فقہی اصول کے ماتحت تلاش کرنیکے لئے مذاہب اربعہ کے علماء سے خط و کتابت کی اور بالآخر پانچسالہ غور و بحث کے بعد ایک مستقل کتاب الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ کے نام سے تصنیف فرما کر شائع کرائی جس میں سب سے پہلے مسئلہ مفقود ہی پر بحث ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حضرت رحمہ کا آخری فیصلہ وہی ہے جو اس کتاب میں درج ہے اس کو ضرور دیکھ لیا جائے۔ فتاوی میں اسکے خلاف کوئی بات نظر آئے تو اسکو رجوع عنہ سمجھا جائے۔

سوال (۴۵۶) مسمی زید حنفی المذہب بوجہ خود را بوطن گزاشتہ بسفر رفت۔ عرصہ بست سال گزشت کہ مفقود الخبر ست و خبر از نان و پارچہ وغیرہ تنگ و عاجز آمدہ و نکاح از دیگرے میخواہد پس این امر شرعاً جائز و نافذ می شود یا چہ؟ بعد اطلاع شوہر اول چہ صورت خواہد شد۔

الجواب۔ دریں مسئلہ مذہب امام اعظم رحمہ آں ست کہ تا عمر نود سال انتظار زوج کردہ شود پیش ازیں نکاح بمردے جائز نیست و مذہب امام مالک رحمہ و امام شافعی آں ست کہ بعد چہار سال از گم شدنش عدۃ وفات یعنی چہار ماہ و دہ روز تمام کردہ اگر بمردے دیگر نکاح کند جائز ست لیکن اگر ضرورت شدید و خوف فتنہ باشد عمل بمذہب امام مالک و شافعی رحمہما اللہ جائز ست بایں طور کہ از کدامی عالم شافعی المذہب یا مالکی المذہب فتویٰ گرفتہ نکاح کند باز زوج اول را ہیچ دعوی نہ رسد خلافاً لمالک فان عندہ تعتد زوجۃ المفقود عدۃ الوفاۃ بعد مضی اربع سنین وھو مذھب الشافعی القدیم (وقال بعد سطور) وقد قال فی البزازیۃ الفتوی فی زماننا علی قول مالک وقال الزاھدی کان بعض اصحابنا یفتون بہ للضرورۃ واعترضہ فی النھر وغیرہ بانہ لاداعی الی الافتاء بمذھب الغیر لامکان الترافع الی مالکی یحکم بمذھبہ وعلی ذلک مشی ابن وھبان فی منظومتہ ھناک شامی جلد ثالث صفحہ ۳۳۲۔ واللہ اعلم ۲۳؍ جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ (امداد ج ۲ ص ۳۳)

سوال (۴۵۷) ایک شخص پانچ برس یا اس سے زیادہ دس بارہ برس مفقود الخبر ہے اور دوسرا شخص حیات میں ہے معروف الخبر ہے یعنی معلوم ہوا ہے کہ زندہ ہے مگر اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہے اور ہمیشہ خبر خیریت آتی ہے اور اُس کی عورت جوان ہے اور خواہش مرد کی اُس کو ہے اور نان و نفقہ سے محتاج اور اندیشہ اس کا ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جاوے اور مرد یعنی شوہر اُس عورت کا جو معروف الخبر ہے اور نان نفقہ کی خبر بوجہ دوسری عورت

۱؎ وقت تحریر جواب ذہن ازیں جزو سوال ذہول نمود و جوابش آنست کہ ایں نکاح ثانی باطل گفتہ خواہد شد و زن بسوئے زوج اول واپس خواہد گشت ۱۲ منہ ۲؎ مگر شرط آنست کہ قضاء قاضی مسلم نیز بایں فتوی منضم شود فتوی محض کافی نیست ۱۲ منہ

جوکہ پردیس میں جاکر اپنے نکاح میں لایا ہے نہیں لیتا اور اس عورت سابقہ کے ساتھ دو بچے یعنی لڑکی اور ایک لڑکا بھی ہیں تو ایسی صورت میں اس کے واسطے کیا حکم ہے اور وہ عورت ایسے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ پر عمل کرے جو مروی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جوکہ فرمایا حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اور مروی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بلکہ یہ بھی مرقوم ہے کہ رجوع کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طرف قول حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور مذہب اکثر صحابہ رض کا بھی یہی ہے جیساکہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کتاب المفقود میں ہے مفصل بعبارت کتب تحریر فرمائیے مجھ سے یہ سوال ایک جماعت نے آکر کیا اور کہاکہ اس کا فیصلہ موافق شرع شریف کے کردیجئے میں نے اسکے جواب میں یہ عبارت جوکہ کتاب مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی رح لکھنوی میں ہے اُس سے اخذ کرکے لکھا ہے اور آپکی خدمت شریف میں ارسال کیاکہ آپ خود اور دوسرے علمائے اس کی تصحیح کرکے ازراہ بزرگانہ اس طرف کو ارسال فرمائیں اور اس کا اجر خداوند کریم سے لیں وہو ہذا۔

الجواب[۱]۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین مختلف ہیں حضرت عمر رض ویک جمغفیر صحابہ رض اس طرف گئے ہیں کہ زوجہ مفقود کی چار برس انتظار کرے بعدازاں نکاح کرے اور بعضوں نے اس پر اجماع صحابہ نقل کیا امام مالک موطا میں روایت کرتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب قال ایما امرأۃ فقدت زوجھا فلم تدر این ھو فانھا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشھر وعشرا ثم تحل للازواج اور محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح موطا میں لکھتے ہیں روی نحوہ عن عثمان وعلی وقیل واجمع الصحابۃ علیہ ولم یعلم لھم مخالف فی عصرھم وعلیہ جماعۃ من التابعین انتہی اور بعض صحابہ مثل ابن مسعود رض وعلی رض بنابر ایک روایت کے اس طرف گئے ہیں کہ زوجہ مفقود الخبر شوہر کا تادم ظہور موت شوہر کا انتظار کرے اور یہی مذہب شعبی ونخعی کا ہے جیساکہ فتح القدیر میں ہے۔ الحاصل ان المسئلہ مختلفۃ فی مابین الصحابۃ رض فذھب عمر رض الی ماتقدم وذھب علی رض الی انھا امرأۃ لہ حتی یاتیھا البیان وروی عبدالرزاق عن ابن جریج قال بلغنا ان ابن مسعود رض

---

[۱] یہ جواب خود سائل نے مولانا عبدالحی صاحب کے فتاویٰ سے اخذ کرکے لکھا ہے اور احقر کا جواب اسکے بعد آئیگا ۱۲ منہ

وافق علیاً رضؓ ان امرأۃ المفقود تنتظر ابداً واخرج ابن ابی شیبۃ عن ابی قلابۃ وجابر بن سعید والشعبی والنخعی لکنھم قالوا لیس لھا ان یتزوج حتی یستبین موتہ انتہی۔

اور ایک حدیث مرفوع آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات میں موافق رائے علی مرتضیٰ کے وارد ہے لیکن اُس کی سند میں ضعف ہے چنانچہ زیلعی تخریج احادیث ہدایہ میں لکھتے ہیں اخرج الدارقطنی فی سننہ عن سوار ابن مصعب حدثنا محمد بن شرجیل عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم امرأۃ المفقود امرأۃ لہ حتی یاتیھا البیان ووجدتہ فی نسخۃ مصری حتی یاتیھا الخبر وھو حدیث ضعیف قال ابن ابی حاتم فی کتاب العلل سألت ابی عن حدیث رواہ سوار بن مصعب عن محمد عن المغیرۃ فی امرأۃ المفقود فقال ابی ھٰذا حدیث منکر محمد متروک الحدیث ویروی عن المغیرۃ مناکیرا باطیل وذکرہ عبد الحق فی احکامہ من جھۃ الدارقطنی وعلیہ محمد بن شرجیل وقال انہ متروک وقال ابن القطان فی کتاب سوار ابن مصعب شھر فی المیر کین انتہی۔

اور اسی طرح بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے اب جاننا چاہیئے چونکہ حدیث اس مسئلہ میں بطرق ضعیف وارد ہے اور صحابہ خود مختلف ہیں لہٰذا ائمہ مجتہدین فی مابینہم اس مسئلہ میں مختلف ہو گئے ہیں ائمہ حنفیہ نے رائے حضرت علیؓ کو بضم حدیث مرفوع مرجح کیا اور ائمہ مالکیہ نے رائے حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وغیرہ کو مختار کیا لیکن بوقت ضرورت ائمہ حنفیہ تصریح کرتے ہیں کہ فتویٰ قول مالک پر جو موافق ایک جماعت صحابہؓ کے ہے درست اور جب خوف وقوع کا ہو تو عمل کرنا مسلک مالکی پر جائز ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فتنکح عرسہ بعدہ کما فی النظم فلو افتی لھا فی موضع الضرورۃ ینبغی ان لاباس بہ علی ماظن اور رد المحتار حاشیہ درمختار میں ہے ذکر ابن وھبان

فی منظومۃ انہ لوافتی بقول مالکؒ فی موضع الضرورۃ یجوز واعترضہ
شارحہا ابن الشحنۃ بانہ لاضرورۃ للحنفی الی ذلک وقال الشارح فی
الدرالمنتقی ھذا لیس باولٰی لقول القہستانی لوافتی بہ فی موضع
الضرورۃ لاباس بہ علی ما اظن۔ اور نفقہ کے بارہ میں اللہ رب العالمین
اپنے قرآن عظیم وکلام قدیم میں ارشاد فرماتا ہے وہو ہذا وعلی المولود لہ رزقہن
وکسوتہن بالمعروف رزق ولباس ومسکن عورت کے لئے مسلمہ ہو یا کافر کبیرہ
ہو یا صغیرہ ایسی کہ وطی کی جاتی ہو واجب ہے مرد پر اگرچہ صغیرہ ہو کہ وطی پر قادر نہ ہو
جیسا کہ قرآن میں ہے اوپر کی آیت اور اگر شوہر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو درمیان ان
کے تفریق نہ کرائی جائے بلکہ مرد کے اوپر قرض لیکر کھائے جب شوہر مالدار ہو جائے
تب ادا کر دیوے لیکن نزدیک امام شافعیؒ کے تفریق کرادی جاوے مگر یہ شخص تو نفقہ دینے
سے عاجز ہی نہیں اور کچھ غریب بھی نہیں کیونکہ دوسری عورت جو اس کے نکاح میں ہے
خوب آرام میں ہے کھانے اور کپڑے کی طرف سے خوب فراغت ہے فقط اسے عورت
سابقہ کو تکلیف دینا منظور ہے اس مرد کی اور نفقہ کی طرف سے صاف انکار بلکہ ایک طرح
کا ظلم ہے کہ نہ تو نفقہ دیوے اور نہ طلاق اس وقت اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے آیا امام
شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق درمیان دونوں کے تفریق کرادی جائے کیا حکم
ہے شرع شریف سے تحقیق فرما کر تحریر فرمائیں یہ کہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں اور
دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ اور لڑکی کو از روئے ظلم کے کبھی شفقت
شوہرانہ اوپر اس عورت کے اور محبت پدرانہ اوپر ان بچوں کے نہیں دیکھا اور نہ بچوں
کی پرورش کی اسی وجہ سے وہ عورت اور بچے اس مرد سے الگ ہو گئے اور کسی طرح سے
اس عورت نے بچوں کو مزدوری کر کے پرورش کیا اور اب ہوشیار ہوئے۔

اور چونکہ شوہر اور والد واجب الاطاعت ہیں اور یہ عورت اور بچے سب بہراہی
اُس کی اطاعت سے محروم رہے پس اس حالت میں گنہگار کون ہے اور کون کس
واسطے پوچھا جائے گا باوجودیکہ زوجہ اور لڑکے اپنی خواہش سے اطاعت سے محروم
نہیں تو ایسی صورت میں کہ نافرمانی کی ابتدا، اور زیادتی زوجہ اور لڑکوں کی جانب
سے نہ ہو تو ماخوذ ہوں گے یا نہیں پس قصہ اس عورت کا جس کا تذکرہ اوپر چلا آتا ہے

ایسا ہی ہے کہ جس وقت یہ لڑکا چار سال کا یا زیادہ کا اور لڑکی یعنی دختر فقط تین ماہ کی
تھی اسی وقت شوہر اس عورت کا پردیس میں چلا گیا قریب بارہ برس کے ہوئے کہ ابھی
تک نفقہ وغیرہ سے خبر کیا حقہ نہ لی فقط محنت مزدوری سے اپنی اور بچوں کی پرورش
کرتی رہی پس جس وقت قحط ہوا اس ملک میں جہاں یہ عورت تھی اس وقت اسکو
اپنے ملک میں رہنا ساتھ دو بچوں کے بہت مشکل ہوا اس وقت اس کا شوہر جو پردیس
میں تھا اُس کی خیریت آئی تو اس کے مرد نے دوسری عورت کے ساتھ جو غیر قوم تھی
نکاح کیا ہوا تھا اب جب سابقہ عورت اپنے ملک کو چھوڑ کر اس مرد کے قریب آئی کہ
شوہر کے قریب پہونچکر اپنی تکلیف اور شوہر کی جدائی کے صدمہ کو رفع کرے گی
مگر یہاں دوسری عورت کے ہونے سے اور بھی زیادہ اُس پر صدمہ ہوا اور دوسرے
شوہر کی نامہربانی خیر تھوڑے روز تک جیوں تیوں کر کے گزر ہوئی عورت سابقہ علیحدہ
رہ کر اور محنت و مزدوری سے اپنی اور بچوں کی پرورش کرتی رہی بعد اس کے اس عورت
کا شوہر دوسری جگہ چلا گیا بعد اس کے چلے جانے کے ایک لڑکا اور پیدا ہوا مگر اس کے
مرد نے نان و نفقہ کی کچھ خبر نہیں لی مجبور ہو کر اس عورت نے سرکار میں ایک عرضی بایں
مضمون دی کہ میرا شوہر میرے نان و نفقہ کی خبر زمانہ تیرہ چودہ برس کا ہوتا ہے کہ
بالکل نہیں لیتا سرکار مجھکو طلاق دلوادے جس وقت کمشنر صاحب بہادر کی طرف سے
کاغذ گیا اس عورت کے شوہر کے پاس اس وقت اس کا مرد اس عورت کے پاس
آیا اور اس سے کہا کہ تو نے نالش کیونکر کی اب چل میرے ساتھ جہاں میں چاہوں
تم کو لے جاؤں اور جہاں میں اس وقت رہتا ہوں اور عورت دوسری میری رہتی
ہے وہاں تجھ کو چلنا ہوگا اور بہت کچھ دھمکایا اس عورت سابقہ کو اپنی جان کا خوف دیکھ کر
اس عورت سوکن کا ڈر جو کہ بیشتر اُس کے صدمہ اٹھا چکی تھی نہ گئی اور اس کا مرد چلا گیا
پھر دوبارہ آیا اور اس کو پھر سابق کے موافق بلایا کہ چل میرے ہمراہ اس عورت نے
جو انکار قبل کیا تھا ویسا دوبارہ بھی کیا اور کہا کہ مجھ کو تیرے ساتھ رہنا منظور نہیں
طلاق دیدے اس کے مرد نے کچھ جواب نہ دیا بلکہ جو کچھ برتن وغیرہ اور کپڑا تھا وہ
اپنے ہمراہ لے گیا اور وہ لڑکا جو صغر سنی میں چار پانچ سال کا چھوڑا پردیس میں آیا
تھا اُس کو اپنے ہمراہ لیا اور لڑکا بہت انکار کرتا رہا کہ میں نہیں جاؤں گا بلکہ میں

نہیں جانتا کہ تو کون ہے خیر لوگوں کے سمجھانے اور اصرار کرنے سے لڑکا اس کے ہمراہ گیا
اور اس مرد نے عورت سے کہا کہ اگر تو نہیں جاتی تو مجھ کو ضرورت بھی نہیں مگر لڑکے
اور لڑکی کو لے جاؤں گا جس وقت لڑکے کو ہمراہ لیا اُسی وقت لڑکی کو بھی بلایا کہ
میرے ہمراہ چل لڑکی تو اُس کو خوب اچھی طرح سے جانتی تھی اور والد کی نامہربانی
سے خوب واقف تھی اور لڑکا جو کہ اس عورت سے محنت اور مشقت کر کے پرورش
کیا تھا اور اب سولہ سترہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس وقت کوئی کام یعنی مزدوری
وغیرہ کر سکتا تھا اور ماں کو اس کی خوب اُمید تھی کہ اب لڑکا ہوشیار ہوا مزدوری کر کے
میری پرورش کریگا اس کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس وقت یہ لڑکی اور ایک لڑکا صغیر
جو قریب چار ماہ کے ہوا ہے اور اس کی والدہ اس وقت آنکھوں سے معذور ہو گئی
اور عمر بھی قریب چالیس برس سے اوپر ہو گئی وقت ضعیفی کا ہے اور والد یعنی باپ
لڑکے کا چاہتا ہے کہ لڑکی کو بھی لے جاؤں اور عورت کو تنہا چھوڑ دوں اور اس لڑکی
سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بالکل والد کے ہمراہ جانے سے انکار کرتی ہے کہ میں
اپنی ماں کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی اور اگر مجھ کو جبراً لے گیا میرا والد تو ضرور اپنی جان
کو ہلاک کر دوں گی اور اس وقت اس لڑکی کی عمر بارہ برس کچھ کم زیادہ ہے تو جس
حالت میں اس لڑکی کی والدہ آنکھوں سے معذور اور ضعیفہ بھی ہو اور اپنی محنت اور
مشقت سے لڑکی کو پرورش بھی کیا ہو اور ایسے وقت میں یہ لڑکی اس کی ماں کی
زندگی کا سہارا ہوئی اس حالت میں اُس کا باپ لڑکی کو چاہے جبراً لیجانا تو شریعت
کے موافق کیا حکم ہے اور والدہ کا حق ان بچوں پر خصوص کر کے اس لڑکی پر کچھ
ہوتا ہے یا نہیں اور لڑکی کو اپنے ہمراہ جو کہ محرم راز کی ہوئی لے سکتی ہے یا نہیں
اسکو بسند صحیح مرقوم فرمائیں اور بہت جلدی اس طرف کو ارسال فرمائیں فقط

جواب سوال اول - اس سوال کے دو جزو ہیں ایک مفقود کے متعلق
دوسرا نان و نفقہ نہ دینے والے کے متعلق دونوں کا جواب بترتیب لکھا جاتا ہے۔

(**جواب جزو اول**) فی الدر المختار کتاب المفقود قلت وفی واقعات
المفتین لقدری افندی معزیا القنیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء
لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا یکون حجۃ پس

امراۃ مفقود میں خود مذہب حنفیہ کا راجح ہے نہ مالکیہ کا یہ بحث آخر متعلق خلافیات کے ہے لیکن ضرورت میں جو حنفیہ نے اس پر عمل جائز رکھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ محض فتویٰ عمل کے لئے کافی ہے بلکہ اُس میں حسب روایت بالا انضمام قضا قاضی مسلم کی ضرورت ہے پس عمل کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کے اجلاس میں یہ واقعہ پیش کیا جائے اور کہدے کہ میں اس مفقود کی موت کا حکم کرتا ہوں اس حکم کے بعد وہ عورت عدت وفات کی پوری کرے اُس وقت دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا، واللہ اعلم۔

(**جواب جزو ثانی**) فی الدر المختار باب النفقۃ ولا یفرق بینھما لعجزہ فیھا ولا بعدم ایفائہ لو غائبا حقھا ولو موسرا وجوزہ الشافعیؓ باعسار الزوج وتبضررھا بغیبتہ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی بہ نفذ فی رد المحتار تحت قولہ وتبضررھا والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقۃ فلھا الفسخ وکذا اذا غاب وتعذر تحصیلھا علی ما اختارہ کثیرون منھم وفیہ بعد صفحۃ نعم یصح الثانی ای القضاء علی الغائب عند احمد کما ذکر فی کتب مذھبہ وعلیہ یحمل ما فی فتاویٰ وقاری الھدایہ حیث سئل عمن غاب زوجھا ولم یترک لھا نفقۃ فاجاب اذا اقامت بینۃ علی ذلک وطلبت فسخ النکاح من قاض یراہ ففسخ نفذ وھو قضاء علی الغائب وفی نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلی القول بنفاذہ یسوغ للحنفی ان یزوجھا من الغیر بعد العدۃ اھ وفی رد المحتار قبیل کتاب الطھارۃ وادعی فی البحران المقلد اذا قضی بمذھب غیرہ او بروایۃ ضعیفۃ او بقول ضعیف نفذ اھ اس واقعہ میں بھی مثل واقعہ جزو اول کے محض فتویٰ تفریق کیلئے کافی نہیں بلکہ انضمام قضاء قاضی کی حاجت ہے پس جب کوئی حاکم مسلمان کہدے کہ میں نے فلاں مرد اور فلاں عورت میں تفریق کردی نکاح ٹوٹ جائے گا اور عدت طلاق اُس وقت سے شمار کرکے دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور اگر ان دونوں

جزو میں یہ اشکال ہو کہ قاضی یعنی حاکم مسلم ہندوستان میں کہاں سے آے کہ ان دشواریوں کا انتظام ہو سکے تو جاننا چاہیئے کہ درمختار کتاب القضاء میں مصرح ہے ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ پس اس کی صورت یہ ہے کہ حکام انگریزی جو با اختیار ہوں مہربانی کرکے ان واقعات میں کسی مسلمان عالم کو فیصلہ کرنے کے پورے اختیارات دیدیں وہ عالم مسلمان بوجہ اختیارات ملنے کے بجائے قاضی کے ہوجائے گا اور اس کے احکام ان واقعات میں نافذ ہو جائیں گے اور یہ ضرور نہیں کہ ایسے اختیارات ہمیشہ کے لئے دیئے جائیں بلکہ خاص ان دو واقعوں کے فیصلہ کردینے کا اختیار دینا کافی ہوگا اور ان فیصلوں کے بعد یہ شخص معزول اور بے اختیار ہوجائیگا اور اگر سب مسلمان متفق ہو کر ہمیشہ کے لئے ایسے قضایا کے واسطے حکام سے درخواست کرکے کسی عالم کو مقرر کرلیں تو ہمیشہ کیلئے مصیبت دفع ہوجاتی ہے۔

(**جواب سوال دوم**) فی الدر المختار باب الحضانۃ ولا خیار للولد عندنا مطلقا ذکرا کان او انثی خلافا للشافعی قلت وھذا قبل البلوغ اما بعدہ فیخیر بین ابویہ وان اراد الانفراد فلہ ذلک الیٰ قولہ لا یخیرھما فی رد المحتار تحت قولہ لا لغیرھما فللاب ان یضمھا الیہ وکذا الاخ والعم الضم اذا لم یکن مفسدا فان کان فحینئذ یضعھا القاضی عند امرأۃ ثقۃ اھ وزاد الزیلعی وکذا الحکم فی کل عصبۃ ذی رحم محرم منھا اھ وھذا الذی مشی علیہ المصنف بعد

پس صورت واقعہ میں جو بالغ ہے اُن پر تو بوجہ بلوغ کے باپ کا جبر نہیں بلکہ اس اولاد کو اختیار ہے کہ ماں کے پاس رہے اور جو بالغ ہے چونکہ یہ شخص ایسا ظالم ہے اور اس سے اولاد کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے لہذا نابالغ اولاد کو بھی نہیں لے سکتا۔ ۲۶ رجمادی الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۳۶ ج ۲)

سوال۔ ایک عورت محتاجہ مفلسہ نوعمر کا شوہر مدت سے مفقود الخبر ہے اور کسی طرح بدون زوج زندگی بسر کرنے کی صورت نہیں معلوم ہوتی زمانہ کا حال

ظاہر ہے مخمصہ کی حالت میں اس کے لئے دوبارہ نکاح ثانی کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ گو بعض علماء نے شافعی و مالک رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے مگر راقم کے تجربہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑنے میں بہت فساد پائے گئے ہیں اس لئے میرے نزدیک حسب فتویٰ امام صاحب کے نکاح ثانی قبل مدت معینہ[1] جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم (امداد صفحہ ۴۵ ج ۲)

سوال (۴۵۹) شخصے ازچند سال مفقود شدہ خبرے از پیغام و نامہ نمی آید و زندہ و مردہ مطلق نیست و جوان بود و زنے جوان دارد آں زن جوان در جوش جوانی ایمان را بر باد میدہد و عزت اقوام بر خاک میریزد و فتور کمال در مسلمانان می اندازد و صورۃ نکاح ایں زن بشرع نبوی در مذہب ما یاں می تواند شد۔

الجواب۔ مسئلہ مجتہد فیہ است اگر قاضی کہ مولی از سلطان باشد یا از عامہ مسلمین بر مذہب شافعی و مالک بعد چار سال حکم بموت مفقود و فسخ نکاح زن کند نکاح فسخ شود ازاں پس چار ماہ و دہ روز از عدت گزرانیدہ نکاح جائز است و بدون قضا فسخ نتواں شد و نکاح ثانی جائز نیست۔ ۱۰ ارجب ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۴۶ ج ۲)

سوال (۴۶۰) زید عرصہ تیس یا پینتیس سال کا ہوا اپنے شہر سے چلا گیا اس درمیان میں اکثر بلاد مثل بمبئی و حیدر آباد سے حیات زید کی خبر لوگوں کی زبانی دریافت ہوتی رہی اگر عرصہ بارہ تیرہ برس سے کسی مقام سے خبر زید کی حیات و ممات زبانی و نیز کتابت کسی شخص کے معلوم نہیں ہوئی باوجودیکہ ہمارے شہر کے اشخاص بلاد و امصار میں بغرض تجارت عطر موجود ہیں اب عرصہ تین سال کا گزرا ہے کہ زید کی زوجہ نے عقد عمرو سے کر لیا لہذا گزارش ہے کہ از روئے شرع یہ عقد جائز ہے یا نہیں کیونکہ یہ عقد خلاف مذہب احناف ہے اگر یہ عقد جائز ہے تو کیونکہ جائز ہے مع ادلہ تحریر فرمائیے گا کیونکہ یہاں برادری میں نزاع واقع ہے اور اگر زید مفقود الخبر آ جائے تو اس کی زوجہ کا کیا کیا جائے۔ بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ بحسن المآب

الجواب۔ علاوہ اس کے کہ یہ مذہب حنفی کے خلاف ہے ایک خرابی اور بھی اس میں یہ ہے کہ محض کسی مدت کا گزر جانا مفقود کے حکم بالموت کے لئے کافی نہیں

---

[1] یعنی نوے سال جب زوج کی عمر ہو جائے اور وہ بھی بشرط قضاء قاضی ۱۲ منہ

تاوقتیکہ حاکم شرعی حکم بالموت نہ کرے اس کے بعد عدت گزار کر نکاح ہو سکتا ہے۔
فی الدر المختار قلت وفی واقعات المفتیین لقدری افندی معزیا للقنیۃ
انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضا
لا یکون حجۃ اھ اسلئے یہ دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا البتہ اگر کسی مسلمان حاکم
کے اجلاس میں گو وہ انگریزی ملازم ہو یہ مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ کسی عالم سے
فتویٰ لیکر کہدے کہ وہ مفقود مر گیا اس لئے میں اس کا نکاح اس عورت سے
توڑتا ہوں اب عدت وفات کی پوری کر کے اُس کو دوسرا نکاح درست ہے اور
اس کے بعد بھی اگر شوہر اول آجائے گا تو وہ عورت اسی کو واپس دی جائے گی۔
فی الدر المختار قال ثم بعد رقمہ رأیت المرحوم ابا السعود نقلہ عن
الشیخ شاھین ونقل انہ زوجۃ لہ والاولاد للثانی۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (امداد ج ۲ ص ۵)

حکم نکاح زوجہ مفقود درصورتیکہ عادۃ موت زوج یقینی باشد

سوال (۱۱۶۱) زید در جہاز یکہ از کلکتہ بہ لندن وامریکہ وغیرمی رود نوکری می کرد قضارا چون
بارے جہاز درمیان دریا رسید روزے درکار معہود خود رفتہ گم شد دیگراں خبر
بکپتان رسانیدند کپتان نیز بعد از تتبع بسیار از و نشانے نیافت باآنکہ جہاز از ساحل
شش روزہ راہ دور بود چون جہاز بساحل رسید نیز تتبع کردہ آمد اما او را نیافتند
قریب یک سال است سہ کس کہ در ہمراہ او در جہاز نوکری میکردند بملک آمدہ خبر مذکور
باقارب او رسانیدند آیا دریں صورت روا بود کہ زوجہ اش را بدیگرے نکاح دادہ
آید اگر جائز بود عدتش از کدام وقت گرفتہ شود از ظاہر عبارت شامی کہ در آخر
کتاب مفقود است بعضے حکم جواز نکاح مید ہند حضور دریں چہ می فرمایند نقل عبارت
شامی واذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاۃ
مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او
کان فی سفر البحر وما اشبہ ذلک حکم بموتہ لانہ الغالب الخ جلد
ثالث کتاب المفقود ص ۵

الجواب۔ در رائے من دریں صورت موت او عادۃً یقینی است لوقوعہ فی البحر
واحتیاج نیست بتمسک بعبارت شامیہ چراکہ عبارت مذکورہ درصورت احتمال است

وبرائے ترجیح آں احتمال حاجت است بسوئے رائے امام یا قاضی در مصداق عبارت مذکورہ موت ثابت نہ باشد و نکاح درست نہ باشد پس اگر صورت مسئولہ عنہا را در عموم مدلول عبارت مذکورہ داخل کردہ شود حاجت بحکم القاضی بموتہ خواہد افتاد و آں غالباً دریں بلاد مفقود است پس حکم بجواز نکاح چگونہ کردہ آید صورت مسئول عنہا چناں ست کہ شخصے در نظر ما بمیرد و دفن کردہ شود باوجود احتمال عقلی کہ شاید مسکوت باشد حاجت بقضاء قاضی گفتہ نمی شود لانہ احتمال ضعیف خلاف العادۃ ہم چنیں در صورت مسئولہ گو احتمال عقلی است کہ در بحر شناوری کردہ بیروں بحر آمدہ باشد لاکن چوں خلاف عادت است اعتبار نہ کردہ خواہد شد پس یقیناً میت است و از ہماں وقت عدت تمام کردہ با زوج دیگر نکاح زنش درست باشد۔ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (حوادث صفحہ ۱۳۴/۱)

خلاصہ سوال (۴۶۲) از نکاح زن کہ زوج آں مفقود باشد۔

خلاصہ جواب۔ نزد حنیفہ بر روایت چہار سال بموجب قول امام مالک رحمہ اللہ عمل جائز است بشرط قضاء قاضی۔

تسامح۔ در نقل عبارت قدری آفندی در سند قضاء قاضی۔

اصلاح تسامح۔ تلفیق درمیان دو مذہب بالاجماع باطل است وان الحکم الملفق باطل بالاجماع ۱۲ درالمختار جلد ا صفحہ ۵۷ ہرگاہ در بارہ زوجہ مفقود مذہب امام مالک رحمہ اختیار کرد دریں بارہ تمام شرائط از قضاء قاضی وغیرہ مذہب او رعایت باید کرد وان یجوز العمل بما یخالف ما عملہ علی مذہب مقلدا فیہ غیر امامہ مستجمعا شروطہ ۱۲ ردالمختار جلد ا صفحہ ۵۷ پس مجیب مدظلہ در ما نحن فیہ حکم بر مذہب امام مالک کردہ است و ضرورت شرط قضاء قاضی از مذہب حنفیہ آوردہ است کہ بعد موت اقران یا بعد مدت کہ مفوض الی الامام است قاضی حکم کند و دریں بارہ روایت قدری آفندی صاحب درالمختار سند آوردہ است ثم رأیت عبارۃ الواقعات عن القنیۃ ان ھذا ای ما روی عن ابی حنیفۃ رحمہ من تفویض موتہ الی رأی القاضی نص (قدری آفندی ۱۲) علی انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل الخ ردالمختار جلد ۳ صفحہ ۵۱۲ پس تلفیق حاصل ست

عہ مذہب امام مالک رحمہ کی تحقیق اس فہرست کے ختم کے بعد احقر کی لکھی ہوئی ہے ملاحظ فرمایا جائے ۱۲ اشرف علی

وآں بالاجماع باطل ست واجب بود بر مجیب قدس سرہ کہ از مذہب امام مالکؒ بابت ضرورت وعدم ضرورت قاضی سند تحریر فرمودند وایں روایت را در بسیار جا ازیں فتاوی سند آوردند تمام را قیاس بریں باید کرد و نزد بندہ کدام کتاب مذہب امام مالک موجود نیست مگر فتویٰ اہل علم موجود ست بعینہ درج ست از کتب مذہب امام مالکؒ معلوم می شود کہ تفریق باید کرد و تفریق کنندہ اگر قاضی نہ باشد جماعت مسلمین تفریق کنند وایں کافی ست وللزوجۃ المفقود الرفع الی القاضی والوالی دوالی الوالی و الاجماعۃ المسلمین ۱۲ شرح خلاصہ دردی فی مذہب الامام مالک رح فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ عزیز الرحمٰن مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند یکم ذالحجہ ۳۰ھ

الجواب صحیح — الجواب صحیح

محمد مسئول عفی عنہ مدرس مدرسہ دیوبند — بندہ محمود عفی عنہ (ملحقات تتمہ اولیٰ ص ۲۲۷)

شرط نکاح مفقود الزوج

سوال (۴۶۳) اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے اور وقت روانگی اپنے کوئی سامان واثاث البیت ایسا چھوڑ کر اپنے گھر میں نہیں گیا کہ جس سے ایک ہفتہ بھی ہندہ گزر کر سکے ایسی صورت میں مسماۃ مذکور کو اپنے عقد ثانی کی نسبت بروئے شرع شریف کیا حکم ہے۔

الجواب۔ مفقودۃ الزوج کے جواز نکاح بروفق مذہب مالکؒ کے جو شرط ہے کما فی الدر المختار کتاب المفقود اُس کا اگر انتظام کر لیجئے تو جائز ہے وہ یہ کہ کسی مسلمان حاکم ذی اختیار کے اجلاس میں عورت استغاثہ کرے اور وہ اہل محلہ سے تحقیقات کر کے کہدے کہ ہمارے نزدیک وہ مفقود مر گیا ہے ہم اس کو مردہ قرار دیتے ہیں پس اس کہنے کے بعد چار ماہ دس دن عدت بیٹھے اور پھر نکاح کرے اور بدون اس کے درست نہیں صبر کرے۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی صفحہ ۲۱)

سوال (۴۶۴) چہ می فرمایند دریں مسئلہ علماء دین ومفتیان شرع متین کہ گیارہ برس کا لڑکا اور نو برس کی لڑکی تھی دونوں کے والدین کے سامنے عقد ہوا جسکو عرصہ نو برس کا ہوا بعد عقد کے دو مہینے بعد نوشہ کا باپ مر گیا اور والدہ بھی مر گئی نوشہ دونوں کے مرنے کے خوف سے کہیں چلا گیا جس کو عرصہ آٹھ نو برس کا گزرا نوشہ واپس نہیں آیا نہ کوئی خبر اُس کی زندگی کی ملی نہ اُس نوشہ کے خاندان میں والی وارث رہا ماں باپ

نوشہ کے ایک دن میں طاعون میں مرگئے تھے تب سے نو برس ہوئے وہ دولھن اپنے ماں باپ کے گھر پرورش پاتی رہی اب وہ دولہن بالغ ہوئی ہے۔ اب فرمائیے کہ اس کی شادی دوسرے کے ساتھ کی جاوے اگر نہیں کی جاتی ہے تو عصمت میں فرق پڑتا ہے کیا کرنا چاہئے اور اس کو روٹی کپڑا کون دے اب ماں باپ بھی نہیں رہے۔

الجواب۔ کسی اسلامی ریاست میں جاکر جہاں قاضی مسلمان ہو جیسے بھوپال اُس لڑکی کی طرف سے استغاثہ کیا جاوے اور وہ قاضی بعد تحقیقات کہدے کہ ہمارے نزدیک وہ نوشہ مرگیا اس کہنے کے چار ماہ دس دن بعد اُس دولھن کا دوسرا نکاح کردیا جاوے۔ ۲۷ر شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۸۱)

سوال (۴۶۵) زید عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اُس کی موت وحیات کی کچھ خبر نہیں ملتی ہے حتی الوسع تلاش کی گئی کچھ پتہ نہیں ملتا۔ ہندہ زوجہ اُسکی نوجوان ہے زمانہ کی حالت نازک دیکھ کر اُس کے والد صاحب اور برادر صاحب کا ارادہ ہے کہ اس کا عقد ثانی کسی دوسرے شخص نیک بخت کے ساتھ کردیا جاوے اور فتاویٰ رشیدیہ میں شاید یہ لکھا ہے کہ امام مالک صاحب یا امام شافعی صاحب کے یہاں یہ درست ہے کہ اس قدر مدت کے بعد اُس کا عقد کردیا جاوے اور ضرورتاً حنفی المذہب بھی اس مسئلہ پر عمل کرسکتے ہیں لہٰذا تصدیعہ ہے کہ حضور والا کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے تاکہ اُس کے موافق اُس کا عمل درآمد کیا جاوے۔

الجواب۔ فی شرح الزرقانی المالکی علی موطا الامام مالکؒ فی عدة التی تفقد زوجها مانصه وضعف الاول (ای الوجه الاول للتحدید باربع سنین) بقول مالك لو اقامت عشرین سنة ثم رفعت یستانف لها الاجل ثم قال والثانی (ای الوجه الثانی) لقول مالك ایضاً تستانف الاربع من بعد الیاس وانها من یوم الرفع ثم قال فلا سبیل لزوجها الاول الیها اذا جاء او ثبت انه حی لان الحاکم اباح للمرأة الزوج ای قوله ثم رجع مالك عن هذا قبل موته بعام وقال لا یفتیها علی الاول الا دخول الثانی غیر عالم بحیاته ثم قال وفرق بینها (ای المرأة یطلقها زوجها وهو غائب عنها الخ) وبین امرأة المفقود بانه لم یکن

فی هذه امرد لا قضیة من حاکم بخلاف امرأة المفقود کان فیها قضاء من الحاکم) اھ

اس عبارت میں چار جگہ تصریح ہے کہ مفقود کی بی بی امام مالکؒ کے مذہب میں بدون قضاء قاضی یعنی بدون حکم حاکم اسلام کے نکاح ثانی نہیں کرسکتی پس امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنا یہ ہے کہ اس قید پر بھی عمل ہو اور جب ایسا نہ کیا جائے تو نکاح ثانی ناجائز ہے اور ظاہر ہے کہ اب کوئی اس کا اہتمام نہیں۔ پس ایسے نکاح اُن کے مذہب پر بھی جائز نہیں ہیں۔ ۲۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۶۵)

جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہیؒ کہ از قاضی عبدالحق

حاصل شد و احقر خط مولانا شناختہ۔ جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اُس وقت سے کامل چار سال کرکے حاکم مسلمان تفریق کر دیوے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جاوے یہ مذہب امام مالک کا ہے۔ اس پر فتوےٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر رشید احمد عفی عنہ مہر (تتمہ خامسہ ص ۱۵۱)

سوال (۴۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زوجہ مفقود الخبر کتنی مدت گزرنے کے بعد نکاح ثانی کرسکتی ہے اور وہ مدت روز فقدان سے شمار ہوگی یا مرافعہ الی القاضی کے وقت سے۔

دفعہ نمبر ۱۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۵۰ میں بحوالہ رحمۃ الامۃ تحریر فرمایا ہے کہ امام مالکؒ می فرمایند کہ از روز فقدان او ہرگاہ چہار سال و چہار ماہ و دہ روز بگزرند نکاح زن او جائز است کذا فی رحمۃ الامت یہ فتویٰ اس زمانہ میں قابل عمل ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ نقل رحمۃ الامت کی بلا سند ہے۔

تتمہ سوال بالا۔ کتب فقہ مالکیہ مدونہ کبریٰ وغیرہ میں مذہب امام مالکؒ کا یہ لکھا ہے کہ عورت جس وقت مرافعہ الی القاضی کرے اُس وقت سے چار سال کی مدت مقرر ہوگی اور جو مدت قبل تاجیل گزری اس کا اعتبار نہیں ولو عشرین سنۃ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب دیوبند نے تحریر فرمایا ہے کفایت الطالب کی عبارت بھی

اسی کی مؤید ہے۔

الجواب۔ مدونہ منقول بسند ہے۔

تتمہ سوال بالا۔ وہ عبارت یہ ہے۔ المفقود یضرب لہ اجل۔ ای مدۃ اربع سنین وان کان عبدا یضرب لہ اجل مدۃ سنتین وابتداء ضرب الاجل من یوم الرفع کما۔ حررہ قاضی محمد بشیر الدین۔ قاضی شہر میرٹھ

الجواب۔ یہ مدونہ کے موافق ہے۔

تتمہ سوال بالا۔ اور اسی کے موافق مولوی محمد فضل صاحب مونگیری و مولانا ریاض الدین صاحب نے بحوالہ مدونہ مالکیہ آج سے چار سال گزارنے کو تحریر فرمایا ہے قال فی البزازیۃ ھناک الفتوی فی زماننا علی قول مالک رحمہ اللہ اعنی اذا مضی اربع سنین یفرق القاضی بینہ وبین امراتہ وتعتد عدۃ الوفاۃ ثم تزوج من شاءت لان عمر رض ھکذا قضی

یہ عبارت نقل کرکے مولانا عبد المؤمن صاحب مدرس مدرسہ صدو غیرہم نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔

الجواب۔ یہ ساکت ہے فقدان مرافعہ سے والناطق قاض علی الساکت پس مدونہ کی روایت عمل کے لئے متعین ہوگئی اور اس سے مرافعہ الی القاضی و تاجیل قاضی کا اشتراط ظاہر ہے اور یہاں ہندوستان میں یہ شرط مفقود ہے پس مالک رح کے قول پر فتویٰ کی کوئی صورت نہیں رہی فلتصبر ولتحتسب۔

تتمہ سوال۔ اب ان تمام صورتوں میں سائل کے لئے قابل عمل کون سا فتویٰ ہے براہ کرم اس امر میں فیصلہ کن جواب سے مطمئن فرمایا جاوے۔

الجواب۔ ساتھ ساتھ لکھ دیا ہے۔

تتمہ سوال۔ نکاح ثانی کرنے کے بعد اگر مفقود الخبر آجائے یا اُس کا کہیں پتہ لگ جاوے تو زوجہ شوہر اول کی رہے گی یا ثانی کی۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اول کی جرح بہ فی رد المحتار۔ ۲ر شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ (تتمہ ۵ ص ۵۸)

زوج مفقود الخبر الخ

سوال (۴۶۷) نمبر ۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور ایک رات رہ کر

کہیں چلا گیا عرصہ آٹھ برس سے مفقود الخبر ہے اور اپنی عورت کو نان و نفقہ بھی نہیں دیا اس درمیان میں ایک مرتبہ پھر وہ آیا اور اب پانچ سال سے پھر لاپتہ ہے حتیٰ کہ اُس شخص کے عزیز و اقارب میں سے کسی کو اس کی خبر نہیں ہے اس صورت میں کب تک وہ عورت نکاح ثانی نہیں کر سکتی اگر وہ عورت نکاح ثانی کرنا چاہے تو کتنی مدت تک اُس کو انتظار کرنا چاہئے کیونکہ عورت مذکورہ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

الجواب۔ اگر حکام سے درخواست و کوشش کر کے یہ امر منظور کرا لیا جاوے کہ وہ کسی مسلمان عالم کو اس مقدمہ کی سماعت کا اور بعد سماعت کے فسخ نکاح کا اختیار دیدیں تو اطلاع دیجئے پھر اُس کا طریقہ بتلا دیا جاوے۔ اور بدون اس کے کوئی آسان صورت نہیں ہو سکتی اور اگر اس کا انتظام نہ ہو سکے تو لکھئے میں پھر دوسری صورت بتلاؤں گا۔ ۲۸ ر ج ۲ ۱۳۳۳ھ۔

سوال نمبر ۲۔ حسب ایما جناب کے کلکٹر صاحب بہادر کو درخواست دی گئی انہوں نے زبانی یہ حکم دیا کہ مذہبی معاملہ میں ہم کوئی حکم نہ دینگے درخواست بلا کسی حکم کے واپس کر دی گئی۔ ایسی حالت میں جو مسئلہ اجازت دے مطلع فرما دیں۔

الجواب۔ اب یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی اسلامی ریاست میں مثلاً بھوپال وغیرہ میں وہ عورت استغاثہ کرے اور قاضی امام مالک رح کے مذہب کے موافق بعد تحقیقات یہ کہدے کہ چونکہ اُس کو گم ہوئے چار سال ہو گئے ہیں میں حکم کرتا ہوں کہ وہ مر گیا اس کہنے سے چار ماہ دس دن گزار کر یا قاعدہ سے صورت موجودہ میں جو اُس کی عدت ہو ختم کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ ۱۱ ر جب ۱۳۳۳ھ،

آیسہ عورت کے پستانوں سے بجائے دودھ اگر سفید پانی نکلے تو اس سے حرمت رضاع ثابت ہو گی یا نہیں

سوال (۴۶۸) ایک عورت ہے کہ اُس کی اولاد یا حمل قرار نہیں پکڑتا ہے اس عورت کی لڑکی ایک بچہ تین ماہ ۱۴ یوم کا چھوڑ کر قضا کی بچہ اپنی نانی یعنی اس عورت کی گود میں پرورش پانے لگا اُس کی نانی جب یہ لڑکا روتا ہے تو پستان لڑکے کے منہ سے لگا دیا کرتی تھی ایک روز پستان دبانے سے سفید پانی مثل دودھ کے دکھائی دیا کیا یہ سفید پانی دودھ سمجھا جاوے گا یا کیا اور عورت کے بچہ جننے پر کس قدر زمانہ تک کا حکم ہے آخر کوئی زمانہ اس کے لئے ہے یا تمام عمر جب سفیدی ظاہر ہو اور

بچہ کوئی گود میں ہو یا نہ ہو براہ مہربانی جو حکم شرع شریف ہو تحریر فرماویں۔

الجواب۔ فی الدر المختار ھو (ای الرضاع) مص من ثدی آدمیۃ ولو بکرا او میتۃ او آیسۃ اھ وفی رد المحتار تحت قولہ ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا مانصہ ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل بھا لبن لایحرم الیٰ قولہ کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا ثبت من ارضاعہ تحریم کما فی شرح الوھبانیۃ ج ۲ صفحہ ۹۷۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ سفید پانی دودھ سمجھا جاوے گا۔

۳ر ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۲)

دودھ کی بجائے پانی نکلنے سے حرمت ثابت نہ ہوگی

سوال (۴۶۹) کیا کسی عورت کے حقیقی دودھ نہ ہو اور پانی جیسا ہو تو اس سے حرمت (رضاع) ہوتی ہے یا نہ۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الرضاع ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا فی رد المحتار قولہ والا لا ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لھا لبن لا یحرم جوھرۃ لانھم نصوا علی ان اللبن لا یتصور الا ممن تتصور منہ ولادۃ فیحکم بانہ لیس لبنا کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعہ تحریم کما فی شرح الوھبانیۃ اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حرمت مخصوص ہے دودھ کے ساتھ پس پانی سے حرمت نہ ہوگی۔ ۳ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ۔

حکم وطی بالشبہ وارتداد زوجہ و حکم عقر

سوال (۴۷۰) زید کا نکاح بوجہ ارتداد زوجہ واجراء کلمہ کفر فسخ ہو گیا قبل تجدید نکاح اندرون عدۃ وطی ہوئی وہ وطی بالشبہ ہے یا محض زنا اور عقر دینا پڑیگا یا نہ اگر دینا پڑے گا تو کتنا اگر کئی مرتبہ اتفاق ہوا تو کیا ہر وطی کے عوض عقر ہے۔

الجواب۔ فی عالمگیریۃ ارتدت المرأۃ والعیاذ باللہ وحرمت علیہ اوحرمت بجماع امھا او بنتھا او بمطاوعۃ ابن الزوج ثم جامعھا وقال علمت انھا حرم لا حد علیہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ وطی حرام بالشبہ ہے ورنہ حد واجب ہوتی، رہا

عقر کا توحد اور تعدد سو ظاہراً تعدد معلوم ہوتا ہے فی العالمگیریۃ الاصل ان الوطی متی حصل عقیب شبھۃ الملک مرارا لم یجب الا مھر واحد لان الوطی الثانی صادف ملکہ ومتی حصل الوطی عقبہ شبھۃ الاشتباہ مرارا یجب بکل وطی مھر علیحدۃ لان کل وطی صادف ملک الغیر۔

سو ظاہر ہے کہ یہاں ملک کا مطلق شبہ نہیں ہے ایضاً فی العالمگیریۃ ولو وطی المعتدۃ عن الطلقات الثلث وادعی الشبھۃ قیل ان کانت الطلقات الثلاث جملۃ فظن انھا لم تقع فھذا ظن فی موضعہ فیلزمہ مھر واحد وان ظن ان الطلقات واقعۃ لکن ظن ان وطیھا حلال فھذا الظن فی غیر موضعہ فیلزمہ بکل وطی مھر کذا فی الخلاصۃ۔

اور ظاہر ہے کہ مرتد میں کوئی وجہ مجتہد فیہ حل کی نہیں لہذا یہ مشابہ مطلقہ ثلثہ مظنونہ وقوع الثلث کی ہے لہذا مثل اس کے عقر متعدد ہوگا اور عقر کی تفسیر میں جو اختلاف ہے مشہور کتب فقہ میں مذکور ہے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۵ ج ۲)

عدت فرقت مرتدہ میں مرتدہ کو طلاق دینا اور بعد توبہ نکاح کرنیکا حکم

سوال (۱۷۴۰) ایک شخص ہمیشہ اپنی بیوی کو کہا کرتا کہ احکام شرعیہ کی پابندی کرو ورنہ طلاق دیدوں گا اس پر وہ کبھی خیال نہ کرتی ایک مرتبہ عورت نے غصہ ہو کر کہا کہ تم اپنے خدا اور رسول کے احکام طاق پر رکھو یہ سنکر مرد نے طلاق دیدی بعد کچھ مدت کے پھر نکاح کرنا چاہا تو اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک دوسرے کے ساتھ نکاح نہ ہو جاوے اس کے ساتھ نکاح درست نہیں مگر ایک شخص کہتے ہیں کہ نہیں جائز ہے کیونکہ جب اس نے کہا کہ احکام خدا اور رسول کو طاق پر رکھو تو کافرہ ہو گئی لہذا اس کے نکاح سے قبل طلاق باہر ہو گئی اب اُسے پھر سے مسلمان کر کے نکاح پڑھا لینا لہذا آپ اس میں کیا فرماتے ہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن الفتح ویقع طلاق زوج المرتدۃ علیھا مادامت فی العدۃ ج ۲ ص ۶۴۳۔ وفی الدر المختار باب نکاح الکافر وارتداد احدھما فسخ فلا ینقص عدداً اھ

ہر دو روایت سے معلوم ہوا کہ جب بعد تلفظ کلمۂ کفر عورت کے عدت کے اندر

مرد نے طلاق دی وہ طلاق واقع ہو گئی پس اگر ایک یا دو طلاق دی ہے تو تجدید اسلام کے بعد نکاح درست ہے اور اگر تین طلاق دی ہیں تو حلالہ کی ضرورت ہے۔

۷ ر ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۱۰۸)

سوال (۴۷۲) رات کا وقت تھا آسمان پر ستارے چھٹکے ہوئے تھے سکینہ نے اس منظر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ میاں اور اللہ میائن دری بچھا کر لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ جملہ اُس نے بوجہ جہالت کے بطریق مذاق اور ظرافت کے کہا تھا اس کے دو تین دن کے بعد سکینہ کے شوہر بکر نے کسی بات پر ناخوش ہو کر سکینہ کو تین طلاق دیا۔ جواب طلب یہ امر ہے کہ جملہ مذکورہ کے اجراء سے سکینہ پر حکم کفر کا کیا جاوے گا یا نہیں بصورت اولیٰ یہ طلاق لغو اور فضول ہوئی یا نہیں اگر اس وجہ سے کہ حالت کفر میں نکاح ٹوٹ گیا طلاق لغو ہوئی تو اب بعد تجدید ایمان سکینہ کا نکاح بکر کے ساتھ پھر ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے تو انقضائے میعاد عدت کا انتظار کرنا پڑیگا یا اس وجہ سے کہ شوہر اول ہی کے ساتھ نکاح ہوگا ہر وقت نکاح ہو سکتا ہے فقط بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار ثم الفرقۃ ان من قبلھا ففسخ لا ینقص عدد طلاق و لا یلحقھا طلاق الا فی الردۃ الخ۔ فی رد المحتار یعنی ان الطلاق الصریح یلحق المرتدۃ فی عدتھا ان کانت فرقتھا فسخا جلد ۲ ص ۵۰۳۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر یہ طلاق عدت کے اندر ہوئی تو واقع ہو گئی اگرچہ وہ کلمہ کفر کا ہو۔ ۲۶ ر رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۹)

حکم ارتداد زوجہ و فسخ شدن نکاح مرتدہ خواہ تلفظ کلمات کفر از اعتقاد باشد یا بلا اعتقاد از خود بود یا بتعلیم غیر

سوال (۴۷۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شادی کی اور بی بی کو گھر میں اپنے لایا اور خلوت کے چند ماہ کے بعد اُس کے اولیاء رخصتی کے لئے آئے زید نے بی بی کو رخصت کر دیا چند روز کے بعد زید نے جو رخصتی چاہی تو اُس عورت کے اولیاء حیلے حوالے کرنے لگے چند روز کے بعد رخصتی سے صاف انکار کیا اور خلع چاہنے لگے تو زید نے مجبور ہو کر گورنمنٹ میں رخصتی کے لئے درخواست کی جب اولیاء کو یہ معلوم ہوا تو اُن لوگوں نے جھٹ سے۔

اُس عورت کو کلمات کفر سکھلا دیئے اس عورت نے کلمات کفر زبان سے کہے اب اولیاء عدالت میں آکر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہو کر اس قسم کے کلمات کفر زبان پر لائی ہے اب زید سے اُس کا نکاح ہی کب باقی رہا کہ وہ رخصتی چاہتا ہے نکاح ٹوٹ گیا اسوجہ سے ہم لوگ رخصتی نہیں کر سکتے اس اظہار پر حاکم نے زید سے فتوی طلب کیا ہے اور اپنے فیصلہ کو فتویٰ پر موقوف رکھا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس عورت نے اولیاء کے سکھلانے سے یا خود اپنی طبیعت سے بغرض فسخ نکاح اگر کلمات کفر کہے ہوں تو عند اللہ نکاح فسخ ہو گا یا نہیں۔

الجواب۔ فسخ ہو گیا عمداً سمجھ کر تلفظ بکلمات کفر خواہ اعتقاد سے ہو یا بلا اعتقاد خواہ اپنی رائے سے ہو یا کسی کی تعلیم سے سب موجب کفر ہے اور کفر موجب فسخ نکاح اس لئے نکاح ٹوٹ گیا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیم کرنے والوں کا نکاح بھی ٹوٹ گیا اور جو جو شخص اس کارروائی سے راضی ہیں سب کا نکاح ٹوٹ گیا لیکن اتنا فرق ہے کہ زید کی بی بی کو تو شرعاً مجبور کیا جاوے گا کہ وہ اسلام لاوے اور اسی شوہر اول سے نکاح کرے دوسرے شخص سے اس کو نکاح جائز نہ ہو گا اور تعلیم کرنے والوں اور راضی ہونے والوں کی بی بیوں کو اختیار ہو گا بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کر لیں فی الدر المختار اخبرت بارتداد زوجها فلها التزوج بآخر بعد العدة الخ وفیه ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجها به یفتی وفی رد المحتار حکموا بجبرها علی تجدید النکاح مع الزوج وتضرب خمسة و سبعین سوطا واختارها قاضی خان للفتوی اھ جلد ۳ ص ۴۶۹ وص ۴۷۰۔ ؎

اور جب ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا تو اس لئے آئندہ کے سوالات ان سب سے متعلق ہوں گے ۴ ذی قعدہ ۱۳۳۱ ہجری (تتمہ ثانی ص ۹۲)

تحقیق مسئلہ متعلقہ ارتداد زوجہ

فی الدر المختار ولیس للمرتدة التزوج بغیر زوجها به یفتی وفی رد المحتار عن الفتح وقد افتی الدبوسی والصفار وبعض اهل

سمرقند بعد من وقوع الفرقۃ بالردۃ ردا علیہا وغیرہم مشوا علی الظاہر ولکن حکموا بجبرہا علی تجدید النکاح مع الزوج وتضرب خمسۃ وسبعین سوطا واختارہ قاضی خان للفتوی اھ صفحہ ۴۶۹ وصفحہ ۴۷۰ مطبوعہ مصر جلد ۲ درمختار اور ردالمحتار اور فتح القدیر کتب معتبرہ مستندہ مذہب سے ہیں صاحب فتح یعنی ابن الہمام اس رتبہ کے شخص ہیں جن کو علامہ مقدسی رتبہ اجتہاد تک پہونچا ہوا مانتے ہیں جیسا علامہ شامی نے ان سے نقل کیا ہے (ردالمحتار مطبوعہ مجتبائی ج ۲ ص ۸۷۴ قاضی خاں اس درجہ کے ہیں کہ علمائے مذہب نے اُن کو فقہا کے سات طبقوں میں سے طبقہ ثالثہ سے شمار کیا ہے جن کا رتبہ بعد ابویوسف و محمد رحمہما اللہ کے ہے (ردالمحتار مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۷۹ و ۸۰) پھر دبوسی اور صفار اور بعض علماء سمرقند کا فتویٰ اور زیادہ سو یہ ان حضرات کے مجموعی اقوال جو کتب معتبرہ میں منقول ہیں گو اُس میں باہم مختلف ہوں کہ عورت کے مرتد ہونے سے آیا فرقت واقع ہوگی یا نہیں لیکن اس پر متفق ہیں کہ اس عورت کو دوسرے زوج سے نکاح کرنے کا مطلقاً اختیار نہیں اگر وہ مرتد رہے گی تو کسی سے بھی اُس کا نکاح صحیح نہیں (درمختار مع ردالمحتار ص ۴۶۵ مطبوعہ مصر) اور اگر اسلام کی طرف عود کرے گی تو زوج اول ہی سے اُس کا نکاح کیا جائے گا اور نیز حسب قاعدہ شرعیہ اُس کو اسلام کی طرف عود کرنے پر مجبور کیا جائے گا جیسا اوپر ردالمحتار ص ۴۷۰ سے گزرا ہے۔

واللہ اعلم ۱۳۲۴ھ ہجری (امداد ص ۶۹ ج ۲)

عدم بطلان حکم تحلیل از ردت زوجہ

سوال (۴۷۴) زید نے ایک بے دین عورت کو دین اسلام میں لاکر اُس سے نکاح کر لیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا زید نے کوئی بے جا حرکت پر اس کو تین طلاق دیدیا بعد ازاں عورت مذکورہ اسلام سے پھر گئی اب وہ عورت دائرہ اسلام میں آنا چاہتی ہے اور زید اس سے ثانیاً نکاح کرنا چاہتا ہے آیا اس عورت سے بغیر تحلیل نکاح درست ہے یا نہیں اور توبہ استغفار اُس کو کراکے نئے سرے سے نکاح کر لینا کافی ووافی ہے یا نہ اور دانش میں یہ ہے کہ اس مرتدہ کو تاکید شدید کرکے دین پر لاکر نکاح کرنا بس ہے بوجہ مرتدہ ہونے کے احکام شرعی باطل ہوگیا تحلیل کی حاجت نہیں ہے۔

الجواب - فی الدر المختار لا بملک یمین لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلها وطاء المولی ولا لملک امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلث وردۃ و سبی نظیرہ من فرق بینهما بظهار او لعان ثم ارتدت وسبیت ثم ملکها لم تحل لہ ابدا اھ فی رد المحتار قولہ لا بملک یمین عطف علیٰ قولہ بنکاح نافذ قولہ لم تحل لہ ابدا فوجہ الشبہ بین المسئلتین ان الردۃ واللحاق والسبی لم تبطل حکم الظهار واللعان کما لم تبطل حکم الطلاق اھ جلد ۲ صفحہ ۸۸۶ و صفحہ ۸۸۷

اس روایت میں تصریح ہے کہ اگر زید نے اُس کو تین طلاق دیدی ہیں تو تحلیل کی حاجت ہے ردت سے حکم تحلیل باطل نہیں ہوا۔ (تتمہ خامسہ ص۳۶)

حکم تطلیق مرتد

سوال (۵۱۷۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے پیر کو خدا کہتا ہے اور سجدہ کرتا ہے اور بغداد شریف کی طرف منہ کرکے نفل کعبہ سے افضل جان کر پڑھتا ہے اور علماء دین کو دشنام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے رقاصوں کا ناچ وگانا سنا ہے اور حلال جانتا ہے اور السلام علیکم کو بے ادبی اور بُرا سمجھ کر بجائے اس کے یا علی مدد کہتا ہے آیا یہ الفاظ کفر کے ہیں یا کہ نہیں کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر الفاظ کفر کے ہیں چنانچہ عالمگیری کی عبارت سے علماء کو گالیاں دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں شریعت کو کیا کروں اور ہمارا شریعت سے کیا کام ہمارا علم حیدری ہے اور فتاویٰ مولوی عبدالحی میں تحریر ہے کہ یہ الفاظ بھی کفر کے ہیں اور فتاوے مولوی اشرف علی صاحب میں بھی مرقوم ہے اگر یہ الفاظ کفر کے ہیں تو ایسا شخص اگر طلاق کہے تو واقع ہو گی یا نہیں کیونکہ بوجہ کفر کے نکاح تو فسخ ہو چکا تھا آیا بعد توبہ کرنے کے نکاح درست ہے مفصل بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔

الجواب - فی الدر المختار ثم الفرقۃ ان من قبلها ففسخ الی قولہ وان من قبلہ وطلاق الا بملک لو ردۃ او خیار عتق و فی رد المحتار ذکر فی اول طلاق البحران الطلاق لا یقع فی عدۃ الفسخ الا فی ارتداد احدهما وتفریق القاضی باباء احدهما عن الاسلام الی قولہ

فیقید کلامہم ھٰھنا بعدم اللحاق دار الحرب) کما لا یخفیٰ ج ۲ ص ۵۰۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارتداد فسخ ہے مگر اس کی عدت کے اندر طلاق واقع ہوتا ہے پس ان اقوال کفریہ سے تو نکاح فسخ ہو گیا اور عدت واجب ہو گئی اور وطی حرام ہو گئی پھر یہ طلاق اگر عدت کے اندر ہوا ہے تو تین سے کم میں تو تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح کریں اور اس نکاح کے بعد بقیہ تطلیقات کا مالک رہے گا اور اگر تین طلاق دیدے تو بعد حلالہ کے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر یہ طلاق بعد عدت کے ہوا ہے تو طلاق واقع ہی نہیں ہوا بعد تجدید ایمان کے تجدید نکاح درست ہے اور اس نکاح کے بعد طلقات ثلثہ کا مالک رہے گا لیکن اگر اس نکاح کے بعد پھر کلمات کفریہ یا افعال کفریہ کا صدور ہوا پھر نکاح فسخ ہو جاوے گا اور وطی وغیرہ حرام ہو گی جیسا کہ اس طلاق سے پہلے مدتوں حرام ہوتا رہا۔ ۶ر ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۹۷)

کتابُ الطّلاق

حکم طلاق بالکنایۃ طوعاً او کرہاً

سوال (۴۷۶) ایک شخص فیروز پور میں رہتا ہے اور اس کی شادی دہلی میں ہوئی ہے اور اس کی زوجہ نابالغ ہے اور والدین زوجہ فیروز پور بھیجنے سے انکاری ہیں اور طلاق کے خواہاں ہیں اب شوہر فیروز پور ہی سے طلاق نامہ بروبرو تین گواہان لکھ کر دہلی بھیجدیوے تو طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ طلاق ہو جاوے گی۔ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۳۴)

سوال (۴۷۷) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ تین بھائی ہیں مثلاً ایک زید ایک عمرو ایک احمد سب سے بڑا بھائیوں میں زید ہے زید نے عمر کو مارا چھوٹے بھائی کو بہت بیجان کر دیا منجھلے بھائی نے تھانہ میں رپورٹ کر کے بڑے بھائی پر یعنی زید پر دعویٰ کیا بڑے بھائی نے عذر خواہی کر کے دونوں بھائیوں سے صلح کر کے اپنے گھر لایا منجھلے نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے تو ہم تم سے صلح کریں گے ورنہ ہم تمہارے اوپر نالش کریں گے ورنہ قاضی کے پاس چل کر اپنی بیوی مسماۃ خاتون بی بی کو طلاق نامہ لکھو ہر چند زید کو طلاق نامہ دینا دشوار گزرا مگر نامبردہ

نے اپنے خوف کے مارے قاضی سے کہدیا کہ لکھو[۵۱] قاضی صاحب نے کاغذ پر طلاق ثلاثہ لکھا طلاق لکھ کر عورت زید کے گھر میں اکٹھی رہی بلکہ عورت مذکورہ جو حاملہ تھی ہفت ماہ کے بعد لڑکی پیدا ہوئی اب زید کہتا ہے کہ میں نے زبان سے طلاق نہیں دی پس عرض ہے کہ یہ طلاق جائز ہوئی یا نہیں۔

الجواب۔ صورۃ مذکورہ میں جب زید نے قاضی کو طلاق لکھنے کیلئے کہا اور انھوں نے لکھدی اور کاغذ سُنا دیا اور اس نے کچھ چون وچرا نہ کی تو اب زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرتی کان اقرار بالطلاق وان لم تکتب شامی جلد ثانی صـــ۴۳۹ اور لڑکی پیدا ہونے سے عدت گزرگئی واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن الآیۃ اب بغیر حلالہ کے پھر اُس کا نکاح زید سے درست نہیں فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجا غیرہ الآیہ واللہ اعلم ۱۴؍ ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد صـــ۵۳ ج ۲)

سوال (۸۰۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو غصہ کی حالت میں تین طلاق لکھوا کر بھیجا اُس کی بی بی یعنی ہندہ دو چار روز سے اپنے باپ کے گھر بفاصلہ چھ کوس کے رہتی تھی لیکن جس روز آدمی خط لیکر ہندہ کے پاس گیا اس روز اپنے شوہر یعنی زید کے مکان میں چلی آئی خط اس کو نہیں ملا اور نہ شوہر نے ہندہ سے کچھ خط وکتابت یا طلاق کا ذکر کیا بعد آٹھ روز کے ہندہ کی بہن مسماۃ مریم خط لیکر آئی اور زید سے دریافت کیا کہ تم نے کوئی خط بھیجا ہے زید نے کہا کہ خط بھیجا ہے زید نے کہا کہ خط تو ضرور بھیجا تھا مگر ارادہ طلاق کا نہیں تھا وہ خط مجھ کو واپس کردے میں چاک کرڈالوں وہ خط واہیات تھا اور کوئی چیز نہیں ہے ہندہ جھگڑا فساد نہ کرے خوشی سے گھر میں رہے مریم نے زید کا کہنا نہ مانا اور چند آدمیوں کو بلوا کر اور وہ خط پڑھوا کر ہندہ کو سنوایا

---

[۵۱] ہر چند کہ لکھو کا مفعول لفظوں میں مذکور نہیں لیکن اس درخواست کی منظوری میں اس نے یہ کہا ہے اسمیں اس کی تصریح ہے کہ طلاقنامہ لکھو جواب اسی پر مبنی ہے اور جواب میں جو تین کا وقوع لکھا ہے یہ اسوقت ہے کہ اُس لکھے ہوئے کو وہ جائز رکھے یعنی یا تو اُس پر دستخط کردے یا لیکر بیوی کو دیدے یا کسی اور کو دیدے کہ تو بیوی کے پاس پہنچادے چونکہ غالب اس وقت میں یہی ہے اسلئے جواب میں یہ قید نہیں لگائی اور اگر شوہر تین طلاق کو جائز نہ رکھے تو طلاق بلاغذ لکھنے کیلئے کہنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور چونکہ صریح ہے اسلئے رجعی واقع ہوگی ۱۲ منہ

ہندہ بولی کہ میں خط وکتابت کو نہیں جانتی زید موجود ہے وہ میرے رو برو نہ طلاق نہ دیتا ہے اور نہ خط کا حال مجھ سے بیان کیا میں حسب دستور سابق اپنے شوہر کے گھر میں رہتی ہوں خلاصہ یہ کہ زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاق لکھوا کر بھیجا مگر طلاق کا ارادہ نہیں تھا یا ارادہ طلاق کا تھا مگر قبل اطلاع پانے زوجہ کے ارادہ کو بدل ڈالا تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوا یا نہیں اگر واقع ہوا تو کون طلاق واقع ہوا رجعی یا بائن یا مغلظ۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ خط میں طلاق لکھنے یا لکھوانے سے واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت کرے یا نہ کرے یا نیت کرے بہت سے رجوع کرے اور خواہ وہ خط بی بی کے پاس پہونچے یا نہ پہونچے فی الشامیۃ الجلد الثانی ص۷۰۳ وان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینو، فیھا ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارا بالطلاق وان لم یکتب الخ۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خط کا یہ مضمون ہو کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں یا دیدی اور اگر خط کا کچھ اور مضمون تھا تو سائل ظاہر کرے تاکہ جواب دیا جائے اور چونکہ تین طلاق دی ہیں اس لئے مغلظہ ہو گی۔ واللہ اعلم ۲۹ رج ا ۳۲۲ھ (امداد ج۲ ص۹۶)

طلاق نویسانیدن **سوال** (۹۷۴) ایک شخص نے دوسرے سے کہا ایک طلاق لکھدو اس نے بجائے صریح کے کنایہ لکھدیا آمر نے بغیر پڑھے یا پڑھائے دستخط کردیئے تو کیا حکم ہے اور دستخط کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتبر نہ ہوا سی طرح جیسے بعض اطراف بنگالہ میں دستور ہے کہ شوہر سے لکھوا لیتے ہیں اگر برس دن نان ونفقہ سے خبر نہ لی تو طلاق ہے یہ تحریر اگر قبل نکاح ہو معتبر نہیں اور بعد نکاح معتبر ہے لیکن اگر تحریر پہلے سے مرتب ہے اور بعد نکاح کے اس پر دستخط کردیئے گئے اور حوالہ زوجہ کردی گئی تو کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اگر مضمون کی اطلاع پر دستخط کئے ہیں تو معتبر ہے ورنہ معتبر نہیں قواعد سے یہی حکم معلوم ہوتا ہے اور دستخط کرنا اصطلاحاً اس مضمون کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے پس بمنزلہ اس کتابت کے ہے بنگالہ کے دستور میں جب بعد نکاح کے دستخط ہوتے ہیں معتبر ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر پہلے ہی دستخط کر دے لیکن حوالہ کرے بعد میں وہ بھی معتبر ہے کیونکہ یہ سب عرف میں بمنزلہ انشاء تکلم کے سمجھے جاتے ہیں جو کہ مدار ہے اعتبار کتابت کا فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۱۲/ ذی الحجہ ۲۳ھ (امداد صفحہ ۶۵ جلد ۲)

سوال (۴۸۰) ایک شخص ایک قصبہ یا شہر میں ہے اور عورت دوسرے قصبہ یا شہر میں اگر خاوند اُس عورت کا خط کے اندر طلاق لکھ کر بذریعہ ڈاک یا آدم عورت کے پاس روانہ کردے تو طلاق آجاتی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ تحریر و تقریر کا شرع میں ایک حکم ہے جیسا زبان سے طلاق پڑجاتی ہے لکھنے سے بھی واقع ہوتی ہے پس اگر خط میں لکھا کہ تجھے طلاق تو لکھنے کے ساتھ پڑجائے گی اور اسی وقت سے عدت آوے گی۔ ثم المرسومة لاتخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا يقع الطلاق ويلزمها العدة من وقت الكتابة وان علق طلاقها بمجیٔ الكتاب بان كتب اذا جاءك كتابي هذا فانت طالق فمالم يجیٔ اليها الكتاب لايقع كذا فى فتاوىٰ قاضى خان۔ عالمگیری جلد ۲ ص ۲۹۷

(امداد ص ۶۶ جلد ۲)

وجوب حلالہ در طلقات ثلاثہ

سوال (۴۸۱) چہ فرمایند علماء دین و مفتیان شرع متین در حق شخصے کہ منکوحہ خود را در مجلس عام بطلاق ثلاثہ برنفس خود حرام سازد بغیر حلالہ بازن اختلاط کند مسلمانان را اکل و شرب و اجتناب واجب ست ازیں زن مسطورہ اور بلا حلالہ جائز است یا نہ جواب ایں بحوالہ کلام اللہ و کتب صحاح ستہ و تفسیر بیضاوی و معالم التنزیل و مشکوٰۃ و در مختار و شرح وقایہ وغیرہ کتب معتبرہ مع اسناد زیب رقم فرمایند۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہرگاہ زوجہ را طلاق ثلاثہ داد بدون حلالہ اور آں زن حلال نباشد قال الله تعالىٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجا غيره الآیہ۔ وہمی حکم ست در جمیع تفاسیر۔ وعن عائشة رضـ قالت جاء امرأة رفاعة القرظي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت انى كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه الا مثل هدبة الثوب فقال اتريد ان ترجعى الى رفاعة قالت نعم قال لا حتى تذوقي عسيلته ويذ وق

عسیلتک متفق علیہ۔ وہمیں مضمون در جمیع کتب حدیث ست وفی الهدایة وان کان الطلاق ثلثا فی الحرة او ثنتین فی الامة لم تحل له حتیٰ تنکح زوجها غیرہ نکاحا صحیحا ویدخل بها ثم یطلقها او یموت عنها وہمیں مسئلہ در جمیع کتب فقہیہ است وبریں است اجماع امت دریں کسے خلاف نکردہ پس بادلۂ شرعیہ ثابت شد کہ بدون حلالہ آں زن حلال نہ شود۔ باز اگر آنکس بآں زن بدون حلالہ اختلاط می کند خواہ بنکاح ظاہری خواہ بے نکاح او را منع باید کرد و باید گفت کہ آں زن را بگزارد وتوبہ کند اگر ایں امر قبول کند فبہا وبہتر است ورنہ مسلماناں از اکل وشرب واختلاط بدو اجتناب درزند کہ از حکم شریعت یعنی می کند ذلک جزینهم ببغیهم الآیہ ہمین ست حب فی اللہ وبغض فی اللہ واللہ الموفق۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۵۲ ج ۲)

سوال (۴۸۲) ایک شخص کو اس کی عورت نے کہا کہ میرے اگلے شوہر سے لڑکا ہے اس کو بھی تم کھانا کھلاؤ خاوند نے کہا کہ میں ہرگز اسے نہیں کھلاؤں گا تب عورت نے کہا کہ اگر نہ کھلاؤ تو مجھے فارغ خطی لکھدو شوہر نے فوراً مکان سے باہر نکل کر ایک لکھنے والے سے کہا کہ فارغ خطی لکھدو اُس شخص نے لکھنے سے انکار کیا تو وہ شخص اس طرح زبان سے یہ کلمات بول اٹھا طلاق طلاق طلاق طلاق اُس وقت اُس کی عورت اُس جگہ حاضر نہ تھی تو اس صورۃ میں اس شخص کی عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور اگر واقع ہو گی تو کیسی رجعی یا بائن مغلظہ اور وہ شخص تجدید نکاح اس عورت سے کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ چونکہ قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زوجہ پر طلاق واقع کی ہے اس لئے طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ خطاب یا تسمیہ نہیں ہے فی الشامی ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لو قال طالق فقیل له من عنیت فقال امراتی طلقت امرأته اھ وفیه عن القنیة رجل دعته جماعة الی شرب الخمر فقال انی حلفت بالطلاق ان لا اشرب وکان کاذبا فیه ثم شرب طلقت اھ وقال الشامی المراد طلقت قضاء فقط الیٰ قوله فهذا یدل علیٰ وقوعه وان لم یضفه الی المرأة صریحا وقال بعد الحکم بالوقوع ببعض الالفاظ المستعملة مانصه فاوقعوا به الطلاق

معرانہ لیس فیہ اضافۃ الطلاق الیہا صریحاً فہذا مؤید لما فی القنیۃ د ظاہرہ انہ لایصدق فی انہ لم یرد امرأتہ للعرف۔

اور چونکہ تین بار سے طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہو لہذا بدونِ حلالہ اب باہم نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم۔ فقط ۲۹ رجمادی الاُخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ص۵۴ ج ۲)

عدم وقوع طلاق بلفظ توبہ از منکوحۂ خود

سوال (۴۸۳) شخصے از منکوحہ خود توبہ کرد وگفت ازراہ سلام وکلام منکوحہ مارا توبہ است ونیت طلاق نداشت کفارت چہ دہد وچہ کند۔

الجواب۔ چوں لفظ توبہ برائے معنی تحریم نہ موضوع ست نہ دراں متعارف لہذا لغو ست نہ دریں کفارتیست ونہ چیزے دیگر فقط ۴ ر رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص۵۵ ج ۲)

تحقیق عذر نہ بودن جہل بالحکم در طلاق

سوال (۴۸۴) زید نے بعض کتب فقہیہ میں مسئلہ دیکھا تو یہ تھا کہ زوج ثانی مادون ثلث کو باطل کردیتا ہے اور جب عورت مطلقہ بمادون ثلث زوج ثانی کے بعد زوج اوّل کی طرف لوٹتی ہے تو تین کے ساتھ لوٹتی ہے اور خیال رہا اُس کو یہ کہ رجعت طلاق رجعی کو رفع و باطل کردیتی ہے اور اتنا اس خیال میں اُس نے عبارۃ کنوز الحقایق شرح کنز الدقائق باب الرجعۃ ذکرہا بعد الطلاق کانہا متاخرۃ عنہ طبعاً فکذا وضعاً لانہا عت لرفع سبب الحرمۃ وھو الطلاق والرفع ابداً یکون بعد الوقوع اھ دیکھی تو چونکہ اس عبارۃ کے ظاہر سے ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے لہذا یہ خیال اُس کا ایسا درجۂ یقین کو پہونچ گیا کہ نہ اس نے کتب کی طرف رجوع کی نہ اہلِ علم سے اس کا مذاکرہ کیا اور اس خیال فاسد کی بنا پر دو یا اڑھائی برس کے عرصہ میں اپنی زوجہ ہندہ کو کچھ مدت کے بعد جب جب لڑائی ہوئی اور اس کی بیوی طلاق لینے پر اڑ کے بیٹھ گئی تب تب بغرض دفع خصومت ونزاع نہ بارادہ رفع قید نکاح ایک ایک کرکے تین یا اس سے زائد مرتبہ میں تین یا اس سے زائد طلاقیں دیں اور ہر ایک کے بعد رجوع کرتا گیا اب جب سے کسی اور مسئلہ کو تحقیق کرتے ہوئے یہ مسئلہ اس کے دیکھنے میں آیا ہے کہ رجعت سے فقط اثر طلاق منعدم ہوجاتا ہے اور نفس طلاق باقی رہ جاتی ہے یہاں تک کہ اگر اس طلاق مرجوع عنہ کے بعد دو طلاق اور دیدے

تو وہ دونوں اس کے ساتھ منضم ہو کر تین ہو جاتی ہیں تب سے بے چارہ نہایت حیران ہے کہ بیوی کا نہ کوئی عزیز و قریب ہے کہ اُس کی دستگیری کرے اور وہ بیچاری کہاں جائے گی کیا کر کے کھائے گی نہایت نادم ہے اب عمرو زید کی جانب سے اول تو یہ عرض کرتا ہے کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان رواہ ابن ماجتہ والبیہقی عن ابن عباس اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی جو لمعات میں اس کے تحت فرماتے ہیں۔ قولہ تجاوز عن امتی الخ لعل المراد بالتجاوز عدم الاثم فیھما لاعدم المواخذۃ علیھما مطلقا لانہ یثبت الدیۃ والکفارۃ فی قتل الخطاء ویجب قضاء الصوم فی الافطار خطاء ومع ذلک الاثم مرفوع فی الکل وھو المراد بالتجاوز انتھی اسکی نسبت یہ عرض ہے کہ تجاوز سے عدم اثم تو ان افعال میں مراد ہے ہو سکتا ہے جن کے عمداً کرنے میں گناہ لازم آتا ہے جیسے قتل اور افطار صوم کہ ان کے عمداً کرنے میں گناہ لازم آتا ہے اور جو افعال ایسے ہیں کہ اُن کے عمداً کرنے میں گناہ لازم آتا جیسے فی المثل زوجہ موطوئہ کو تین طہروں میں تین طلاقیں عمداً دینا کہ ایک امر مباح ہے اس میں کچھ گناہ نہیں ہے تو ایسے افعال کے خطائً ہو جانے میں تو تجاوز سے عدم مواخذہ مطلقاً ہی مراد ہو گا کیونکہ ان میں اثم تو ہے ہی نہیں جس کا عدم مراد ہو اور یہ نہ فرمایا جائے کہ صورۃ مسئولہ میں تو عمداً طلاق دی گئی ہے تو پھر اس حدیث کے ساتھ تمسک چہ معنی دارد کیونکہ عرض کیا جائے گا کہ خطا دو طرح کی ہوتی ہے ایک خطا نفس فعل میں دوسری خطا ظن فاعل میں جیسے شکار گمان کر کے آدمی کو تیر مار دیا تو صورۃ مسئولہ میں گو نفس فعل یعنی طلاق دینے میں خطا نہیں ہے لیکن ظن فاعل میں خطا ہے تفصیل اس کی یوں ہے کہ جیسے کہ مثال مذکور میں آدمی کو شکار گمان کر کے تیر مارا ورنہ ہرگز نہ مارتا اسی طرح صورۃ مسئولہ میں طلاق کو رجعت سے باطل ہو جانے والی گمان کر کے دی ورنہ ہرگز ہرگز نہ دیتا تو اگر وہ قتل خطاء ہے تو یہ طلاق بھی خطائً ہے اور وہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔

اور دوم یہ کہ مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی مرحوم نے عمدۃ الرعایہ جلد ثانی مطبوعہ علوی کے صفحہ حاشیہ نمبر۱۰ بحوالہ عـہ خطا دو طرح کی ہوتی ہے الخ

اور اگر یہ خطا قتل کے ساتھ خاص فرمائی جائے اور خطا فی الطلاق اور طرح کی بتائی جائے تو قتل میں اس طرح کی اور طلاق میں، اس طرح خطا ہونے کے دلیل بھی سنائی جائے تا کہ قائل یوں نہ کہہ سکے کہ اس کا عکس کیوں نہیں جائز ہے ۱۲ فتح ونہر میں ایک عبارت لکھی ہے اُس میں قضاءً ودیانۃً وقوع طلاق میں تین چیزوں کو ضروری بتایا ہے۔ (۱) قصد اضافت لفظ طلاق الی الزوجہ (۲) علم بمعنی طلاق (۳) عدم صرف طلاق الی مایحتملہ پھر آگے چل کر فرمایا او لقنہ الطلاق فتکلم بہ غیرھا عاکو بمعناہ لایقع لاقضاء ولا دیانۃ اھ پس ان تینوں چیزوں میں علم بالمعنی کو بھی بتاتا اور اس جزئیہ میں بوجہ اُس کے عدم کے حکم عدم وقوع فرمانا دلیل قوی ہے اس پر کہ طلاق میں جہل عذر ہے اور صورۃ مسئولہ میں جہل ہے فرق اتنا ہے کہ نفس طلاق میں نہیں ہے بلکہ اُس کے وصف اور حکم میں ہے مگر جبکہ نفس اور ذات طلاق میں جہل عذر ہے تو طلاق رجعی کا رجعت ہے باطل نہ ہونا کہ ایک وصف اور حکم ہے اس میں بطریق اولی عذر ہوگا پس عمرو کی ان دونوں تقریروں کو ملاحظہ کر کے اگر قابلِ قبول ہوں تو اُن کی بناپر ورنہ کوئی اور صورۃ بن سکتی ہو تو براہ مہربانی اس کو بنا کر عدم وقوع طلقات مذکورہ کا حکم دیجئے ورنہ جو حکم ہو ظاہر کیجئے اور اس واقعہ کو عرصہ کئی سال کا ہو چکا ہے تو بر تقدیر حکم وقوع یہ بھی بتلایئے کہ عدت کب سے شمار کی جائے گی۔ فقط؟

الجواب۔ عمرو کی سب تقریر محض باطل ہے اور اُس کے ابطال میں کچھ لکھنا اشتغال بمالایعنی ہے کیونکہ زید کا یہ گمان جہل ہے نہ کہ خطا اس کو خطا سمجھنا عمرو کی خطا ہے اور جہل احکام شرع میں عذر نہیں ہے یہ بھی شرع کی طرف سے بڑی رعایت ہے کہ اس جہل کو مورث شبہ قرار دیکر دافع حد ٹھہرا دیا فافہم طلقات ثلثہ واقع ہوگئیں اور عورت بدون حلالہ حلال نہیں ہوسکتی رہا عدت سو چونکہ یہ عورت موطوءہ بالشبہ ہے اس لئے وقت فرقت سے ہوگی فی الدر المختار کتاب الحدود ولاحد ایضاً بشبھۃ الفعل ان ظن حلہ الی قولہ ومعتدۃ الثلث وفیہ ایضاً باب العدۃ وعدۃ المنکوحۃ نکاحا فاسدا او الموطوءۃ بشبھۃ الی قولہ الحیض للموت وغیرہ کغرقۃ ادمتارکۃ اھ۔ مختصر واللہ اعلم ۸ ذی قعدہ ۳۱ھ (امداد ص ۵۵ ج ۲)

حکم تطلیق مبہم | **سوال (۴۸۵)** زید نے ایک نکاح کیا اُس کے بعد عمرو نے اپنی لڑکی سے زید کا دوسرا نکاح کر دیا پھر عمرو نے زید پر زور دیا کہ پہلی زوجہ کو طلاق دے زید نے نہیں مانا مگر عمرو زید پر بہت غالب ہے اور یہاں تک زور دیا کہ اگر تو اس کو طلاق نہ دیگا تو میں نہ ہوں گا یا تو نہ ہوگا عمرو کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر میں اس کے سامنے لفظ طلاق نہ کہوں گا تو جان سلامت نہ رہے گی اور عمرو نے یہ بھی کہا کہ یا تو میری لڑکی کو طلاق دیدے یا اپنی دوسری زوجہ کو زید نے مجبور ہو کر یہ لفظ کہا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور دل میں کسی بیوی کا ارادہ نہیں کیا اس صورت میں کون سی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا کسی پر نہیں ہوئی۔

الجواب۔ فی الدر المختار اول باب الصریح قید بها لانه لوقال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکه الاضافة الیها فی رد المختار تحت القول المذکور ولا یلزم کون الاضافة صریحة فی کلامه لما فی البحر لوقال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت وفی الدر المختار قبیل باب الکنایات قال امرأتی طالق ولم یسم الی قوله ولو کان له امرأتان کلتاهما معروفة صرفه الی ایهما شاء خانیة ولم یحک خلافا وفی رد المختار قبیل باب الصریح تحت قول الدر المختار او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق مانصه وفی فتح القدیر عن الحاوی معزیا الی الجامع الصغیر ان اسد اسئل عمن اراد ان یقول زینب طالق فجری علی لسانه عمرة علی ایهما یقع الطلاق فقال فی القضاء تطلق التی سمی وفیما بینه وبین الله تعالیٰ لا تطلق واحدة منهما اما التی سمی فلانه لم یردها واما غیرها فلانها لوطلقت طلقت بمجرد النیة اھ۔

روایات مرقومہ سے مستفاد ہوا کہ چونکہ زید کا یہ کہنا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا عمرو کے جواب میں ہے اور عمرو کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ایک منکوحہ کو چھوڑ دے تو اس وجہ سے زید کا یہ قول بجائے اس کے ہے کہ یوں کہتا میں نے ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا اور وقوع فی الجواب قرینہ اضافت صریحہ کا ہے جیسا روایت اولیٰ اور ثانیہ سے معلوم ہوتا ہے

اور اس کہنے کا کہ ایک کو چھوڑ دیا حکم یہ ہے کہ جس کو اب تعیین کر دے اُسی کو طلاق ہو جاتی ہے جیسا روایت ثالثہ سے مستفاد ہے پس زید کو اختیار ہے چاہے دختر عمرو کا نام لے دے خواہ منکوحہ سابقہ کو وہی مطلقہ ہو جائے گی یہ حکم تو قضاءً کا ہے لیکن دیانۃً چونکہ زید نے نہ کسی کا نام لیا نہ کسی کی طرف اشارہ کیا نہ دل میں کسی کی طرف خیال کیا اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی جیسا روایت رابعہ سے ثابت ہے اور طلاق قضاءً جو واقع ہوگی اگر دونوں زوجہ مدخول بہا ہیں تو رجعی واقع ہوگی جس میں عدت کے اندر رجعت درست ہے پس زید کے لئے مناسب یہ ہے کہ عدت کے اندر دونوں زوجہ سے ہم بستر ہو جائے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا تاکہ وقوع قضاءً کا اثر بھی نہ رہے اور اگر رجعت نہ کی تو قضاءً وقوع کا حکم بتفصیل مذکور ہوگا اور دیانۃً دونوں کا نکاح بحالہ قائم ہے واللہ اعلم۔ ۱۸ محرم ۲۳ھ (امداد ص۵۵ ج ۲)

ازواج متعددہ کی صورت میں ایک غیر معین کو طلاق دینے کی صورت میں زوج کو خیار تعیین حاصل ہونے پر شبہ کا جواب

سوال (۴۸۶) درمختار سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے اور اُس کے تین چار عورتیں ہوں تو اُس شخص کو خیار تعیین ہے جس عورت کی طرف چاہے طلاق پھیرے چنانچہ عبارت یہ ہے لو قال امرأتی طالق ولہ امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منہن ولہ خیار التعیین اور شامی سے ظاہر ہوتا ہے کہ امرأتی طالق کی صورت میں ایک پر طلاق ہوگی اور خیار تعیین بھی طلاق دہندہ کو ہوگا اور اگر امرأتی طالق ثلثاً کہے تو طلاق منقسم ہو جائے گی اگر عورتیں متعدد ہیں پس سوال یہ ہے کہ اس جگہ لفظ اشتراک بینہن یا اشترکہن موجود نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے بلا اختیار طلاق ہر واحدہ پر منقسم ہو جاوے پس کیا وجہ ہے کہ صورت اولیٰ میں منقسم نہیں ہوتا ہے اور صورت ثانیہ میں منقسم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں جگہ لفظ امرأتی مقتضی عموم بدلی مانع عموم استغراقی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ لفظ طلاق اگر عدد کے ساتھ ہو تو اس کا مدلول طلاق متعدد ہے اور اگر مقرون بالعدد نہ ہو تو اُس کا مدلول واحد ہے دوسرا امر یہ ہے کہ اصل طلاق میں بوجہ ابغض المباحات ہونے کے وقوع اقل ہے یا اس وجہ سے اصل وقوع اقل ہے کہ اس سے ارتفاع ملک سابق متیقن کا لازم آتا ہے پس دلیل محتمل سے حسب قاعدہ الیقین

لا یزول بالشک ملک متیقن کو مرتفع نہ کہا جاوے گا پس صورت اولیٰ میں چونکہ طلاق مقرون بالعدد نہیں ہے ایک ہی واقع ہوگی اور ظاہر ہے کہ ایک طلاق کا وقوع ایک ہی محل پر ممکن ہے اور جب محل متعین نہیں ہے تو اس موقع سے اس کی تعیین کرائی جاوے گی اور صورت ثانیہ میں چونکہ مقرون بالعدد ہے تین طلاق ہوں گی اب آگے دو احتمال ہیں یا تو سب ایک ہی محل پر ہوں اور یا منقسم ہوں مگر امر ثانی کی وجہ سے احتمال ثانی کو ترجیح ہوگی اور رہا یہ شبہ کہ امرأۃ عموم استغراقی کے لئے نہیں ہو بدیں وجہ مدفوع ہے کہ عموم استغراقی کے لئے گو نصاً نہیں ہے لیکن بوجہ اس کے کہ مفہوماً کلی ہے محتمل ہے اُسی کو اور یہاں احتمال کافی ہے اور قرینہ ثلثا سے بانضمام تقریر مذکور اس احتمال کو ترجیح ہو گئی۔ ۸ / شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۱)

صحت وقوع طلقات ثلاثۃ دفعۃً

سوال (۷۸۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایک جلسہ میں تین طلاق دیدے اور رکھ لے تو کیا رکھ سکتا ہے یا نہیں اور اکثر فقہا کس طرف گئے ہیں آپ اس کا جواب قرآن و احادیث و فقہ سے دیویں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں۔

الجواب ۔ فی التفسیر المظھری تحت قولہ تعالیٰ الطلاق مرتان لکنھم اجمعوا علی انہ من قال لامرأتہ انت طالق ثلثا یقع ثلثا بالاجماع وقالت الامامیۃ ان طلق ثلثا دفعۃ واحدۃ لا یقع اصلا وقال بعض الحنابلۃ یقع طلقۃ واحدۃ ومن الناس من قال ان فی قولہ انت طالق ثلثا یقع فی المدخول بھا ثلثا وفی غیر المدخول بھا واحدۃ والحجۃ لنا السنۃ والاجماع اما السنۃ فحدیث ابن عمرؓ انہ طلق امرأۃ وھی حائض الیٰ ان قال فقلت یارسول اللہ ارایت لو طلقھا ثلثا اکان یحل لی ان اراجعھا قال لا کانت تبین منک وکانت معصیۃ رواہ دارقطنی وابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن الحسن قال حدثنا ابن عمرؓ قد صرح بسماعہ وحدیث عنہ وحدیث ابن عباس فیہ دلالۃ علی ان الحدیث منسوخ فان امضاء عمر الثلث بمحضر من الصحابۃ وتقرر الامر علی ذٰلک یدل علی

ثبوت الناسخ عندهم وان کان قد خفی ذلك قبله فی خلافة ابی بکر ثم نقل المفسرؒ فتوی ابن عباس عن ابی داؤد والطحاوی ومالك و فتویٰ ابن مسعود عن المؤطا وعبد الرزاق وفتویٰ علی عن ابی هریرةؓ مع ابن عباس عن ابی داؤد ومالك وفتویٰ ابن عمر عن مالك وفتویٰ علی عن وکیع وفتویٰ عثمان عن وکیع ورواية طلاق ابی عبادة الصامت امرأته الف تطلیقة وقوله علیه السلام بانت منك فی معصیة الله عن عبد الرزاق وفتویٰ انس عن الطحاوی وفتویٰ عمر فی البکر عن الطحاوی واوّل حدیث ابن عباس بان قول الرجل کان واحدة فی الزمن الاوّل لقصدهم التاکید وفی ذلك الزمان ثم صاروا یقصدون التجدید وحدیث رکانة قال طلقها ثلثا فی مجلس واحد قال انما تلك طلقة واحدة فمنکر والاصح مارواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجة ان رکانة طلق زوجته البتة فحلفه رسول الله صلی الله علیه وسلم انه ما اراد الا واحدة فردها الیه اھ۔

مختصراً ان احادیث سے اور نیز نقل مذاہب سے معلوم ہو گیا کہ جمہور فقہاء کا مذہب وقوع ثلث بدلیل ان حدیثوں کے ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ ربیع الثانی ۲۲ھ (امداد ص ۵۹ ج ۲)

سوال (۴۸۸) جامع کمالات صوری ومعنوی حکیم الامت جناب مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ بعد تحیہ مسنونہ عرض اینکہ ایک استفتاء مع جواب ارسال خدمت اقدس ہے حضور والا بنفس نفیس مہربانی فرما کر ملاحظہ کریں اگر مجیب کا جواب صحیح ہے تو دستخط فرما دیا جاوے ورنہ اختصار کے ساتھ تردید کر دی جاوے جہاں تک ممکن ہو جواب باصواب سے جلد مطلع فرما دیں نوازش ہو گی جواب کا سخت انتظار ہے والسلام۔

(استفتاء) جس کا ذکر خط بالا میں ہے۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بی بی ناہیدہ سے چند روز قبل سے ناخوش و ناراض رہا کرتا تھا کل اتفاق یہ ہوا کہ زید جس وقت حویلی میں گیا تو ناہید کو واہیات خرافات بولتے پایا اس نے منع کیا نہیں ماننے پر بات بڑھ گئی اور زید نے دو

جوتے ناہیدہ کو مارے جس پر ناہیدہ نے زید کو ماں بہن کی گالی دی زید نے بحالت غضب ناہیدہ کو کہا کہ ہم نے تم کو طلاق دیا طلاق دیا طلاق دیا اب سوال یہ ہے کہ کہ طلاق بائن ہو گئی یا نہیں اور از روئے شرع شریف کوئی صورت پھر اپنے زوجیت میں لانے کی ہے یا نہیں۔

(جواب ہمراہ خط) صورت مسئولہ میں اگر زید کا غصہ اس درجہ تھا کہ زید کے ہوش وحواس درست نہ تھے دیا غصہ کی وجہ سے کسی امر کا صحیح ارادہ نہ کرسکتا ہو بلکہ بیخودی میں ایسے کام اس سے سرزد ہوئے ہوں جن پر غصہ دور ہونے کے بعد سخت نادم ہونا پڑے تو ان دونوں صورتوں میں طلاق ہی نہ واقع ہوگی ــــ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۲۴ - قالت سمعت عائشۃ رضؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طلاق وعتاق فی اغلاق قال ابوداؤد الغلاق اظنہ فی الغضب وقال ابن القیم فی زاد المعاد صفحہ ۲۰۴ والغضب علی ثلاثۃ اقسام احدھا مایزیل العقل ولا یشعر صاحبہ بما قال وھٰذا لا یقع طلاقہ بلا نزاع الثانی مایکون فی مبادیہ بحیث لا یمنع فی تصور ما یقول وقصدہ وھذا یقع طلاقہ - الثالث ان یستحکم ویشتد ولا یزیل عقلہ بالکلیۃ ولکن یحول بینہ وبین نیتہ بحیث یندم علی مافرط منہ اذا زال فھذا محل نظر وعدم الوقوع فی ھٰذہ الحالۃ قوی موجہ - ورنہ اگر ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت ہو تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی زید عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے مسلم شریف جلد ۱ - ان ابا الصہباء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدۃ علی عہد النبی صلعم وابی بکر وثلاثا فی امارۃ عمر فقال ابن عباس قال طلق رکانۃ بن عبد یزید امراتہ ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیہا حزنا شدیدا قال فسألہ رسول اللہ کیف طلقتہا قال طلقتہا ثلاثا قال فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تملک واحدۃ فارجعہا ان شئت قال فراجعہا قال ابن القیم فی اعلام الموقعین وقد صحح الامام ھذا الاسناد وحسنہ

قال الحافظ فی فتح الباری الحدیث اخرجہ احمد وابو یعلی وصححہ من طریق محمد ابن اسحاق وھٰذا الحدیث نص فی المسئلۃ لا یقبل التاویل الذی فی غیرہ من الروایات۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رکانہ نے اپنی بی بی کو تین طلاقیں دیں کہا راوی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ تو نے کس طرح طلاق دی پھر رکانہ نے کہا میں نے اس کو تین طلاقیں دی ہیں راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر پوچھا کیا ایک ہی مجلس میں انھوں نے کہا کہ ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایک ہی طلاق کا مالک ہے اگر تو چاہے تو اپنی بی بی سے رجعت کرلے کہا رکانہ نے اپنی بی بی سے رجعت کرلی علاوہ ازیں زید کے کلمات طلاق کو تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق وانسب ہے چونکہ طلاق ابغض المباحات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

خط بالا اور فتویٰ بالا کا جواب حسب ذیل گیا

السلام علیکم۔ تین طلاق کا ایک ہونا جمہور کے مذہب کے خلاف ہے اور جن دلائل سے اس پر استدلال کیا گیا ہے جمہور نے سب کا جواب دیا ہے اور دلائل کی قوت وضعف کو تو علماء سمجھ سکتے ہیں مگر عوام کے لئے تو ایک سہل طریق یہ ہے کہ اگر یہ شخص طلاق دینے والا مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا مقلد ہے تو نفسانی شہوانی یا اور کسی دنیوی مصلحت سے اپنے امام کی مخالفت کرنا جس کے قول کو دین اور راجح سمجھتا ہے دنیا کو دین پر ترجیح دینا ہے اور مذاہب اربعہ وقوع ثلاث پر متفق ہیں نقلہ النووی عن الشافعی ومالک وابی حنیفۃ و احمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف اور اگر وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہے تو مشتبہ میں احتیاط پر عمل کرنا خود حدیث میں مامور بہ ہے کما روی مسلم امرہ صلے اللہ علیہ وسلم لسودۃ بالاحتجاب ممن حکم ثبوت نسبہ من زمعۃ اور اس میں فتویٰ کے اخیر مضمون کا جواب بھی ہوگیا کہ تاکید پر محمول کرنا قواعد شرع کے زیادہ موافق ہے حیرت ہے مشتبہ پر اقدام اقرب الی الشرع ہے یا اس سے احجام اور ابغض المباحات ہونا تو اس کو مقتضی ہے کہ

طلاق دینے والا طلاق نہ دے نہ یہ کہ طلاق واقع کرنے کے بعد اُس کو واقع نہ کہا جاوے بلکہ تامل کے بعد تو معلوم ہوتا ہے کہ ابغض مباحات ہونا اس کو مقتضی ہے کہ زجراً وقوع کا حکم دیا جاوے تاکہ آئندہ اس ابغض کا ارتکاب نہ کریں ورنہ اگر ایسی گنجائشیں دی جاویں گی تو ایقاع پر زیادہ بے باک ہو جاویں گے کہ ایقاع سے کچھ ضرر تو ہوتا ہی نہیں خوب آزادی سے واقعے کرتے رہو۔ منصف کے لئے تو اتنا کافی ہے باقی دلائل کا جواب سو ابن القیم نے اس باب میں بہت دلائل جمع کئے ہیں اور یہاں مدرسہ میں اُس کا مفصل جواب لکھا گیا ہے جو شائع ہونے والا ہے اگر کسی کا دل چاہے یہاں آکر ملاحظہ فرمالیں مگر اس مقام پر بہت مختصر کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) غصہ میں جو تفصیل لکھی گئی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں لکھی اگر ابو داؤد کی حدیث کو دلیل سمجھا جاوے تو اول تو اس میں لفظ اغلاق ہے لفظ غضب نہیں اور اس کی تفسیر میں کئی وجوہ محتمل ہیں ایک غضب جس پر مفسر کو بھی وثوق نہیں خود اظنہ کہتے ہیں تو کیا تفسیر مظنون دوسرے پر حجت ہو جاوے گی بعض نے اکراہ کیساتھ تفسیر کی ہے جیسا مجمع البحار و قاموس میں نقل کیا ہے بلکہ یہ تفسیر بہ نسبت غضب کے اقرب ہے کیونکہ عتاق غضب میں کم واقع ہوتا ہے اور اکراہ میں دونوں واقع کئے جاتے ہیں گو وقوع فی الاکراہ بھی مختلف فیہ ہے اور بعض محدثین فقہا رسے میں نے یہ تفسیر سُنی ہے کہ کلام مغلق مراد ہے یعنی تکلم کے وقت الفاظ مفہوم نہ ہوئے ہوں جیسا منہ میں کوئی چیز بھری ہو یا کسی نے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ لیا ہو قاموس میں بھی اس کی تائید ہے کلام غلق ککتف مشکل چونکہ اس صورۃ میں الفاظ ادا نہ ہوں گے اور طلاق کا تعلق الفاظ سے ہے محض قصد سے نہیں لہذا واقع نہ ہو گا جیسا ابو داؤد نے باب فی الوسوسہ بالطلاق میں ایک حدیث اسی مضمون کی نقل کی ہے اور بعض نے اس کو نہی پر محمول کیا ہے مجمع البحار میں ہے او معناہ لا یغلق الطلقات دفعۃ واحدۃ حتیٰ لا یبقی فیھا شئ ولکن تطلق طلاق السنہ تو اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے کسی خاص تفسیر پر استدلال کا مبنی کرنا کیسے صحیح ہو گا اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال دوسرے غضب کی تفسیر مان لینے پر ابن القیم کی تفصیل کی کیا دلیل ہے ظاہر ہے کہ حدیث تو مطلق ہے اس میں کوئی

قید لگانا کسی دوسری دلیل کلی یا جزئی سے ہوگا کیونکہ خود ابن القیم کا قول تو حجت نہیں ہے سو جیسے دوسرے دلائل سے اس حدیث کا ماول کرنا جائز ہے اسی طرح دوسرے دلائل سے ابن عباس اور رکانہ کی حدیث کا ماول کرنا جائز ہے اسی طرح دوسرے دلائل سے ابن عباس اور رکانہ کی حدیث کا ماول کرنا جائز ہے اور اگر ان حدیثوں میں تاویل جائز نہیں تو حدیث غضب میں بھی تاویل جائز نہیں بلکہ غضب کے تینوں درجوں میں وقوع طلاق کا حکم کرنا چاہئے اب صرف ابن عباس درکانہ کی حدیث میں کلام باقی رہ سو دونوں استدلال کا جواب کافی نودی کے کلام میں موجود ہے جس کو ملخصاً نقل کرتا ہوں وہاں کسی عالم سے خواہ مجیب صاحب سے ترجمہ کرالیجئے۔

واحتجوا ای الجمهور) ایضاً بحدیث رکانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم آللّٰہ ما اردت الا واحدة قال اللّٰہ ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفه معنی و اما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثا فجعلها واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین و انما الصحیح منها ما قدمناه انه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة والثلاث ولعل صاحب هٰذه الروایة الضعیفة اعتقد ان لفظ البتة یقتضی الثلاث فرواه بالمعنی الذی فهمه وغلط فی ذلك الی قوله و اما حدیث ابن عباس فاختلف العلماء فی جوابه وتاویله فالاصح ان معناه انه کان فی الامر الاول اذا قال لها انت طالق انت طالق ولم ینو تاکیداً ولا استینافا یحکم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی هو ارادة التاکید فلما کان فی زمن عمر رض وکثر استعمال الناس بهذه الصیغة وغلب منهم ارادة الاستیناف بها حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملاً بالغالب السابق الی الفهم منها فی ذلك العصر اه۔

اور رکانہ کی حدیث کے متعلق نودی کے تحقیق مذکور کی تائید خود ابوداؤد

کی تصریح سے ہوتی ہے انھوں نے اول ابن عباس کی حدیث جو سوال میں مذکور ہو بسند ابن جریج عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمۃ عن ابن عباس روایت کی ہے جس میں لفظ ثلاثًا ہے پھر دو صفحہ کے بعد نافع بن عجیر بن عبدیزید بن رکانہ اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی سند سے نقل کی ہے جس میں لفظ البتۃ ہے اور نافع اور عبداللہ کی روایت کو ابن جریج کی روایت پر اس عبارت سے ترجیح دی ہے ایک عبارت ابن جریج کی روایت کے بعد ہے و حدیث نافع بن عجیر و عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ (و فی نسخۃ البتۃ) فردھا الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصح لانھم ولد الرجل واھلہ اعلم بہ الخ اور ایک عبارت نافع و عبداللہ کی روایت کے بعد ہے وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلثا لانھم اھل بیتہ وھم اعلم بہ الخ قلت معنی قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانھا مطلقۃ بتطلیقۃ واحدۃ البتۃ (فتح ابوداؤد) اور ایک جواب ابن عباس کی حدیث کا خود اسی حدیث کے دوسرے طریق سے ہے۔ وھو ما فی سنن ابی داؤد عن طاؤس ان رجلا یقال لہ ابو الصھباء کان کثیر السوال لابن عباس رض قال اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ ثلثا قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و صدرا من امارۃ عمر قال ابن عباس بلی کان الرجل اذا طلق امرأتہ ثلثا قبل ان یدخل بھا جعلوھا واحدۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و صدرا من امارۃ عمر فلما رای الناس قد تتابعوا فیھا قال اجیزوھن علیھم۔

اس میں غیر مدخول بہا کی قید ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم علی الاطلاق نہ تھا اور محمل اس کا یہ ہے کہ غیر مدخول بہا کو جب مفرقًا طلاق دی تو وہ اول ہی صیغہ سے نکاح سے نکل گئی اس لئے دوسرا تیسرا طلاق واقع نہ ہوگا اگرچہ استیناف ہی کی نیت ہو پھر لوگوں نے مدخول بہا کو اس پر قیاس کرکے اسی طرح طلاق دینا شروع کر دیا اور باوجود نیت استیناف کے اس کو ایک قرار دینے لگے ہوں گے اس واسطے حضرت عمر رض

نے اصلی حکم کو ظاہر فرما کر اُس پر لوگوں کو مجبور فرمایا اور عون المعبود سے رکانہ کی حدیث نقل کر کے کہا گیا ہے وھذا الحدیث نص فی المسئلۃ لا یقبل التاویل الذی فی غیرہ من الروایات بعد تسلیم تصحیح یا تحسین کی (جس کی میں اس وقت تحقیق نہیں کرسکا) دعوی عدم قبول تاویل کا ظاہر البطلان ہے وہ تاویل (جو اس لئے بھی ضروری ہو کہ اس سے سب روایات جمع ہو جاتی ہیں) یہ ہے کہ اُس وقت تعدد میں عادت غالبہ تاکید کی ہوتی تھی اور تاکید کے لئے مجلس واحد شرط ہے تو مجلس واحد علامت تھی ارادۂ تاکید کی ہوتی تھی پس مقصود آپ کا سوال عن التاکید تھا پس جس کی یہ ایک تعبیر ہے خواہ یہ روایت باللفظ ہو خواہ بالمعنی چنانچہ دوسری روایت میں آپ کا یہ ارشاد اللہ ما اردت الا واحدۃ اس کی صریح دلیل ہے اور اس سوال کا یہ بھی مقتضا ہے کہ طلاق مفرق پر محمول کیا جاوے کیونکہ صیغہ واحدہ میں تو مجلس کا تعدد ہو ہی نہیں سکتا جب صیغہ متفرق تھا تو حمل علی التاکید سے کوئی امر آبی نہیں یہ مختصر کلام تھا ابن عباس و رکانہ کی حدیث۔

اب اس مذہب وقوع واحدہ علی الاطلاق پر عمل کرنے کو علمائے نے ناجائز کہا ہے چنانچہ ابوداؤد کے حاشیہ پر عینی سے نقل کیا گیا ہے وقالوا من خالف فیہ فھو شاذ مخالف لاھل السنۃ وانما تعلق بہ اھل البدع ومن لا یلتفت الیہ لشذوذہ عن الجماعۃ اور فتح القدیر سے ابن الہمام کا قول نقل کیا گیا ہے لم ینقل عن احد منھم انہ خالف عمر رض حین امضی الثلاث وھو یکفی فی الاجماع الخ اور ایک بڑی بات یہ ہے کہ اس مذہب پر عمل کرنے میں حضرت عمر رض جن کی اقتدار حدیث صحیح میں ماموربہ ہے اور جمہور صحابہ اور ائمہ مجتہدین کی تضلیل لازم آتی ہے کیونکہ اُن کے اس قول کو عدم اطلاع حدیث پر محمول کرنا ممکن نہیں خود ان کا یہ قول اس سے آبی ہے جو مسلم میں مروی ہے فقال عمر رض ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ اور جمہور کے مذہب پر کوئی محذور لازم نہیں آتا اور سب حدیثوں پر اپنی اپنی جگہ عمل رہتا ہے فاختاروا السبیلین شئت فقط ۲۹ صفر ۵۱ھ (النور شوال ص ۱۰ ۱۳۵۱ھ)

حجت قول عادل یا تحری در صورت نسیان عدد

سوال (۴۸۹) اندریں کہ شخصے باندرون خانہ بود بوقت جنگ وجدال بازن خود مذاکرہ طلاق لفظ طلاق دوام را تکرار نمود ودر حالت غضب از خانہ بیرون شدہ گفت اکنوں طلاق دادم برو۔ پس شخص مذکور می گوید کہ باندرون خانہ لفظ طلاق دادم چند بار گفتم دریادم ہست اما دران وقت زنان دیگر حاضر بودند می گویند کہ سہ بار گفتہ پس ہرگاہ طلاق گوید کہ مراد عدد یاد ہست شہادت زنان دریں وقت دریں باب معتبر خواہد شد یانہ وآنکہ بیرون خانہ آمد وگفت چہ حکم دارد طلاق مستقل باشد یا خبر از اول خواہد شد اما شخص مذکور بسبب خشم خود ہیچ خیال نبود لیکن بعد ازاں بقول عالی کہ ایں خبر از طلاق اول باشد نہ طلاق مستقل می گوید کہ مرا خبر دادن طلاق اول مقصود بود بہر صورت چہ حکم دادہ آید۔ بینوا بالدلیل بحیث یشفی العلیل ویروی الغلیل۔

الجواب ۔ فی الدر المختار باب الصریح بحث اعتبار النیۃ وعدمہ فی الصریح والمرأۃ کالقاضی اذا سمعتہ او اخبرھا عدل لایحل لھا تمکینہ اھ وفی الدر المختار قبیل باب طلاق غیر المدخول بھا ولوشک اطلق واحدۃ او اکثر بنی علی الاقل رد المحتار قولہ بنی علی الاقل ای کما ذکرہ الاسبیجابی الا ان یستیقن بالاکثر او یکون اکبر ظنہ وعن الامام الثانی اذا کان لایدری اثلاث ام اقل یتحری وان استویا عمل باشد ذلک علیہ اشباہ عن البزازیۃ قال وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعلہ لانہ یعمل بالاحتیاط خصوصا فی باب الفروج اھ قلت ویمکن حمل الاول علی القضاء والثانی علی الدیانۃ الی قولہ عن الاشباہ وان اخبرہ عدل حضر ذالک المجلس بانھا واحدۃ وصدقہم اخذ بقولہم اھ وفی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ وشرط العدالۃ فی الدیانات الی قولہ ویتحری فی خبر الفاسق والمستور ثم یعمل بغالب ظنہ اھ فی الدر المختار باب الصریح فی البحث المذکور ولو مکرھا صدق قضاء ایضا فی رد المحتار ای کما یصدق دیانۃ لوجود القرینۃ الدالۃ علی عدم ارادۃ الایقاع وھی الاکراہ اھ۔

بعد نقل روایات می گویم کہ در صورت مسئولہ از دو حال خالی نیست یا زن مطلقہ را عدد طلاق یاد ست یا نہ اگر یاد ہست در حق او حجت باشد پس اگر سہ یاد ہا شد او مغلظہ شد حسب علم خود پس او را روا نیست کہ زوج را بر خود قدرت دہد چنانچہ روایت اولے صریح است در آں و اگر یاد نیست صرف زنان حاضرہ خبر می دہند پس از دو حال خالی نیست یا ایشاں عادل اند و یا فاسق یا مستور الحال اگر عادل ہستند عمل بر قول ایشاں واجب است زیرا کہ طلاق از دیانا تے است کہ اخبار عدل در آں مقبول است احتیاج شہادت نیست مگر عند القاضی و صورت مسئولہ تحقیق فتوی است نہ قضاء چنانچہ قول رد المحتار در روایت اولے اذا اخبرہا عدل دلیل صریح است بر بودن طلاق از دیانات و ہم چنیں قول اشباہ در روایت ثانیہ در مختار در رد المحتار ان اخبرہ عدل الخ نص است در اکتفاء بر اخبار و شرط نہ بودن شہادت پس عدم صلاحیت محض زنان مر شہادت را دریں باب مضر نیست و اگر زوجین را یاد نہ باشد و زنان مخبر فاسق یا مستور الحال ہستند پس تحری واجب است چنانچہ روایت ثالثہ در مختار کہ از باب حظر و اباحت است صریح است دریں پس اگر تحری بر ثلث واقع شد ثلث ثابت خواہد بود و اگر بر اقل واقع شود اقل ثابت خواہد بود و اگر ہر دو جانب مساوی باشند نزد امام صاحب اقل ثابت خواہد بود و نزد امام ابی یوسف اکثر ثابت خواہد بود و راجح نزد قاضی خاں ہمیں است چنانچہ روایت ثانیہ در مختار و رد المحتار کافل است برائے ایں تفصیل پس در صورت ہائیکہ ثلث واقع شود قول او بیرون خانہ خواہ اخبار باشد یا انشاء متساوی ہست موجب طلاق جدید نباشد و در رتہا وقوع اقل چوں دعوی می کند کہ ایں اخبار است از طلاق سابق کہ ایقاعش معلوم است و عددش منسی و قرینہ صدق او موجود است یعنی ایقاع سابق پس دریں دعوی تصدیق کردہ شد و طلاق جدید واقع نہ خواہد شد چنانچہ روایت رابعہ ناطق است کہ عند القرینہ دعوی نیست مخصوصہ مقبول می شود محصل جواب ایں کہ اگر آں مطلقہ را سہ یاد باشد یا زنان مخبر ہمہ یا یکے از ایشاں عادل باشند یا باوجود غیر عادل بودن ایشاں تحری بجانب سہ باشد یا سہ و غیر آں برابر باشند در جمیع صور سہ خواہند افتاد و اگر یاد نباشد و زنان ہمہ غیر عادل باشند و بہ خبر ایشاں ہجاناً یا تساویاً تحری موافق نہ شود سہ نہ خواہد افتاد۔ واللہ اعلم ۷ رجب سنہ ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۲ ص ۶۱)

حکم دادن دو طلاق دو زوجہ را بلا تصریح تقسیم و بلا تعیین مطلقہ حکم طلاق غضبان دمدہوش

سوال (۴۹۰) ایک شخص کی دو بی بی آپس میں جھگڑ رہی ہوں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ تم کو دو طلاق ہے اور ایک شخص نے بھی سنا بعد فرو ہونے غصہ مرد کے پھر دونوں بیوی جھگڑنے لگیں یہ کہتی ہے تجھے دیا وہ کہتی ہے تجھے دیا مرد منکر ہے بشرطیکہ اقرار تعیین نہیں بتاتا ہے اب کیا کیا جائے کیا دونوں پر تقسیم ہو جائے گی یا ایک پر اس مسئلہ کو ذرا بسط سے تحریر فرمائیں وہ ایک گواہ فقط طلاق کا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار لو قال لنسائہ الاربع بینکن تطلیقۃ طلقت کل واحدۃ وکذا لو قال بینکن تطلیقتان او ثلث او اربع (ای یقع علی کل واحدۃ تطلیقتان وثلث واربع) ان ینوی تسمیۃ کل واحدۃ بینہن فتطلق کل واحدۃ ثلثا اھ۔

پس صورت مسئولہ میں دونوں عورتوں پر دو دو طلاق واقع ہو گئیں اور جب عورتوں کو دو کا ایقاع یاد ہے اس لئے دونوں پر واجب ہے کہ مثل مطلقہ اثنتین کے اس سے معاملہ کریں گو گواہ ایک بھی نہ ہو۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۲ ج ۲)

ملحقات تتمہ اولیٰ ص ۳۳۲

خلاصہ سوال۔ از دو طلاق دو عورت خود

خلاصہ جواب۔ وقوع دو طلاق بر ہر دو عورت۔

تسامح۔ مجیب قدس سرہٗ در جواب سند ایں عبارت در المختار نقل فرمودند لو قال لنسائہ الاربع بینکن تطلیقۃ طلقت کل واحدۃ تطلیقۃ وکذا لو قال بینکن تطلیقتان او ثلث او اربع (ای یقع علی کل واحدۃ تطلیقتان وثلث واربع) الا ان ینوی قسمۃ کل واحدۃ بینہن فتطلق کل واحدۃ ثلثا۔

سیدا دریں عبارت تامل فرمایند کہ در تمام صور یک طلاق واقع می شود مگر آنکہ نیت قسمت نماید و در لفظ کذا تشبیہ در تطلیقۃ واحدۃ است چنانچہ در شامی مصرح (بلفظ جمع جا ل رابیدا) است قولہ قال لنسائہ الخ وجہ وقوع الواحدۃ فی ھذہ الضور ان بعض

الطلقة طلقة کما مر فیصیب کل واحدة فی ایقاع طلقة بینهن ربعها
وفی طلقتین نصف طلقة وفی ثلث ثلاثة ارباع طلقة وفی اربع طلقة
کاملة ۱۲ ردالمحتار صـ۵۴۲ ـ ۔

در ترجمہ ایں عبارت در المختار کہ مسمیٰ بہ غایۃ الاوطار است نظر رحمت فرمائید
اور اسی طرح چار عورتوں میں ہر ایک پر ایک طلاق واقع ہوگی اگر کہا ان سے
کہ درمیان تمہارے دو طلاق ہیں الخ ۱۲ غایۃ الاوطار صـ۱۱۵ پس انچہ مجیب علیہ الرحمۃ
درمیان عبارت در المختار درمیان دو خط بطور تفسیر بلفظ (ای یقع علی کلوا
حدة تطلیقتان الخ از جانب خود درج فرمودند محض تسامح است بلکہ سبق
قلم ست حق جواب ایں ست کہ در صورت مسئولہ یک طلاق بر ہر یک عائد گردد
مگر در حالت نیت قسمت دو دو طلاق واقع خواہند شد اگرچہ در صورت قسمت از عبارت
در المختار سہ طلاق معلوم می شوند مگر صاحب شامی تصریح دو طلاق فرمود است
قوله فتطلق کلواحدة ثلثا) ای الا فی التطلیقتین فیقع کلواحدة
منهن طلقتان الخ ۱۲ ردالمحتار صـ۵۴۲ ـ

حکم طلاق غضبان ومدہوش

سوال (۴۹۱) ردالمحتار کتاب طلاق مدہوش کے صفحہ ۶۹۵ میں عبارت کا مطلب جو میں عرض کرتا ہوں
یہ مطلب صحیح ہے یا نہیں ارشاد فرمائیں عبارت یہ ہے۔ قلت وللحافظ ابن
القیم الحنبلی رسالة فی طلاق الغضبان قال فیها انه علی ثلثة
اقسام احدها ان یحصل له مبادی الغضب بحیث لا یتغیر
عقله ویعلم ما یقول ویقصده هذا لا اشکال فیه والثانی ان
یبلغ النهایة فلا یعلم ما یقول ولا یریده وهذا لاریب انه
لا ینفذ شئ من اقواله والثالث من توسط بین الرتبتین بحیث
لم یصر کالمجنون وهذا محل النظر والادلة تدل علی عدم
نفوذ اقواله ملخصا من شرح الغایة الحنبلیة الی قوله وهذا
الموافق عندنا لما مر فی المدهوش یعنی غضب تین صورت پر ہے پہلا قسم
ابتدائی غضب اس طور پر کہ اُس کی عقل میں کچھ تغیر اور فتور نہ آیا اور اس حالت

میں جو کچھ کہا تھا ابھی خوب معلوم کر سکتا ہے اس صورت میں اقوال اُس کے شرعاً نافذ اور معتبر ہیں یعنی طلاق وغیرہ اُس کی شرعاً ضرور واقع و نافذ ہوگی صورت ثانی یہ ہے کہ غضب اُس کا اس حد تک پہونچا کہ حالت غضب میں جو کچھ کہا تھا اور کیا تھا ابھی کچھ معلوم نہیں کر سکتا ہے بالکل مدہوش اور مجنوں ہوا اس حالت میں اقوال اس کے شرعاً کچھ معتبر اور نافذ نہیں ہیں یعنی طلاق وغیرہ اُس کی ہرگز نافذ اور واقع نہ ہوگی اور تیسری صورت یہ ہے کہ غضب اُس کا بین المرتبتین ہے کہ اس طور کہ مثل مجنوں کے نہ ہو یعنی غضب اُس کا فلا یعلم مایقول ولا یریدہ کے درجہ تک نہ پہونچا اس حالت میں غضب پر ہے مگر عقل اُس کی ثابت اور قائم ہے اور اس حالت غضب میں جو کچھ کہا تھا ابھی وہ خوب معلوم کر سکتا ہے اور یہ مطلب بحیث لم یصر کالمجنون سے معلوم ہوتا ہے اور اس صورت ثالث میں اقوال اُس کے شرعاً معتبر اور نافذ نہ ہونے پر بہت سی دلیلیں دلالت کرتی ہیں یعنی طلاق وغیرہ اُس کی واقع اور نافذ نہ ہوگی اب فقط صورت ثالثہ کا مطلب صحیح ہوا یا نہیں ارشاد فرمائیں کہ اس صورت ثالث میں نزاع ہو رہا ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایک وقت بہت غصہ میں تھا کہ مارے غصہ کے سارا بدن میرا کانپتا تھا ایک مقام پر اطمینان کے ساتھ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور چہرہ اور آنکھیں میری سرخ ہو گئیں تھیں مگر عقل میری اور میرے ہوش بھی قائم اور اس وقت جو کچھ کہا تھا ابھی مجھے معلوم ہوتا ہے ایسی حالت میں اس نے اپنی منکوحہ کو تین طلاق دین اب صورت ثالث کے مطلب کے مطابق اُس کی طلاق واقع نہ ہونے پر فتویٰ تحریر ہوا اور بعض شخص کہتے ہیں کہ اگرچہ اس قائل کا قول صورت ثالثہ کے مطلب کے مطابق بھی ہوتا ہم طلاق اس کی نافذ ہوگی کیونکہ یہ دلیل ائمہ ثلثہ میں سے کسی امام کا قول نہیں ابن القیم رح کا قول ہے اس پر عمل اور فتویٰ نہیں ہو سکتا ہے اُس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب یہ قول شامی میں منقول ہوا اور عبارت والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ موجود ہے بیشک یہ قول قابل عمل اور فتوے کے ہے اب اس طلاق دینے والے کا قول صورت ثالثہ کے مطلب کے موافق ہے یا مخالف اگر مطابق ہوا ہو پس تین طلاق اُس کی شرعاً نافذ ہوئیں یا نہیں ضرور ارشاد فرمائیں اور اس نزاع کا فرد ہونا آپ ہی کے ارشاد پر موقوف

رہا تفصیلاً تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ صورت ثالثہ کی تقریر سوال میں مجمل اور غیر واضح ہے کافی تقریر یہ ہے کہ منجملہ تین قسموں کے اول قسم میں دو چیزوں کا اثبات کیا ہے یعلم اور یقصد اور دوسری قسم میں ان ہی دو کی نفی کی ہے چنانچہ کہا ہے لا یعلم اور لا یرید جو مرادف ہے لا یقصد کا اس کے بعد تیسری قسم کو بین المرتبتین کہا سو ظاہر ہے کہ بین المرتبتین کے یہ معنی ہوں گے کہ اس میں ان دونوں امروں کا نہ اثبات ہے نہ نفی ہے بلکہ ایک کا اثبات ہے جس سے وہ من وجہ قسم اول کے مشابہ ہے اور ایک امر کی نفی ہے جس میں وہ من وجہ قسم ثانی کے مشابہ ہے اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دونوں امر مذکور میں سے ایک کا اثبات اور دوسرے کی نفی عقلاً دو طرح محتمل ہے ایک یہ کہ علم کا اثبات ہو اور ارادہ کی نفی ہو اور دوسرے اس کا عکس یعنی ارادہ کا اثبات ہو اور علم کی نفی اور یہ ظاہر ہے کہ احتمال ثانی محض غلط ہے کیونکہ ارادہ خود موقوف ہے علم پر سو یہ ممکن نہیں کہ موقوف کا وجود ہو اور موقوف علیہ کا عدم پس لا محالہ احتمال اول متعین ہو گیا یعنی علم کا اثبات اور ارادہ کی نفی پس بین المرتبتین کے معنی یہ ہوئے کہ اس شخص کا غلبۂ غضب میں یہ حال ہوا کہ بے ارادہ منہ سے واہی تباہی نکلتا تھا لیکن شعور و علم تھا جیسے مخطی کا حال ہوتا ہے کہ کہتا ہے بے ارادہ مگر علم ہوتا ہے اس صورت میں واقعی مقتضا اولیٰ کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقع نہ ہو جیسا کہ مخطی میں فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ نہیں واقع ہوتی۔ صرح فی فتح القدیر عبارتہ ھکذا الحاصل انہ اذا اقصد السبب عالما بانہ سبب رتب الشرع حکمہ علیہ ارادہ اولم یردہ الا ان ارادما یحتملہ واما انہ اذا لم یقصدہ اولم یدر ما ھو فیثبت الحکم علیہ شرعا وھو غیر راض بحکم اللفظ ولا باللفظ فمما ینبو عنہ قواعد الشرع الخ صـ۱۵۲ ج ۲۔ قلت نعم لا تصدقہ المرأۃ کما فیہ ایضاً بعد سطور لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر۔

پس صورت مسئولہ میں اگر اس شخص کا قصد ہی نہ تھا تب تو قسم ثالث میں داخل ہے ورنہ نہیں پھر قسم ثالث میں داخل ہونے کے بعد غایہ سے اس کے خلاف خود شامی نے نقل کیا ہے اور یہ قول والادلۃ الخ شامی کا قول نہیں ہے بلکہ

ابن القیم کا ہے اور اس کا ترجمہ کہ بہت سی دلیلیں الخ صحیح نہیں یہاں الف لام استغراق عربی کا نہیں بلکہ جنس کا ہے کما فی قولہ تعالیٰ الرجال قوامون الایۃ کما یشھد بہ الذوق پس اس شخص کا قسم ثالث میں داخل ہونا موقوف ہے اس پر کہ اس سے قصد و عدم قصد کی تحقیق کی جائے جو کہ سوال ہذا میں مذکور نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم ۸ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۳ ج ۲)

حکم طلاق مریض مدعی اغماء کہ خلاف ظاہر باشد

سوال (۴۹۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ مسمی امام الدین بخار میں مبتلا تھا حالت بخار میں اُس کے باپ واعظ الدین نے اُس سے کہا کہ میرے دو تین بچے ابھی اور مر چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نامبارک بیوی کے سبب تو بھی ضرور زیر زمین ہو جائے گا تو اپنی بیوی کو چھوڑ یہ کلام سنتے ہی امام الدین نے کہا کہ میں نے بیوی کو چھوڑا میں نے بیوی کو چھوڑا میں نے بیوی کو چھوڑا بعد بخوف طلاق واقع ہونے کے و نیز بغرض دیگر مصلحت دنیاوی کے اُس کا باپ بیان کرتا ہے کہ امام الدین ایک روز پہلے سے بیہوش تھا عین بیہوشی کی حالت میں یہ کلمات اُس سے سرزد ہوئے بنابریں یہاں کے بعض مفتی صاحبان نے فتویٰ دیا ہے کہ طلاق مدہوش کی واقع نہیں ہوتی ہے اس لئے طلاق امام الدین کی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اب جبکہ امام الدین لڑکپن سے مجنوں و مدہوش نہیں ہے صرف دو ایک روز کے واسطے خود غرضی سے اُس کو بیہوش قرار دیا اور اس فرضی اور مصنوعی بیہوشی کی حالت میں اپنے باپ کے کلام کو کما حقہ سمجھ کر کچھ نہیں بکا بلکہ مناسب جواب دیا اور تعداد طلاق میں بھی تین سے آگے متجاوز نہیں ہوا اس صورت میں عقلاً و شرعاً امام الدین کے متذکرہ الفاظ سے اُس کی منکوحہ مطلقہ ہوئی یا نہیں۔ اور جب کہ اُس کے باپ کے کلام میں اضافت موجود ہے اُس کے جواب میں اضافت نہ ہونے سے وقوع طلاق میں خلل ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ سوال ہذا میں اس مدہوشیت کے متعلق خود زوج کا کوئی دعویٰ مذکور نہیں ہوا گو وہ اس کا مدعی نہیں بلکہ مقر ہوش کا ہے تب تو پدر زوج کا دعویٰ

کوئی چیز نہیں اور حکم مدہوشیت کا احتمال ہی نہیں اور اگر وہ بھی اس کا دعویٰ کرتا ہو تو چونکہ یہ امر خلاف ظاہر ہے اس لئے اس کا دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا ہے ورنہ ہر مطلق ایسا ہی دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ اس کے اعتبار کے لئے یہ شرط ہے کہ اُس کی یہ حالت دوسرے عام دیکھنے والوں کو بھی ظاہر اور محسوس ہوتی ہو خواہ عین وقت پہ یہ حالت طاری ہوئی ہو خواہ اس وقت مشتبہ ہو مگر پہلے سے طاری ہونا معروف و معلوم عند عامۃ الناس ہو اور زوال اس کا تیقن نہ ہوا ہو اور اس اخیر صورت میں حلف بھی زوج سے لیا جاتا ہے دلیل ذلک کلہ مافی ردالمحتار فی البحر عن الخانیۃ عرف انہ کان مجنونا فقالت امرأۃ طلقنی البارحۃ فقال اصابنی الجنون ولا یعرف ذلک الا بقولہ کان القول قولہ اھ ج ۲ ص ۶۹۹ اور یہاں یہ شرط مفقود ہے بلکہ اس کے خلاف کی دلیل موجود ہے یعنی ذی ہوش ہونے کے قرائن جو کہ سوال میں مذکور ہیں اس لئے یہ دعویٰ غیر مقبول ہے اب دو امر اور رہ گئے ایک یہ کہ بوجہ عرف و محاورہ کے یہ لفظ موجب طلاق ہے اور دوسرا یہ کہ لفظ میں اضافت نہ ہونا بوجہ قرینہ مقام و وقوع فی الجواب کے مانع طلاق نہیں ہے سو امر اول کی دلیل یہ ہے فی ردالمحتار فی بحلاف فارسیۃ قولہ سرحتک وھو رھا کردم لانہ صار صریحا فی العرف علی ماصرح بہ نجم الزاہد الخوارزمی فی شرح القدوری اھ ج ۲ ص ۶۲ ۷ - قلت کذا قولھم فی الھندیۃ چھوڑا - اور امر ثانی کی دلیل یہ ہے فی ردالمحتار و سیذکر قریبا ان من الالفاظ المستعملۃ الطلاق یلزمنی الحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فیقع بلا نیۃ للعرف الخ فاوقعوا بہ الطلاق مع انہ لیس فیہ اضافۃ الطلاق الیھا صریحا فھذا مؤید لما فی القنیۃ وظاہرہ انہ لا یصدق فی انہ لم یرد امرأتہ للعرف ج ۲ ص ۷۰۵ - خلاصہ یہ کہ اس صورت میں طلاق مغلظ واقع ہو گئی - ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۵)

از ترجیح الراجح جلد خامس ص ۲

در بہشتی زیور حصہ چہارم ص ۳۶ باب طلاق ثلثہ فرمودند چاہے صاف

لفظوں میں تین طلاقیں دی ہوں یا گول لفظوں میں سب کا ایک حکم ہے)

ایں عبارت ایں دو صورۃ مرقومہ ذیل را نیز شامل است حالانکہ طلاق ثلثہ واقع نمی شود۔

(نمبر۱) واذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها انت علي حرام او خلية او برية او بائن او بتة او شبه ذلك وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شيء الخ ۱۲ شامی ص ۷۷۳۔

(نمبر۲) ولا يلحق البائن البائن الخ كانت بائن او ابنتك بتطليقة فلا يقع ۱۲ در المختار ص ۷۷۴ خلاصہ بائن بہ بائن باستثناء در صور مرقوم فقہ لاحق نمی شود پس ہر گاہ کہ در الفاظ گول، کنایہ سہ بار بائن بائن بائن یا بائن خلیۃ تبۃ گفت دو آخرہ واقع نہ خواہند شد پس اکثر معلمین و متعلمین خالی الذہن و عامی می باشد در غلطی می افتند پس کدام تقیید در حواشی زائد فرمایند تا کہ اصلاح شود۔

عدم وقوع طلاق سکران از مباح

سوال (۴۹۱) کیا ارشاد فرماتے ہیں حضرات علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالت لاعلمی ایک طرح کی مٹھائی سمجھ کر بھنگ ملی ہوئی مٹھائی کھا کر نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی اور جب زیادہ حالت خراب ہو کر قے ہو کر اور کسی کے کھلانے سے ترشی کو کھا کر نشہ اُترا اور معلوم ہوا کہ یہ بھنگ ملی ہوئی مٹھائی کا نشہ تھا جو کہ ناواقفی میں کھائی تھی تو سخت توبہ کی اور چونکہ اُس طلاق مذکور کا دینا بالکل یاد نہ تھا لہٰذا کسی شخص کی زبانی معلوم ہو کر سخت افسوس ہوا اور احتیاطاً بیوی سے علیحدہ ہو گیا پس بصورت مذکورہ طلاق ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب - فی الدر المختار نعم لو زال عقله بالصداع او بمباح لم يقع في رد المحتار كما اذا سكر من ورق الرمان فانه لا يقع طلاقه ولا عتاقه ونقل الاجماع على ذلك صاحب التهذيب كذا في الهندية قلت وكذا لو سكر ببنج او افيون تناوله لا على وجه المعصية بل للتداوي كما مر - ج ۲ ص ۲۹۶ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی - فقط ۹ رجمادی الاول ۱۳۳۱ھ

حکم تعلیق طلاق وتعلیق ظہار بشرط محدود

سوال (۴۹۳) زید نے اپنی زوجہ سے یہ کہا کہ آج تو نے یہ کام نہ کیا تو میں تجھ کو طلاق دے چکا اور یہ لفظ تین مرتبہ زید نے زوجہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا مگر زوجہ نے اس روز اس کے کہنے کی تعمیل نہیں کی تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور زید نے یہ الفاظ ڈرانے کے لئے کہدیئے تھے تا کہ زوجہ کہنا مانا کرے۔

لا یحق البائن البائن

لا یحق البائن البائن مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ طلاق بائن ثانی میں نیت طلاق نہ ہو اور اخبار عن الاول ہو یا کچھ نیت نہ ہو عبارت ذیل سے یہ تفصیل مستفاد ہے۔ فی العالمگیریۃ (ج ۲ص ۷۰) ولا یلحق البائن البائن قال لہا انت بائن ثم قال لہا انت بائن لا یقع الا طلقۃ واحدۃ بائنۃ لانہ یمکن جعلہ خبراً عن الاول وھو صادق فیہ فلا حاجۃ الی جعلہ انشاء لانہ اقتضاء ضروری حتی قال لو عنیت بہ البینونۃ الغلیظۃ ینبغی ان یعتبر ویثبت بہ الحرمۃ الغلیظۃ الی ان قال کذا فی العینی شرح الکنز اھ۔

الجواب۔ فی الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۸۴۷۔ فی ایمان الفتح مالفظہ وقد عرف فی الطلاق انہ لو قال ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق وقع الثلث فتح اقرہ المصنف ثم۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہو گئی اب بدون حلالہ نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر سائل کی کچھ اور نیت تھی تو مکرر دریافت کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۵ ج ۲)

سوال (۴۹۴) زید نے اپنی منکوحہ زوجہ سے کہا کہ اگر دو ماہ تجھ سے بولوں تو ماں سے زنا کروں آیا زید کے ذمہ شرعاً اس کلام سے کوئی گناہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ زید کا اس عبارت سے مقصود یہ ہے کہ میں دو ماہ تک تجھ سے نہ بولوں گا اور اس مقصود کو تعلیق کے طور پر موکد کیا ہے اور جس عنوان سے موکد کیا ہے اسمیں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مقصود اس سے تعلیق طلاق کی ہو یعنی یہ مطلب ہو کہ اگر دو ماہ کے اندر تجھ سے بولوں تو تجھ پر

طلاق ہو جائے پس اگر یہ مقصود ہے تو اگر دو ماہ کے اندر بولے گا طلاق بائن واقع ہوگا جس میں برضامندی تجدید نکاح کی حاجت ہوگی اور اگر دو ماہ کے بعد بولا تو کچھ نہیں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مقصود اس سے تعلیق ظہار کی ہو یعنی یہ مطلب ہو کہ اگر دو ماہ کے اندر تجھ سے بولوں تو ظہار منعقد ہو جائے گا اگر یہ مقصود ہے تو دو ماہ کے اندر بولنے سے ظہار ہو گا اور کفارہ جو کتب فقہ میں ہے واجب ہو گا اور دو ماہ کے بعد بولنے سے کچھ نہ ہو گا اور اگر اور کچھ مقصود ہے تو سوال میں تصریح ہونا چاہئے۔ ۱۲ر شوال ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۴۷ ج ۲)

تتمہ سابعہ ترجیح الراجح از النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۷ھ صفحہ ۱۴

تحقیق احکام اقسام ثمانیہ تعلیق طلاق ثلاث مرات

سوال (۴۹۵) بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ ۱۱ مسئلہ ۲ مطبوعہ اشرف المطابع ۱۳۴۵ھ ایسی عورت سے (یعنی غیر مدخول ہے) یوں کہا اگر فلانا کام کرے تو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے اور اس نے وہ کام کر لیا تو اس کے کرتے ہی تینوں طلاقیں پڑ گئیں (صفحہ ۲۵۵ ج ۲ در مختار)

اس صورت میں تین طلاق پڑنے میں تامل ہے کیونکہ جس وقت شرط مقدم ہو اور طلاق کا لفظ مکرر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تکرار بذریعہ حرف عطف دوسرے بلا حرف عطف اول صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک شرط کے پائے جانے کے وقت ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور باقی طلاقیں لغو ہو جاتی ہیں اور صاحبین کے نزدیک تینوں واقع ہوتی ہیں اور اگر تکرار بلا حرف عطف ہو جیسے کہ مؤلف نے کیا ہے تو اس صورت میں اول طلاق معلق ہوتی ہے اور دوسری فی الحال واقع ہوتی ہے اور تیسری لغو ہو جاتی ہے۔ وان علق الطلاق بالشرط ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق وطالق وھی غیر مدخولۃ بانت بواحدۃ عند وجود الشرط فی قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ ولغا الباقی وعندھما یقع الثلاث ھذا کلہ اذا ذکرہ بحرف العطف فان ذکرہ بغیر حرف العطف ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولۃ فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو ثم اذا تزوجھا ودخلت الدار ینزل المعلق

وان دخلت بعد البینونة قبل التزوج حنث ولا یقع شئ۔ عالمگیری مختصراً ص ۳۹۹ ج ۱ مصری۔ وفی البحر ص ۲۹۶ ج ۳ وقید بحرف العطف لانہ لو ذکر بغیر عطف اصلاً نحو ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ واحدۃ واحدۃ ففی فتح القدیر یقع اتفاقاً عند وجود الشرط ویلغو ما بعدہ لعدم ما یوجب التشریک اھ۔ وقال العلامۃ ابن عابدین علی قولہ وقید بحرف العطف فی ایمان البزازیۃ من الثالث فی یمین الطلاق ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر ملموسۃ فالاول معلق بالشرط والثانی ینزل فی الحال ویلغو الثالث وان تزوجھا ودخلت الدار نزل المعلق ولو دخلت بعد البینونۃ قبل التزوج انحل الیمین لا الی جزاء ولو موطوءۃ تعلق الاول ونزل الثانی والثالث اھ۔

وھذا کما تری مخالف لما نقلہ ھنا عن الفتح الا ان یفرق بین واحدۃ واحدۃ وطالق طالق وھذا ھو الظاھر اھ ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم بالصواب۔

اگر یہ اشکال صحیح ہے اور عبارت میں کسی ترمیم کی ضرورت ہے تو ترمیم فرمادی جاوے تاکہ اصل مسئلہ کی جگہ لکھ کر اس پر حاشیہ میں نوٹ لکھدیا جاوے۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب۔ طلاق ثلاث معلق میں باعتبار مطلقہ مدخول بہا و غیر مدخول بہا و باعتبار تقدیم شرط و تاخیر شرط و باعتبار عطف وعدم عطف بالواو آٹھ صورتیں ہیں جنکو ذیل میں اولاً نقشہ کی شکل میں ثانیاً عبارت میں ضبط کرتا ہوں پھر سب کے احکام نقل کر کے سوال کا جواب عرض کروں گا نقشہ یہ ہے:۔

طلاق ثلث معلق بالشرط

بغیر المدخول بہا				للمدخول بہا			
تقدیم الشرط		تاخیر الشرط		تقدیم الشرط		تاخیر الشرط	
مع العطف بالواو	بغیر العطف	مع العطف	بغیر العطف	مع العطف	بغیر العطف	مع العطف	بغیر العطف
نمبر ۱	نمبر ۲	نمبر ۳	نمبر ۴	نمبر ۵	نمبر ۶	نمبر ۷	نمبر ۸

عبارت یہ ہے

۱ بغیر المدخول بہا بتقدیم الشرط مع العطف	۲ بغیر المدخول بہا بتقدیم الشرط بلا عطف
۳ بغیر المدخول بہا بتاخیر الشرط مع العطف	۴ بغیر المدخول بہا بتاخیر الشرط بلا عطف
۵ للمدخول بہا بتقدیم الشرط مع العطف	۶ للمدخول بہا بتقدیم الشرط بلا عطف
۷ للمدخول بہا بتاخیر الشرط مع العطف	۸ للمدخول بہا بتاخیر الشرط بلا عطف

احکام یہ ہیں

فی العالمگیریۃ الفصل الرابع من الباب الثانی من کتاب الطلاق وان علق الطلاق بالشرط ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق وطالق وھی غیر مدخولۃ (وھی الصورۃ الاولیٰ) بانت بواحدۃ عند وجود الشرط فی قول ابی حنیفۃ رح ولغا الباقی وعندھما یقع الثلث وان کانت مدخولۃ (وھی الصورۃ الخامسۃ) بانت بثلث اجماعاً الا ان علی قول ابی حنیفۃ رح یتبع بعضھا بعضا فی الوقوع وعندھما یقع الثلاث جملۃ واحدۃ وان کان الشرط موخرا فقال انت طالق وطالق وطالق ان دخلت الدار وذکرہ بالفاء (الظن بانھا ومکان الواو) فدخلت الدار بانت بثلث اجماعا سواء کانت مدخولۃ او غیر مدخولۃ (وھی الصورۃ الثالثۃ والسابعۃ) ھذا کلہ اذا ذکرہ بحرف العطف فان ذکرہ بغیر حرف العطف ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولۃ (وھی الصورۃ الثانیۃ المذکورۃ فی بہشتی زیور) فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو (وھو الذی ذکرہ المستفتی) ثم اذا تزوجھا ودخلت الدار ینزل المعلق وان دخلت بعد البینونۃ قبل التزوج فالاول معلق بالشرط والثانی والثالث یقعان فی الحال وان اخر الشرط فقال انت طالق طالق طالق ان دخلت الدار وھی غیر مدخولۃ (وھی الصورۃ الرابعۃ) فالاول ینزل للحال ولغا الباقی وان کانت مدخولۃ (وھی الصورۃ الثامنۃ) ینزل الاول

والثانی للحال ویتعلق الثالث بالشرط کذا فی السراج الوہاج وفی الدرالمختار باب طلاق غیر المدخول بہا فی نظیر المسئلۃ وتقع واحدۃ ان قدم الشرط وفی ردالمحتار ہذا عندہ وعندہما ثنتان ایضاً وبحثہ الکمال رفی فتح القدیر) واقرہ فی البحر اھ۔

اب سوال کا جواب عرض کرتا ہوں کہ بہشتی زیور کا مسئلہ مبحوث عنہا ظاہراً صورۃ ثانیہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ پہلی طلاق معلق ہوگی اور دوسری فی الحال واقع ہوگی اور تیسری لغو ہوگی جیسا سوال میں بھی نقل کیا گیا ہے اور روایات جواب میں بھی اس بنا پر بہشتی زیور کی عبارت پر اشکال صحیح ہے اور اس کی تصحیح کے لئے عبارت کی ترمیم کافی نہیں بلکہ اس مسئلہ کو حذف ہی کر دینا چاہیئے لیکن یہ امر قابل تامل ہے کہ اس حکم کی بنا تکرار بلا عطف ہے جیسا صیغہ مفروضہ سے ظاہر ہے اور اُردو کے محاورات میں عام اہلِ لسان اس صورت میں عطف ہی کا قصد کرتے ہیں ممکن ہے کہ مؤلف بہشتی زیور نے (کہ مولوی احمد علی صاحب ہیں جیسا کہ احقر اپنی بعض تحریرات میں اس کو شائع بھی کر چکا ہے) اس کو عطف ہی میں داخل کیا ہو جو صور ثمانیہ میں سے صورۃ اولیٰ ہے اور اس میں امام صاحب اور صاحبین جو اختلاف کرتے ہیں مؤلف نے صاحبین کے قول کو راجح سمجھ کر لیا ہو جیسا روایات بالا میں فتح القدیر و بحر سے اس کا راجح ہونا نقل کیا گیا ہے اس صورت میں اشکال رفع ہو جائے گا خلاصہ یہ کہ اس حکم مذکور بہشتی زیور کی صحت دو مقدموں پر موقوف ہے ایک یہ کہ عطف و عدم عطف ہمارے محاورہ میں یکساں ہیں دوسرے یہ کہ صاحبین کا قول راجح ہے پس اگر یہ مقدمات مسلم ہوں تو حکم صحیح ہے ورنہ غلط اور بہشتی زیور میں درمختار کے جس مقام کا حوالہ دیا گیا ہے وہ مقام باوجود تلاش کے نہیں ملا نہ مستفتی نے اس سے تعرض کیا ممکن ہے کہ اُس کے دیکھنے سے مزید بصیرت حاصل ہو سکتی. بہر حال اگر حذف کیا جاوے تو کسی تکلف کی ضرورت نہیں اور اگر باقی رکھا جاوے تو ایک حاشیہ اس پر لکھ دیا جاوے کہ یہ مسئلہ ظاہر عبارات فقہاء پر صحیح نہیں لیکن اگر محاورہ اردو کی بناء پر اس کو عطف میں بحذف عاطف داخل کیا جاوے اور اس مسئلہ میں جو اختلاف ہے اُس میں صاحبین کا قول لے لیا جاوے تو اس توجیہ پر مسئلہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اب عوام

کو چاہیئے کہ اپنے معتقد فیہ عالم کے فتوی پر عمل کریں واللہ اعلم ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ
النور صفحہ ۱۲ جمادی الاولی ۵۶ھ

روپیہ دادن کسے شوہر زنے را کہ اورا طلاق دہد

سوال (۴۹۶) ہندہ منکوحہ زید کے یہاں سے بسبب نااتفاقی اپنے والدین کے یہاں آکر دو تین سال تک رہی پھر لوگوں نے جھوٹی قسمیں کھاکر کہ زید نے طلاق دیدی تھی بکر سے نکاح کرادیا ایک عرصہ سے اس کے پاس ہے اب اگر زید کو کچھ روپیہ دیکر طلاق دلوائی جائے تاکہ نکاح صحیح طور پر کرادیا جائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ روپیہ دیکر جو عورت کو طلاق دلوائی جاتی ہے یہ دیکھنا چاہئے کہ نیت کیا ہے اگر روپیہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ روپیہ دینے سے عورت پر میرا اختیار اور حق اور زور ہو جائے کہ میں اس کو اپنے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کرسکوں گا یا اگر وہ نکاح نہ کرے گی تو میں اس کو زبردستی اپنے پاس رکھوں گا اور طلاق دینے والا بھی یہی سمجھتا ہے کہ عورت گویا میری چیز ہے میں اپنی یہ چیز اس روپیہ کے بدلے اس شخص کو دیتا ہوں تب تو روپیہ دینا اور روپیہ لینا دونوں حرام ہیں البتہ اگر طلاق دیدیگا تو طلاق واقع ہو جائے گی لیکن عورت پر کوئی زور اور حق نہ ہوگا۔ لان البضع فی حق غیر المحرم غیر متقوم والاعتیاض عن غیر المتقوم رشوۃ الا فیما ورد فیہ النص وھذا لم یرد فیہ النص کاھل المرأۃ اخذ واشیئا عند القسلیم فللزوج ان یسترد لانہ رشوۃ در مختار اور زیادہ نیت عوام جہلاء کی یہی ہوتی ہے جو مذکور ہوئی پس شرعاً یہ باطل اور حرام ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ فی الحال زوجین کی منازعت رفع ہو جائے اور پھر عورت کو اختیار ہو خواہ کسی سے بعد عدت نکاح کرے یا نہ کرے اور اگر کرے تو یہ ضرور نہیں کہ جس نے روپیہ دیا ہے اُسی سے کرے غرض یہ کہ طلاق دینے والا یہ سمجھے کہ روپیہ لیکر اُس روپیہ دینے والے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ عورت کو اپنی ذات پر اختیار ہو جائے گا اور روپیہ دینے والا بھی یہ سمجھے کہ روپیہ دینے سے میرا اختیار عورت پر کچھ نہ ہوگا بلکہ عورت ہر طرح مختار رہے گی تو جائز ہے لان بدل الخلع یصح التزامہ من الاجنبی کما فی الھدایۃ اور گو عوام سے اس نیت کی توقع کم ہے لیکن اگر یہ نیت ہوگی تو حکم جواز کا ہوگا البتہ

اگر عورت کے وعدہ نکاح پر اس شخص نے یہ روپیہ دیا ہے اور پھر وعدہ خلافی کرے تو عورت سے اپنا روپیہ واپس کرسکتا ہے مگر نکاح پر جبر نہیں کرسکتا لمعتدۃ الغیر انفق علیہا جل بشرط ان یتزوجہا وابت فلہ الرجوع کذا فی الدالمختار فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص۶۹ ج ۲)

حکم وقوع طلاق بتلفظ این کلمہ کہ "واسطہ نہیں"

سوال (۴۹۷) الفاظ مستعملہ میں ایک لفظ ہے "مجھ سے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں" اس سے بہ نیت طلاق طلاق واقع ہوگی یا نہیں عالمگیری میں اس کی دو نظیریں لکھی ہیں ولو قال لم یبق بینی و بینك شیٔ و نوی بہ الطلاق لا یقع وفی الفتاوی لم یبق بینی و بینك عمل ونوی یقع کذا فی العتابیہ اھ عمل، اور شے میں کیا فرق ہے اور صورت مسئولہ کس کے مشابہ ہے بحر الرائق میں ہے فی جمع برھان قال لم یبق بینی و بینك عمل ونوی الطلاق لا یقع وفی فتاوی الفضلی خلافہ اس سے معلوم ہوتا ہے لفظ عمل میں بھی اختلاف ہے۔

الجواب۔ القاء ربانی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کا حکم مبنی ہے عرف پر پس جہاں حقیقی اور مجازی معنی میں عرفاً تلبس اور تعلق سمجھا جاتا ہے وہاں نیت صحیح ہوگی ورنہ نہیں اسی بناء پر شئے اور عمل میں فرق ہوگیا کہ ایک میں عرفاً تلبس تھا دوسرے میں نہ تھا پھر تبدیل زمانہ سے لفظ عمل میں اختلاف ہوگیا کیونکہ اگر تلبس شرط نہ ہو لازم آتا ہے کہ زید قائم سے اگر طلاق کی نیت کرے تو درست ہو وہو باطل جب یہ معلوم ہوگیا تو اب اپنا عرف غالباً یہ ہے کہ اس لفظ کو بکثرت بہ نیت تعلیق استعمال کرتے ہیں لہذا میرے نزدیک اگر نیت کرلے گا طلاق واقع ہوجائے گا۔ واللہ اعلم ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ص۶۸ ج ۲)

حکم جمع بین الکنایۃ والصریح

سوال (۴۹۸) ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی زوجہ کو کہا کہ جا دور ہو ہم طلاق دیتے ہیں اس کے بعد پشیمان ہوا اور پھر کچھ نہیں کہا تھوڑی دیر کے بعد عورت کچھ رونے لگی تو اس سے کہا کہ اب کیا روتی ہو جو ہونا تھا سو ہوگیا یہ کس قسم کی طلاق واقع ہوئی اور اب شوہر رجعت کرسکتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ تین جملے ہیں کہ جا دور ہو۔ ہم طلاق دیتے ہیں۔ اولین کنایات قسم اول سے ہیں جو ہر حال میں موقوف نیت پر ہیں کما فی الدر المختار باب الکنایات

اور ثالث طلاق صریح ہے پس اگر اولین سے نیت طلاق کی نہیں کی بلکہ زجر مقصود تھا تو صرف لفظ ثالث سے ایک طلاق رجعی پڑی عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے اور اگر اول کے دونوں لفظوں سے جدا جدا طلاق کی نیت کی تو دو بائن اُن سے ہوں گی اور ثالث سے حلالہ کی ضرورت ہوگی اور اگر اول سے نیت کی اور ثانی سے نہیں کی یا بالعکس تو دو طلاق بائن ہو گئیں بلا حلالہ تجدید نکاح بتراضی طرفین جائز ہے۔ ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۶۹ ج ۲)

ترجیح الراجح جلد ثالث ص ۲۰۰

سوال (۴۹۹) فتاویٰ امدادیہ جلد دوم باب طلاق ص ۶۸ خلاصۂ سوال از طلاق بائن الفاظ جاؤ دُور ہو ہم طلاق دیتے ہیں خلاصۂ جواب یہ تین جملے ہیں ا لخ (تسامح) دریں عبارت اور اگر اول کے دونوں لفظوں سے جُدا جُدا طلاق کی نیت کی تو بائن ان سے ہو گی اور ثالث سے حلالہ کی ضرورت ہوگی (اصلاح تسامح) مسئلہ متفق علیہ است کہ بائن بہ بائن لاحق نمی شود لا یلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن، اذا بنتک بتطلیقۃ فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء الخ قولہ فلا یقع ای وان نوی کما فی البحر عن الحاوی ولا یقع بکنایات الطلاق وان نوی ۱۲ شامی علامۂ شامی در شرح قول در المختار اذا امکن کہ بحث بحر الرائق در بارۂ نیت در بائن ثانی آوردہ وخوب جواب دادہ دراں نظر امعان فرمایند تمام اہل فقہ چہ در شرح وچہ در متون وچہ در فتاویٰ متفق اند کہ بائن ثانی واقع نمی شود پس در صورت ما نحن فیہ اگر نیت طلاق است از دو لفظ کنایہ یک واقع شد و یک دیگر بصریح پس حاجت حلالہ نہ ماند۔

الجواب۔ علامہ شامی تحت قول صاحب در مختار اذا امکن خلاصہ بحث چنیں بر آوردہ فعلم ان قولھم اذا امکن احتراز عما اذا لم یمکن جعلہ خبرا الخ وتحت قول در مختار لانہ اخبار آوردہ لانہ امکن ذلک وظاہر ست کہ لفظ دور ہو اخبار گردانیدنش ممکن نیست چنانکہ در ابنتک بانت بائن ممکن ست پس ہرگاہ شرط عدم الحاق نیافتہ شدہ حکم عدم لحاق چگونہ کردہ خواہد شد پس لحاق لازم باشد۔ ۲۲ رجب ۱۳۲۳ھ۔

اس پر پھر ذیل کا سوال آیا:۔

سیدی سندی مدظلکم۔ تسلیم سرفراز نامہ رسید فخر دارین بخشید بر کمال انصاف جناب شکر ادا کردم جواب سابق در بارہ رد سلام بوقت استبراء کہ از حضور آمدہ بسر و چشم تسلیم کردہ شد کہ فکر کامل جناب بصواب آمد و ایں جواب مسئلۂ طلاق تلفظ جا دور ہو فتاوےٰ امدادیہ صـ۴۸ حضور فرستادند تا حال در فہم بندہ نہ آمدہ ارشاد حضور (ظاہر است کہ لفظ دور ہو اخبار کردینش ممکن نیست) بسبب کمال نقصان ذہن بندہ ایں ظہور بندہ را خفی نظر می آید ہر چند فکر کردہ شد کدام دلیل ظہور ظاہر نہ شد بلکہ دلائل مقال آں اظہر من الشمس اند دراں قول شامی کہ جناب ارشاد فرمودند فعلم ان قولھم اذا امکن الخ ایں لفظ موجود ست کما فی ابنتك باخریٰ پس لفظ اخرےٰ مانع از امکان اخبار ست و باقی صور کہ در در المختار آوردند کہ دراں امکان اخبار نیست ما نحن فیہ ازاں صور داخل نیست کما ہو الظاہر پس کدام وجہ است کہ در ما نحن فیہ اخبار از اول غیر ممکن ست فعلیکم البیان باوضح البرھان در کتب مصرح است کہ دو طلاق بائن بہ یک دیگر ملحق نمی شوند عام اند بیک لفظ باشند چنانچہ انت بائن انت بائن یا لفظ دیگر باشند چنانچہ انت بائن انت خلیۃ واشار بہ الی انہ لا یشترط اتحاد اللفظین الخ شامی تحت قول الدر او ابنتك بتطلیقۃ الحاصل قابل توجہ ست کہ شخصے زوجۂ خود را گفت اذھبی اغربی مراد و نیت او طلاق ست ظاہر است کہ بموجب قاعدہ معروفہ یک طلاق بائن واقع شود کہ ظاہر است اغربی را اخبار کردن از اذھبی ممکن ست یعنی تباعدی عنی کہ من ترا بلفظ اذھبی طلاق دادہ ام واذا طلقھا تطلیقۃ بائنۃ ثم قال لھا فی عدتھا انت علی حرام او خلیۃ او بریئۃ او بائن او بتۃ او شبہ ذلك وھو یرید الطلاق لم یقع علیھا شئی لانہ صادق فی قولہ ھی علی حرام وھی منی بائن ای لانہ یمکن جعل الثانی خبرا عن الاول الخ ۱۲ شامی تحت قول الدر لا یلحق البائن البائن و ایں ہم برابر است کہ کنایہ دوم اندر عدت در یک کلام و مجلس باشد یا در دو لانہ یوھم ان یلزم کون فی مجلس واحد وھو غیر لازم ۱۲ شامی پس کدام امر مانع در ما نحن فیہ است کہ ثانی از اول اخبار نمی شود مراد از اخبار اخبار

عما صدر او لا است نہ اخبار نحوی تاکہ صیغۂ امر مانع باشد لیس المراد الاخبار النحوی بل الاخبار عما صدر اولا ۱۲ شامی بندہ را دریں استدلال تامل است جناب خوض نمایند در ترجمۂ در المختار غایۃ الاوطار آوردہ اور اذہبی بمعنی جا الخ اور اغربی یعنی دور رہو الخ ۱۲ ظاہر شد کہ صورت امداد الفتاویٰ بعینہ صورت سابقہ قابل توجہ مذکورہ است ھٰکذٰا والله تعالیٰ اعلم بالصواب خلاصہ مفصل بجواب عنایت فرمایند اگرچہ جناب را تکلیف است مگر عوام را از چاہ ضلالت بیرون کردن اہم از اہم فرائض آنجناب ست چونکہ ازیں گستاخی خاطر جناب گراں نمی شود بلکہ بکمال عرفان دانستہ اند کہ مقصود سائل ظہور حق ست لہٰذا بار ثانی معروض ست ورنہ چہ نسبت خاک را با عالم پاک اُمید کہ وقتے پیدا آید کہ خود بخود جناب بریں غلام فیض باراں خواہند فرمود۔ فقط

اس کا جواب یہاں سے یہ گیا کہ مکرر تحقیق کیا جاوے گا سو مجھ کو فرصت نہیں ملی ناظرین دوسرے علماء سے تحقیق فرمالیں اور اس مضمون کا ایک فتویٰ جو سائل کی رائے کے موافق ہے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳ مسئلہ مرقومہ ۸ رجب ۱۳۲۵ھ بعنوان عام لحاق کنایہ بائن الخ میں مطبوع ہو چکا ہے مگر تحقیق کے وقت اس کو بھی زیر نظر رکھا جاوے۔ فقط

حکم طلاق مریض

سوال (۵۰۰) ایک شخص نے حالتِ بیماری میں برضا و رغبت اپنی زوجہ منکوحہ کو حاضرانِ مجلس کے سامنے صریح طلاق دی اور زوجہ نے بھی اپنا مہر زوج کو معاف کر دیا بعد طلاق کے عرصہ ایک ماہ کے بعد اس بیماری کی حالت میں زوج مر گیا پس اس صورت مذکورہ میں زوجہ مطلقہ کی عدت بعد طلاق سے محسوب ہو گا یا بعد وفات زوج سے زید کہتا ہے کہ بقول شامی فی حق امرأۃ الفار الخ و المراد بامرأۃ الفار من ابانھا فی مرضہ بغیر رضاھا بحیث صار فارا ومات فی عدتھا بعد الاجلین۔

اس روایت کی وجہ سے مدت وفات کی لی جائے گی نہ طلاق سے اور عمرو کہتا ہے کہ بقول شامی لو ابانھا فی مرضہ برضاھا بحیث لم یصر فارا نعتد عدۃ الطلاق عورت مطلقہ کی شمار طلاق سے کیا جائے گا بموجب اس روایت اخیرہ کے

اگر کوئی شخص عورت مطلقہ سے بعد گزرنے عدت طلاق نکاح کرلے تو یہ نکاح از روئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ حکم طلاق زوج مریض کا جبکہ زوج قبل انقضائے عدت زوجہ کے مرجائے یہ ہے کہ جس طلاق کے بعد عدت کے اندر زوج کے مرجانے سے زوجہ کو میراث ملتی ہے اس میں عدت ابعد الاجلین سے ہے یعنی عدت طلاق اور عدت وفات میں جو پیچھے ختم ہو اور جس میں میراث نہیں ملتی اُس میں عدت طلاق واجب ہے پس شامی کی دونوں روایتیں صحیح ہیں اور دونوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ روایت اولےٰ صورت میراث میں ہے اور روایت ثانیہ صورت عدم میراث میں ہے اب یہ تحقیق کرنا چاہیئے کہ اس مریض کی طلاق پر آیا حکم میراث کا مرتب ہوا ہے یا نہیں تاکہ اس سے عدت کا حکم متعین ہوجائے اس لئے اس کی صورتیں لکھتا ہوں کہ اگر یہ مریض ایسا بیمار تھا جس میں غالب گمان حیات کا تھا تو یہ مرض موت نہیں ہے اور اس صورت میں اگر زوج عدت زوجہ کے اندر مرجائے تو زوجہ وارث نہ ہوگی ایک صورت تو یہ ہوئی اور اگر اس بیماری میں ظاہر حال سے اندیشہ مرجانیکا تھا تو یہ مرض موت ہے پھر اس مرض موت میں یہ تفصیل ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ طلاق رجعی ہے یا بائن اگر رجعی ہے تو وارث ہوگی اور یہ دوسری صورت ہوئی اور اگر بائن ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ زوجہ کی اجازت سے ہے یا بلا اجازت اگر اجازت سے ہے تو وارث نہ ہوگی اور یہ تیسری صورت ہوئی اور اگر بلا اجازت ہے تو وارث ہوگی اور یہ چوتھی ہوئی پس اول اور تیسری صورت وارث نہ ہونے کی ہیں اور دوسری اور چوتھی صورت وارث ہونے کی ہیں پس واقعہ سوال میں اگر اول یا تیسری واقع ہوئی ہے تو عدت طلاق واجب ہے اور اس کے انقضاء کے بعد نکاح ثانی جائز ہے اور اگر دوسری یا چوتھی صورت واقع ہوئی تو اگر عدت طلاق پہلے ختم ہوجائے تو عدت موت کے بعد نکاح ثانی درست ہوگا اُس کے قبل درست نہ ہوگا والروایات مذکورۃ فی باب طلاق المریض و باب العدۃ من الکتب الفقہیۃ۔ واللہ اعلم کیم ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (امداد جلد ۲ ص ۴۰)

سوال (۱۰۵۱) زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے | وقوع طلاق از تعلیق طلاق بیکے از شروط اربعہ بگفتن ایں لفظ کہ اگر یک شرط ہم متحقق شود ترا طلاق است ایچ دعویٰ بر تو نیست ہر جا کہ خواہی نکاح کنی

چار شرط اس طور سے کیں کہ اگر ایک شرط بھی ان چاروں سے مجھ سے پائی جائے تو تجھکو طلاق ہے چاہے جہاں تو نکاح کرے میرا کسی قسم کا دعویٰ تجھ پر نہیں ہے بعد ازاں زید سے ایک شرط پائی گئی پس ہندہ پر کتنی اور کیسی طلاق پڑی مع عبارت کتاب بیان فرمائیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الصریح یقع البائن لو قال انت طالق طلقۃ تملکی بھا نفسک لانھا لا تملک الا بالبائن اس روایت کی بناء پر صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگیا واللہ اعلم۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۱ ج ۲)

تحقیق مانع بودن قسم وقوع طلاق را

سوال (۵۰۲) اندریں کہ بنگالی بزبان بنگالہ خود زن خود را گفت نیز تمیں طلاق دیم کہ ترجمہ اش بعربی طلقتک ثلاثا باشد یا بفارسی ترا سہ طلاق دادم وآں را بقسم یا بکلمۂ شہادت موکد ساخت اعنی او گفت واللہ طلقتک ثلاثا یا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ طلقتک ثلاثا پس شرعاً طلاقش واقع خواہد شد یا نہ۔

نقل رقعہ مصحوبہ ایں سوال

پس از سلام مسنون معروض آنکہ عبارت درمختار لست لک بزوج او لست لی بامرأۃ او قالت لست لی بزوج فقال صدقت طلاق ان نواہ خلافا لھما ولو اکد بالقسم او سئل الک امرأۃ فقال لا تطلق وان نوی لان الیمین والسوال قرینتا ارادۃ النفی فیھما۔

خلاصہ مطلب اس عبارت کا کیا ہے چونکہ بعض لوگ اس عبارت سے قسم و سوال کو مطلقاً مانع طلاق سمجھتے ہیں صریح ہو یا کنایہ اور بعض مانع کنایہ سمجھتے ہیں نہ صریح کے اور یہاں کے عوام وخواص سب کی تشفی حضور کی تحریر پر ہے۔ فقط

الجواب۔ بلاشک وشبہ سہ طلاق واقع شد وانچہ در پرچہ مصحوبہ از درمختار نقل کردہ شدہ است آں مخصوص است بکلامے کہ محتمل نفی اصل زوجیت باشد پس قسم مرجح خواہد شد ارادہ نفی را وایں مقصود نیست کہ قسم مطلقاً مثل استثناء یعنی انشاء اللہ تعالیٰ مانع وقوع طلاق مے باشد وصریح وکنایہ در آں متساوی اند خلاصہ جواب آنکہ در مقیس علیہ انکار زوجیت است ودر مقیس انشاء طلاق پس قیاس صحیح نہ باشد فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۲ ج ۲)

وقوع طلاق بلا تصریح اسم و بلا خطاب زوجہ

سوال (۵۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں میں نے حالت غصہ میں یہ کلمے کہے ہیں (طلاق دیتا ہوں طلاق طلاق) اور میں نے کوئی کلمہ فقرہ بالا سے زیادہ نہیں کہا اور نہ میں نے اپنی منکوحہ کا نام لیا اور نہ اُس کی طرف اشارہ کیا اور نہ وہ اس جگہ موجود تھی اور نہ اُس کی کوئی خطا ہے یہ کلمہ صرف بوجہ تکرار (یعنی نزاع ۱۲) یعنی میری منکوحہ کی تائی کے نکلے جس وقت میرا غصہ فرو ہوا فوراً اپنی زوجہ کو لے آیا ان دو اشخاص ہیں ایک میرے ماموں اور ایک غیر شخص ہے اور مستوتیں ہیں۔

الجواب۔ چونکہ دل میں اپنی ہی منکوحہ کو طلاق دینے کا قصد تھا لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں۔ کذا فی رد المحتار ج ۲ ص ۷۰۵۔ ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۴۳ ج ۲)

حکم طلاق زوجہ کہ زوج اورا باسم غیر او طلاق دہد

سوال (۵۰۴) یا مخدومنا العلام۔ ان رجلا لہ زوجۃ واحدۃ اسمہا علیمۃ بنت زید مثلاً فقال فی مجلس ان طلقت زوجتی نعیمۃ بنت زید ثلاثاً و لیست لہ زوجۃ الا علیمۃ بنت زید ثم قال واللہ ما طلقت زوجتی علیمۃ بنت زید قط وھو الاٰن یصاحبہا و یوطیہا فہل صادت علیمۃ مطلقۃ ام لا۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ الجواب ان علیمۃ لا تطلق کما فی رد المحتار عن البزازیۃ ولو حلف ان خرج من المصر فامرأتہ عائشۃ کذا واسمہا فاطمۃ لا تطلق اذا خرج اھ ج ۲ ص ۷۵۵۔ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۵)

تحقیق عدم لحاق کنایہ بائن با بائن صریح و لحاق بقیہ بالبقیہ

سوال (۵۰۵) ان رجلا طلق امراتہ طلاقاً بائناً ثم طلق بعد ستۃ اشھر ثنتین فہل یقع الثنتان اللتان بعد الاولیٰ ام لا۔

الجواب۔ نفس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ طلاق اول یا صریح بائن یا کنایہ رجعی ہے مثل اعتدی و استبرئی رحمک وغیرہ کے یا کنایہ بائن اور اسی طرح طلاق متاخر میں یہ چاروں احتمال ہیں کل سولہ صورتیں ہیں ان میں جس صورت میں طلاق مقدم بائن ہو صریح یا کنایہ اور طلاق مؤخر کنایہ بائن ہو اُس صورت میں تو طلاق مؤخر کا وقوع نہ ہوگا اگرچہ نیت بھی وقوع کی کرے باستثنائے مستثنیات مذکورہ فی الفقہ اور حاصل

ان صور مستثنیہ کا یہ ہے کہ جب ایقاع ثانی کو اخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو اور بقیہ صورتوں میں وقوع ہو جائے گا ہکذا فی الدر المختار ورد المختار مفصلاً مبسوطاً۔ واللہ اعلم۔

۸؍ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۳ ج ۲)

تحقیق عدم ترتیب احکام تجدید عقد بایجاب وقبول مکرر متعارف

سوال (۵۰۶) ایک شخص نے کسی فعل پر طلاق کو اس طرح معلق کیا کہ اگر فلاں کام کر دوں تو جس عورت سے نکاح کروں وہ مطلقہ ہے اُس کے بعد وہ کام کیا پھر نکاح تو ظاہر ہے کہ وہ عورت مطلقہ ہو گئی لیکن قاضی نے ایجاب وقبول دوبارہ کرایا پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول ایجاب و قبول کے بعد طلاق واقع ہو گیا اور ثانی ایجاب وقبول سے پھر دوبارہ نکاح منعقد ہو گیا اگرچہ طرفین نے تجدید نکاح کا ارادہ نہیں کیا البتہ پہلی مرتبہ چونکہ قاضی وکیل تھا اس لئے وہ وکالت ختم ہو گئی اب دوبارہ ایجاب فضولی کا سمجھا جائے گا اس لئے اجازت مرأۃ یا ولی مرأۃ پر موقوف رہے گا پس ولی کا عورت کو برضامندی رخصت کرنا یا کہ عورت کی برضا تمکین وطی کو اجازت سمجھا جائے گا یا نہیں یا کہ عورت سے یہ کہا کہ تم راضی ہو ان سے اس نے کہدیا ہاں تو یہ رضا شمار کیا جا سکتا ہے یا نہیں وجہ شبہ یہ ہے کہ اجازت ورضامندی کے لئے خبر نکاح شرط ہے اور ولی یا عورت کو خبر نکاح ثانی نہیں ہے بلکہ اس کو فضول سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ نکاح ہماری اجازت سے ہوا ہے پس یہ عدم علم تجدید نکاح رضامندی کے لئے مضر ہے یا نہیں یا کہ یہ کافی ہے کہ نفس نکاح کا اُن کو علم ہے اگرچہ تجدید نکاح کا علم نہیں۔

الجواب۔ مکرر ایجاب وقبول سے مقصود تاکید ہے نہ کہ تجدید لہٰذا اس کو عقد ثانی نہ کہیں گے اور رضا مرأۃ یا ولی کی عقد اول ہی کے خیال سے ہے اُس کو عقد ثانی پر رضا نہ کہا جائے گا۔ ۷؍ رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۳ ج ۲)

حکم طلاق صغیر

سوال (۵۰۷) جملہ متون وشروح فقہ واصول اس امر میں متفق ہیں کہ صبی بنفسہٖ ایقاع طلاق نہیں کر سکتا اور نہ اُس کی طرف سے ولی وغیرہ ایقاع طلاق کا مجاز ہے ہاں بوقت حاجت صبی کی طرف سے طلاق واقع ہو سکتی ہے پس قابل استفسار یہ امور ہیں۔

۱؎ حاجت سے کون حاجت مراد ہے وہی تین حاجتیں جو شامی صاحب تحریر

وغیرہ نے ذکر فرمائی ہیں یا اور بھی مثلاً زوج صغیر اور زوجہ بالغہ بوقت خوف زنا وغیرہ۔

۲ بوقت حاجت خود صبی طلاق دے گا یا اور کوئی صبی کی طلاق نہ واقع ہونے کی دلیل فقہائے کرام کل طلاق جائز الا طلاق الصبی بیان فرماتے ہیں پس یہ عبارت حدیث مرفوع کی ہے یا قول ابن عباس رضہ ہے اور کوئی اگر طلاق دے تو وہ کون ہوگا ولی یا قاضی یا حکم اور اس کی دلیل کیا ہے اور ایسے واقعات کا فیصلہ اس وقت کوئی کرسکتا ہے یا نہیں ۳ قول امام سرخسی رح بنفسہ ایقاع طلاق صبی پر دلالۃ کرتا ہے یا نہیں اگر دلالت کرتا ہے تو خلاف متون وشروح یہ قول مفتی بہ ہے یا نہیں۔

الجواب۔ ۱ صغر زوج اور بلوغ زوجہ ان حاجات میں سے نہیں بلکہ کسی حالت میں بھی یہ اسباب استحقاق تفریق میں سے نہیں ۲ قاضی تفریق کریگا اور دلیل کی تحقیق منصب مقلد کا نہیں اور نہ مجیب مقلد کے ذمہ ماخذ کا بیان کرنا ہے نقل مذہب کافی ہے ۳ اول تو دال نہیں اور ثانیہ بصورت دلالت معتبر نہیں۔ فقط یکم ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۵ ج ۲)

لفظ آزاد کردی طلاق صریح ہے

سوال (۵۰۸) میرے خاوند نے چند اشخاص کے مواجہہ میں یہ لفظ کہے مجھ کو اس کی ضرورت بالکل نہیں اور میں نے تو اس کو آزاد کردی تھی لوگ خواہ مخواہ میرے سر ہوتے پھرتے ہیں نہ میرے کہنے کی تھی نہ میں نے رکھی اب کہیں جاؤ میں نہیں لیتا یہ الفاظ کہے اور ان الفاظوں کے گواہ تیتروں کے لوگ ہیں اب آپ اس امر میں کیا فرماتے ہیں کہ میری والدہ پر افلاس آگیا ہے کنگ نباہ ہوسکے مجبوراً احکام شرعی کی نیت کی ہے اگر اجازت ہو تو نکاح کروں میری ایام گزاری مشکل ہے دنیا حرام حلال کو کم دیکھتی ہے۔ فقط

الجواب۔ یہ کہنا کہ آزاد کردی ہے ہمارے عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے لہٰذا اس سے طلاق صریح واقع ہوجاوے گی پس اگر اس کہنے کے بعد اس عورت کو تین حیض آچکے ہوں تو یہ نکاح سے نکل گئی جس سے چاہے نکاح کرے فی رد المحتار فاذا قال رھا کردم ای سرحتك یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذاك الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت فقط ۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۶)

سوال (۵۰۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت منکوحہ کو بلا ذکر طلاق و بغیر نیت بحالت غصہ اشتعال طبع سے ایام حمل چہار ماہہ میں مکرر یہ کہا کہ جا میں نے تجھکو طلاق دیا طلاق پس ایسی حالت میں اس پر طلاق عائد ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو تلافی مافات کی کیا صورت ظہور پذیر ہے جواب باصواب سے عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور فرماویں۔

الجواب۔ لفظ جا ان کنایات سے ہے کہ ہر حال میں اس میں نیت شرط ہے جب نیت نہ تھی تو اس سے تو طلاق واقع نہیں ہوئی پس اگر لفظ طلاق دیا دو ہی بار کہا ہے اور عورت مدخول بہا ہے تو طلاق رجعی واقع ہوئی جس میں عدت کے اندر رجعت جائز ہے اور بعد عدت تجدید نکاح بتراضی زوجین جائز ہے اور اگر تین بار کہا ہے تو بجز حلالہ کے کوئی تدارک نہیں۔ ۲۸ رشعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث صفحہ ۶۶)

سوال (۵۱۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا چال چلن وقت شادی درست تھا بعد شادی چند ایام گزرنے پر چال چلن خراب ہو گیا اور یہاں تک خراب ہوا کہ شرابخواری اور رنڈی بازی و قماربازی میں معروف ہو گیا زید نے جوئے بازی میں بکر کے ہاتھ مبلغ تین سو روپیہ میں اپنی بیوی ہندہ رکھدی اور ہندہ نے آکر بیان کیا کہ تو میری بردہ ہے اور میں نے تجھکو بکر کے ہاتھ مبلغ تین سو روپیہ میں بیچدیا ہے تو اُس کے ہاں چلی جا عورت ہندہ نے جواب دیا کہ عورت کی بیع نہیں ہوتی ہے غرض اس کے لینے کے لئے بکر ہندہ کے مکان پر پہونچا اور بکر نے مکان پر جاکر بیان کیا کہ زید نے تجھ کو یعنی ہندہ کو میرے ہاتھ بیچدیا ہے تو میرے مکان پر چل عورت ہندہ نے بکر کو جواب دیا کہ عورت کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ میں حُرہ ہوں اور حرہ کی بیع جائز نہیں ہے اور میں کہیں نہیں جاسکتی ہندہ کے باپ مسمی عمرو کو خبر پہونچی عمرو اپنے مکان پر ہندہ کو لے آیا بعد گزرنے دس بیس یوم کے پھر زید لینے کیواسطے آیا اس کو بہت ملامت وغیرہ کیا کہ تم نے ایسی حرکت بیجا کی ہے کہ جو بالکل شرافت کے خلاف ہے عمرو کے سامنے بھی یہی جواب دیا کہ تم کون ہو میری بردہ ہے میں جو چاہوں کردوں جب زید مایوس ہوا تو اس نے فیصلہ چاہا اور کہا کہ مجھ کو مہر معاف کرادو تو میں طلاق دیدوں گا چنانچہ باپ ہندہ سے بھی ایسا ہی سوال کیا کہ مہر معاف کرادو میں

طلاق دیدوں گا عمرو نے اپنی لڑکی ہندہ سے اس امر کی بابت دریافت کیا ہندہ رضامند ہوگئی کہ مجھ کو طلاق دیدے تو میں مہر معاف کردوں گی چنانچہ ہندہ نے مہر معاف کردیا چند شخصوں کے سامنے اور زید نے ہندہ کو ان الفاظ سے ان ہی شخصوں کے سامنے یہ الفاظ کہے اوّل مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھ کو آزاد کردیا اور دوسری مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی اس صورت مسئولہ میں طلاق بائن ہوگی یا رجعی۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن البزازی مانصہ بخلاف فارسیة قولہ سرحتك وهو رها كردم لانه صار صريحاً فی العرف علی ما صرح به نجم الزاهدی الخوارزمی فی شرح القدوری اھ وبعد السطر عنه فان سرحتك كناية لكنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصريح فاذا قال رها كردم ای سرحتك يقع به الرجعی مع ان اصله كناية ايضاً وما ذاك الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مر ان الصريح ما لم يستعمل الا فی الطلاق من ای لغة كانت وبعد السطر واما اذا تعورف استعماله فی مجرد الطلاق لا بقيد كونه بائنا تعين وقوع الرجعی به كما فی فارسية سرحتك (ج ۲ ص ۶۶۲ و ص ۶۶۳) وفی رد المحتار عن الفتح اخر الباب قال ابرئينی من كل حق يكون للنساء على الرجال ففعلت فقال فی فوره طلقتها وهی مدخول بها يقع بائنا لانه بعوض اھ (ج ۲ ص ۹۳۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ یہ الفاظ کہ آزاد کردیا اور طلاق دیدی صریح ہیں لیکن چونکہ یہ بمقابلہ معافی مہر کہے ہے اس لئے اس سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

۲۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۹)

کسی مصلحت کی وجہ سے زوجین کا یہ کہنا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا اس سے نکاح باطل ہوگا یا نہیں

سوال (۵۱۱) ایک شخص نے ہندہ سے نکاح کیا مگر عدالتی مصلحت کیوجہ سے زوجین نے عدالت میں یہ بیان کیا کہ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے لیکن ہونے والا ہے تو نکاح باطل ہوا پھر نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اول تو یہ انشا نہیں ہے اور اس سے قطع نظر نیت بھی طلاق کی نہیں ہے لہذا نکاح باطل نہیں ہوا فی العالمگیریة لو قال لها لا نکاح بینی و

بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذ نوی ج ۲ ص ۶۹
جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۸)

سوال (۵۱۲) زید پردیس میں کہیں نوکر تھا اُس نے اپنی زوجہ (زینت) کو مخاطب کرکے بایں عبارت | زوجہ کو یہ لکھنا کہ تم کو ایک طلاق مغلظ اشد کا لجبل

(تمہیں ایک طلاق بائن مغلظ اشد کالجبل) طلاق لکھا بعدہ وہ سلسلہ معاش (اُس کے زعم میں)، بی بی کے بعض طرفدار کی کوشش کی وجہ سے جاتا رہا زید نے طیش میں آکر پھر ایک خط بایں عنوان (چونکہ مجھ سے فلاں جگہ کا تعلق جاتا رہا اور یہ غالبًا طلاق کا اثر ہے لہذا پھر طلاق اور جب رجعت کروں تب طلاق غرض طلاق پر طلاق) تحریر کرکے روزانہ کیا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں کے طلاق واقع ہوئی اور کیسی رجعت یا ان دونوں (زید و زینت) میں کوئی صورت معیت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ **الجواب**۔ فی الدر المختار و یقع بقولہ انت طالق بائن او البتۃ او فحش للطلاق او طلاق الشیطان او البدعۃ او اشر الطلاق او کالجبال الیٰ قولہ واحدۃ بائنۃ فی الکل ان لم ینو ثلثا اھ۔ اس روایت کی بنا پر جواب یہ ہے کہ چونکہ لفظ ایک بھی کہا ہے اس لئے وقوع ثلث کا تو احتمال نہیں اس سے اول ایک طلاق واقع ہوئی اور بوجہ اس کے کہ اس کو مغلظ اشد وغیرہ سے موصوف کیا اسلئے وہ ایک طلاق بائن ہو گی اس کے بعد جب لکھا کہ پھر طلاق اس سے دوسری طلاق واقع ہوئی۔ اور چونکہ بائن ہی ہوتی ہے اس لئے اس عورت پر دو طلاقیں ہونگی اور تیسری طلاق اس لئے نہ ہو گی کہ وہ معلق ہے ایک شرط پر اور وہ شرط نہ تو واقع ہوئی اور نہ واقع ہو سکتی ہے کیونکہ طلاق بائن میں رجعت نہیں ہوسکتی اب صرف تجدید نکاح بلا حلالہ کے دونوں کی رضامندی سے جائز ہے لیکن اگر اس نکاح جدید کے بعد کبھی ایک بار بھی لفظ طلاق کہدے گا تو وہ ایک ان دو سے مل کر تین طلاق ہو جاویں گی اور پھر بدون حلالہ نکاح جدید بھی جائز نہ ہو گا۔ واللہ اعلم۔
۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۹)

سوال (۵۱۳) شوہر نے اپنی زوجہ سے کہا تو دوسرے شخص کے یہاں جاتی | بیوی کو نکل جا ہم سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں کوئی چھیلا تلاش کرلے بازار میں جا کر دہ کہنے کا حکم

ہے ہم کو کچھ شبہ ہے زوجہ نے کہا کہ جب تیرا ہماری طرف سے ایسا خیال ہے تو نہ ہم تیرے گھر میں رہیں گے اور نہ تیرا کھائیں گے اور نہ تو ہمارا شوہر ہے تب شوہر نے کہا نکل جا ہم سے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کوئی پچھلا تلاش کرلے چلے بازار میں جاکے رہو عورت اس سے کنارہ کش ہوگئی اُس کے گھر جاتی نہیں اور شوہر کہتا ہے کہ غصہ میں کہدیا معاف کرو شوہر کے بے ایمانی کی یہ حالت ہے کہ جب اس عورت کو پہلے شوہر سے طلاق دلواکر لایا اور لوگوں کو نکاح کے واسطے جمع کیا تب میاں جی نے پوچھا کہ اس کی عدت پوری ہوگئی ہے یا نہیں اس نے کہا پوری ہوگئی ہے، نکاح پڑھادیا گیا بعد کو یہ معلوم ہوا کہ صرف چھ سات یوم طلاق کو گزرے ہیں تو دونوں میں تفریق کرادی گئی بعد گزرنے عدت کے پھر نکاح ہوا تو اب جواب طلب یہ امر ہے کہ شرع کے اندر ایسے شخص کے قول وفعل کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں اور کلمات بالا سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی اور اگر پھر اس عورت سے رجوع کرنا چاہے تو کس صورت سے رجوع کرسکتا ہے از روئے احکام خدا ورسول جواب سے سرفراز فرماویں۔ فقط

الجواب۔ یہ کنایات اس قسم سے ہیں جو محتمل رد وجواب اور محتمل سب وجواب ہیں اور حالت ہے غضب کی اس لئے مدار وقوع طلاق کا نیت پر ہوگا اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن ہوگا اور اگر نیت نہ کی تو کچھ نہ ہوگا اور وقوع کی صورت میں اگر تینوں لفظوں میں نیت جداگانہ کی ہے تو تین[عہ] طلاق واقع ہوں گی کہ بدون حلالہ پھر نکاح درست نہ ہوگا ورنہ دو یا ایک طلاق واقع ہوگا کہ بدون حلالہ تجدید نکاح کافی ہوگا جبکہ دونوں رضامند ہوں اور عدم وقوع کی صورت میں کچھ بھی ضرورت نہیں حتیٰ کہ رجعت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ رجعت بعد وقوع کے ہوتی ہے۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۹)

حکم خبر واحد در باب طلاق

سوال (۵۱۴) زید نے اپنی بیوی کو شب کو چھ طلاق دیا زید کی والدہ نے سُنا بعد کو اقرار کیا مگر اب اقرار نہیں کرتی بلکہ انکار کرتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب۔ فی الرد المحتار الجلد الخامس ص ۳۳۹ قولہ فی الدیانات ای المحضۃ احترازعما اذا تضمنت زوال ملک کما اذا اخبر عدل ان الزوجین ارتضعا من امرأۃ واحدۃ لاتثبت الحرمۃ لانہ یتضمن زوال ملک المتعۃ فیشترط العدد والعدالۃ

عہ جداگانہ نیت کرنے کی صورت میں بھی ایک ہی طلاق ہوگی لان البائن بالکنایۃ لایلحق البائن ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

جمیعًا انتفاء۔ بنابراس روایت کے جواب یہ ہے زید اگر طلاق کا اقرار کرتا ہے تو طلاق واقع ہونے میں شبہ نہیں اور اگر انکار کرتا ہے مگر زید کی زوجہ نے خود سُنا ہے تب بھی زوجہ زید کو زید کے ساتھ طلاق کا سا برتاؤ کرنا چاہیئے اور اگر زید کی زوجہ نے خود نہیں سُنا صرف زید کی والدہ ہی بیان کرتی ہے اور کوئی کہتا ہے تب وقوع طلاق کا حکم نہ کریں گے اگر واقع میں بھی زید نے دیا ہوگا تو یہ وبال انکا زید ہی پر رہے گا زوجہ کو گناہ نہ ہوگا۔

۱۹ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰)

طلاق دیدی دیدی دیدی کرد میرا کیا کرتی ہو کہنے کا حکم

سوال (۵۱۵) بندہ نے سولہ سترہ برس کی عمر میں اپنی بڑی سالی اور اس کی ساس کے ساتھ لڑتے وقت یہ سمجھ کر کہ یوں کہنے سے طلاق نہ پڑے گی اور اس وقت میری بیوی اپنے باپ کے گھر تھی اور پہلے سے بھی مشہور ہو رہی تھی کیونکہ بندہ نہینوں بیوی کے پاس نہ جاتا تھا بندہ جب گھر گیا تو انھوں نے کہا تو اپنی بیوی کو لے آئیں نے کہا میری دل کی مرضی میں نہیں لاتا انھوں نے کہا ہم نے سُنا ہے کہ طلاق دیدی اب مجھے جلن آئی اس بہتان پر اب بندہ نے اُن کی دل شکنی کرنے کی وجہ سے یہ کہدیا کہ میں نے طلاق دیدی دیدی دیدی کرد میرا کیا کرتی ہو اب انھوں نے کہا یوں طلاق نہیں ہوتی جب تک گواہ نہ ہوں اور تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے نہ تو طلاق دینا مقصود تھا یوں ہی خواہ مخواہ واقعہ ہوگیا اب بندہ پریشان ہے کیونکہ جب تو نادانی میں ناواقفیت سے یہ واقعہ ہوگیا اب مسئلہ سننے دیکھنے سے نادم ہوں اور اب کے سال گھر جانے کا ارادہ ہے آیا یہ طلاق ہوگئی یا نہیں۔ اگر ہوگئی تو اب کسی طرح سے درست ہوسکے اگر یہ کسی طرح حلال نہ ہوگی تو شرمندگی کی وجہ سے نہ دوسرا نکاح کرے گی بلکہ مرجانیکا خوف ہے اور بندہ غربت کی وجہ سے رہ جاوے گا۔

الجواب۔ یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دیدی دیدی دیدی کرد میرا کیا کرتی ہو الخ دیکھا جائے کہ اس کا کیا مطلب تھا اگر یہ مطلب تھا کہ گو اب تک نہ دی تھی مگر اب دیدی تب تو تین طلاق واقع ہوگئی بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں اور اگر یہ مطلب تھا کہ ہاں تم نے جو سُنا ہے وہ صحیح ہے میں نے اُس کو طلاق دیدی تھی تو اس کا حکم یہ ہے کہ قضاءً تو تینوں واقع ہوگئیں اور اگر عورت کو ثابت ہو جاوے کہ اس نے ایسا کہا تھا تو اُس پر واجب ہے کہ اس سے جدا ہے اور دیانۃً یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے پہلے طلاق نہ دی

تھی تب تو اس خبر کا ذب سے واقع نہیں ہوئی حتیٰ کہ اگر عورت کو یہ امر ثابت نہ ہو تو اس شخص پر وہ عورت عند اللہ حلال رہے گی اور اگر پہلے سے دے چکا ہے تو واقع ہونا ظاہر ہے فی ردالمحتار۔ تحت قول الدرالمختار اوھازلاً عن اکراہ الخانیۃ لو اکرہ علیٰ ان یقر بالطلاق فاقر لا یقع کما لو اقر بالطلاق ھازلاً او کاذباً فقال فی البحران مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃ ثم نقل عن البزازیۃ والقنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لا یقع دیانۃ وان اشھد قبل ذٰلک لا یقع قضاءً ایضاً اھ ج ۲ ص۶۵۴ مصریہ وفی ردالمحتار تحت مسئلۃ کنت انت طالق قبل ان اتزوجک او امس الیٰ قولہ لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال مانصہ ولا یمکن تصحیحہ اخباراً لکذبہ وعدم قدرتہ علی الاسناد فکان انشاء فی الحال اھ ج ۲ ص۶۸۳ مصریہ قلت فثبت بہ ان المؤثر فی الطلاق دیانۃً ھو الانشاء لا الاخبار۔

واللہ اعلم ۲۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۱)

بعد تحریر جواب ہذا غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطلب اس شخص کا یہی ہے کہ اب طلاق دیدی لہٰذا جواب متعین یہی ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

اگر یہ کہا کہ اپنے باپ کے گھر جائے گی تو تین طلاق تو باپ کے مرجانے کے بعد یہ حلف باقی رہیگا یا نہیں

سوال (۵۱۶) ایک شخص مثلاً زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ عمرو کے گھر جائے گی تو تجھ پر تین طلاق لیکن قبل جانے ہندہ کے اپنے باپ عمرو کے گھر عمرو مرگیا مگر باوجود ممات عمرو کے عرف میں باپ کا گھر کہا جاتا ہے اس صورت میں اگر ہندہ اپنے باپ کے گھر جائے گی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب۔ فی ردالمحتار لو مات مالک الدار فدخل لا یحنث لانتقالها للورثۃ الیٰ قولہ لم تکن مملوکۃ لہ من کل وجہ اھ ملخصاً ج ۳ ص ۱۲۹ ۱۲۸

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر کہیں کا عرف یہ ہو کہ باپ کے مرنے کے بعد جانے سے بھی یہ کہا جاتا ہو کہ وہ عورت اپنے باپ کے گھر گئی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی فی الدرالمختار وعندنا علی العرف فی ردالمحتار لان المتکلم الیٰ قولہ ما عھد انہ المراد بھا فتح ج ۳ ص ۱۱۰ جلد ثالث ۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۴)

نکل جا جہاں چاہے چلی جا کہنے کا حکم

سوال (۵۱۷) ہندہ کا بیان ہے کہ متعدد مرتبہ کہا کہ نکل جائیں نے تجھکو طلاق دیا جہاں چاہے چلی جا اور نکال دیا اور یہ بھی کہتا رہا کہ نکل جا تو کیوں نہیں جاتی میں تجھکو نہیں رکھنا چاہتا تجھ کو مکان میں کس نے بلایا غرض یہ ہے کہ الفاظ متذکرہ صدر سے طلاق بائن واقع ہوئی یا رجعی اور طلاق بائن واقع ہونے پر شوہر کو پھر رجوع کرنے کا اختیار باقی رہتا ہے یا نہیں اور اس حالت میں کیا حکم ہے کہ کہتا ہے کہ نکل کیوں نہیں جاتی میں تو تجھ کو نہیں رکھنا چاہتا تو کب نکل جاویگی۔

الجواب - لفظ نکل جائیں مطلقاً حاجت نیت کی ہے اور لفظ جہاں چاہے چلی جامیں مثل خلیۃ بریۃ بحالت مذاکرہ طلاق بلانیت طلاق بائن واقع ہوتی ہے کذا فی الدر المختار - پس اگر اس کے قبل یہ بھی کہا ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دیا تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جاوے گی - اسی طرح اگر تین مرتبہ کہا کہ طلاق دیا تب بھی طلاق بائن ہو جاوے گی - غرض صریح اگر تین بار ہو اور کنایہ مذکورہ اگر ایک بار بھی ہو دونوں طور پر طلاق بائن واقع ہو جاوے گی اور باقی الفاظ جو آخر سوال میں مذکور ہیں کہ نکل کیوں نہیں جاتی الخ ان سے کچھ نہیں ہوتا پس اگر بہ تفصیل مذکور طلاق بائن واقع ہو چکی ہے تو گو کوئی گواہ نہ ہو لیکن ہندہ کو جب اس کا علم یقینی ہو اُس کو وقوع طلاق ہی کے احکام پر عمل کرنا چاہئے - ۲۱ ر ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولےٰ صـ۱۰۳)

سوال (۵۱۸) دوسرے یہ کہ بغیر ذکر طلاق کے اور بلا خیال طلاق کے کسی نے بوجہ خلاف مزاج حرکت کرنے کے اپنی زوجہ سے غصہ میں کہا کہ چلی جا میرے گھر سے بعد اُس کے پھر دس پندرہ منٹ کے بعد اُس نے اُس کے ساتھ صحبت کی تو یہ کیا ہوا اور ایسے حال میں کیا حکم ہے -

الجواب - جب نیت طلاق کی نہیں تو اس کہنے سے طلاق نہیں ہوا کذا فی الدر المختار ورد المختار - ۲۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولےٰ صـ۱۰۷)

سوال (۵۱۹) ایک شخص نے اپنی عورت کو اپنے گھر سے نکالا اور کہدیا چلی جا اور عرصہ دس سال اس بات کو گزر گئے کہ وہ عورت اپنے خاوند کے گھر سے نکلی ہوئی ہے اور اس دس سال کے عرصہ میں اُس کے خاوند نے اس سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا اب وہ شخص عرصہ قریب چار سال سے فوت ہو چکا ہے اور اُس کے فوت

ہونے کے بعد وہ عورت شریعت میں اپنے خاوند کے ورثہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور صرف اس قدر مدت گھر سے نکال دینے سے طلاق ہوگی یا نہیں۔

الجواب - یہ کہنا کہ چلی جا اُن کنایات سے ہے جن میں ہر حال میں نیت طلاق کی شرط ہے اور نیت کا علم اب ہو نہیں سکتا لہذا طلاق واقع نہیں ہوگی اور وہ عورت مستحق میراث پانے کی ہے۔ ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

سوال (۵۲۰) قبل از نکاح زینب یہ کہنا کہ زینب کی موجودگی میں دوسرا نکاح کروں تو نئی کو طلاق اس کا کیا حکم ہے

زید نے قبل ایجاب وقبول ہونے زینب سے اس کے کابین میں یہ عبارت لکھدی کہ بی بی موصوفہ کی موجودگی میں کبھی کوئی بی بی خفیہ یا ظاہر کر کے نکاح یا شادی نہیں کرسکیں گے اگر کبھی کسی کو کسی جگہ نکاح یا شادی کریں تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر مجرد ایجاب وقبول کرنے کے تین طلاق بائن ہوگی اور کابین لکھنے کے بعد زید اور زینب سے ایجاب وقبول ہوا اور کئی برس کے بعد زید نے خانگی جھگڑے کے سبب ایک عالم سے زبانی پوچھا کہ میں اس صورت میں دوسرا نکاح کرسکتا ہوں یا نہیں اس نے کہا کہ کرسکتے ہو تب زید نے دوسری بی بی ہندہ سے نکاح کرلیا اب صورت مسئولہ میں چند امور دریافت طلب ہیں۔ (۱) صورت مسئولہ میں دوسری بی بی ہندہ پر مجرد ایجاب وقبول سے تین طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں (۲) تعلیق بالطلاق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک شرط ہے کابین کی اس قدر عبارت سے کہ بی بی موصوفہ کی موجودگی میں کبھی کوئی بی بی خفیہ یا ظاہر کر کے نکاح یا شادی نہیں کرسکیں گے نہ ثبوت ملک ہے اس لئے کہ قبل ایجاب و قبول کے لکھا اور نہ اضافت الی الملک جیسا کہ ظاہر ہے باقی رہا کابین کی اگلی عبارت سے کہ اگر کبھی کسی جگہ کسی کو نکاح یا شادی کریں تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر بمجرد ایجاب و قبول کرنے کے تین طلاق بائن ہوگی ملک تو ثابت نہیں اس لئے کہ قبل ایجاب وقبول لکھا البتہ اضافت الی الملک العام ثابت ہوتی ہے اب اگر تعلیق بالطلاق بعد وجود ملک کے واقع ہوگی تو نئی شادی کرنے والی بی بی پر اور وہ اس صورت مسئولہ میں زوجۂ اول زینب ہوگی نہ ہندہ کیونکہ اس سے تو بعد نکاح زینب کے نکاح کیا پھر زینب پر طلاق کیونکر واقع ہوگی (۳) صورت مسئولہ میں فتاویٰ عالمگیری و بزازیہ وغیرہ کی یہ عبارت مسئلہ کا جواب ہوسکتی ہے یا نہیں۔ قال لاجنبیۃ مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا فھی طالق

ثم تزوجها فتزوج علیہا امرأۃ لا یقع۔ (۴) صورت مسئولہ میں دوسری بی بی ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوگئی تو آئندہ پھر زید اگر کوئی نکاح کرے تو مجرد ایجاب وقبول سے ہر بار منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق بائن معلقہ واقع ہوجایا کریں گی یا نہیں (۵) دوسری بی بی ہندہ سے پھر دوسری بار اگر نکاح کرے تو تحلیل کی ضرورت ہے یا نہیں (۶) زید زینب کو طلاق رجعی دیدے اور عدت گزرجانے کے بعد مبائنت کے زمانہ میں کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس پر تین طلاق بائن معلقہ واقع ہوں گی یا نہیں (۷) زید زینب کو طلاق رجعی دیدے اور عدت گزرنے کے بعد پھر زینب سے تجدید نکاح بلا تحلیل کرے کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو تین طلاق بائن معلقہ واقع ہوں گی یا نہیں

الجواب۔ (۱) نہیں واقع ہوئی نہ اس وجہ سے کہ اس میں نہ ثبوت ملک ہے نہ اضافت الی الملک ہے کیونکہ جس عورت کے طلاق کی تعلیق مقصود ہے اس کی تطلیق میں اضافت الی الملک موجود ہے کل امرأۃ اتزوجہا قوۃ میں ان تزوجت امرأۃ کے ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور عالمگیریہ کا یہ جزئیہ جو بعد جزئیہ مذکورہ سوال ۲ کے مذکور ہے ولو قال ان تزوجتک مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا والمسئلۃ بحالہا یقع اس کا مؤید بھی ہے اور اس کے جواب میں یہ کہنا کہ اس مقیس علیہ میں اضافۃ الی الملک بصیغہ شرط ہے اس لئے صحیح نہیں کہ جس عورت کی ملک کی طرف اضافت بصیغہ شرط اضافت الی الملک نہیں پس اضافت تطلیق مقصودہ بالطلاق کی دونوں جگہ یکساں یعنی بغیر صیغہ شرط ہے غرض عدم وقوع کی وجہ صورت مسئولہ میں یہ نہ ہوئی کہ اس میں اضافت الی الملک کبھی نہیں بلکہ وہ اس وجہ سے ہے کہ اس میں ایک دوسری شرط کے ساتھ بھی تعلیق ہے اور اس کا تحقیق نہیں ہوا کیونکہ معنی اس کلام کے کہ بی بی موطوءہ الخ ایسے وقت میں کہ اس سے نکاح نہیں ہوا وہی ہیں جو جزئیہ مذکورہ سوال ۳ کے ہیں قال لاجنبیۃ الخ جس کا حاصل تعلیق جملہ کل امرأۃ الخ کا بقاء النکاح اجنبیہ کیساتھ ہے جو مدلول ہے مادمت کا اور بقاء نکاح اجنبیہ ایک مفہوم ممتنع الوجود ہے پس تعلیق بالامر المحال ہوئی اور چونکہ اس کا تحقق کبھی نہ ہوگا اس لئے حکم جملہ کل امرأۃ اتزوجہا الخ کا جو اس شرط مستحیل الوجود کے معنیً جزاء ہے نیز کبھی واقع نہ ہوگا بخلاف جزئیہ ان تزوجتک الخ کے کہ اس کا حاصل تعلیق جملہ کل امرأۃ کی بقاء نکاح بعد حدوث

نکاح اجنبیہ کے ساتھ ہے جو مدلول ہے ان تزوجتک الخ کا اور یہ محتمل الوجود ہے اس لئے اس کے وقوع کے وقت حکم کل امرأۃ الخ کا واقع ہوجاوے گا (۲) اس اضافت الی الملک العام میں ایسا عموم نہیں ہے کہ زینب اُس میں داخل ہو بلکہ زینب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ نئی شادی الخ کے معنی یہ ہیں کہ زینب کی موجودگی میں جو نئی شادی الخ پس زینب پر تو اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور ہندہ پر واقع نہ ہونے کی وجہ جواب سوال ۱ میں مذکور ہوئی اور بقیہ سوالات کے جوابات کی اب حاجت نہیں رہی کیونکہ وہ سب مبنی ہیں وقوع طلاق علی ہندہ پر اور اوپر عدم وقوع ثابت ہوچکا۔ (تتمہ اولےٰ ص۱۰۳)

اگر نماز نہ پڑھے گی تو ہمارے واسطے حرام ہے کہنے کا حکم

سوال (۵۲۱) ہم نے بوجہ نماز نہیں پڑھنے کے اپنی زوجہ کو بارہا کہا تھا کہ نماز پڑھو مگر اس نے نہیں سُنا تو ہم نے یہ کہہ کر کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو تو ہمارے واسطے حرام ہے صحبت موقوف رکھی چنانچہ اسی لئے قریب ایک سال کے آمد ورفت بند کردیا اب اُس نے نماز شروع کی تو ہم اس سے آمد ورفت رکھتے ہیں چونکہ طلاق کا مسئلہ بہت نازک ہے اس لئے حضور سے دریافت کیا۔

الجواب۔ یہ کہنا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو ہمارے لئے حرام ہے ایلاء ہے کیونکہ ظاہراً اس نے کچھ نیت نہیں کی اور اس صورت میں ایلاء ہوتا ہے کذافی الدرالمختار جب چار ماہ گزر گئے ایک طلاق بائن پڑ گیا اب بتراضی طرفین نکاح جدید ضروری ہے بدون نکاح صحبت حرام ہے۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولےٰ ص۱۰۶)

طلاق دی یا طلاق دیکر چھوڑ دیا اس کو گھر لاؤں تو اس کی ماں کو لاؤں کہنے کا حکم

سوال (۵۲۲) اول گواہ زید نے قسم کھاکر گواہی دی کہ عمرو نے اپنے مکان میں بیٹھکر اپنے سالے کی طرف نسبت کرکے کہا کہ اس کی بہن کو میں نے سچ طلاق دی اور کہا کہ رجسٹری کرلیوبں اور میں نے عمرو سے پوچھا کہ تم نے کیسے طلاق دی جواب دیا جیسے شریعت میں ہوسکتا ہے دوسرے گواہ بکر نے قسم کھاکر گواہی دی کہ عمرو نے اپنے مکان میں بیٹھکر کہا کہ میں نے اس کو طلاق دیکر چھوڑ دیا اور کہا کہ اس کے بھائی کو کہ تمھاری بہن کو رجسٹری کرلو دو مہینے سے میں اس کو گھر میں جگہ نہیں دیتا اور اس کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتا میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ عمرو نے کہا کہ اس کو میں نہیں لاؤں گا

اگر لاؤں گا تو اس کی ماں کو لاؤں گا۔ بلا پرسش عمرو کے موافق اس دو گواہی کے کون سی طلاق واقع ہوگی طلاق رجعی یا بائنہ بہ تقدیر اول اگر عمرو نے اس عورت سے وطی کر کے رجوع کر لی اور اس وطی میں کوئی لڑکا پیدا ہو تو یہ لڑکا عمرو کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں بہ تقدیر اول اگر کوئی شخص اس لڑکے کو ولد الزنا قرار دیوے تو اس پر شہادت کذب کی لازم ہوگی یا نہیں موافق مذہب حنفیہ کے کیا حکم ہے۔ بینوا مع الدلیل توجروا۔

الجواب۔ اس کہنے سے کہ طلاق دی یا طلاق دیکر چھوڑ دیا طلاق رجعی واقع ہوئی تھی پھر اس کے بعد جو یہ کہا کہ اگر لاؤنگا تو اس کی ماں کو لاؤں گا اس میں تشبیہ ہے ماں کے ساتھ مثل انت علی کامی کے جس کا حکم یہ ہے کہ قائل سے پوچھا جاتا ہے کہ نیت کیا تھی ظہار یا طلاق یا اور کچھ اور تنجیز و تعلیق سے حکم متفاوت نہیں ہوتا کذا فی الدر المختار۔ پس اس بناء پر چونکہ یہ صیغہ محتمل معنی طلاق وغیر طلاق کو ہے تو کنایہ ہوا اور وہ قسم کنایہ کی ہوئی کہ مالا یحتمل الرد ولا السب بل یصلح للجواب فقط یا باحتمال مرجوح وہ قسم بھی ہو سکتی ہے کہ مالا یحتمل السب اور مذاکرہ طلاق کے وقت ان دونوں قسم کا حکم یہ ہے کہ بدون نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ پس اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس شخص نے یہ قول کہ اگر لاؤں گا الخ اسی جلسہ میں کہا ہے جس میں طلاق صریح واقع کی ہے یا دوسرے جلسہ میں کہا اگر اسی جلسہ میں کہا ہے تو طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر دوسرے جلسہ میں کہا ہے تو اس کی نیت دریافت کی جاوے گی اور اس کے بیان کے موافق حکم ہوگا اور طلاق (یعنی جو صریح ہے اور سطر اول میں مذکور ہے) صرف رجعی واقع ہوگی پھر جس صورت میں رجعی واقع ہو عدت کے اندر رجعت جائز ہے اور اس وطی سے اولاد ثابت النسب ہے اور اس کو ولد الزنا کہنا موجب حد قذف ہے اور جس صورت میں طلاق بائن واقع ہو یا رجعی میں بعد عدت کے رجعت کی ہو ان دونوں صورتوں میں رجعت درست نہیں اور اگر اس صورت میں وطی کی ہے تو تصریح کرنا چاہیئے کہ عدت کے اندر کی ہے یا بعد عدت اور اولاد طلاق دینے سے کتنی مدت کے بعد پیدا ہوئی ہے اُس وقت مفصل جواب ہو سکتا ہے۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۲)

اول ایک طلاق دینا پھر کہنا کہ تین طلاق کر دیا

سوال (۵۲۳) مسمی زید مسمیٰ بکر کی دختر مسماۃ ہندہ کو اپنے نکاح میں لایا بعدہ چند سال رہ کر زید موصوف نے عمرو کی

جبتک کلثوم کو طلاق نہیں دو گے تب تک ہندہ کو تیرے پاس نہیں دونگا آخرش زید موصوف نے مجبوراً کلثوم کو ایک طلاق رجعی دیدیا بکر نے قابو پاکر پھر کہا کہ تین طلاق کردو زید نے اپنی بی بی ہندہ کو مکان میں لانے کے حیلہ سے اور کلثوم کو بھی ایک رجعی جو آگے دیا تھا اُس سے زیادہ نہ دینے کی نیت سے فقط مضبوطی کے لئے بکر کے سامنے کہدیا خیر تین طلاقیں کردیا اب زید اور کلثوم کی رجعت صحیح ہو گی یا نہیں۔

الجواب۔ تینوں طلاقیں ہوگئیں لہذا رجعت درست نہیں ہوئی فی درالمختار باب الکنایات طلقها واحدة بعد الدخول فجعلها[عہ] ثلاثاً صح کما لو طلقها رجعیاً فجعله قبل الرجعة بائناً او ثلاثاً اھ ۲۱ رشعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۹)

محلل و محللہ میں وقوع صحبت میں اختلاف کا فیصلہ

سوال[عہ] (۵۲۴) ایک شخص نے اپنی بی بی کو طلاق بائن دیدی اہل محلہ نے مطلقہ کا عقد دوسرے شخص سے کرادیا اس غرض سے کہ جب یہ طلاق دے تب تو نکاح کر لیجیو چنانچہ زوج ثانی نے چند ہی روز بعد اُس کو طلاق دیدی اور شوہر اول نے اُس سے نکاح پھر کرلیا اب شوہر ثانی تو یہ کہتا ہے اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے اس عورت سے صحبت نہیں کی اور عورت قسم کھا کر یہ کہتی ہے کہ اس نے یعنی شوہر ثانی نے مجھ سے صحبت کی ہے عندالشرع اس میں کیا حکم ہے۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء ویتحری فی خبر الفاسق وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنه وفی ردالمحتار تحت قوله ولو اخبر عدل بطهارته وعدل بنجاسته الخ مانصه فقد اعتبروا التحری بعد تحقیق المعارضة بالتساوی بین الخبرین الخ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ان مرد و عورت میں ایک عادل ثقہ ایک غیر عادل وغیر ثقہ ہے تو عادل ثقہ کا قول معتبر ہے خواہ وہ شوہر ثانی ہو یا عورت ہو اور اگر دونوں عادل یا دونوں غیر عادل یا دونوں مجہول الحال ہوں تو دونوں کے

عہ النظر فی الحاشیة علی الجواب السابق علی ہذا الجواب اعداد ۱۲ منہ عہ یہ وہ سوال وجواب ہے جس کا حوالہ کتاب النکاح میں آچکا ہے حوالہ کی عبارت شروع یہ ہے یہ جواب باعتبار وجوب مہر الخ ۱۲ منہ

قول میں تحری کرے جس طرف قلب شہادت دے مگر اس شہادت میں نفسانی غرض نہ ہو خود بخود جس طرف دل جھکتا ہو اور جو سچا معلوم ہوتا ہو اُس کے قول پر عمل کرے کیونکہ حلت وحرمت دیانات سے ہے اور دیانات کا یہی قاعدہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوا۔ ۶؍صفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صنا۱)

طلاقنامہ کو منظوری زوجہ سے مشروط کرنے کا حکم

سوال (۵۲۵) زید نے بلا حکم عمرو کے عمرو کی طرف سے ایک طلاق نامہ لکھا پھر عمرو کو بلاکر وہ طلاق نامہ پڑھ سنایا اور کہا کہ اس پر تصحیح کردے عمرو نے اولاً انکار کیا مگر کچھ کہہ سُنکر اُس طلاق نامہ پر اس شرط سے دستخط کردیئے کہ اگر میری زوجہ ہندہ منظور رکھے تو یہ طلاق نامہ اُس کو دیدینا اور میں زبان سے بھی اُس کو طلاق کہدوں گا عمرو کہتا ہے کہ یہ شرط میں نے اس وجہ سے لگائی کہ میری زوجہ ہندہ اس کو منظور نہ کرے گی اور میں لوگوں کے کہنے سننے سے خلاصی پاؤں گا جب وہ طلاق نامہ ہندہ کے پاس لے گئے تو اس نے منظور نہیں کیا اور فوراً عمرو کے گھر چلی آئی اور کئی روز گزر گئے اب تک وہ عمرو کے پاس رہتی ہے طلاق نامہ کی نقل یہ ہے:۔ "فلاں گاؤں کی رہنے والی ہندہ بنت فلاں راقم مذکور گاؤں کا رہنے والا عمرو میں تجھے یہ فارغ خطی لکھ دیتا ہوں کہ تیرے ساتھ میرا نکاح تخمیناً دو برس پر ہوا تھا مگر میرے نباہ نہ ہونے سے میں آج تجھے طلاق دیتا ہوں اور میں نے نکاح کے وقت سوا چار سو کی جنس دی تھی وہ تیرے پاس ہے سو اس میں سے ایک سو ساڑھے ستائیس کی مہر کے عوض ہے اور باقی جنس میں نے تجھے بخشش کردی ہے سو میں نے تجھے خدا واسطے طلاق دی ہے میں نے تجھے طلاق دی ہے میں نے تجھے طلاق دی ہے میں نے تجھے شرع محمدی کے موافق تین طلاق دی ہے اس لئے میرا تجھ پر عورت طریقہ کا حق رہا نہیں اور تیرا مہر بھی میرے پاس رہا نہیں ہے تو کسی سے نکاح کرے یا نہ کرے اس کا تجھے اختیار ہے اس میں میرا کسی طرح کا روک ٹوک نہیں ہے۔ ۱۲؍جون ۱۹۱۱ء

اب سوال یہ ہے کہ طلاق نامہ پر بدون زبان سے کہے دستخط کردیئے اس شرط سے کہ اگر عورت منظور رکھے تو منظور ورنہ نہیں اور پھر عورت نے اسے منظور نہ رکھا تو اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ جبکہ عورت نے منظور نہیں کیا اور شرط طلاق کی یہ تھی کہ عورت

منظور کرے تو طلاق اُس عورت پر واقع نہیں ہوئی کیونکہ معلق بالشرط بدون تحقیق شرط واقع نہیں ہوتی ہکذا فی عامۃ کتب الفقہ فقط۔ واللہ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح اشرف علی۔ ۲۷ رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۱)

نہیں تیرا میاں نہ تو میری بیوی میرے سے کچھ تعلق نہیں کہنے کا حکم

سوال (۵۲۶) ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ لفظ کہے کہ نہ میں تیرا میاں اور نہ تو میری بیوی میرے سے کچھ تعلق نہیں ہے کیا طلاق پڑ گئی یہ لفظ طلاق دینے کی نیت سے نہیں کہے گئے بلکہ اُس کو ڈرانے کی نیت سے کہے۔

الجواب ؎۔ اگر ان الفاظ کے کہنے سے پہلے کچھ ذکر طلاق کا ہو رہا تھا اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے تب تو بدون نیت کے بھی طلاق واقع ہو گئی اور اگر کچھ ذکر نہ تھا تو بدون نیت کے طلاق نہیں واقع ہوئی کیونکہ یہ کلمات محتمل ہیں سب اور جواب کے اور اس قسم میں یہی حکم ہے کذا فی الدر المختار ورد المحتار۔ ۱۰ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اص ۱۱۵)

وقوع طلاق بلفظ بائن وقت مذاکرہ

سوال (۵۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے بمقابلہ چند اشخاص کے یہ کہا کہ اگر اپنی زوجہ کو آٹھ روپیہ نہ دوں نصف شب تک تو میرا نکاح بائن ہو جائے گا بعد اُس کے زوج نے صرف چار روپیہ دیئے اس صورت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور اس گفتگو کی وجہ یہ ہوئی کہ زید اپنی زوجہ کو تکلیف میں رکھتا تھا اور نان ونفقہ سے بالکل بے توجہی رکھتا تھا اہل محلہ نے اس کی اصلاح کے واسطے یہ کہا کہ تم اپنی زوجہ کو یا طلاق دیدو یا اچھا برتاؤ رکھو اور نان نفقہ کے واسطے کوئی ضامن دو اُس نے جواب دیا کہ ضامن کس کو بنایا جائے کوئی میرا ضامن نہیں ہو سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تکلیف نہ دوں گا اور نفقہ کے واسطے آٹھ روپیہ دیتا ہوں اگر نصف رات تک نہ دوں تو میرا نکاح بائن ہو جاوے گا اور ہر مہینہ خرچ دیا کروں گا۔ الغرض تذکرۂ طلاق میں زید نے یہ کہا تھا۔ اس صورت میں طلاق ہو گی یا نہیں اور اگر ہو گی تو بائن یا رجعی۔

الجواب۔ فی الدر المختار بخلاف انت بائن او حرام حیث یقع اذا نوی ج ۲ ص ۳۲۷ و فی رد المحتار فی جدول ما یحتمل السب والجواب یقع

؎ نہیں تیرا میاں۔ حسب تصریح شامیہ طلاق رجعی ہے۔ لہٰذا میرے سے کچھ تعلق نہیں کے جملہ سے دوسری طلاق بائنہ بھی واقع ہو جائے گی۔ واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

بلا نیۃ فی حالۃ المذاکرۃ جلد ۲ صـ۶۶۵ - اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہو جاوے گا - ۸ رجب ۱۳۳۱ھ

طلاق کو معلق کرنے اور بار بار کہنے کا حکم

سوال (۵۲۸) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کئی مرتبہ یوں کہے کہ اگر تو اپنے میکے میں جاوے تو تجھکو طلاق ہے اب اگر وہ جاوے تو کے طلاق واقع ہوں گی ایک یا دو یا تین - اگر ایک یا دو طلاق واقع ہوں گی تو کون سی طلاق واقع ہوگی -

الجواب - چونکہ تاکید کی نیت قضاءً معتبر نہیں اس لئے تین طلاق واقع ہونگی -
۱۰ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ صـ۱۱۵)

لفظ صریح سے طلاق دینے اور سوال کے جواب میں انھیں الفاظ کے اعادہ کا حکم

سوال (۵۲۹) زید نے کسی وجہ سے اپنی امرأۃ ہندہ سے حالت غضب میں ایک مرتبہ بلفظ صریح کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدیا اس لفظ کو سنتے ہی ہندہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا کہا اس پر شوہر پھر اُس لفظ کا اعادہ کر کے ساکت ہو گیا چند منٹ یعنی تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شخص ثالث نے پوچھا ہندہ کے شوہر سے کہ کیا ہوا ہے کیا اُس وقت میں بھی زید نے اُسی لفظ کو کہہ کر بتلا دیا اب معلوم ہونا چاہیئے کہ طلاق رجعی ہے یا مغلظ -

الجواب - سوال کے جواب میں اس کا واقع ہونا قرینہ ہے اس کا کہ دوسری تیسری طلاق دینا مقصود نہیں بلکہ پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہے اس لئے وہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی دوسری تیسری واقع نہ ہوگی اور چونکہ صریح لفظ سے دیگئی ہے اس لئے رجعی ہوگی اور عدت کے اندر رجعت جائز ہوگی - فی الدر المختار فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء فی ردالمحتار قولہ لانہ اخبار ای یجعل اخباراً لانہ امکن ذلک جلد ۲ صـ۶۶۷ - ۹ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ صـ۱۱۵)

سوال (۵۳۰) گزارش خدمت آنکہ اگر کسی شخص نے کسی وجہ سے اپنی جورو پر خفا ہو کر یہ کہا کہ اب اس کو اور نہیں رکھوں گا یہ کہہ کر گھر سے روانہ ہو کر دوسرے کسی کے مکان میں چلا آیا تو ایک شخص نے اُس سے کہا کہ تو نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا جواب میں اس نے کہا کہ ہاں چھوڑ دیا یہ بہت زبان دراز ہے گالی گلوج بکتی ہے دوسرے شخص نے

پھر اس سے کہا کہ کیا تو نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا پھر کہا کہ ہاں چھوڑ دیا یہ کسی دن ہوٹل میں رہی تھی تیسرے شخص نے بھی ایسا ہی اس سے پوچھا اس کے جواب میں بھی یہی کہا کہ ہاں چھوڑ دیا تو کیا صورت مسئول عنہا میں اس شخص کی جورو پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں اور اگر طلاق واقع ہو تو ایک طلاق ہو گی یا تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور اگر ایک واقع ہو تو وہ رجعی ہو گی یا بائن یہاں کے عرف میں چھوڑ دینے کو ایسے محل میں طلاق دینے ہی کے معنی پر استعمال کرتے ہیں دوسرے معنی مراد نہیں ہوتے والسلام

الجواب - صورۃ مسئولہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اس لئے کہ زوج کا استفہام بایقاع الطلاق کے جواب میں، یہ کہنا کہ ہاں چھوڑ دیا بمقتضائے مطابقۃ جواب للسوال انشاء طلاق نہیں ہے اخبار عن انشاء الطلاق ہے جس سے بصورۃ کذب خبر صرف قضاءً وبصورۃ صدق دیانۃً بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے ففی البحر عن الفتح ولو اقر بالطلاق وھو کاذب وقع فی القضاء اھ ص ۲۴۶ وفی رد المحتار عن البحر عن البزازیۃ والقنیۃ لو اراد بہ (ای باقرار الطلاق) الخبر عن الماضی کذبا لا یقع دیانۃ وان اشھد قبل ذلک لا یقع قضاءً ایضاً اھ (ص ۶۹۴ ج ۲) اور تکرار اخبار گو محتمل تعدد مخبر عنہ ہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ تینوں خبریں ایک ہی انشاء کی اور تینوں حکایتیں ایک ہی محکی عنہ کی ہیں اس لئے باوجود تکرار اخبار طلاق ایک ہی واقع ہو گی - ونظیرہ مارواہ الشامی فی رد المحتار عن کافی الحاکم واذا قال انت طالق ثم قیل لہ ما قلت فقال قد طلقتھا او قلت ھی طالق فھی طالق واحدۃ لانہ جواب انتھی (ص ۷۵۵ ج ۲)

توجبکہ جزئیہ مذکورہ میں انشاء طلاق (جو کہ حکم بوقوع الطلاق میں اصل واعلیٰ ہے) اس کے بعد کا اخبار (باوجود احتمال تعدد انشاء میں اخبار بعد الاخبار کے ساتھ متحد ہونے کے دال علی تعدد الطلاق نہ ہوا تو اخبار عن الانشاء (جو کہ حکم لوقوع الطلاق میں تابع وادنی ہے) اس کے بعد کا اخبار بدرجۂ اولےٰ دال علی التعدد نہ ہو گا اور چونکہ لفظ چھوڑ دیا وہاں کے عرف میں ایسے محل میں حسب بیان مستفتی طلاق ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے یہ صریح فی الطلاق ہو گا اور اس لفظ کے ساتھ اقرار سے بھی طلاق رجعی واقع ہو گی فی تنویر الابصار صریحہ مالم یستعمل الا فیہ (ولو بالفارسیۃ ۱۲ در)

کطلقتك وانت طالق مطلقة ویقع بهادای بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصریح ۱۲ (در) واحدة رجعیة وان نوی خلافها اولم ینو شیئا انتہی صـ ۶۱۲ ج ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم المرقوم ۱۸ ر شعبان ۱۳۴۹ھ

الجواب ۔ صحیح ہے اور جس صورت میں قضاءً وقوع طلاق ہو جاتا ہے عورت کو بھی وقوع طلاق پر ہی عمل کرنا واجب ہے والمرأة کالقاضی مصرح ہے۔

اشرف علی ۲۹ ر شعبان ۱۳۴۹ھ (النور ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ صـ ۹)

سوال (۵۳۱) طلاق ہے تو مجھ سے بولے اور مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کہنے کا حکم

خاوند بی بی میں کچھ تفرقہ پیدا ہوا اور یہاں تک رنج پیدا ہوا کہ خاوند نے غصہ میں کہا کہ (طلاق ہے جو تو مجھ سے بولے اور مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں) بس یہ ہی الفاظ ایک مرتبہ زبان سے اور کہے اور پھر بیوی کسی بات پر بول اٹھی اب فرمائیے کہ طلاق ہو گئی یا نہیں اگر طلاق ہوئی تو کون سی ہوئی اب پھر سے اپنے پاس نکاح پڑھا کر یا بے نکاح رکھ سکتا ہے یا نہیں اور طلاق کے بارے میں یہ الفاظ مذکورہ کہہ کر شرمندہ ہوا اس کا جواب بہ تشریح صاف لفظوں میں ارقام کیجئے۔

الجواب ۔ یہ جملہ کہ طلاق ہے صریح ہے اور یہ لفظ مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں کنایہ ہے اور بائن[عہ] ملحق ہو سکتی ہے صریح کنایہ کے ساتھ کذا فی الدر المختار باب الکنایات اور دونوں معلق بالشرط ہیں اور شرط واقع ہو گئی پس دونوں طلاقیں واقع ہو گئیں اس لئے رجعت تو درست نہیں لیکن نکاح جدید درست ہے حاجت حلالہ کی نہیں البتہ بتراضی زوجین شرط ہے۔ ۹ ر ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولے صـ ۱۱۶)

سوال (۵۳۲) اگر زوجہ سے یہ شرط کرے کہ اگر تیرے سوا کسی اور سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے اس کا عند الاحناف کیا حکم ہے

زید نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ سوائے اس کے جس عورت کو نکاح کریگا اُس پر طلاق ہے اور اُسکی منکوحہ کو کوئی ایسا دائمی عارضہ ہے جس سے زید کو ہر طرح کی تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ ہم بستری سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے اس حالت میں نزدیک حنفی کے دوسرا نکاح جائز ہے

عہ غالباً کاتب سے سہو ہوا ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہئے:۔ بائن بالکنایہ ملحق ہو سکتی ہے صریح رجعی کے ساتھ واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

یا نہیں اگر نزدیک حنفی کے جائز نہ ہو تو تقلید اور کسی امام کی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ تینوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے وہ یہ کہ ان تینوں صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جاوے گا لیکن اگر کسی شخص کو اس قدر غلبہ شہوت کا ہے کہ بدون نکاح زنا کا اندیشہ ہو تو اُس کو جائز ہے کہ شافعی رح کے مذہب پر عمل کرے بعد تحریر جواب ہذا یہ سمجھ میں آیا کہ بلا ضرورت شدیدہ دوسرے امام کے مذہب پر عمل نہ کرنا چاہئے اور یہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کر دے اور یہ شخص اس کو اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے بلکہ اس عورت سے جا کر صحبت کرے اس سے وہ نکاح نافذ ہو گا۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۶)

سوال (۵۲۳) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ میرے | شوہر نے کہا کہ اگر شام تک گھر نہ آئی تو میری طرف سے جواب ہے پھر شوہر نے انکار کر دیا اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں

شوہر زید نے بحالت غضب مجھ کو یہ لفظ کہا کہ اگر تو شام تک میرے گھر نہ آئی تو میری طرف سے جواب ہے زید نے یہ الفاظ میرے مواجہہ میں بھی کہے ہیں اور اس وقت اور رشتہ دار بھی میرے موجود تھے اور پھر انہی الفاظ کا اقرار میرے تایا صاحب کے روبرو جا کر کیا اور وہاں یہ بھی جا کر کہا کہ معافی نامہ مہر بھی میرے پاس ہے جو خود قرینہ نیت طلاق کا ہو سکتا ہے اب زید ان الفاظ کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ کہے تھے کہ تو اگر شام تک میرے گھر میں نہ آئی تو میں جواب دیدونگا اور حالت غصہ کا بھی انکار کرتا ہے لیکن میرے نزدیک وہ اپنے انکار میں سچا نہیں ان الفاظ کے حالت غصہ میں سرزد ہونے کے شاہد میرے تایا اور میری والدہ اور نانی اور تائی اور چچی ہیں جو ثقہ اور عادل ہیں پس اس صورت میں مجھ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور قضاءً بھی ہوئی یا صرف دیانۃً اگر محض دیانۃً ہی واقع ہوئی ہو تو مجھ کو زید کے ساتھ مقام اور تمکین وطی حلال ہے یا حرام اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوگی زید یہ بھی کہتا ہے کہ اُس وقت میری نیت ہرگز طلاق کی نہ تھی میں اُس کو اس میں بھی سچا نہیں جانتی ہوں اس بارے میں جو حکم شرع شریف کا ہو تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں زیادہ والسلام۔

الجواب - یہ لفظ کہ میری طرف سے جواب ہے عرفاً کنایہ ہے طلاق سے جیسا کہ اہل زبان پر مخفی نہیں ہے اور یہ کنایہ کے اقسام میں سے وہ قسم ہے جس میں رد اور سب کا احتمال نہیں بلکہ محض جواب میں مستعمل ہے اور یہ بھی ظاہر ہے اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ صرف حالت رضا میں نیت شرط ہے دلالۃ حال یعنی غضب اور مذاکرہ میں شرط نہیں کما صرح بہ الفقہاء اور صورۃ مسئولہ میں دلالت حال متحقق ہے پس اگر واقعہ اسی طرح ہو تو حکم یہ ہے کہ طلاق واقع ہو گئی اور چونکہ اس لفظ کو اہل عرف قطعی فیصلہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور قطعی فیصلہ کا اثر ہے تحریم اور وہ مخصوص ہے بائن کے ساتھ اس لئے طلاق بائن ہو گئی کما حقق العلامۃ الشامی تحت قول الدر المختار حرام وقال بعد البحث الطویل والحاصل انہ لما تعورف بہ (ای بحرام) الطلاق صار معناہ تحریم الزوجۃ وتحریمھا لا یکون الا بالبائن ج ۲ ص ۶۴۳ اور جب دلالت حال قرینہ ظاہرہ ہے ارادہ طلاق کا تو انکار نیت میں بوجہ خلاف ظاہر ہونے کے قضائً شوہر کی تصدیق نہ کی جاوے گی اور عورت پر اس معاملہ میں مثل قاضی کے معاملہ کرنا واجب ہے قال الشامی عن الفتح والتاکید خلاف الظاہر وعلمت ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لھا ان تمکن اذا علمت منہ ما ظاہرہ خلاف مدعاہ ج ۲ ص ۶۴۹ -

پس اگر تمہارا بیان واقع میں صحیح ہے تو تم پر طلاق بائن واقع ہو گئی اور تم کو شوہر کے ساتھ مقام اور تمکین جائز نہیں ہے باقی اگر برضامندی تجدید نکاح کر لو تو جائز ہے کیونکہ طلاق تین نہیں ہیں - فقط ۱۸ رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۱۱۷)

حکم شہادت طلاق بذریعہ سماع واقعہ من وراء الحجاب وحکم طلاق باقرار خود

سوال (۵۳۴) ایک شخص نے اپنے گھر میں جہاں بجز اس کی خوش دامن اور بی بی کے دوسرا کوئی نہ تھا اپنی بی بی کو طلاق دیا وقت رات کا تھا صبح کو اس نے کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو دو طلاق دی ہیں اور ایک مرتبہ کہا ہے لیکن دوسرے دو آدمی جو کہ طلاق دہندہ کے مکان کے سوا دوسرے گھر میں تھے (بیچ میں چند دیوار کھڑی ہیں) کہنے لگے کہ اس نے دو طلاق دو طلاق دو مرتبہ کہا ہے اس صورت میں بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ یہ شہادت من وراء الحجاب ہے آواز سن کر کہتے ہیں مقبول نہیں فقط اقرار طلاق دہندہ کا معتبر ہو گا اور دو ہی طلاق واقع ہوں گی اور بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس

شخص طلاق دہندہ کو گواہوں نے اگرچہ نہیں دیکھا ہے لیکن چونکہ وہ کسی دوسرے شخص کے بیچ میں بولنے کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ ایک بار دو طلاق کے لفظ کہنے کا اقرار کرتا ہے تو فرد وہ شہادت مقبول ہوگی گو من وراء الحجاب ہے اس واسطے کہ وہ طلاق دہندہ کہتا ہے کہ اس مکان میں بجز میرے اور میری خوشدامن اور بی بی کے کوئی نہ تھے خوشدامن اور بی بی میں سے کوئی بھی یہ دوہرا دو طلاق کے لفظ بولنے کا اقرار نہیں کرتیں سو معلوم ہوا کہ یہ تلفظ فقط اسی طلاق دہندہ کا ہے اس صورت میں سوال اس بات کا ہے کہ عالمگیری میں ہے ولو سمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان یشہد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمۃ تشبہ النغمۃ الا اذا کان فی الداخل وحدہ ودخل وعلم الشاہد انہ لیس فیہ غیرہ ثم جلس علی المسلک ولیس لہ مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لانہ یحصل بہ العلم وینبغی للقاضی اذا فسرلہ لا یقبلہ کذا فی التبیین انتہیٰ۔

اس عبارت سے تلقین تیقن کیواسطے تشدد معلوم ہوتا ہے سوال کے اندر جس قدر تفصیل لکھی گئی ہے اس قدر تیقن کے واسطے کافی ہوگا یا نہیں اور صورت مرقومہ میں کون سی طلاق معتبر ہوگی۔

الجواب۔ یہ شہادت معتبر نہیں اقرار ہی کا اعتبار ہوگا عالمگیریہ میں جو قیود لکھی ہے وہ یہاں کہاں ہیں مثلاً ثم جلس الخ اور یہ بہت ظاہر ہے۔ ۱۳ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ۲ ص ۶۸)

تحقیق اضافت در باب طلاق

سوال (۵۳۵) بعد اتحاف تحفہ مسنونہ و اظہار نیازمندی ہائے ہر گونہ معروض ایں کہ در فتاوی عالمگیریہ در فصل سابع کہ دریں طلاق بالفاظ فارسیہ است مرقوم است فی الفتاوی الرجل قال لامرأۃ اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف التاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا وفیہ ایضاً ولو قالت طلقنی فضربہا فقال اینک طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع وفیہ ایضاً سکران ہربت منہ امرأۃ فتبعہا فلم یظفر بہا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئاً لا یقع کذا فی الخلاصۃ از عبارات مذکورہ بالا بخوبی معلوم می شود کہ در وقوع طلاق اضافت صریحہ از بس لابدی ست و اگرچہ مذاکرۂ طلاق در میان باشد بلا اضافت صریحہ طلاق واقع نہ گردد و از عبارت خلاصہ وان لم یقل شیئاً

لا یقع ہویدا می گردد کہ صرف نیت طلاق زن ہم بس نیست تاوقتیکہ بزبان اقرار نہ کند کہ من نیت طلاق خلانہ کردہ ام و علامہ شامی در اوائل باب الصریح بر حاشیہ قولہ لترکہ الاضافت از خود نظرے پیش کردہ و تحقیق نمودہ کہ از بہر وقوع طلاق ضرورت اضافت صریحہ نیست و در عالمگیری در ہماں فصل ست لو قالت مرا طلاق دہ و مرا طلاق دہ فقال دادم یقع ثلاث بہر حال از بعض عبارات عالمگیریہ معلوم می شود کہ از بہر وقوع طلاق اضافت صریحہ ناگزیر ست و از بعض عبارات دیگر عالمگیری و از تحقیق علامہ شامی ہویدا می شود کہ ضرورت اضافت صریحہ نیست امید کہ دفع تدافع مذکور بگونہ خوب نمایند۔

الجواب۔ از قواعد و جزئیات چناں می نماید کہ شرط وقوع طلاق مطلق اضافت ست نہ کہ اضافت صریحہ آرے تحقق مطلق اضافت محتاج ست بقرائن قویہ و قرائن ضعیف محتملہ در آں کافی نیست پس در جزئیا تیکہ حکم بعدم وقوع کردہ اند سبب نہ آنست کہ در و اضافہ صریحہ نیست بلکہ سبب آن ست کہ در و قرینہ قویہ بر اضافت قائم نیست و آں قرینہ بہ تتبع چند قسم ست اول صراحۃ اضافت و آں ظاہر است کما فی قولہ انیکت دوم نیت کما فی قولہ عنیت امرأتی و از عبارت خلاصہ و ان لم یقل شیئاً لایقع شبہ کردہ شود کہ نیت بلا اضافت صریحہ کافی نیست زیرا کہ معنے لایقع اے لایحکم بوقوعہ مالم یقل عنیت است چرا کہ بدون اظہار ناوی دیگراں را علم نیت چگونہ می تواں شد فاذا قال عنیت یقع لا لقولہ عنیت لانہ لیس موضوعا للطلاق بل بقولہ سہ طلاق مع النیۃ فافہم فانہ متعین تیقن سوم اضافہ در کلام سائل کما فی قولہ دادم فی جواب قولہا مرا طلاق دہ و لہذا ثلث واقع شود لتکرار ہا ثلاثا و رنہ کلام دادم نہ برائے طلاق موضوع ست و نہ برائے عدد ثلثہ۔ چہارم عرف کما فی روایۃ الشامی الطلاق یلزمنی پس در جزئیا تیکہ ہمہ قرائن مفقود باشند طلاق واقع نہ خواہد شد لا لعدم الاضافۃ الصریحۃ بل لعدم مطلق الاضافۃ پس بریں تقریر در مسائل ہیچگونہ تدافع نیست ہذا ما عندی و لعل عند غیری احسن من ہذا۔ ۳ر محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۶)

وقوع طلاق بائن بلفظ فارغ خطی

سوال (۵۳۶) بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ میرے ایک دوست کو عرصہ آٹھ سال کا گزرا یہ اتفاق پیش آیا کہ اس کی عورت

اور اس میں تکرار ہوئی عورت نے رہنے سے انکار کیا مرد نے رکھنے سے انکار کیا مرد نے عورت سے یہ کہا کہ تو مہر معاف کردے میں تجھ کو فارغ خطی لکھوائے دیتا ہوں چنانچہ عورت نے چند حاضرین کے سامنے مہر معاف کیا جن کا نام اس وقت یاد نہیں ہے اور مرد نے ایک رقعہ ایک شخص معلوم سے لکھوا کر اُس عورت کو دیا اُس کا مضمون یہ تھا چونکہ مسماۃ فلاں میرے نکاح جدید پر میرے پاس رہتی ہے ناراض ہوکر لڑتی جھگڑتی رہتی ہے اور فارغ خطی چاہتی ہے اور مہر معاف کرتی ہے اس واسطے یہ چند کلمہ مسماۃ مذکور کو لکھ کر بطور فارغ خطی کے دئیے جاتے ہیں کہ اب مجھ کو اس عورت سے کچھ سروکار نہیں ہے اس ملک میں فقط فارغ خطی بجائے لفظ طلاق کے مستعمل ہے اس واقعہ کو دو ماہ گزرے ہوں گے کہ پھر اُن مرد و عورت میں رنجش دور ہوکر سلوک ہوگیا اور میاں بی بی کی طرح اس وقت تک رہتے سہتے چلے آرہے ہیں مجھ سے اس مرد نے جس کا یہ واقعہ ہے اپنا پریشان ہونا ظاہر کیا کہ آیا طلاق ہوچکی ہے یا نہیں اس مسئلہ کو بہشتی زیور میں تلاش کیا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اس پر بغیر فتوےٰ خاص کے کاربند ہونا دشوار ہے لہٰذا حکم موافق شرع شریف صادر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ یہ لفظ فارغ خطی کنایہ ہے اور چونکہ اس سے ایقاع بائن متعارف ہے اس لئے بلانیت اس سے طلاق بائن واقع ہوجاوے گا کما فی ردالمحتار فی قولہ حرام مانصہ وسیاتی وقوع البائن بہ بلانیۃ فی زماننا للتعارف الی اٰخرھا قال واطال ج ۲ صہ ۷۶۲ - اور یہاں تو مذاکرہ طلاق بھی ہے جس میں لفظ بریۃ خلیۃ سے بلانیت واقع ہوتا ہے اور یہ لفظ اُسی کا ہم معنی ہے کما فی شباک فی ردالمحتار ج ۲ صہ ۷۶۵ اور چونکہ بینونۃ غلیظہ کی کوئی دلیل نہیں اس لئے بینونۃ خفیفہ ثابت ہوگی جس میں تجدید نکاح زوجین میں بلاحلالہ جائز ہے پس صورت مسئولہ میں بلاتجدید نکاح تو ان زوجین کا اجتماع حرام ہے لیکن بلاحلالہ تجدید نکاح کرلیں۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صہ ۱۳۳)

حکم تعلیل طلاق مغائر تعلیق آں

سوال (۷۳۵) ایک روز کا یہ واقعہ ہے کہ میں نے بغرض کچھ ضرورت کے اپنے گھر والوں سے کچھ طلب کیا اور یہاں تک ہوا کہ میں نے غصہ میں یہ سمجھا کہ اگر اب ضرورت رفع ہوئی تو بڑا نقصان ہوگا میں نے اپنے گھر والوں سے تین

مرتبہ کہا کہ اگر تم یہ کام نہیں کرتے تو جاؤ میں نے طلاق دیدی پھر گھر والوں نے مجھے روپیہ کا بندوبست کر کے دیدیا اگر آپ اس مسئلہ کو حل کر کے جواب دیویں تو عین بندہ پروری و مہربانی ہوگی۔

الجواب۔ اس صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اس وقت تک تو وہ کام نہ کیا تھا فقولہ اگر تم یہ کام الخ للتعلیل لا للتعلیق۔ ۲۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ۲ ص ۱۶۷)

معنے حدیث حتے تذوق عیلۃ اور حلالہ میں انزال کا شرط نہ ہونا

سوال (۵۳۸) بعض کتاب میں جو لکھا ہے کہ حلالہ نفس دخول سے ہوجاتا ہے انزال شرط نہیں تو حدیث عیلہ کا کیا جواب ہوگا عدم انزال میں تو تذوق صادق نہیں آئے گا۔

الجواب۔ ذوق اور عیلہ بالتصغیر عدم اشتراط انزال ہی کے موید ہیں کہ مشعر ہیں تقلیل سے اور انزال سے تو شبع حاصل ہوجاتا ہے اُس کو ذوق سے تعبیر کرنا قدرے بعید ہے۔ ۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۶۰)

شرط وقوع طلاق بلفظ از نکاح من بیرون است

سوال (۵۳۹) زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا کچھ عرصہ تک وہ اس کے ہمراہ رہی پھر اس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا اور اس نے یہ بھی لکھدیا کہ اگر دو ماہ تک بھی میں خرچ نہ دونگا تو ہندہ میری نکاح سے باہر ہے آج تخمیناً نوماہ گزر چکے ہنوز اس نے ایک ماہ کا بھی خرچ نہ روانہ کیا آیا کیا یہ ہندہ اس زید کے نکاح سے باہر ہوگئی یا نہیں اور اس عرصہ میں عورت کو آٹھ حیض آچکے۔

الجواب۔ جب اس نے دو ماہ خرچ نہیں دیا وہ مطلقہ ہوگئی اور چونکہ اس کے بعد رجعت بھی نہیں کی گئی اور اس کو تین حیض بلکہ زیادہ آچکے پس عدت بھی گزر گئی اس لئے اس کو دوسرا نکاح جائز ہے۔ لما فی الدر المختار لست لک بزوج او لست لی بامرأة او قالت لہ لست لی بزوج فقال صدقت طلاق ان نواہ وفی رد المحتار قولہ طلاق ان نواہ لان الجملۃ تصلح لانشاء الطلاق کما تصلح لانکارہ فیتعین الاول بالنیۃ الی قولہ واشار بقولہ طلاق الی ان الواقع بھذہ الکنایۃ رجعی کذا فی البحر من الکنایات ج ۲ ص ۴۶۴ قلت ولما قامت القرینۃ ھٰھنا علٰی کون الکلام للانشاء کما یدل علیہ التعلیق تعین کونہ انشاء فیقع بلا نیۃ۔ البتہ اگر عدت کے درمیان میں شوہر نے رجعت کر لی ہو تو دوبارہ سوال کرنا چاہئے۔

۱۵ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹)

حکم اقتصار تخییر طلاق بر مجلس

سوال (۵۴۰) میرے دل میں ایک خیال آیا جس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر زوج کا مقصود (اگر تم چاہتی ہو تو طلاق طلاق طلاق) کہنے سے تعلیق نہ ہو تعلیل ہو تب تو طلاق ہو ہی گیا لیکن اگر تعلیق مقصود ہو تو اسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ جبکہ زوجہ نہ چاہتی تھی لیکن اگر اب عورت چاہے اور اپنی زبان سے کہدے کہ میں چاہتی ہوں تو طلاق واقع ہو گا یا نہیں کیونکہ تعلیق مقصود ہونے کی صورت میں طلاق نہ ہونے کی وجہ عورت کا نہ چاہنا تھا اور اب عورت چاہتی ہے اور اب عدت گزرنے کے بعد اس کا دوسرا نکاح کر دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب - فی رد المحتار ان التعلیق بالمحبۃ یقتصر علی المجلس لکونہ تخییراً حتی لو قامت وقالت احببت لا تطلق اھ ج ۲ ص ۸۲۸ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ اب کہنے سے طلاق نہ ہوگی کیونکہ مجلس ختم ہو گئی۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۹)

توقف ثبوت اقرار طلاق بر حجت

سوال (۵۴۱) متعلق سوال بالا) زوج نے صرف اپنی بچی سے یہ کہا ہے کہ مجھ سے یہ غلطی تو ہو گئی ہے لیکن میں اور کسی سے اس کا اقرار نہ کروں گا اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر مجھ سے یہ غلطی ہو گئی ہے تو میں پھر نکاح کرنے کو تیار ہوں میرا پھر نکاح کرا دیا جاوے تو ان باتوں سے اقرار طلاق دینے کا سمجھا جاویگا یا نہ۔

الجواب - اس جملہ شکیہ سے تو اقرار طلاق کا نہ سمجھا جاوے گا لیکن بچی سے جو کہا ہے یہ اقرار ہے مگر یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک طلاق کا اقرار کیا ہے یا تین کا دوسرے یہ کہ اس اقرار کا ثبوت کس حجت سے ہو گا۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۲۹)

عدم وقوع طلاق بہ گفتن ایں لفظ یونہی سمجھو در حالت مذاکرہ طلاق

سوال (۵۴۲) خادمہ کی لڑکی کا نکاح عرصہ سات برس کا ہوتا ہے کہ مسمی فضل حسین سے ہوا یہ لڑکا پہلے چال چلن کا اچھا تھا اب عرصہ چار یا پانچ برس سے نشۂ شراب میں زدو کوب سے پیش آتا ہے اور بے انتہا مارتا ہے آخر لوگوں نے کہا کہ تم اس قدر مارتے ہو اگر وہ موافق نہیں ہے تو اس کو طلاق دیدو اُس نے کہا کہ تم لوگ ایسا ہی سمجھو لہٰذا دو برس سے میرے گھر میں موجود ہے ایسی صورت میں نکاح باطل ہوا یا نہیں طلاق ثابت ہوئی یا نہیں۔

الجواب - فی العالمگیریۃ امرأۃ قالت لزوجہا مرا طلاق دہ فقال الزوج

دادہ گیر دکردہ یراد قال دادہ بادو کردہ باد ان نوی یقع ویکون رجعیا وان لم ینو لا یقع وفیہما او لو قال دادہ انگار اوکردہ انگار لا یقع وان نوی ص۲۷ ج۲- اور یہ لفظ کر تم لوگ ویسے ہی سمجھو ترجمہ ادہ انگار کا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی- ۹ ر ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص۱۶۱)

حکم زن مطلقہ ثلاثہ ناقابل وطی

سوال (۵۴۳) ایک عورت اس صورت پر ہے کہ فقط پیشاب کرسکتی ہے اور اس کا شوہر اس سے وطی نہیں کرسکتا اور اس کو حیض بھی نہیں آتا اب اس حالت پر اُس کے شوہر نے اُس کو تین طلاق دیدیں پھر اُس عورت کا شوہر دوبارہ اُس کو اپنے یہاں لانا چاہتا ہے اب کس صورت پر لاسکتا ہے تحلیل کرنا پڑے گا یا نہیں اگر تحلیل کرنا پڑے تو کس طرح پر کرے عدت ہوگی یا نہیں تحلیل کے واسطے دخول ہونا چاہیے اب دخول نہیں ہوسکتا بباعث تنگی محل کے-

الجواب- فی الدر المختار احکام الخلوۃ الصحیحۃ والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی شرعی ومن الحسی رتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وغدل بفتحتین غدۃ الخ فی رد المحتار القرن فی الفرج مانع یمنع من سلوک الذکر فیہ اما غدۃ غلیظۃ او لحم او عظم الخ فی الدر المختار بعد العبارۃ المذکورۃ کالوطاء الی قولہ فی ثبوت النسب والی قولہ وکذا فی وقوع طلاق بائن اخر علی المختار لا تکون کالوطا فی حق بقیۃ الاحکام کالغسل والاحصان وحرمۃ البنات وحلھا للاول والرجعۃ فی رد المحتار قولہ وحلھا للاول ای لا تحل مطلقۃ الثلاث للزوج الاول بمجرد خلوۃ الثانی بل لا بد من وطئہ لحدیث العسیلۃ وفی الدر المختار باب الرجعۃ والشرط ای للحل الاول) التیقن بوقوع الوطاء فی المحل المتیقن وفیہ وکانہ ای ما فی القنیۃ من قولہ والایلاج فی محل البکارۃ یحلھا) ضعیف الخ وفی رد المحتار من البحرانہ لو اتی امراۃ وھی عذراء لا غسل علیہ مالم ینزل لان العذرۃ مانعۃ من مواراۃ الحشفۃ اھ ای ولا یحلھا الا الوطاء الموجب للغسل ط

روایات بالا سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

۱ ایسی عورت سے خلوت صحیحہ نہیں ہوتی للمانع۔

۲ پس یہ مثل غیر موطوءہ کے ہوگی اس لئے اگر اس کو تین طلاق ایک جلسے دی یعنی یوں کہا کہ تجھ پر تین طلاق تو تینوں طلاق واقع ہوں گی اور اگر جدا جدا طلاق دی تو ایک ہی واقع ہوگی۔

۳ جب ایک طلاق ہو تو شوہر اول کو نکاح کافی ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

۴ اور اگر تینوں واقع ہوئیں تو حلالہ واجب ہے اور حلالہ ممکن نہیں لہٰذا شوہر اول سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ (تتمہ خامسہ ص۴۷)

نہ بودن ارتداد در حکم طلاق

سوال (۵۴۴) اگر زید اپنی زوجہ کو طلاق رجعی یکے بعد دیگرے دو مرتبہ دے چکا ہے اور اس کی زوجہ کی زبان سے کلمہ کفر جاری ہو گیا اور پھر اس نے اسی وقت تجدید ایمان کر لیا تو اُن کا نکاح ہو جائے گا، یا بسبب اس ارتداد کے اُس کی طلاق مغلظہ کا حکم حاصل ہوگا اور یہ کہنا خدا نے کس مصیبت میں ڈال دیا مثلاً قحط کی تنگی سے یہ کہدیا تو موجب ارتداد ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ صورت مسئولہ میں ارتداد بحکم طلاق مغلظہ نہیں فقہاء نے تصریح کی ہے (کما فی الدر المختار کتاب الطلاق) تخرج الفسوق کخیار عتق وبلوغ وردۃ فانہ فسخ لا طلاق وفیہ باب الولی فسخ لا ینقص عدد الطلاق) کہ ارتداد فسخ ہے طلاق نہیں ہے تجدید ایمان کے بعد نکاح کی تجدید جائز ہے حلالہ کی ضرورت نہیں اور یہ کلمہ کہ خدا نے الخ میرے نزدیک بیہودہ کلمہ ضرور ہے مگر موجب ارتداد نہیں مقصود جناب حق میں گستاخی نہیں بلکہ محض اظہار تنگی ہے اور چونکہ خالق سب احوال کا حق تعالیٰ ہے اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی۔

۲۶ رمضان ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص۹۲)

تحقیق: بودن خلوت صحیحہ در حکم وطی در بارۂ تحلیل

سوال (۵۴۵) کیا حلالہ کی صورت میں خلوت صحیحہ بھی جواز کے لئے کافی ہو جاوے گی یعنی خلوت صحیحہ میں کوئی مانع عورت کی جانب سے نہ تھا مرد کو رغبت ہی وطی کی نہ ہوئی اس لئے وطی نہیں ہوئی تو کیا ایسی خلوت صحیحہ کے بعد وہ عورت اپنے اول شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔

الجواب- لاتکون (الخلوة الصحیحة) کالوطی فی حق بقیة الاحکام کالغسل والاحصان وحرمة البنات وحلها للاول الخ قوله وحلها للاول ای لا تحل مطلقة الثلث للزوج الاول بمجرد خلوة الثانی بل لا بد من وطئه لحدیث العسیلة درمختار مع شامی (ج ۲ ص ۵۶۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ محض خلوت صحیحہ حلالہ کے لئے کافی نہیں۔ ۷ ر صفر ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۶)

حکم طلاق مکرہ کہ بہ نیت طلاق نیت تقلید امام شافعی کند

سوال (۵۴۶) شکرُہ شخص طلاق دیتے وقت نیت اس طرح کی کرے کہ میں اس طلاق دینے میں اتباع اور تقلید مذہب شافعی کی کرتا ہوں اور الفاظ طلاق کو ہلاکت کے خوف سے فقط زبان سے کہدیا تو باوجود حنفی ہونے شخص مکرہ کے یہ نیت معتبر اور طلاق واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب- اول تو اسی میں کلام ہے کہ دوسرے مذہب کی تقلید کے شرائط یہاں متحقق ہیں یا نہیں اور قطع نظر اس سے اُس کو اپنے التزام کے ترک کرنے کا اختیار ہوگا مگر دوسرے کے التزام میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں یعنی عورت پر اس کا یہ فعل کیسے حجت ہوگا اس لئے اس کو ایسی طلاق کے بعد مرد کی تمکین اپنے نفس پر جائز نہ ہوگی۔ ۲۵ ر رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۱)

سوال (۵۴۷) مکرہ شخص طلاق دیتے وقت نیت اس طرح کی کرے کہ میں اس طلاق دینے میں اتباع اور تقلید مذہب شافعی کی کرتا ہوں اور الفاظ طلاق کو ہلاکت کے خوف سے فقط زبان سے کہدیا تو باوجود حنفی ہونے شخص مکرہ کے یہ نیت معتبر اور طلاق واقع ہوگی یا نہیں فقط جواب بحوالہ کتاب اور نقل عبارت ہونا چاہئے۔

الجواب- اوّل تو اسی میں کلام ہے کہ دوسرے مذہب کی تقلید کی شرائط یہاں متحقق ہیں یا نہیں اور قطع نظر اس سے اس کو اپنے التزام کے ترک کرنے کا اختیار ہوگا مگر دوسرے کے التزام میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں یعنی عورت پر اس کا یہ فعل کیسے حجت ہوگا اس لئے اس کو ایسی طلاق کے بعد مرد کی تمکین اپنے نفس پر جائز نہ ہوگی۔ ۲۵ ر رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۳)

حکم گفتن ایں الفاظ (میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو اپنے پاس ہرگز نہ رکھونگا میرا دوسرا نکاح کردو۔ قطع تعلق کردو)

سوال (۵۴۸) براہ کرم ان الفاظ سے کیا ثابت ہوتا ہے تحریر فرماکر مشکور فرمادیں اور برائے خدا جواب سے جلد بواپسی ڈاک مطلع فرمادیں تاکہ اطمینان ہووے (میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو اپنے پاس ہرگز ہرگز نہ رکھونگا چونکہ والدہ صاحبہ آپ کے پاس ہیں اُن سے کہدیجئے گا کہ وہ میرا دوسرا نکاح کرادیں اگر کوئی بیوہ عورت ہو تو مناسب ہے میں بجنور سے قطع تعلق کر چکا) بجنور سے اس کا مقصد بیوی کا تھا چونکہ بجنور میں سوائے اس کی بیوی کے اور کوئی نہیں ہے۔

الجواب۔ ظاہر ہے کہ اس کا صریح مدلول تو یہ ہے نہیں کہ منکوحہ سے قطع تعلق کر چکا کیونکہ ممکن ہے کہ بجنور نہ جاوے زوجہ کو بلالے یا زوجہ خود آجاوے نظیرہ ما فی الدر المختار باب الایلاء او قال وھو بالبصرۃ واللہ لا ادخل مکۃ و ھی بھا لا یکون مولیا لانہ یمکنہ ان یخرجھا منھا فیطء ھا۔ البتہ احتمال یہ ہے کہ یہ کنایہ ہو جیسا کہ صیغۂ مذکور کے متعلق شامی میں ط سے نقل کیا ہے وقد یجاب بانہ من کنایۃ فلا یکون مولیا بہ الا بالنیۃ سو اول تو یہ منقول نہیں محض ایک بحث ہے دوسرے ظاہر ہے کہ یہ لکھنا نہ حالت مذاکرہ طلاق میں ہے گو مذاکرۂ نکاح جدید میں ہے اور مذاکرۂ نکاح جدید مستلزم مذاکرۂ طلاق کو نہیں کیونکہ دو منکوحہ جمع ہو سکتی ہیں اور نہ حالت غضب میں ہے بلکہ حالت رضی میں ہے جس میں جمیع اقسام کنایہ میں نیت شرط ہے تو کیا وہ نیت طلاق کا اقرار کرتا ہے البتہ انکار نیت کی حالت میں اس سے قسم لے سکتے ہیں۔

فی الدر المختار باب الکنایات ففی حالۃ الرضی ای غیر الغضب والمذاکرۃ تتوقف الاقسام الثلثۃ تاثیرا علی نیۃ الاحتمال والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعۃ للحاکم۔ فان نکل فرق بینھما مجتبیٰ اور اگر مذاکرۂ طلاق ہر اس جملہ کو دال کہا جاوے کہ اُس کو اپنے پاس نہ رکھونگا تو اس میں کلام ہے باوجود بقاء نکاح کے ممکن ہے کہ بوجہ نفرت کے اپنے پاس نہ رکھے ۔ ۷ر شوال ۱۳۴۲ ہجری

(تتمہ خامسہ ص ۱۱۳)

از ترجیح الراجح جلد خامس ص ۱۹

(۱) در بہشتی زیور حصہ چہارم باب طلاق ص ۲۳ مثال طلاق بائن دادہ اند (میں نے تجھ کو چھوڑ دیا) ایں صحیح نیست کہ بایں لفظ طلاق رجعی واقع می شود کہ صریح لفظ لغت ہندیہ است وصریح ہر لغت معتبر است صریحہ مالم یستعمل الا فیہ ولو بالفارسیۃ ۱۲ ردالمحتار ص ۲۰۷ لاسیما آں جناب مدظلہٗ در امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۶۶ تسلیم فرمودہ اند کہ ایں لفظ صریح است باو طلاق رجعی واقع می شود پس صواب در تمثیل کنایہ این ست کہ فرمودندی (جیسے کوئی کہے میں نے تجھ کو جدا کیا اور الگ کیا۔

یہ فرمانا آپ کا بجاہے الخ یہ فرمانا آپ کا بجاہے کہ اس لفظ کا غالب استعمال عرفاً طلاق ہی میں ہوتا ہے جناب مولوی شاہ احمد علی صاحب رح جو ابتدائے حصص بہشتی زیور کے مؤلف تھے غالب یہ ہے کہ انھوں نے اس لفظ کا استعمال مخصوص بطلاق نہیں سمجھا۔ اس وجہ سے اس کو کنایہ میں داخل کیا اور ایسا سمجھنا مستبعد نہیں ہے کہ یہ استعمال محل تامل ضرور ہے۔

الفاظ (میں نے یکبارگی چھوڑ دیا)

سوال (۵۴۹) زید نے اپنی بی بی کو دو طلاق گواہوں کے سامنے دیکر دوسرے آدمی ثقہ کے پاس جاکر کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدیا اُس نے پوچھا کہ تو نے کتنی طلاق دیا زید نے اس لفظ سے جواب دیا کہ میں نے ایک بارگی چھوڑ دیا ہے (یعنی کُل طلاق دیا) اور شوہر خود بھی اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی بی بی کو کُل طلاق دیا ہے اب اس صورت میں اُس عورت کو کتنی طلاق واقع ہو گی۔ بینوا بالنقل والبرہان توجروا من اللہ

الجواب۔ اگر زید نے صرف یہ الفاظ کہے ہیں کہ ایکبارگی چھوڑ دیا اور یہ تفسیر یعنی کُل طلاق دیا سائل نے اپنی طرف سے کر لی ہے تب تو حکم زید ہی کے کہے ہوئے الفاظ سے متعلق ہو گا جس کی تحقیق یہ ہے کہ ایکبارگی چھوڑنے کا مطلب تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ نکاح کا بالکل قطع کر دیا ہو رجعت کی گنجائش نہیں رکھی تو اس صورت میں یہ حاصل ترجمہ ہوا لفظ البتہ کا

جس میں طلاق بائن واقع ہوتا ہے فی الدر المختار ویقع بقولہ انت طالق بائن او البتۃ الی قولہ واحدۃ بائنۃ ج ۲ ص ۷۳۷ و ۷۳۸۔ البتہ اگر وہ بیان کرے کہ میری مراد اس سے بینونۂ غلیظہ یعنی تین طلاق ہیں تو تین واقع ہو جائیں گی لما بعد العبارت المذکورۃ ان لم ینو ثلاثا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ فتصح اھ۔ تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ نہ رجعت کی گنجائش رہی نہ نکاح جدید بلا تحلیل کی اور اگر لفظ کل طلاق دریا خود زید ہی کے الفاظ ہیں تو یہ لفظ خود تین طلاق کے وقوع کو مفید ہوگا۔ فی رد المحتار عن مختارات النوازل فی قولہ کل الطلاق انہ یقع ثلاث وعن الذخیرۃ فی قولہ انت طالق الطلاق کلہ ثلاث ثم قال ولا فرق یظہر بین کل الطلاق والطلاق کلہ تامل ج ۲ ص ۷۴۳۔ اور اس کے قبل جو دو[۲] طلاق دی ہیں اگر وہ ایسے لفظ سے تھی کہ محتمل بینونۃ کے تھے تب تو یہ اس کی تفسیر ہو سکتی ہے اور اگر وہ ایسے لفظ سے تھے کہ محتمل بینونۃ نہ تھے تو اس کو لقرینۂ مقام انشاء تو نہ کہیں گے کما فی رد المحتار اذا قال انت طالق ثم قیل لہ ما قلت فقال قد طلقتہا او قلت ھی طالق فھی طالق واحدۃ لانہ جواب کذا فی کافی الحاکم ج ۲ ص ۷۵۵ اور نہ یوں کہیں گے کہ اس دو[۲] رجعی صریح مراد بائن یا تین تھی لما فی الدر المختار ویقع بہا الی قولہ واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافہا من البائن او اکثر ج ۲ ص ۷۰۷۔ بلکہ اس کو اقرار کہا جاوے گا پس اگر اس کا محکی عنہ واقع میں موجود ہے خواہ کسی کو علم ہو یا نہ ہو تب تو اقرار صادق ہے کہ دیانۃً بھی طلاق ہو جاتا ہے اور اگر اس کا محکی عنہ واقع میں موجود نہیں تو اقرار کاذب ہے مگر قضاءً اس سے وقوع ہو جاوے گا۔ فی رد المحتار عن البزازیۃ والقنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذبا لا یقع دیانۃً ج ۲ ص ۶۹۴۔ اور عورت کو مثل قاضی کے معاملہ کرنا چاہیے یعنی اس اقرار کو صادق سمجھے لما فی رد المحتار ان المرأۃ کالقاضی لا یحل لہ ان تمکنہ اذا علمت منہ ما ظاہرہ خلاف مدعاہ ج ۲ ص ۷۶۹۔ ولا تشکن فی قولی نہ یوں کہیں گے الخ بما فی الدر المختار طلقہا واحدۃ بعد الدخول فجعلہا ثلاثا صح ج ۲ ص ۷۶۹۔ لان معناہ انہ الحق بہا[عہ] اثنتین

عہ یعنی قولہ جعلتہا ثلثا معناہ الحقت بہا اثنتین بعین ہذا القول لان المراد بالواحدۃ السابقۃ ثلثا منہ ۱۲

لانہ جعل الواحد ثلثا کذا فی رد المحتار الصفحۃ المذکورۃ اور یہ سب مدخول بہا کے لئے تفصیل ہے۔ ۲۱ر صفر ۱۳۲۸ھ

سوال (۵۵۰) ایک شخص نے اپنی عورت کو باہمی نزاع میں یہ کہدیا تھا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ کے بعد میں پھر اُن دونوں میں نزاع ہوا تو اس نے پھر یہ کہا کہ اب میں ماں کر کے رکھوں یا بہن کر کے گھر میں رکھوں اس کلمہ کے بعد اُس عورت سے کوئی کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا بلکہ اُس کے ہاتھ کا کھانا تک بھی نہیں کھایا اور عرصہ چھ ماہ سے زیادہ گزر چکا ہے الحال دونوں میں صلح ہوئی اور تجدید نکاح پر آمادہ ہوئے نکاح پڑھنے والے نے اس بات کی تحقیقات کی اس شخص سے دریافت کیا کہ تو نے کیا کلمہ کہا اُس نے جواب دینے میں اس معاملہ کو چھپا لیا بعد اُس کے مجبور ہو کر کہا صاحب میں نے تو جو طلاق کا حق ہوتا ہے وہی دی تھی اب اس کی تجدید نکاح ہو سکتی ہے یا نہیں اور جو شخص ماں یا بہن کہہ لے اُس کا کفارہ کیا ہے اور وہ شخص اگر کفارہ بھی نہ ادا کرے تو اُس کی تجدید نکاح جائز ہے یا نہیں تیسری بات یہ کہ ایک یا دو طلاق کے بعد تجدید جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ پہلی بار میں جب کہا چھوڑ دی یہ طلاق صریح اور رجعی ہے پھر جب دوسری بار میں کہا کہ ماں کر کے رکھوں یا بہن کر کے یہ تشبیہ ہے محارم کے ساتھ جس میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے لیکن بعد میں پوچھنے کے وقت اُس کا یہ کہنا کہ جو طلاق کا حق ہوتا ہے دیدی ہے یہ قرینہ ہے کہ اس لفظ سے طلاق مقصود تھی پس یہ طلاق بالکنایہ اور بائن ہوئی غرض ایک طلاق رجعی ہوئی اور ایک بائن اگر اس نے ایسا ہی کوئی لفظ تیسری بار نہیں کہا بلکہ صرف یہی دو کلمہ دو دفعہ کر کے کہے تو اب نکاح جدید شوہر اول سے درست ہے اور اگر تیسری بار بھی کچھ ایسا ہی لفظ کہدیا تو بدون حلالہ نکاح درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم ۱۶ر ربیع الثانی ۲۴ھ (امداد ج ۲ ص ۹۶)

عدم صحت حلالہ از نکاح فاسد

سوال (۵۵۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید نے ہندہ کو طلاق دیدی اور ہندہ نے اندر عدت کے بکر سے نکاح کر لیا بکر نے تین چار روز اپنے یہاں رکھ کر ہندہ کو طلاق دیدی اب زید ہندہ سے مکرر نکاح کرنا چاہتا ہے بعد عدت نکاح بکر کے تو نکاح

درست ہے یا نہیں اور حلالہ ہوگیا یا نہیں ہوا اور نکاح بکر میں مجامعت کا ہونا شرط ہے یا نہیں۔

سوال نمبر ۲۔ عمرو نے ایک عورت کو طلاق دیدی اور وہ عورت چکلہ میں جا بیٹھی تو اب عمرو اس سے نکاح کرے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب عن السوالین۔ فی الدر المختار باب العدۃ ھی تربص یلزم المرأۃ عند زوال النکاح فلا عدۃ لزنا او شبھتہ کنکاح فاسد فی رد المحتار قولہ فلا عدۃ لزنا بل یجوز تزوج المزنی بھا وان کانت حاملا لکن یمنع عن الوطی حتی تضع والا فیندب لہ الاستبراء ط ج ۲ ص ۹۸۶ وفی الدر المختار لا تنکح مطلقۃ بھا ای بالثلاث حتی یطاء ھا غیرہ بنکاح نافذ خرج بہ الفاسد والموقوف وفی رد المحتار وبہ علم انہ کان ینبغی للمصنف متابعۃ الکنز وغیرہ فی التعبیر بنکاح صحیح فیخرج الفاسد وکذا الموقوف الخ جلد ۲ صفحہ ۸۸۶۔

ان روایات سے چند امور ثابت ہوئے۔

۱۔ زید جو ہندہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس میں طلاق بکر کی عدت گزرنا شرط ہے کیونکہ نکاح فاسد میں عدت لازم ہے۔

۲۔ اگر زید نے تین طلاق ہندہ کو دی تھیں جس سے حلالہ واجب ہوگیا تھا تو نکاح بکر سے یہ حلالہ نہیں ہوا اس صورت میں زید کو ہندہ سے نکاح درست نہیں کیونکہ نکاح فاسد سے حلالہ نہیں ہوتا اگرچہ بکر مجامعت بھی کرتا۔

نمبر ۲۔ چکلہ میں بیٹھنے کے بعد عمرو اُس سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ زنا سے عدت واجب نہیں ہوتی اب سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۲۹)

تم اپنا عقد دوسرا کرلو کہنے سے طلاق

سوال (۵۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی زوجہ سے جس کو عرصہ تخمیناً زائد از پانچ سال کا ہوتا ہے قطع تعلق کر کے کوئی واسطہ غرض کھانا کپڑا وغیرہ سے نہیں رکھا بلکہ اپنی جائداد وغیرہ کو وقف کر کے مفقود الخبر ہوگیا اب سُنا گیا ہے کہ حیدرآباد کی طرف کہیں پر ہے زید کی زوجہ کا بیان ہے کہ زید نے بطلب نان نفقہ کئی مرتبہ کہا کہ ہم سے اب کوئی واسطہ

نہیں ہے اور نہ ہم کھانا کپڑا دیسکتے ہیں جب اس نے طلاق کے متعلق کہا کہ طلاق دیدو
اُس وقت تشدد عمل میں لاکر زید نے کہا کہ تم اپنا عقد دوسرا کرلو ہم بھی اپنا عقد کرلینگے
اور تم اپنے میکہ ماں باپ کے یہاں چلی جاؤ تو ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا عقد ثانی
شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں اور وہ زید کے نکاح سے نکل گئی یا نہیں۔

الجواب۔ عورت کا یہ کہنا کہ طلاق دیدو مذاکرہ طلاق ہے فی ردالمختار فتفسر
المذاکرۃ بسوال الطلاق وتقدیم الایقاع الیٰ قولہ المذاکرۃ ان تسألہ
ھی او اجنبی الطلاق۔ اور مرد کا یہ کہنا کہ تم اپنا عقد کرلو یہ ان کنایات میں سے ہے
جو صرف جواب کو محتمل ہیں اور جواب کی تفسیر ردالمحتار میں یہ کی گئی ہے۔ تصلح
للجواب ای اجابتہ سوالہا الیٰ قولہ قسم لا یحتمل الرد ولا السب بل
یتمحض للجواب اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ مذاکرہ طلاق کے وقت نیت کی ضرورت
نہیں اور مذاکرہ ہونا اس کا ظاہر ہے پس اگر عورت کا بیان صحیح ہے تو طلاق بائن
واقع ہوگی جس میں رجعت بھی جائز نہیں اور بعد عدت دوسرا نکاح کرسکتی ہے لیکن
اگر مرد نے اس بیان کا انکار کیا تو عورت کے ذمہ گواہوں کا قائم کرنا لازم ہے۔

۳ رذی قعدہ ۱۳۴۹ھ (النور جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ ص ۷)

نکاح کے بعد دعویٰ خارج ہوجانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال (۵۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے ہوا لیکن ہندہ زید کے یہاں
آباد نہیں ہوئی زید نے بازو[٥] دعویٰ کیا تو عدالت نے قانون کے مطابق نکاح ثابت
نہ کیا زید کا بازو دعویٰ خارج کیا گیا لیکن بے شمار لوگ ہندہ کے گاؤں کے زید کے نکاح
کا ثبوت دیتے ہیں کیا عدالت کے نفوذ حکم سے اب ہندہ دوسری جگہ نکاح کرسکتی
ہے یا زید کے ہی نکاح میں رہی۔

الجواب۔ اول تو حاکم عدالت کا مسلمان ہونا شرط ہے دوسرے حاکم مسلم کی
قضاء صرف عقد و فسخ میں نافذ ہوتی ہے اور عدم ثبوت عقد نہ عقد ہے نہ فسخ۔ لہٰذا
یہ قضاء موثر نہیں۔ اس کے مقتضاء پر دیانۃً عمل جائز نہیں۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ
(النور ماہ رمضان ۱۳۵۰ھ ص ۷)

---

[٥] محاورہ پنجابی میں بازو سے مراد عورت ہے یعنی عورت کے نکاح کا دعویٰ ۱۲ مسائل

بیان حیلۂ نکاح جبکہ یہ حلف کرے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کروں تو اسکو طلاق

سوال (۵۵۴) مندرجہ ذیل مسئلہ میں حکم شرعی جو ہو تحریر فرمایا جاوے ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دیتے ہوئے یہ کہا تجھے طلاق ہے اور اگر کسی اور عورت سے نکاح کروں تو اس کو بھی طلاق ہے یا یوں کہا کہ اگر چار یا پانچ (عدد مطلق کے یہاں بھی یاد نہیں) اور کروں تو ان کو بھی طلاق ہے ایسی حالت میں جبکہ اُس شخص کو یہ یاد نہیں کہ ان دونوں قولوں میں سے اُس نے کون سا قول اختیار کیا اگر وہ نکاح ثانی کرنا چاہے تو اُس کے جواز کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب۔ جب جواز کی صورت ہر حال میں نکل سکتی ہے اس لئے کسی خاص قول کے یاد کرنے یا اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہر صورت میں اُس تدبیر پر عمل کرکے نکاح ثانی ثالث رابع کر سکتے ہیں وہ صورت یہ ہے کہ یہ حالت نہ خود نکاح کرے نہ کسی کو نکاح کا وکیل بناوے بلکہ کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ کہے کہ میں نے ایسا حلف کرلیا ہے اور مجھکو نکاح کی حاجت ہے اور اُس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اگر بلا میری اجازت کے میرا نکاح کردے اور پھر مجھ کو خبر کردے اور میں اس کو سُنکر اُس کو جائز رکھوں تو نکاح درست ہو جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی اور یہ مضمون سُنکر کوئی شخص یہی عمل کرے اور یہ شخص سُنکر جائز رکھدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ ودلیل المسئلۃ ما فی رد المحتار نصہ فی البحر عن البزازیۃ والتزوج فعلاً اولی من فسخ الیمین فی زماننا وینبغی ان یجیٔ الی عالم ویقول لہ ما حلف واحتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منہم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (باب التعلیق من کتاب الایمان تحت قول الدر المختار بل افتاء عدل الخ)

۲۸ رجب ۱۳۵۰ھ (النور ربیع الاول ۱۳۵۱ھ ص ۳)

حکم تعلیق نکاح باطل وتفصیل صور تعلیق کتابتہً

سوال (۵۵۵) ایک شخص نے اپنا نکاح اس شرط پر کیا کہ اگر میں کہیں بے رائے اپنی بی بی یا خسر کے چلا جاؤں تو نکاح باطل ہے ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک روز کے واسطے اپنے خسر و بی بی سے اجازت لیکر مکان پر چلا گیا بعد پندرہ روز کے آیا اور ایک مرتبہ

ایسا بھی ہوا کہ اپنے خسر بی بی کے والد سے کہا کہ آپ کی مرضی ہو تو میں اپنی بی بی کو لے کر علیحدہ رہوں یہیں یا اپنے مکان پر لے جاؤں اس پر نہ اُس کی بی بی اور نہ اُس کا خسر راضی ہوا کچھ شخصوں نے اُس کے خسر کو سمجھایا مگر جب بھی راضی نہیں ہوا جو لوگ کہ سمجھانے آئے تھے کہا تمہاری بی بی ہے جس طرح سے چاہو لے جاؤ بہر کیف اُس شخص نے اپنی بی بی کو بلا رضامندی اپنے خسر اور اپنی بی بی کے کھینچکر اٹھا کر زبردستی لے گیا اور کچھ روز سے اپنے مکان پر وہ شخص ہے اور اس کا مکان چار کوس کے قریب پر ہے آیا یہ نکاح باطل ہوا یا نہیں اور نکاح کے وقت جو شرط لکھی گئی تھی اُس کی نقل یہ ہے۔ بنام فلاں ولد فلاں از طرف فلاں کے ہم نے فلاں صاحب کی لڑکی مسماۃ فلاں سے نکاح کر لیا ہے اگر بے رائے زوجہ یا خسر صاحب کے ہم چلے جائیں تو نکاح باطل ہو جائے اگر چلے جائیں تو مہر دین دیں اور از طرف خسر کے یہ ہے کہ بعد ہمارے کل کا اختیار مسماۃ فلاں (یعنی دختر) کا ہے اور فلاں فلاں گواہ شرط کے وقت ہیں۔

الجواب۔ الروایۃ الاولیٰ فی الدر المختار باب الصریح ومن الالفاظ المستعملۃ الطلاق یلزمنی والحرام یلزمنی وعلے الطلاق وعلی الحرام فیقع بلا نیۃ للعرف الروایۃ الثانیۃ فی رد المحتار باب الکنایات مانصہ وسیاتی وقوع البائن بہ ای بقولہ حرام بلا نیۃ فی زماننا للتعارف الی اخر ما قال واطال وختمہ علی قولہ وکونہ التحق بالصریح للعرف لا ینافی وقوع البائن بہ فان الصریح قد یقع بہ کتطلیقۃ شدیدۃ ونحوہ کما ان بعض الکنایات قد یقع بہ الرجعی مثل اعتدی واستبرئی رحمک وانت واحدۃ والحاصل انہ لما تعورف بہ الطلاق صار معناہ تحریم الزوجۃ وتحریمہا لا یکون الا بالبائن۔

الروایۃ الثالثۃ فی رد المحتار التعلیق شرطہ الملک کقولہ لمنکوحتہ او معتدتہ ان ذہبت فانت طالق او الاضافۃ الیہ کان نکحت امراۃ او ان نکحتک فانت طالق کما لغا ایقاعہ الطلاق مقارنا لثبوت ملک کانت طالق مع نکاحک اھ۔

پس شرط نامہ میں جو لفظ باطل لکھا گیا ہے عرف میں اس سے طلاق مفہوم ہوتی

ہے اس لئے یہ صیغہ طلاق کا ہو گا دلت علیہ الروایۃ الاولیٰ اور طلاق بھی بائن کو مفید ہو گا دلت علیہ الروایۃ الثانیۃ لیکن چونکہ یہ طلاق معلق ہے غیر نکاح کے ساتھ اور اس صورت میں نکاح کے بعد تعلیق مؤثر ہو سکتی ہے دلت علیہ الروایۃ الثالثۃ اور کاغذ لکھنا یا اُس کا حوالہ کرنا بمنزلہ تکلم بالطلاق کے ہے اس لئے دیکھنا چاہئے کہ کاغذ کب لکھا اور کب دیا اگر نکاح کے بعد لکھا ہے تو حکم یہ ہے کہ بلا اجازت چلے جانے سے طلاق بائن واقع ہو جاوے گی اور اگر لکھا تو ہو نکاح سے پہلے لیکن دیا ہے نکاح کے بعد تو بھی یہی حکم ہے کہ طلاق بائن ہو جاوے گی اور اگر نکاح کے قبل دیدیا تو اُس کا کوئی اثر نہ ہو گا اور اصلاً طلاق نہ پڑے گی اور اگر بالکل لفظ قبول کے ساتھ ہی دیا ہے گو عادۃً یہ مستبعد ہے تب بھی طلاق واقع نہ ہو گی روایت ثالثہ اس پر بھی دال ہے۔

خلاصہ جواب یہ کہ اگر یہ کاغذ نکاح کے بعد لکھا ہے یا نکاح کے بعد دیا ہے تب تو طلاق بائن ہو گئی اور اگر نکاح کے قبل دیدیا ہے یا معاً دیا ہے تو طلاق نہ ہو گی فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۲۹ ج ۲)

حکم رجسٹری طلاق و نکاح

سوال (۵۵۶) آجکل اہل الرائے نکاح و طلاق کی رجسٹری کے استحسان یا ضرورت کی رائے دیرہے ہیں قواعد شرعیہ سے اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب۔ اوّل رجسٹری کی حقیقت سمجھ لینا چاہئے پھر قواعد سے اُس کے احکام خود ظاہر ہو جائیں گے سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ وہ ایک لکھی ہوئی شہادت ہے حاکم یا رجسٹرار کی کہ میرے سامنے فلاں صاحب معاملہ نے فلاں معاملہ کا اقرار کیا اس حقیقت کے معلوم ہونے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا تعلق فقہ کے دو باب سے ہے ایک باب الشہادت سے ایک باب الاقرار سے سو باب الشہادت کے جزئیات میں سے۔

نمبر ۱۔ ایک جزئی یہ بھی ہے کہ لکھی ہوئی شہادت اگر یاد ہو یا اپنی تحریر دیکھ کر یاد آجاوے کہ فلاں واقعہ میرے مشاہدہ میں آیا ہے تب تو شہادت دینا جائز ہے ورنہ نہیں تو اس بناء کا مقتضا یہ ہو کہ محض رجسٹری کے کاغذات دیکھ کر فیصلہ کرنا جائز نہیں بلکہ ضرورت اس کی ہو کہ اگر رجسٹرار کو اپنے دستخط دیکھ کر واقعہ یاد آجاوے کہ واقعی فلاں شخص نے میرے سامنے اقرار کیا تھا تب تو اُس کی شہادت جائز ہو ورنہ نہیں۔

نمبر ۲ ۔ ایک جزئی اس باب کی یہ ہے کہ شہادت میں نصاب شرط ہے یعنی نکاح وطلاق میں اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت شہادت دیں تو اس شہادت پر عمل ہوگا ورنہ نہیں اس کا مقتضایہ ہو کہ خالی رجسٹرار کی شہادت کافی نہیں جب تک نصاب شہادت مکمل نہ ہو۔

نمبر ۳ ۔ ایک جزئی یہ ہے کہ تحریری اور غیر تحریری شہادتیں مساوی ہیں اس کا مقتضی یہ ہو کہ اگر کسی معاملہ میں مثلاً نکاح میں دو شخص مدعی ہوں مگر ایک نکاح میں رجسٹرار کی شہادت ہو دوسرے میں غیر رجسٹرار کی شہادت ہو تو شرعاً دونوں شہادتیں ہم وزن ہوں گی اور اس میں وہی قانون جاری ہوگا جو تعارض شہادتین میں ہوتا ہے رجسٹرار کی شہادت کو ترجیح نہ ہوگی۔

نمبر ۴ ۔ ایک جزئی یہ ہے کہ شہادت کے لئے شاہد میں جو خاص شرائط معتبر ہیں وہ شرائط رجسٹرار میں بھی ضروری ہوں گی۔

نمبر ۵ ۔ ایک جزئی یہ ہو کہ شہادت میں محض تحریر شاہد کی معتبر نہیں اس کا مقتضی یہ ہو کہ محض رجسٹرار کا حاکم مجوز کی روبرو ہونا کافی نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ رجسٹرار حاضر عدالت ہو کر زبانی شہادت، نہ دے۔

نمبر ۶ ۔ ایک جزئی یہ ہو کہ اگر شاہد خود حاکم ہو تو اُس کی شہادت کالعدم ہے اس کا مقتضایہ ہو کہ اگر رجسٹرار ہی خود مجوز ہو تو اُس کی رجسٹری یعنی تحریری شہادت گو کہ اس کو دیکھ کر واقعہ بھی یاد آجاوے علم قاضی سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی یعنی وہ نصاب شہادت کا جزو بھی نہیں بن سکتی یعنی اس شہادت کے علاوہ اور مستقل نصاب شہادت کی ضرورت ہوگی۔

نمبر ۷ ۔ ایک جزئی یہ ہو کہ رجسٹری پر جن شاہدوں کی شہادت ہی صرف اس شہادت کا بھی لکھا ہوا ہونا کافی نہیں وہ بھی حاضر عدالت ہو کر شہادت دیں جبکہ حاکم غیر رجسٹرار ہو البتہ اگر رجسٹرار خود ہی مجوز بھی ہو تو اُس حالت میں اپنے علاوہ دوسرے اشخاص کی جو شہادت رجسٹری کے وقت لکھی ہوئی سرکاری کاغذات میں پائی جاوے اگر یہ کاغذات اس کی نگرانی وانتظام میں محفوظ ہوں جن میں کسی کے جعل کا احتمال نہ ہو اُس کو دیکھ کر حکم دے سکتا ہے گو واقعہ اس شہادت کا یاد بھی نہ ہو بشرطیکہ کوئی دوسری شہادت اس شہادت کے معارض نہ ہو اور یہ صرف

صاحبین کا قول ہے اور بضرورت اس پر عمل جائز ہے اور صورت اولیٰ میں جبکہ حاکم دوسرا ہو اور رجسٹرار دوسرا اگر اصل شاہدین حاضر عدالت نہ ہو سکیں اور رجسٹرار شہادت دے کہ ان شاہدوں نے میرے روبرو شہادت لکھی ہے تب بھی معتبر نہیں۔

یہ وہ جزئیات کثیر الوقوع ہیں جن کا تعلق باب الشہادت سے ہے اب وہ جزئیات باقی رہیں جن کا تعلق باب الاقرار سے ہے اُن میں نمبر ۸ ایک جزئی یہ ہے کہ اقرار خود مقر کے نفس پر حجت ہے غیر مقر پر حجت نہیں اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ رجسٹری کے وقت جس نے اقرار کیا ہے وہ اس کے خلاف کہے تو مسموع نہیں۔

نمبر ۹۔ ایک جزئی یہ ہے کہ اقرار صاحب معاملہ کا معتبر ہے غیر صاحب معاملہ کا معتبر نہیں اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر رجسٹری میں غیر صاحب معاملہ کا بیان لکھا ہوا ہے تو اس کا اثر صاحب معاملہ پر نہ ہوگا دونوں جزئی کی مثال یہ ہے کہ ایک نکاح ہوا اور منکوحہ کے باپ نے اپنا بیان لکھایا کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے کردیا اگر وہ لڑکی بالغ ہے تو اقرار اُس لڑکی پر حجت نہ ہوگا جب تک کہ وہ بھی تسلیم نہ کرے کہ ہاں یہ نکاح میری اجازت سے ہوا اور اگر وہ انکار کرے تو اجازت پر مستقل شہادت کی ضرورت ہوگی اور اگر وہ نابالغ تھی اور اختلاف کے وقت بالغ ہے تو اگر منکوحہ بوقت نکاح اپنا نابالغ ہونا تسلیم کرے تو باپ کا وہ اقرار معتبر ہے اور اگر وہ اس وقت میں نابالغ ہونا تسلیم نہ کرے تو پھر اُس کے نابالغ ہونے پر مستقل شہادت قائم کرنا ہوگی اسی طرح اگر مرد نکاح سے انکار کرے تو منکوحہ یا اس کے ولی کا اقرار اس پر حجت نہ ہوگا یا اگر مرد دعویٰ کرے اور عورت انکار کرے تو مرد کا اقرار عورت پر حجت نہ ہوگا۔

نمبر ۱۰۔ ایک جزئی یہ ہے کہ جو معاملہ تراضی طرفین پر موقوف ہے اسمیں جانبین کا اقرار شرط ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ نکاح میں محض ایک کے بیان پر معاملہ کے سب اجزاء کی رجسٹری ناجائز ہوگی البتہ جس معاملہ میں خود مقر مستقل ہو جیسے طلاق اس میں صرف شوہر کا بیان رجسٹری کے لئے کافی ہے اسی طرح مقدار مہر میں صرف شوہر کا بیان یا درصورت اس کے نابالغ ہونے کے اس کے ولی کا بیان کمی کی نفی کے لئے انفراداً کافی ہے اور منکوحہ کا بیان یا درصورت اس کے نابالغ ہونے کے اُس کے ولی کا بیان بیشی کی نفی کے لئے انفراداً بھی کافی ہے۔

نمبر ۱۱ - ایک جزئی یہ ہو کہ مقر اگر پس پردہ سے اقرار کرے اس اقرار پر شہادت جائز نہیں اس کا مقتضا یہ ہو کہ صرف منکوحہ کے بیان پر رجسٹری جائز نہیں جب تک کہ معتبر شناخت کرنے والے یہ نہ کہیں کہ اس وقت بولنے والی فلاں عورت ہو اور ہم اس کے بولنے کے وقت اُس کو دیکھ رہے ہیں یہ دونوں باب کے ایسے جزئیات ہیں جو کثیر الوقوع ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ان ابواب کے ضروری جزئیات ہیں جن پر احاطہ رجسٹرار کے لئے ازبس ضروری ہے اور جو رجسٹری ان جزئیات کی رعایت سے کی جاوے گی وہ تو موافق شرع کے ہو گی ورنہ خلاف شریعت ہو گی پس اگر قانون رجسٹری میں جزئیات کثیر الوقوع کی تصریح ہو اور دوسرے جزئیات کی رعایت کی یہ صورت اختیار کی جاوے کہ رجسٹرار کے لیے عالم باعمل ہونا شرط ہو کیونکہ بجز عالم متبحر کے ان جزئیات کا لحاظ ممکن نہیں اور بدون القار کے رشوت کا احتمال قطع نہیں ہو سکتا جس کا انتخاب بھی علماء کی کثرت رائے سے ہو عوام کا اس انتخاب میں اصلاً دخل نہ ہو تب تو یہ قانون شرعاً جائز ہو ورنہ ناجائز اور جائز ہونے کی صورت میں فائدہ بھی اتنا ہو کہ واقعہ کے باقاعدہ محفوظ ہونے سے شریر مکاروں کی ہمت غلط دعوؤں کی فطرۃً نہیں ہوتی اور ہونے پر بھی بعض صورتوں میں خود رجسٹری کی بنا پر فیصلہ بھی جائز ہے جیسا کہ اوپر آن بعض صورتوں کی تصریح آچکی ہے۔

ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۱)

اگر کوئی کہے کہ میں فلاں اور فلاں گھر جاؤں تو میری مدخولہ عورت کو طلاق اس کا کیا حکم ہو

سوال (۵۵۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بایں الفاظ تعلیق طلاق کی کہ آج سے اگر میں اُس کے گھر کے اندر جاؤں اور زید کے گھر اور عمرو کے گھر اور بکر کی جانب احاطہ میں اور خالد کے گھر اگر میں قدم رکھوں تو میری مدخول بہا عورت کو طلاق متعلق صورت بالا حسب ذیل سوالات ہیں (۱) جملہ اشخاص مذکورین بالا کے مکانوں میں داخل ہونے کے بعد وقوع طلاق ہو گا یا کسی ایک کے مکان میں داخل ہونے سے وقوع طلاق ہو جائے گا۔

(۲) اگر صورت ثانی ہے تو کیا ہر ہر مکان میں داخل ہونے سے وقوع طلاق ہوا کرے گا یا صرف ایک میں۔

۳۔ طلاق رجعی ہوگی یا بائن بصورتِ ثانی کوئی حیلہ شرعی بیان فرماویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ السلام علیکم مجھ کو فرصت بہت کم ہوتی ہے مفتی مدرسہ سفر میں ہیں اس لئے میں بجز ہدایہ و شامی وعالمگیریہ کے اور کوئی فقہ کی کتاب نہ دیکھ سکا مگر ان میں ایسا کوئی جزئیہ نہ ملا احتیاطاً میں نے کتب اصول میں سے نورالانوار و توضیح تلویح میں حروف معانی کی بحث میں دیکھا سو تلویح میں مصرح ہے اذا حلف لا یکلم ھذا وھذا فھو لنفی المجموع (بحث کون او بمعنی الواو تحت قول التوضیح الا ان یدل الدلیل) اس میں تصریح ہے کہ مجموعہ محلوف علیہ کے فعل سے حانث ہوگا ایک جزو کے فعل سے حانث نہ ہوگا۔ اور نورالانوار بحث کون او بمعنی الواؤ میں ایک متن کی دو توجیہیں نقل کی ہیں لیکن مدرسہ ہذا کے ایک مدرس نے حاشیہ پر کشف بزدوی سے دونوں کے کلام کرنے سے ایک ہی بار حانث ہونا نقل کیا ہے پس حاصل مجموعہ کا یہ ہوا کہ صورتِ مسئول عنہا میں کسی ایک مکان میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہ ہوگی جب سب میں مدخل ہوگا اُس وقت طلاق واقع ہوگی اور ایک ہی طلاق ہوگی اور صریح اور مادون الثلاث و بعد الدخول ہونے کے سبب رجعی ہوگی۔ واللہ اعلم احتیاطاً اور جگہ بھی تحقیق کر لیجئے۔ ۲۸ رجب ۱۳۵۲ھ (النور ص ۸ شوال ۱۳۵۲ھ)

کیا طلاق کی اطلاع ضروری ہے

سوال (۵۵۸) زید بدکاری کے قرائن پر اپنی عورت کو طلاق رجعی دے چکا ہے اور مدت رجعت بھی گزر چکی ہے کیا زید پر عورت کو طلاق کا اطلاع دلوانا واجب ہے یا نہ۔

الجواب۔ جی ہاں قال او تسریح باحسان۔ وقال تعالیٰ ولا تمسکوھن ضراراً اور ظاہر ہے کہ اطلاع نہ کرنے میں تسریح باحسان بھی نہیں اور ضرار بھی ہے۔

بقیۃ السوال۔ اب زید نادم ہوا ہے تحقیق سے اب اس کا شبہ بھی زائل ہوا ہے اب اس عورت سے نیا نکاح کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ بدکاری کے قرائن پر جو مرد و عورت میں رنجش بھی اس کی شکایت اہلِ محلہ میں بھی کچھ ظاہر ہو چکی تھی اس لئے مرد نے طلاق کو اب تک ظاہر نہیں کیا کہ طلاق کے ظہور سے وہ تحقیق بدکاری کا ہو جائیگا اور ہمارے عورت کے خاندان پر بدکاری کا دھبہ جھوٹا آجائے گا جس سے ہتک خاندان کی ہوگی۔

الجواب۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ظہور عام نہ ہو صرف عورت پر ظاہر کیا جاوے۔

بقیۃ السوال۔ اب اگر طلاق ظاہر کی جاتی ہو تو عورت یا اس کا باپ نئے سرے سے نکاح پر راضی نہ ہوں۔

الجواب۔ عورت مختار ہو کسی حیلہ سے یا اکراہ سے نکاح کی تجدید کرنا خداع یا ظلم ہو۔

بقیۃ السوال۔ اس لئے اب اگر اس تہمت سے بچنے کے۔ لئے طلاق تو ظاہر نہ کی جائے فقط مرد و عورت کی مصالحت کے وقت اور گفتگو کے ساتھ ایسے الفاظ کہلائے جائیں جس سے نکاح منعقد ہو جائے جیسے مرد سے کہا جائے کہ کیا تو نے اب اس عورت کو اپنی بی بی کیا اور آئندہ کے واسطے اچھے سلوک سے رہنا وغیرہ وہ جواب میں کہے کہ ہاں اور عورت سے بھی ایسے الفاظ کہلائے جائیں اور وہ بھی ہاں کہے تو کیا یہ دھوکا اور فریب تو نہیں اور گناہ یا نکاح میں تو کوئی خلل نہ ہوگا۔

الجواب۔ خود یہ الفاظ نکاح کے لیے کافی نہیں کما سیاتی اور اگر کافی بھی ہوتے تب بھی خداع کا گناہ ہوتا اور اب تو کافی ہی نہیں کیونکہ عورت سمجھ ہی نہیں سکتی کہ یہ نکاح ہو رہا ہو اور یہ شرط ہو صحت نکاح کی کما فی رد المحتار تحت قول الدر المختار ولا یشترط العلم بمعنی الایجاب والقبول فیما یستوی فیہ الجد والھزل الخ مانصہ لکن قید فی الدر عدم الاشتراط بما اذا علما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح ای وان لم یعلما حقیقۃ معناہ اھ۔

بقیۃ السوال۔ شبہ یہ ہے کہ جبکہ مطلقہ ہونے کے بعد اب عورت کو اختیار ہے اور اطلاع نہ دینے کی وجہ سے اس کے اختیار کو زائل کرنا ہے اور چونکہ عورت جاہل ہے مسائل سے واقف نہیں اور اوپر کے الفاظ سے جبکہ دوسری گفتگو سے ملا کر کہے جائیں گے اور اس کو یہ پتہ نہیں کہ میں نئے سرے سے نکاح کرتی ہوں تو کیا نکاح میں خلل تو نہ ہوگا۔ مگر اوپر کے الفاظ سے گویا جو روہونا تسلیم کرے گی یعنی جب کہے گی کہ ہاں میں بی بی ہو کر رہوں گی۔

الجواب۔ سب حیلہ لغو ہے۔ کما سبق۔ ۱۹ رجب ۱۳۵۶ھ

(النور ص۸ شعبان ۱۳۵۷ ہجری)

دیوار کے پیچھے سے سنکر طلاق و عتاق کی شہادت دینے کا حکم۔

سوال (۵۵۹) اگر شاہد دیوار کے پیچھے یا مکان کے باہر سے سنکر طلاق و عتاق کی شہادت دے تو شرعاً مقبول ہوگی یا نہیں۔ فقط

الجواب۔ مقبول نہ ہوگی کما فی الہدایہ ولو سمع من وراء الحجاب لا یجوز لہ ان یشہد ولو فسر للقاضی لا یقبلہ لان النغمۃ یشبہ النغمۃ فلم یحصل العلم البتہ ایک خاص صورت جس کا تحقق بہت نادر ہے اس سے مستثنیٰ ہے جس کو اس کے بعد ہی اس عبارت میں مستثنیٰ کیا ہے الا اذا کان دخل البیت وعلم انہ لیس فیہ احد سواہ ثم جلس علی الباب ولیس فی البیت مسلک غیرہ فسمع اقرار الداخل ولا یراہ لہ ان یشہد لانہ حصل العلم فی ہذہ الصورۃ جلد ثانی صـ۱۴۲۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے سے کوئی گھر خالی ہو اور ایک شخص اس گواہ کے روبرو اُس کے اندر گیا اور بجز اس دروازہ کے اور کوئی آنے کی جگہ بھی اُس گھر میں نہ ہو اور ایسی حالت میں اندر سے کوئی مضمون سُنائی دیا تو یقین کیا جاوے گا کہ اُس جانے والے ہی کی آواز ہے بس اس صورت میں شہادت جائز ہے اور اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بھی شرط ہے کہ اس مکان میں گراموفون بھی نہ ہو۔ فقط ۳۰ ر ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ صـ۱۸۷)

والد کے حکم سے بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال (۵۶۰) اگر حرام سے بچنے کے لئے میں نے اپنے حسب مرضی نکاح کر لیا اور وہ عورت بھی مجھ کو غایت درجہ پسند ہے مگر میرا والد کہتا ہے کہ تمہارا دوسرا نکاح کر دیتا ہوں تم اس عورت کو طلاق دیدو کیا میں طلاق دیدوں یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اپنے یا اس عورت کے صبر نہ کر سکنے کا اندیشہ ہو تو طلاق نہ دیں۔ ۲۹ ر ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ صـ۲۰۶)

فصل فی فسخ النکاح والخلع

حکم اشتراط قاضی برائے فسخ نکاح و شرائط فسخ نکاح

سوال (۵۶۱) میں نے

اپنی دختر نابالغہ کا عقد نکاح ایک شخص کا ظاہر بصلاح وطریقہ اسلام دیکھ کر اُس کے پسر سے کر دیا اور اطمینان کے لئے ہر قسم کے شرائط عہد وپیمان کر لئے میری دختر جب اُن کے گھر گئی تو تمام شرائط انھوں نے توڑ دیئے لڑکے کی والدہ غیر مردوں کے سامنے آتی ہے اور خلوت میں بیحیائی کے کام کرتی ہے تحقیق کیا تو تمام محلہ کے ہمسائے اُس کے گواہ پائے اور وہاں وہ لڑکا اپنی والدہ اور غیر مردوں کے پیام پہونچانے اور بلانے میں درمیانی ہے غرض باپ بیٹے دونوں دیوثی کے کام میں شریک ہیں جب میں بخوبی اس امر سے واقف ہوا کہ میری بیٹی کو جو قاری صاحب مشہور و مغفور کی حقیقی نواسی ہے اس کے خاوند نے غیر مردوں کے سامنے کیا اور یہی بے حیائی کا پیشہ اس سے بھی کرانا چاہتا ہے میں نے اُس کو گھر بٹھا لیا میری لڑکی قرآن شریف مع ترجمہ پڑھتی ہے اور چند کتابیں پڑھ چکی ہے اب آپ کی کتاب اصلاح الرسوم شروع کی ہے جب میری لڑکی صـ۹ پر پہونچی اور سطر تین پڑھی کہ اگر نابالغہ کا نکاح ولی نے غیر کفو سے کر دیا سوا گر باپ دادا نے کسی مصلحت ضروری سے کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ ظاہراً کوئی امر خلاف مصلحت نہ ہو ورنہ صحیح نہ ہوگا تو مجھکو جرأت ہوئی کہ آپ کی خدمت میں یہ عریضہ لکھا مجھ کو اپنی لڑکی اُن کے یہاں بھیجنا اور اُس کے ساتھ رکھنا منظور نہیں ہے اور لڑکا یہ کہتا ہے کہ ہم یوں ہی سڑائیں گے اور طلاق ہرگز نہ دیں گے فارغ خطی نہیں دیتا اب میں کیا کروں اگر پہلا نکاح صحیح نہ ہو تو اُس کا نکاح کسی نیک آدمی سے کر دوں یا کیا تدبیر کروں کہ میری لڑکی اب بالغہ ہے وہ اس بلا سے نجات پائے اور اس کا نکاح کسی مرد صالح سے ہو جائے اور میں گنہگاری اور کسی قسم کے مواخذہ میں گرفتار نہ ہوں۔

الجواب۔ عبارت اصلاح الرسوم کی بوجہ اختصار کے مجمل ہے اس مسئلہ میں بہت اختلاف اور تفصیل ہے۔ ملخص اُس کا یہ ہے کہ اس میں چند شرطیں ہیں اول صغیرہ کا باپ جس نے نکاح کیا ہے وہ اس نکاح کے قبل سے ناعاقبت اندیش اور بدشفقت مشہور ہو اُس وقت یہ نکاح باطل کہا جائے گا دوسرے باطل ہونے کے یہ معنی ہیں کہ باطل کرنے کے قابل ہے تیسرے باطل

کرنے کا طریقہ یہ ہو کہ قاضی یعنی حاکم مسلم کے اجلاس میں مقدمہ پیش ہو اور وہ حکم فسخ کا کردے، چوتھے اس ابطال کی شرط یہ ہو کہ وہ صغیرہ بالغ ہوتے ہی فوراً یہ کہے کہ میں اس نکاح پر رضامند نہیں ہوں پانچویں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق ابطال اُس وقت ہو جبکہ عقد کے وقت زوج نے دعویٰ صالح ہونے کا کیا ہو اور اگر اس سے سکوت کیا پھر اُس کا حال خلاف ظاہر ہوا تو حق فسخ حاصل نہیں ہو اور یہ سب شرطیں امام صاحب کے مذہب کے موافق ہیں کہ اُن کے نزدیک نکاح کرنا باپ کا غیر کفو سے صحیح ہو جاتا ہو اور صاحبین کے نزدیک بالکل صحیح نہیں ہوتا پس صورۃ مسئولہ میں ظاہراً یہ شرائط مجتمع نہیں ہیں اگر واقعی اجتماع ان شرائط کا نہیں ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہو سکتا البتہ اگر کسی حاکم مسلمان کے یہاں یہ مقدمہ پیش کیا جائے اور وہ کسی عالم سے فتوے حاصل کر کے صاحبین کے مذہب پر حکم کردے یعنی زبان سے کہدے کہ میں نے یہ نکاح فسخ کر دیا تو نکاح باطل ہو جائے گا گو وہ حاکم کسی سلطان غیر مسلم کا مقرر کیا ہوا ہو یا کسی طریق سے زوج کو رضامند کر کے خلع یا طلاق کی تدبیر کی جائے۔ والدلیل علی الشرائط الخمسۃ المذکورۃ ھذہ العبارات فی الدر المختار باب الولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولزوم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفوان کان الولی ابا اوجد الم یعرف منھما سوء الاختیار مجانۃ اوفسقا وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا فی ردالمحتار والحاصل ان المانع ھو کون الاب مشھورا بسوء الاختیار فاذا لم یکن مشھورا بذلک ثم زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذلک انہ یسئی الاختیار الیٰ قولہ ولو کان المانع مجرد تحقق سوء الاختیار بدون الاشتھار الخ وبعد اسطر ثم اعلم ان ما مر عن النوازل من ان النکاح باطل معناہ سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسئلۃ مفروضۃ فیما اذا لم ترض البنت بعد ما کبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھما وعلیہ یحمل ما فی القنیۃ الخ وفی الدر المختار باب الکفاءۃ فی جزئیۃ الاذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلک ثم ظھر انہ

غیر کفو کان لہما الخیار وفیہ لہا خیار الفسخ بالبلوغ الیٰ قولہ بشرط
القضاء اھ وفیہ وبطل خیار البکر للسکوت ولا یمتد الیٰ اٰخر المجلس
اھ قلت ومافی البزازیۃ زوج بنتہ من الرجل ظنہ مصلحا ان لم
یکن ابوھا یشرب المسکر ولا عرف بہ وغلبۃ اھل بیتہا مصلحون
فالنکاح باطل اتفاقاً اھ یحمل فیہ قولہ ظنہ مصلحا علیٰ اخبار الزوج
بانہ مصلح بناء علیٰ مامر من قول الدر المختار الا اذا شرطوا الکفاءۃ
الخ ویحمل قولہ باطل علیٰ معنی انہ سیبطل کمامر من تاویل
عبارۃ النوازل فافہم وفی رد المحتار عن شرح المجمع ان تزویج
الاب الصغیرۃ من غیر کفو او بغبن فاحش جائز عندہ لاعندھما
اھ واللہ تعالیٰ اعلم ۲ ربیع صفر ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۷ ج ۲)

سوال (۵۶۲) ہندہ نابالغہ کا نکاح ایسے ولی کی ولایت سے ہوا کہ جس کے
فسخ کا اختیار بعد بلوغ ہندہ کو حاصل ہے مگر نفاذ فسخ کے واسطے چونکہ ترافع الی
القاضی شرط ہے اور آجکل ہندوستان میں سلطنت کفار کی ہے کوئی قاضی اسلام
ایسا مقرر نہیں جو تمام قصاص وحدود وغیرہ شرعیہ کا نفاذ کرے، کہیں پر تو کفار
خود نزاعات بین المسلمین کا فیصلہ کرتے ہیں اور کہیں ۲ کفار کی جانب سے ایک
مسلمان حاکم ہے کہ نزاع باہمی کا فیصلہ کرے اور کسی ۳ جگہ ان کی طرف سے عالم
مقرر ہے کہ بعض نزاع بین المسلمین کا موافق شرع کچھ فیصلہ کر دیا کرے اور کہیں ۴
کوئی مقرر نہیں بلکہ وہاں پر مسلمان کسی عالم کو اپنے امور کا حکم بنا لیتے ہیں آیا صورۃ
اولیٰ میں اگر فسخ نکاح ہوا تو وہ فسخ شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور صورۃ ثانیہ وثالثہ
ورابعہ کا کیا حکم ہے آیا اُن لوگوں کا فیصلہ فسخ نکاح میں جو کہ موافق حکم شرعی ہوا
ہو معتبر ہوگا یا نہیں اور ان سب صورتوں میں حکم واحد ہے یا کچھ تفصیل ہے
اور بوجہ معدوم ہونے قاضی اسلام کے ہندہ کو خود فسخ کا اختیار ہے یا نہیں نیز
اس وقت میں جملہ امور میں جو کہ مفوض بقضاء قاضی ہیں پیش آتے ہیں ان میں
کیا تدبیر کی جاوے۔

الجواب۔ فی الدر المختار فی خیار الفسخ بشرط القضاء للفسخ

فی رد المحتار ای ھذا الشرط انما ھو للفسخ لا لثبوت الاختیار الخ ج ۲ ص ۵۰۲ و فی الد ر المختار کتاب القضاء یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا اھ و فی الھدایۃ ولا تصح ولایۃ القاضی حتیٰ یجتمع فی المولی شرائط الشھادۃ اھ ای من العقل والبلوغ والاسلام فی الھدایۃ فاذا حکم رجلان رجلا فحکم بینھما ورضیا بحکمہ جاز لان لھما ولایۃ علیٰ انفسھما فصح تحکیمھما و ینفذ حکمہ علیھما قال العینی لا علیٰ غیرھما حتیٰ لو ظفر المشتری بعیب فحکم ھو والبائع رجلا فرد علی البائع بحکمہ لم یکن للبائع ان یردہ علیٰ بائعہ اھ - ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے اول صورت اولیٰ میں فسخ معتبر نہ ہوگا صورۃ ثانیہ میں معتبر ہوگا اور صورۃ ثالثہ میں اگر اس عالم کو حاکمانہ اختیارات دیئے گئے ہیں تو مثل صورۃ ثانیہ کے فسخ معتبر ہوگا - اور اگر صرف درجہ مفتی میں ہے تو معتبر نہ ہوگا اور صورت رابعہ میں جن لوگوں نے حکم بنایا ہے اُن کے حق میں معتبر ہوگا دوسروں کے حق میں نہ ہوگا پس مقضی لہ و مقضی علیہ دونوں کا حکم بنانا شرط ہے (۲) خود ہندہ کو اختیار نہیں (۳) سب مل کر حاکم وقت سے درخواست کریں کہ ایسے امور کے لئے ایک مسلمان حاکم مقرر کردے واللہ اعلم ۴ رصفر ۱۳۲۵ھ

(امداد ص ۸۱ جلد ۳)

سوال (۵۶۳) ازیں کہ بعد رخصت ارادہ فسخ نکاح کند (و آں نکاح از غیر اب و جد واقع شدہ) دراں وقت گواہ نمودن ضروری ست یا نہ و درمیان قبل رخصت و بعد رخصت درباب فسخ فرق ہست یا نہ اگر ہست چگونہ۔

الجواب - فی الد ر المختار باب الولی لھما ای لصغیر و صغیرۃ خیار الفسخ و لو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ و فیہ و شرط للکل القضاء و فیہ ولا یمتد الیٰ اخر المجلس و فیہ و تشھد قائلۃ بلغت الاٰن ضرورۃ احیاء الحق ازیں روایات جواب جمیع اجزاء حاصل شد - ۱۸ ر محرم الحرام ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۹)

سوال (۵۶۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی

جس کے ماں باپ مرگئے ہیں صرف ایک نانی رہ گئی ہے اور دادی کا نکاح کیا ہوا تھا جس کے یہاں نکاح کیا گیا تھا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے لڑکے سے طلاق دلوادیں گے تو طلاق تو ہو نہیں سکتی کیونکہ لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں اب جس وقت لڑکی جوان ہو جاوے اور وہ یہ کہدے کہ میں اس کے یہاں نہیں رہتی تو نکاح ٹوٹ سکتا ہے یعنی طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں اور اس کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں

الجواب - فی رد المحتار وھل تقدم ام الاب علیھا ای علی ام الام) او تتاخر عنھا او ترجیحا الی قولہ وقد یقال قرابۃ الاب لھا حکم العصبۃ فتقدم ام الاب فلیتامل الخ - ملخصا قلت وجزم الخیر الرملی بھذا الاخیر فقال قید فی القنیۃ بالاطلاق الجدۃ لاب اولی من الجدۃ لام تو لا واحد اثم قال وما جزم بہ الوطی افتی بہ فی الحامدیۃ ج ۲ ص ۱۲ و فی رد المختار لھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولو بعد الدخول فی البلوغ الی قولہ بشرط القضاء ج ۲ ص ۵۰۱ و ص ۵۰۲ -

ان روایات کی بناء پر جواب مسئلہ کا یہ ہے کہ جب اُس نابالغ لڑکی کا نکاح ماں باپ کے مرنے کے بعد دادی نے کردیا تو نکاح ہو گیا گو نانی کی اجازت نہ ہو اور اس لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا اختیار شرعاً تھا مگر اس میں قضاء قاضی شرط ہے جو یہاں مفقود ہے - اس لیے اب کوئی صورت نکاح ٹوٹنے کی نہیں ہو سکتی - بجز اس کے کہ لڑکا بالغ ہو کر طلاق دیدے جب تک ایسا نہ ہو اُس لڑکی کا دوسرا عقد نہیں ہو سکتا - ۷ رمضان ۳۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۹۴)

فسخ شدن نکاح نابالغہ بشہادت کاذبہ بحکم حاکم مسلم

سوال (۵۶۵) مسماۃ کا باپ مرگیا بے رحم چچا نے مسماۃ کا نکاح اُس کی غیر موجودگی میں اپنے رشتہ داروں میں کردیا اور اُس کے عوض میں اپنے دوسرے لڑکے کا ناتہ لے لیا - مسماۃ کی بڑی دو بہنیں بالغ ہو کر جب گھر والی ہوئیں مسماۃ ابھی نابالغ تھی خیار بلوغ کے شرائط اور قیود خاصہ سے پوری واقفیت حاصل کرکے ان دو بہنوں نے بغرض مخلصی و رستگاری اسے بھی کما ینبغی تعارف

دو واقفیت کرادی اور تنہائی میں اس سے ان شرائط کا احیاناً امتحان بھی لے لیا کرتیں۔
حُسنِ اتفاق سے ایک دن مسماۃ اپنی دو بہنوں کے پاس بیٹھی تھی کہ اسے آثارِ بلوغ نمودار
ہوئے اس نے ظاہر ہوتے ہی اپنے منہ سے اپنی دونوں بہنوں کے سامنے تین دفعہ کہدیا
کہ جو میرا نکاح میرے چچا نے فلاں بن فلاں سے کردیا تھا میں نے اُسے توڑ دیا بہنوں نے
مسماۃ کو اپنے ماموں اور اپنے اخیافی بھائی کے یہاں بھیجدیا اُس نے تمام ماجرا بیان کیا۔
ماموں چونکہ ایک ذی علم اور سمجھدار آدمی تھا اُس نے مسماۃ سے حلفیہ بیان لیا نیز اُس کی
دونوں بہنوں کو بلوا بھیجا انھوں نے بھی حلفیہ بیان کیا کہ آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی اس نے
اپنا نکاح فسخ کیا ہے۔ سوتیلے بھائی نے عدالت میں چارہ جوئی کی۔ جج صاحب کے اجلاس
میں مقدمہ پیش ہوا۔ جج صاحب نے لڑکی کو آزاد کردیا جج صاحب مسلمان ہیں۔ ذی علم
ہونے کے علاوہ متقی متشرع صوم وصلوٰۃ کا پابند اور ڈاڑھی مولویوں کی سی ہے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ کا سابقہ نکاح جو ستمگر چچا نے کردیا تھا وہ فسخ
ہوگیا ہے یا نہیں۔ دنیز نابالغہ کا نکاح جب حقیقی چچا کردیوے تو اسے بعداز بلوغ فسخ کا
اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ شرائط فسخ کے کیا ہیں۔ جب انڈیا اسلامی سلطنت نہیں تو
یہاں قضاء قاضی کیونکر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جج صاحب کا فیصلہ قضاء قاضی کے
قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ الیٰ قولہ
وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ۔ لا یصح النکاح من غیر کفو او بغبن
فاحش اصلاً وان کان من کفو بمہر المثل صح ولکن لہما ای لصغیر وصغیرۃ
ویلحق بھما خیار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنکاح بعدہ الیٰ
قولہ بشرط القضاء للفسخ فی رد المحتار وحاصلہ انہ اذا کان المزوج للصغیر
والصغیرۃ غیر الاب والجد فلھما الخیار بالبلوغ والعلم بہ فان اختار الفسخ
لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ ج ۲ ص ۴۹۹ تا ص ۵۰۲ وفی الدر المختار
ولا یمتد الیٰ اٰخر المجلس وفی رد المحتار فلو سکتت ولو قلیلاً بطل خیارھا
ولو قبل تبدل المجلس ج ۲ ص ۵۰۷ فی الدر المختار وتشھد قائلۃ بلغت الاٰن
وتحصل من مجموع ذٰلک انھا ....

لو قالت بلغت الآن وفسخت تصدق بلا بينة ولا يمين ولو قالت فسخت حين بلغت تصدق بالبينة او اليمين ولو قالت بلغت امس وفسخت فلا بد من البينة لانها لا تملك انشاء الفسخ فى الحال بخلاف الصورة الثانية حيث لم تسنده الى الماضى فقد حكت ما تملك استينافه فقد ظهر الفرق بين الصورتين وان خفى على صاحب الفصولين كما افاده فى نور العين ج ۲ صـ۵ و فى الدر المختار ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا ج ۴ صـ۴۷۲ وفى رد المحتار بخلاف ما اذا كان المجتهد فيه نفس المقضى به قبل القضاء فان القضاء به نافذ بدون تنفيذ واذا رفع الى اخر نفذه وان لم يكن مذهبه وهذا امام فى قوله واذا رفع اليه حكم قاض اخر نفذه وبخلاف ما خالف الدليل فانه لا ينفذ وان نفذه الف قاض كما قاله الزيلعى وهذا امام فى قوله الا ما خالف كتابا او سنة مشهورة او اجماعا اھ ج ۴ صـ۵۱۳۔

روایات مذکورہ سے اُمور ذیل مستفاد ہوئے۔

۱۔ نابالغہ کا نکاح جب اُس کا چچا کردے تو بمجرد بلوغ اُس کو فسخ کردینے کا اختیار ہے۔
۲۔ شرائطِ فسخ بھی معلوم ہوئے۔
۳۔ مسلمان جج گو غیر مسلم سلطنت کا مقرر کیا ہوا ہو شرعی قاضی ہے۔
۴۔ نفاذ قضاء قاضی مشروط ہے اس کے ساتھ کہ خلافِ شریعت فیصلہ نہ ہو۔

اب جواب کے لئے بعد ان روایات کے اس تحقیق کی ضرورت ہے کہ صاحب جج نے یہ فیصلہ کس شہادت کی بناء پر کیا۔ جواب اس پر موقوف ہے۔ ۶ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

پھر سائل نے اس کا جواب خط سے اس طرح دیا کہ گواہ صرف دو بہنیں تھیں اور اُن کو چچا نے گواہی سے روکدیا لہٰذا احیاء حق کی غرض سے دو جعلی گواہوں سے شہادت دلوائی۔ انھوں نے عدالت میں بیان کیا کہ ہمارے سامنے مسماۃ نے بیان کیا کہ میں اسی وقت اس مجلس میں تمہارے سامنے بالغ ہوئی ہوں اور اپنا نکاح فسخ کرتی ہوں۔ حالانکہ ان دو گواہوں کے سامنے نہ وہ بالغ ہوئی اور نہ اُن کے سامنے یہ بیان کیا بلکہ ان دو گواہوں کے سامنے اس لڑکی نے وہی سچا واقعہ بیان کیا۔

اھ ملخصًا۔ اور سائل نے جج کے فیصلہ کی نقل بھی بھیجی اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے ان ہی کی شہادت پر فسخ کو نافذ کیا ہے۔ لہٰذا جواب ذیل یہاں سے لکھا گیا۔

الجواب۔ درصورتِ مسئولہ یہ نکاح فسخ ہوگیا۔ والشاھدان ان کانا شاھدی زور یاثمان بھذہ الشھادۃ ویجب علیھما التوبۃ لکن القضاء نفذ ظاھرًا و باطنًا وان ظھر کونھما شاھدی زور لا ینفسخ القضاء ولا یزول اثرہ کما فی العالمگیریہ ومن جملۃ صور الفسخ صبیۃ وصبی سبیا وھما صغیران فکبرا واعتقا ثم تزوج احدھما الاٰخر ثم جاء حربی مسلمًا واقام بینۃ انھا ولدہ فالقاضی یقضی بینھما ویفرق بینھما فان رجع الشاھدان عن شھادتھما حتی تبین انھما شھدا بزور لا یسع للزوج وطیھا عند ابی حنیفۃ رح لانہ مقضی علیہ بالحرمۃ وقد نفذ القضاء ظاھرًا و باطنًا وکذلک علی قول محمد رح لا یسع للزوج وطیھا لانہ لا یعلم بحقیقۃ کذب الشھود صـ ۱۸۲ وصـ ۱۸۳ جـ ۲۔ (تتمہ خامسہ صـ ۱۵۹)

احکام خلع	**سوال (۵۶۶)** سوالات (۱) خلع نزد ابوحنیفہ رح کے طلاق بائن ہے یا کہ فسخ ہے۔؟ (۲) خلع کے بعد طلاق دینی چاہیئے یا فقط خلع سے

بیوی اجنبی ہوجاتی ہے۔؟ (۳) فسخ میں نکاح وہی رہتا ہے یا کہ دوسرا نکاح ہونا چاہیئے۔؟ (۴) اور کے مہینے کی عدت کرنی چاہیئے۔؟

جوابات۔ (۱) طلاق بائن ہے۔ (۲) اُس کے بعد طلاق دینے کی حاجت نہیں۔ (۳) فسخ میں نکاح نہیں رہتا ہے۔ (۴) طلاق اور فسخ دونوں میں عدت واجب ہے۔ حائضہ کو تین حیض صغیرہ اور کبیرہ کو تین ماہ اور حاملہ کو وضع حمل فی الدر المختار باب العدۃ وھی فی حرۃ تحیض لطلاق او فسخ الخ۔ البتہ فسخ میں عدد طلاق نہیں کم ہوتا اور اُس کے بعد طلاق واقع نہیں ہوتی کذا فی الدر المختار باب الولی۔ ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (امداد ثانی صـ ۷۶)

سوال (۵۶۷) حالتِ خلع میں جو بی بی کی جانب سے ہوتا ہے دین مہر شوہر کو ادا کرنا چاہیئے یا کیا طریقہ خلع کا ہے۔ فقط

الجواب۔ طریقہ خلع کا یہ ہے کہ دونوں میاں بی بی میں ناموافقت ہوئی عورت

نے کچھ مال دینا کیا کہ لیکر مجھے چھوڑ دے اور اُس مرد نے منظور کر لیا پس یہ خلع ہو گیا اور طلاق بائن پڑ گئی اور عورت پر مال مذکور واجب ہو گیا اور اگر مہر سے کم پر کیا ہے تو وہ مقدار مرد سے ساقط ہو گئی باقی ذمہ رہا اور جو مہر سے زیادہ پر کیا تو سارا مہر ساقط ہو گیا اور زیادتی عورت پر واجب رہی پھر یہ کہ یہ زیادتی لینی مرد کو جائز ہے یا نہیں تو عند اللہ تو مکروہ ہے لیکن حاکم دلوا دے گا۔ وان کان النشوز منها کرهنا له ان یاخذ منها اکثر مما اعطاها ولو اخذ الزیادة جاز فی القضاء هدایہ جلد اول صـ ۳۸۵ ـ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (امداد ثانی صـ ۷۶)

اشتراط بلوغ زوج در خلع

سوال (۵۶۸) (۱) ہندہ نابالغہ کا عقد بکر نابالغ کے ساتھ ہوا۔ (۲) ہندہ نے وقت بلوغ اپنے بوجہ نابالغی بکر عدالت مجاز میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا جس میں ہندہ کامیاب رہی چونکہ ہندہ شرع محمدی کی پابند ہے بوجوہات ذیل اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہے (وجہ اول) ہندہ بالغ ہو بکر بوجہ نابلوغیت حق زوجیت ادا نہیں کر سکتا۔ (دوم) بوجہ بدمزاجی و بدلیاقتی و رنج سابق و رنجش عدالتی بکر کے بالغ ہونے پر بھی ہندہ کو بکر سے اُمید بہبودی بالکل مفقود ہو (سوم) تا بلوغ بکر ہندہ کو اپنے تحفظ عصمت کے علاوہ دین اسلام سے منحرف ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس بوجوہات بالا کیا شرع محمدی بکر نابالغ یا اُس کے ولی کو خلع کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اگر مجبور کر سکتی ہے تو بحوالہ کتب مع صفحہ وغیرہ کے حکم نافذ فرمایا جاوے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وشرطه (ای الخلع) کالطلاق فی رد المحتار وهو اهلية الزوج وكون المرأة محلا للطلاق الخ جـ ۲ صـ ۵۱۹ ـ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو جاوے خلع نہیں ہو سکتا۔ اور بالغ ہونے کے بعد بھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے خلع کرے کوئی اُس کو مجبور نہیں کر سکتا۔ ۱۳ ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صـ ۱۹۹)

فصل فی الظہار والایلاء

کسی نے کہا اگر سالی کو... تیرے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں بہن کے ساتھ کروں اور بعد میں کہا کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی الخ

سوال (۵۶۹) بکر نے اپنی

بی بی منکوحہ کو بحالتِ غصہ یوں کہا کہ اگر میں ایک سال تک تمہارے ساتھ جماع کروں تو اپنی ماں اور بہن کے ساتھ جماع کروں۔ اور کہتا ہے کہ میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ یہ الفاظ ہیں بکر کے اس میں جو حکم شرع کا ہو مفصل فرمادیں۔؟

الجواب۔ یہ قول مرادف ہے انت حرام علیّ کامی کا اور یہ ظہار ہے علی الاصح فی رد المحتار تحت قول الدر المختار وان نوی بانت علیّ مثل امی او کامی الخ ما نصہ قال فی البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائناً کلفظ الحرام وان نوی الایلاء فهو ایلاء عند ابی یوسف وظهار عند محمد والصحیح انہ ظهار عند الکل لانہ تحریم موکد بالتشبیہ اھ ونظر فیہ فی الفتح بانہ انما یتجہ فی انت علیّ حرام کامی وبعد اسطر وقال الخیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظهاراً الخ جہ ۲ صہ ۹۲۹۔ ۴ر شعبان سنہ ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ صہ ۱۵۵)

حکم تشبیہ بالمحارم بقصد طلاق اور زوجہ کو ماں بہن کہنا

سوال (۵۷۰) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جو ایک نہایت متقیہ اور پرہیزگار عورت ہے کسی شخص سے متہم کیا اور چند تحریرات مندرجۂ ذیل لکھیں (نقل تحریرات) یہ تحریر بنام والد ہندہ کے تھی۔ (۱) نور الدین کی بیماری کا حال ہمیشہ اس سے کہدیا جاتا تھا (یہ اشارہ ہندہ کی طرف ہے) اور اس مرتبہ بھی اُن کے آرام کی خوش خبری پہنچا دی۔ آپ بھی نور الدین سے فرما دیجئے کہ وہ ۲۵ر کو خود آکر تم سے ملاقات کریں گی اطمینان رکھیں (یہ لفظ قابلِ غور ہے) یہ شخص نور الدین ہندہ کا رشتہ کا چچا ہے اور بد چلن بھی نہیں ہے۔

(۲) (یہ تحریر ہندہ کے نام تھی) آپ مراد آباد پہنچکر خوش تو ضرور ہوئی ہوں گی کیونکہ جن لوگوں کو آپ کا انتظار اور آپ کو اُن لوگوں کا انتظار تھا بلکہ اُن کی دوری بہت شاق تھی ملاقات بخوبی ہوئی ہوگی خیر اللہ آپ کو اور اُن کو مبارک کرے۔ ہاں اس خط میں منشی صاحب قبلہ نے خیریت نور الدین یا بیماری کی نہیں ارقام فرمائی لہذا اگر ناگوار نہ ہو تو آپ اپنے پرچہ میں لکھدینا کیونکہ مجھکو خاص طور سے ایسے لوگوں سے محبت ہوتی ہے مجھکو بڑا افسوس ہے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ پر بڑا ظلم کیا جو ایک پردیسی شخص سے نکاح کیا وہ شخص بھی کیسا کہ اوّل نمبر کا مشکوک اور شکی اور آوارہ اور غریب اور بوڑھا غا لبًا آپ کا دل تو یہاں [illegible]

کبھی نہیں چاہوگا مگر میں اپنی عادت اور آبرو سے مجبور ہوں کہ آپ کو بلانا چاہتا ہوں اگر اجازت ہو۔ اس خط کا ایک ایک فقرہ قابلِ غور ہے۔ (۳) آپ کی حالت دن بدن مخدوش ہوتی جاتی ہوگی احتیاط کرنا اللہ تم کو خیریت سے فراغت دے۔ اس میں بھی اشارہ ہے۔ (۴) اب تو خوب اطمینان سے وہاں رہتی ہو۔ کوئی خلش نہیں خوب دل بھر لو اور خوش رہو اللہ تم کو اور زیادہ توفیق دے۔ اس میں بھی اشارہ ہے۔ (۵) یہ مجھکو دعویٰ ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ کی قدر دوسرا کبھی نہیں کر سکتا۔ اس میں بھی اشارہ ہے اور قابلِ غور ہے۔ یہ سب تحریرات ہیں اور صاف زبان سے بھی بہتان زنا کا لگایا اور اس کی والدہ کو جھوٹ اپنے آپ سے تہمت زنا لگائی۔ اور کم از کم سو بار ظہار یعنی ماں بہن کہا اور کہا کہ میرے واسطے ہندہ ایسی ہے جیسی ماں اور بہن۔ ہندہ نے چونکہ مسائل شرعیہ سے خوب واقف تھی اور حدیث شریف خواندہ تھی علیحدگی اختیار کر لی اور بلا اجازت زید رات کو اپنے باپ کے یہاں چلی آئی۔ اب بعد عرصہ سات برس کے زید چاہتا ہے کہ ہندہ سے موافقت کرے اور یہ بھی کہا کہ ہندہ کا نکاح اس کے باپ کے ساتھ ہوا ہے میرے ساتھ نہیں ہوا اور وہ اپنے باپ سے خراب رہتی ہے۔؟

الجواب۔ ان تحریرات اور اقوال میں کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے صریح طلاق واقع ہو جائے یا ظہار ہو جاوے۔ البتہ دو جملے اس کے محتمل ہیں۔ ایک یہ کہ ہندہ میرے واسطے ایسی ہے جیسی ماں اور بہن۔ اور دوسرا یہ کہ میرے ساتھ نکاح نہیں ہوا۔ سو جملۂ اول میں زید سے ہی پوچھا جاوے گا کہ تیری کیا نیت تھی اگر طلاق کی نیت تھی طلاق واقع ہو گی اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار واقع ہوگا۔ اگر کچھ نیت نہ ہونا ظاہر کرے کچھ بھی نہ ہوگا۔ اور طلاق کے شق میں چونکہ کئی بار کہا لہٰذا تین طلاق سے مغلظہ ہو جائے گی۔ اور ظہار کی شق میں کفارہ ظہار کا واجب ہوگا اور بدون کفارہ کے صحبت حرام ہوگی۔ اور اسی طرح جملۂ ثانیہ میں بھی زید ہی سے پوچھا جاوے گا اگر طلاق کی نیت بیان کرے طلاق ہوگا ورنہ کچھ نہ ہوگا۔ کما فی العالمگیریۃ ولو قال لامرأتہ لست لی بامرأۃ وقال لہا ما انا بزوجک انی قولہ لا یقع الطلاق وان قال نویت الطلاق یقع الطلاق فی قول ابی حنیفۃؒ وبعد اسطر لو قال ما انت لی بامرأۃ ولست لک بزوج نوی الطلاق یقع عند ابی حنیفہ رحہ

وعندھما لا یقع وبعد اسطر لو قال لھا لا نکاح بینی وبینک او قال لم یبق بینی وبینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی اھ فقط واللہ اعلم - ۲۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۷)

سوال (۱۷۵) خاوند نے بہت سہولت کے ساتھ اپنی عورت کو یہ کلمات دو اور عورت اور اپنی ماں کے سامنے کہے کہ مثل میری ماں کے یہ عورت ہے اور یہ لفظ تین مرتبہ کہا اور یہ بھی کہا کہ نکاح بھی ٹوٹ گیا نکاح اُس عورت کا اُس مرد سے باطل ہو گیا یا قائم رہا - ؟

الجواب - فی الدر المختار وان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لو حذف علی برا او ظھارا او طلاقا فصحت نیتہ ووقع ما نواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئاً او حذف الکاف لغا وتعین الاولی ای البر یعنی الکرامۃ - وفی العالمگیریۃ باب الکنایات او قال لم یبق بینی وبینک نکاح یقع الطلاق اذا نوی وفیھا ففی حالۃ الرضا لا یقع الطلاق فی الالفاظ کلھا الا بالنیۃ والقول قول الزوج فی ترک النیۃ قلت قولہ مثل میری ماں کے الخ ترجمہ عبارت انت علی الخ وقولہ نکاح بھی الخ ہو حاصل قولہ لم یبق وقولہ بہت سہولت دلیل الرضا - بنا بر روایت مذکورہ جواب یہ ہے کہ اگر اُس شخص نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی کی ہے تب تو تینوں طلاق واقع ہو گئیں - اب نہ رجعت ہو سکتی ہے اور نہ بدون حلالہ کے تجدید نکاح ہو سکتی ہے اور اگر نیت طلاق کی نہیں کی تو بیان کرے کہ کیا نیت کی ہو اُس وقت جواب دیا جاوے گا - ۸ محرم ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۸)

سوال (۲۷۵) سائل کی دختر مسماۃ طلیما کا نکاح ہمراہ مسمیٰ جی موں عرصہ ایک سال کا ہوا ہو گیا تھا - حقوق زوجہ کے ادا کرنے اور اُس کو نان ونفقہ دینے کا اس کا خیال تک نہیں ہے عرصہ تقریباً ۴ ماہ کا ہوا بلا وجہ گھر میں اپنی زوجہ کے ساتھ درپے فساد ہو گیا اور روبرو چند کسان اپنی زوجہ سے کئی مرتبہ یہ کہا کہ تو میری ہے - سائل نے عرصہ تقریباً ۳ ½ ماہ کا ہوا دیہات کے لوگوں کو بغرض کرانے فیصلہ جمع کیا تو مسمیٰ جھنڈو کمبوہ نے جیموں مذکور سے کہا کہ تو اس بات کو جانے دے ایسے الفاظ کہنے سے تو ہمارے یہاں بھی پھیرے ٹوٹ جاتے ہیں - اس پر جیموں نے

کہاکہ میں کسی چیز کا خریدار نہیں ہوں اور ایک کیا چودہ دفعہ میں اُس کو ماں کہتا ہوں۔ تو کیا بموجب شرع شریف کے جھگڑے وفساد کے موقع پر اور تصفیہ کی پنچائت میں ایسے الفاظ کہنے سے مسماۃ مذکورہ کو طلاق بائن پڑچکی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے محض لغو ہے۔ اس سے کچھ نہیں ہوتا اور یہ کہنا کہ میں کسی چیز کا خریدار نہیں محتمل کنایہ کا تھا۔ مگر عالمگیریہ میں تصریح ہے کہ اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اُس کی عبارت یہ ہے۔ اذا قال لا اریدک اولا احبک اولا اشتہیک اولا رغبۃ فیک فانہ لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رح کذا فی البحر الرائق ۲ ص۶۹۔ ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۰ھ (تتمہ خامسہ ص۲۲۶)

حکم گفتن ایں لفظ کہ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں بہن کو رکھوں وغیرہ

سوال (۵۷۳) علماء دین شرع متین درباب ایں مسئلہ چہ فرمایند ایک شخص نے اپنی زوجہ ہندہ کو چند بار زدوکوب کیا اور زبان سے اپنی یہ الفاظ نکالا کہ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں۔ اور وہ شخص وہاں سے آن کر اپنے برادر معظم سے کہا کہ تو مہر مصروف یعنی روپیہ دے میں چھوڑ دوں یا طلاق دیدوں۔ تو اُس کے بھائی نے کہا کہ میں نہیں دوں گا روپیہ آیا اُس پر طلاق ہوا کہ کفارہ۔ مع حوالہ کتب بیان فرمائیے گا۔؟

الجواب۔ یہ جو کہا کہ تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں یہ صیغۂ تعلیق کا ہے اور یہ عبارت ظہار اور طلاق دونوں کو محتمل ہے اور تعلیق ظہار دونوں کی جائز ہے۔ پس اگر اس عبارت سے نیت طلاق کی کی ہے تو طلاق واقع[۵] ہوگئی اور چونکہ کنایہ ہے لہذا طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر نیت ظہار کی کی ہے تو ظہار ہوگیا اور کفارہ واجب ہوگا۔ اور یہ جو کہا کہ چھوڑ دوں یا طلاق دیدوں اگر یہ عبارت اس متکلم کے محاورہ میں صیغۂ حال میں مستعمل ہے بمعنی اس کے کہ طلاق دیتا ہوں یا چھوڑتا ہوں تو طلاق واقع ہوجائے گی اور چونکہ صریحہ ہے لہذا رجعی واقع ہوگی۔ اور اگر یہ عبارت اس کے محاورہ میں بمعنی وعدہ کے مستعمل ہے تو طلاق نہ ہوگی۔ والکل ظاہر مشہور من القواعد والروایات۔ فقط ۱۰ شوال سنہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص۴۷ ج ۲)

---

[۵] کیونکہ تصدیق ایسے امر کے ساتھ ہے جو بالفعل متحقق ہے لہذا وجود شرط کی وجہ جزاء مرتب ہوگئی ۱۲ منہ

در تحقیق بعض مسائل مندرجہ تتمہ اولیٰ وثانیہ امداد الفتاویٰ

سوال (۵۷۴) تتمہ جلد ۲ ص‌۳ چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہوا الخ - غرض سوال از ولایت مال است - نماز حضانت صبی - ولایت مال عم رانمی رسد (الولی فی النکاح لا المال) قولہ لا المال فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط شامی دون الاخ والعم ۱۲ شامی - قال الزیلعی واما ماعدا الاصول من العصبۃ کالعم والاخ لا یصح اذ ہم لیس لہم ان یتصرفوا فی مالہ تجارۃ ۱۲ شامی -

در بہشتی زیور حصہ چہارم باب ظہار الخ

سوال ۵۷۵ - در بہشتی زیور حصہ چہارم باب ظہار ص‌۵۵ فرمودند (مسئلہ کسی نے یوں کہا کہ اگر تجھکو رکھوں تو ماں کو رکھوں الخ اس سے کچھ نہیں ہوا) ودر فتاویٰ امدادیہ ص‌۵۴ جلد دوم فرمودند (الجواب یہ جو کہا کہ تجھکو رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں یہ صیغہ تعلیق کا ہے اور یہ عبارت ظہار اور طلاق دونوں کو محتمل ہے الخ) ایں ظاہراً فاقص است پس در حواشی یا در ترجیح الراجح دفع آں ثبت فرمایند تاکہ عوام الناس خصوصاً عورات خائنۃ الذہن در غلطی وحیرانی نہ افتند - ہر چند خیال کردہ شد تفاوت صرف در لفظ (اپنی) است واین کدام زائد فائدہ نہ بخشیدہ - وسند کدام کتاب فقہ کہ خاص جزئی باشد در ہر دو کتاب ان غیر موجود است تا سند نہ آرند اطمینان نخواہد شد -

در تحقیق قول قائل بزن الخ

سوال (۵۷۶) تین مرتبہ ایک شخص نے اپنی عورت سے رکھوں اور طلاق کی نیت کی پس اس صورت میں کیسی طلاق ہوگی مغلظہ یا بائن قائل جاہل ہے عدد طلاق تغلیظ اور تاکید نہیں سمجھ سکتا عالمگیری کے باب ظہار میں ایک جزئی موجود ہے اُس کے الفاظ یہ ہیں لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شئ علیہ اس کے مقتضیٰ سے تو کوئی طلاق نہ ہونی چاہیئے اور جملہ کے نوعیت کی وجہ سے نیت کا بھی اعتبار نہ ہوگا - حضرت مولانا محمد رشید صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کی یہی رائے ہے مگر یہ جملہ انتِ علی حرام کے ہم معنے بتاویل ہو سکتا اور اس کا حکم ایک مرتبہ میں طلاق بائنا یہ اور تین مرتبہ میں مغلظہ ہے پس کیا جملہ مقولہ اس پر محمول ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجوابات - فی الدر المختار باب الظہار فی حکم قولہ انت علی مثل

امی او کامی مانصہ ولا ینوی شیئاً او حذف الکاف لغا فی ردالمحتار عن الفتح انہ لابد من التصریح بالاداۃ۔ جلد ۲ ص ۹۴۹ و ص ۹۵۰۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تفصیل نیت کی اُس صورت میں ہے جب حرف تشبیہ بھی مصرحاً مذکور ہو ورنہ لغو ہوگا اور جملہ مسئول عنہا میں تصریح حرف تشبیہ کی نہیں ہوا اس لیے باوجود نیت کے لغو ہوگا اور اسی قاعدہ پر مبنی ہو جزئیہ عالمگیریہ کا حکم کہ اُس میں بھی اداۃ تشبیہ نہیں حتیٰ کہ اگر یوں کہا ہو کہ اگر تجھکو رکھوں تو گویا ماں بہن کو رکھوں اُس وقت اُس میں تفصیل وہی تفصیل ہو گی ان نوی بہ ا او ظہاراً او طلاقاً صحت نیتہ اور سوال میں نیت طلاق کی مذکور ہے پس طلاق بائن ہو گی۔ فی ردالمحتار عن البحر واذا نوی بہ الطلاق کان بائناً اھ تحت قولہ انت علی مثل امی او کامی ــــ ج ۲ ص مذکورین لیکن اس فتوی کو دو چار جگہ دکھلا بھی دیا جاوے اُس کے بعد قابل اطمینان سمجھا جاوے۔ ۷ ر ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ۔

عدم تحقیق ظہار بگفتن زوج زوجہ خود را بوقت اطلاع نکاح با بنت عم کہ ایں ہمشیرہ من است مرا ایں نکاح منظور نیست و حکم عدم فسخ نکاح کہ بتولیت پدر شدہ بوجہ عدم قبول بعد بلوغ

سوال (۵۷۷) زید کا اپنے بنت العم ہندہ سے بزمانہ عدم بلوغ بتولیت اب زید نکاح ہوا اور بلوغ و اطلاع پر اس نے یوں کہا کہ وہ تو میری بہن ہے مجھے یہ نکاح منظور نہیں۔ کیا طلاق ہو جاوے گی یا ظہار ہوگا یا کچھ نہیں۔ اور اب اگر جدید طلاق دے تو کیا اس کے بھائی سے نکاح کردینے میں مطلقہ کے بلوغ کا انتظار دیکھنا پڑے گا۔ لڑکا بالغ ہو گیا ہے مگر ہندہ ابھی تک نابالغ ہے ؟۔

الجواب۔ یہ نکاح لازم ہو گیا۔ اور اس کہنے سے نہ طلاق ہوئی نہ ظہار محض لغو ہے۔ اور اگر اب طلاق دے تو نکاح زوج ثانی میں زوجہ کے بلوغ کا انتظار ضروری نہیں بشرطیکہ کوئی ولی نکاح کرنے والا ہو۔ ۲۹ ر جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثانیہ ص ۲۳)

طریق تفریق از عنین

سوال (۵۷۸) مسماۃ ہندہ کے ولیوں نے نکاح اُس کا زید کے ساتھ کر دیا اور درحالیکہ یہ دونوں جوان اور بالغ تھے زید رجولیت سے خارج تھا دو سال ہندہ نے تقاضاء شرم و حجاب اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ اس کے بعد یہ

راز بستر فاش ہوا اور ہندہ کے ولیوں نے زید اور اُس کے ولیوں سے خلع کی درخواست کی انھوں نے علاج کی غرض سے دو دو چار چار اور چھ چھ مہینے کی کتنی ہی مہلتیں لیں اور زید نے دور دور مقامات میں نامی اور حاذق طبیبوں کے پاس جاکر علاج کیا پورے چار سال مہلت اور علاج میں گزرے اور کچھ سود نہ ہوا مسماۃ ہندہ اور اُس کے ولیوں نے یک لخت مدت چھ سال صبر کیا اب اُن کو یارائے صبر مزید باقی نہیں۔ وے طلاق چاہتے ہیں اور زید اور اُس کے ولی اب بھی طلاق دینے سے گریز کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں علمار دین اور مفتیانِ شرع کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ انکار طلاق کے وقت حاکم شرعی کی تفریق کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ اس ملک میں نہیں ہے لہذا تفریق کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ یا تو شوہر طلاق دیدے یا دونوں زن و شوہر برضامندی کسی عالم یا فہیم کو اپنی طرف سے اس مقدمہ میں حکم مقرر کرکے اُس کے روبرو پیش کریں اور وہ اگر عالم ہو تو خود موافق قواعد شرعیہ اور اگر عالم نہ ہو تو کسی عالم سے اُس کا طریقہ دریافت کرکے اُسی کے موافق دونوں میں تفریق کرائے۔ البتہ اگر کوئی مسلمان حاکم جو منجانب گورنمنٹ مامور ہو اور ایسے معاملات کے قانوناً اُس کو اختیارات دیئے گئے ہوں بعد رجوع نالش کسی عالم سے تفریق قاضی کے معتبر ہے اور اگر شوہر نہ طلاق دے نہ دونوں برضا رخود کسی کو حَکم ٹھیرادیں نہ کوئی مسلمان حاکم اِس قسم کا میسر ہو تو عورت یا اُس کے اولیا بجز صبر کے کچھ نہیں کرسکتے۔ والروایات المثبتۃ لما ذکر ھذہ فی الدر المختار فان وطی مرۃ فیھا والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا وھو علی التراخی لا الفور فلو وجدتہ عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقھا وکذا لو خاصمتہ ثم ترکتہ مدۃ فلھا المطالبۃ ولو ضاجعتہ تلک الایام خانیۃ وفی الدر المختار کتاب المفقود وفی واقعات المفتی لقدری افندی معزیا للقنیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا یکون حجۃ اھ وفی الدر المختار ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الخ وفی الدر المختار ھو ای التحکیم تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینھما وفیہ فان حکم لزمھما ولا یتعدی الی غیرھما۔ واللہ اعلم

۶ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۸ ج ۲)

سوال (۵۷۹) ایک سُنی حنفی المذہب ہو اُس نے ایک قادیانی لڑکی سے لاعلمی میں نکاح کیا لڑکی اس بنیاد پر کہ لڑکا عنین ہی فسخ نکاح چاہتی ہو اور طالب مہر ہی شریعت میں ایسا نکل نکاح شرعی ہوا اور قابلیت انفساخ رکھتا ہی یا ایک معاملہ باطل بنفسہ ہوا جو قابلیت انفساخ نہیں رکھتا اور اس پر کوئی ترتب احکام شرعیہ ہو سکتا ہی یا نہیں اور وہ مہر پا سکتی ہے یا نہیں

الجواب- صحت نکاح کے لئے مردی بمعنی مذکر بودن تو شرط ہی لیکن بمعنی قدرت علی الجماع شرط نہیں پس عنین سے نکاح تو صحیح ہو جاوے گا لیکن زوج کے عنین ہونے کی صورت میں اگر عورت تفریق چاہے تو اُس کا طریقہ شرعاً یہ ہی کہ عورت قاضی کے اجلاس میں درخواست دے کہ اُس کے عنین ہونے کے سبب میں اُس سے علیحدگی چاہتی ہوں (قاضی سے مراد حاکم مسلم ہے گو منجانب سلطنت غیر مسلم کے مقرر ہو کذا فی الدر المختار ورد المحتار) قاضی مرد سے دریافت کرے کہ اس کا دعویٰ عنین ہونے کا صحیح ہی یا نہیں- اگر وہ صحیح تبلادے تو قاضی اُس کو علاج کے لئے ایک سال کی مہلت دے اور اگر وہ تغلیط کرے اور کہے کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں تو اگر وہ نکاح کے وقت باکرہ تھی یعنی باکرہ ہونیکی حالت میں اس کا نکاح ہوا تھا تو اب ایک یا دو معتبر ماہر عورتوں کو دکھلایا جاوے گا کہ وہ اب باکرہ ہی یا ثیبہ- اگر وہ باکرہ تبلادیں تو عورت کو راست گو سمجھ کر مرد کو علاج کے لیے اس صورت میں مرد کو بھی مہلت دی جائے گی- اور اگر وہ ثیبہ تبلادیں یا کہ نکاح ہی ثیبہ سے ہوا تھا تو اس صورت میں مرد سے حلف لیا جاوے گا- کہ میں اس سے ہم بستر ہوا ہوں- اگر وہ اس پر حلف کرلے تو عورت کا دعویٰ خارج ہو جاوے گا- اور اگر اس حلف سے انکار کرے تو پھر عورت کا دعویٰ صحیح قرار دیکر مرد کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جاوے گی- اور جن صورتوں ایک سال کی نہلت ملی ہو اس ایک سال گزرنے کے بعد اگر عورت سکوت کرے تو حاکم دست اندازی نہ کرے گا اور اگر عورت پھر درخواست دے کہ یہ اب تک بھی ہم بستر نہیں ہوا تو قاضی پھر مرد سے دریافت کریگا اگر وہ اس دعوے کو صحیح مانے تو عورت کو کہا جاوے گا کہ اب تم کو اختیار دیا جاتا ہے خواہ اس کے ساتھ اسی حالت میں رہو یا تفریق کو اسی مجلس میں یعنی اجلاس برخاست ہونے سے پہلے اختیار کرو اگر وہ تفریق کو اختیار کرے تو اس وقت قاضی مرد سے کہے کہ اس کو طلاق دیدو اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی زبان سے کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی بس اس سے بھی طلاق بائن واقع ہو گی اور اس میں پورا

مہر اور عدت سب لازم ہے۔ لصحۃ الخلوۃ مع العنۃ۔ اور اگر مجلس میں اس نے تفریق کو اختیار نہ کیا تو پھر اختیار عورت کا باطل ہو جاوے گا اور اگر اس دریافت کرنے پر وہ مرد اس عورت کی تکذیب کرے یعنی دعویٰ ہم بستری کا کرے تو پھر اس میں وہی تفصیل مذکور ہے کہ اگر وہ نکاح کے وقت باکرہ تھی تو اب ایک یا دو معتبر عورتوں کو دکھلایا جاوے گا اگر وہ اب بھی باکرہ بتلادیں تو اس عورت کا قول صحیح قرار دیکر مثل بالا اس کو اختیار تفریق کا دیا جاوے گا اور مہر و عدت لازم ہوگی اور مہر و عدت اور بصورت اس کے تفریق کو اختیار کرنے کے قاضی تفریق کردے گا اور اگر وہ ثیبہ تبلادیں یا کہ وہ نکاح کے وقت ہی ثیبہ تھی تو مرد اگر اپنے قول پر حلف کرلے تو عورت کا دعویٰ خارج ہو جاوے گا اور اگر حلف سے انکار کرے تو پھر دعویٰ عورت کا صحیح قرار دیکر اس کو تفریق کا اختیار دیا جائے گا مع لزوم مہر و عدت۔ اور یہ تمام تفصیل درمختار و ردالمحتار میں ہے۔ مگر یہ سب اس وقت ہے جبکہ نکاح کو صحیح قرار دیا جاوے اور بنار سوال صرف مرد کا عنین ہونا ہو یا اور اگر کوئی وجہ مقتضی عدم صحت نکاح کی پائی جاوے مثلاً وہ لڑکی مرزا کو نبی مانتی ہو یا اور کسی عقیدہ غیر اسلامیہ کی معتقد ہو تو بوجہ اس کے کہ ارتداد مانع نکاح ہے یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا اور بدون طلاق ہی زوجین میں سے ہر شخص کو علیحدہ ہو جانے کا اختیار حاصل ہوگا اور اس میں اگر وطی پائی جاوے تو مہر و عدت دونوں لازم ہیں۔ لیکن مہر اگر مہر مثل سے زیادہ مقرر ہوا تو صرف مہر مثل لازم ہے اور بدون وطی کچھ بھی لازم نہیں۔ کذا فی الدر المختار باب المہر۔ ۱۱ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۳)

فصل فی العدۃ والرجعۃ

وجوب عدت وفات درخانۂ زوج

سوال (۵۸۰) جو شوہر بیوی سے ناراض ہو کر اس کو میکے بھیجدے اور پھر اس کا انتقال ہو جائے تو عدت وفات عورت کہاں پوری کرے۔؟

الجواب۔ فی الھدایۃ تعتد فی المنزل یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت ولھذا الوزارت اھلھا وطلقھا زوجھا کان علیھا ان تعود الی منزلھا فتعتد فیہ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سکنی عارضی غیر معتبر ہے چونکہ صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ میکہ میں آنا ایک امر اتفاقی اور عارضی ہے لہٰذا اس اضافت کا اعتبا

نہ ہوگا۔ پس اِس عورت کو عدت وفات اپنے شوہر کے گھر میں پورا کرنا چاہیئے۔ الا بعذر معتبر شرعاً فقط واللہ اعلم۔ ۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۸ ج ۲)

عدم جواز سفر حج در عدت اگرچہ دریک جا بودن متوقع نہ باشد

سوال (۵۸۱) جناب قبلہ و کعبہ ام تسلیمات دست بستہ قبول ہو مجھ کو یہ بات ناممکن ہے کہ ایک جگہ ایام عدت پورے ہوں جگہ ضرور چھوڑنی ہوگی تو ایسی صورت میں اگر حج ہی کو چلی جاؤں تو کیا نقصان ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب الحداد و لا یخرج الی قولہ من بیتہا فی رد المحتار والمراد بہ مایضاف الیہما بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت ھدایۃ وفی الدر المختار الا ان تخرج او ینھدم المنزل الی قولہ فتخرج لا قرب موضع الیہ فی رد المحتار وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ بحر۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عدت کے اندر بلا ضرورت شدیدہ و مجبوری اُس گھر سے نکلنا جائز نہیں جو وفات شوہر کے وقت اِس عورت کے رہنے کا تھا اور جو ایسا ہی جان و مال کے تلف ہونے کا اور کوئی اندیشہ ہو تو اس وقت اور کسی مکان میں جو حتی الامکان پہلے مکان سے قریب ہو جا کر رہے پھر اُن میں سے نکلنا جائز نہ ہوگا، بہر حال سفر جائز نہیں خواہ حج کا ہو یا غیر حج کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۲ ج ۲)

جواز نقل معتدہ بضرورت مرض و استیفاء دیون وغیرہ

سوال (۵۸۲) حالتِ عدت میں کانوں کی بالیاں پہننا بھی کیا زینت میں داخل ہے ان کو تو وہ عورتیں بھی پہن لیتی ہیں، جو بوجہ جہالت کے عمر بھر سوگ قائم رکھنا اور زینت یا پھول وغیرہ کے استعمال سے گریز کرنا چاہتی ہیں۔ (۲) معتدۃ الموت اگر اِس قدر مریض ہو کہ بظاہر اُمید جاں بری نہ ہو اور شوہر کے گھر میں جہاں وہ عدت گزار رہی ہے برادری کی مستورات کے آنے جانے اور میت کے غیر مشروع تذکرہ یا نوحہ و بین، اور رونے دھونے سے یا مشروع زاری اور تذکرہ سے مریضہ کا مرض زیادہ ہوتا ہو یا بچوں کے شور و غل سے بیماری بڑھتی ہو اور اُس کا انسداد ممکن نہ ہو کیونکہ دوسرا گھر ہونے کی وجہ سے نہ زور دیا جا سکتا ہے نہ اثر پذیر ہو سکتا ہے پس ایسی حالت میں معتدہ مریضہ کا وہاں سے منتقل کرنا اور اپنے گھر لے آنا جائز ہے یا نہیں۔ (۳) معتدہ مریضہ اگر شہر کے اطباء کے معالجہ سے صحت نہ پائے اور اطباء شہر کی تشخیص کے باعث کوئی معالجہ بھی کافی نہ ہو سکے تو بغرض علاج یا تشخیص

مرض دوسرے شہر میں لے جانا یا معالجہ کے لیے چند روز دوسرے شہر میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار بترک الزینۃ بحلی وفی رد المحتار ای بجمیع انواعہ من فضۃ وذہب وجواہر قہستانی الخ وفی الدر المختار وتعتد ان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات الخ۔ روایت اولی سے جواب سوال اول کا معلوم ہوگیا کہ درست نہیں اور کسی کا اس کو زینت نہ سمجھنا اس کی زینت واقعی ہونے کو رفع نہیں کرسکتا۔ اور روایت ثانیہ سے سوال دوم وسوم کا جواب معلوم ہوگیا کہ دوسری جگہ منتقل کرنا اور دوسرے شہر میں لیجانا درست ہے ونحو ذلک کے عموم میں یقیناً یہ صورتیں داخل ہیں بلکہ خوف تلف مال کو جب ضرورت قرار دیا ہے اس میں خوف تلف نفس یا خوف تلف صحت ہے جو مال سے یقیناً اعز واکرم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد جلد دوم ص ۶۶)

سوال (۵۸۳) ایک عورت نانوتہ کی رہنے والی الور میں اپنے شوہر کے ساتھ آکر بیوہ ہوگئی اور اپنی بہن کے پاس ہے کچھ چنے گیہوں اُن کی کاشت میں نانوتہ کی زمین میں کھڑے ہیں اور وہ اپنے سامنے کٹوانا ضروری ہے ورنہ بعضے قرضخواہ اُس غلہ کو روک دیں گے۔ آیا اس معتدہ کو اُس کی بہن نانوتہ میں لیجاسکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا تخرجان منہ الا ان تخرج او ینہدم المنزل او تخاف انہدامہ او تلف مالہا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات الخ ج ۲ ص ۱۰۲۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ بضرورت مذکورۃ فی السوال وہ معتدہ نانوتہ آسکتی ہے۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تتمہ ۳ ص ۳۲)

سوال (۵۸۴) مسمیٰ زید زوجۂ خود مسماۃ ہندہ باحلف باللہ گفت شما از مکان من بیرون شو شما را ہرگز دعویٰ نخواہم کرد۔	ابتدائے عدت در استکتاب مقید بر دستخط از وقت دستخط

پس ہندہ مسطورہ در جوابش گفت کہ حلف شما ہیچ اعتبارے نیست مرا یک کاغذ نوشتہ دہ یعنی طلاق نامہ۔ پس دراں وقت بوجہ عدم میسر کاتب زید مذکور روبرو چہار اشخاص بدست زوجہ خود یک کاغذ سادہ دادہ گفت کہ ہرگاہ ترا نویسندہ میسر شود طلاق نامہ نویسانیدہ از

من دستخط بری - بعد چندروز زید مذکور بنزد ہندہ مسطورہ رفتہ گفت شما زدمن بیا یار روپیہ من بدہ پس ہندہ گفت اگر شما از من دعوی کنی شما در طلاق نامہ دستخط کنید پس روپیہ شما بہم پس دریں وقت زید طلاق نامہ دستخط نمودہ از ہندہ روپیہ اخذ نمودہ اندریں صورت بمطابق ملتِ غرادِ شریعتِ بیضا ازکدام وقت عدۃ طلاق شمار کردہ شود - ؟

الجواب - فی رد المحتار وان کانت مرسومۃ یقع الطلاق نوی اولم ینو وفیہ لو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقرارًا بالطلاق وان لم یکتب فیہ ولو استکتب رای غیرالزوج من اخر کتابًا بطلاقہا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الزوج وختمہ و عنونہ و بعث بہ الیہا فاتاہا وقع ان اقرالزوج انہ کتابہ اوقال للرجل ابعث بہ الیہا الخ اھ قلت وفی الصورۃ المسئول عنہا لم یتحقق الکتابۃ حتی تدخل فی الروایۃ الاولی الاستکتاب المطلق حتی تدخل فی الروایۃ الثانیۃ بل الاذن بالاستکتاب مقید ابقولہ از من دستخط بری فیتوقف وقوع الطلاق علی تحقق ھذا القید فکان نظیرما فی الروایۃ الثالثۃ - خلاصہ جواب آنکہ از وقت دستخط طلاق واقع شدہ پس عدت از ہمیں وقت شمار کردہ شود - واللہ اعلم ۲۵ ر شوال ۲۴ھ (امداد ص ۶۵ ج ۲)

عدت مطلقہ کہ قبل بلوغ خلوت شدہ باشد

سوال (۵۸۵) ایک لڑکی و لڑکا نابالغ کا نکاح ہوا اب بالغ ہونے پر طلاق ہوگیا رضامندی سے عدت اُس کی ہوئی یا نہیں ایک مرتبہ نابالغی میں اپنی سسرال گئی تھی پھر جب سے کبھی نہیں گئی اور لڑکی اور لڑکے کی والدہ والد دونوں موجود تھے اور اب تک موجود ہیں - سو آپ عدت کے بارے میں تحریر فرمائیں ؟

الجواب - جب سے ان میں نکاح ہوا ہے اگر کسی وقت دونوں کو تنہائی میں یکجائی ہوئی ہے جہاں دوسرے کے جانے کا اندیشہ نہ ہو تو عدت واجب ہوگی گو نابالغی کی صورت میں یہ خلوت صحیحہ نہ ہو - اور اگر بعد بلوغ کے ایسا اتفاق ہوا ہے تو خلوۃ صحیحہ بھی ہوگی اور عدت ہر حال میں واجب ہوگی البتہ اگر کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا ہو تو عدت واجب نہ ہوگی اور عدت حیض والی کی تین حیض ہے اور جس کو نابالغی سے حیض نہ آتا ہو اُس کی تین ماہ عدت کے ہیں - فی رد المحتار باب المہر - تحت قولہ ولو بنزوج ھکذا البناء للمصاحبۃ ای ولو کان الصغر مصاحب الزوج یعنی لافرق بین ان یکون الزوج والزوجۃ اوکل منہما صغیرا اھ قال فی البحر فی خلوۃ الصغیر الذی لایقدر علی الجماع

قولان وجزم قاضیخان بعدم الصحۃ فکان ھو المعتمد ولذا قیل فی الدر جزم بالمراھق اھ وتجب العدۃ بخلوتہ وان کانت فاسدۃ لان تصریحھم بوجوبھا بالخلوۃ الفاسدۃ شامل لخلوۃ الصبی کذا فی البحر من باب العدۃ ج۲ ص۵۲۰۔ واللہ اعلم

۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (امداد ص ۱۰۱ ج ۲)

عدت منکوحۃ الغیر بعد وفات زوج ثانی۔

سوال (۵۸۶) ایک عورت اپنے خاوند سے لڑ بھڑ کر کہیں چلی گئی تو چار برس کے بعد اُس نے کسی اور شخص سے خود نکاح کر لیا یا کسی دوسرے شخصوں نے زبردستی کرا دیا تھا تو اب وہ دوسرا خاوند فوت ہو لیا اُس سے ایک لڑکی ایک لڑکا موجود ہے اور اُس کے پہلے خاوند سے جو کہا گیا کہ اُس کو طلاق دیدے تو فوراً اُس نے یہ کہا کہ جب میرے گھر سے چلی گئی تو جب ہی طلاق ہے یہ بھی نہیں معلوم کہ طلاق ہے کہا یا طلاق ہو گئی۔ تو اب اس کی عدت گزرنے پر دوسرا شخص نکاح کر سکتا ہے یا نہیں یا ویسے کر لیں۔ درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب - فی الدر المختار باب العدۃ - المنکوحۃ نکاحًا فاسدًا والموطوءۃ بشبھۃ ومنہ تزوج امرأۃ الغیر غیر عالم بحالھا کما سیجی الی قولہ الحیض (ھو خبر عدۃ) للموت ای موت الوطی وغیرھا وفیہ فی اخر الباب وکذا لاعدۃ لو تزوج امرأۃ الغیر ووطیھا عالما بذلک ودخل بھا الخ۔

پس صورت مسئولہ میں جس شخص سے دوسرا نکاح ہوا ہے اگر اُس کو خبر تھی کہ یہ کسی کی منکوحہ ہے تب تو عدت واجب نہیں اور اگر خبر نہ تھی تو عدت واجب ہے اور عدت اُس کی حیض ہی سے ہے اور شوہر اول نے جس وقت کہا ہے کہ طلاق ہے یا طلاق ہو گئی اس کہنے سے طلاق ہو گئی اور عدت اسی وقت سے شمار کی جائے گی۔ پس یہاں کئی صورتیں پیدا ہوں گی ایک یہ کہ شوہر اول کے طلاق دینے کے بعد عدت گزر گئی اُس وقت شوہر ثانی کی وفات ہو گئی اور اُس کو منکوحہ ہونے کا علم نہ تھا تو اِس صورت میں اس عورت کی عدت تین حیض ہیں دوسری صورت یہ کہ شوہر اول کی عدت گزرنے کے بعد شوہر ثانی کی وفات ہوئی اور اُس کو منکوحہ ہونے کا علم نہ تھا اس صورت میں اس عورت پر عدت نہیں ہے۔ اور تیسری صورت یہ کہ شوہر ثانی کی وفات کے وقت تک عدت شوہر اول کی ختم نہ ہوئی تھی تو شوہر اول کی عدت پوری کرنا پڑے گی اور شوہر ثانی کی عدت میں وہی تفصیل

ہے۔ اور جن صورتوں میں تین حیض عدت ہیں اُن صورتوں میں اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل عدت ہے۔ کما فی رد المحتار تحت قولہ الحیض۔ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۲ ص ۱۷)

حکم عدت ممتدۃ الطہر

سوال (۵۸۷) ایک عورت کو برابر بدستور اور عورتوں کے حیض آتا تھا مگر فی الحال ایک سال سے اس کو حیض موقوف ہے اور اس کے شوہر نے اُس کو طلاق دیا ہے اب وہ عورت عدت کتنے روز بیٹھے گی اُس کے لیے عدت بالاشہر ہے یا عدت بالحیض۔ اگر عدت بالاشہر ہے تو تین ماہ عدت ہوگی یا زیادہ۔ اگر عدت بالحیض ہے تو سن ایاس تک انتظار حیض کا کیا جائے گا یا نہیں اگر سن ایاس تک انتظاری کی جائے تو وہ عورت نہایت غیبحر ہے اس کے خورد پوش کا کوئی ظاہری سامان نظر نہیں آتا۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ در مختار و رد المحتار کے باب العدۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تو مدت ایاس تک انتظار حیض کا ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول معتمد ایک سال وقت طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے اھ۔ احقر کہتا ہے کہ اِس میں یہ اُمور قابلِ لحاظ ہوں گے۔

اوّل۔ اُس کا علاج کیا جائے اگر علاج سے بھی ادرار نہ ہو تب اِس قول پر عمل کیا جائے کیونکہ ضرورت کا تحقق اُسی وقت ہوگا۔

دوم۔ اس قول پر عمل کرنے کے لیے قضاء قاضی کی حاجت ہوگی اور حاکم مسلم گو منجانب کافر بادشاہ کے ہو قاضی شرعی ہے پس سرکار میں ایک درخواست اس کی پیش کی جائے کہ کسی مسلمان حاکم کو اس مسئلہ میں حکم کرنیکا اختیار دیدیا جائے پھر وہ حاکم مسلم اِس فتوے کے موافق اُس عورت کو عدت گزار کر نکاح ثانی کر لینے کی اجازت دیدے۔ اسی طرح عمل کیا جائے۔

سوم۔ اگر اس قول کے موافق عدت شروع کی اور قبل ختم ہونے ایک سال کے اتفاقاً حیض جاری ہوگیا تو پھر عدت حیض سے کی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

۹ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۵ ج ۲)

سوال (۵۸۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا اور جس وقت ہوا تھا اُس وقت ہندہ نابالغ تھی اور جب ہندہ

بالغ ہوئی تو زید سے راضی نہیں ہے اور باکرہ اپنے قرابت دار کے زوجیت میں زید کے رہی مگر دو ڈھائی برس تک زید سے مطلق صحبت وہم بستری چھوڑ دیا ہو اور بعد اُس کے جس کو عرصہ دو ہفتہ کا ہوتا ہے زید نے بوجہ نا اتفاقی کے ہندہ کو روبرو دو آدمی کے ایک وقت میں بیک جلسہ اس طرح پر طلاق دی کہ چونکہ میں تم سے راضی نہیں ہوں اور تم ہماری خلاف مرضی افعال بد میں مبتلا رہتی ہو اس لیے میں نے تم کو طلاق دیا اور اس لفظ کو اس وقت میں تین مرتبہ تکرار کیا تو ایسی حالت میں طلاق از روئے مذہب حنفی کے ہوا یا نہیں اور اب ہندہ چاہتی ہے کہ دوسرے شخص سے نکاح کرے تو فرمائیے کہ ہندہ نکاح اپنا ساتھ دوسرے شخص کے کتنے روز میں کر سکتی ہو۔ آیا بعد گزرنے عدت کے یا فی الفور طلاق ہونے سے اور از روئے مذہب امام ابو حنیفہ رح کے عدت کس قدر زمانہ گزرنے پر ختم ہوتی ہے۔ اگر عدت تین حیض کے گزرنے پر ختم ہوتی ہے تو جس عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اُس کی عدت کا کس طرح پر حساب کیا جائے گا۔ چنانچہ ہندہ کا ایسا ہی حال ہے کہ بوجہ پیدا ہونے لڑکی کے حیض نہیں ہوتا اور عورتوں سے تحقیق کیا گیا ہے تو ایسا ظاہر ہوا ہے کہ جب تک لڑکا دودھ ماں کا نہیں چھوڑتا ہے یعنی دو برس ڈھائی برس تک عورت کو حیض نہیں ہوتا ہے اور جو عورت ہندہ کو لڑکی ہوئی ہے وہ دوسرے شخص سے جس سے اس وقت ہندہ نکاح کرنا چاہتی ہے پیدا ہوئی تو ایسی حالت میں بھی رعایت عدت کی کی جاوے گی یا نہیں اگر عدت کی رعایت ہوگی تو کون تاریخ سے کون تاریخ تک۔؟

الجواب۔ جب ہندہ بالغ ہوئی اور زید سے راضی نہیں تو اگر ہندہ کا نکاح اُس کے باپ یا دادا نے کیا ہے تو اُس کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا بلکہ نکاح باقی رہے گا اور پھر جب زید نے تین طلاق دی تو طلاق پڑ گئی اور مغلظہ ہو گئی اور عدت اس کی وقت طلاق سے تین حیض ہے خواہ کتنے ہی دنوں میں پورے ہوں کیونکہ وہ حیض سے مایوس نہیں ہوئی ایک عارض کی وجہ سے بند ہے جب تک حیض سے مایوسی نہیں ہوتی تب تک عدۃ حیض کے ساتھ معتبر ہوتی ہے پس بعد گزرنے تین حیض کے دوسرے سے نکاح جائز ہوگا خواہ جس سے لڑکی ہوئی ہے اُس سے نکاح کرنا چاہے یا اور کسی سے قبل انقضائے عدۃ جائز نہیں اور اگر ہندہ کا نکاح اس کے باپ دادا نے نہیں کیا تھا کسی دوسرے نے کیا تھا تو بعد بلوغ اُس کو اختیار فسخ کا ہے سو اگر بالغ ہوتے ہی اُس نے کہدیا کہ میں راضی

نہیں تو نکاح[۵۱] ٹوٹ گیا اور یہ فسخ طلاق نہیں ہے تو بعد نکاح ٹوٹنے کے زید محض اجنبی ہو گیا اس کی طلاقیں واقع نہیں ہوئیں نہ اُس پر عدۃ لازم جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اور اگر بالغ ہوتے ہی نہیں کہا بلکہ اُس وقت ساکت ہو گئی اور پھر کہا کہ میں راضی نہیں سو اگر زید نے ہندہ کے بلوغ سے پہلے اُس سے صحبت نہیں کی جب تو نفس سکوت سے نکاح لازم ہو گیا۔ اِس صورت میں بھی زید کی طلاق واقع ہوں گی اور عدت لازم ہو گی اور اگر بلوغ سے پہلے صحبت کا اتفاق ہوا ہے پھر نفس سکوت سے نکاح لازم نہیں ہوا جب تک رضا کی تصریح نہ کرے خواہ زبان سے یا دلالت حال سے۔ اور جب ناراضی بیان کرے تو نکاح فسخ[۵۲] ہو گیا اور اب عدۃ کی ضرورت نہیں۔ حاصل یہ کہ جن صورتوں میں نکاح لازم ہو گیا ہے اُن میں تو زید کی طلاقیں پڑیں اور عدت لازم ہے اور جن صورتوں میں نکاح فسخ ہو گیا اُن میں نہ طلاق پڑی نہ عدت لازم۔ فان زوجهما الاب او الجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما وان زوجهما غیر الاب والجد فلکل واحد منهما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ ثم عندهما اذا بلغت الصغیرة وقد علمت بالنکاح فسکتت فهو رضاء وان لم تعلم بالنکاح فلها الخیار حتی تعلم فتسکت ثم خیار البکر یبطل بالسکوت ولا یبطل خیار الغلام ما لم یقل رضیت او یجیٔ منه ما یعلم انه رضاء وکذلک الجاریة اذا دخل بها الزوج قبل البلوغ ثم الفرقة بخیار البلوغ لیس بطلاق۔ هدایه صـ۲۹۷ ج۱) و طلاق البدعة ان یطلقها ثلاثا بکلمة واحدة او ثلاثا فی طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وکان عاصیا۔ هدایه صـ۳۳۵ ج۱۔ وقال الله تعالیٰ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلثة قروء الاٰیة ولو رأت ثلاثة وما ثم انقطع عنها بالحیض وان طال الی ان الیست کذا فی العنایة۔ عالمگیری صـ۵۲۳ ج۲۔ واللہ اعلم۔

۹؍ جمادی الاول ۱۳۲۰؁ھ (امداد ص۱۱ جلد ۲)

---

[۵۱] اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کہنے کے بعد قاضی مسلم کے یہاں نالش کرے اور وہ فسخ کرے ۱۲۔

[۵۲] یعنی بشرط قضاء قاضی ۱۲ منہ

سوال (۵۸۹) در امداد الفتاویٰ جلد دوم ص۳۶ در مسئلہ عورت ممتدۃ الطہر بوقت ضرورت بر قول امام مالک رح فتویٰ دادہ اند۔ مگر قضاء قاضی بر عمل ایں مسئلہ شرط فرمودند سند کدام کتاب نہ آورند در تمام کتب فقہ موجودہ ایں شرط غیر موجود است اغلب کہ جناب اقدس سرہ قیاس بر مسئلہ مفقود فرمودہ باشند۔ پس قیاس امثال مایاں غیر مقبول است چنانچہ در تصانیف خود جناب مدظلہ تصریح فرمودہ اند کہ قیاس مایان مقبول است۔ خصوصاً اتحاد علت نیست کہ موت امر محتمل است الحاق قضاء قاضی دراں ضروری باشد۔ بخلاف مانحن فیہ۔ یا قاعدہ کلیہ از کدام کتاب فقہ بیان فرمایند کہ در عمل بر مذہب غیر بوقت ضرورت قضاء قاضی شرط ست یا در خاص صور۔ دونہ خرط القتاد۔؟

الجواب۔ قضاء قاضی کی شرط قواعد کلیہ سے لگائی گئی ہے اور یہ نہ قیاس ہے کہ ایجاد مسئلہ نہیں ہے بلکہ قواعد مقررہ مذہب سے کام لیا گیا ہے اور ہے بھی ظاہر۔ اور نہ عمل بمذہب الغیر تصرف فی مذہب الغیر ہے۔ کیونکہ ہم نے مذہب غیر کو علی حالہ برقرار رکھ کر اس پر عمل کی یہ شرط لگائی ہے جیسے کہ ہمارے مذہب کا یہ مسئلہ ہے کہ ضرورتِ شدیدہ میں غیر کے مذہب پر عمل جائز ہے اور مذہب غیر میں اُس مذہب پر عمل کرنے کی یہ شرط نہیں ہے بلکہ علی الاطلاق عمل جائز رکھا گیا ہے تو کیا اس شرط ضرورت کو عمل بمذہب الغیر تصرف فی مذہب الغیر اور تلفیق کہہ سکتے ہیں ہرگز نہیں پس اسی طرح مسئلہ متنازع فیہ بھی ہے۔

اب تفصیلاً چند نظائر تحریر کئے جاتے ہیں جن میں قضاء قاضی تقویت کے لئے شرط کیا گیا ہے اور یہاں بھی تقویت کی حاجت ہے کیونکہ حق غیر ثابت بالشرع کا ارتفاع کسی قوی دلیل سے ہو سکتا ہے یعنی جس مذہب کو ہم خطا سمجھتے ہیں اور ضرورت کی وجہ سے اس پر عمل کیا اور اس عمل میں حق غیر کا اتلاف ہے لہذا ارتفاع حق غیر کے لیے کوئی قوی مقتضی ہونا لازم ہے۔ فی الدر المختار فی باب الھبۃ و لا یصح الرجوع الا بتراضیھما او بحکم الحاکم للاختلاف فیہ (یعنی بین المجتہدین)، اور کفایہ میں ہے لان الرجوع فسخ العقد فلا یصح الا ممن لہ ولایۃ عامۃ وھو القاضی او منھما لولایتھما علی انفسھما کالرد بالعیب

بعد القبض اھ۔ وفی الھدایۃ لانہ مختلف بین العلماء وفی اصلہ وھاء وفی حصول المقصود وعدمہ خفاء الخ۔ اور نیز ہدایہ میں ہے ویشترط فیہ (ای فی خیار البلوغ) القضاء بخلاف خیار العتق لان الفسخ ھنالدفع ضرر خفی وھو تمکن الخلل ولھذا یشتمل الذکر والانثی فجعل الزاما فی حق الآخر فیفتقر الی القضاء الخ۔ اور یہاں پر کتب بھی کم ہیں نیز فرصت بھی کم ہے اگر مناسب ہو تو اشباہ والنظائر ملاحظہ فرمائیں۔ اُمید ہے کہ اس میں یہ قاعدہ ملے گا کہ مذہب غیر پر عمل کرنے کی شرط قضاء قاضی ہے جس صورت میں کہ اس عمل سے الزام علی الغیر ورفع حق غیر ہوتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۳ رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص۲)

اقل مدت حائضہ در عدت طلاق

سوال (۵۹۰) ما قولکم اندریں کہ زن مطلقہ بزبان خود می گوید کہ مدت حیض متعادش سہ روز ست ومدتِ طہر متعادش پانزدہ پس بعد انقضائے عدت او کہ سی ونہ شبانہ روز باشد نکاحش درست است یانہ وشہادت شاہدان مخالفش باطل است یا چہ؟۔

الجواب۔ درباب انقضائے عدت قول معتدہ معتبر است بشرطیکہ مدت محتمل عدت باشد۔ قال اللہ تعالیٰ ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن۔ فی المظہری وفیہ دلیل علی ان قولھا مقبول فی ذلک اھ فی الدر المختار قالت مضت عدتی والمدۃ تحتملہ وکذبھا الزوج قبل قولھا مع حلفھا والا لا اھ ودر اقل مدت عدت حائضہ اختلاف است نزد امام ابو حنیفہ رح شصت روز است ونزد صاحبین رح سی ونہ روز کہ مذکور سوال است۔ فی الدر المختار۔ اقلھا لحرۃ ستون یوما وما فی رد المحتار۔ وعندھما اقل مدۃ تصدق فیھا الحرۃ تسعۃ وثلاثون یوما۔ واللہ اعلم (امداد ص۷۷ ج۲)

تصدیق مجرہ بانقضائے عدت بشرط شہادت قلب

سوال (۵۹۱) درمختار شامی بزازیہ قاضی خاں وغیرہ سب کتابوں میں ہی المطلقۃ المعتدۃ اذا قالت انقضت عدتی تصدق ویجوز بھا النکاح۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس کا حال معلوم کرنا کہ کتنے روز تک تم کو حیض آتا ہے اور کَے روز کا طہر ہے اور حیض کے کتنے رنگ ہیں وغیرہ وغیرہ ضرور نہیں۔ بے اس کے دریافت اور سوال کے قائلہ

سے نکاح جائز ہے مگر معین الحکام میں اس امر کی نسبت سخت تاکید کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہی درست نہ ہوگا۔ ونصہ ھذا ومن ذلک ما اھملوہ من سوال المعتدۃ اذا ارادت النکاح ومباحثتھا عن انقضاء العدۃ بما یفھم بہ احکامھا من التفصیل وتعیین الاقراء ونحو ذلک من شروط الحیضۃ فی عدۃ فینبغی الاجتھاد فی ذلک ولا یکتفی بقولھا قد انقضت عدتی علی الاجمال فان النساء الیوم قد جھلن ذلک جھلا کثیرا بل جھلہ کثیر ممن یظن بہ علم ویری لنفسہ حظا وتقدما وقد عاینت بعض الجھلۃ من الموثقین یستغنی عن سوال المرأۃ جملۃ اذا ھو وجد التاریخ للطلاق شھرین فصاعدا واتخذ الیوم ھذا العقد من المدۃ کثیر من النساء والرجال اصلا فی اکمال عدۃ الطلاق وما ادری کیف ھذا الغلط القبیح انتہی ص۸۸ مطبع مصر؟

الجواب - دونوں عبارتوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ عبارت اوّل میں یہ قید بھی ثابت ہے کہ کان اکبر رایہ ان قولھا حق بعد التحری جیسا کہ ہدایہ کتاب الکراہۃ فصل البیع میں ایک ایسا ہی مسئلہ ہے اور اُس میں اس قید کی تصریح ہے اور وہ یہ ہے ولو ان امرأۃ اخبرھا ثقۃ ان زوجھا الغائب مات عنھا الی قولہ الا ان اکبر رایھا انہ حق یعنی بعد التحری فلا بأس بان تعتد ثم تتزوج۔ اس کے بعد وہی سوال والا مسئلہ نقل کیا ہے وکذا لو قالت لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی فلا بأس ان یتزوجھا۔ اس پر غایۃ البیان میں لکھا ہے۔ اذا غلب علی ظنہ صدقھا۔ اس کے بعد ایک اور مسئلہ اخبار عن الحلالہ کا لکھا ہے اُس پر کفایہ میں ہے ای اذا کانت ثقۃ او وقع فی قلبہ انھا صادقۃ اور معین الحکام میں اسی قید کی شرح اور تفصیل ہے کیونکہ غلبۂ ظن صدق مراۃ وشہادت قلب اُس وقت حاصل ہوگا جب یہ محقق ہوجائے کہ عورت ان احکام ضروریہ کو جانتی ہے ورنہ بالضرور اُس کے صدق میں شک ہوگا پس معین الحکام کی شکایت کا حاصل یہ ہوا کہ لوگ ظن صدق مجردہ کی رعایت نہیں کرتے۔ ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۸۴)

عدت نو مسلمہ

سوال (۵۹۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کافرہ کو مسلمان کرکے بلا عدت پوری کرائے نکاح کر لیا جس کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا اور ابھی تک اس عورت کے کوئی بچہ نہیں ہوا ہے۔ اب اس کو معلوم ہوا ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا۔ تو آیا اب یہ عدت پوری کرا کر پھر سے نکاح کرے اگر کرے تو عدت کتنے دن کی ہوگی۔؟

الجواب۔ تین حیض کے بعد تو شوہر کافر کا نکاح فسخ ہوگا اور تین حیض اس کے بعد عدت ہوگی اس کے بعد مسلمان مرد سے نکاح درست ہوگا پس اگر یوم اسلام سے چھ حیض گزر گئے ہوں تو اب نکاح جدید کرے۔ ۲ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۱ھ

(تتمہ ثانیہ ص ۳۵)

استفتاء۔ ایک سوال و جواب بغرض تحقیق بھیجتا ہوں کہ یہ صحیح ہے یا غلط:۔

سوال (۵۹۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کافرہ غیر حاملہ اپنے شوہر کافر سے جدا ہو کر مدت دراز تک علیحدہ رہی اور نوکری کرکے اوقات بسر کرتی رہی اور آج تک غیر حاملہ ہے اور اس مدت دراز میں بظاہر اس کے زانیہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کے بعد اسلام قبول کرکے ایک مسلم کے نکاح میں آئی پس ایسی حالت میں عدت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب خلاف الصواب من بعض ملا سے مدرسہ فیض الغربا فی آرہ

صورت مسئولہ میں نکاح کے جواز میں شبہ نہیں اور ہرگز عدت کی ضرورت نہیں کہ وہ عورت بے شوہر ہے اور زانیہ ہونا ثابت بھی ہو تاہم عدت کی ضرورت نہیں، عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ مکلکم ہی یصح نکاح الزانیۃ الغیر الحاملۃ الخ یعنی زانیہ غیر حاملہ کا نکاح صحیح ہے اور عدت کی ضرورت نہیں۔ ہدایہ صفحہ ۲۹۲ میں ہے۔ کذا اذا رائی امرأۃ تزنی الخ یعنی کسی عورت کو زنا کرتے دیکھے اور اُس سے نکاح کرے تو ہم بستری حلال ہے عدت کی ضرورت نہیں۔ مسئلہ واضح ہے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کتبہ۔۔۔ حنفی قادری مدرس اول مدرسہ فیض الغربا آرہ

الجواب من صاحب الفتاویٰ مع الرد علی الجواب الاول

فی الھدایۃ واذا اسلمت المرأۃ وزوجھا کافر عرض القاضی علیہ الاسلام

فان اسلم فھی امرأتہ وان ابی فرق بینھما وکان ذلک طلاقا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہ فیھا واذا اسلمت المرأۃ فی دار الحرب وزوجھا کافر اواسلم الحربی وتحتہ مجوسیۃ لم یقع الفرقۃ علیھا حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجھا ص۳۲۶ ج۱- اس روایت میں تصریح ہو کہ کافر عورت کے مسلمان ہونے سے دارالاسلام میں بعد عرض قاضی کے اور اباء زوج کے فرقت کردی جاتی ہے اور یہ فرقت طلاق ہوگی اور بعد طلاق کے عدت کا وجوب ظاہر ہے اور دارالکفر میں بعد اسلام لانے سے تین حیض گزرنے سے وہ بائنہ ہوتی ہے اور بینونت کے بعد عدت واجب ہوتی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں حالتِ کفر میں مدت تک محض جُدا رہنے سے اُن کا نکاح سابق ہی نہ ٹوٹا تھا جب وہ مسلمان ہوئی ہے نکاح اب ٹوٹا ہے مگر موقع اسلام لانے کا اگر دارالاسلام ہے تب تو نکاح ٹوٹنے میں یہ بھی شرط ہے کہ زوج پر قاضی اسلام اسلام کو پیش کرے گا اور جب وہ انکار کرے گا تب نکاح ٹوٹے گا اور اگر وہ موقع دارالکفر ہے تو اسلام لانے کے بعد تین حیض گزرنے پر نکاح ٹوٹا ہے۔ پس پہلی صورت میں بعد اباء زوج کے عدت واجب ہوگی اور دوسری صورت میں بعد بینونۃ کے عدت واجب ہوگی۔ پس اسلام لاتے ہی بلا انقضائے عدتِ نکاح کرلینا کسی حال میں جائز نہ ہوگا۔ روایت مذکورہ اس کی صاف دلیل ہے اور ان عبارتوں سے کہ یصح نکاح الزانیۃ الغیر الحاملہ الخ اور کذا اذا ادعیٰ امرأۃ تزنی الخ۔ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خود زنا موجبات عدت سے نہیں یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اگر دوسرے موجبات عدت پائے جاویں تو محض زانیہ نہ ہونا موجباتِ عدت کے اثر کو بھی باطل کردے گا ورنہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کسی مطلقہ پر بھی جبکہ وہ زانیہ نہ ہو عدت واجب نہ ہو اور کسی متوفی عنہا زوجہا پر بھی جبکہ وہ زانیہ نہ ہو عدت واجب نہ ہو۔ کیا اس کا کوئی قائل ہو سکتا ہے اور اگر کوئی قائل ہو تو کیا اُس کا قول مقبول ہو سکتا ہے۔ اشرف علی ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

الصحیح ھو الثانی من الجوابین	الجواب الثانی صحیح	الجواب الثانی صحیح
عبدالصمد عفی عنہ	محمد مظہر عفی عنہ مدرس	محمد رشید عفی عنہ
اسلام آبادی	مدرسہ عالیہ کلکتہ	مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی صحیح ما اجاب بہ مولانا اشرف علی فہو صحیح وجواب الاول غلط۔

زاہد حسین مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ — سعادت حسین عفی عنہ شمس العلماء مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ — محمد یحییٰ عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

الجواب الثانی ہو الصحیح — محمد سہول غفرلہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ
الجواب الثانی صحیح — محمد قاسم مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ
الجواب الثانی یصح ویطبق بالسوال — محمد اسمٰعیل عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح — محمد اسحٰق عفی عنہ مدرسہ عالیہ کلکتہ
الجواب الثانی صحیح — سید وصی الدین مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ
الجواب الثانی صحیح — مقبول حسین عفی عنہ امام مسجد مرغی ہٹہ کلکتہ

الجواب الاول الذی اجاب بہ المولوی...... بخش فہو مردود غیر صحیح وانا تعجب علی فہمہ وتفقہہ فانہ مع انہ مدرس وکیف لا یفہم ہذہ العبارۃ الفقہیۃ واما ما اجاب بہ مولانا اشرف علی فہو صحیح موافق للکتب الفقہیۃ۔ عبدالاحد عفا عنہ دربھنگوی محمد پوری

جناب مولانا اشرف علی صاحب کا جواب صحیح ہے۔ مجیب اول کے جواب پر مجھے سخت حیرت ہوتی ہے کہ جو عبارت انھوں نے اپنے استدلال میں نقل کی ہے اُس کو اس سوال سے کیا تعلق۔ محمد عبدالغنی اصلح اللہ بالہ دربھنگوی رسولپوری

الجواب الثانی صحیح الجواب صحیح عبارات فقہاء کرام سے اسی جواب ثانی کی توثیق ثابت ہوتی ہے
عبدالعزیز عفی عنہ مدرس مدرسہ مفتاکلکتہ۔ ابوالخیر عبدالوہاب بہاری عفی عنہ الباری

الجواب من المفسر الحقانی وفیہ بعض التفصیل الضروری

اگر اُس عورت کو اُس کے شوہر نے چھوڑ دیا اور اس مدت دراز تک اگر وہ ان کے نزدیک عدت وطلاق سب کچھ ہوگیا تو اسلام لانے کے بعد تین حیض کی عدت کوئی ضروری نہیں کیونکہ صدر اسلام میں ایسی عورات بہت سی آئی ہیں کہ حالت کفر میں اُن کے شوہروں سے طلاق وعدت ہوچکی مسلمان ہونے کے بعد صحابہ نے نکاح کیا مگر تین حیض کی عدت گزارنا ثابت نہیں اگر اس نے طلاق بھی نہیں دی اور چھوڑ بھی نہیں دیا اور عدت بھی نہیں گزری تو تین حیض عدت کے

گزارنا چاہیئے۔ ابو محمد عبدالحق۔

پھر سائل مذکور کا یہ خط آیا

حضرت سیدی و مرشدی دامت برکاتہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ فتوے پر جناب مولوی عبدالحق صاحب نے جو جواب لکھا ہے ملاحظہ اقدس کے واسطے ارسال خدمت ہے۔

سوال (۱) یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آیا وہ جو اپنے شوہر کافر سے مدت دراز تک جدا رہی جیسا کہ سوال میں لکھا ہے۔ یہ تفریق شرعاً معتبر ہے۔؟

سوال (۲) اگر اُس کے شوہر نے طلاق دیدی اور عدت بھی ہوچکی تو آیا جیسا کافروں کا نکاح شرعاً معتبر ہے ویسے کافروں کی طلاق و عدت بھی شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔؟

جواب سوال (۱) صرف جُدا رہنا تفریق معتبر نہیں۔

جواب سوال (۲) معتبر ہے اگر اُن کی طلاق و عدت کے قواعد احکام اور اُس کا وقوع محقق ہوجاوے اور صرف قرائن و روایات غیر محققہ معتبر نہیں۔

۱۴ر جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ

پھر سائل مذکور کا خط آیا

حضرت سیدی و مرشدی دام برکاتہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ جناب مولوی عبد الرؤف صاحب کا فتویٰ ملاحظۂ اقدس کے واسطے ارسالِ خدمت ہے۔ اگر کچھ تحریر فرمانا ہو تو اسی فتوے پر تحریر فرمایا جاوے۔

نقل فتوے مذکور

صورت مذکورہ میں جو مدت دراز تک جُدا رہنا مذکور ہے اس مدت میں اُن کے قاعدہ سے طلاق و عدت محقق ہو جائے تو اب عدت کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر ایسا نہ ہوا و عورت کے مسلمان ہونے کے بعد اُس کے شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کردیا تو تفریق لدفع الفرار اگرچہ بباعث تعذر کے بلا قضاء قاضی ہو ضرور ہے اور اس تفریق کا حکم امام ابو حنیفہ رح اور امام محمد صاحبؒ کے نزدیک طلاق ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک فسخ کا اور کسی مسلمان نے جو اُس

سے قبل اتمام عدة کے نکاح کر لیا ہے یہ نکاح صحیح ہوگا لیکن علی القول المفتی بہ استبرار رحم کے لیے تا ایام عدت وطی درست نہیں۔ جامع الرموز میں یہ ہے۔ واتفق المشائخ علی جواز نکاح المعتدة عن کافر الا ان بعضهم قالوا ان العدة واجبة و بعضهم قالوا انها غیر واجبة وهو الاصح کما فی الکرمانی وفیه اشارة الی انها لو کانت فی عدة مسلم فسد النکاح وذا بالاجماع لیکن عبارت شامی کی یہ ہے۔ تنبیه قال فی النهر قید المصنف بکون المتزوج کافرا لان المسلم لو تزوج ذمیة فی عدة کافر ذکر بعض المشائخ انه یجوز ولا یباح له وطؤها حتی یستبرئها عنده وقالا النکاح باطل کذا فی الخانیة واقول وینبغی ان لا یختلف فی وجوبها بالنسبة الی المسلم لانه یعتقد وجوبها الا تری ان القول بعدم وجوبها فی حق الکافر مقید بکونهم لا یدینونها وبکونه جائزا عندهم لانه لو لم یکن جائزا بان اعتقدوا وجوبها یفرق اجماعا قال فی الفتح فیلزم فی المهاجرة وجوب العدة ان کانوا یعتقدونه لان المضاف الی تباین الدار الفرقة لا نفی العدة اھ قلت قوله وینبغی الخ قد یقال فیه انه مما لا ینبغی لما مر من ان العدة انما تجب حقا للزوج ای الذی طلقها ولا تجب له بدون اعتقاده ولما قدمنا ایضا عن ابن کمال من اعتبار دین الزوج خاصة وکذا قدمناه من ترجیح القول بانه لا عدة من الکافر عند الامام اصلا تامل۔ انتهی۔

حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ القوی ابو البرکات عبد الرؤف عفا عنہ قادری دانا پوری۔

الجواب من صاحب الفتاوی

اول تو اسی میں کلام ہے کہ اس اسلام متکلم فیہ کا موقع دار الاسلام ہے یا نہیں پھر بر تقدیر غیر دار الاسلام ہونے کے آیا وجوب عدت کا قول راجح ہے یا عدم وجوب عدت کا لیکن اگر اس کو غیر دار الاسلام بھی مان لیا جاوے اور عدم وجوب عدت کے قول کو بھی ترجیح دے لی جاوے تاہم صحت نکاح ثانی کے لیے بینونۃ من النکاح الاول تو شرط ہے اور بینونۃ کے لیے بتصریح فقہائے اسلام کے بعد تین حیض کا گزرنا حائضہ کے لیے اور تین مہینے کا گزرنا غیر حائضہ کے لیے وضع حمل

حائل کے لیئے شرط ہے پس جبکہ وہ بنا بر طریقہ شوہر کے مطلقہ نہ ہوئی اور اسی حالت میں اسلام لے آئی تو اگر عدت کے لیے تین حیض یا مایقوم مقامہ کا گزرنا شرط نہ ہو تو بینونۃ کیلئے تو شرط ہی سو علی الاطلاق اُس نومسلمہ سے صحت نکاح کا حکم دیدینا اگرچہ بفور اسلام لانیکے ہو یہ تو غیر صحیح ہوگا۔ پس جواب اخیر میں عبارات نافیہ للعدۃ سے صحت نکاح علی الفور لازم نہیں آتی۔ فی الدر المختار ولو اسلم احدھما ثمۃ ای فی دار الحرب لم تبن حتیٰ تحیض ثلثا او تمض ثلثۃ اشھر الی قولہ ولیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بھا۔ فی رد المحتار قولہ لم تبن حتیٰ تحیض افاد بتوقف البینونۃ علی الحیض الخ قولہ او تمضی ثلثۃ اشھر ای ان کانت لا تحیض لصغر اوکبر کما فی البحر وان کانت حاملا فحتی تضع حملھا ح عن القھستانی قولہ ولیست بعدۃ وھل تجب العدۃ بعد مضی ھذہ المدۃ فان کانت المرأۃ حربیۃ فلا لانہ لا عدۃ علی الحربیۃ وان کانت ھی المسلمۃ فتمت الحیض ھنا فکذلک عند ابی حنیفۃ خلافا لھما لان المھاجرۃ لا عدۃ علیھا عندہ خلافا لھما کما سیاتی۔ بدائع وھذا وجزم الطحاوی بوجوبھا قال فی البحر وینبغی حملہ علی اختیار قولھما صفحہ ۶۴ ج ۲ وصفحہ ۶۲۱ ج ۲ مصریہ۔ قلت انظر الی قولہ فتمت الحیض والی قولہ جزم الطحاوی۔

فائدہ فی رد المحتار عن الھدایۃ والمضمرات وغیرھما ان الخروج (مھاجرۃ) لیس بشرط لانھم قالوا لو اسلمت فی دار الحرب ومضی ثلث حیض بانت منہ ولا عدۃ علیھا عندہ خلافا لھما قھستانی ج ۲ صفحہ ۱۰۱ مصریہ دفع دخل وما فی رد المحتار فلو تزوجھا مسلم او ذمی فی فور طلاقھا جاز فی ذمیۃ طلقھا ذمی او مات عنھا اذا اعتقدوا ذلک کما فی در المختار ج ۲ صفحہ ۱۰۱ واللہ اعلم ۹ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۴۰)

سوال (۵۹۴) فی الھدایۃ۔ واذا اسلمت المرءۃ وزوجھا کافر عرض علیہ السلام فان اسلم فھی امرأتہ وان ابی فرق القاضی بینھما وکان ذلک طلاقا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ وفی فتح القدیر وکان ذلک یعنی تفریق القاضی عند اباء الزوج اھ وفی الکنز واذا اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فرق بینھما وفی البحر الرائق قولہ فرق بینھما

ای القاضی بینھما ولو وقع بمجرد اباءہ ولم یحتج الی تفریق القاضی ولذا قالوا ما لم یفرق القاضی بینھما فھی امرأتہ حتی یجب کمال المھر لھا بموتہ قبل الدخول وکذا فی رد المحتار وعالمگیریۃ وشرح الوقایۃ وغیرھا۔ عامۃ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو کی بی بی کو جس کا شوہر موجود ہو مسلمان کرکے اگر کوئی نکاح کرے تو وہ نکاح دو شرطوں کے ساتھ درست ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اُس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اور شوہر اسلام سے انکار کرے۔ دوسرے یہ کہ بعد انکار کے قاضی شرعی تفریق کردے۔ اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو نکاح درست نہ ہوگا۔ اب دریافت طلب امور ذیل ہیں:۔

(۱) جس ملک میں قاضی شرعی موجود نہیں تفریق کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔؟

(۲) اگر کسی مسلمان نے کسی ہندو کی بی بی کو طوعاً یا کرہاً اُس کے شوہر کے ہوتے ہوئے بغیر تکمیل شرطین مذکورین نکاح کر لیا ہو تو وہ نکاح ناجائز اور اُس کی وطی حرام ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ شرط عرض کی بلاد اسلام میں ہے یہاں اسلام لانے کے بعد تین حیض آجانے کے بعد بائنہ ہو جاوے گی۔ فی الدر المختار ولو اسلم احدھما ای احد المجوسین او امرأۃ الکتابی ثمہ ای فی دار الحرب وملحق بھا کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلثاً او تمضی ثلثۃ اشھر قبل اسلام الآخر اقامۃ لشرط الفرقۃ مقام السبب ولیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بھا۔ باب نکاح الکافر۔ پس اول میں تین حیض گزر جانے کے بعد تو پہلا نکاح ٹوٹے گا اور اس کے تین حیض اور گزریں تب نکاح مسلمان سے درست ہے۔ لما مر من الدر المختار ولیست بعدۃ وفی رد المحتار وھل تجب العدۃ بعد مضی ھذہ المدۃ الی قولہ وجزم الطحاوی بوجوبھا۔ ج ۲ ص ۶۴۱۔ نہ تو اس کے قبل درست ہوگا اور نہ تفریق قاضی پر موقوف ہے۔ اور سوال ثانی میں بھی اسی طرح بعد چھ حیض کے درست ہوگا اس کے قبل درست نہ ہوگا۔ فی الدر المختار باب الاکراہ وصح نکاحہ وطلاقہ الی قولہ واسلامہ ولو ذمیاً کما ھو اطلاق کثیر من المشائخ وما فی الخانیۃ من التفصیل فقیاس والاستحسان صحتہ مطلقاً فلیحفظ بلا

قتل او رجم للشبہۃ کما مر فی باب المرتد۔ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۹۱)

سوال (۵۹۵) ہندہ برہمنی مسلمان ہوگئی ...... خان اُس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا عدت ہندہ ہندو عورت کو پوری کرنا ضروری نہیں۔؟

الجواب۔ اگر اُس کو حیض آتا ہے تو تین حیض اور اگر کسی وجہ سے حیض نہیں آیا تو تین ماہ گزرنے کے بعد شوہر اول کا نکاح اُس سے ٹوٹے گا اب اِس نکاح ٹوٹنے کے بعد پھر بھی عدت ہوگی فی الدر المختار ولو اسلم احدھما ثمہ لم تبن حتیٰ تحیض ثلاثا او تمضی ثلثۃ اشھر قبل اسلام الاٰخر فی رد المحتار ھل تجب العدۃ بعد مضی ھذہ المدۃ الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ

(امداد ثانی ص ۳۰)

عدت زنے کہ شوہرش درسفر وفات یافتہ

سوال (۵۹۶) زید رتول سے اپنی بیوی کو لیکر بتلاش روزگار انبالہ گیا بجائے مستقل جگہ کے اُمید وار ہوگیا اور زید کا خسر وخوشدامن عرصہ دراز سے شہر انبالہ میں ملازم ہیں اسی مکان میں مع اپنی بیوی کے رہنے لگے عرصہ چھ ماہ کا ہوا کہ وہ دونوں وہیں مقیم رہے یعنی اپنے خسر کے گھر جو کہ مدت دراز سے ملازم ہیں مگر خوشدامن زید کی زید کے ہمراہ گئیں نہیں اب عرصہ آٹھ دس یوم کا ہوا کہ زید کا انتقال شہر انبالہ میں اپنے خسر کے ہاں ہوگیا۔ اب زید کی بیوی عدت کے دن کو اپنے باپ کے گھر یعنی شہر انبالہ میں یا اپنے شوہر کے مکان پر قصبہ رتول میں پورے کرنے چاہئے۔ برائے مہربانی اس کا جواب بھی مرحمت فرمائیں۔؟

الجواب۔ فی الھدایۃ وعلی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت واذا خرجت المرأۃ مع زوجھا الی مکۃ فطلقھا ثلثا او مات عنھا فی غیر مصر فان کان بینھا وبین مصرھا اقل من ثلثۃ ایام رجعت الی مصرھا وان کانت مسیرۃ ثلثۃ ایام ان شاءت رجعت وان شاءت مضت الا ان یکون طلقھا او مات عنھا زوجھا فی مصر فانھا لا تخرج حتیٰ تعتد ثم تخرج مع محرم وقال ابو یوسف ومحمد ان کان معھا محرم فلا باس بان تخرج من المصر قبل ان تعتد ص ۴۰۹ ج ۱۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اُس کو انبالہ میں اپنے باپ کے پاس عدت پورا کرنا واجب ہے البتہ اگر باپ وہاں سے آنے لگے اُس وقت اُس کو بھی وہاں سے چلا آنا درست ہے۔ ۷ رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۳)

حکم گزاردن عدت در مکان زوج وقتیکہ وفات زوج در مکان برادر او شدہ

سوال (۵۹۷) زید و عمرو دو برادر حقیقی ایک ہی بستی میں رہتے ہیں دونوں کے مکان کا فاصلہ تقریباً آدھے میل سے کم ہے زید بیمار ہو کر عمرو کے مکان پر آئے ہوئے تھے زوجۂ زید بھی ہمراہ تھیں اسی جگہ اپنے بھائی کے مکان پر زید نے قضا کی۔ اب زوجۂ زید عدت معہودہ بمکان عمرو جس جگہ زید نے قضا کی پورے کرے یا بمکان زوج خود واپس جاوے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً لوجوبہ علیھا وتعتد ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ الخ فی رد المحتار قولہ فی بیت وجبت فیہ ھو ما یضاف الیھما بالسکنیٰ قبل الفرقۃ ولو غیر بیت الزوج الخ ج ۲ ص ۱۰۲۲۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زوجۂ زید کو فوراً اپنے زوج کے مکان کو واپس آجانا چاہیئے اور وہاں ہی عدت پوری کرنا چاہیئے۔ ۳۰ رشعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۸)

حکم خروج در عدت از خوف شر جن

سوال (۵۹۸) بیوہ کو بوجہ خلش آسیب مکان قبل از مدت عدت خالی کر کے دوسرے مکان میں سکونت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت ونحو ذلک فتخرج لاقرب موضع الیہ فی رد المحتار قولہ نحو ذلک منہ ما فی الظھیریۃ لو خافت باللیل من امر المیت والموت ولا احد معھا لھا التحول لو الخوف شدیداً والا فلا ولہ فتخرج ای معتدۃ الوفات کما دل علیہ ما بعدہ ط ج ۲ ص ۱۰۲۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر خوف آسیب کا شدید ہو جس کا تحمل اس معتدہ سے نہ ہو سکے یا اُس کا کوئی ضرر صریح ہو تو دوسرے مکان میں سکونت کا منتقل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۱۸ رشوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۱)

بطلان نکاح معتدہ و وجوب تکمیل عدت سابقہ

سوال (۵۹۹) شخصے در عدت

وفات یک زن رابنکاح آوردہ مجامعت کردہ بعدہٗ نزد شخصے از اہلِ علم رفت و احوال بیان نمود پس آں حکم داد کہ بعد گزشتن عدت اول تجدید نکاح بکن۔ آیا ایں حکم آں اہلِ علم مطابق شرع است یا نہ و اگر نہ عدت دوم نیز حیض گزارد یعنی اول و ثانی عدت کہ از وطی باشد متداخلہ باشند یا نہ۔؟

الجواب۔ وفی الدر المختار وعدۃ المنکوحۃ نکاحاً فاسداً فلا عدۃ فی باطل فی رد المختار فیہ انہ لافرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح والمنظومۃ المحبیۃ لکن فی البحر عن المجتبیٰ کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فالدخول فیہ موجب للعدۃ اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر الیٰ ان قال وتقدم فی باب المہر ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ وثبوت النسب ومثل لہ فی البحر ہناک بالتزوج بلاشہود وتزوج الاختین معاً والاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ اھ ج ۲ ص ۹۹۹ وفی الدر المختار واذا وطئت المعتدۃ بشبہۃ وجبت عدۃ اخریٰ وتداخلتا فی رد المحتار عن الدرر اعلم ان المرأۃ اذا وجبت علیہا عدتان فاما ان یکونا من رجلین او من واحد ففی الثانی لاشک ان العدتین تداخلتا فی الاول ان کانتا من جنسین کالمتوفی عنہا زوجہا اذا وطئت بشبہۃ او من جنس واحد کالمطلّقۃ اذا تزوجت فی عدتہا فوطئہا الثانی وفرق بینہما تداخلتا عندنا الخ ج ۲ ص ۱۰۰۲۔

ازیں روایات معلوم شد کہ ایں نکاح باطل است کہ در عدت واقع شد بعد عدت اگر زوجین خواہند تجدید نکاح توانند کرد۔ نیز واضح گشت کہ وجوب عدت در صورت مسئول عنہا مختلف فیہ است و احوط وجوب ست و نیز ہویدا گشت کہ ہر دو عدت متداخل باشند لیکن عدت وفات حق متوفی است اتمامش بہرحال واجب ست وعدت ثانیہ مسبب از وطی ثانی ست پس اگر آں زن بغیر واطی ثانی نکاح جدید کند اتمام ایں ثانی ہم واجب خواہد بود اگرچہ بتداخل تمام کردہ شود و اگر بایں واطی

نکاح جدید کند اتمام ثانی واجب نباشد۔ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۱۰۳)

سوال (۶۰۰) ایک شخص نے اپنی عورت کو اس شرط پر طلاق دی کہ اگر تو مہر معاف کردے تو میں تجھ کو طلاق دیدوں گا۔ عورت نے منظور کرلیا۔ طلاق نامہ لکھا گیا۔ اس عورت کا نکاح ایک جاہل قاضی نے عدت کے اندر دوسرے مرد سے کردیا۔ بعض آدمیوں نے منع کیا کہ عدت کے اندر نکاح درست نہیں مگر نہ مانا۔ اُس عورت کو چھ سات ماہ کا حمل ہے اُس شخص کا جس سے عدت کے اندر نکاح ہوا اب وہ عورت کہتی ہے کہ میرا نکاح دوبارہ پڑھ دو۔ اب آیا بچہ پیدا ہونے سے پہلے نکاح کردیا جاوے یا نہیں؟

تنقیحات از مجیب

(۱) شوہر نے ایک طلاق دیا تھا یا دو یا تین (۲) طلاق سے کتنے دن بعد دوسرا نکاح ہوا۔ (۳) اس عورت کو طلاق کے وقت حیض آتا تھا یا نہیں یعنی اس کی عدۃ حیض سے تھی یا کیا۔ (۴) اب اُس کو دوسرا نکاح کئے ہوئے کتنے روز ہوئے۔ ان تنقیحات پر جواب موقوف ہے۔

جواب تنقیحات

جواب سوالات کے ارسالِ خدمت ہیں:۔

(۱) ایک دو کا کچھ ذکر نہیں ہوا صرف یہی کہا کہ میں طلاق دے چکا اور ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ طلاقنامہ لکھنے سے پندرہ بیس روز پہلے بھی شوہر نے یوں کہا کہ میں تجھکو چھوڑ چکا۔ (۲) ایک ماہ بعد دوسرا نکاح ہوا ہے۔ (۳) عدت حیض سے تھی بلکہ طلاق کے بعد ایک حیض آیا بھی ہے اور بعد اُس حیض کے حمل قرار پایا۔ (۴) دوسرا نکاح ہوئے کو آٹھ ماہ ہوئے۔ فقط۔

الجواب - بعد معاینہ جوابات تنقیحات کے اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ وضع حمل پر عدت ختم ہوگی اس کے قبل دوسرا نکاح درست نہیں اور نیز اس دوسرے شوہر کے پاس اس عورت کو رہنا بھی درست نہیں۔ یہ تو جواب ہوگیا۔ باقی یہ کہ بچہ جب پیدا ہوگا کس کا ہوگا یہ اُس وقت تبلانے کی بات ہے جب بچہ پیدا ہوجاوے۔ اگر پوچھنا ہوگا تو یہ تمام پرچے بھیجکر پوچھ لیا جاوے۔ ۱۲؍رمضان ۱۳۳۱ھ

سوال مکرر متعلق مسئلۂ بالا - حضور اقدس جناب مولانا مولوی صاحب دام ظلکم بعد آداب نیاز مندانہ گزارش یہ ہے کہ سب پرچے ارسال خدمت

ہیں - عورت مطلقہ کے بچہ پیدا ہوچکا ہے اب تبلا دیجئے کہ یہ بچہ کس کا ہے اور اب عورت مطلقہ کا نکاح کب پڑھنا چاہیئے - ؟

الجواب - فی الدر المختار فیثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین مالم تقر بمضی العدۃ وکانت الولادۃ رجعۃ لو فی الاکثر منہما او لتمامہما لا فی الاقل للشک وان ثبت نسبہ کما یثبت بلا دعوی احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منہما من وقت الطلاق ولم تقر بمضیہا ص ۲۸۲

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ بچہ پہلے شوہر کا کہا جاوے گا اور اب عورت کا نکاح ثانی درست ہوگا - ۲۰ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۵)

سوال (۶۰۱) زید نے ایک معتدہ کو اس کی عدت کے اندر مہر ٹھیک کر کے نکاح کیا اور اس سے عدت کے مہینے تک علیحدہ رہا - بعد گزرنے عدت کے اُسے لیکر بدون نکاح ثانی بود و باش کر سکتا ہے یا نہیں - ؟

(۲) لیکن وہ عورت بعد گزرنے عدت کے یہ کہتی ہے کہ میں دوسری جگہ یعنی دوسرے زوج کو اختیار کروں گی کیا وہ نکاح اوّل توڑ کر دوسرا زوج اختیار کر سکتی ہے؟

الجواب - ۱؎ نہیں - ۲؎ عدت کے اندر جو نکاح کیا ہے وہ نکاح تو ہوا ہی نہیں عورت اس کو چھوڑ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے البتہ اُس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر اس نے صحبت نہیں کی تو عدت بھی واجب نہیں ورنہ عدت گزارنا ہوگی - فی الدر المختار و یجب مہر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشہود (و فی رد المحتار و نکاح المعتدۃ) الی قولہ ولکل واحد منہما فسخہ و لو بغیر محضر من صاحبہ دخل بہا او لا فی الاصح و یجب العدۃ بعد الوطء لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکۃ الزوج اھ و فی رد المحتار فالحق عدم الفرق الی قولہ طلق المنکوحۃ فاسدا ثلاثا لہ تزوجہا بلا محلل قال ولم یحک خلافا ج ۲ ص ۴۷۷ تا ۵۰۰ - ۵ محرم ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۱۱)

سوال (۶۰۲) ایک عورت کی عدت بیوگی ختم ہو چکی ہے الحال اُس کو آثارِ حمل نمودار ہیں - بعض کا قول یہ ہے کہ یہ حمل نہیں بلکہ احتباس حیض کا عارضہ ہے

اور اگر حمل فی الواقع ہے تو اسی شخص کا ہے جس سے نکاح اس عورت کا کرنا مقصود ہے اِس حالتِ حمل یا شبہہ حمل میں اِس مرد سے جس کا حمل تصور کیا جاتا ہے نکاح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الھدایۃ ویثبت نسب ولد المتوفی عنہا زوجہا ما بین الوفاۃ وبین السنتین واذا اعترفت المعتدۃ بانقضاء عدتھا ثم جاءت بالولد لاقل من ستۃ اشھر یثبت نسبہ وان جاءت بہ لستۃ اشھر لم یثبت۔ بنا براس روایت کے اس میں تفصیل یہ ہے کہ دیکھنا چاہیئے کہ اس عورت نے جس کا خاوند مرگیا ہے بعد گزرنے چار ماہ دس دن کے یہ بات زبان سے کہی ہے کہ میری عدت ختم ہوچکی یا یہ بات نہیں کی اگر کہی ہے تو بالفعل عدت کو ختم کہدیا جائے گا، لیکن اگر انقضائے عدت سے چھ ماہ سے کم میں لڑکا ہوا تو یہ کہا جائیگا کہ یہ لڑکا مردہ کا ہے اور اِس بناء پر اگر اس نے دوسرا نکاح کر لیا ہوگا تو اُس کو باطل کہا جائے گا۔ البتہ اگر انقضائے عدت سے چھ ماہ کے بعد بچہ ہوگا تو اُس ......
مردہ کا نہ کہا جائے گا اور اس نے دوسرا نکاح کر لیا ہوگا تو اُس کو صحیح کہا جائے گا اور اگر اُس نے یہ بات نہیں کہی تو شوہر کی وفات سے دو برس کے اندر اندر یہ حمل اُسی کا قرار دیا جائے گا اور چونکہ معتدہ حکم منکوحہ میں ہے اور منکوحہ کا حمل شوہر ہی سے قرار دیا جاتا ہے خواہ واقع میں کسی کا ہو اس لیے حکم بقاء عدت کی صورت میں اس کا اعتبار نہ کیا جاوے گا کہ یہ دوسرے شخص کا حمل ہے اور اگر اس میں بیوہ سے مراد مطلقہ ہے تو دوبارہ سوال کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔ ۴ رجب ۱۳۲۵ھ

(امداد صـ ۴۲ جلد دوم)

مرتدہ پر عدت

سوال (۶۰۳) اگر مرتد ہونے سے نکاح ٹوٹ جاوے تو عدت ہے یا نہیں (۲) صغیرہ مطلقہ کی عدت ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ (۱) عدت ہے (۲) اگر بہت ہی صغیرہ ہو کہ جماع کا احتمال ہی نہ ہو تو عدت نہیں۔ اور اگر جماع کی متحمل ہو تو اُس میں تفصیل ہے کہ اگر وہ شوہر کے پاس خلوت میں بیٹھی ہے تو عدت ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۵ شوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ صـ ۷۶)

خلوت صحیحہ وفاسدہ میں بلا جماع عدت کا واجب ہونا

سوال (۶۰۴) ایک لڑکی کی شادی ایک مرد سے ہوئی لیکن خلوت صحیحہ پائی نہیں گئی یعنی دونوں باہم مل کر علیحدہ کمرے میں نہیں سوئے بلکہ ایک ہی کمرے میں خویش وبیگانہ لڑکی کے جو مرد وعورت تھے اُس لڑکی کو لیکر سوئے تھے اور وہ مرد بھی ایک جانب علیحدہ اُسی کمرے میں سوتا تھا۔ بعد اُس کے یعنی دوسرے دن معلوم ہوا کہ ناکح نامرد ہے پس لوگوں کے کہنے سے ناکح نے اپنی زوجہ کو طلاق دیا۔ پس اس صورت میں عدت اُس عورت پر لازم ہے یا نہیں کوئی کہتا ہے خلوت صحیحہ ہوئی اور کوئی کہتا ہے خلوت فاسدہ ہوئی اور کوئی کہتا ہے نہ خلوت صحیحہ ہوئی نہ فاسدہ عجیب خلجان میں طبیعت پڑی ہے۔ اگر اُس عورت پر بوجہ ناکح کے نامرد ہونے کے عدت لازم نہیں تو اگر کسی مرد کو ایسی صورت پیش آوے تو اُس کا کیا حکم ہے۔؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ اول اس کی تحقیق کر لی جاوے کہ خلوت ہوئی یا نہیں۔ اگر خلوت ہوئی تو عدت واجب ہے گو وہ خلوت بوجہ عنین ہونے مرد کے فاسد ہوگی مگر عدت خلوت فاسدہ میں بھی واجب ہوتی ہے۔ بقول اصح فی ردالمختار ان المذہب وجوب العدۃ للخلوۃ صحیحۃ او فاسدۃ۔ ج ۲ ص ۹۸۶ - ۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۸۲)

وجوب عدت در تفریق از نکاح فاسد

سوال (۶۰۵) ہندہ کا پہلا نکاح زید سے ہوا نکاح کے چند برسوں بعد زید کا انتقال ہو گیا اور مرتے وقت ایک پسر کلو با پنج مہینے کا چھوڑا زید کی عدت کے اندر ہی ہندہ کا دوسرا نکاح عمرو سے ہوا باوجودیکہ عمرو جانتا تھا کہ زید کو مرے ہوئے ایک ماہ گزرا ہے اور عدت کے مسئلہ سے بھی واقف تھا مگر لوگوں کے مجبور کرنے سے اُس نے نکاح کر لیا اور ہندہ بلا اعادہ نکاح دو برس تک عمرو کے تحت میں رہی کوئی اولاد عمرو سے نہیں ہوئی اب ہندہ نے خود عمرو سے طلاق کی درخواست کی عمرو نے مجبوراً کہا کہ اگر تم ہمارا مہر بخشدو تو ہم تم کو طلاق دیدیں ہندہ نے سبھوں کے سامنے مہر بخشدیا اور اُسی وقت عمرو نے یوں کہا کہ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ میں نے طلاق دیا۔ پھر ہندہ عمرو سے علیحدہ ہو گئی اور عمرو کی عدت کے اندر ہی یعنی عدت کے ایک ماہ گزرنے پر بکر سے اپنا نکاح کیا۔ مسئلہ عدت سے دونوں ناواقف تھے یعنی ہندہ وبکر

دونوں نہ جانتے تھے کہ کتنے دنوں کی عدت ہوتی ہے ہندہ کا حیض کلو کے پیدا ہونے کے بعد ہی سے بند تھا اور اب دو ماہ سے حیض ماہوار آنا شروع ہوا ہے یعنی ہندہ کے تیسرے نکاح کے ایک ماہ پہلے سے حیض ماہوار کنے لگا ہے ہندہ کلو کے پیدا ہونے کے بعد اب تک حاملہ نہیں ہوئی۔

(الف)۔ کیا ہندہ کا نکاح عمرو سے کسی صورت سے جائز تھا یا اعادہ نکاح کی ضرورت تھی۔

(ب)۔ اگر ہندہ کا نکاح عمرو سے ناجائز تھا تو کیا بکر کا نکاح بلا عمرو کی عدت گزرے جائز ہو گیا۔

(ج) اگر ہندہ کا نکاح عمرو سے جائز تھا تو کیا بکر کا نکاح بالکل ناجائز ہوگا اور بکر کو ہندہ سے عمرو کی عدت گزرنے تک علیحدہ کرا دینا ضروری ہے اور کیا عمرو کی عدت گزرنے کے بعد بکر کو پھر اعادۂ نکاح کی ضرورت ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار سبب وجوبہا ای العدۃ) عقد النکاح المتاکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوۃ فی رد المحتار عقد النکاح ای ولو فاسدا بحر وفیہ مبدأ العدۃ فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینہما او المتارکۃ وبذلک یدل منشوہا الذی ہو النکاح الفاسد ج ۲ صـ۹۸۲ وفی الدر المختار فی النکاح الفاسد وفیہ او المتارکۃ وفیہ ومنہا الطلاق صـ۱۰۱۱ او فی رد المحتار ان الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدۃ الیٰ قولہ ونکاح المعتدۃ صـ۹۹۹۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عمرو سے جو ہندہ نے نکاح کیا وہ فاسد ہے اور تفریق واجب تھی اور جب اس نے طلاق دی تو اب تفریق ہو گئی اور اب تفریق کے وقت پھر عدت واجب ہوئی جب ہندہ نے پھر عدت کے اندر بکر سے نکاح کیا یہ بھی نکاح فاسد ہے اور تفریق واجب ہے، اب بکر و ہندہ دونوں پر واجب ہے کہ جدا ہو جائیں اور وقت تفریق عمرو سے جب پورے تین حیض گزر جائیں اب جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اس تقریر میں سب سئلوں کا جواب ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ (امداد صـ۳۲ ج۲)

عذر نبودن نااتفاقی در انتقال فی العدۃ **سوال** (۶۰۶) اگر عورت اور ساس کی ساس

میں سخت ناچاقی ہو کہ دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں تو کیا یہ عذر ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے عورت سسرال سے آکر عدت اپنے میکے میں پوری کرے۔ حدیث فاطمہ رضؓ بنت قیس سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر فقہاء کے کلام میں تصریح نہیں ملتی۔

الجواب۔ جزئیات فقہیہ کے تتبع دتائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر مبیح للانتقال نہیں بلکہ قاضی خان میں گھر کے اندر میت کے ہونے کی وجہ سے جو خوف ہو وہ اگر قلیل ہو معتبر قرار دیا گیا۔ قال لان قلیل الخوف یکون بمنزلۃ الوحشۃ حالانکہ اتنا خوف بھی غیر اختیاری ہے ضبط سے جو تکلیف ہوتی ہے وہ اس وحشت مذکورہ سے بہت ادنیٰ ہے جب یہ وحشت عذر نہیں تو تکلیف ضبط کیونکر عذر ہو گا۔ اور حضرت فاطمہ رضؓ بنت قیس کے عذر کی تعیین جس کو انہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا یہ ہے قلت یارسول اللہ زوجی طلقنی ثلثا واخاف ان یقتحم علی رواہ مسلم اور حضرت عائشہ رضؓ کا قول اسی کا موئد ہے۔ قالت کانت فی مکان وحش فخیف علیٰ ناحیتہا۔ رواہ فی المشکوٰۃ۔ ۲۵ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص۵۸ جلد ۲)

ایام سوگ میں پان کھانے کا حکم

سوال (۶۰۷) جس عورت کو پان کھانے کی عادت ہو وہ ایام سوگ میں پان کھا سکتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں۔ ۱۰ر رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۱۵)

سوگ میں کنگی تیل کا حکم

سوال (۶۰۸) سر میں جوئیں پڑجائیں تو ان کے مارنے کے لئے کنگھی کرنا یا تیل سر میں ڈالنا ایام سوگ میں جائز ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ اس عذر سے جائز ہے بشرطیکہ خوشبودار تیل نہ ہو اور باریک دندانہ کی کنگھی نہ ہو۔ کما فی الدرالمختار۔ ۱۰ر رجب ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص۱۱۵)

سوال (۶۰۹) شخص متوفی کی بیوہ کو درد سر نیز اور اسی قسم کے عارضے لاحق رہتے ہیں۔ پس اگر بیوہ مذکور ایسے مرض کی تکلیف کی وجہ سے گاہے گاہے سر میں تیل کی مالش کر لیا کرے تو اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار۔ والدھن ولو بلا طیب کزیت خالص الی قولہ الا بعذر راجع للجمیع اذا الضرورات تبیح المحظورات فی ردالمحتار او تشتکی راسہا فتدھن وتمشط بالاسنان الغلیظۃ المتباعدۃ من غیر

ازادة الزینة لان ھذا اتد اولا زینة جوھرة ج ۲ ص ۱۰۱۶۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں مالش تیل کی جائز ہے مگر اُس میں خوشبو نہ ہو اور اُس کے بعد جو کنگھی کی جاوے باریک اور گنجان دندانوں کی نہ ہو۔

۶ ر ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۱)

عدم جواز استعمال چوڑی بلور در عدت

سوال (۶۱۰) ہندہ کا عقد ہو گیا لیکن خاوند کے مکان پر رخصت نہ کی گئی تھی کہ ہندہ کا زوج گزر گیا۔ اب اُس کو چار مہینے دس دن عدت بیٹھنا ضروری ہے۔ خوشبو، جدید کپڑے، زیور، سُرمہ، پان، مسّی، تیل۔ مہندی وغیرہ سب ترک کیا۔ لیکن ہاتھ میں دو دو چوڑیاں بلور کی رہنے دیں اُس سے جب کہا گیا کہ تم چوڑیاں اُتار دو ہندہ نے کہا کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے یہ کچھ زینت نہیں ہے۔ لہٰذا ہندہ چوڑیاں بلور کی اُتار دے یا پہنے رہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار بترك الزینة بحلی فی رد المحتار قوله بحلی ای بجمیع انواعه من فضة و ذھب وجواھر (بحر) قال القھستانی والزینة ما تتزین به المرأۃ من حلی او کحل الخ ج ۲ ص ۱۰۱۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ زینت کی جمیع انواع واجب الترک ہیں اور زینت کی حقیقت بھی اس سے معلوم ہوئی کہ جس کو عورت بقصد زینت استعمال کرے اور یقینی بات ہے کہ ہمارے دیار میں چوڑیاں تزئین ہی کی غرض سے پہنتی ہیں وہ داخل زینت ہو کر واجب الترک ہوئیں اس لیے اُس عورت پر واجب ہے کہ چوڑیاں اُتار ڈالے۔ رہا اُس کا یہ قول کہ یہ ہندوؤں کی رسم ہے سو اول تو خود ایسی چوڑیاں پہننا بھی ہندوؤں ہی کی رسم ہے مگر جس طرح ان کے ساتھ خصوصیت نہ رہنے سے پہننے میں تشبہ نہیں اسی طرح حسب حکم شرعی ان کے اُتار دینے میں بھی تشبُّہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہندو عورتیں چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں اُتارتی نہیں سو توڑنا بلا ضرورت قطع نظر تشبُّہ کے ویسے بھی مال کی اضاعت ہے پس توڑی نہ جاوے بلکہ اُتار دی جاوے۔ البتہ اگر اُتارنے میں کچھ تکلیف و دشواری ہو تو بمجبوری توڑی جائے۔

۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۳۵)

عدم صحت رجعت بعد ثلاث

سوال (۶۱۱) زید نے اپنی زوجہ کو تین یا تین سے

بھی زائد طلاقیں دیں اور جس روز طلاقیں دیں اُسی روز یا اُس کے بعد عدت کے اندر رجوع کر لیا تو بعد رجوع جو اولاد پیدا ہوئی وہ اور اُس کی زوجہ زید کے مرنے کے بعد ترکہ کے مستحق ہیں یا نہیں اور یہ رجوع صحیح ہے یا غیر صحیح۔؟

الجواب - یہ رجوع صحیح نہیں ہوا عورت بحالہا حرام رہی۔ اب اگر یوم طلاق سے دو سال کے اندر کوئی اولاد ہوئی اور اس مدت میں عورت نے انقضائے عدت کا اقرار زبان سے نہیں کیا تو وہ اولاد ثابت النسب ہو گی اور اگر پورے دو سال یا اس سے زائد میں اولاد ہوئی اور شوہر نے تصریحاً اُس کے نسب کا دعویٰ نہیں کیا تو وہ ثابت النسب نہیں پس جو ثابت النسب ہے وہ وارث ہو گا جو ثابت النسب نہیں وہ وارث نہ ہو گا اور عورت وارث نہ ہو گی بشرطیکہ یہ طلاق مرض الموت میں نہ ہوا ہو فی الدر المختار فصل ثبوت النسب کما یثبت بلا دعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت به لاقل منهما من وقت الطلاق ولم تقر بمضیها او لتمامهما لا الا بدعۃ۔ اور اگر واقعہ کی کوئی اور صورت ہو تو بالتعیین ظاہر کرنا چاہیے کیونکہ اس کی شقوں میں طول بہت ہے۔ فقط ۲۷ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷ ج ۲)

معاف کر دو جانے دو کہنے سے رجعت ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال (۶۱۲) ایک شخص نے ایک عورت کو طلاق دی اُس کے بعد جب نادم ہوا اور عورت سے گھر سے خفا ہو کر جانے لگی تو عورت سے کہا معاف کرو جانے دو چنانچہ وہ ٹھیر گئی۔ اب عدت ختم ہو گئی اور سوا ان الفاظ کے اور کچھ نہیں کہا۔ اب عدت ختم ہو گئی جدید نکاح کی ضرورت ہے یا یہ الفاظ کنایہ رجعت ہو سکتے ہیں۔؟

الجواب - مسئلہ جزئیاً تو نظر سے نہیں گزرا باقی جو کنایات رجعت کے فقہاء نے لکھے ہیں۔ انت عندی کما کنت و انت امرأتی جو کہ نیت سے موجب رجعت ہیں معاف کر دو جانے دو اُن کے مشابہ نہیں ہے لہذا کنایہ نہ ہو گا تجدید بتراضی طرفین کی ضرورت ہو گی۔ وجہ عدم تشابہ ظاہر ہے کہ کنایات مذکورہ اقتضاءً دال ہیں بقاء نکاح پر بخلاف ان الفاظ کے کہ محض طلب رضا کے لیے ہیں جس کو رجعت میں اصلاً دخل و تعلق نہیں ۱۸ر شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۰۲)

حکم اسقاط حمل مطلقہ حاملہ

سوال (۶۱۳) ایک عورت کے تیسرے مہینے میں حمل ساقط

ہو گیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ایسے سقوط حمل کے بعد عورت مطلقہ اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب - فی الدر المختار احکام النفاس وسقط ظہر بعض خلقہ کید او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولد حکما الی قولہ وتنقضی بہ العدۃ فان لم یظہر لہ شئی فلیس بشئی فی رد المحتار انہ ان لم یظہر من خلقہ شئی فلاحکم لہ من ھذہ الاحکام وفیہ باب العدۃ والمراد بہ الحمل الذی استبان بعض خلقہ او کلہ فان لم یستبن بعضہ لم تنقض العدۃ - ان روایات سے معلوم ہوا کہ اُس حمل ساقط شدہ کا اگر کوئی عضو بڑا یا چھوٹا ظاہر ہو گیا ہو تب تو اُس کی عدت گزر گئی اور اُس کو اپنا نکاح دوسرے شخص سے کر لینا جائز ہے ورنہ نہیں - ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۵)

بعض صیغہا رجعت

اطلاع بہشتی زیور کے حصہ چہارم طلاق رجعی میں رجعت کرنے کے بیان میں دوسرا مسئلہ جو ہے اس میں رجعت کیلئے یہ صیغہ بھی لکھا ہے کہ طلاق سے رجوع کرتا ہوں اس میں بھی ایک محقق عالم نے تنبیہ کی ہے کہ اس سے رجعت نہیں ہوتی اس کی بھی مزید تحقیق فرمالی جاوے - (دیکھا تتمہ اولیٰ ص ۲۳۹)

فصل فی النسب والحضانۃ والنفقات

عدم ثبوت نسب از نکاح باطل

سوال (۶۱۴) بعض بے علم ایسا سمجھتے ہیں کہ رضاعت کا مسئلہ اُن دو شخصوں کے ساتھ متعلق ہے جو ایک ساتھ دودھ پویں - یعنی زید ہندہ کا لڑکا پیدا ہوا اور اُس نے جو دودھ پیا اُسی کے ساتھ یہ دودھ پلائی گئی تو زید اور کریمہ میں نکاح حرام سمجھتے اس جہالت کے سبب سے مثلاً کسی نے کریمہ کا نکاح عمرو سے کر دیا اور پھر اُن دونوں کی اولاد بھی پیدا ہوئی تو وہ اولاد کیسی ہے اور اگر کوئی اُن لڑکے لڑکیاں سے جو عمرو کریمہ سے پیدا ہوئے کسی لڑکے کا لڑکی سے نکاح کرے تو یہ کیسا ہے - بینوا توجروا - ؟

الجواب - اس میں بحث طویل ہے باقی میرے نزدیک قواعد سے جسکو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں نسب ثابت نہیں ہوتا لہذا اس نکاح کی اولاد ثابت النسب نہیں اور ان سے نکاح کرنا ثابت النسب کا غیر کفو سے

نکاح کرنا ہے اور غیر کفو سے نکاح کرنے کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے فی ردالمحتار عن مجمع الفتاویٰ نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لا یثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل اھ ج ۲ صـ۵۷۴ - واللہ تعالیٰ اعلم -

۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صـ۱۴۰)

حکم عدم ثبوت نسب اولادے کہ از نکاح محارم پیدا شود وغیر وارث بودن ایشاں

سوال (۶۱۵) ایک شخص نے اپنے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کیا عالموں نے اُس کو منع کیا مگر اُس نے نہیں سُنا - بعدہٗ اُس منکوحہ محرمہ سے فرزند پیدا ہوئے - آیا ان فرزندوں کا نسب اُس ناکح سے ثابت ہوگا یا نہیں اور وہ لوگ ناکح کے وارث ہوں گے یا نہیں مذہب مفتیٰ بہ کیا ہے تحریر فرمائیے - ؟

الجواب - فی ردالمحتار لذا لا یثبت النسب ولا العدۃ فی نکاح المحارم ایضاً کما یعلم مما سیاتی فی الحدود - ج ۲ صـ۵۷۴ مصریہ - اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں نسب ثابت نہ ہوگا اس لئے یہ وارث بھی نہ ہوں گے -

۱۵ر شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صـ۱۵۷)

ثبوت نسب از شوہر گو بظاہر تعلق نہ باشد

سوال (۶۱۶) زید نے مسماۃ ہندہ کو جو کہ عمرو کی منکوحہ سے بغیر عمرو کے طلاق دیئے ہوئے اپنے گھر میں ڈال رکھا ہے اور سات برس سے ہندہ کا تعلق اپنے پہلے شوہر عمرو سے کسی قسم کا نہیں ہے - اس سات سال میں مسماۃ ہندہ کے زید سے بچے پیدا ہوئے ہیں کیا اُن کا نسب زید سے خیال کیا جاوے گا یا عمرو سے - درصورتیکہ زید اور مسماۃ ہندہ اس امر کے مُقر ہیں کہ یہ بچے باہمی تعلقات وطی سے پیدا ہوئے ہیں اور عمرو کی بابت ہندہ مقر ہے کہ یہ بچے اس کے نطفہ سے نہیں ہیں - کیا اس صورت میں ان بچوں سے شریف النسب لڑکیاں بیاہی جاسکتی ہیں اور ان بچوں سے اور خود زید سے کیا تعلق اور مراسم اسلام میں برتے جائیں گے یا بے لوث مسلمانوں کی طرح ان سے معاملہ کیا جاوے اور باوجود بہت فہمائش کے زید ہندہ کو علیحدہ نہیں کرتا ہے - ؟

الجواب - قاعدہ کلیہ ہے کہ چونکہ حقیقت نسب بالکل امر مخفی ہے کہ واقع میں یہ کس کا نطفہ ہے اس لیے شریعتِ مقدسہ نے علامت ظاہرہ کو جو کہ شرعاً بھی معتبر ہو

اُس کا معیار اور مدار قرار دیا ہے اور وہ علامت نکاح ہے۔ پس یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ جس شخص سے نکاح ہوا ہے نسب اُسی کا حق ہے۔ البتہ اگر وہ خود اُس کی نفی کرے یعنی شوہر ہی خود کہے کہ یہ میرا نطفہ نہیں ہے اور درصورت گواہِ زنا نہ ہونے کے عورت بھی اس نفی میں اُس کی تصدیق کرے تب البتہ اُس سے نسب ثابت نہ ہوگا اور عورت کی تصدیق اس لئے شرط ہے کہ شوہر کی نفی سے عورت پر زنا نہ کی تہمت لگتی ہے جس سے حق تلفی و آبرو ریزی عورت کی ہوتی ہے لہذا درصورت گواہ نہ ہونے کے خود صاحبِ حق کی تصدیق ضروری ہوگی جب یہ قاعدہ ممہد ہو چکا جس کی تصریح کتب فقہ میں بنا بر حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر کے موجود ہے۔ اب جواب سب مسائل کا ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اگر عمرو سکوت کرے تو ان بچوں کا نسب عمرو سے ثابت ہوگا (نہ بایں معنی کہ کہا جاوے کہ واقع میں عمرو کے نطفہ سے ہیں بلکہ بایں معنے کہ واقعہ کا حال دلیل قطعی سے معلوم نہیں اور ظاہری قرینہ شرعاً معتبر نہیں اس لئے صاحبِ نکاح صاحبِ حق ہے) اور اسصورت میں زید اور ہندہ کا بیان کافی نہیں کیونکہ حق نسب ان کا حق نہیں ہے اور اگر عمرو بھی نفی کر رہا ہے اور عورت کی تصدیق موجود ہے تب البتہ عمرو سے ثابت نہ ہوگا لیکن زید سے بھی بوجہ عدم نکاح کے ثابت نہ ہوگا بچہ مجهول النسب رہے گا اور اوّل صورت میں نکاح وغیرہ کے باب میں ان بچوں کا حکم مثل عمرو کے ہوگا اور دوسری صورت میں وہ بچے کسی ثابت النسب لڑکیوں کے کفو نہیں ہیں اور غیر کفو سے نکاح کرنیکا جو حکم ہے وہ ان کے لئے جاری ہوگا اور چونکہ ان دونوں صورتوں میں ہندہ و زید دونوں فاسق ہیں اس لیے ان سے فساق کا سا معاملہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔

۳ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ (تتمۂ اولیٰ ص۷۴)

سوال (۶۱۷) بہشتی زیور حصۂ چہارم کے بیان لڑکے کے حلالی ہونے کے آخری دو مسئلوں (نکاح ہو گیا لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی الخ) و (میاں پردیس میں ہے اور مدت ہو گئی برسیں گزر گئیں الخ) پر لوگ مختلف خیال والے اعتراض کر رہے ہیں براہِ عنایت ہر دو مسائل کا مشرح و مدلل حال تحریر فرمایئے تاکہ معترضین کو چُپ کیا جاوے۔؟

الجواب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - اب تک جس نے اس بارے میں زبانی یا تحریری دریافت کیا اعتراض کے رنگ میں دریافت کیا اس لیے خطاب کرنے کو جی نہ چاہا - آپ کے الفاظ سے چونکہ سمجھنے کا قصد معلوم ہوتا ہے اس لئے جواب لکھتا ہوں ذرا غور سے سمجھئے۔ بہشتی زیور کے ان مسئلوں کا یہ مطلب نہیں کہ بدون صحبت کے حمل رہ جاتا ہے اور وہ حمل اُس شوہر کا ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں میں اوپر کے دیکھنے والوں کو خود اسی کا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان میں صحبت نہیں ہوئی پس اُن کو شرعاً یہ اجازت نہیں کہ محض ظاہری دُوری کو زن و شو میں دیکھ کر یہ کہدیں کہ جب ہمارے علم میں ان کے درمیان صحبت واقع نہیں تو واقع میں بھی صحبت نہیں ہوئی اور یہ حمل حرام کا ہے اور یہ عورت حرام کار ہے اور بچہ ولد الحرام ہے۔ پس دیکھنے والوں کو یہ حکم لگانے کا حق نہیں کیونکہ کسی کو حرام کار یا حرام زادہ کہنا بہت بڑی تہمت ہے اور گناہِ عظیم ہے اس کا مُنہ سے نکالنا بدون دلیل قطعی کے جائز نہیں بلکہ جب تک بعید احتمال بھی وقوع صحبت کا رہے گا یوں سمجھیں گے کہ شاید یہی بعید صورت صحبت کی واقع ہوئی ہو اور دوسروں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی ہو اور وہ بعید احتمال یہاں دو ہو سکتے ایک یہ کہ کسی بزرگ کی کرامت سے زن و شو ایک جگہ جمع ہو گئے ہوں اور اُن میں صحبت واقع ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی جن نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہو اور صحبت ہو گئی ہو اور حمل رہ گیا ہو - اور بزرگوں کی کرامت اور جن کا تصرف اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک شرعاً وعقلاً و وقوعاً ثابت ہے - اور گو اس کا احتمال بعید ہی ہو گا مگر ہم مسلمان عورت کو تہمت سے بچانے کے لئے اور بچہ کو عار سے بچانے کے لئے اس احتمال کو ممکن مانیں گے اور یوں کہیں گے کہ شاید ایسی ہی صورت ہوئی ہو - اور بعض صورتوں میں ممکن ہے کہ شوہر ایسی طرح خفیہ آیا ہو کہ کسی کو خبر نہ ہو جیسے بعض اشتہاری مجرم رات کو اپنے گھر آ جاتا ہے اور رات ہی کو چلا جاتا ہے - اس لئے اس حمل کو اُس شوہر کی طرف منسوب سمجھیں گے۔ اور نسب کو ثابت مانیں گے - البتہ خود شوہر کو اس کا علم قطعی ہو سکتا ہے کہ میں نے صحبت کی ہے یا نہیں - سو اُس کو شرعاً مجبور نہیں کیا گیا کہ خواہ مخواہ تو اس بچے کو اپنا ہی مان - بلکہ اُس کو اختیار دیا گیا ہے کہ اگر تو نے صحبت نہیں کی ہے تو اس نسب کی نفی کر سکتا ہے مگر چونکہ حاکم شرع کو کسی دلیل قطعی سے خود شوہر کا راست گو ہونا

یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا بلکہ احتمال ہے کہ کسی اور رنج و غصہ سے عورت کو بدنام کرتا ہو۔ اس لیے اس کے نفی کرنے پر حاکم شرع سکوت نہ کریگا بلکہ مقدمہ قائم کر کے لعان کا قانون نافذ کرے گا پھر لعان کے بعد دوسروں کو شرعاً اجازت ہے کہ اس بچے کو اُس شوہر کا نہ کہیں کیونکہ قانون شرعی سے اُس کا نسب قطع ہو چکا یعنی شرعاً جبر نہیں کہ اب بھی اُسی کا مانو۔ بلکہ قانوناً اُس سے منقطع سمجھیں گے اور واقع کے اعتبار سے پھر بھی یوں کہیں گے کہ غیب کا علم خدا تعالیٰ کو ہے۔ اسی طرح عورت کی نسبت کہیں گے کہ خدا کو خبر کہ مرد سچا ہے یا عورت۔ ۲۷ر شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص۸۴)

سوال (۶۱۸) کتاب بہشتی زیور مصنفہ جناب جلد چہارم میں مسئلہ ذیل دیکھ کر ناچیز کو دنیز دیگر اشخاص کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بابت یہ رائے قرار پائی کہ حضور ہی سے اس کا اطمینان کر لیا جاوے۔

مسئلہ :۔ (شوہر پردیس کو چلا گیا اور برسیں گزر گئیں بلکہ مدتیں ہو گئیں اور یہاں لڑکا پیدا ہو گیا تو وہ لڑکا حرامی نہیں کہلائے گا۔ ہاں اگر شوہر انکار کر دے تو حکم لعان کا ہو گا) مسئلہ ہذا میں اعتراض یہ ہے کہ اگر شوہر کے چلے جانے کے پانچ سال بعد لڑکا پیدا ہوا ہے اور شوہر پردیس میں ہے تو حالتِ ظاہری میں حرامی ہوا اور شوہر نے اقرار بھی کر دیا کہ لڑکا میرا ہے چونکہ اس کا مکان پر آنا ثابت نہیں ہے تو شوہر کی نسبت بھی دیوث کا گمان ہو گا۔ اگر ہم لوگوں کی رائے غلطی پر ہے تو بروئے شرع شریف کیا سند ہے اور آیاتِ قرآنی یا احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس میں کیا حکمت ہے اور دلائل عقلیہ بھی اس کی نسبت کیا ہیں کیونکہ اسبابِ ظاہری ہم لوگوں کے شک کو رفع نہیں کر سکتے ہاں اگر غلطی کتابت سے کوئی عبارت یا الفاظ سہواً کاتب سے تحریر ہونا باقی رہ گئے ہیں یا اگر ایسا ہے کہ شوہر کے جانے کے بعد کچھ ماہ یا انتہائے میعاد دو برس کے بعد بھی لڑکا پیدا ہو تو کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا ہے۔ صرف اس قدر گزارش ضرور ہو گی کہ چونکہ بہشتی زیور کی تعلیم عورتوں کو خصوصاً اور عموماً کم عمر بچوں کو دی جاتی ہے لہٰذا میعاد پیدائش صاف تحریر ہونا چاہیے تھی کیونکہ مسئلہ حضور ہی کا تحریر کردہ ہے اور حضور کو بحیثیت نائبِ رسول ہونے کے ہم لوگوں کی تسکین کافی طور پر کرنا ضروری اور جناب کی ذات مجمع فیض واخلاق ہے اُمید ہے کہ بصراحت جواب کافی و شافی تحریر

فرمائیے گا ۔؟

الجواب ۔ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں کہ واقع میں وہ لڑکا اس شوہر کا ہے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اُس عورت پر یا اُس کے شوہر پر واجب ہے کہ وہ ایسا سمجھیں کیونکہ اُن دونوں کو تو اصل حال معلوم ہے پس اُن پر کیسے واجب ہو گا کہ واقع کے خلاف کا یقین رکھیں اور نہ دوسروں کو واقع کا حال معلوم نہیں اُن پر کیسے واجب ہو گا کہ جس بات کا حال معلوم نہو اُس کا یقین رکھیں ۔ بلکہ مطلب اس مسئلہ کا یہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ اُس کو حرام کا سمجھیں ۔ بلکہ اُن کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ قانوناً اور ضابطہ کی رُو سے یہ لڑکا اس شوہر کا ہے کیونکہ ان مرد و عورت میں نکاح ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ یہ باہم ملے ہوں جس کا علم کسی کو بجز زوجین کے نہ ہوا ہو ۔ جس طرح بعض اشتہاری لوگ خفیہ اپنے گھر آجاتے ہیں یا بعضے لوگ بذریعہ تسخیر جن کے جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور گو یہ احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو ۔ مگر ایک عورت منکوحہ کو احتمال بعید کے ہوتے ہوئے زانیہ کہنا درست نہیں اور اسی کی کیا تخصیص ہے اگر شوہر پاس بھی ہو اس حالت میں جو اولاد ہوتی ہے وہاں بھی واقعہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو یقیناً کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا نطفہ ہے مثلاً اگر پاس رہ کر پانچ برس تک ہم بستر نہ ہو جس کا کسی کو علم نہ ہو تو اس حالت کی اولاد کو صرف قانونی اولاد کہا جاتا ہے واقعی ہونے کا کون حکم کر سکتا ہے ۔ ایسا ہی یہ ہی البتہ چونکہ شوہر کو یقیناً معلوم ہے کہ میں اس عورت سے کتنے روز سے ہمبستر نہیں ہوا ۔ اُس کو یہ حق حاصل ہے کہ کہدے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے پھر اگر اُس نے کہا تو اگر عورت بھی اس کا اقرار کرے اس کو زانیہ کہا جاوے گا ۔ اور اگر شوہر کی تکذیب کرے تو چونکہ دوسرے لوگوں کو کسی دلیل سے کسی خاص شخص کا جھوٹا یا سچا ہونا معلوم نہیں ہو سکتا ہر ایک میں دونوں احتمال ہیں اس واسطے پھر بھی اس عورت کو زانیہ نہیں کہا جاوے گا بلکہ اس صورت میں شریعت نے لعان کا قانون مقرر کیا ہے جس کا بیان ایک مستقل باب میں بہشتی زیور میں بھی ہے اور یہ مسئلہ فقہ کی تمام کتابوں میں ہے اور سمجھدار آدمی کے نزدیک قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے ۔ قرآن کی یہ آیتیں ہیں ۔ قولہ تعالیٰ ۔ اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ۔ وقولہ تعالیٰ لولا جاؤا باربعۃ شھداء فاذ لم یاتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکاذبون ۔ اور حدیثیں یہ ہیں ۔ قولہ علیہ السلام الولد للفراش وللعاھر الحجر

وقولہ علیہ السلام ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث اور احتمالاتِ بعیدہ پر دوسروں سے تہمت اور بدگمانی کا رفع کرنا حدیث کے اس قصہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے دیکھا اور ٹوکا اُس نے قسم کھا کر کہا کہ میں چوری نہیں کر رہا۔ آپ نے اپنے گمان کی تغلیط اور اُس کی قسم کی تصدیق فرمائی اور اس اعتراض کے جواب میں ایک مستقل رسالہ بھی ایک صاحبِ علم نے لکھا ہے۔ رفع الارتیاب عن مسئلۃ الانساب۔ فقط ۔ ۱۳۳۶ھ (تتمۂ خامسہ صٓ ۴۹)

تحقیق نہ سید بودن اولاد ازمرد غیر سید وزن سیدہ

سوال (۶۱۹) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اگر وہ نکاح جائز ہوا تو اولاد جو اس سے پیدا ہوگی وہ نسباً سید کہلائے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں۔ بجز اولادِ فاطمہ رضؓ کے۔ ۲۷ ؍ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (تتمۂ خامسہ صٓ ۱۷۲)

کسی عالم بزرگ کا عورت کے منھ میں اُگال ڈالنے سے جو بچہ پیدا ہوا اُس کا نسب خاوند سے ہوگا نہ اُگال ڈالنے والے سے

ایک مقام سے ایک طویل سوال عربی میں آیا تھا بعد تمحیص اس کو اردو میں مع جواب نقل کرتا ہوں ۔

سوال (۶۲۰) حاصل اس کا یہ تھا کہ ایک صدیقی نسب قاضی کو اولاد کی تمنا تھی ایک سید نسب بزرگ سے دعا کی درخواست کی۔ اُنھوں نے پان کھا کر اُس کا اُگال اُن کو دیا کہ اپنی بیوی کو کھلا دیں۔ چنانچہ کھانے کے بعد آثار حمل کے ظاہر ہوئے اور بچہ پیدا ہوا اُس کے متعلق دو سوال ہیں۔ ایک یہ کہ کیا ایسا ممکن ہے۔ دوسرا یہ کہ اس مولود کا نسب قاضی سے ثابت ہوگا اور وہ مولود صدیقی ہوگا یا اُن بزرگ سے ثابت ہوگا اور وہ مولود سید ہوگا۔؟

الجواب۔ اس میں نہ کوئی امتناعِ عقلی ہے نہ امتناعِ شرعی بلکہ امتناعِ طبی بھی نہیں وجہ یہ کہ فنِ طب میں یہ منقح ہو چکا ہے کہ اصل تولد مولود کا عورت کے مادہ سے ہوتا ہے اور مرد کا مادہ اس کا عاقد ہوتا ہے اور خود بعضی عورتوں کے مادہ میں قوت عاقدہ بھی کافی ہوتی ہے پس اگر خرقِ عادت کے طور پر یہ اوگال اپنے اثر سے عاقد ہوگیا ہو یا عورت کی قوتِ عاقدہ کا معین ہوگیا ہو تو کوئی طبی اشکال نہیں اور اسی احتمال پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد قواعد طبیہ پر منطبق ہو سکتا ہے گو خلافِ عادت ہونے کے سبب

خارق عادت ہے باقی ثبوت نسب سو شریعت میں مرد سے نسب ثابت ہونے کا اور طریق ہی یعنی احبال بطریق متعارف یا اُس کا قائم مقام یعنی عورت کا فراش ہونا اور یہ طریق اُن بزرگ کے لیے متحقق نہیں ہوا اور قاضی کے لیے متحقق ہے لہٰذا اس مولود کو ان بزرگ کا ولد کہنا یا سید کہنا حرام ہے اور معصیت ہے وہ قاضی کا ولد ہے اور صدیقی ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرت حوا کو بنتِ آدم کسی نص میں نہیں کہا گیا۔ اور عورت سے نسب ثابت ہونے کا اور طریق ہے یعنی تولد من بطنہا اور یہ طریق عیسیٰ علیہ السلام میں حضرت مریم علیہا السلام کے اعتبار سے متحقق ہے لہٰذا اُن کو ابن مریم کہا گیا ہے۔
واللہ اعلم۔ ۲۴ر شعبان ۱۳۵۰ھ (النور ص۷ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ)

حل اشکال متعلق ثبوت نسب از پدر و اکتساب رق از مادر

سوال (۶۲۱) بہشتی زیور چوتھا حصہ مطبع قیومی صفحہ ۱۵ میں ہے کہ نسب میں اعتبار باپ کا ہے ماں کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگر باپ سید ہے تو لڑکا بھی سید ہے اور اگر باپ شیخ ہے تو لڑکا بھی شیخ ہے۔ ماں چاہے جیسی ہو اگر کسی سید نے کوئی باہر کی عورت گھر میں ڈال لی اور اس سے نکاح کر لیا تو لڑکے سید ہوئے اور درجہ میں، سب سیدوں کے برابر ہیں اور بیان القرآن جلد دوم ص۱۰۹ میں ہے وجہ کراہت یہ ہے کہ اس میں بلا ضرورت اپنی اولاد کو غلام بنانا ہے کیونکہ حریت اور رقیت میں اولاد تابع ماں کے ہے۔ ان دونوں عبارتوں میں تطبیق کس طرح ہے۔؟

الجواب۔ تعارض ہی کب ہے کیا شرافت نسب اور مملوکیت جمع نہیں ہو سکتی۔[ع] فقط۔ شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۵۷)

ثبوت نسب ولد الزناء از اقرار

سوال (۶۲۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جس کے اول حالات مفصل عرض کئے جاتے ہیں کہ ایک شخص زید جو جائداد کثیر کا مالک تھا فوت ہو گیا اور ایک بیٹا محمود صلبی نکاحی زوجہ سے جوان چھوڑا اور دو بچے عمرو و بکر اور ایک عورت ہندہ باندی جو عمرو و بکر کی ماں تھی چھوڑی۔ ہندہ ایک عورت مدخولہ کی باندی تھی اُس کا نکاح زید کے ساتھ

[ع] قلت و بخرج الجواب عما یستشکل حدیث احب الی من ان اعتق اربعۃ من ولد اسماعیل من العرب لا یسبی حتی یعتق وجہ الجواب بانہ لو نکح احد من بنی اسمٰعیل امۃ مملوکۃ فظاہر ان الولد یکون من ولد اسماعیل و مع ہذا یکون رقیقا تبعا لام ۱۲ منہ

نہیں ہوا تھا اور نہ محمود نے عمرو وبکر کو اپنا بھائی جانا اور نہ تسلیم کیا۔ زید کے مرنے کے بعد ہندہ نے ولیہ ہو کر عمرو وبکر کے حصوں کا اور نیز اپنے حصہ ولیہ کا جائداد زید میں سے ملنے کا دعویٰ عدالت دیوانی میں کیا عدالت نے زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہونا تسلیم نہ کرکے یہ فیصلہ دیا کہ عمرو وبکر زید کی اولاد ولد الحرام ہے ان کو ساٹھواں حصہ حسب تحریر دستور العمل ملے گا جو انتظاماً قبل از پیدائش عمرو وبکر کے زید نے خاندانی انتظام کے واسطے سرکار انگریزی میں بھیجدیا تھا اور اس میں یہ لکھدیا تھا کہ اولاد ولد الحرام کو اگر باپ بیٹا مانے تو اس کو زر نقد سے ساٹھواں حصہ ملے گا لہذا ان کو بھی ساٹھواں حصہ عدالت نے دلانا تجویز کیا ہندہ نے اس فیصلہ کا اپیل کیا عدالتِ اپیل نے یہ تجویز کیا کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہونا ثابت نہیں ہے لیکن چونکہ زید نے عمرو وبکر کو صاحبزادہ لکھا ہے اور شہادت بھی عمرو وبکر کو بیٹا کہنا ثابت ہے اس صورت میں یہ دونوں مقبول الولد (یعنی ثابت النسب ۱۲) زید کے ہوں گے اور بموجب شرع محمدی ان کو حصہ مساوی محمود پسر صلبی کے ملنا چاہیئے اور ہندہ کا دعویٰ بوجہ ثابت نہ ہونے نکاح کے خارج کردیا۔

امور استفسار طلب یہ ہیں

سوال اوّل - مقبول الولد ہونیکے واسطے اقرار لسانی روبرو ورثا ضروری ہی یا نہیں۔؟

سوال دوم - غیر مسلم کے روبرو بیٹا کہنے یا صرف صاحبزادہ لکھنے سے حصہ مساوی صلبی بیٹے کے مل سکتا ہے یا نہیں۔؟

سوال سوم - شرع محمدی میں غیر مسلم کی شہادت جائز ہے یا نہیں۔؟

سوال چہارم - مقر کے صاحبزادہ کہنے سے دیگر ورثا، ذوی الفروض کی جائداد دینے سے اس مقبول الولد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں یا کہ صرف مقر کی جائداد دینے سے۔؟

سوال پنجم - محمود جو صلبی بیٹا زید کا تھا اور عمرو وبکر کو اپنا بھائی تسلیم نہیں کرتا تھا لاولد فوت ہوا اور علاوہ عمرو وبکر کے جو مقبول الولد تجویز ہوئے دو زوجہ چھوڑی ہیں تو اس صورت میں عمرو وبکر محمود کی جائداد میں ترکہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔؟

الجواب - سوال اوّل - ثبوت نسب کے لئے اقرار کرنا ورثہ کے روبرو تو ضروری نہیں مگر دو مقبول الشہادۃ مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے روبرو ضروری ہے۔ فی الدر المختار نصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیرہ

الیٰ قولہ رجلان او رجل و امرأتان صـ۱۱ـ۔

جواب۔ سوال دوم۔ سوال کی تمہیدی عبارت سے اس کے متعلق صرف تین بنائیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ زید نے یہ لکھ دیا تھا کہ ولد الحرام کو اگر باپ بیٹا مان لے تو اُس کو زرِ نقد سے ساٹھواں حصہ ملے اھ۔ دوسرے یہ کہ غیر مسلم کے سامنے بیٹا کہنا۔ تیسرے صاجزادہ لکھنا۔ سو بناء اوّل تو اس لئے ناکافی ہے کہ خود اس درخواست ہی میں ولد الحرام ہونے کا خود زید کو اقرار ہے جو صحتِ نسب کے منافی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ دوسری بناء اس لیے ناکافی ہے کہ غیر مسلم کی شہادت بمقابلہ مدعی علیہ مسلم کے معتبر نہیں۔ تیسری بناء اس لیے ناکافی ہے کہ صاجزادہ لکھنا باوجود ولد الحرام مان لینے کے جیسے کہ بناء اوّل میں مذکور ہوا صاف یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے مقصود دعویٰ کرنا صحت نسب کا نہیں ہے محض تحریر میں عنوان تعبیر کا ہے جس کو بنابر تہذیب کلام کے اختیار کیا۔

جواب۔ سوال سوم۔ جائز نہیں۔ فی الدر المختار فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلماً صـ۱۰۹ـ۔

جواب۔ سوال چہارم۔ اس عبارت کی دوسری شق یعنی دیگر ورثہ الخ صاف نہیں ہے شاید مطلب یہ ہے کہ اگر عمرو و بکر کو کوئی دوسرا وارث حصہ دیدے یا عدالت دلادے تو کیا اس صورت میں اس کا ثابت النسب ہونا اور وارث ہونا ثابت ہو جاگا یا جب تک زید جائداد نہ دلادے۔ دوسرے ورثہ سے دیا جانا ثبوت نسب وارث کے لیے کافی نہیں اگر یہ مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ عدالت کا دلانا بدونِ حجت شرعیہ کے کافی نہیں باقی اگر دوسرے ورثہ عمرو و بکر کو وارث جائز قرار دیں تو اگر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت جو قابلِ شہادت ہوں اقرار کرلیں کہ یہ زید کا صحیح النسب بیٹا ہے تو یہ شہادت شرعیہ ثبوت نسب کے بارہ میں ہو جاوے گی اور سب ورثہ پر اس کا اثر ہو جاوے۔ فی الدر المختار و تصدیق بعض الورثۃ فیثبت فی حق المقرین و انما یثبت النسب فی حق غیرھم حتی الناس کافۃ ان تم نصاب الشہادۃ لھم بان شھد مع المقر رجل آخر صـ۲۸۲ـ اور اگر ایسا نہیں ہوا تو کچھ نہ ہوگا اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو صاف عبارت میں لکھنا چاہیئے۔

جواب - سوال پنجم - جب تک عمرو و بکر کا صحیح النسب ہونا ثابت نہ ہو جس کا ایک طریقہ تو زید کا اقرار صحیح تھا جو کہ منفی ہو جیسا اوپر مفصل مذکور ہوا دوسرا دو شرعی وارثوں کا اقرار جس کا نمبر ۴ میں ذکر ہوا - سو جب تک ان دو طریقوں میں سے کسی طریق سے نسب ثابت نہ ہو محمود کے ترکہ میں عمرو و بکر کا کوئی حق نہیں ہے - فقط ۳ محرم ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۳) -

بعد طلاق زوجہ جو اولاد ہو باپ پر اُس کا نفقہ ہونا

سوال (۶۲۳) ایک عورت حاملہ کو شوہر نے طلاق ثلثہ دی بعد وضع حمل عدت گزر گئی اس لئے مطلقہ کو نفقہ نہیں ملے گا مگر وہ بچہ تو شوہر کا ہے وہ بچہ لڑکی ہے وہ جب تک ماں کی پرورش میں ہوگی اس کے واسطے خوارکی ملے گی یا نہیں - ؟

الجواب - ملے گی - ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۲)

اگر معتدہ زوج کے گھر نہ رہی تو زوج پر نفقہ نہیں

سوال (۶۲۴) زید نے اپنی عورت کو بوجہ نافرمان ہونے کے طلاق دیدی اور عورت میکہ میں چلی گئی - تو ایام عدت کا خرچ زید پر واجب ہے کہ نہیں - ؟

الجواب - نہیں - فی الدر المختار ان المرأة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسکنی اذا عادت الی بیت الزوج ج ۲ صفحہ ۱۰۹ قلت دلت الروایة علی تقیید نفقة المعتدة بکونها فی بیت الزوج - ۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱۵)

معتدہ خود کما سکتی ہو تب بھی زوج پر نفقہ ہے

سوال (۶۲۵) جس جگہ یہ دستور عام ہو کہ مرد اور عورت دونوں کسب معاش کرتے ہیں دستکاری وغیرہ اور اسی سے گزران اوقات ہو اور عورت اگر دستکاری نہ جانتی ہو تو اس قصبہ کے لوگ عموماً امراء و غرباء اس معیوب جانتے ہوں اور عورت کا دستکاری یا کسب کرنا ضروری ہو اس وجہ سے کہ جہاں ایسے غرباء بستے ہوں کہ صرف مرد کے کسب کرنے سے عورت اور مرد دونوں کا خرچ چلنا مشکل ہو - اس صورت میں اگر مرد نے اپنی عورت کو طلاق دیدی اور عورت اپنی دستکاری سے بفراغت تمام کما کھا سکتی ہو بلکہ کچھ اُس کے خرچ سے بچتا بھی ہے تو اس صورت میں مرد پر خرچ ایام عدت کا دینا واجب ہے یا نہیں - ؟

الجواب - واجب ہے - جبکہ بیت زوج میں ہو - فی الدر المختار - فتجب للزوجة

الیٰ قولہ فقیرۃ او غنیۃ - ۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اولیٰ ص۱۱۴)

تحقیق سقوط نفقہ در طلاق علیٰ مال

سوال (۶۲۶) اگر عورت طلاق علیٰ مال میں اپنا عدت کا نان و نفقہ وغیرہ معاف کردے تو کیا معاف ہوجائیگا - ؟

الجواب - فی الدر المختار خرج الطلاق علیٰ مال فانہ غیر مسقط فی رد المحتار ای للمہر علی المعتمد کما سیذکرہ المصنف نعم یسقط النفقۃ و لو مفروضۃ کما سیأتی ص۹۱۸ ج ۲ - اس سے معلوم ہوا ہو کہ صورت مسئولہ میں نان و نفقہ معاف ہو جائے گا - ۳۰ محرم ۱۳۲۴ھ (تتمہ رابعہ ص۱۱)

بیوی کو ساس سے الگ گھر دینا شوہر کے ذمہ واجب ہے

سوال (۶۲۷) از خادم .... بالی حضرت مرشدی و مولائی و مقتدائی دامت فیوضہم و برکاتہم - بعد سلام مسنون معروض خدمت والا آنکہ آجکل اس ناکارہ کو ایک امر در پیش ہو جس کا تعلق چونکہ جیسا اصلاح معاد کے ساتھ اس لئے اس امر میں جناب کے مشورہ کو اپنی فلاح دارین کا باعث سمجھ کر مستدعی مشورہ والا ہے -

عرصہ دو سال سے اپنی اہلیہ وغیرہ کو بسبب خانگی جھگڑوں کے ایک علیحدہ مکان میں (جس کو میں نے بذات خود بنوایا ہو اور جس کو اپنی اہلیہ کے مہر میں دیدیا ہے) علیحدہ کر دیا تھا - تعطیلات میں جب مکان پر ہوتا ہوں تو باذن والدین ایک وقت کا کھانا اپنے گھر میں صرف بغرض تسلی اہلیہ کر لیتا ہوں مگر علیحدگی کی وجہ سے اخراجات خانگی بڑھ جانے اور نیز قرضہ حج ادا کرنے کی وجہ سے کچھ زیادہ پس انداز نہ ہو سکتا تھا بایں وجہ بجز ہدیات کے اور زیادہ خدمت مالی والدین کی نہیں کر سکا جو سبب ذرا والدین کی رو کشیدگی کا معلوم ہوتا ہو - خرچ کی تنگی کی وجہ سے والدین کی رضا ہمیشہ سے یہ ہے کہ ہم لوگ ایک ہی میں رہیں - اُمید کہ مشورہ عالی سے مشرف کیا جاؤں تاکہ رائے قائم کرنے میں تقویت ہو - اُمید کہ جواب جلد مرحمت ہو - فقط والسلام مع الاکرام -

الجواب - السلام علیکم و رحمۃ اللہ - چونکہ شرعاً عورت کو حق حاصل ہے کہ شوہر کے ماں باپ سے علیحدہ رہے اور اگر وہ اپنے حق جائز کا مطالبہ کرے گی تو شوہر پر اس کا حق کا ادا واجب ہوگا اور واجب کا ترک معصیت ہو اور معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں لہذا آپ اس انتظام کو نہ بدلیں - ۱۹ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ ص۱۱۹)

سوال (۶۲۸) جناب نے ایک روز وعظ میں حقوق زوجین کے متعلق فرمایا تھا کہ زوجہ کا ایک یہ بھی حق ہو کہ اگر وہ خاوند کے والدین سے علیحدہ رہنا چاہے تو اُس کا منشاء پورا کر دینا واجب ہے اس کے ساتھ گزارش ہو کہ کلام مجید میں خداوند کریم کا یہ حکم ہے کہ سوائے شرک کے اور تمام امور میں والدین کا حکم مانو تو یہ فرض ہوا۔ اب قابلِ دریافت یہ امر ہو۔ کہ والدین کی اگر مرضی نہیں ہو کہ بیوی کو اُن سے علیحدہ رکھا جاوے اور زوجہ کی یہ مرضی ہے کہ اُن سے علیحدہ رہے خواہ ایک ہی مکان میں ہو یا علیحدہ مکان میں تو کس طرح کرنا چاہیئے اور اس کی بابت کیا حکم ہو۔ آیا پہلے فرض ادا کیا جاوے یا واجب۔ براہِ نوازش اس کی بابت مفصل تحریر فرمادیں تاکہ آسانی سے سمجھ میں آجاوے۔

الجواب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ والدین کی اطاعت ترک واجب میں نہیں اور عورت کے یہ حقوق واجب ہیں۔ پس اگر والدین ان کے ترک کو کہیں تو اُن کی اطاعت نہیں۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانیہ صـ ۱۳۱)

استحقاق زوجہ نفقہ را ہر گاہ بوجہ ظلم زوج در خانۂ او نیاید

سوال (۶۲۹) زید و بکر دو بھائی تھے زید نے ایک دختر مسماۃ ہندہ کو چھوڑا اور بکر نے ایک پسر مسمیٰ خالد کو چھوڑا مسماۃ محمودہ مادر ہندہ نے دونوں کا نکاح کر دیا اور ایک عرصۂ دراز تک ہندہ و خالد بسر پرستی محمودہ بسر کرتے رہے تھوڑے زمانہ سے خالد نے اپنی منکوحہ ہندہ کو و نیز اپنی ساس مسماۃ محمودہ کو علیحدہ کر دیا اور طلاق نہیں دیا ان دونوں مسماتان نے بوجہ تنگی و پریشانی وغیرا استطاعۃ واسطے حاصل کرنے ترکہ پدری و شوہری ایک شراکت نامہ نصف حصۂ متروکہ کا حامد کے نام لکھدیا حامد نے عدالتِ دیوانی میں دعویٰ رجوع کر کے ذریعہ صلحنامہ ڈگری حاصل کی جو بسراوقات کے لئے کافی نہیں ہے اب بعد ڈگری خالد نے ایک دوسرا نکاح کر لیا مسماۃ ہندہ نے اس شادی کی خبر سُنکر قبل نکاح ثانی دعویٰ اپنے گزارہ کا دائر کیا اور مسماۃ ہندہ بوجہ عدم رجوع خالد و مخالفت و خوف مار پیٹ و ایذا رسانی و تکلیف گوناگوں شوہر کے ساتھ رہنا قبول نہیں کرتی اور در حقیقت خالد اُس کو مارتا ہے اور حقوق ادا نہیں کرتا اور طلاق بھی نہیں دیتا پس ایسی صورت میں وہ روٹی اور کپڑا شوہر سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔؟

الجواب- فی در المختار باب النفقۃ وخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشرۃ حتیٰ تعود فی رد المحتار قولہ بغیر حق ذکر محترزۃ بقولہ بخلاف ما لو خرجت الخ وکذا ھو احتراز عما لو خرجت حتیٰ یدفع لہا المھر ولہا الخروج فی مواضع مرت فی المھر وسیاتی بعضہا عند قولہ ولا یمنعہا من الخروج الی الوالدین اھ وفی رد المحتار بعد صفحتین لان المعتبر فی سقوط نفقتہا فوات الاحتباس لا من جھۃ الزوج اھ- چونکہ صورتِ مسئولہ میں شوہر کے ساتھ نہ رہنا بوجہ مجبوری اور معذوری کے ہے اور سبب اس کا شوہر کی جانب سے ہے یعنی اُس کا ظلم اِس لئے حسب روایات مذکورۂ بالا اِس صورت میں شوہر کے ذمہ نان ونفقہ واجب ہوگا البتہ اگر شوہر اطمینان دلادے کہ میں اس پر ظلم نہ کروں گا اور پھر بھی عورت اُس کے گھر نہ جائے تب البتہ نان نفقہ واجب نہ ہوگا باقی اس سے زیادہ تصریح اس مسئلہ کی بندہ کو نہیں ملی- واللہ اعلم

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۷۹ جلد دوم)

حکم مطالبۂ نفقہ زمانِ ماضی

سوال (۶۳۰) کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک ہفتہ تک اپنے مکان پر رکھ کر پھر ہندہ کو اُس کے ماں باپ کے مکان پر بھیجدیا اور قریب دس برس تک نان ونفقہ سے خبر نہ لیا پس اس صورت میں ہندہ کا والد زید سے نان ونفقہ شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں

الجواب- فی الدر المختار والنفقۃ لا تصیر دینا الا بالقضاء اوالرضاء الی قولہ فقبل ذلک لا یلزمہ شئ الخ اِس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندہ کا والد زید سے نفقہ کی بابت کچھ نہیں لے سکتا البتہ اگر حاکم کچھ مقدار مقرر کردے یا باہم زوجین کسی خاص مقدار پر اتفاق کرلیں اُس تاریخ سے آئندہ کے لیے وہ مقدار بطور دَین کے واجب فی الذمہ ہوتی رہے گی اُس کا مطالبہ عورت کرسکتی ہے- فقط واللہ اعلم- ۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد جلد دوم ص۸۰)

حکم سقوط نان ونفقہ درحالتِ نشوز

سوال (۶۳۱) کیا بی بی خلاف مرضی اپنے شوہر کے باغوائے اپنے والدین کے مکان والدین پر رہ کر نان ونفقہ از روئے شرع شریف اپنے شوہر سے بارجاع نالش پاسکتی ہے-؟

الجواب - بلا رضا، خاوند والدین کے مکان پر رہ کر شوہر سے نان و نفقہ نہیں لے سکتی جب تک کہ خاوند کے گھر نہ آجاوے وان نشزت فلا نفقۃ لہا حتیٰ تعود الیٰ منزلہ ھدایہ ص۴۱۸ ۲۶ ربیع الاول سنہ (امداد جلد دوم ص۸۱)

عدم رجوع خرچہ معالجہ زوجہ از ترکۂ او۔

سوال (۶۳۲) کیا فرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ مریضہ کا عرصہ چار پانچ ماہ تک علاج معالجہ اپنے خرچ سے کیا بقضائے الٰہی وہ عورت لاولد انتقال کر گئی شوہر اس کا اور والد اس متوفیہ کا موجود ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ متوفیہ کے معالجہ میں جو کچھ میرا صرف ہوا ہے متوفیہ کے ترکہ میں سے اولاً ادا کردینا چاہیے اس کے بعد ترکہ متوفیہ کو موافق شرع تقسیم کرلیا جاوے اور متوفیہ کا والد کہتا ہے کہ علاج معالجہ مثل نان نفقہ کے شوہر پر واجب تھا اس ترکہ میں سے نہ لینا چاہیے اور شوہر نے جو کچھ اس متوفیہ کے علاج میں صرف کیا شوہر پر واجب تھا۔ پس تمام ترکہ موافق شرع شریف تقسیم کیا جاوے لہٰذا حضرات علماء سے امید کی جاتی ہے کہ اس صورت میں جو کچھ حکم شرع ہو تحریر فرماویں۔؟

الجواب - واجب تو نہ تھا تبرع تھا لیکن تبرعات میں رجوع جائز نہیں اسلئے ترکہ سے نہ ملے گا۔ ۸ ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۴۳)

حکم وجوب کفن بذمۂ شوہر

سوال (۶۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا اور اس نے شوہر اور باپ اور ایک لڑکی شیر خوار اور ایک لڑکی چار سال کی اور دو سگی بہنیں جن میں سے ایک کا شوہر ان لڑکیوں کا حقیقی چچا ہے اور ایک کا شوہر دور رشتہ کا ہے اور ایک سگا بھائی اور سوتیلی ماں یعنی باپ کی زوجہ اور حقیقی نانی چھوڑی شیر خوار لڑکی کو کون پرورش کرے گا اور اگر متوفیہ اپنے باپ کے گھر مری ہو تو اس کا کفن وغیرہ کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب - دونوں خورد سال لڑکیوں کا حق پرورش متوفیہ کی حقیقی نانی کو ہے یعنی اگر وہ خواہش کرے تو اوروں سے مقدم ہے مگر خرچ ان کا اس کے ذمے نہیں میراث کا جو حصہ لڑکیوں کو ملے گا اس میں سے خرچ کیا جاوے اس کے استحقاق حضانت کی دلیل یہ روایت ہے۔ فی عالمگیریۃ - احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الام الیٰ قولہ وان لم یکن لہ ام بان کانت

غیر اھل للحضانۃ او متزوجۃ بغیر محرم او ماتت نام الامر الی من کل واحدۃ وان علت (ص۱۶۵ ج ۲)

مگر شرط یہ ہے کہ اس حقیقی نانی کا شوہر اگر زندہ ہو تو وہ متوفیہ کا حقیقی نانا ہو اور متوفیہ کے کفن کے باب میں اختلاف ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ شوہر کے ذمہ ہے۔ فی الدر المختار واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنھا علیہ عند الثانی وان ترکت مالا خانیہ ورجحہ فی البحر بانہ الظاھر لانہ ککسوتھا (ص۹۰۵ ج ۱) لیکن اگر کسی شخص نے اپنی خوشی سے کفن دیدیا ہو تو وہ اب شوہر سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یکم صفر ۱۳۴۰ھ (تتمہ ۵ ص۲۱۵)

نفقۂ زوجات میں تسویہ کی تحقیق

سوال (۶۲۳۴) فقہ کی اکثر کتابوں میں یہ دیکھا ہے اور غالباً جناب کی بھی زبان سے سُنا ہے کہ نفقہ میں دونوں بیویوں کو بالکل برابر رکھنا چاہیئے لیکن شامی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے والحق انہ علیٰ قول من اعتبر حال الرجل وحدہ فی النفقہ واما علی القول المفتی بہ من اعتبار حالھما فلا۔ فان احداھما قد تکون غنیۃ والاخری فقیرۃ فلا یلزم التسویۃ بینھما مطلقا فی النفقۃ۔ اور یہی عبارت بحرالرائق میں بھی ہے اس کا مفہوم تو میں یہ سمجھا کہ قول مفتی بہ یہ ہے کہ نفقہ کے بارہ میں دونوں بیویوں کی حیثیت دیکھی جائے گی اور مطلق مساوات ضروری نہ رہے گی۔ اگر میں مفہوم سمجھا نہیں ہوں تو اس کی تصحیح فرمادی جاوے؟

الجواب۔ میں نے یہ روایت آج ہی دیکھی مگر دیکھنے کے بعد بھی رائے سابق نہیں بدلی وجہ خدشہ یہ ہے کہ اول تو یہ مسئلہ اپنی اصل سے باب القسم یعنی العدل کا نہیں باب النفقہ کا ہے جس میں زوجہ کے یسار و اعسار کی بحث بمقابلہ زوج کے ہے جس پر نفقہ کی مؤنت ہے زوجہ کا حق اور زوج کی مؤنت دونوں پر نظر کر کے یہ بحث پیدا ہوگئی آگے اس پر باب القسم کے جزئیہ کو قیاس کر لیا گیا اور قیاس کرنے والے بھی نہ مجتہد ہیں نہ مرجحین۔ تو اول تو خود اصل مسئلہ قیاسی جو کہ ظنی تھا پھر اس قیاسی پر قیاس کرنے سے جو حاصل ہوگا وہ اصل سے بھی ضعیف ہو کر اضعف ہو جاوے گا۔ خصوص جب قائس بھی ضعیف ہو پھر خود صحت قیاس کی ایک فارق کی وجہ سے متکلم فیہ بھی ہے وہ فارق یہ ہے کہ اصل میں مقابلہ ہے من علیہ الحق و من لہ الحق کا اور ان دونوں کی بناؤں میں تساوی نہیں اس لئے وجہ تعدیل میں اختلاف ہو سکتا ہے ہر قائل نے دونوں بناؤں کی رعایت کا طریق تجویز کرنے میں مختلف رائے قائم کی جس میں اہل

معاملہ میں سے کسی کی ترجیح کسی پر لازم نہیں آتی اور یہاں مقابلہ ہو ایک من لہ الحق کا دوسری من لہ الحق سے جو بناء استحقاق میں متساوی ہیں پھر باوجود تساوی فی بناء الاستحقاق محض ایک وصف خارج یعنی لیسار کی وجہ سے جس کا بناء استحقاق پر کوئی اثر نہیں۔ ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ابطال ہو بناء استحقاق کا ایک وصف خارج کے سبب جو ترجیح بلا مرجح ہو غرض قیاس کی صحت بھی ضعیف۔ پھر قائس بھی ضعیف۔ اور قیاس در قیاس کی وجہ سے بھی ضعف۔ مسئلہ میں اتنے ضعف پھر نصوص وجوب عدل سے تعارض۔ کیونکہ وہ نصوص اپنے اطلاق سے اس صورت کو بھی شامل ہیں کہ ایک موسرہ ہو ایک فقیرہ۔ اور تخصیص و تقیید کی کوئی دلیل نہیں اس لئے یہ حکم سخت مخدوش ہو پھر دوسرے قواعد اس کو مقتضی ہیں کہ اگر اس حکم پر عمل بھی کیا جاوے تو زوج کی رائے پر اس کا مدار نہ رکھا جاوے گا بلکہ قضاء قاضی کی حاجت ہوگی کیونکہ اس صورت میں جو فقیرہ کی طرف سے نزاع ہوگا کہ وہ دوسرے قول کو لینا چاہیگی اس کا قاطع صرف قضاء قاضی ہو سکتا ہو اور عجب نہیں کہ اسی احتمال نزاع کی بناء پر اصل مسئلہ میں بھی قضاء قاضی شرط ہو گو میں نے منقول نہیں دیکھا شاید تلاش سے ملجاوے لیکن باوجود اس کے اگر کسی مفتی کو اس قول میں شرح صدر پیدا ہو جاوے اور عامی کو اس کے فتوے میں شرح صدر ہو جاوے تو افتاء اور اخذ جائز ہے۔ ۳ ر رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ

(النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ ص۸)

حق پرورش دختر پدر را می رسد یا ساس را

سوال (۶۳۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کی منکوحہ بیوی ہندہ کا انتقال ہو گیا۔ زید کی لڑکی زید سے علاوہ مانوس ہونے کے ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے جس کا خاطر خواہ علاج مستعدی اور ہوشمندی سے زید کر رہا ہے ان حالات میں زید کی ساس یعنی ہندہ کی ماں کو زید کی لڑکی کا حق ولایت پہنچتا ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اگر یہ لڑکی بالغہ یا مراہقہ یا مشتہاۃ ہو تو نانی کا حق حضانت ختم ہو چکا اور اگر اس حد سے کم عمر میں ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر نانی معالجہ کا کافی انتظام کر سکتی ہے تو باپ سے یہ مقدم ہے۔ اور اگر انتظام نہیں کر سکتی تو باپ کے پاس رکھی جائے گی۔ والدلائل ھذہ والام والجدۃ احق بالجاریۃ حتی تحیض وفی نوادر ھشام عن محمد اذا بلغت حد الشھوۃ فالاب احق وھذا صحیح ھکذا

فی التبیین وھکذا فی العالمگیریۃ وفیھا ان لم یکن لہا ام الی قولہ فالام اولی وفیھا ولاحضانۃ لمن یخرج کل وقت وتترک البنت ضائعۃ کذا فی البحر الرائق (مجلد ۲ باب سادس عشر فی الحضانۃ قلت الروایۃ الاخیرۃ صریحۃ فی سقوط حق الحضانۃ اذا خیف ضیاع الولد فھذا دلیل لما فصلت۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ر محرم الحرام ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۲۸)

مؤخر بودن خال در حق پرورش نابالغان از خواہر

سوال (۶۲۶) والدین کے انتقال کے بعد دختران نابالغان کے دوسرے قریبی عزیز مثلاً بڑی بہن کے موجود ہوتے ہوئے کیا ماموں کو حق پرورش ہو سکتا ہے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ فان ماتت (ای الجدۃ) فالاخت لاب وام فان ماتت او تزوجت فالاخت لام الخ وفیھا واذا وجب الانتزاع من النساء اولم تکن للصبی امرأۃ من اھلہ یدفع الی العصبۃ وفیھا واذا لم تکن للصغیرۃ عصبۃ تدفع الی الاخ لام ثم الی ولدہ ثم الی لعم لام ثم الی الخال لاب وام ثم لام کذا فی الکافی ج ۲ ص ۱۶۹۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ماموں اس حق میں عصبہ سے مؤخر ہے اور عصبہ بہن سے مؤخر ہے تو ماموں بہن سے بہت مؤخر ہوا لہذا حق پرورش صورت مسئولہ میں بہن کو ہے ماموں کو نہیں۔ فقط ۹ر ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۵۱)

حکم استحقاق عم برائے تربیت طفل درصورت عدم وجود والدآں طفل

سوال (۶۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس نے اپنے ورثاء میں ایک بیوہ ایک بھائی اور دو نابالغ لڑکے چھوڑے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ لڑکے نابالغ ہیں ایک کی عمر گیارہ برس کی ہے اور دوسرے کی تیرہ برس کی۔ تو اب ان کا شرعی ولی آیا مرحوم کی بیوہ ہے یا بھائی۔ ان لڑکوں کے باپ نے ایک ہوٹل چھوڑا ہے اور وہ موافق اور ہوٹلوں کے جاری ہے یعنی اس میں کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں فروخت ہوتی ہیں تو ان اشیاء کی خرید و فروخت اور ہوٹل کی نگرانی محض اس وجہ سے کہ بچے بالغ ہو کر اپنی چیز سے فائدہ اٹھائیں بچوں کا چچا کرے یا اور کوئی کیونکہ ان بچوں کی ماں پردہ نشین ہے و نگرانی پورے طور سے نہیں کر سکتی۔؟

الجواب۔ اگر چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہو اس کے سپرد کیا جائے۔ فی

رد المحتار وان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب ج ۲ ص ۱۰۵۶) ۲۴ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۴۷)

در تحقیق بعض مسائل مندرجہ تتمہ اولیٰ و ثانیہ امداد الفتاویٰ

سوال (۶۳۸) تتمہ جلد ۲ ص ۴۷ - چچا تدین سے نگرانی پر قادر ہوا لخ- غرض سوال از ولایت مال است نہ از حضانت صبی ولایت مال عم را نمی رسد والولی فی النکاح لا المال) قولہ لا المال فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ فقط شامی دون الاخ والعم ۱۲ شامی- قال الزیلعی و اما ما عدا الاصول من العصبۃ کالعم والاخ لا یصح اذ نہم لیس لھم ان یتصرفوا فی مالہ تجارۃ ۱۲ شامی -

حکم حق پرورش طفل برائے جد فاسد در بعض صور-

سوال (۶۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جہانگیر کے ایک لڑکا ہے بعد میں جہانگیر کا انتقال ہو گیا اُس لڑکے کی ماں نے نکاح ثانی کر لیا- سوتیلے لڑکے کا باپ اُس لڑکے کو تکلیف دیتا تھا اتفاقاً طاعون کی بیماری آئی لڑکے کی ماں بیمار ہوئی پہلے شوہر کا جو مال تھا اِدھر اُدھر دوسروں کے مکان پر رکھتی تھی لڑکے کے واسطے- بلکہ زیور جو تھا وہ آپا نے ماموں کے مکان پر رکھا تھا اس نیت سے لڑکے کی شادی میں صرف ہو گا بلکہ دو تین برس پہلے سے یہ اشیاء رکھیں تھیں جب وہ بیمار ہوئی تو اُس نے اپنے ماموں کو بُلایا اس لڑکے اور مال کے سپرد کرنے کے واسطے مگر امور ضروریہ کی وجہ سے جا نہ سکی بروقت انتقال کے پہلے خاوند کا روپیہ و مال وغیرہ و لڑکا نابالغ برادری کو سپرد کیا اور اس خاوند کا جو مال تھا وہ اس خاوند کے سپرد کیا اسطرح سے کہا کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مال لڑکے کا ہے سو اب اس یتیم لڑکے اور مال کا پرورش کنندہ و نگراں کون ہو سکتا ہے یعنی شوہر ثانی ہو سکتا ہے یا لڑکے کا نانا یا ماموں یا غیر برادری جس کو کہ سپرد کیا-؟

الجواب- فی الدر المختار ثم اذا لم تکن عصبۃ فلذوی الارحام فتدفع للاخ لام ثم لابنہ ثم للعم لام ثم للخال لابوین ثم لام برھان وعینی وبحر وکتابت الحضانت فی رد المحتار قولہ فتدفع لاخ لام کان ینبغی ان یذکر اولا الجد لام ففی الھندیۃ انہ اولی من الاخ لام والخال و

فی الدرالمختار کتاب الھبۃ وان وھب لہ اجنبی ثم یقبض ولیہ وھو احد اربعۃ الاب ثم وصیہ ثم الجد ثم وصیہ وان لم یکن فی حجرھم وعند عدمھم ثم یقبض من یعولہ کعمہ وامہ واجنبی ولو ملتقطا لو فی حجرھما والا لفوات الولایۃ اھ۔

بنا بر روایۃ مذکورہ جن رشتہ داروں کا ذکر سوال میں لکھا ہے اُن میں لڑکے کے نانا کو حق پرورش ہے اور اُس کو مال سپرد کیا جاوے گا۔ لان تقدیم الوصی علی المھابی مخصوص بوصی الاب والجد۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ قبول کرے اور معتبر اور شفیق بھی ہو۔ فقط۔ ۲۳/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۷۶)

ضابطہ در تربیت اولاد واہتمام نکاح شاں

سوال (۶۴۰) اولاد کی پرورش والدین کے ذمہ پر کہاں تک ہے عام اس سے کہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ لڑکیوں کی شادی کرنے کا کوئی تاکیدی حکم خاص ہے یا نہیں اور بصورت تاخیر کوئی گناہ بھی لازم آتا ہے اگر ہے تو کس قدر بروئے نص قرآنی جدا جدا علیٰ ہذا حدیث سے بھی جواب دیں۔؟

الجواب۔ سوال پرورش کا جواب بایں تفصیل ہے کہ اگر اولاد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی دو حال سے خالی نہیں۔ ایک حال یہ کہ وہ مالدار ہوں یعنی کسی طور اُن کی ملک میں مال آگیا ہو خواہ بطور ہبہ کے یا بطور میراث کے۔ سو اس حالت میں تو اُن کا نان ونفقہ خود اُن کے مال میں واجب ہے والدین کے ذمہ صرف انتظام کرنا ہے۔ دوسرا حال یہ ہے کہ وہ مالدار نہ ہوں پھر اس مالدار نہ ہونے کی حالت میں دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ وہ بالغ ہوں۔ دوسری صورت یہ کہ وہ نابالغ ہوں بالغ ہونے کی صورت میں دو احتمال ہیں۔ ایک احتمال یہ کہ اپنے لیے محنت مزدوری و نوکری چاکری کر سکتے ہوں۔ اس میں بھی خود ان کا نان ونفقہ انہیں کے ذمہ ہے ماں باپ کے ذمہ نہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ کھانے کمانے پر قادر نہیں اس میں حکم مثل نابالغ کے ہے جو آئندہ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں احتمال تو بالغ ہونے کی صورت میں تھے اور نابالغ ہونے کی صورت میں دو شقیں ہیں۔ ایک شق یہ کہ باپ زندہ ہو — دوسری صورت یہ کہ باپ زندہ نہ ہو۔ اگر باپ زندہ ہو تو صرف باپ کے ذمہ نان و نفقہ ہے ماں کے ذمہ کچھ نہیں۔ البتہ دودھ پلانا بروئے فتویٰ و دیانت ماں کے

ذمہ واجب ہے اور بروئے حکم قضا جبر نہیں ہوگا۔ اگر بچہ کسی اور کا دودھ نہ پیے اُس وقت ماں پر جبر بھی کیا جائے گا۔ اور اگر باپ زندہ نہ ہو تو ماں کے ذمہ ہے اور اگر بچہ کے اور اقارب ذی رحم محرم بھی ہوں تو سب پر تقسیم ہوگا دلیل ان سب دعووں کی درمختار کی یہ عبارت ہے۔ ویجب النفقة لطفله یعم الانثی والجمع وفیه وفی المنیة اب معسر وام موسرة تومر الام بالاتفاق فیکون دینا علی الاب وفیه وکذا تجب لولده الکبیر العاجز عن الکسب لا یشارکه ای الاب ولو فقیرا احد فی ذلك کنفقة ابویه وعرسه وایضا فیه ولیس علی امه ارضاع قضاء بل دیانة الا اذا تعینت فتجبر کما فی الحضانة وفیه عن البحر له ام وعم فکارثهما قال ولد له ام وعم واب ام هل تلزم للام فقط ام کالارث الاحتمال اھ

اور سوال حکم تاکیدی شادی کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم قرآن میں بھی ہے اور حدیث میں بھی عام طور سے ہے کہ لڑکا لڑکی دونوں کو شامل ہے اور لڑکیوں کے لیے خصوصیت سے بھی۔ قال اللہ تعالیٰ وانکحوا الایامی منکم الآیة۔ ایامی جمع ایم کی ہے شراحِ حدیث نے تصریح کی ہے الایم من لا زوج لها بکرا کانت او ثیبا ویسمی الرجل الذی لا زوجة له ایما ایضا وفی المشکوٰة الفصل الثانی من باب تعجیل الصلوٰة عن علی رضی اللہ عنه ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال یا علی ثلاث لا توخرها الصلوٰة اذا اٰنت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفوا۔ رواہ الترمذی وفیها الفصل الثالث من باب الولی فی النکاح عن ابی سعید وابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فانما اثمه علی ابیه وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالك عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال فی التوراة مکتوب من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلك علیه رواهما البیهقی فی شعب الایمان۔ ان روایات سے اِس حکم کا مؤکد ہونا معلوم ہوا اور مؤکد کا ترک موجب مواخذہ ہوتا ہے اور گناہ کی مقدار بھی اخیر کی حدیثوں سے معلوم ہوگئی کہ درصورت تاخیر جس گناہ میں یہ اولاد مبتلا ہوگی خواہ نگاہ کا یا کان

کا یا زبان کا یا دل کا اتنا ہی گناہ اس صاحبِ اولاد کو ہو گا۔ واللہ اعلم۔ ۳ر شعبان ۱۳۲۲ھ
(امداد جلد دوم صفحہ ۷۷)

کتاب الحدود والتعزیر

توحد یا تعدد عقر در صور مختلفہ

سوال (۶۴۱) کسی کی زوجہ بوجہ اجراء کلمۂ کفر نکاح سے باہر ہو گئی مگر پھر بعد چندے تجدید نکاح کر لیا تو تجدید سے قبل اگر وطی کی ہے تو عقر دینا پڑے گا۔ یا زنا محض موجب حد ہے۔ ظاہر تو شق ثانی ہے بالخصوص جبکہ حرمۃ سے کوئی واقف بھی تھا پھر ایسا کیا اگر عقر دینا پڑے تو ہر وطی کے مقابلہ میں عقر ہے جتنی کیا ہو ایک ہی عقر ہے اور بر تحقیق ہندوستان کے دار الحرب ہونے کی کیا حکم ہے، کیا عقر اور حد دونوں ساقط ہو جائیں گے یا کیا ہو گا۔؟

الجواب۔ اس صورت میں حد نہیں ہے۔ فی العالمگیریۃ کتاب الحدود الباب الثالث۔ ارتدت المرءۃ والعیاذ باللہ وحرمت علیہ او حرمت بجماع امھا او بنتھا او لمطاوعۃ ابن الزوج ثم جامعھا قال علمت انھا علی حرام لاحد علیہ اھ۔ رہا وجوب عقر تو گو اس جگہ کو دار الحرب کہا جائے مگر عقر حق العبد ہے ہر موطن میں اس کا وجوب یکساں ہو گا۔ رہا تخصیص دار الاسلام کی اس بناء پر ہے کہ دار الحرب میں ولایۃ الزام عن الامام نہیں باقی وجوب دیانۃً خود الزام قاضی پر موقوف نہیں۔ یہ جواب کلیات شرع سے دیتا ہوں جزئی نہیں دیکھی اور عقر متعدد وطیات سے متعدد ہو گا۔ فی العالمگیریہ کتاب النکاح الفصل الثالث عشر الاصل ان الوطی متی حصل عقیب شبہۃ الملک مرارا لم یجب الامھر واحد لان الوطی الثانی صادف ملکہ ومتی حصل الوطی عقیب شبہۃ الاشتباہ مرارا یجب لکل وطی مھر علی حدۃ وفیھا ولو وطی المعتدۃ عن الطلقات الثلث وادعی الشبھۃ الی قولہ ان ظن ان الطلقات واقعۃ لکن ظن ان وطیھا حلال فھذا الظن فی غیر موضعہ فیلزمہ بکل وطی مھر۔ فقط واللہ اعلم (امداد ج ۲ ص ۸۱)

عدم استلزام ارتفاع حد در تکرار ارتفاع زنا را

سوال (۶۴۲) حال میں ایک ترجمہ

موطا جس کا نام کشف الغطاء عن کتاب المؤطا۔ مترجمہ مولوی وحید الزماں خاں حیدرآبادی میری نظر سے گزرا اُس میں مترجم نے لکھا ہے حدیث متعہ کے متعلق تحت میں لکھا ہے کہ بالاتفاق متعہ کرنے والے پر زنا کی حد لازم نہیں آتی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب متعہ حرام ہو گیا تو متعہ کرنے والے پر کیوں زنا کی حد نہ عائد ہو گی کیونکہ حرام جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو فعل متعہ کے ذریعہ سے کیا جاوے زنا کی حد تک نہیں پہنچا۔ اس کے متعلق جو جناب کی رائے ہو اُس سے اطلاع بخشی جاوے کیونکہ بعض بعض لوگ اس غلط فہمی میں پڑے ہیں کہ ممتوعہ سے صحبت کرنا زنا میں داخل نہیں ہے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ او تزوجہا متعۃ لا یجب الحد الخ ج ۳ ص ۹۴ وفی رد المحتار تحت قولہ در المختار الموجب للحد قید بہ لان الزنا فی اللغۃ والشرع بمعنی واحد الی قولہ فان الشرع لم یخص اسم الزنا بما یوجب الحد بل بما ھو اعم والموجب للحد بعض انواعہ ولو وطی جاریۃ ابنہ لا یحد الزنا ولا یحد قاذفہ بالزنا فدل علی ان فعلہ زنا وان کان لا یحد بہ وتمامہ فی الفتح ج ۳ ص ۲۱۷ وفی الدر المختار ولا حد ایضا لشبھۃ العقد ای عقد النکاح عندہ ای الامام کوطئ محرم نکحہا ج ۳ ص ۲۳۶۔

ان روایات میں تصریح ہے کہ ہر زنا میں حد نہیں ہوتی اور حد لازم نہ ہونے سے اُس کا زنا نہ ہونا لازم نہیں آتا چنانچہ ماں سے نکاح کر کے صحبت کرنا موجب نہیں حالانکہ بالیقین زنا ہے اس کے حلال ہونے کا کب شبہ ہو سکتا ہے اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ حد ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ یا مشابہت عقد اور اُس کی صورت سے بھی دفع ہو جاتی ہے اگرچہ حقیقت عقد کی یقیناً منفی ہو پس ممتوعہ سے صحبت کرنا یقیناً زنا میں داخل ہے اگرچہ اُس سے حد لازم نہ آوے۔ ۲۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۹۱)

حکم جرمانہ مدارس **سوال** (۶۴۳) حسب قانون انگریزی اگر از متعلمین خطائے مثلاً غیر حاضری وغیرہ رونما آید جرمانہ کردہ می شود ایں معاملہ درست است یا نہ۔؟

الجواب۔ بلا تاویل جائز نیست عند الحنفیہ مگر تاویلش بدیں سان تواند شد کہ دراں ماہ اجرت عمل بمقدار جرمانہ زائد مقرر گفتہ شود۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۷۱)

حکم جرمانہ بر رعیت

سوال (۶۴۴) زمیندار اپنی زمینداری میں باشندوں پر جس کو رعیت کہتے ہیں خصوصاً چھوٹی قوم پر عدول حکمی یا اُن کے باہم تکرار کے موقع پر جرمانہ کرتے اور اپنے مصرف میں لاتے ہیں کچھ اُس گاؤں کے پیادہ کو بھی دیتے ہیں لیکن انگریزی قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ایسی حالت میں یہ فعل زمیندار کا جائز ہے یا نہیں بر تقدیر جواز مصرف اُس کا مصرف مذکور ہے یا کچھ اور۔؟

الجواب۔ اس کا لینا مصارف مذکورہ میں صرف کرنا سب ناجائز ہے۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و ثانی ص۱۵۱)

بعض احکام جرمانہ متعارفہ بعض اقوام

سوال (۶۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم مومن اور مسلمان ہے مگر جب اُس قوم کا کوئی فرد برادری کا قصوروار ہوتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے تو اُس کا فیصلہ پنچان قوم کرتے ہیں۔ مسجد پر اکٹھے ہوتے ہیں اور چند اشخاص اُن میں سے مسجد کے اندر جاکر اُس قصوروار کے بارے میں جرمانہ کا مشورہ کرتے ہیں اور باہر آکر اُس کو اور ساری قوم کو سُناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص یا تو تو ساری برادری کو کھانا کھلا ورنہ تیرے اوپر ۱۰۰ روپیہ جرمانہ اور قوم سے خارج۔ اور یا صرف جرمانہ ہی جرمانہ کرتے ہیں۔ غرض ۱۰۰ اور ۵۰ روپیہ سے کم نہیں کرتے اب جو بیچارہ غریب دو آنہ کے مزدور ہوتے ہیں تو وہ بیچارے کئی کئی سال تک قوم سے باہر پڑے رہتے ہیں نہ اُن کے پاس جرمانہ ہو نہ وہ قوم میں داخل ہوں اور اگر کبھی وہ غریب خالی ہاتھ جاکر قوم کے سامنے ہاتھ جوڑتے بھی ہیں تو اُن کو یہی جواب ملتا ہے کہ جرمانہ لیکر آؤ۔ وہ بیچارے غریب مایوس ہوکر اُلٹے چلے جاتے ہیں اور پھر مجبور ہوکر اپنی جائداد یا سامان پر نظر ڈالتے ہیں یا تو اُس کو رہن رکھتے ہیں یا بیچ ڈالتے ہیں اور یا سود پر لاتے ہیں اور پھر اُس روپیہ کو لاکر قوم کا جرمانہ یا تو ادا کرتے ہیں یا ساری قوم کو کھلاتے ہیں اور نقد جرمانہ دیتے ہیں تو سردار لیکر اُس روپیہ کو پھر مشورہ کرتے ہیں تو پھر یہی صلاح قرار پاتی ہے کہ اس روپیہ کے برتن بنائے جائیں۔ غرض کبھی دیگ منگائی جاتی ہے اور کبھی طباق بنائے جاتے ہیں اور پھر ان برتنوں کو ساری قوم بیاہ شادی میں استعمال کرتی ہے اور جو بعض استعمال میں نہیں لاتے وہ یہ کہتے ہیں کہ ان برتنوں کا استعمال کرنا شریعت کے نزدیک بُرا ہے۔ اب علمائے

دین ومفتیانِ شرعِ متین سے گزارش والتماس اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کو وہ کھانا کیسا اور جرمانہ مسلمانوں کو کرنا کیسا اور پھر مسلمانوں کو وہ جرمانہ وصول کرنا کیسا اور پھر اُس روپیہ کے برتنوں کو استعمال میں لانا کیسا اور پھر اُن میں جو کھانا پکایا جاتا ہے وہ کھانا کیسا اور مکروہ تنزیہی ہے یا کہ مکروہ تحریمی یا حرام کس حد تک - ؟

الجواب - ایسا کھانا کھانا اور اس طرح جرمانہ کرنا یا اُس کا وصول کرنا یا اُس روپیہ کے برتنوں کا استعمال کرنا یہ سب حرام ہے - ۳ ر ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (حتمۂ ثالثہ ص ۱۵۹)

تعزیر واجب بودن بر کودکانِ ہندو کہ مصحف را سوختند

سوال (۶۴۶) بعد از نیاز و السلام علیکم - ایں کہ ہولی روز عید ہندوان ست دریں روز شراب خواری ولہو ولعب بازی می کنند مسجدے است متصل بمحلہ ہندوان اندرون مسجد در دریچہ قرآن شریف داشتہ بود کودکانِ ہندو وداز دریچہ برداشتہ بیرون مسجد بآتش سوختند اوراق سوختہ بدست اہلِ اسلام آمدند از حسرت بسرکار استغاثہ کردند مقدمہ دائر است وکیل ہنود وہنود اہلِ اسلام را گفتند کہ مقدمہ را بگزارید ہرچہ مذہبِ شما فیصلہ کند مایاں را قبول ست اہلِ اسلام مرا ایں بندہ را طلبیدہ طلب حکم شرعی نمود گفتم کہ ازیں مسئلہ ناواقفم بعلماء نویسیم ہرچہ فتویٰ آید حاضر خواہم کرد تا آمدن فتویٰ مہلت از سرکار گرفتہ اند حضرت چونکہ معاملہ بس گران ست بحوالہ کتب فتویٰ تحریر فرمایند تا کہ علماء ایں نواح را اگر حوالہ طلبند حاضر نمایم ومنصفانِ جانبین ووکلاء ہم بغیر حوالہ مشکل قبول کنند اگر بالفرض والتقدیر ہمیں بے حرمتی از ہنود بالعین ثابت شود پس چہ حکم است در سکر چناں ودر صحو چناں - ؟

الجواب - فی الدر المختار الصغیر لا یمنع وجوب التعزیر فیجری بین الصبیان فی رد المختار عن البحر مراهق شتم عالما فعلیه التعزیر اھ والظاهر ان المراهقة غیر قید تامل وفیه یشکل علیه (ای علی تقییده بحق العبد) ضربه علی ترك الصلوٰة بل ورد انه یضرب الدابة علی النفار لا علی العثار ج ۳ ص ۳۹۲ وفی العالمگیریة و کذلك یمنعون عن السکر لانهم لا یستحلون اصل الشرب الخ) کذا فی الذخیرة ج ۳ ص ۱۵۶ - وفی الدر المختار والتعزیر لیس فیه تقدیر بل هو مفوض الی رای القاضی وعلیه مشائخنا زیلعی لان المقصود منه الزجر واحوال الناس فیه مختلفة بحر فی رد المختار قال الزیلعی ولیس فی التعزیر شیء مقدر

وانما ھو مفوض الی رای الامام علی ما تقتضی جنایتھم فان العقوبۃ فیہ مختلف باختلاف الجنایۃ الی قولہ وکذا ینظر فی احوالھم فان من الناس من ینزجر بالیسیر ومنھم من لا ینزجر الا بالکثیر اھ ج ۳ ص ۲۷۶ - ازیں روایات امور ذیل مستفاد شد (۱) نابالغ بودن مانع تعزیر نیست (۲) در نشہ بودن مانع تعزیر نیست (۳) در فعل مسئول عنہ تعزیر واجب است (۴) مقدار تعزیر شرعاً مقدر نیست مفوض برائے حاکم است۔ (۵) بر حاکم واجب است کہ مرتبہ جنایت وحالت جانی را بیند ودر ہر دو امر امعان نظر را بکار بردہ چنیں سیاست تجویز کند کہ مقصود تعزیر کہ انزجار از چنیں جنایت وعبرت مر ناظرین را وحفظ احترام شعار دین در خصوص واقعہ است ازیں سیاست حاصل آید وظاہر است کہ واقعہ از بس ہائل ودر اضطراب انداز جماعتی عظیمہ است اگر سزائے کافی تجویز نہ شد موجب بے وقعتی شعائر اسلام وموجب کسر قلوب وہیج غیظ اہل اسلام ومورث مفاسد وفتن عظیمہ در زمان مستقبل خواہد بود - ۱۵ رمضان ۱۳۴۰ھ -

(اس کے ساتھ سائل کے پاس ایک خط بھی روانہ کیا گیا جو درج ذیل ہے):-

السلام علیکم - از قرائن چناں بدل می آید کہ وکلاء ہنود از مطالعہ کتب یقین نمودہ اند کہ سزائے شرعی دریں جنایت اخف است از سزائے قانونی از ہمیں سبب بر سزائے شرعی رضا دادہ اند وسزائے شرعی مفوض است برائے حاکم وحال حکام معلوم است لہذا اندیشہ است کہ سزائے خفیف تجویز کند کہ مصلحت انزجار ہم حاصل نہ شود لہذا رائے احقر آن ست کہ اگر عقلاء ہم اتفاق کنند ایں درخواست را قبول نہ نمایند وایں رد شریعت نیست بلکہ چوں امید نیست کہ مصلحت انزجار حاصل شود لہذا روا مر غیر شرعی ست واز حکام اجراء سزائے قانونی خواہند کہ آں بوجہ ترتب انزجار مشتمل خواہد بود بر سزائے شرعی (تتمہ خامسہ ص ۲۲۴)

جائز نہ بودن جرمانۂ مالی از ملازم درصورت ترک کردن ملازمت خلاف عہد وصورت دیگر حصول مقصود

سوال (۶۴۷) میں نے حصول معاش کے لئے ایک چھوٹی سی مشین آٹا پیسنے والی لگائی ہوئی ہے اُس پر دو ملازم کام کرنے کے لیے رکھے ہوئے ہیں اُن میں سے اگر کوئی یک لخت بغیر مجھے اطلاع دیئے نوکری چھوڑ دے تو مجھے ذیل کی تکالیف کا سامنا ہوتا ہے۔

(۱) کچھ وقت کے لیے کام رک جاتا ہے (۲) سردست آدمی تلاش کرنا پڑتا ہے۔

(۳) جلدی اگر ملازم تلاش کر کے رکھا جاوے تو گاہے گراں یا خلاف مرضی ملتا ہے (۴) آدمی ملازم اگر نہ ملے تو مجبوراً روزانہ مزدوری پر مزدور لگانا پڑتا ہے جو مقررہ ماہوار تنخواہ سے گراں پڑتا ہے۔ (۵) چونکہ مزدور یا ملازم جدید کام سے ناواقف ہوتا ہے اس لیے مجھے خود اس کو سکھانے اور نیز کل کام کی طرف مزید غور رکھنے کی ایک عرصہ تک ضرورت رہتی ہے جس سے مجھے خود زیادہ تکلیف ہوتی ہے وغیرہ۔

الغرض ان واقعات کو دیکھ کر میں اب جو ملازم تیار کھتا ہوں تو اُس سے یہ یا اس طرح کا عہد کر لیتا ہوں کہ جب تمہارا ارادہ یہ ملازمت چھوڑ دینے کا ہو تو اس سے پندرہ دن پہلے مجھے اس کی بابت اطلاع دینا تاکہ میں اپنا اور انتظام کر لوں۔ اور اگر تم یک لخت بغیر اطلاع دینے کے ہٹ گئے تو چونکہ اس سے میرا حرج ہوتا ہے اس لیے بہ جرمانہ ایک روپیہ یا دو روپے (جو زبانی مقرر کر لیتا ہوں) اس یک لخت ہٹنے سے جو تکلیف اور حرج مجھے پہنچے گا اس کے عوض تم سے لوں گا جس کو ملازم تسلیم کرے تو یہ مقررہ حرجانہ اُس سے یعنی ملازم سے مجھے لینا جبکہ وہ اپنے عہدہ پر قائم نہ رہے یک لخت ہٹ جاوے جس سے مجھے تکلیف اور حرج پہنچے جائز ہے یا نہیں۔

(نوٹ) ہر بار حرج کا اندازہ کہ اس ملازم کے یک لخت ہٹنے سے مجھے کس قدر حرج پہنچا ہے ایک نہایت دشوار امر ہے سب سے زیادہ مجھے مشکل وہ ہوتی ہے جو میں نے ۵ میں بیان کی اور ساتھ ہی بقیہ مشکلات بھی جو سابق عرض کر دی گئیں تو اس حرج میں نظر عمیق کرنے کے بجائے میں نے یہ آسان امر دیکھا کہ ایک تعداد جرمانہ کی مقرر کر کے آپس میں عہد کر لیں اور فریقین تسلیم کر لیں اگر یہ صورت جائز نہ ہو تو اور جس طرح جائز ہو اُس سے مجھے مطلع فرما دیں تاکہ اُس طرح عملدرآمد کروں۔ ؟

الجواب۔ چونکہ تعزیر بالمال حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے یہ اس لئے بھی اور نیز اس فعل کا ما علیہ التعزیر ہونا بھی صریح نہیں اسلئے بھی یہ قواعد کی رو سے ناجائز اور رشوت ہے مگر ضرورت کے سبب ایک حیلہ سے اس میں ایک خاص طور گنجائش ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ فقہاء نے دو مختلف صورتوں میں دو مختلف اجرتیں مقرر کرنے کو جائز لکھا ہے سو اگر یوں کہہ لیا جاوے کہ اگر ٹھیک ٹھیک موافق معاہدہ کے کام کرتا رہے اور نوکری بھی اگر چھوڑی تو موافق معاہدہ کے چھوڑی تب تو تمہاری اجرت

تمام ایام کی اس حساب سے ہوگی۔ مثلاً دس روپیہ ماہوار ہوگی۔ تو حاصل وہی نکل آیا اور قواعد پر منطبق ہوگا۔ احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق فرمالیجئے۔ قریب ۱۳۳۷ھ (حوادث ۵ ص ۲۲)

تحقیق حکم جُرمانہ

سوال (۶۴۸) کاشتکاروں سے کسی بے امنی بے قاعدگی نقصان رسانی پر علاوہ اس رقم کے جو نقصان رسیدہ کا معاوضہ ہوسکے زمیندار کو کچھ لینا جائز ہے یا ناجائز۔؟

الجواب - جرمانہ ہمارے امام صاحب کے مذہب میں حرام ہے اس لیے یہ رقم جائز نہیں البتہ اگر سیاست کی ضرورت ہو تو اس امر کی اجازت ہے کہ اُس سے کوئی مقدار مال کی لی جاوے اور چند روز تک اُس کو اپنے پاس رکھ کر جب وہ خوب دق ہو جائے اُس کو واپس کردی جائے یہ بھی اُس شخص کو جائز ہے جس میں دو وصف ہوں ایک حکومت واختیار رکھتا ہو تاکہ فتنہ نہ ہو۔ دوسرے معتمد و متدین ہو کہ بعد چندے واپسی پر اطمینان ہو ورنہ یہ بھی جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۱۵۹)

سوال (۶۴۹) جس مسجد میں تاوان ڈنڈ کے پیسے صرف کئے گئے ہوں یعنی اُس کی تعمیر میں وہ تاوان یہ ہے کہ کسی شخص کو عوض مجرمیت ڈنڈ کیا اور چرم قربانی کا پیسہ اور دم کا دعقیقہ کے چرم کا اور نکاح کا مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں، اور اُس مسجد میں نماز ہوتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب - جرمانہ ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں تو اس کی آمدنی جائز نہ ہوگی۔ فی الدر المختار لا باخذ مال فی المذھب الی قولہ فی المجتبیٰ انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ اھ۔

اِس لیے ایسا روپیہ مسجد میں لگانا جائز نہیں اور چرم قربانی کی قیمت کا تصدق واجب ہے۔ فی الدر المختار والصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع وفیہ ھو (ای الھبۃ) تملیک العین مجاناً اور مسجد میں لگانے سے تملیک نہیں ہوتی لہٰذا وہ بھی مسجد میں صرف نہیں ہوسکتا اور لفظ دم عام ہے اگر سوال میں تعیین کیجاوے تو جواب ہوسکتا ہے۔ اور عقیقہ میں احکام قربانی کی رعایت مستحب ہے تو اِس اعتبار سے اِس کے چرم کی قیمت مسجد میں صرف کرنا خلافِ اولیٰ ہوگا۔ اور

نکاح[۵] پر اجرت لینا جائز ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو طاعت مخصوص باہل اسلام نہ ہو اُس پر مثل مباحات اخذ اجرت جائز ہے اور نکاح ایسا ہی ہے اس لیے مالک اگر اپنی خواہش سے مسجد میں لگانا چاہے جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جرمانہ اور قیمت چرم قربانی کا مسجد میں لگانا جائز نہیں اور چرم عقیقہ کی قیمت لگانا خلاف اولیٰ ہے اور اجرت نکاح کا لگانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ (حوادث اول و ثانی ص ۹۸)

تحقیق جرمانہ زنا

سوال (۶۵۰) میں نے وعدہ کیا تھا کہ مقدمۂ زنا میں جو جرمانہ شوہر مزنیہ کو دلایا جاتا ہے اُس کا حکم تحقیق کر کے اطلاع دوں گا سو وہ مرقوم ہے وہ یہ کہ۔ اصل میں تو یہ رقم جائز نہ تھی چنانچہ حدیث افتدا الا بن بمائۃ شاۃ میں حکم رد اس کی دلیل صریح ہے مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ جرمانہ اوّل عدالت کے قبضہ میں پہنچتا ہے پھر عدالت سے اُس شخص کو ملتا ہے سو اگر اسی طرح ہوتا ہو تو حسب قاعدہ مالھم مباح ثمہ فیباح برضاھم و قاعدہ تمیلکون بالاستیلاء اس شوہر کے لیے حلال ہے۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اوّل ص ۱۴۴)

دلیل حرمت جرمانہ مالی از حدیث

سوال (۶۵۱) جرمانہ مالی کے ناجائز ہونے پر کوئی حدیث ہے یا نہیں۔ ؟

الجواب۔ ہے۔ وھو قولہ علیہ السلام الا لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ قلت و کل مال محترم حکمہ۔ حکم مال المسلم۔

حکم جرمانہ بغیر حاضری طالب علم

سوال (۶۵۲) ایک مدرسہ میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی طالب علم وہاں داخل ہوتا ہے تو مہتمم مدرسہ اُس کے وارث سے یا اُس سے کہتا ہے کہ یہ بچہ یا تم اگر غیر حاضر ہوگے یا کوئی تقصیر کروگے تو تم کو آدھ آنہ یا زیادہ حسب قواعد مدرسہ علاوہ وظیفہ معہودہ کے بطریق جرمانہ دینا ہوگا اور یہ اس واسطے ہے کہ تم خود حاضر ہونے یا اپنے بچہ کے حاضر کرنے میں غفلت نہ کرو۔ اور یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ یہ زر جرمانہ ہم نہیں کھا سکتے بلکہ بچوں کے حوائج مثلاً فرش وغیرہ میں صرف

---

[۵] یعنی فی نفسہ گو عوارض سے منع کیا جاوے۔ تفصیل اسکی رسالہ الحق الصراح میں ہے ۱۲ منہ۔

صرف کر دیتے ہیں اس ذرا سی قید پر بہت فائدہ مرتب ہوتا ہے کہ بچے غیر حاضر نہیں ہوتے مگر بضرورت اور باجازت اور تعلیم و تعلّم کا کام چستی و چالاکی سے ہوتا ہے اس قاعدہ میں کوئی قباحت شرعیہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ تعزیر مالی یعنی جرمانہ تو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں اور حدیث لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ۔ اس کی مؤید بھی ہے پس جرمانہ کے طور پر تو یہ لینا درست نہ ہوگا۔ البتہ اس کا اور طریق ہو سکتا ہے وہ یہ کہ اس غیر حاضری پر اس طالب علم کو خارج قرار دیا جائے غیر حاضری کی سزا تو یہ ہوا اور آئندہ کو داخل کرنا بذمہ اہلِ مدرسہ واجب تو ہے نہیں مباح ہے مباح میں جو کہ متقوم ہو مال کی شرط لگانا جائز ہے اور یہاں مدرسہ کے مکان سے انتفاع مدرسین سے تعلیم یہ سب امور ایسے ہیں جن پر متولی کو اُجرت لینا جائز ہے۔ پس اِس اُجرت میں وہ پیسے لیے جاویں اور اس تقریر کی تصریح کر دی جایا کرے تاکہ عقد مبہم نہ رہے۔ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ثانی صفہ ۱۶)

جرمانہ بر اہلِ مواشی در صورت اضرار زراعت

سوال (۶۵۳) گاؤں میں دستور ہے کہ جو شخص کسی کے کھیت میں بگاڑ کرے یا مویشی غیر کے کھیت میں کہ جن میں اناج بویا ہوا ہے چرا وے اُس کے واسطے جرمانہ قائم کرتے ہیں پس زر جرمانہ جمع شدہ مسجد میں لگانا تعمیر میں یا تیل لوٹے وغیرہ میں خرچ کرنا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ اگر جانور کے ساتھ کوئی نہ ہو اُس صورت میں تو یہ جرمانہ ناجائز ہے اور اگر کوئی ساتھ ہو تو جتنا نقصان ہوا ہے اُتنا وصول کرنا درست ہے مگر وہ کھیت والے کا حق ہے۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ۔

جرمانہ

سوال (۶۵۴) اپنی رعایا یا کاشتکاروں سے بعلت کسی قصور کے تاوان لینا جائز ہے۔ یا نہیں مثلاً کسی کاشتکار نے بلا استحقاق بغیر علم و رضامندی مالک زمیندار کے کوئی درخت کاٹ لیا یا مکان بنا لیا تو اگر زمیندار اس قصور پر کوئی جرمانہ یا تاوان برضامندی ملزم کے اُس پر عائد کر کے وصول کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ نہیں صرف درخت کی قیمت اور مکان کا کرایہ حسب عرف لے سکتے ہیں۔

سوال متعلق جواب بالا- سوال جرمانہ متعلق بالا ع۱ جرمانہ اور اماموں کے نزدیک کیا درجہ رکھتا ہے۔ ع۲ نقصان رسیدہ کا معاوضہ دلوانا جائز ہے یا نہیں ع۳ جرمانہ کی رقم کسی مدت کے بعد پھر اُسے واپس کرنا سیاست کا خوف زائل کرتا ہے ایسی حالت میں انتظام میں عجیب بے ترتیبی واقع ہوگی اور اس سے بہتر ایسا جرمانہ نہ کرنا ہوگا اس لیے سیاست کا جس سے اثر بھی پڑے اور جائز بھی ہو آپ کوئی عمدہ طریقہ تبلائیے۔

الجواب ع۱ علامہ شامی نے حاشیہ درمختار کی جلد ثالث باب التعزیر میں تصریح کی ہے کہ صرف امام ابو یوسفؒ سے جرمانہ کے جواز کی روایت منقول ہے اور وہ بھی ضعیف باقی اور علماء اور ائمہ کے نزدیک جائز نہیں اور جب روایت ضعیف ہے قابلِ عمل نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ اُس روایت میں بھی صرف صاحب سلطنت یا سلطنت کو اجازت ہے زمیندار بحیثیت زمینداری حاکم نہیں ہے اُس میں اور کاشتکار یا رعایا میں تعلق اجارہ و استیجار کا ہے اور پھر حاکم کے لیے بھی اس لیے جواز کا فتویٰ دینے کو منع کیا گیا ہے کہ لوگوں کو ظلم کرنے کا بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ عبارت علامہ کی یہ ہے قال فی الفتح وعن ابی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان باخذ المال و عندھما و باقی الائمۃ لا یجوز ومثلہ فی المعراج وظاھرہ ان ذلک روایۃ ضعیفۃ عن ابی یوسف رح قال فی الشرنبلالیۃ ولا یفتی بھذا لما فیہ من تسلیط الظلمۃ علی اخذ مال الناس فیاکلونہ اور ذرا آگے چل کر علامہ نے نقل کیا ہے کہ سلطان کو بھی صرف خزانہ کے عملہ کے جرمانہ کی اجازت ہے اور وہ بھی اِس شرط سے کہ ملکی خزانہ میں داخل کردے اُس مقام کی عبارت یہ ہے وسیذکر الشارح فی الکفالۃ من الطرسوسی ان مصادرۃ السلطان لاربابِ الاموال لا یجوز الا لعمال بیت المال ای اذا کان یردھا لبیت المال- غرض اوّل تو سارے ائمہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں پھر ابو یوسف رح سے بھی روایت ضعیف اور پھر وہ بھی خاص سلطان کے ساتھ اور اُس میں بھی تخصیص عاملین خزانہ کی پھر اُس میں شرط ادخال خزانہ کی پس اس وقت رؤسا و امراء میں جس جرمانہ کا رواج ہے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ع۲ اگر نقصان مثلی شئے کا ہوا ہے مثلاً کسی نے کسی کا غلّہ تلف کردیا یا روپیہ ضائع کردیا تو اِس صورت میں خود صاحب نقصان کو

بھی اُس نقصان رساں سے اُتنی ہی اور ویسی ہی چیز وصول کر لینا خواہ آشکارہ خواہ خفیہ جائز ہے اسی طرح اداروں کو بھی اس میں اعانت جائز ہے اور اگر نقصان اشیاء ذوات القیم کا ہوا ہے مثلاً کسی نے کسی کا درخت کاٹ لیا یا کپڑے چرا لیے یا کسی کا کھیت اپنی مواشی کو کھلا دیا تو اس کا بدل وصول کرنا یہ شرعاً مبادلہ ہے جس میں تراضی یا قضاء قاضی کی حاجت ہے پس زمیندار چونکہ سلطان یا نائب سلطان نہیں ہے اس لیے اس دوسری صورت میں اس کا دخل دینا جائز نہ ہوگا البتہ اگر حکام ملکی اِس زمیندار کو باضابطہ ایسے اختیارات دیدیں مثلاً اُس کے دیہات کا آنریری مجسٹریٹ بنا دیں اور ایسے معاملات کے فیصلہ کا تصریحاً اختیار دیدیں تو اُس کو بھی وہی حکم کرنے کا حق ہوگا جو حکام کو ہوتا ہے ۔۳ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ایسی سیاست کا حق ہی حاصل نہیں زمیندار کو صرف صاحب سلطنت کو ہے دوسروں کو حق ہی حاصل نہیں زمیندار کو صرف اجارہ واستیجار کا تعلق ہے ایک کاشتکار سے موافقت نہ ہو دوسرا بدل دیا جاوے رہ گیا سلطان جس کو اس سیاست کا حق حاصل ہے اُس کے لیے علامہ شامی نے حاشیہ مذکورہ کی جلد مذکور میں نقل کیا ہے کہ یہ واپسی اس وقت ہی جب آثار توبہ کے اُس پر ظاہر ہوں ورنہ اگر توبہ سے یاس ہو جائے تو در کسی رفاہ عام کے کام میں صرف کر دے سیاست سے مقصود اُتر جائے توبہ سے یہ غرض بوجہ احسن حاصل ہو گئی اب خوف کی کیا ضرورت رہی اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں وہ مال اس کو ملا نہیں پورا خوف حاصل ہے مگر یہ سب سلطان کے لیے ہے عبارت علامہ کی یہ ہے فان ایس من توبتہ یصرفھا الی مایری - ۹ر جمادی الاُخریٰ ۱۳۲۳ھ

کتاب الایمان

وجوب حنث در یمین غیر مشروع و قسم بقرآن

سوال (۶۵۵) زید نے ہندہ ایک عورت بیرونی کے مقابلہ میں ایک امر ناجائز کی بابت قرآن شریف اُٹھایا کہ ہم تجھ کو اِس قدر ماہوار نقد دیا کریں گے - اب اگر زید وہ تنخواہ نہ دے اور قطع تعلق کر دے تو اُس کو کیا کفارہ دینا چاہیے -

الجواب - چونکہ ایک امر ناجائز پر قسم کھائی ہے اس لیے اس قسم کا توڑ ڈالنا واجب ہے اگر نہ توڑے گا گنہ گار ہوگا - یعنی زید کے ذمہ فرض ہے کہ اُس عورت سے قطع تعلق کر دے

اور اُس کو تنخواہ نہ دے اور کفارہ قسم توڑنے کا یہ ہوگا کہ دس غریب آدمیوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادے اگر اتنا مقدور نہ ہو تو تین روزے لگاتار رکھے۔ قال فی الدر المختار قال العینی وعندی ان المصحف یمین فی رد المحتار عبارتہ وعندی لو حلف بالمصحف او وضع یدہ علیہ وقال وحق ھذا فھو یمین ولا سیما فی ھذا الزمان الذی کثرت فیہ الایمان الفاجرۃ ورغبۃ العوام فی الحلف بالمصحف اھ۔ واقرہ فی النہر قلت وما نظر فیہ المحشی مدفوع بان مراد العوام القسم بما فی المصحف من کلام اللہ تعالیٰ وقد اعترف بکونہ یمینا فافھم وباقی اجزاء الجواب ظاہر غیر خفی۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (امداد ثانی ص۸۱)

تعدد کفارہ بہ تعدد یمین

سوال (۶۵۶) اگر بہت سی قسمیں کھا کر توڑ دے اور یاد نہیں کہ کتنی قسمیں توڑی ہیں اور کون کونسی تاریخ اور دن اور ماہ اور سال کی توڑی ہوئی ہیں۔ تو اب کیا کرے آیا ایک کفارہ سب قسموں کی طرف سے کافی ہے یا نہیں اگر کافی ہے تو اس میں آیا یہ شرط بھی ہے کہ سب قسمیں ایک فعل پر کھائی ہوں یا یہ شرط نہیں اور اگر ایک کفارہ کافی نہیں تو ہر کفارہ کی نیت کس طرح کرے۔؟

الجواب۔ تعدد یمین سے کفارہ متعدد ہوتا ہے۔ کذا فی الدر المختار اور نیت میں تعیین کا حکم

۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۳۷)

تحقیق توحد یا تعدد قسم بہ تعدد مقسم علیہ

سوال (۶۵۷) اگر کسی نے دو تین کاموں کے نام لے کر قسم کھائی یوں کہا کہ خدا کی قسم میں فلاں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ ایک قسم ہوگی یا جتنے کاموں کے نام لیے اُتنی قسمیں ہوں گی اگر ایک قسم ہوگی تو پھر اُن کاموں میں سے اگر ایک کام کرے گا تو قسم ٹوٹے گی یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر حرف نفی کو مکرر ذکر کیا ہے اس طرح سے کہ میں نہ فلاں کام کروںگا نہ فلاں کام۔ تو یہ دو قسمیں ہوں گی اور اگر حرف نفی کو مکرر نہیں کیا اس طرح سے کہ میں فلاں فلاں کام نہ کروں گا تو ایک قسم ہوگی پھر اگر اُس میں سے ایک بھی کر لیا قسم ٹوٹ جاوے گی اور دوسرا کام کرنے سے دوبارہ نہ ٹوٹے گی۔ کذا فی رد المحتار ج ۳ ص۹۵۔

۲ رجمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص۳۷)

عدم انعقاد یمین بقولہ ان فعلت کذا فانا زان بالبنت

سوال (۶۵۸) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر میں فلاں جگہ آؤں تو اپنی لڑکی کے ساتھ فعل بد کا مرتکب ہوں تو کیا ایسا کہنے سے قسم ہو جاتی ہے۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار و ان فعلہ فعلیہ غضبہ او سخطہ او لعنۃ اللہ او ہو زان او سارق او شارب خمر او اٰکل ربوا لایکون قسما الیٰ قولہ لا معرد المحتار ج ۲ صـ۸۷۔ اس معلوم ہوا کہ اس سے قسم نہ ہوگی۔ ۲ ر شوال ۱۳۳۳ھ (ترجیح ثالث صـ۸۷)

حکم کفارۂ قسم

سوال (۶۵۹) قسم کا کفارہ دس مسکینوں کا غلہ پونے دو سیر کے حساب سے دینا چاہیئے یا بیس مسکینوں کا غلہ دیں کیونکہ بہشتی زیور کے تیسرے حصے میں ارشاد ہے کہ دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے۔ اب حضور ارشاد فرما دیں کہ دس مسکینوں کو دیں یا بیس کو غلہ دیں اور ان مسکینوں میں نابالغ مسکین ہو تو دیا جائے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدرالمختار ولا یجزئ غیر المراھق بدائع فی ردالمحتار عن البدائع واما اطعام الصغیر عن الکفارۃ فجائز بطریق التملیک لا الاباحۃ صـ۹۵۹ ج ۲ باب الظہار وفی الدرالمختار او اطعام عشرۃ مساکین کما مر فی الظہار ج ۲ صـ۹۲ دس مساکین میں سے ہر مسکین کو مثل صدقہ فطر کے دیں یہی قائم مقام دو وقت کے کھانے کے ہے بیس مساکین کو نہیں دیا جاتا اور ان مساکین کو اگر دو وقت کھانا کھلایا جائے تب تو کسی مسکین کا نابالغ ہونا درست نہیں البتہ جو بلوغ کے قریب ہو کہ خوراک اسکی مثل بالغ کے ہو وہ حکم بالغ میں ہے اور اگر ہر مسکین کو غلہ صدقہ فطر کے برابر دیا جائے تو نابالغ کو دینا بھی کافی ہے۔ اوپر کی روایت اس کی دلیل ہے۔ ۲ ر محرم ۱۳۴۱ھ (تتمہ ۵ صـ۲۳)

حکم قسم گرفتن مشتبہ بالسرقہ

سوال (۶۶۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مکان سے مبلغ ۴۳ روپیہ نقد چوری گئے اور میرا گمان ہے کہ بکر لے گیا۔ بکر صاف منکر ہے کہ میں نے یہ روپیہ نہیں چرایا۔ زید کی خواہش ہے کہ بکر دو چار آدمیوں کے سامنے یہ کہدے کہ اگر میں نے یہ روپیہ چرایا ہو تو میری بیوی پر تین طلاق۔ کسی حاکم یا زید کو ایسی قسم یا اقرار بکر سے لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ بکر مسجد میں کھڑا ہو کر تین مرتبہ یہ کہنے کو تیار ہو کہ خدا کی قسم زید کا روپیہ میں نے نہیں چرایا اور نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں حاکم اور زید پر اس کا یقین کر لینا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب - اس مسئلہ میں دو مقام پر اختلاف ہے - ایک یہ کہ حلف بالطلاق کا حق مدعی کو ہے یا نہیں ایک قول اکثر کا یہ ہے کہ یہ حق نہیں اور اصل مذہب یہی ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اس زمانہ میں اس کا حق ہے - بعض نے دونوں قولوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ حاکم کی رائے پر ہے اگر وہ ضرورت سمجھے تو ایسا حلف لے لے - دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر ایسا حلف لیا جاوے مگر مدعا علیہ انکار کرے تو آیا حاکم مدعی کا دعویٰ ثابت کر دے جیسا کہ قسم سے انکار کرنے کا یہی حکم ہے یا یہ کہ پھر خدا کی قسم لی جائے - اس میں بھی دو قول ہیں - احقر کی رائے یہ ہے کہ اختلاف اول میں دوسرا قول لیا جائے کہ مدعی کو اس کا حق ہو اور اختلاف ثانی میں بھی دوسرا قول لیا جاوے کہ اس انکار سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہ کیا جاوے بلکہ صرف خدا کی قسم لے لی جائے - پھر فائدہ اس انکار سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہ کیا جاوے بلکہ صرف خدا کی قسم لے لی جاوے - پھر فائدہ اس حلف لینے کا یہ ہوگا کہ شاید کاذب ہونے کی صورت میں ڈر کر حق کا اقرار کرلے - والدلیل علیٰ هذا المجموع هذه الروايات — و اليمين بالله تعالىٰ لا بطلاق ولا عتاق وان الح الخصم وعليه الفتوىٰ تتارخانيه - وقيل ان مست الضرورة فوض الى القاضي اتباعا للبعض فلو حلفه القاضي به فنكل فقضي عليه بالمال لم ينفذ قضاءه على قوله الاكثر كذا في خزانة المفتين وظاهره انه مفرع على قول الاكثر اما على القول بالتحليف بهما فيعتبر نكوله ويقضي به والا فلا فائدة - بحر واعتمده المصنف قوله والا فلا فائدة تظهر فائدته فيما اذا كان جاهلا بعدم اعتبار نكوله فاذا طلب حلفه به ربما يمتنع ويقر بالمدعى درد البحار كذا في الدر المختار ورد المحتار ج ۴ صفحہ ۶۵۷ و ۶۵۸ - ۱۶ ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

تتمۂ جواب بالا

بعد تحریر جواب بالا ایک دوست کے متوجہ کرنے سے تین امر اور ذہن میں آئے ایک یہ کہ یہ جواب اُس وقت ہے جبکہ زید کے قول کو دعویٰ کہا جاوے لیکن واقع میں وہ شرعاً دعویٰ نہیں کیونکہ دعوے کا صیغہ وہ ہے جس میں جزم و تحقیق ہو اور یہاں محض گمان کی خبر ہے - فی رد المحتار عن البحر لم ار اشتراط

لفظ مخصوص للدعوی وینبغی اشتراط مایدل علی الجزم والتحقیق فلو قال اشك او اظن لم تصح الدعوی ج ۴ صہ ۶۴۷ - اس لیے صورت مسئولہ میں زید کو بکر سے کسی قسم کے حلف کا بھی حق نہیں۔

امر دوم یہ کہ یہ جواب اُس صورت میں ہے کہ جب دعویٰ جازمہ کے بعد بھی حلف لینے کا حق نہیں - فی الدر المختار وشرطها ای شرط جواز الدعوی مجلس القضاء الخ ج ۴ ص مذکورہ - امر سوم ایک شبہ کا جواب ہے کہ نکول سے سرقہ ثابت نہیں ہوتا پھر حلف سے کیا فائدہ۔

الجواب - یہ ہے کہ قطع کے حق میں نکول حجۃ نہیں ضمان کے حق میں حجۃ ہے - فی الدر المختار وکذا یستحلف السارق لاجل مال فان نکل ضمن ولم یقطع ج ۴ صہ ۶۵۴ - ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ صہ ۲۰۳)

عدم انعقاد یمین بصیغۂ توبہ

سوال (۶۶۱) اگر کسی نے کہا کہ میں فلاں گناہ سے توبہ کرتا ہوں اب کبھی نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی یا نہیں - ؟

الجواب - یہ قسم نہیں - ۲ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی صہ ۳۸)

حنث در یمین بر اتمام کتب درسیہ جملہ یا اکثر وقتیکہ کسے قسم خورد کہ فلاں عالم نخواہد بود

سوال (۶۶۲) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - زید نے قسم کھائی ہے کہ واللہ عمرو کبھی عالم نہ ہوسکے گا - یہ فی الواقع قسم ہوئی یا نہیں - اگر ہوئی تو عمرو کے کتنا بڑا عالم ہونے سے زید کی قسم حنث ہوجائے گی اور کفارہ لازم آجاوے گا اور اگر قسم نہ ہوئی تو وجہ کیا ہے - ؟

الجواب - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - قسم میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے عرف میں اُس شخص کو عالم کہنے لگتے ہیں جس کی دینیات درسیہ کل یا اکثر ہوجاویں - اس مرتبہ میں زید حانث ہوجاویگا - ۴ر جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی صہ ۱۳۹)

حکم شخصے کہ نویسد کہ عہد می کنم اگر فلاں وظیفہ نخوانم از بیعت فیض مرشد محروم شود

سوال (۶۶۳) اگر کسی نے اس طرح کاغذ پر لکھ کر بطور یادداشت کے رکھا اور چند یوم کے بعد پابندی نہ ہوسکی تو کفارہ کیا ادا کیا جاوے گا - اگر روزے رکھے جاویں تو رمضان المبارک کے پیشتر ہی ادا کرلیے جاویں - مثلاً یوں لکھا کہ عہد کرتا ہوں

کہ فجر نماز کے بعد تین پارہ تلاوت اور وظیفہ معمولہ دلائل الخیرات بوقت ظہر اور شب میں بعد عشار خواہ ایک بجے شب سے تہجد اور دوازدہ تسبیح نہ پڑھوں تو خارج از بیعت اور فیضان مرشد سے ہمیشہ محروم رہوں۔ چند یوم تک پابندی کے بعد ترک ہوگئے تو کفارہ دینا چاہیئے۔؟

الجواب۔ مبنیٰ یمین کا عرف پر ہے اور یہ عبارت عرف میں یمین نہیں اس لیے یمین نہ ہوگی اور کفارہ بھی نہ ہوگا۔ ۱۵ر شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص۱۵۷)

کتاب النذور

شتر کی قربانی کی نذر میں باوجود ملنے شتر کے گاؤ ذبح کرنے کا حکم

سوال اوّل (۶۶۴) زید نے منت مانی کہ اگر خداوند کریم میرا فلاں مقصد پورا فرمادیں تو میں اُس کے درگاہ میں ایک شتر قربانی کروں گا تو بعد پورا ہوتے مقصد کے ابھی باوجود پایا جانے شتر کے گاؤ دینا بایں مصلحت کہ ایک شتر پچاس ۵۰ روپیہ کو ملتا ہے اور اس کی کھال ایک روپیہ میں بھی نہیں بکتی اور اور بیل مثلاً پانچ روپیہ کو ملتا ہے اور اس کی جلد کو جو بیس ۲۰ روپیہ کی ہوگی تو مساکین کو گوشت اور بیس روپیہ نقد بھی اور شتر میں فقط گوشت نقد کچھ نہیں ملتا اسی ارادہ سے شتر کے عوض گاؤ دینا جائز ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کتنی گاؤ دینا ہوگا۔؟

بجائے شتر منذورہ کے سات بکریاں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایک ہی وقت میں ذبح کرے یا متفرق طور سے

سوال دوم (۶۶۵) بوقت نہ پائے جانے شتر کے سوال مذکور میں آپ نے فتاوائے اشرفیہ میں آپ نے سات بکریاں دینا فرمائیں ہیں آیا ساتوں ایک ہی وقت میں دینا چاہئیں یا ایک ایک دو دو کرکے برس دو برس میں پورا کرنے سے ہوگا۔؟

کیا قربانی کی منت میں ایام نحر میں ذبح ضروری ہے

سوال سوم (۶۶۶) اگر قربانی کرنے کی منت کرے تو قربانی کے دن یعنی بقرعید کے ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر کو ذبح کرنا ہوگا یا اور دن بھی کرسکتا ہے۔؟

بقرعید سے قبل یا بعد دوسری قربانی علاوہ اضحیہ واجبہ کے کرنا

سوال چہارم (۶۶۷) بقرعید کے چاند میں عید کے قبل یا بعد میں دوسری قربانی کرسکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب عن الاسئلۃ الاربعۃ - فی ردالمحتار فی بحث النذر بالذبح عن ط بان مرادہ بالفرض مایعم الواجب بان یراد بہ اللازم - اس سے معلوم ہوا کہ یہ نذر تو صحیح ہو جائے گی و فی ردالمحتار و کذا یظھر منہ انہ لا یتعین فیہ (ای فی المعلق) المکان والدرھم والفقیر لان التعلیق انما اثر فی انعقاد السببیۃ فقط فلذا امتنع فیہ التعجیل وتعین فیہ الوقت اما المکان والدرھم والفقیر فھی باقیۃ علی الاصل من عدم التعیین وانما تعین المکان فی نذر الھدی والزمان فی نذر الاضحیۃ لان کلاً منھما اسم خاص معین فالھدی مایھدی للحرم والاضحیۃ مایذبح فی ایامھا حتیٰ لو لم یکن کذلک لم یوجد الاسم - و فی الدرالمختار نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشر کتصدقہ بثمنہ وفیہ لو قال للہ علی ان اذبح جزوراً و اتصدق بلحمہ فذبح مکانہ سبع شیاہ جاز کذا فی مجمع النوازل ووجھہ لا یخفی - ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے - ایک یہ کہ قربانی سے مراد ناذر نے صرف ذبح لیا ہے یا قربانی بقرعید کے زمانہ میں اگر اول مراد لیا ہے تو جب چاہے نذر ادا کرے اور اگر ثانی ہے تو خاص ایام نحر میں ادا کرنا ہوگا - دوسرے یہ کہ ذبح مقصود ہے اور تصدق اس کے تابع - اول صورت میں گائے بھی شتر کے قائم مقام ہو جاوے گی اور دوسری صورت میں مساوات قیمت کی شرط ہے خواہ ایک گائے اتنی قیمتی مل جائے یا چند گائے مل کر ہوں - فی الدرالمختار نذر صوم شھر معین لزمہ متتابعاً الخ فی ردالمحتار اما اذا کان الشھر غیر معین فان شاء تابعہ وان شاء فرقہ الا اذا اشترط التتابع فیلزمہ الخ - اس سے معلوم ہوا کہ اگر اضحیہ کی نذر کی ہے تب تو چونکہ شتر کے ذبح میں تفریق نہیں ہو سکتی اس لئے اس کے بدل میں بھی ایک ہی وقت سب کا ذبح ضروری ہے اور اگر ذبح کی نذر کی ہے تو اس میں تفریق بھی جائز ہے - اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا اگر کسی جز میں شبہ رہا ہو مکرر دریافت کر لیا جاوے - ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۲)

حکم کفایت ہفت گوسفند در نذر شتر	**سوال (۶۶۸)** ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ - کہ ایک مرتبہ میری بستی میں وباء زور شور سے پھیلی تھی اس وقت میری نیت ہوئی کہ اگر خداوند کریم

عہ یہ مکاتب تنبیہ ہو کہ اگر صرف دل سے ارادہ کیا ہو تو نذر نہ ہوگی اور اگر زبان سے بھی کہا ہو تو نذر ہوگی جواب نذر اسی شق ثانی پر مبنی ہے ۱۲ منہ -

نے اس بلا سے میرا گھر محفوظ رکھا تو اُس کی درگاہ میں ایک شتر نیاز دوں۔اس بلا سے پاک سبحانہ وتعالیٰ نے بچا لیا اب میں شتر کی تلاش میں ہوں لیکن اس طرف شتر عنقا صفت ہے میں آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ فقط۔؟

الجواب۔اس صورت میں اختیار ہے خواہ سات بکریاں ذبح کر کے مساکین کو خیرات کر دیجئے یا متوسط درجہ کے اونٹ کی قیمت مساکین کو تقسیم کر دیجئے۔ در مختار میں ہے۔ ولو قال للہ علی ان اذبح جزورا و اتصدق بلحمہ فذبح مکانہ سبع شیاہ جاز اھ وفی نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ اھ (امداد جلد دوم صـ۸۲ـ)

صیغہ نذر در اُردو

سوال (۶۶۹) صرف اظہار ارادہ سے نذر منعقد ہو جاتی ہے یا نہیں۔ مثلاً کسی نے کہا ہمارا ارادہ ہے ایک بکرا ذبح کرا دیں اور صدقہ کر دیں اور شاید اُس سے ہمارا لڑکا اچھا ہو جائے۔ یا یوں کہا کہ ہم ہر مہینے دو چار مسکین کھلا دیا کریں گے تو اِس سے نذر ہو گی یا نہیں۔ اُردو میں نذر کا صیغہ کیا ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار الایمان مبنیۃ علی العرف فما تعورف الحلف بہ فیمین ومالا فلا۔ اور نذر حکم یمین میں ہے چنانچہ علی نذر کو صیغہ ایمان سے در مختار میں لکھا ہے اس بناء پر جو صیغے عرفاً نذر کے سمجھے جاتے ہیں اُن سے نذر منعقد ہو گی اور جو صیغے عرفاً اس میں مستعمل نہیں ہیں اُن سے نذر نہ ہو گی اس لیے صیغہ اول کہ ہمارا ارادہ ہے الخ نذر نہیں ہے اور دوسرا صیغہ کہ ہم ہر مہینے الخ نذر ہے واللہ اعلم ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی صـ۸۲ـ)

نذر مجلس مولد وتقسیم شیرینی

سوال (۶۷۰) زید نے جناب باری تعالیٰ میں دعا کی کہ میرا فلاں مطلب ہو جائے تو میں میلاد شریف یا شیرینی پر فلاں بزرگ کا فاتحہ کروں گا۔ یا اُس کی قبر پر چادر ڈالوں گا بعد حصول مطلب ادائے نذر ایسے شخص پر واجب ہو گی یا نہیں اور ادا نہ کرنے والا عاصی ہو گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار۔ ومن نذر نذرا وکان من جنسہ واجب ای فرض وھو عبادۃ مقصودۃ خرج الوضوء وتکفین المیت لزم الناذر۔ اس عبارت سے سب سوالوں کا جواب نکل آیا پس مولد شریف تو عبادات مقصودہ سے

نہیں اس لیے یہ نذر منعقد نہیں ہوئی اور قبر پر چادر ڈالنا خود عبادت ہی نہیں بلکہ مکروہ ہے اس لئے یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوئی۔ رہا فلاں بزرگ کی روح کو ایصالِ ثواب کرکے شیرینی بانٹنا سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ایصالِ ثواب اصلی مقصود ہے تو یہ عبادات مقصودہ میں سے نہیں اور اگر تقسیم مقصود ہے اس میں دو صورتیں ہیں اگر خاص فقراء کو تقسیم کرنے کی نیت نہیں ہے تب بھی عبادت مقصودہ نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں بھی نذر منعقد نہ ہوگی۔ فی الدر المختار نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینوا ابناء السبیل ولو نذر التسبیحات دبر الصلوٰۃ لم تلزمہ اھ۔ اور اگر خاص فقراء و مستحقین پر تصدق کرنے کی نیت ہے تو نذر صحیح و لازم ہوگی مگر اختیار ہوگا خواہ شیرینی دے خواہ طعام خواہ نقد۔ فی الدر المختار نذر ان یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ جاز ان ساوی العشرۃ کتصدقہ بثمنہ۔ اور جن صورتوں میں نذر منعقد ہو جاتی ہے ایفاء واجب ہے اگر ایفاء نہ کرے گا گنہ گار ہوگا۔ کما مر من الدر المختار من قولہ الزم الناذر۔ فقط واللہ اعلم، ۷ رصفر ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی ص۸۳)

حکم جانور نذر و نیاز بزرگان

سوال (۶۷۱) اولیاء اللہ کا نذر کیا گیا بکرا مرغا گائے وغیرہ ماکول اللحم ساتھ بسم اللہ اللہ اکبر کے ذبح کرنے سے حلال ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ بزرگوں کی نذر و نیاز کا جانور اگر اس واسطے ذبح کیا جاوے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں اور ہمارا کام کر دیں اور اُن کو متصرف فی التکوین سمجھے اور اُن سے تقرب کے لیے ذبح کرے اور ذبح سے وہی مقصود ہوں چنانچہ اس زمانہ میں اکثر جہال کا یہی عقیدہ ہوتا ہے تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اور وہ ذبیحہ بالکل حرام ہے اگرچہ وقت ذبح اللہ کا نام لیا جاوے وما اہل بہ لغیر اللہ اور اگر اللہ کے واسطے وہ جانور ذبح کیا اور اللہ کے واسطے دے کر اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخشدیا۔ یہ جائز اور حلال ہے۔ فقط ۵ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ (امداد رابعہ ص۴۸)

جوابات سوالات متعلقہ معاملات جہلاء با قبور و نذر پیرزادگان

سوال (۶۷۲) (۱) بزرگوں کی قبروں پر پیسے ڈالنا جائز ہے یا نہیں۔؟

سوال (۲) اگر ڈالے جائیں جیسے کہ ہمارے یہاں زیارت پر ڈالے جاتے ہیں تو اُس کو کوئی آدمی لے سکتا ہے یا نہیں۔؟

سوال (۳) اگر اولاد بزرگ متوفی کی اُس کو جاگیر فرض کرکے اپنے درمیان نوبت مقرر کریں کہ ایک ہفتہ ایک لے گا دوسرے ہفتہ دوسرا - اسی طرح جیسا یہاں پر پچاس برس سے یہ دستور جاری ہے تو اُن کا یہ نوبت مقرر کرنا صحیح ہے یا نہیں - ؟

جواب - (۱) نہیں

جواب (۲) ڈالنے والے کی نیت جس شخص کو اُن پیسوں کو دینا ہے اُس کا غیر تو اس لیے نہیں لے سکتا وہ پیسے مِلک سے خارج نہیں ہوئے تو ملک غیر میں تصرف بلا اذن مالک لازم آتا ہے اور وہ حرام ہے اور جس شخص کو دینا مقصود ہے وہاں یہ علت تو نہیں لیکن اکثر علماء کے نزدیک وہ مال وما اہل لغیر اللہ کے حکم میں ہے بجامع التقرب بہ الیٰ غیر اللہ اسلئے وہ بھی نہیں لے سکتا گو لینے سے ملک خبیث ہوجائے گی اِس کا تدارک بجز اس کے کچھ نہیں کہ جس نے پیسے ڈالے ہیں وہی اُٹھا کر اپنی اِس نیت اور عقیدہ سے توبہ کرلے پھر خواہ خود رکھے خواہ کسی کو دے اِسی سے تیسرے سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا -

جواب - (۳) بناء الفاسد علی الفاسد ہے - ۲۱ ر رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۳)

حکم فاتحہ ونذر ونیاز اولیاء اللہ وبزرگان

سوال (۴۷۳) یہاں ایک مزار پر یہ رسم ہے کہ لوگ اُس پر منت مانتے ہیں کہ ہمارا یہ کام پورا ہوجائے گا تو ہم اِن بزرگ کی مرغ کے قورمہ پر فاتحہ کریں گے چنانچہ کام پورا ہونے پر مزار کے احاطہ میں کسی مقام پر وہ مرغ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جاتا ہے اور اُس کا قورمہ اور روٹی پکا کر مجاور کے پاس لائی جاتی ہے جس میں سے بعد فاتحہ کچھ وہ لے لیتا ہے اور کچھ لانے والے کو بطور تبرک واپس کردیتا ہے آیا وہ قورمہ روٹی غیر معتقد کے لیے کھانا حلال ہے یا نہیں - ؟

الجواب - فی الدر المختار قبیل باب الاعتکاف واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الیٰ ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیہم فھو بالاجماع باطل وحرام ما لم یقصد واصرفھا لفقراء الانام وقد ابتلی الناس بذلک ولاسیما فی ھذہ الاعصار فی رد المحتار **قولہ** باطل وحرام لوجوہ منہا انہ نذر المخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون لمخلوق الیٰ قولہ ومنہا ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ تعالیٰ واعتقادہ ذلک کفر اللھم الا ان

قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی اورددت غائبی اوقضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ النفیسۃ الی قولہ مما یکون فیہ نفع للفقراء والنذر للہ عزوجل وذکر الشیخ انما ھو محل لصرف النذر المستحقہ الخ (عن البحر) قولہ مالم یقصدوا الخ ای بان تکون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مرادا بہ فقراءہ کما مرولا یخفی ان لہ الصرف الی غیرھم کما مر سابقا ولابد ان یکون المنذور مما یصح بہ النذر کالصدقۃ بالدراھم ونحوھا ای لونذر زیتا لایقاد قندیل فوق ضریح الشیخ اوفی المنارۃ کما یفعل النساء من نذر الزیت لسیدی عبد القادر ویوقد فی المنارۃ جھۃ المشرق فھو باطل الخ فی الدر المختار قبیل کتاب الاضحیۃ ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو وصلیۃ ذکر اسم اللہ تعالیٰ اھ ان روایات سے امورِ ذیل مستفاد ہوئے:۔

۱- اگر اس نذر سے یا بدون نذر کے اس ذبح سے نیت تقرب لغیر اللہ کی ہو تو ذبیحہ حرام رہے گا اگرچہ اُس کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔ وقد حرم اللہ تعالیٰ فی المائدۃ ماذبح علی النصب بعد ذکر تحریم مااھل لغیر اللہ بہ۔

۲- صاحب درمختار اپنے زمانہ کے اکثر عوام کی نذر للاموات کو فساد عقیدہ پر مبنی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگوں کو اس میں مبتلا فرماتے ہیں اور جہل کا روز افزوں ہونا ظاہر ہے تو ہمارے زمانہ میں تو بدرجۂ اولیٰ اسی حالت کا ظنِ غالب ہے۔

۳- اگر نذر للہ ہو اور بزرگ کا ذکر بیان مصرف کے لیے ہو وہ جائز ہے۔

۴- اس نذر سے یہ تخصیص لازم نہیں ہو جاتی دوسرے مقام کے فقراء پر صرف کر دینا بھی جائز ہے۔ ۵- جو شئ منذور فقراء پر صرف نہیں کی جاتی اُس کی نذر بالکل باطل اور ناجائز ہے جیسے چراغ جلانا یا غلاف چڑھانا۔

ان احکام کی تحقیق کے بعد قابلِ غور یہ امر ہے کہ یہ نذر مذکور فی السوال آیا تقرب الی اللہ کے لیے ہے یا تقرب لغیر اللہ کے لیے۔ اس کا فیصلہ نہایت آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ مسئلہ ۴ کو اس کا معیار قرار دیا جاوے یعنی ناذر کو یہ مشورہ دیا جاوے کہ تم ان بزرگ کے خادموں کے علاوہ دوسرے مساکین کو جن کو مزار یا صاحبِ مزار

سے کوئی تعلق نہ ہو دیکر اُن بزرگ کو ثواب بخشدو۔ یا بجائے مرغ ذبح کرنے کے بازار سے گوشت خرید کر اُس کا کھانا پکالو اور اس سے زیادہ صاف امتحان یہ کہ یہ کہا جائے کہ اُن کو ثواب ہی مت بخشو۔ پھر یا تو اپنے اموات کو بخشدو یا کسی کو بھی مت بخشو اور خود بھی مت رکھو یا اُس کو تبرک نہ سمجھو کیونکہ اُس میں برکت ہو جانے کی کوئی دلیل نہیں اگر اس پر خوشی سے راضی ہو جائیں تو سمجھا جائے گا کہ خود اُن سے تقرب مقصود نہیں ان کا ذکر بیان مصرف کے لیے تھا جس میں مقامی اور غیر مقامی مساکین سب برابر ہیں اور اگر اس پر راضی نہ ہوں بلکہ اُن ہی تخصیصات پر اصرار ہو کہ ذبح بھی ہو اور ان ہی بزرگ کے تعلق والوں کو دیا جائے اور خود کھانے کو موجب برکت سمجھا جائے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تخصیصات کے خلاف کرنے سے کسی مضرت کا اندیشہ ہو تو یہ سب علامات ہیں فساد عقیدہ کی۔ اس حالت میں یہ فعل مطلقاً ناجائز ہو گا جس میں مقتدا و غیر مقتدا سب برابر ہیں البتہ جواز کی کسی صورت میں اگر ابہام ہو تو اُس میں مقتدا کو احتیاط کا مشورہ دیا جاوے گا۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ (النور ص۸ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

تفصیل در نذر ہزار رکعت بر تقدیر سلامت کسے از مقدمہ

سوال (۶۷۴) ایک شخص خون کی علت میں گرفتار ہو کر قید ہوا خدا جانے وہ علت صحیح ہے یا غلط اس سے کوئی غرض نہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ایک شخص نے اُس کے لیے جناب باری تعالیٰ میں اس طریقہ سے نذر مانی کہ اگر یہ شخص قید فرنگ سے رہا اور بَری ہو جائے اور جان اُس کی سلامت رہے تو میں ہزار رکعت نماز ادا کروں گا وہ شخص جان سے تو سلامت رہا مگر سات برس کی قید اُس کو ہو گئی۔ اس صورت میں صلوٰۃ نذر کے بارے میں کیا کرنا چاہیے۔؟

الجواب۔ اس شخص سے پوچھا جائے کہ رہائی اور برارت سے کیا مراد ہے آیا سزائے موت سے رہائی اور برارت یا مطلق سزا سے رہائی اور برارت۔ شق اول میں شرط نذر کی پائی گئی۔ لہذا ایفاء نذر واجب ہے اور شق ثانی میں شرط نہیں پائی گئی اس لیے ایفاء واجب نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ۲ ص ۸۳)

تحقیق حکم نذر بالذبح

سوال (۶۷۵) نذر ماننے ذبح حیوان میں اختلاف ہے بعض نے ماجنسہ واجب کو عام رکھ کر کہا ہے نذر منعقد ہو جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے واجب سے مراد فرض ہے تو نذر منعقد نہ ہو گی صاحب در مختار نے قول ثانی

اور شامی نے قول اول کی تصحیح کی ہے بنابر تصحیح شامی آیا صرف ذبح سے ایفار ہو جائے گا مثل قربانی کے یا کہ تصدق لحم وجلد ضروری ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ضرور ہو مگر تصریح نہیں ملتی۔

الجواب۔ تصریح میں نے بھی دیکھی لیکن فقہار نے تصریح کی ہے کہ ذبح کرنا غیر ایام اضحیہ میں قربت مقصودہ نہیں۔ اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ منذور بہ کا قربت مقصودہ ہونا چاہیئے پس اگر نذر بالذبح میں صرف ذبح سے پوری ہو جائے تو لازم آتا ہے کہ منذور بہ غیر قربۃ مقصودہ ہو وہو باطل۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصدق کو لازم کیا جائیگا تاکہ اس کے انضمام سے وہ قربۃ مقصودہ ہو جائے اس قاعدہ سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ تصدق واجب ہوگا۔ نیز ناذر کا قصد اس نذر ذبح سے یقیناً تصدق کا ہوتا ہے پس عرفاً نذر بالذبح کا لفظ مستعمل نذر لمجموع الذبح والتصدق میں ہے اور اس مجموع کے نذر میں فقہار نے انعقاد نذر کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۹۴)

نابالغ کی نذر کا حکم

سوال (۶۷۶) طفل نابالغ جو عقل رکھتا ہے اُس نے نذر معین یا غیر معین مالی بعد حصول مقصود اُس پر ادا کرنا اُس نذر کا واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر وہ نذر مالی ہے تو ادا کرنا جائز بھی نہ ہوگا۔ فقط

۸ رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اول ص ۱۱۸)

ایک ماہ کے روزوں کی نذر میں تتابع واجب ہے یا نہیں۔

سوال (۶۷۷) بندہ نے ایک مرتبہ علالت میں نذر کی تھی کہ اگر شفار ہو گئی تب ایک ماہ کے روزے رکھوں گا۔ اس وقت یہ خیال نہیں کہ اتصال کی نیت کی تھی یا نہیں بلکہ یہ خیال ہے کہ اُس وقت اتصال وغیر اتصال کا دل میں خطرہ بھی نہ گزرا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ بندہ نے شروع ذی الحجہ سے نذر کو ادا کرنا شروع کیا اس درمیان میں ایام نحر و تشریق کی وجہ سے روزہ نہ ہوا۔ آیا اس صورت میں اگر کل ذی الحجہ کے روزے رکھدیئے سوائے ایام مذکورہ کے تب نذر ادا ہو جائے گی یا نہیں اور ایام مذکورہ کے عوض اور روزے رکھنے ہوں گے یا نہیں۔ صاف تحریر فرمایئے بڑی عنایت ہو گی۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار۔ قبل باب الاعتکاف وکذا الحکم لو نکر السنۃ وشرط التتابع الی قولہ ولو لم یشترط التتابع یقضی خمسۃ وثلثین اھ

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر تتابع کی شرط نہیں کی تو تتابع واجب نہیں البتہ ایام منہیہ کے عوض روزے رکھنے پڑیں گے تاکہ ایک ماہ کی تکمیل ہو جاوے۔ ۲۰؍ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول صفحہ ۱۱۸)

بکری کے بچہ معین کی قربانی کی نذر

سوال (۶۷۸) ایک شخص نے نذر مانی تھی یا اللہ بکری کا بچہ اچھا ہو جائے اسی بچہ کی قربانی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نام دوں گا۔ ابھی بکری کا بچہ کم عمر ہے ایک برس روز کا نہیں ہوا قربانی نہ دی تو کیا گنہگار ہوگا یا بکری کا بچہ ذبح کرکے خیرات کر دینا کہ یا اللہ ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو پہنچے۔؟

الجواب۔ مشہور روایات میں یہ ہے کہ نذر اُس طاعت کی ہوتی ہے جس کی جنس سے کوئی فرض ہو۔ لیکن علامۂ شامی نے معتبرات فقہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ خواہ فرض ہو یا واجب ہو جلد ۳ صفحہ ۱۰۷ قبل باب الیمین فی الدخول۔ پس چونکہ قربانی کے افراد میں سے واجب پایا جاتا ہے لہذا یہ نذر منعقد ہو گئی اب نذر کرنے والا اپنی نیت کو دیکھے کہ قربانی سے مراد مطلق ذبح لیا تھا یا اصطلاحی قربانی اول صورت میں تو انتظار برس روز پورا ہونیکا نہ کرے اور دوسری صورت جب وہ برس کا ہو جاوے اور ایام اضحیہ بھی آجاویں اُس وقت ذبح کرے۔ فقط۔ ۶؍ ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اول صفحہ ۱۱۹)

نذر ذبح شاۃ بر شفائے شاۃ

سوال (۶۷۹) ایک شخص کے پاس ایک بکری تھی وہ بیمار ہو گئی اُس نے زبان سے کہا کہ اگر یہ بکری اچھی ہو جائے گی تو قربانی کروں گا۔ پھر وہ اچھی ہو گئی تو اُس کو قربانی کرنا ضرور ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ اگر اچھی ہو جائے تو قربانی کروں گا نذر ہے۔ اور اگر نذر ہو اور اُس کو بیچ ڈالے تو اب اُس کی قیمت کو کیا کرے۔؟

الجواب۔ حکم قیاس کا یہ ہے کہ بدون لفظ علیّ یا مایفید معناہ نذر نہ ہوگی بلکہ وعدہ ہے۔ اور استحسان کا حکم یہ ہے کہ تب بھی نذر ہو جاوے گی۔ ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۱۰۷۔ پس صورتِ مسئولہ میں بحکم استحسان نذر ہو جاوے گی۔ وھواحوط۔ ایک بحث تو یہ تھی دوسری بحث یہ ہے کہ قربانی سے مراد اگر مطلق ذبح ہے تب تو کسی زمان کی قید نہ ہوگی اور اگر تضحیہ مراد ہے تو ایام نحر کی قید ہوگی۔ اور نیز ذبح مراد لینے میں یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کرکے تصدق کرے یا بکری کی قیمت کا تصدق کردے۔ اور بیچ ڈالنے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و تصدق کرے خواہ وہ قیمت تصدق کردے۔ اور اگر تضحیہ مراد لیا ہے اور پھر بیچ ڈالا تو اگر کسی خاص سال کی قید لگائی تھی تو اس کی قیمت

کا تصدق کرے اور اگر تضحیہ میں کسی سال کی قید نہ لگائی تھی تو ایام نحر میں اُس قیمت کی بکری خرید کر قربانی کرے۔ وکل ھذا ظاھر من القواعد۔ ۲۹ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانی صنع)

مصلیں کو کھانا کھلانے کی نذر میں اغنیا کو اس کا کھانا درست ہے یا نہیں

سوال (۶۸۰) زید نے کہا کہ میرا لڑکا اچھا ہو جائے تو میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اب لڑکا فضلِ الٰہی سے اچھا ہوا۔ اب زید کھانا کھلانا چاہتا ہے اور مصلیوں میں غریب اور مالدار دونوں ہیں آیا دونوں کھا سکتے ہیں یا غریب ہی کھا سکتے ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں تمام مصلی غریب اور مالدار سب کی نیت کیا ہوں اس کو صاف صاف بیان کیجئے یعنی مالدار کو کھانا جائز ہے۔ یا نہیں یہ کھانا۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ بقدر حصہ مالداروں کے نذر نہیں ہوئی لہذا مالداروں کو اُس کا کھانا جائز ہے۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اول ص ۱۱۹)

جھوٹے مقدمہ میں نذر ماننے سے اس کا ایفاء واجب ہے یا نہیں۔

سوال (۶۸۱) زید نے ایک مقدمہ بکر پر بالکل جھوٹا عدالت میں دائر کیا اور یہ نیت مانی کہ اگر مقدمہ میرے حسب مرضی فیصل ہو تو مسجد میں شیرینی بھیجوں گا چنانچہ زید مذکور کامیاب ہوا زید نے شیرینی مسجد میں بھیجی۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا منت جائز ہوئی یا نہیں اور اس قسم کی شیرینی نمازیوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں اور زید اس منت ماننے کی وجہ سے گنہ گار ہوا یا نہیں اور اگر ہوا تو کس درجہ کا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار احکام النذر وان علقہ بما لم یردہ کان زینت بفلانۃ مثلاً فحنث وفی بنذرہ او کفر لیمینہ علی المذھب وفی رد المحتار انظر لو کان فاسقاً یرید شرطا ھو معصیۃ فعلق علیہ فھل یقال اذا باشر الشرط یجب علیہ المعلق ام لا ویظھر الی الوجوب الخ ج ۳ ص ۱۰۶۔ اس منت سے گو وہ اس لیے گنہ گار ہوا کہ معصیت کی رغبت ظاہر ہوتی ہے مگر چونکہ صدقہ عبادت ہے اس لیے نذر منعقد ہو گئی اور مساکین اس کا مصرف ہیں۔ فقط ۲۹ رجب ۲۹ھ (تتمۂ اول ص ۱۱۹)

اہل محلہ کو گائے ذبح کر کے کھلانے کی نذر میں اغنیاء کو کھلانا درست ہے یا نہیں۔

سوال (۶۸۲) ہمارے یہاں اس طرح پر نذر کرتے ہیں اگر فلاں مقصود میرا حاصل ہو تو ایک گائے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر کے محلہ والوں کو کھلاؤں گا یا یوں کہے کہ للہ ذبح کروں گا

مگر اہلِ محلہ کو کھلانا منظور ہوتا ہے حالانکہ محلہ میں نصاب والا اور فقیر دونوں ہیں بلکہ بہ نسبت فقیر کے پیسے والے کو کھلانے کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ جناب من اس صورت میں ایفار نذر واجب ہوگا یا نہیں اور دونوں فرقوں کو کھلانا اس کا درست ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار نذر التصدق علی الاغنیاء لم یصح مالم ینوا بناء السبیل وفیہ ولو قال ان برئت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ او علی شاۃ اذبحھا فبرئ لا یلزمہ شئ لان الذبح لیس من جنسہ فرض بل واجب کالاضحیۃ فلا یصح الا اذا زاد والتصدق بلحمھا فیلزمہ لان الصدقۃ من جنسھا فرض وھی الزکوۃ الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بقدر اغنیاء کے نذر منعقد نہیں ہوئی اور بقدر فقراء منعقد ہوگئی اور فقراء کو کھلانا ضروری ہوگا اور اغنیاء نے اگر کھایا تو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے بقدر حصہ فقراء پکوایا ہے یا زیادہ پہلی صورت میں اغنیاء کو کھانا درست نہیں دوسری صورت میں درست ہے۔ فقط۔ ۴ر شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۱۲)

تحقیق نذر برائے اغنیاء

سوال (۶۸۳) زید نے نذر کی یعنی یہ کہا کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں فلاں مدرسہ کے مدرسین کی دعوت کروں گا۔ اس کا کام ہوگیا تو ناذر کو انہیں مدرسہ کے مدرسین کو کھلانا چاہیئے یا کہ دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور مدرسین کو یہ کھانا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر مدرسین غنی ہیں تو بقدر اُن کے حصہ کے یہ نذر نہ ہوگی اور یہ بھی اختیار ہوگا کہ اُس مقدار کا ایفار نہ کرے اور اگر مساکین ہیں تو نذر ہو جاوے گی مگر یہ تخصیص لازم نہ ہوگی جس مسکین کو چاہے۔ کھلائے۔ ۸ر محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۱۱)

تحقیق ایفائے نذر اطعام بہ لحم عقیقہ

سوال (۶۸۴) ایک شخص نے کچھ مساکین کھلانے کی نذر کی تھی (کہ اگر میرے لڑکا ہوا تو مثلاً بیس مساکین کھلاؤں گا) آیا وہ شخص لحم عقیقہ اس نذر میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں اور عقیقہ نفس ذبح سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ عقیقہ تو نفس ذبح سے ادا ہوگیا لیکن اس لحم کا اس نذر میں صرف کرنا علی الارجح جائز نہیں۔ دلیلہ ما فی رد المحتار عن القنیۃ واذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکاۃ لا یحسب عنھا فی ظاھر الروایۃ اھ۔

۲۸ر محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثانی ص ۱۷۲)

تدریج در ایفائے نذر

سوال (۶۸۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومقتدایانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ مرض میں یہ کہا کہ میں بعد صحت دو سو روپیہ فلاں کارِ خیر میں دوں گا بعد صحت اُس پر دو سو روپیہ کا ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں۔ بر تقدیر اول بباعث تنگدستی وعدم گنجائش فی الحال وہ تھوڑا تھوڑا روپیہ قسط کے طور پر بھی ادا کرسکتا ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار لو قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة او علیّ شاة اذبحها الی قوله لان الذبح لیس من جنسه فرض فی رد المحتار هذا التعلیل لصاحب البحر وینافیه ما فی الخانیة قال ان برئت من مرضی هذا ذبحت شاة فبرئ لا یلزمه شئ الا ان یقول فلله علی ان اذبح شاة اه و هی عبارة متن الدر وعللها شرحه بقوله لان اللزوم لا یکون الا بالنذر والدلیل علیه فی الثانی لا الاول اه ثم قال لکن فی البزازیة ایضاً ان عوفیت صمت کذا لم یجب مالم یقل لله علی وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذا فانا احج ففعل یجب علیه الحج اه الی اخر ما قال واطال ج ۳ ص ۱۰۱۔ اس سے ثابت ہوا کہ علی الراجح یہ نذر صحیح ہو جاوے گی اور اگر ایک دم سے نہ دے سکے تو تھوڑا تھوڑا بھی دینا جائز ہے۔ فی رد المحتار وان لم یجد غیره امسك منه قدر قوته فاذا ملك غیره تصدق بقدره ای بقدر ما امسك کذا سیاتی فی متفرقات القضاء ان شاء الله تعالیٰ ج ۳ ص ۱۰۹ البتہ اگر اس شخص کا کل اثاثہ منقول وغیر منقول سب ملا کر بھی دو سو روپیہ کا نہ ہو تو سوال پھر کرنا چاہیے اور یہ لکھنا چاہیے کہ اُس کا کل مال کیا کیا اور کس کس قیمت کا ہے۔

۱۲ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹)

عدم صحت نذر بفعل غیر

سوال (۶۸۶) کسی شخص نے اس شرط پر منت کی تھی کہ اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ ایک پسر عنایت فرمادے تو بارہ برس کے بعد کعبہ شریف میں بھیجوں گا لکن بوقت منت وہ توانگر تھا اب حالت غریبی میں مبتلا ہو گیا اسوقت کعبہ شریف میں بھیجنا میسر نہیں۔ اب کیا کیا جائے ادائے منت اُس پر واجب ہے یا نہ

الجواب۔ نذر اپنے فعل کی منعقد ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے فعل کی لہذا یہ

نذر بھی منعقد نہ ہوئی - ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۱۷۱)

انعقاد نذر درود شریف

سوال (۶۸۷) درود شریف کی نذر منعقد ہوتی ہے یا نہیں -؟

الجواب - فی الدر المختار ولو نذر ان یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم کذا لزمہ وقیل لا فی رد المحتار قولہ لزمہ لان من جنسہ فرضاً الٰی قولہ قال ح ومنہ یعلم انہ لا یشترط کون الفرض قطعیاً ط قولہ وقیل لا لعل وجہہ اشتراط کون الفرض قطعیا ح (قلت والاحوط الاول) ج ۳ ص۱۰۵ - یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص۹)

اشتراء منذور لغیر اللہ

سوال (۶۸۸) نذر لغیر اللہ یعنی جو کسی تھان یا کسی نشان اور جھنڈے وغیرہ پر چڑھایا گیا ہو اور چڑھانے والے ہندو ہیں اگر کوئی مسلمان اُس کو خریدنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں -؟

الجواب - اس اہلال لغیر اللہ سے اُس میں حرمت مثل میتہ کے آگئی پس جس طرح میتہ کا خریدنا ہنود سے جائز نہیں اسی طرح اس کا بھی - واللہ اعلم -

۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ثالث ص۲۳)

کتاب الوقف

معزولی متولیان مسجد بسبب مخالفت شرع وبے انتظامی

سوال (۶۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس بارہ میں کہ چند مساجد ہیں قدیم اور ایک اُن میں سے جامع مسجد ہے بادشاہی کہ غدر میں سرکارِ وقت نے اُس کو مسدود اور بند کیا تھا پھر بعد ایک عرصہ کے واگزاشت کر کے مسلمانوں کے سپرد کیا اور کہدیا کہ تم لوگ چونکہ یہ مساجد اور معابد تمہارے ہیں بطور خود اپنے مذہب کے موافق انتظام کرو اور بعضے مساجد محلہ جات متفرق میں واقع ہیں پس مسلمانوں نے جمع ہو کر ان سب مساجد اور اُس کی آمدنی کے بندوبست کے واسطے چند آدمی متولی اور ممبر مسلمانوں میں سے اپنی طرف سے مقرر کئے کہ تم لوگ منتظم اور مہتمم اس کے بطور تولیت اور ممبری کے رہو اور اس کام کا انجام اور خبر گیری اچھی طرح سے موافق قاعدہ انتظام مال وقف کے کیا کرو کیونکہ سرکار انگریز نے اِس کام کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے تاکہ اپنے مذہب کے موافق اس کا بندوبست کریں

اور سرکار مزاحم اس کی نہیں ہے اس لیے کہ سرکار کو اگر بندوبست انتظام امورات مال وقف کا بطور اپنے قانون کے منظور ہوتا تو بطور خود انتظام کرتا مانند روضہ تاج بی بی کے اب یہ متولیان اور ممبران تصرفات مانند تعمیرات مساجد و دکانات موقوفہ مساجد کے لیے و وظائف ملازمان و صرف آمدنی مال وقف بطور رائے اپنی کے کرتے ہیں بغیر دریافت مسائل شرعیہ کے خواہ وہ رائے اور تصرفات ان کے شرع کے موافق ہوں یا نہ ہوں اب جن مسلمانوں کیطرف سے یہ متولیان اور ممبر ہیں جب وہ اُن کو سمجھاتے ہیں کہ یہ مال وقف ہے اس کی خبر گیری اور آمدنی کا صرف کرنا موافق شرع شریف کے چاہیے کیونکہ مال وقف کے صرف کرنے میں یہاں تک احتیاط ہے کہ اگر متولی بیجا خرچ کرے تو اُس کے ذمہ اِس بیجا خرچ کرنے کی ضمانت لازم آئے گی اور مواخذہ عقبیٰ علیحدہ ہے تو وہ متولیان جواب میں کہتے ہیں ہم ممبر ہیں ہم کو اختیار ہے جیسا ہماری رائے میں آئے گا ویسا ہم کریں گے شرع کے موافق کون چل سکتا ہے بلکہ یہ متولیان اِس قاعدہ کا برتاؤ کرتے ہیں کہ متولی اور ممبر طاق ہونے چاہئیں کیونکہ ہم ظلبہ رائے پر عمل درآمد کریں گے تو بعضے اوقات ایسا اتفاق پڑتا ہے کہ مثلاً متولی تین رہتے ہیں تو جس امر میں دو کی رائے ہو اِس مال وقف کے انتظام کی نسبت تو وہی رائے عمل میں لاتے ہیں خواہ وہ موافق شرع کے ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ رائے خطا ہو یا صواب اور تیسرے کے رائے کو اگرچہ موافق شرع کے ہو بیکار سمجھتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس اگر کبھی متولی پانچ ہو جاتے ہیں تو بھی یہی قاعدہ عمل میں لاتے ہیں اب علمائے دین سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ان کارروائیوں مذکورۂ بالا کا متولیان کو از روئے شرع شریف اختیار ہے یا نہیں اور جائز ہے یا نہیں اور خبر گیری مالِ وقف اور صرف آمدنی اُس کی کا از روئے شرع شریف کے اجرا ہونا چاہیئے یا از روئے منشائے دفعات قانون انگریزی اور ان متولیان کی کارروائی اور تصرف حال وقف میں خلاف قواعد شرعیہ کے اپنی رائے سے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔ فقط

سوال دوم - قریب سوال اول باندک تفاوت۔ علماء و فضلائے امت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ امر دریافت کیا جاتا ہے کہ مثلاً مال وقف ہے یعنی مساجد کہ بعضی بادشاہی ہیں اور سرکاری بعضی نہیں ہیں۔ اور دکانات متعلقہ مساجد اور اصل وقف کرنے والا زندہ اور موجود نہیں ہے اور سرکار انگریز نے اُس مال وقف

کے انتظام کا مسلمانوں کو اختیار دیا۔ پس مسلمانوں نے باہم تجویز کر کے چار پانچ مسلمان ممبر اور مہتمم اِس مال وقف کی نگرانی کے واسطے مقرر کر دیئے مگر قبل اس سے جو مہتمم اور ممبر تھے سب مسلمان اُن کی کارروائی اور نگرانی سے نسبت مال وقف کے بسبب حسن انتظامی بہت رضامند تھے کس لئے کہ وہ انتظام خوب جانتے تھے اور اُن کے عہد میں علاوہ اخراجات مد درمت مساجد و دکانات و تنخواہ ملازمان کے کئی ہزار روپیہ فاضل جمع تھے مگر اُن میں سے بعضے پردیسی تھے کہ یہاں سے چلے گئے اور بعضے انتقال کر گئے۔ اب ممبران حال چونکہ یہ انتظام بالکل نہیں جانتے تو بسبب اس بد انتظامی اور فضول خرچی بے موقع اپنی رائے سے خلاف مسائل شرعیہ کے مسلمان بہت ناراض ہیں کیونکہ مال وقف میں اسراف اور نقصان بہت ہو رہا ہے۔ . . . .

. . . یہاں تک کہ بعضی مسجد مقروض ہو گئیں۔ اب پوچھا جاتا ہے کہ اِن ممبروں اور مہتموں کو مال وقف صرف کرنے کا کس قدر اختیار اور مجاز ہے از روئے شرع شریف کے آیا اس قدر اختیار ہیں جو متولی کو نسبت مال وقف کے حاصل ہے یا زیادہ اور متولی اور ممبر کے اِس مقام پر معنی ایک ہی سمجھے جاویں گے یا نہیں۔ اب یہ ممبران بسبب اس بے انتظامی کے کہ سراسر مال وقف کا نقصان ہے عہدۂ ممبری سے علیحدہ ہونے چاہئیں یا نہیں اور جن مسلمانوں نے ان کو ابتدا میں ممبر مقرر کیا ہے واسطے حُسن انتظام مال وقف کے اب وہ مسلمان بسبب اس بے انتظامی مذکورۂ بالا کے از روئے شرع شریف کے عہدۂ ممبری سے ان کو علیحدہ کرنے کے مجاز ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب برائے ہر دو سوال - اوّل تو بندگان خدا کو ہر حال میں تمام امور میں موافق حکم اپنے خالق برحق کے عمل درآمد کرنا چاہیئے کہ اُس کے پیدا کئے ہوئے ہیں اُس کے مملوک ہیں اُس کے محکوم ہیں مملوک کا کیا مُنہ کو اپنے مالک کے برخلاف کرے اور خصوصاً مال وقف میں تو سب سے زیادہ پابندی احکام شرع ضروری ہے کیونکہ اوقاف مملوک محضہ خداوندی ہوتے ہیں یوں تو سب چیزیں اور اُن کے مالک سارے اُسی کے مملوک ہیں مگر اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت واسعہ سے بعض چیزوں کا برائے نام مجازاً ہم کو مالک بنایا ہے کہ ہم کو انتفاع اور استمتاع اُس سے حلال

وجائز ہے بخلاف مال وقف کے کہ من کل الوجوہ حقیقۃً ومجازاً وظاہراً وباطناً مملوکہ بجہتہ خداوندی ہے پس جو اُس پر متولی ہوگا وہ حقیقت میں نائب خداوندی سمجھا جائے گا پس نائب کی نیابت جبھی تک باقی رہتی ہے جب تک اپنے منیب کے مرضی کے موافق کام کرتا رہے اور جب قصداً اُس کے خلاف کرنے لگا بیشک مستوجب مواخذہ ومعاتبہ ومغضوبی ومعزولی کا ہوگا پس جب یہ امر ممہد ہوچکا کہ متولی مال وقف کا نائب خداوندی ہے توضرور اُس کو حسب ارشاد اپنے منیب حق جل وعلاشانہ کے کرنا واجب ہے اور وہی تصرف کرنا جائز ہے جو موافق حکم شریعت ہو خلاف شرع کرے گا بلا ریب مستحق معزولی وبرطرفی کا ہوگا پس صورت سوال اگر واقعی ہے تو متولی سراسر بیجا کرتے ہیں کیونکہ سرکار کسی طرح پر مزاحم ومعارض نہیں بلکہ من کل الوجوہ انتظام مسلمانوں کے سپرد کردیا اور کسی قسم کا تعرض نہیں جو عذر مجبوری کا ہو پس باعتبار خود خلاف شرع کرتے ہیں پھر موافق قانون انگریزی غلبہ رائے پر چلتے ہیں خواہ مطابق شرع ہو یا مخالف شرع ہو اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان الحکم الا للہ الآیۃ یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ جل شانہ کے اور یہ نہیں سوچتے کہ نافرمانی مولیٰ کی دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ ہوائے نفسانی سے کوئی خطا ہوگئی یہ تو قابل عفو ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ مولیٰ کی نافرمانی اور مولیٰ کے دشمن کی فرماں برداری یہ اعلیٰ درجہ کی بغاوت اور سرکشی ہے اور لائق معافی کے نہیں پس جو لوگ مخالفت کتاب اللہ کی کرکے موافقت قانون اعداء اللہ کی کرتے ہیں وہ بڑے سخت مجرم اور خطاوار قابل دار لاکونار ہیں ایسوں ہی کی شان میں ہے۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ دوسری جگہ فرمایا ھم الظالمون تیسری جگہ فرمایا ھم الفاسقون۔ یعنی جو لوگ حسب ارشاد خداوندی حکم نہ کریں وہ کافر ہیں ظالم ہیں فاسق ہیں اور پھر سمجھائے پر نہیں مانتے اور جواب میں کہتے ہیں کہ شرع کے موافق کون کرسکتا ہے یہ نہیں جانتے کہ خدا کے بندے شرع کے موافق کرسکتے ہیں اور حتی الوسع کرتے ہیں اگر شرع کے موافق کوئی نہ کرسکتا تو شرع کا آنا لغو تھا اور خداوند حکیم علی الاطلاق کی حکمت کاملہ میں دھبہ اور بٹہ لگتا کہ مخلوق پر تکلیف مالایطاق رکھی استغفر اللہ کیسی بیہودہ بات ہے اور اِس کلام سے اگر یہ مقصود ہے کہ ہم ہر حکم

شرع ضروری نہیں تو متکلم کے ایمان ہی میں کلام ہے اور اگر ضروری سمجھ کر پھر عمل نہیں کرتے تو سخت گنہ گار ہونے میں تو کچھ شک وشبہ ہی نہیں اور بوجہ بے انتظامی کے مال وقف میں نقصان اور اسراف کرتے ہیں شاید مال مفت دلِ بے رحم پر عمل ہے حالانکہ متولی کو چاہیئے کہ شریعت کے موافق نہایت امانت و انتظام و خیر خواہی اور دلسوزی سے وقف کا بندوبست کرے کیونکہ یہ خداوند تعالےٰ کا کام ہے کچھ اپنی ملکیت نہیں کہ ہر طرح کا اختیار حاصل ہو قیامت کو مالک کے سامنے جانا ہے سب حساب دینا ہے دیکھو ملازمان عدالت محاسبہ حکام ظاہری سے کیسے ترساں ولرزاں ہوتے ہیں حالانکہ وہ حکام بجز معزول کردینے یا کچھ تھوڑے بہت جرمانہ وسزا کے اور کچھ نہیں کرسکتے تو احکم الحاکمین مالکِ یوم الدین کہ ہر طرح ہم اُسکے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ کما قال وما من دابۃ الا ھو آخذ بناصیتھا الآیۃ۔ اُس سے اور اُس کے حساب سے تو بہت ہی خوف کرنا چاہیئے پس جب خدا کا کام ٹھیرا تو اگر متولی یا ممبر کہ عرفاً دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کچھ خیانۃ یا بد انتظامی یا کوئی تصرف خلافِ شرع کرے اُس کا معزول ہونا ضرور ہے بلکہ اگر وقف کرنے والا خود ہی متولی ہو اور اس سے کوئی خیانت یا بے انتظامی ظاہر اور ثابت ہو وہ بھی قابل معزولی ہے غیر تو بدرجۂ اولیٰ سزاوار معزولی کا ہوگا۔ فی الدر المختار جعل الواقف الولایۃ لنفسہ جاز (وبعد اسطر) وینزع وجوبا بزازیۃ لو الواقف درر فغیرہ اولیٰ غیر مامون او عاجزا او ظھر بہ فسق کشرب الخمر ونحوہ فتح او کان یصرف مالہ فی الکیمیاء نھر بحثا وان شرط عدم نزعہ اوان لا ینزعہ قاض ولا سلطان لمخالفتہ حکم الشرع فیبطل جلد ثالث صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ مجتبائی۔ یعنی اگر وقف کرنے والا خود متولی بنے جائز ہے اور علیحدہ کیا جاوے گا وجوباً اگرچہ وقف کرنے والا ہو تو غیر بدرجۂ اولیٰ علیحدہ کیا جائے گا اگر امین نہ ہو یا کام کا بندوبست نہ کرسکتا ہو یا کوئی فسق شراب پینا وغیرہ ظاہر ہو یا اپنا مال کیمیا میں صرف کرتا ہو ان سب صورتوں میں علیحدہ کیا جائے گا اگرچہ متولی ہوتے وقت شرط کرلے کہ علیحدہ نہ کیا جائے یا شرط کرلے کہ اُس کو کوئی قاضی یا بادشاہ علیحدہ نہ کرے

اِس شرط سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور بوجہ مخالف ہونے شرع کے یہ شرط باطل ہوگی کیونکہ جو شرط خلافِ شرع ہو وہ شریعت میں معتبر نہیں حدیث شریف میں آیا ہے من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ وان اشترط مائۃ مرۃ ترمذی شریف صـ۳۷ جلد ثانی۔ یعنی جو شخص ایسی شرط مقرر کرے جو حکم الٰہی کے موافق نہ ہو وہ ثابت نہیں ہوتی اگرچہ سو مرتبہ شرط کی ہو اُس کا کچھ اعتبار نہیں توجب باوجود شرط ٹھیرا لینے کے خلاف شرع چلنے سے متولی کا معزول ہونا ضرور ہے تو جہاں نہ شرط ہو نہ کچھ ہو وہاں تو بدرجۂ اولیٰ معزول ہوگا پس ان وجوہ مذکورہ سے متولیان مندرجۂ سوال کا معزول کرنا لازم ہے مگر کوئی حاکم شرع تو موجود ہے نہیں اب اس کا مجاز انھیں مسلمانوں کو ہے جنھوں نے اُن کو متولی مقرر کیا تھا اُن مسلمانوں پر ان کا برطرف کرنا واجب ہے اگر نہ کریں گے تو وہ بھی گنہ گار ہوں گے۔ فی الشامی قولہ وینزع وجوبا مقتضاہ اثم القاضی بترکہ والاثم بتولیۃ الخائن ولا شک فیہ بحر جلد ثالث صـ۳۸۴۔ یعنی ناقابل کو معزول نہ کرنے اور خائن کے متولی رکھنے سے بلاشک قاضی گنہ گار ہوگا۔ اب عامہ مسلمین قاضی کے حکم میں ہیں ہاں اگر وہ متولی اب بھی سنبھل جائیں اور اپنی حرکات سے باز آکر شرع کے موافق اچھی طرح انتظام کریں تو متولی رہیں گے اور ناحق معزول نہ کیے جائیں گے۔ وان اخرجہ وتاب واناب اعادہ۔ شامی جلد ثالث صـ۳۸۴۔ یعنی اگر متولی کو نکال دیا اور اُس نے اسراف وخیانت سے توبہ کرلی اور باز آیا تو پھر اُسی کو رکھ لیا جائے خلاصۂ جواب یہ کہ اگر اپنی حرکات ناشائستہ سے باز آئیں تو متولی رکھے جائیں ورنہ اُن کو برطرف کرکے اور کوئی امین متدین خوش انتظام مقرر کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ ۷ر محرم ۱۳۰۱ھ (امداد ثانی صـ۸۴)

منع تطرق در خانقاہ موقوف

سوال (۶۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِس صورت میں کہ احاطۂ خانقاہ قدیم موقوفہ حضرت شاہ غیب نوگزہ قدس سرہٗ میں کوئی غیر شخص راستہ آمدورفت ودروازہ نکالنا جاری کرنا چاہے عنداالشرع جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ مسجد وخانقاہ وغیرہ اوقاف میں کسی کو راستہ نکالنا جائز نہیں،

کیونکہ اوقاف غیر مملوک ہیں اور راستہ وغیرہ نکالنا حقوق ملک میں سے ہے پس غیر مملوک میں جائز نہیں۔ ان اراد ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقاً للمسلمین فقد قیل لیس لهم ذلك وانه صحیح كذا فی المحیط ج ۲ ص ۲۳۱ فقط ۲۳؍ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ (امداد ثانی ص ۵۸)

وقف علی الوارث بحالت مرض الموت

سوال (۱۶۹۱) اگر کوئی شخص چار مہینے سے سخت بیمار ہو قبل ایک دن موت کے ایک وارث کے نام تمام جائداد وقف کردیا واسطے ٹھگانے دوسرے وارثوں کے ورغلانے کے سبب سے پس یہ وقف نامہ عند اللہ الشرع معتبر ہوگا یا نہ۔ اور حد مرض موت کی کیا ہے۔؟

الجواب۔ صحت وقف کی بہت شرطیں ہیں ازاں جملہ ایک شرط تابید ہے یعنی آخر اُس کی ایسی جہتہ کہے کہ منقطع نہ ہو بدون اُس کے صحیح نہیں پس اگر وارث معین پر بلا تابید وقف کیا اور یہ نہ کہا کہ بعد اُس کے یا اُس کی اولاد کے فقراء یا مصارف بر میں وقف ہے تب تو یہ وقف صحیح نہیں ہوا دانہ لاخلاف فی بطلانہ لو اقتصر علی لفظ موقوفة کموقوفة علی زید (وبعد سطر) والمراد بالمعین ما یحتمل الانقطاع کاولاد زید او فقراء قرابة فلان وهم یحصون۔ شامی جلد ۳ ص ۶۱۶) اور اگر بشرائط وقف صحیح ہو تو بشرط اجازت کل ورثہ کے موقوف میں جائز ہے اور بر تقدیم عدم اجازت ثلث میں جائز ہے لیکن تاحیات موقوف علیہ اُس ثلث کی آمدنی سب ورثہ پر علی حصصہم تقسیم ہوگی اور بعد اُس کی موت کے اگر اُس کی اولاد وغیرہ پر موقوف کیا تو آمدنی کے مستحق وہ ہوں گے اور اگر فقراء پر کیا تو وہ ہوں گے کیونکہ یہ وقف تبرع ہے وارث پر اور اسکے بعد غیر وارث پر تو حق وارث میں تو بدون اجازت ورثہ اس وقف کا ثمرہ بالکل ظاہر نہ ہوگا اور بعد موت اسکے باوجود عدم اجازت ورثہ ثلث میں اثر تبرع کا ظاہر ہوگا، فافهم قال فیه انه کوصیة یلزم من الثلث بالموت لا قبله قلت ولو لوارثه وان ردوه لکنه یقسم کالثلثین د رمختار قوله لکنه یقسم ای اذا ردوه یقسم ثلث الذی صار وقفا ای تقسم غلته کالثلثین فتصرف تصرف الثلثین علی الورثة کلهم ما دام الموقوف علیه حیا اما اذا مات تقسم غلة الثلث الموقوف علی من یصیر له الوقف کما علمت ج ۳ ص ۳۶۲ اور مرض الموت وہ حالت

وقف بصورت وصیت علی الوارث۔

ہے جس میں غالب ہلاکی ہو من غالب حالہ الہلاک۔ درمختار۔ واللہ اعلم بالصواب
۱۵ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ (امداد ثانی ص ۸۹)

سوال (۶۹۲) ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا نکاح کے قبل اس نے الگ کاغذ کے اوپر اس طرح کا لکھا ان کر دیا کہ میں میری فلاں فلاں زمین چونکہ تو میرے ساتھ نکاح کرتی ہے اس لیے میں تجھ کو تیری خوراک کے لیے دیتا ہوں اگر تجھ سے کوئی اولاد میری ہوئی تو اس وقت میں اس زمین کا مالک میرے مرنے کے بعد وہ اولاد ہے اور اگر تجھ سے کوئی اولاد نہ ہو اور میں مر جاؤں اس کے بعد بھی تو اس کے غلہ سے اپنی اوقات بسر کرنا اور جب تو مر جائے اس کے بعد میں معتبر پانچ آدمی ایک کنواں عام لوگوں کے پانی پینے کے لیے اس ملکیت کی آمدنی سے یا اس کو بیچ کر کھدوا دیں اور جو بعد کنواں بنانے کے جس قدر اس زمین سے بچے وہ مسجد اس قریہ کی وہ وقف ہے۔ اس صورت میں یہ شخص مر گیا اور کوئی اولاد اس عورت سے نہیں ہوئی اور یہ عورت ابھی زندہ ہے یہ زمین مذکور اس شخص کی پوری ملکیت کا تیسرا حصہ ہے۔ اس صورت میں یہ زمین مذکورہ ایسی ہے کہ کنواں بنانے کے بعد میں بہت بچتی ہے مسجد میں وقف ہو جائے گی یا نہیں اس طور کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الھدایہ۔ اذا قال اطعمتک ھذہ الارض حیث یکون عاریۃ الخ۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کا یہ کہنا کہ میں تجھ کو خوراک میں دیتا ہوں عاریت بعد موت معیر کے باطل ہو جاتی ہے اور یہ کہنا کہ اگر تجھ سے اولاد نہ ہو الیٰ قولہ اوقات بسر کرنا اور یہ کہنا کہ جب تو مر جائے الخ یہ صورت وصیت کی ہے۔ مگر تصحیح عقد مکلف کے واسطے اس کو وقف کہا جائے گا۔ فی ردالمحتار ص ۵۵۵ من الجلد الثالث۔ یثبت الوقف بالضرورۃ وصورتہ ان یوصی بغلۃ ھذہ الدار للمساکین ابدا او لفلان و بعدہ للمساکین ابدا فان الدار تصیر وقفا بالضرورۃ اھ اور وقف علی الوارث جائز ہے اسلئے اس منکوحہ کی حیات تک اس کی آمدنی اس کے صرف میں لائی جائے گی پھر حسب وصیت اس کی آمدنی سے کنواں کھدوا دیویں گے اور بعد اس کے وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہو جائے گی اور چونکہ ثلث سے زائد نہیں اس لیے وصیت

جائز ہوگی البتہ کنواں کھدوانے کے لئے اس زمین کا بیع کرنا بوجہ وقف کرنے کے جائز نہ ہوگا اور اس کی یہ شرط بوجہ غیر مشروع ہونے کے باطل ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ر شعبان ۲۳ھ (امداد ثانی صفحہ ۱۰۶)

وقف بودن قبرستان عام

سوال (۶۹۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین در باب عام قبرستان کے کہ آیا یہ وقف غیر مملوک ہے یا جو اس کا متولی و محافظ و خادم و قابض ہو بحیثیت قبضہ اس کا مملوک ہو جاتا ہے اور وہ اس میں تصرفات مالکانہ بیع و شراء وغیرہ جاری کر سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب - عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور سوا اللہ جل شانہ کے کوئی اسکا مالک نہیں ہوتا اور جب وقف ہوا تو متولی بحیثیت قبضہ اس کا مالک نہیں بن سکتا اور اس میں کوئی تصرف مالکانہ بیع و شراء وغیرہ نہیں کر سکتا اور اگر کسی نے اسے بیع کیا وہ بیع قابل فسخ ہے کتاب ہدایہ میں جس جگہ مسائل مہمان سرائے و مسافر خانہ و مقابر وغیرہ کے بیان کیے ہیں وہاں لکھا ہے۔ وعند ابی یوسف رحمہ یزول ملکہ بالقول وعند محمد اذا استقی الناس من السقایۃ وسکنوا الخان والرباط ودفنوا فی المقبرۃ زال الملک - یعنی امام ابو یوسف کے نزدیک یہ چیزیں مذکورہ بیان کر دینے سے وقف ہو جاتی ہیں اور ملک سے نکل جاتی ہیں اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے پانی پینے لگیں اور مسافر خانوں میں رہنے اور اترنے لگیں اور قبرستان میں مدفون ہونے لگیں ملک جاتی رہتی ہے اور وقف ثابت ہو جاتا ہے۔ ہدایہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۶۲۶ اور کتاب عالمگیری میں یہی مضمون لکھ کر لکھتے ہیں۔ ذکر فی المبسوط ان الفتویٰ علی قولہما فی ہذہ المسائل وعلیہ اجماع الامۃ کذا فی المضمرات پس ثابت ہوا کہ عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور کوئی شخص متولی وغیرہ اسمیں استحقاق ملکیت کا نہیں رکھتا اور نہ کسی کا بیع و شراء اس میں جاری و درست ہو سکتا ہے اور جو بیع واقع ہوئی ہو فسخ کرنا چاہیے۔ ہدایہ میں لکھا ہے۔ واذا صح الوقف لم یجز بیعہ ولا تملیکہ صفحہ ۶۲۰ - یعنی جب وقف درست ہو چکا اب اس کا بیع کرنا اور کسی کی ملک بنانا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔ امداد ثانی صفحہ ۹

ضمان خزانچی باد خال روپیہ وقف در بنک

سوال (۶۹۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین

اس مسئلہ میں اگر کوئی خزانچی مال وقف کو بغرض حفاظت باجازت ممبران کمیٹی کسی بنک میں جمع کردے اور اتفاق سے اُس بنک کا دیوالہ نکل جاوے تو کیا اُس روپیہ کا دیندار خزانچی ہوگا یا نہیں اور خزانچی ممبر بھی ہے۔؟

الجواب- فی الدر المختار یقرض القاضی مال الوقف والغائب واللقطة والیتیم من ملئ مؤتمن ... الی قولہ لا یقرض الاب ولا قاضیا لانہ لا یمتضی لولدہ ولا الوصی ولا الملتقط فان اقرضوا ضمنوا لعجزھم عن التحصیل بخلاف القاضی ویستثنی اقراضھم للضرورة کحرق ونهب فیجوز اتفاقا (بحر) ومتی جاز للملتقط التصدق فالاقراض اولیٰ فی رد المحتار قولہ ومتی جاز تقیید لقولہ ولا الملتقط بما اذا کان قبل جواز التصدق بها الخ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز خاص صورتوں کے جن میں مال کا تلف ہوجانا مظنون قریب یا متیقن ہو کسی کو قرض دینا جائز نہیں اور بنکوں میں جو جمع کیا جاتا ہے گو عنوان اس کا ودیعت ہو لیکن اس کے قواعد میں یہ امر یقینی اور معروف ہے کہ وہاں بعینہ یہ ودائع نہیں رکھی جاتیں بلکہ اُن سے کاروبار کیا جاتا ہے پس بقاعدۂ المعروف کالمشروط اس تصرف کو مودع بکسر الدال کی جانب سے ماذون فیہ کہا جائے گا اور تصرف کا اذن دینا اقراض ہے پس خزانچی کا یہ فعل یقیناً اقراض ہوا جو ناجائز تھا اس لئے بصورت اتلاف کے خزانچی پر اور جتنے ممبروں نے اس اقراض کی اجازت دی ہے سب پر ضمان لازم آوے گا خزانچی پر بوجہ مباشرت کے اور ممبروں پر بوجہ اجازت کے کہ اقراض میں وکیل بنایا اور اقراض توکیل کا محل ہے- کما فی الدر المختار قبیل باب الوکالۃ بالبیع والشراء- اور اگرچہ فتاویٰ میں بعض جزئیات ایسے اقراض کے جواز کی مذکور ہیں لیکن اکثر میں تو قید بامر القاضی کی مصرح ہے اور جہاں مصرح نہیں وہ بمقابلہ متون کے معتمد نہیں۔ فی رد المحتار لکنہ افتی فی وصایا الخیریۃ بان للوصی اقراض مال الیتیم بامر القاضی اخذ مما فی وقف البحر عن القنیۃ من ان للمتولی اقراض مال المسجد بامر القاضی فان الوصی مثل القیم لقولھم الوصیۃ والوقف اخوان اھ- وفیہ تحت قول الدر المختار ولا یقرض الاب مانصہ ای فی اصح الروایتین فتح- قال فی البحر وفی خزانۃ الفتاویٰ الصحیح ان الاب کالقاضی فقد اختلف

والمعتمد ما فی المتون الیٰ قولہ واختلفوا فی اعادۃ الاب مال ولدہ الصغیر و فی الصحیح لا اھ - بلکہ خود حاکم کو اقراض کا جائز ہونا مشروط ہے چند شروط کے ساتھ کما فی الدر المختار حیث لا وصی ولا من یقبلہ مضاربۃ لا مستغلا یشتریہ اھ - اور گو ان شرائط میں سے بعض میں کچھ کچھ کلام ہے مگر یہ قدر مشترک متفق علیہ ہے کہ جواز اقراض حاکم کے لیے وہاں ہے جہاں اقراض انفع ہو عدم اقراض سے - وھذہ الروایات کلھا قبل باب التحکیم - واللہ اعلم - یکم رجب ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالث ص ۱۴۲)

تحقیق وقف بودن یا نبودن چندہ

سوال (۶۹۵) چندہ کے احکام وقف کے ہوں گے یا اور مہتمم تنخواہ مقررہ سے زائد بطور انعام وغیرہ کے دیسکتا ہے یا نہیں - ؟

الجواب - یہ وقف نہیں - معطیین کا مملوک ہے اگر اہل چندہ صراحۃً یا دلالۃً انعام دینے پر رضامند ہوں درست ہے ورنہ درست نہیں - ۵ ارشعبان ۱۳۳۱ھ (امداد ۲ ص ۹۱)

حکم اشتراط ادائی زکوٰۃ از آمدنی وقف

سوال (۶۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک گاؤں کے کسی قدر حصے ویز منقسم کا مالک ہے مثلاً چار آنہ کا - اب وہ چاہتا ہے کہ اُس حصہ کو اسی طرح وقف کردیا جائے اور اُس کی آمدنی واقف کی طرف سے بمد زکوٰۃ دی جایا کرے تو یہ وقف اِس طرح درست ہے یا نہیں اور اُس کی صحت کا کیا طریق ہے - ؟

الجواب - چونکہ زکوٰۃ مال مملوک میں اپنے مال مملوک کا دینا شرط ہے اور منفعت مطلق وقف کی ملک واقف سے خارج ہو جاتی ہے اس لئے اس آمدنی سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی و نیز وجوب زکوٰۃ مخصوص ہے حیات مکلف کے ساتھ پس بعد وفات واقف کے اُس میں سے زکوٰۃ دینا محض امر بے معنی ہے لہٰذا یہ صورت شرعاً غیر صحیح ہے البتہ اگر واقف ابتدائے وقف کے وقت یہ شرط کرلے کہ اس میں اس قدر آمدنی میں لیا کروں گا یہ شرط جائز ہے اور اِس قدر آمدنی لینے سے اُس کی ملک ہو جائے گی پھر اُس کو زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اور یہی صورت ہو سکتی ہے اُس کی صحت کی - اسی طرح اگر اپنے بعض ورثا کے لیے کوئی جزو منفعت کا مقرر کردے اور وہ اُس کو لیکر اپنے اموال کی زکوٰۃ میں دیدیا کریں اس طور سے بعد وفات بھی دینا صحیح ہے -

وھذہ الامور کلھا ظاھر - واللہ اعلم - یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

شبہ متعلق مسئلہ مذکورۂ بالا

سوال (۶۹۷) اگر وہ واقف یہ کہدے کہ میرا وارث یا متولی اُس جائداد موقوفہ کی آمدنی کا ایک مقرر حصہ لیکر میری طرف سے زکوٰۃ میں دیدیا کرے تو اس طریق سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ۔؟

الجواب ۔ حیات میں تو یہ صحیح ہے متولی وکیل فی القبض و وکیل فی الاداء ہوگا اور بعد موت کے یہ صحیح نہیں ۔ وجہ اس کی جواب سابق میں مصرح ہے بقولی ونیز وجوب زکوٰۃ مخصوص ہے حیات مکلف کے ساتھ پس بعد وفات واقف کے اُس میں سے زکوٰۃ دینا محض امر بے معنی ہے ۔ واللہ اعلم ۔ ۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ

شبہ متعلق جواب بالا

سوال (۶۹۸) وقف جائداد کی آمدنی سے زکواۃ نہ دینے کی نسبت جو جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ بعد مرنے کے زکوٰۃ دینے کے کوئی معنیٰ نہیں اُس کی نسبت گزارش ہے کہ واقف کی حیات میں جو زکوٰۃ اُس پر واجب ہوئی اگر وہ مرتے وقت کہہ مرے کہ وقف کی آمدنی فلاں کو دی جائے اور وہ واقف کی طرف سے زکوٰۃ میں دے تو کیسا ہے ۔؟

الجواب[۱] ۔ فقہاء نے جہاں اشتراط غلۃ الوقف لنفسہ کو ذکر کیا ہے وہاں ایام حیات کی بھی قید لگائی ہے اور مفہوم تصنیف حسب تصریح علماء حجت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد حیات یہ جائز نہیں اور بعد موت جو غلّہ حاصل ہوگا وہ اُس واقف کی ملک نہ ہوگا اسلیے ایسی وصیت جائز نہ ہوگی ۔ البتہ دوسرے شخص کی ملک ہونے کے بعد اگر وہ اس کے کہنے سے تبرعًا ادا کردے تو مضائقہ نہیں ۔ فقط واللہ اعلم ۔ ۲ ر رجب ۱۳۲۲ھ ۔

---

[۱] شبہ آئندہ کے جواب میں زکوٰۃ ایام ماضیہ کے بارے میں اس وصیت و وقف کو جائز مان لیا ہے پس یہ جواب کہ فقہاء نے الخ صحیح نہ ہوا کیونکہ اس سوال کے جواب میں تصریح ہے کہ متعلق زکوٰۃ ایام ماضیہ کے ہے پس حاصل جواب کا اصل سے یہ ہوا کہ اعوام ماضیہ کے متعلق یہ وصیت و وقف درست ہے اور اعوام مستقبلہ کیمتعلق درست نہیں واللہ اعلم اولیٰ یہ ہو کہ اور علماء سے بھی اس کی تحقیق کرلیجائے کیونکہ یہ جواب قواعد سے لکھا ہے شاید غلطی ہو گئی ہو ۱۲ منہ ؏

شبہ متعلق جواب بالا

سوال (۶۹۹) اعلیٰ حضرت نے ایک دفعہ تحریر فرمایا تھا کہ واقف وقف کی آمدنی زکوٰۃ میں بعد اپنی موت کے نہیں دے سکتا کیونکہ یہ اپنے خرچ میں لاتا ہے اور اُس کے لیے بحیاتہ کی فقہار نے شرط لکھی ہے۔ عالمگیری کتاب الحیل باب الوقف اتفاقاً نظر سے گزرا اُس میں درج ہے کہ اگر وقف کی آمدنی کسی کو ادائے قرض میں دے اور لکھدے کہ میری زندگی میں اور بعد مرنے کے قرض خواہ وصول کر لیا کرے تو درست ہے کیا زکواۃ اور ادائے دَین میں کچھ فرق ہے اور وہ کیا ہے۔؟

الجواب۔ قرض اور زکوٰۃ میں امر فارق یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض تو اُس کے ذمہ میں واجب ہو چکا اور مقرض اس کا نائب ہے اُس کا لینا اس کا لینا ہے اور زکوٰۃ اعوام مستقبلہ کی اس کے ذمہ نہیں ہوئی کیونکہ موت سے اموال اس کی ملک سے خارج ہوگئے اس لیے آخذ اس کا نائب نہیں البتہ زکوٰۃ واجبہ ماضیہ میں فقراء اس کے نائب ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۵ ر رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی صفحہ ۹۱ و ۹۲ و ۹۳)

تحقیق وقف بودن یا نبودن جائداد یکہ بعضے نوابان بہ بعضے علمائے بعنوان وقف داد

سوال (۷۰۰) ملاحظہ دستاویز ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جائداد کے وقف کا ذکر ہے اُس کے دو جزو ہیں ایک وہ جو جناب مولوی صاحب کی ملک میں داخل تھی اور نواب صاحب کے پاس رہن دوسرا جزو وہ جو نواب صاحب کی ملک تھی سو جزو اوّل تو وقف سے اس لیے خارج ہے کہ وقف کا مالک ہونا شرط ہے اور چونکہ نواب صاحب اس کے مالک نہیں وہ شرط مفقود ہے لہذا اس تصرف کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ نواب ... صاحب نے مولوی صاحب کو اپنا قرضہ معاف کر دیا سو اس کو وقف سے کوئی علاقہ نہیں دوسرا جزو البتہ قابل وقف ہے لیکن چونکہ موقوف علیہم معین ہیں اور تابید للفقراء کا ذکر نہ لفظاً ہے نہ معنیً اور وہ بالاتفاق شرط ہے اس لیے اِس جزو کا وقف صحیح نہیں ہوا لفظاً ذکر نہ ہونا تو ظاہر ہے معنیً اس لیے کہ کوئی لفظ جو اُس کے معنی کو مفید ہو مذکور نہیں جیسا لفظ صدقہ ونحوہا اور اگر لفظ پرورش سے شبہ ہو تو محاورات ومواقع استعمالات سے

اُس کا مرادف یا مقارب صدقہ نہ ہونا یقینی ہے چنانچہ اہلِ عرف پر مخفی نہیں۔ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک محض اسی میں گنجایش تھی سو اب وہ بھی محتمل نہیں چنانچہ علامہ شامی نے جلد ثالث صفحہ ۵۶۶ میں ایک بحث طویل کے بعد یہ تحقیق لکھی ہے۔ والحاصل انہ لاخلاف عندھما فی صحۃ الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیہ اذا ذکر لفظ التابید وما فی معناہ کالفقراء وکلفظ صدقۃ موقوفۃ وکموقوفۃ للہ تعالیٰ الیٰ قولہ وانہ لاخلاف فی بطلانہ لو اقتصر علیٰ لفظ موقوفۃ علیٰ زید الخ اور یہاں بھی صورت آخر کی ہے اس کے آگے جو ذخیرہ سے تین بطن کے ذکر کر دینے سے وقف مؤید قرار دیا ہے تو اُس میں بھی موقوفہ کے ساتھ لفظ صدقہ ہے جس کا یہاں نہ ہونا معلوم ہو چکا لہذا وقف نہ ہونا ثابت ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص۹۵)

امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۹۵ میں مسئلہ بعنوان وقف بودن یا نبودن جائداد مخصوصہ ہے اُس کے سطر اخیر میں لفظ صدقہ پر حاشیۂ ذیل سمجھا جاوے۔ وھی ھذہ۔
مگر بعض کتب میں تین بطن کے ساتھ لفظ موقوفہ کو بھی کافی لکھا ہے وھو الاظہر لیکن یہاں ایک مانع پھر بھی موجود ہے۔ تتمۂ ثالثہ ص۳۵ میں اسی مسئلہ کا ضمیمہ دیکھو (ترجیح ثالث ص۲۳۳) (یہ ضمیمہ ذیل میں اس کے بعد ہی نقل کر دیا گیا ہے)

(ضمیمہ مسئلہ مندرجہ جلد دوم امداد الفتاویٰ ص۹۵ سطر اول معنونہ تحقیق وقف بودن الخ)

خلاصہ بعض عبارات دستاویز کہ در فتاویٰ بداں تعرض رفتہ

سوال (۱۰۷) ۱؎ ملکیت زر خرید خاص بروئے نیلام جناب مولوی صاحب مرحوم الخ ۲؎ ہر سہ پٹیات ہر سہ باغات مذکور پر مالکانہ اور پٹی ساوی بر مطالبہ باقی زر ڈگری رہن اپنے کے بدستور سابق مرتہنانہ قابض و متصرف ہیں ۳؎ یعنی ایک ایک ربع ہر ایک پسر کو و ایک ایک ثمن ہر ایک دختر کو وقف کر دیا اور حق مرتہنی پٹی ۱۶؎ الیٰ قولہ ورثاء اصل راہن پر چھوڑ دیا ہے؟ موقوف علیہم اور اُن کی اولاد۔ اور اولاد کی اولاد دواماً نسلاً بعد نسل الخ

عہ اپنی اور اولاد کی پرورش و پرداخت میں صرف کریں گے۔؟

الجواب - میں نے سب کاغذات مطبوعہ و قلمی بغور دیکھے اُس کے بعد دوسری کتب فقہیہ خصوص عالمگیری و شامی دیکھی ان سب سے جو سمجھ میں آیا معروض ہے۔ دستاویز میں دو قسم کی آراضی لکھی ہے۔ ایک وہ جس کا مالک مولانا کو لکھا ہے اور نواب صاحب اُس کے مرتہن ہیں چونکہ وقف کے لیے واقف کا مالک ہونا شرط ہے اس لیے اُس کا وقف ہونا سمجھ میں نہیں آتا اور جن روایات میں رہن کا مانع وقف نہ ہونا معلوم ہوتا ہے اُن کا مطلب یہ ہے کہ راہن جو کہ مالک ہے وقف کرے تو مرتہن کے حق کا متعلق ہونا اُس سے مانع نہیں بجز خاص صورت کے کہ وقف کرنے والا ترکہ بمقدار ادائے دین نہ چھوڑے۔ فی العالمگیریۃ و اما عدم تعلق حق الغیر کالرھن والاجارۃ فلیس بشرط الی قولہ وان لم یترک وفاء بیعت وبطل الوقف ج ۲ صـ ۱۹۹ ۔ اور دوسری آراضی جس کے مالک نواب صاحب تھے سو وہ فی نفسہ محل صالح للوقف ہے جبکہ اُس کی صحت کی سب شرطیں پائی جاویں سو اُس کے متعلق اول روایات ذیل بطور تلخیص لکھتا ہوں۔ فی رد المحتار قال فی الدرر والصحیح ان التابید شرط اتفاقا لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وفیہ لو قال وقفت ارضی ھذہ علی ولد زید وذکر جماعۃ باعیانھم لم یصح عند ابی یوسف ایضا لان تعیین الموقوف علیہ یمنع ارادۃ غیرہ بخلاف ما اذا لم یعین لجعلہ ایاہ علی الفقراء الا تری انہ فرق بین قولہ موقوفۃ وبین قولہ موقوفۃ علی ولدی فصحح الاول دون الثانی الخ وفیہ لکن ذکر فی البزازیۃ الی قولہ حتی لو قال وقفت علی اولادی ولم یزد جاز الوقف الخ وفیہ لکن ذکر فی البحر ان ظاھر المجتبی والخلاصۃ ان الروایتین عنہ فیما اذا ذکر لفظ الصدقۃ اما اذا ذکر لفظ الوقف فقط لا یجوز اتفاقا اذا کان الموقوف علیہ معینا اھ۔ قلت ویشھد لہ ما فی الذخیرۃ الخ وفیہ فقولہ لان لفظ الوقف والصدقۃ یفید ان الکلام فی ذکرھما معا لا فی ذکر لفظ الوقف فقط ویوضحہ ما فی الخانیۃ الخ وفیہ الحاصل انہ لا خلاف عندھما فی صحۃ الوقف مع عدم تعیین الموقوف علیہ اذا ذکر لفظ التابید او ما فی معناہ کالفقراء وکلفظ صدقۃ موقوفۃ

وکموقوفۃ للہ تعالیٰ وکموقوفۃ علیٰ وجہ البر لانہ عبارۃ عن الصدقۃ الیٰ قولہ وانہ لاخلاف فی بطلانہ لو اقتصر علیٰ لفظ موقوفۃ مع التعیین کموقوفۃ علیٰ زید خلافاً لما فی البزازیۃ (وانظر ما استدرک علیہ بما فی البحر من قولہ ان ظاہر المجتبیٰ والخلاصۃ الخ) وانما الخلاف بینہما لو اقتصر بلا تعیین او جمع مع التعیین کصدقۃ موقوفۃ علیٰ خلاف الخ وفیہ والمراد بالمعین ما یحتمل الانقطاع کاولاد زید او فقراء قرابۃ فلان وہم یحصون وفی الذخیرۃ عن وقف الخصاف قال جعلت ہذہ الارض صدقۃ موقوفۃ علیٰ فلان وولدہ وولد ولدہ واولاد اولادہم فاذا سمی من ذلک ثلث بطون فہی وقف مؤبد الیٰ یوم القیامۃ اھ ج ۳ ص۵۶۴ وص۵۶۵ وص۵۶۶ وفی العالمگیریۃ لو قال ارض ہذہ موقوفۃ علیٰ فلان او علیٰ ولدی الیٰ قولہ وعند ابی یوسف یصح لان التابید عندہ لیس بشرط کذا فی محیط السرخسی (دراجع ما ترک بہ عن البحر علی البزازیۃ) وفیہ لو قال ارضی ہذہ للسبیل فان کان فی بلدۃ تعارفوا مثل ہذا وقفا صارت الارض وقفا وان لم یتعارفوا یسئال عنہ ان اراد بہ الوقف فہو وقف وان نوی الصدقۃ او لم ینو شیئا یکون نذرا فیتصدق بہا او بثمنہا وکذلک لو قال جعلتہا للفقراء الخ وفیہ فی الفتاویٰ رجل قال ارضی ہذہ صدقۃ کان نذرا بالتصدق الیٰ قولہ لو قال تصدقت بارضی ہذہ علی المساکین لایکون وقفا بل نذرا یوجب التصدق الیٰ قولہ فہو نذر بالتصدق بالدار علی المساکین عرفاً کذا فی الفتاوی الصغریٰ ج ۳ ص۱۷ ثانیاً۔

ان روایات سے جو امور مستفاد ہوئے وہ لکھتا ہوں۔ ۱ صرف لفظ وقف کہدینے سے امام ابو یوسف رح کے نزدیک وقف صحیح ہو جاتا ہے جبکہ مصارف کا بالکل ذکر نہ کرے یا ذکر کرے اور اس میں کوئی لفظ دال علی التابید بھی ہو۔ ۲ لفظ وقف کے ساتھ اگر مصرف معین غیر مؤبد ذکر کیا تو امام ابو یوسف رح کے نزدیک بھی وقف صحیح نہ ہوگا۔ الا علیٰ ما فی البزازیۃ لکن استدرک علیہا۔ ۳ البتہ اگر ذکر

مصرف معین کے ساتھ جو کہ ۲ میں درج ہے لفظ صدقہ یا للہ تعالیٰ یا علی وجوہ البر کا بھی ذکر کر دیا تب وقف صحیح ہو جاوے گا ۴ اگر مصرف تین بطون سے کم مذکور ہوں تو وہ معین ہے اور اگر تین یا زیادہ ہوں تو وہ غیر معین ہے اور اس میں وقف جائز ہے۔ ۵ الفاظ محتملہ میں اوّل عرف دیکھا جاتا ہے اگر عرف نہ ہو تو نیت کا حال صرف واقف کے بیان سے معلوم ہو سکتا ہے یہ بھی نہ ہو تو لفظ محتمل سے وقف ثابت نہیں ہوتا۔ عالمگیریہ کے جزئیات اس کے لیے صریحاً مفید ہیں ثانیاً دستاویز میں اس اراضی مملوکہ نواب صاحب کے متعلق جو لکھا ہے اس سے بلحاظ روایات مذکورہ امور مستفادہ روایات مذکورہ جو سمجھا ہوں اُس کو لکھتا ہوں۔ ۱ واقف نے اصل صیغۂ وقف کے مقام میں معین پر وقف کیا ہے ۲ پھر اُس کے بعد کی عبارت میں موقوف علیہم کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اس کے بعد دواماً نسلاً بعد نسلٍ ذکر کیا ہے اگر اس کو قائم مقام ذکر بطون ثلثہ کے کہا جاوے جبکہ ظاہر یہی ہے سو وہ مقام تفریع علے الوقف میں ذکر کیا ہے۔ پس اس میں یہ شبہ ہے کہ آیا یہ تفریع اصل عقد کے ساتھ ملحق ہوگی یا نہیں اور اگر یہ کہا جاوے کہ اُس عبارت کے ساتھ ہی یہ عبارت بھی ہے اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت الخ سو یہ لفظ قائم مقام لفظ وقف ہو جاوے گا اور بطون کا ذکر اس طرح عین صیغۂ وقف کے مقام میں ہو جاوے گا سو اس میں یہ شبہ ہے کہ لفظ پرورش وقف پر صریح دال نہیں پس اوّل عرف کا اعتبار کریں گے اور یہ ہمارے عرف میں مفید معنی وقف کو نہیں پھر نیت کا اعتبار کریں گے اور اس کا معلوم ہونا موقوف تھا بیان واقف پر جو اَب ممکن نہیں تو یہ صیغہ دال علی الوقف نہ ہوا پس وہی صورت تردد الحاق کی باقی رہی البتہ اگر اصل صیغۂ وقف کو جو کہ اوپر مذکور ہے اس کا قرینہ کہا جاوے کہ اس لفظ پرورش سے بھی نیت وقف ہی کی ہے تو پھر خود یہی صیغہ مستقل ہو جاوے گا پس اگر لفظ نسلاً بعد نسلٍ مفید تابید ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے اور اس تفریع کو ملحق باصل الصیغہ کہا جاوے تب تو خاص اُس اراضی مملوکہ نواب صاحب کا وقف صحیح ہو جاوے گا اور اگر یہ تفریع ملحق باصل عقد نہ ہو تو عامۂ روایات پر تو وقف صحیح نہ ہوگا لیکن بزازیہ و محیط کی روایت پر جبکہ استدراک سے قطع نظر کر لی جاوے صحیح ہو جاوے گا، پس یہ شبہات و ترددات ہیں اس مسئلہ میں اور کاغذات قلمی کی روایات سے یہ شبہات رفع نہیں ہو سکے

باقی آراضی مرہونہ کے وقف کی عدم صحت اوپر معلوم ہو چکی ہے اُن ترددات کو علمائے محققین سے رفع کر لیا جاوے۔ ۲۵ رجادی الاولیٰ ۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۳۵)

بنا نمودن مکان انجمن در قبرستان معطل

سوال (۷۰۲) ایک قبرستان عرصہ ۲۵ سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں کئے جاتے۔ اب اس میں ایک مکان انجمن اسلام بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ قال ابن القاسم لوان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی فیھا مسجد الم ار بذلک باسا وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاھم لایجوز لاحد ان یملکھا فاذا درست واستغنی عن الدفن فیھا جاز صرفھا الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکہ لاحد فمعناھما علیٰ ھذا واحد اھ۔ جواب مذکور سے بعلت اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لیے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ یکم رجب ۱۳۲۱ھ

(امداد ص۱۰۹ ج ۲)

وقف باغ بغرض شیرینی رمضان

سوال (۷۰۳) زید نے مسجد کہنہ محلہ کو از سر نو تعمیر کر کے ایک قطعہ باغ مختصر کہ جس کی سالانہ آمدنی بہ حساب اوسط پچیس روپیہ ہے بایں نیت کہ علاوہ خرچ فرش و مصلے و شکست وریخت کے ماہ رمضان میں تواضع امام تراویح و شیرینی واسطے مصلیان مسجد بواقعہ لیلۃ القدر آیا کرے اور عرصۂ کثیر تک یہی عمل درآمد رہا مگر چند سال سے بعد معاینہ کتاب فتاوی نہ امام تراویح ہے نہ تواضع کی جاتی ہے البتہ شیرینی بنا بر نمازیاں آیا کرتی ہے اور خاص کر ۲۷ شب صیام کو پس یہ شیرینی کا منگانا زر موقوفہ سے بایں خیال کہ نیت واقف قبل از وقف تھی درست ہے یا نہیں اور قید تاریخ ۲۷ ر بھی درست ہے یا نہیں اس بارہ میں جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمایا جائے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار کتاب الوقف۔ وان یکون قربۃ فی ذاتہ معلوما وفیہ وقف مصحفا علیٰ اھل مسجد للقراءۃ ان کانوا یحصون جاز فی رد المحتار قولہ ان کانوا یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علیٰ ما ذکرہ

شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر الوقف مصرفا لابد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ الیٰ قولہ ومتی ذکر مصرفا یستوی فیہ الاغنیاء والفقراء فان کانوا یحصون صح باعتبار اعیانھم والا بطل و روی عن محمد ان ما لا یحصی عشرۃ وعن ابی یوسف مائۃ وھو الماخوذ بہ عند البعض وقیل اربعون وقیل ثمانون والفتوی انہ مفوض الی رای الحاکم اسعاف وبحراھ وفیہ تحت قول الدر المختار وان علی طلبۃ العلم وجعل مقرھا فی خزانۃ التی فی مکان کذا ففی جواز النقل تردد ذھراھ۔ ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔ اول شیرینی منگانا رقم وقف سے جائز ہے کیونکہ یہ مصرف فی نفسہ جائز ہے۔ البتہ مفاسد سے جو کہ تقسیم شیرینی کے وقت پیش آتے ہیں احتراز واجب ہے۔ دوم ستائیسویں کی قید بھی صحیح ہے۔ سوم البتہ اگر ستائیسویں کے مصلیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد تراویح کے شب بیداری کے لیے اہتمام کے ساتھ جمع ہوتے ہوں تو یہ مصرف صحیح نہیں کیونکہ اس اجتماع کے لئے اہتمام بدعت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ / رمضان ۲۵ھ (امداد ثانی ص ۱۱۱)

فساد نیت یا غیر مصارف خیر کے انضمام سے وقف کا باطل ہونا

سوال (۷۰۴) نواب ...... صاحب رئیس ...... نے اپنی جائداد مالیتی تین لاکھ روپیہ وقف کر دی جس کی آمدنی میں بعد ادائے مالگذاری کے تیس ہزار روپیہ سے زائد ہوگی اور بہت سی جائداد جو مالیت اور آمدنی میں اس سے کچھ کم ہوگی باقی چھوڑ دی جائداد موقوفہ کی آمدنی کو مساجد۔ عربی اسلامی مدارس۔ اور انگریزی مدارس۔ یا طبی مدرسہ۔ یا مزارات بزرگان مثل اجمیر شریف وپیران کلیر شریف وغیرہ کے لیے وقف کیا۔ نواب صاحب موصوف نے جائداد موصوف کو ایسی حالت میں وقف کیا کہ بوجہ کبر سنی اور دائمی امراض درد اعضاء وغیرہ کے ضعیف تھے اور چلنے پھرنے سے بھی معذور تھے لیکن عقل وحواس بالکل سالم تھے اور کوئی ایسا مرض لاحق نہ تھا جس کو مرض الموت سے تعبیر کیا جاوے بلکہ وہ اپنی صحت کی حالت میں تھے۔ انھوں نے بمقتضائے احتیاط متعدد ڈاکٹروں سے صحت و درستی حواس وقابلیت تصرفات کا سارٹیفکٹ بھی حاصل کر لیا تھا اور تحریر دستاویز درجسٹری کرانے کے بعد بعض حکام کے سامنے باقاعدہ اظہار متعلق وقف کے دیئے کہ میں نے باختیار خود امور خیر کے لیے وقف کیا ہے۔ وقف کرنے کے چار ماہ بعد نواب کا انتقال ہوگیا۔

نواب صاحب کے دو بھائی علاتی نواب ...... صاحب اور نواب ...... صاحب وقف کرنے کے مخالف تھے اور انھوں نے اُسی وقت اس وقف سے اختلاف کر کے ایک درخواست دی کہ یہ جائداد کورٹ کرلی جاوے اور اسی بنا پر جائداد مذکور کے داخل خارج کو ملتوی کرادیا بعد انتقال نواب صاحب موصوف ہر دو برادران نے بدعویٰ وراثت جائداد موقوفہ اور جائداد غیر موقوفہ کل کے متعلق اپنے نام داخل خارج کرانے کی درخواست دی۔ ادھر منجانب متولی وقف اس کی کوشش ہوئی کہ وقف قایم رہے مگر عدالت میں برادران نواب صاحب کامیاب ہوئے اور اُن کا نام سب جائداد میں درج ہو گیا برادران نواب صاحب بدیں حجت وقف کو باطل کرنا چاہتے ہیں کہ یہ وقف صحیح ہی نہیں ہوا کیونکہ نواب صاحب موصوف کو اجر و ثواب مقصود نہ تھا بلکہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہم کو محروم کرنے کی غرض سے اپنے کارندوں کے کہنے سے وقف کیا ہے اور جو مصارف کارندوں نے مقرر کرنے چاہے اُنھی کو مقرر کردیا۔ جو مصارف کہ آمدنی جائداد موقوفہ کے مقرر کئے گئے وہ تین قسم کے ہیں۔ بعض یقیناً مصرفِ خیر ہیں مثل مساجد اور مدارس عربیہ اسلامیہ کے یا خدمت حجاج وغیرہ بعض یقیناً مصارف خیر نہیں۔ اور بعض مشتبہ حالت میں ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ نواب صاحب موصوف اور اُن کے علاتی بھائیوں میں عرصہ سے اختلاف اور متارکت تھی۔ کارکنان وقف کا خیال ہے کہ عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کر کے وقف کو قایم کرایا جاوے۔ اُن کا اور اکثر واقفان قانون کا جنھوں نے کل حالت اور کاغذات و بیانات متعلقہ وقف دیکھے ہیں خیال ہے کہ عدالت دیوانی میں چارہ جوئی سے اُمید غالب کامیابی اور استحکام وقف کی ہے۔

(واقعات مذکورہ کے بیان کے بعد امور ذیل قابل استفسار ہیں)

(۱) نواب صاحب موصوف کا اُس حالت میں جس کا ذکر اوپر ہوا وقف کرنا صحیح ہوا یا نہیں اور یہ وقف سمجھا جاوے گا یا وصیت۔

(۲) ایسی حالت میں کہ آمدنی وقف مذکور کے لیے بعض مصارف ایسے مقرر کئے گئے جن کو مصرف خیر نہیں کہہ سکتے وقف صحیح ہوگا یا نہیں۔

(۳) اگر نواب صاحب اور اُن کے برادران میں اختلاف اور متارکت تھی لیکن وقف نامہ کی کسی عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اُن کی نیت محروم کرنے کی ہے بلکہ الفاظ سے

یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اجر و ثواب مقصود ہے تو ایسی حالت میں الفاظ کو دیکھا جاوے یا مخالف باہمی کو خیال کرتے ہوئے اُن کے اس فعل کو محروم کرنے کی نیت پر محمول کیا جاویگا۔

س۴ اگر فی الواقع نواب صاحب کو وقف کرنے میں یہی مقصود تھا کہ برادر محروم رہیں اور اُن کو یہ گوارا نہ ہوا کہ میری جائداد کے وہ وارث ہوں یا انہوں نے اپنے کارندوں کے کہنے سے ایسا کیا تو اس حالت میں یہ وقف تام ہوگا یا نہیں اور وہ اس فعل میں گنہ گار ہوں گے یا نہیں۔

س۵ اگر ایسے تہیہ کرنے سے وہ گنہ گار ہوں تو اس کا اثر وقف کے تام اور نافذ ہونے پر پڑے گا یا نہیں۔ (یعنی باوجود اُن کے گنہ گار ہونے کے وقف قائم رہے گا یا نہیں)۔

س۶ درصورتیکہ نواب صاحب موصوف نے بہت سی جائداد علاوہ جائداد موقوفہ کے چھوڑی تو ایک جزو جائداد وقف کرنے میں وارثوں کا محروم ہونا لازم آتا ہے یا نہیں اور اس طرح کرنے میں کہ وارثوں کے لیے بھی کافی جائداد چھوڑی وہ مرتکب گناہ سمجھے جاویں گے یا نہیں۔

س۷ جس حالت میں کہ نواب صاحب مرحوم کے ہر دو برادر جدا جدا نواب صاحب کے برابر صاحب جائداد ہیں تو اگر کُل جائداد وقف کر دیتے کچھ حرج یا گناہ تھا یا نہیں۔ یا جزو جائداد کے کرنے میں (جیسا کہ کیا گیا) کچھ قباحت تھی یا نہیں۔

س۸ اگر وقف مذکور صحیح اور تام مان لیا جاوے۔ اور نواب صاحب کے برادر اُس کو باطل کرنا چاہیں تو خاص متولیان وقف یا عام مسلمانوں کو اُس کی حفاظت کرنی چاہیئے یا نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ سعی کے کامیاب ہونے کی اُمید بھی ہو اور درصورت عدم حفاظت آثم ہوں گے یا نہیں۔

س۹ اگر وقف مذکور عام مسلمانوں کی کوشش سے تام اور نافذ ہو جاوے تو اُن مدارس یا مساجد کے متولیان اور منتظموں کو جن کے لیے حصّہ مقرر کیا گیا ہے یہ جائز ہے کہ اُس حصّہ آمدنی کو جو اُن کے لیے مقرر کیا گیا ہے چھوڑ دیں یا اگر اُن کو اپنے حصّہ کے حاصل کرنے میں سعی کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں اُن کو ترک سعی جائز ہے یا نہیں۔ سعی نہ کرنے میں آثم ہوں گے یا نہیں۔

س۱۰ اگر مصارف وقف مذکور میں سے بعض مصارف کی عدم سعی اس کا سبب

بن جاوے کہ دوسرے لوگ اتمام وقف کی سعی سے باز رہیں۔ تو ایسی حالت میں اُن کی علم سعی موجب اثم ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الاجوبۃ۔ ۱؎ فی الدر المختار مع رد المختار الجلد الخامس ص۴۲۸۔ و ہبۃ مقعد و مفلوج و اشل و مسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنتہ و لم یخف موتہ منہ والا تطل وخیف موتہ فمن ثلثہ لانہا امراض مزمنۃ لا قاتلۃ وفی الدر المختار باب الوقف و ان یکون منجزاً لا معلقاً فی الدر المختار باب العتق فی المرض یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ۔ روایت اولیٰ سے ثابت ہوا کہ نواب صاحب کا حال مرض موت کا نہ تھا اور روایت ثانیہ وثالثہ سے معلوم ہوا کہ بوجہ اس کے کہ اس تصرف میں اضافۃ الیٰ مابعد الموت نہ تھی بصیغۂ تنجیز تھا اور حالت مرض موت کی بھی نہ تھی اس لیے یہ وصیت نہیں بلکہ وقف ہے اور بوجہ کسی امر مانع عن الصحۃ نہ ہونے کے تب بھی صحیح ہے۔

۲؎ فی رد المحتار الجلد الرابع ص۳۵۲ ولا یلزم من ذکر المصنف لہ ھنا انہ مما یبطل بالشرط الفاسد لما قدمناہ غیر مرۃ بل ذکر فی العزمیۃ ان قاضی خان صرح بانہ (ای الوقف) لا یبطل بالشروط الفاسدۃ و یمکن التوفیق بینہ و بین ما فی الاسعاف بان الشرط الفاسد لا یبطل عقد التبرع اذا لم یکن موجبہ نقض العقد من اصلہ فان اشتراط ان تبقی رقبۃ الارض لہ او ان لا یزول ملکہ عنہا او ان یبیعہا بلا استبدال نقض للتبرع اھ۔ پس صورت مسئولہ میں اگر سب مصارف کو عقود متعدد و صفقات متفرقہ کہا جاوے تب تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور اگر ایک ہی عقد کہا جاوے تو غایۃ المحذور فی الباب وقف علی غیر الخیر شرط ہوگی وقف علی الخیر کی جو کہ شرط فاسد ہے مگر روایت ہذا سے ثابت ہے کہ وقف شرط فاسد سے فاسد و باطل نہیں ہوتا و ظاہر ان الشرط المذکور لیس من موجبہ نقض العقد من اصلہ۔ اور اگر اس پر شیوع ارض موقوفہ کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ درمختار میں مصرح ہے۔ وکذا یفتی بکل ما ھو انفع للوقف فیما اختلف العلماء فیہ مطبوعہ بمبئی ص۴۲۳ اور صحت وقف ارض شائعہ پر فتویٰ امام ابو یوسف رح کا مشہور ہے پس شبہ مذکور رفع ہوگیا۔

نمبر ۳ - فقہ کی فروع ونظائر بیشمار اس کی حاکم ہیں کہ عاقل بالغ کے فعل اور تصرف کو حتیٰ الامکان محمل صحیح پر محمول کر کے اس کی تصحیح کی جاتی ہے اور موانع ظاہرہ کی حتی الوسع تاویل وتوجیہ کرتے ہیں۔ نہ یہ کہ باوجود کسی مانع کے جزو عقد یا مقارن عقد نہ ہونے کے بلا دلیل مبائنات کو اس کے ساتھ منضم کیا جاوے۔

نمبر ۴ و نمبر ۵ قال علیہ السلام انما الاعمال بالنیات اگر دل میں ان کی یہ نیت ہو فیما بینہ وبین اللہ گناہ ہوگا لیکن جب الفاظ وقف نامہ میں باظہار نیتِ ثواب واقف اس نیۃ حرمان ورثہ سے تبری ہے ظاہر شرع میں وقف کے تام ہونے میں اصلا شبہ نہ ہوگا۔

نمبر ۶ و نمبر ۷ و نمبر ۸ و نمبر ۹ و نمبر ۱۰ - ان سوالات کے جوابات قواعد معلومہ فی الشرع سے ظاہر ہیں کہ اس سے حرمان ورثہ لازم نہیں آتا اور بلا قصد اضرار ورثہ کل جائداد بھی وقف کرنا ان کا جائز تھا، بعض حضرات صحابہؓ کے جمیع اموال مملوکہ کے تصدق کر دینے کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جائز رکھنا اس کی قطعی دلیل ہے اور حسب مجموعہ ارشاد حق تعالیٰ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وارشاد حق تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا قادر علی السعی فی الحفظ کو اس جائداد کا حالت ضیاع میں چھوڑ دینا مباشرۃً وتسبباً کہ دوسرے بھی تفریط کریں گے موجب اثم ہے۔ واللہ اعلم ۱۵ ر جمادی الآخریٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول ص ۱۲۳)

وقف کے متعدد متولی بنانا یا ایک کو نائب اور دوسرے کو اصل قرار دینا

سوال (۷۰۵) کسی مسجد کے لیے دو متولی کا مقرر کرنا جائز ہے یا ناجائز یا ایک متولی اور دوسرا اس کا معین یا نائب مقرر کرنا درست ہے یا نادرست جواب بحوالہ عبارت کتاب وصفحہ کتاب مرحمت ہو؟

الجواب - فی الدر المختار - فلو وجد کتابا وقف فی کل اسم متولی وتاریخ الثانی متاخر اشترکا بحر فی رد المحتار لا یقال ان الثانی ناسخ اھ جلد ۳ ص ۴۰۴۔

اس روایت سے دونوں امر کا جواز ثابت ہوا کیونکہ جب باوجود تقدم وتاخر کے اشتراک ثابت ہو گیا باوجودیکہ اس میں احتمال ناسخیت کا ہے تو اشتراک بالاولیٰ جائز ہے اور جب تشارک جائز ہے جس میں احتمال مزاحمت بھی ہے تو نائب دینا بالاولیٰ جائز ہے۔

۱۵ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول ص ۱۲۶)

سوال (۷۰۶) شخصے مسمیٰ زید پنج پسر وسہ دختر ویک زوجہ میدارد ومسمیٰ زید میخواہد کہ کل جائداد خود را بنام مسجد وفی سبیل اللہ وقف سازد واولاد ذکور خود را متولی آں گرداند

ودر وقف نامہ تحریر می سازد کہ از متولیان یکے را از متولی اول قرار میدہند وبر شاہرہ دیگر متولیان واداۓ خراج وانچہ ازاں متعلق میدارند ودر قبضہ تصرف آں میدارند ودیگراں را در تابعیت متولی اول می نہند واگر متولیان خلاف متولیٔ اول ورزند اوشاں از احاطۂ متولی خارج خواہد گشت لاعلی العکس پس در ولایت وقف یکے را متبوع و دیگراں را تابع آں نمودن شرعًا جائز است یا نہ ویا ہمہ متولیان در ولایت وتصرف متساوی اند بدلائل کتب معتبرہ ارقام فرمایند۔؟

الاجوبۃ۔ فی الدر المختار ولایۃ نصب القیم الی الواقف الی قولہ اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان لہ التفویض لہ بالشرط عاما صح و لا یملک عزلہ الا اذا کان الواقف جعل لہ التفویض والعزل وفی رد المختار تحت قولہ ولا یملک عزلہ کالوکیل اذا اذن لہ الموکل فی ان یوکل فوکل حیث لم یملک العزل جلد ۳ صـ۶۳۷ قلت انما لا یملک العزل لان ہذا الوکیل یجعل وکیلا من جہۃ الاصیل الا اذا اذن للوکیل الاول بعزلہ۔ ازیں روایت مستفاد شد کہ دو متولی یا دو وکیل مقرر کردن کہ بدرجۂ برابر نباشند بلکہ یکے تابع دیگر باشد جائز ست۔ ۷ محرم ۱۳۲۲ھ (تتمۂ ثانی صـ۱۰۹)

حالت صحت میں یہ کہنا کہ فلاں زمین مسجد میں دیتا ہوں یا دے چکا ہوں تو ثبت وقف ہو اور اسمیں میراث جاری نہ ہوگی

سوال (۷۰۷) مسماۃ ہندہ زوجہ زید نے بحالت صحت نفس اپنے مرنے سے چند ماہ پیشتر بیان کیا کہ میں اپنی جائداد مسجد موضع .... میں دیتی ہوں اس کو لکھا لو۔ مگر کوئی شخص لکھانے پر آمادہ نہ ہوا۔ بعدہٗ اپنے مرنے سے دس پندرہ روز پہلے جبکہ اُس کے شکم پر قدرے ورم معلوم ہوا۔ مگر مرض الموت نہ تھا کیونکہ چلتی پھرتی تھی اور کوئی علامت مرنے کی معلوم نہ ہوتی تھی بلکہ معمولی حالت میں تھی پھر اُس نے کہا کہ میں نے اپنی کل جائداد مسجد موضع .... میں دیدی ہے تم کو اختیار ہے کہ تم عدالت میں لکھا لو یا یہاں لکھا لو یا نہ لکھا لو میں اپنی جائداد مسجد میں دے چکی ہوں مگر لکھانے میں پھر تساہل رہا آخرکار اپنے مرنے سے دو تین روز پیشتر پھر یہی کہا کہ میں اپنی جائداد مسجد میں دے چکی تم لکھا لو یا نہ لکھا لو تم کو اختیار ہے اُس کے بعد وہ مرگئی اُس کے مرنے پر شوہر مع اپنی ہمشیرہ کے جو ہندہ کے خاوند کا ہمشیرہ زادہ بھی ہے اور ہندہ

متوفیہ کے چچازاد بہن کا بیٹا بھی ہے مدعی ہوا کہ یہ ترکہ شرعاً مجھ کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا شرع شریف سے اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ شرعاً یہ مسجد میں رہنی چاہیئے یا عمرو اور اُس کی ہمشیرہ کو بھی پہنچتا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وان یکون منجزاً فی رد المحتار تحت قولہ ورکنہ الالفاظ الخاصۃ ومنہا ما فی الفتح حیث قال (فرع) یثبت الوقف بالضرورۃ وصورتہ ان یوصی الی قومہ وقد سئلت عن نظیر ھذہ المسئلۃ فی رجل اوصی بان یوخذ من غلۃ دارہ کل سنۃ کذا درا ھم یشتری بھا زیت لمسجد کذا، ثم باع الورثۃ الدار وشرطوا علے المشتری دفع ذلک المبلغ فی کل سنۃ للمسجد فافتیت بعدم صحۃ البیع وبانہا صارت وقفا حیث کانت تخرج من الثلث (حیث اوصی بہ) وفیہ نعم تعیین المسجد لا یضر لانہ مؤبد وفیہ ینقض وقف استحق بملک او شفعۃ وان جعلہ مسجداً ووقف مریض احاط دینہ بمالہ بخلاف صحیح ج ۳ ص ۵۵۵۔ بنا بر روایات مذکورہ جواب یہ ہے کہ گو مسماۃ نے لفظ وقف نہیں کہا مگر یہ کہنا کہ مسجد میں دیتی ہوں یا دے چکی ہوں مثبت وقف ہے اور لفظ دیتی ہوں بھی بوجہ اس کے کہ صیغہ حال کا ہے منجز ہونے کی وجہ سے وقف کے لیے کافی ہو گیا لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ دے چکی ہوں کہ صیغہ ماضی کا ہے بالکل سارے احتمالات وعد یا اظہار قصد کے لیے قاطع ہو کر اثبات وقف میں زیادہ محکم ہے اور جو حالت مریض کی اس کے کہنے کے وقت لکھی ہے وہ حالت شرعاً حالتِ صحت ہے کما صرحوا فی احکام المریض اور لکھوانا شرعاً اثباتِ وقف کے لیے شرط نہیں۔ لہٰذا وہ وقف صحیح اور تام ہو گیا اور عمرو اور اُس کی ہمشیرہ ہر چند کہ ذوی الارحام صنف رابع سے ہیں مگر چونکہ وقف فی حالۃ الصحۃ کے سبب وہ جائداد خود مسماۃ کی ملک سے خارج ہو چکی ہے اس لیے عمرو وغیرہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔

۲۸ رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۲۷)

موقوفہ زمین کے مشتری سے اُس کو خریدنے کا عدم جواز

سوال (۷۰۸) جس موقوفہ زمین کو متولی نے بیع کر دیا ہو اور عرصہ دراز سے مشتری کے قبضہ میں ہو اُس زمین کو مشتری سے خریدنا اور اپنا ملک تصور کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - جب پہلی ہی بیع باطل ہے تو دوسری بیع جو اُس پر مبنی ہے نیز باطل ہوگی۔ ۱۰ر صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اول ص۱۲۸)

قبرستان کے پتھر بیچ کر مسجد کا فرش بنانا

سوال (۷۰۹) زید نے بکر سے پتھر سنگ مرمر خریدے اور اُن پتھروں سے مسجد میں ممبر و مصلی بنوادیا۔ اب بعد میں زید کو معلوم ہوا کہ وہ پتھر جو بکر نے اُس کے ہاتھ فروخت کیے تھے قبر کے پتھر تھے جو بکر نے قبرستان میں سے قبروں سے اُکھڑوادیئے تھے اور جو قبریں اُس کی ملکیت نہیں ہیں۔ اس مصلے پر نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور نیز وہ پتھر مسجد میں لگے رہنے جائز ہیں یا نہیں۔؟

الجواب - پتھر قبر پر لگانے وقف نہیں ہوتا بلکہ لگانے والے کی ملک رہتا ہے پس اجنبی آدمی کا بیع کرنا اُس کو صحیح نہیں ہوا لیکن اگر لگانے والا معلوم نہ ہو یا معلوم ہو مگر اُس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وہ حکم لقطہ میں ہے اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ کسی نیک کام میں صرف کردیا جائے اس صورت میں مسجد میں لگا رہنے دیا جاوے کہ اپنے مصرف میں لگ گیا البتہ جس نے بیع کیا ہے اُس کے لیے قیمت درست نہیں اور اگر اُس کا مالک یا مالک کا وارث معلوم ہو تو اُس سے دریافت کیا جاوے اگر وہ اجازت دے لگا رہنے دیا جاوے خواہ مفت یا قیمت لیکر اور اگر اجازت نہ دے اُکھاڑ دیا جاوے اور اگر کئی وارث ہوں تو سب سے اجازت لینا ضروری ہے۔ اور نابالغ کے حصّہ کی قیمت دینا ضروری ہے۔ ۱۰ر صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اوّل ص۱۲۸)

موقوف کلام مجید میں تلاوت کرنے کا جواز اُس کی بیع کا عدم جواز

سوال (۷۱۰) ایک قرآن شریف میرے ایک ملنے والے کے پاس تھا اُس کے اول صفحہ پر الوقف فی سبیل اللّٰہ اور دوسرے صفحہ پر الوقف مالا یملك لکھا ہوا تھا۔ میں نے شخص مذکور سے مانگا اُنھوں نے مجھ کو دیدیا میں نے اُس قرآن مجید کی جلد بندھوا کر رکھی ہے مجھ کو اس میں تلاوت کرنا کیسا ہے اور اب مجھ کو اس قرآن کو قیمت سے دیدینا کسی کو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - تلاوت کرنا جائز ہے مگر مالکانہ تصرف جائز نہیں بلکہ تلاوت میں آپ کا حق مثل دوسرے مسلمانوں کے ہے اس لیے مخصوص کرنا اپنے ساتھ جائز نہیں نہ بیع جائز ہے۔ ۲۹ر ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص۱۳۰)

مالگزاری کسی گاؤں کی کسی کے نام کر دینا معافی وقف نہیں

سوال (۷۱۱) نواب ...... صاحب نے ایک موضع جس کے مالک ایک شخص مسمیٰ زید تھے بحق مالگزاری بنام عمرو و بکر فرزندان خالد واسطے مصارف درگاہ خالد وامداد معاش ہر دو فرزندان معاف فرمایا جو ابتک بدستور معاف چلا آتا ہے اور وارثان زید کو حق زمینداری ہفتمی حصہ دیا گیا۔ اب دریافت طلب امور مفصلہ ذیل ہیں۔
(۱) شرعاً یہ ہبہ ہوا یا وقف اور لفظ معاف فرمودیم سے وقف صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ نہ وقف ہے نہ ہبہ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جو خراج اس زمین کا بیت المال میں آتا تھا وہ اہل معافی لے لیا کریں۔ پس جتنا لے لیں گے اُتنے ہی کے مالک ہوجائینگے جو نہیں لیا ہنوز اس کے مالک نہ ہوں گے اور وہ بھی جبکہ خراج بحق ہو ورنہ خود لینا ہی جائز نہیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۱۳۱)

جائداد کی مالگزاری جو کسی خاندان کے نام کر دی ہے اُس کے تقسیم کا طریقہ

سوال (۷۱۲) اگر وقف صحیح ہے تو اولاد عمرو کا بعد صرف درگاہ نصف حق ہے اور اولاد بکر کا نصف یا ہر دو صاحبان کی اولاد حصے میں مساوی ہے۔؟

الجواب۔ رؤس اولاد پر تقسیم ہوگا نہ کہ بطور میراث کے البتہ سلطان کو ہر وقت اختیار کمی بیشی کا ہے کیونکہ قبل قبض ملک نہیں ہوا۔ کما مر۔ تاریخ بالا مع حوالہ

ملوک اور غیر ملوک کے وقف میں فرق

سوال (۷۱۳) اوقاف ملوک مانند اوقاف غیر ملوک کے ہیں یا کچھ دونوں میں فرق ہے اس عبارت سے تو فرق معلوم ہوتا ہے۔
وهذا ایضاً فی غیر اوقاف الملوك والامراء اما هی فهی اوقاف صوریة لا تراعی شروطها کما افتی به المولی ابو السعود۔ شامی ص ۴۳۳ ج ۳ ولا یقاس علی ذلك اوقاف غیر الملوك والامراء بل تجب مراعاة شروطهم لان اوقافهم کانت املاکاً لهم۔ شامی ج ۳ ص ۴۳۱۔؟

الجواب۔ فرق اس لیے ہے کہ ملوک مالک نہیں اور ملک غیر میں تصرف جائز نہیں اور منافع ملک (مثل خراج) کا وقف صحیح نہیں وہ اباحت ہے۔ فقط (تاریخ و حوالہ بالا)

افتادہ زمین میں کہ جس میں زید کے جنگی پرنالے گرتے ہیں وقف کی دکانیں بنانے کا حکم

سوال (۷۱۴) ایک گوشہ آراضی کا قدیم سے بصورت مثلث افتادہ پڑا ہوا ہے

اُس میں دو جانب سشش پرنالہ جنگی مکانات زید کے اُسی آراضی مذکور میں پڑتے ہیں مگر ایک ورثاء بکر کی مملوکہ اُس اراضی کو قرار دیکر بحیلہ وقف دوکان بنانی چاہتے ہیں اور وارثان بکر سے نابالغ بھی ہیں اور جس کے پرنالے گرتے ہیں اُس کا کوئی حق سمجھا جاسکتا ہے یا کیا اس صورت میں بلحاظ اجراء پانی و نابالغان کے وقف ہوسکتا ہے۔؟

الجواب۔ اولاً اس کی تحقیق ضرور ہے کہ اُس گوشۂ آراضی بشکل مثلث کا مالک کون ہے قبل تعین مالک کے تو اُس میں کوئی تصرف دوکان وغیرہ بنانے کا یا وقف کرنیکا اگرچہ برضائے زید ہی ہو جائز نہیں پھر ثانیاً جبکہ مالک متعین ہوجائے اور اُس وقت دیکھنا چاہیے کہ اس میں سب بالغ ہیں یا کوئی نابالغ بھی ہے اگر کوئی نابالغ بھی شریک ہو تب بھی اسکو وقف کرنا درست نہیں اور دوکان بنانا بھی اگر بہ نیت وقف یا بہ نیت انتفاع بالعین ہو جائز نہیں اگرچہ زید بھی راضی ہوجاوے اور اگر سب بالغ ہوں اور سب وقف کرنے پر رضامند ہوں یا بہ نیت انتفاع اُسمیں دوکان بنانا چاہیں تو اس صورت میں دو حالتیں ہیں ایک حالت یہ کہ زید بخوشی دوسری طرف پانی اُتارلے تب تو یہ تصرفات بلاتکلف درست ہیں اور دوسری حالت یہ ہے کہ زید اس طرف سے پانی بند کرنے پر راضی نہ ہو تو اُس صورۃ میں زید کا حق آب چک بند کرنا اور قطع کرنا جبکہ اس طرف آب چک کرنا ظلماً نہ ہوا ہو جائز نہیں۔ البتہ اگر زید کا پانی اس دوکان کی چھت پر لے لیا جاوے تو کچھ حرج نہیں فقط۔ ۲۸ر صفر ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اول ص۱۳۲)

سوال (۷۱۵) کسی مسلمان کی زمین کے وسط میں تھوڑا سا حصّہ کسی مندر پر وقف کیا گیا ہو جو کسی ہندو نے وقف کیا ہے لیکن اس زمین کے وسط میں رہنے سے اس مسلمان کو سخت نقصان ہے پس اس صورت میں مندر کے متولی کی رضامندی پر زمین بدل کر مذکور مسلمان کا اپنی زمین کا کوئی حصّہ متولی مندر کے حوالے کرکے خود اس مندر کی زمین کو لے لینا درست ہے کہ نہیں؟

مندر پر وقف کی ہوئی زمین کو کسی زمین کے بدلے لینا

الجواب۔ درست ہے۔ (تتمۂ اول ص۱۳۲)

سوال (۷۱۶) کسی مقام پر بہت سی بنجر زمین تھی جس کا اوپر کا حصّہ کسی مسلمان کی ملک میں ہے اور نیچے کا حصّہ کسی مندر پر وقف کیا گیا ہے پس اس صورت میں جبکہ وہ زمین آجکل زراعت

مسلمان کی زمین پر مندر کی زمین کے واسطے پانی کی نالی جاری کرنا

کے لیے درست کی جارہی ہے اس مسلمان کی زمین پر سے اس مندر کی زمین کو اس کے متولی کی درخواست پر نالی کا پانی زراعت کے لیے چھوڑنا درست ہے یا نہیں۔؟

۲۔ اگر نہ چھوڑنے کی تقدیر پر گورنمنٹ سے اس ہندو کی درخواست پر بجبر اس مسلمان کی زمین پر سے نالی رکھا دینے کا خوف ہے علاوہ بریں اس مسلمان کی زمین کے پانی کا مخرج اس مندر کی زمین ہی پر ہے اس ہندو کی ضرورت کے وقت پر پانی نہ چھوڑنے پر جبکہ مسلمان کو اپنی زمین کا زیادہ پانی خارج کردینے کی ضرورت ہوگی اس ہندو کے مانع ہونیکا خوف ہے پس اس صورت میں ہندو کے حسب لخواہ پانی چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ ۱؎ درست ہے ۲؎ جائز ہے۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۳)

بعد وقف منجز کے دعویٰ تعلیق کا کرنا اور متولی وقف کا بقدر کفاف وقف سے لینے کا جائز ہونا

سوال (۷۰۱) ایک شخص حج کو جاتے وقت اپنے ورثہ اور مختار کار لوگوں کو کہہ گیا تھا بلکہ مسودہ کرایا تھا کہ جلد اجلدی میں میں اس وقت اپنی کچھ جائداد وقف کر کے رجسٹری کرا نہ سکا۔

"اے میرے عام مختار کار میری فلاں گاؤں فلاں جائداد حسب قانون سرکاری اسٹامپ میں لکھوا کر میری طرف سے رجسٹری کرادینا"

اور سب مصارف کی بھی تصریح کردی۔ اس شخص کے حج کو جانے کے بعد حسب حکم تعمیل کی گئی وقف نامہ رجسٹری ہوچکا۔ حج سے آنے کے بعد ایک مولوی صاحب کے وقف کے متعلق مسائل بیان کرنے سے وہ شخص کہتا ہے کہ مجھ کو ٹھیک یہ ارادہ صاف نہیں ہوا تھا کہ فلاں تاریخ سے یہ جائداد وقف ہوکر اللہ تعالیٰ کی بلک میں خاص ہوجاوے بلکہ اس ڈر سے کہ خدانخواستہ راہ حج میں میرا انتقال ہوجاوے اور میری نیت پوری نہ ہو میں نے وقف نامہ رجسٹری کرایا ہے یہ میں جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لیے ایں وقت عرض ہے کہ اس شخص واقف کو وقف کی آمدنی میں قبل وقف کی طرح تصرف کرنا حسب نیت اس کے جائز ہے یا نہیں عندالناس کیا حکم ہے اور عنداللہ کیا حکم ہوگا؟

الجواب۔ توکیل بالوقف جائز ہے اور تعلیق وقف بالحظر جائز نہیں چونکہ یہاں وقف یا تو خود کیا ہے اور توکیل بالتکمیل ہے یا اگر توکیل بالوقف ہے مگر کلام میں تعلیق نہیں گو نیت میں وہ دعویٰ کرتا ہے لہٰذا یہ وقف صحیح ہوگیا۔ غیر مصارف میں اس

کا صرف جائز نہیں البتہ اگر واقف خود متولی ہو تو وقت حاجت بقدر کفاف اُس میں سے لینا درست ہے۔ دلیل المسئلۃ الاولیٰ مافی ردالمحتار لو قال انت وکیلی فی کل شئ یصیر وکیلاً فی جمیع التصرفات المالیۃ واختلفوا فی طلاق وعتاق ووقف الخ ودلیل الثانیۃ مافی الدرالمختار وان یکون (الوقف) منجزاً لا معلقاً الا بکائن ولا مضافاً ولا موقتاً الخ ج ۳ ص ۵۵۶۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمۂ اول ص ۱۳۳)

صرف کردن آمدنی وقف مسجد بر مجاہدین ومجروحین ویتامیٰ

سوال (۷۱۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر مساجد کے اتنے اوقاف ہیں کہ ہر ہر مسجد کے سالانہ خرچ ہوتے ہوئے ہزاروں روپیہ بچ جاتے ہیں اور اُن بچے ہوئے روپئے سے سال دو سال کو متولی دوسری ملکیتیں خریدتے جاتے ہیں جس سے ماہواری خرچ تو مثلاً سو روپئے کا اور آمدنی ہزار بارہ سو کی ہے اب اسیطرح اگر بڑھا کرے تو اُس آمدنی سے سوا ملکیت بڑھنے کے اور کوئی طرح کا فائدہ متصور نہیں ہے اور خدانخواستہ اگر متولیان میں کچھ قصور آیا تو ضائع ہونے کا خوف ہے لہذا اُن اوقاف کی آمدنی سے فقراء مساکین خصوصاً مجاہدین کی بیوہ اور یتامیٰ پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں اور جو ملکیتیں اصل وقف کی آمدنی سے خریدی گئی ہیں جو اصل وقف سے بہت بڑھی ہوئی ہیں جس کی مسجدوں میں کچھ ضرورت نہیں ہے اُس ملکیت کا کل حصہ یا بعض حصہ مجاہدین مجروحین بلقانی اور اُن کی بیوہ یتامیٰ پر خرچ کرنا جیسا کہ اس وقت اشد ضرورت ہے فروخت کر کے دینا جائز ہے یا نہیں۔ اور حدیث شریف میں اس طرح ہے عن عائشۃ رضی قالت سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومك حدیث عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لانفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللہ وجعلت بابھا بالارض ولادخلت فیھا من الحجر۔ رواہ مسلم۔ آیا اس سے استدلال صحیح ہے یا نہیں اور کوئی فقہاء کی جزئیات سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار۔ ویبدأ من غلتہ بعمارتہ ثم ما ھو اقرب بعمارتہ کامام مسجد ومدرس الی قولہ الیٰ آخر المصالح فی ردالمحتار فی تفسیر العمارۃ وھو عمارتہ المعنویۃ التی ھی قیام شعائرہ وقولہ الیٰ آخر المصالح ای مصالح المسجد ج ۳ صفحہ ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ وفی الدرالمختار لو شرط الواقف تقدیم العمارۃ

ثم الفاضل للفقراء و للمستحقین لو رأی الناظر امساک قدر العمارۃ الخ فی
رد المختار و یصرف الزیادۃ علی ما شرط الواقف ج ۳ ص ۵۸۶ وفی الد المختار
قلت انما یکون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسۃ کما مر اما
مدرس الجامع فلا لانہ لا یتعطل لغیبتہ بخلاف المدرسۃ حیث
تقفل اصلا اھ ج ۳ ص ۵۸۷ - ان روایات سے صاف معلوم ہوا کہ وقف مسجد سے صرف
انھیں مصارف میں صرف کرنا جائز ہے جن کو مسجد کی آبادی میں دخل ہے اور دخل بھی
درجہ موقوف علیہ میں حتیٰ کہ روایت اخیرہ میں تصریح کر دی گئی ہے کہ مدرسِ جامع
بھی شعائر مسجد میں داخل نہیں کیونکہ وہ موقوف علیہ آبادی مسجد کا نہیں حالانکہ ظاہر
ہے کہ اس کو زیادت رونق میں دخل ہے مگر اس دخل کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا البتہ اگر
فاضل عن العمارہ میں واقف تصریح کر دے کہ فقراء وغیرہم میں خرچ کیا جاوے تو حسب
روایت وسطیٰ اس وقت غیر مصالح مسجد میں فاضل کو صرف کریں گے۔ اب ظاہر ہے کہ
مجروحین اور یتامیٰ داخل مقتولین کی امداد کو مسجد کی آبادی میں کوئی دخل نہیں اسلئے اگر
واقف نے صرف مسجد کے مصالح کا وقف کے وقت ذکر کیا ہے تب تو اس امداد میں صرف
کرنا جائز نہیں اور اگر کسی دوسرے مصرف کا بھی ذکر کیا ہے تو اس کی نسبت مکرر سوال
کیا جاوے۔ رہا یہ کہ وہ مصالح مسجد سے بچ جاتا ہے اور اس کے جمع رکھنے میں احتمال
ضیاع کا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس فاضل کو دوسرے مساجد کے مصالح پر
صرف کرنا چاہئے جو مسجد موقوف علیہ سے قریب ہو اور اگر اس مسجد قریب میں بھی استغنا ہو تو پھر
اس کے بعد جو مساجد قریب ہوں حتیٰ کہ دوسری بلاد ہند کی مساجد تک اس کی محل ہیں —
لما فی الد المختار و مثلہ حشیش المسجد و حصیرہ مع الاستغناء عنہ
کذا الرباط والبیر والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بیر او حوض الیہ
ج ۳ ص ۵۷۴ قلت دخلت الصورۃ المسئولۃ فی عموم مفہوم الاستغناء
فی رد المختار فان المسجد او غیرہ من رباط او حوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص المتغلبون

لہ دو سال ہوئے کہ المشیر جلد ۵ نمبر ۲۶ ص ۱۰ کالم ۲ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء میں ایک میرا لکھا ہوا جواب اس کے
خلاف چھپ گیا سو وہ میری غلطی تھی۔ صحیح جواب یہ ہے کہ وقف مسجد میں سے مدرسہ میں صرف نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ

مشاهد وکذٰلك اوقافه یا کلها النظار او غیرهم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الاٰخر المحتاج الیه اھ ج ۳ ص ۵۷۵ و ذکر قبل ھٰذا کلاماً طویلاً تائیداً لذٰلك - رہا استدلال کرنا اس پر حدیث مذکور فی السوال سے وہ اس لیے تام نہیں کہ اُس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد تعمیر کعبہ ہی کی ہو چنانچہ اُس کا اقتران لجعلت بابھا بارض اولا دخلت فیھا الخ کے ساتھ اس کا قرینہ قریبہ ہے - نیز یہ بھی احتمال ہے کہ جن لوگوں نے یہ کنز جمع کیا تھا ان کی نیت عام ہے فقراء وغیرہم کو - نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کنز وقف نہ تھا بلکہ امانت تھا کیونکہ وقف کے لوازم سے ہے انتفاع مع بقاء العین اور روپیہ میں اس کی صورت بھی ممکن ہے کہ اُس سے تجارت کریں اور منافع کو قربات میں صرف کریں اور ظاہر ہے کہ جمع کرنے والوں کی نیت ہرگز نہ تھی پس جب امانت ہوا اور مالک معلوم نہ تھے تو اس کا حکم مثل لقطہ کے یہی ہے کہ فقراء میں صرف کیا جاوے اور یہ توجیہ اخیر اقرب الی الفقہ ہے بہرحال استدلال تام نہیں - ۵ رمحرم الحرام ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۵)

مصرف رقم فاضل از وقف متعلق مسجد

سوال (۱۹۱۷) اگر کسی مسجد کی جائداد موقوفہ کی آمدنی اُس کے مصارف سے بہت بڑھ جاوے کہ سالہا سال بھی اُس مسجد میں اُسکی ضرورت محتمل نہ ہو تو ایسی صورت میں اُس آمدنی کو دوسری مساجد کی تعمیر یا امام و مؤذن کی تنخواہ یا دیگر مصارفِ خیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں مشرح و مدلل ارشاد ہو۔ بینوا توجروا

الجواب - فی الدر المختار - ومثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنها وکذا الرباط والبیر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض الیه الخ فی رد المحتار لف ونشر مرتب فظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وعکسه وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لاقرب مجانس لها اھ ج ۳ ص ۵۷۴ قلت وھٰذه الروایة وان کانت منقولة فی صورة خراب المسجد وغیره لکن لما کان مبنی الحکم الاستغناء کان الحکم عاماً وان لم یخرب و ھٰذا ظاهر عندی - اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں اُس آمدنی کو دوسری مساجد میں بھی صرف کر سکتے ہیں لیکن اس ترتیب سے کہ اول اقرب مساجد میں اور اگر

اُس میں ضرورت نہ ہو تو پھر اسی طرح اقرب فالاقرب میں تاریخ ۳ رجب ۲۲ ۲۳ھ (تتمہ ۳ ص ۱۳۹)

صرف وقف یا چندۂ مسجد بمسجد دیگر مع سوال بر جواب وجوب ازاں

سوال (۷۲۰) ایک مسجد کہ آمدنی در سال ششصد روپیہ دارد در محلہ دوم مسجد ویران ست الحال محلہ دار کہ مسجد نادار است می گویند از مسجد جائداد والہ ہر چہ موجود است در مسجد نادار خرچ می کنیم مسئلہ بتحریر آرند در شرع شریف درست ست یانہ۔؟

الجواب۔ ہر گاہ مسجد جائداد آباد ست اگرچہ مستغنی ست آمدنی او در جائے دیگر صرف کردن درست نیست ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارۃ وھناک مسجد محتاج الی العمارۃ او علی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الی عمارۃ ما ھو محتاج الی العمارۃ قال لا کذا فی المحیط۔ عالمگیری جلد ثانی ص ۱۴۲ واللہ اعلم۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۱۰ھ (امداد ثانی ص ۸۴)

سوال (۷۲۱) ایک جامع مسجد آباد کے متعلق دکانیں اور مکان وقف ہیں اُن کا کرایہ ہمیشہ سے اُس کے مصارف شکست وریخت وفرش یعنی جانمازوں اور کوزوں اور گھڑوں وغیرہ حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ مؤذن میں صرف ہوتا ہے اگر حاکم وقت مسلمان یہ چاہے کہ اُس کا حق دوسری مسجدوں کی ترمیم اور حوائج متعلقہ نماز اور تنخواہ مؤذن میں بھی صرف ہوا کرے جن مسجدوں میں کسی قسم کی آمدنی وقف نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں ہے تو جو روپیہ صرف ہو چکا ہے وہ کسی کو واپس دینا واجب ہے یا نہیں۔ اور آمدنی وقف مسجد کس کس مصرف میں صرف کرنیکا حکم ہے؟

الجواب۔ جب پہلی مسجد آباد ہے اُس کے وقف کی آمدنی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔ فی الشامیۃ المطبوعہ بمصر الجزء الثالث منہا ص ۵۷۴ ونقل فی الذخیرۃ عن شمس الائمۃ الحلوائی انہ سئل عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس عنہ ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد او حوض اٰخر فقال نعم ومثلہ فی البحر عن القنیۃ وفی الدر المختار مع الشامی ص ۵۷۵ اتحد الوقف والجھۃ وقل مرسوم بعض الموقوف علیہ جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف الاٰخر علیہ وان

اختلف احدھما لا یجوز لہ ذلک اھ - اور جب یہ انتقال ناجائز ہے تو جو صرف ہوا ہے اُس کا ضمان حاکم پر جس کے امر سے صرف ہوا ہے واجب ہے - فی الشامیۃ صد ۵۸۲ - ذکر فی البحر کون التعمیر من غلۃ الواقف اذا لم یکن الخراب بصنع احد الی قولہ وخربھا بضمن لانہ فعل بغیر اذن اھ قلت دل تعلیلہ ان التصرف الغیر المشروع فی الوقف یوجب الضمان - اور جو روپیہ تعمیر و ترمیم ضروری سے بچ جائے اس کو مصارف مذکورہ سوال میں صرف کرنا جائز ہے - فی الشامیۃ صد ۵۸۲ والذی یبدأ من ارتفاع الوقف ای من غلۃ عمارتہ شرط الواقف اولا ثم ما ھو اقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالامام للمسجد الی قولہ ثم السراج والبساط کذلک الی اخر المصالح ھذا اذا لم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شئ یصرف الیہ بعد عمارۃ البناء اھ - اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر واقف کی تصریح مصارف کے باب میں معلوم ہو تو وہ سب مقدم ہے - واللہ تعالیٰ اعلم - ۱۷ ربیع جمادی الاول ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی صد ۹۳)

سوال (۷۲۲) ایک مقام پر دو مسجدیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے ایک میں نہیں جس میں جمعہ ہوتا ہے اُس کی مرمت وغیرہ کے لیے زید نے کچھ چندہ جمع کیا ہے جو حسب ضرورت خرچ ہوا اور کچھ بچ رہا - اب جمعہ والی مسجد تو درست ہے مگر دوسری مسجد کی چاردیواری اور چھجے وغیرہ شکستہ ہیں تو کیا وہ چندہ جو جمعہ والی مسجد کے لیے کیا گیا تھا اس میں سے کچھ روپیہ اِس مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں - ؟

الجواب - چندہ اہل چندہ کی ملک سے خارج[ف] نہیں ہوا اِس لیے اُن لوگوں سے اجازت لینا ضرور ہے البتہ جو دینے والے مجہول یا مفقود ہوں اُن کے حصّہ کی نسبت کی موافق دوسری مسجد میں صرف کر دینا جائز ہے - ۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد اوّل صد ۲۷)

سوال (۷۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اِس مسئلہ میں کہ راندیر ضلع سورت میں جو مساجد ہیں اُن کی آمدنی بفضلِ خدا بہت اچھی ہے اِن میں سے ایک مسجد کی

ف یہ مسئلہ ابھی منقح نہیں ہوا کہ چندہ مساجد و مدارس وغیرہ معطی کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے یا نہیں - اہلِ علم غور فرمالیں ۱۲ تصحیح الاغلاط صد

آمدنی سالانہ پچیس ہزار روپیہ ہے اور سالانہ خرچ آٹھ دس ہزار روپیہ ہے زائد جمع ہوتا ہے اور مسجد کے لیے اور مکانات خریدے جاتے ہیں۔ اب یہ خوف ہے کہ یہ روپیہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ حاجت مسجد سے بہت زائد ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اِس روپیہ سے کسی دینی مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں وہ مدرسہ مسجد سے علیحدہ ہو، ہاں وہ طلبہ وہاں نماز کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ مہربانی فرما کر حکم شریعت سے اطلاع دیں کہ دینی مدرسہ کی مدد اس مسجد کے مال سے درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ مدرسہ جنس مسجد سے نہیں اس لیے زائد رقم دوسری مساجد میں صرف کرنا چاہیئے اگر اس شہر میں حاجت نہ ہو تو دوسرے شہروں کی مساجد میں صرف کریں جو زیادہ قریب ہو اُس کا حق مقدم ہے اسی طرح بہ ترتیب۔ ۵ رمضان ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۴۲)

عدم صرف وقف مسجد بر مدرسہ و طلبہ

سوال (۷۲۴) محاصل اوقاف مساجد شاہی میں سے اُن طلبہ کا وظیفہ مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں جو اُسی مسجد کے مدرسہ میں پڑھتے ہوں یہ مدرسہ بنائے مسجد کے بعد متولیان کی رائے سے جاری ہے محاصل اوقاف اس قدر اخراجات مسجد سے فاضل ہیں کہ کئی ہزار روپیہ بنک میں جمع ہیں اور اِس مدرسہ اور اس مسجد کی ضروریات کی وجہ سے اِس روپیہ کی کتابیں خریدنا جائز ہیں یا نہیں۔ جو متولی کہ بعد بنائے مسجد، عام مسلمانوں کی رائے سے مقرر ہوں وہ بانی مسجد کے حکم میں ہیں اور اِس لحاظ سے اُن کی نیابت کا اعتبار ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ اوّل چند مقدمات لکھتا ہوں پھر جواب لکھوں گا (مقدمۂ اولیٰ) یہ اوقاف مسجد کے ہیں نہ مدرسہ کے لیے (مقدمۂ ثانیہ) بعد وقف کے مصرف بدلنا خود واقف کو بھی جائز نہیں (مقدمۂ ثالثہ) ایک مصرف سے استغناء کے وقت اُسی مصرف کے مماثل میں صرف کرنا چاہیئے جیسے مسجد مسجد مدرسہ مدرسہ ونحو ذلک (دلیل مقدمۂ اولیٰ) فی الدر المختار مع الشامی دبیان المصرف کقولہم علی المسجد کذا من اصلہ لتوقف صحۃ الوقف علیہ فیقبل بالتسامع جلد ۳ ص ۶۲۶۔ اور ظاہر ہے کہ صورت مسئول عنہا میں شہرت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ واقف نے مدرسہ کی جہت مقرر نہیں کی (دلیل مقدمۂ ثانیہ) فی الدر المختار مع الشامی۔ وقف ضیعۃ علی الفقراء و

سلمہا للمتولی ثم قال لوصیۃ اعط من غلتھا فلانا لکن اقلانا المریصح لخروجہ عن ملکہ بالتسجیل الخ ج ۳ صـ۵۷۴ پس گو متولی حکم بانی میں ہو لیکن خود بانی بھی ایسا تصرف نہیں کرسکتا تھا (دلیل مقدمۂ ثالثہ) فی الدرالمختار مع الشامی وکذا الرباط والبیر اذا لم ینتفع بہما فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد اور رباط او بیر او حوض الیہ جلد ۳ صفحہ ۵۷۴ -

اور یہ جزئیہ گو درصورت خراب ہونے مصرف اوّل کے ہے لیکن استغناء امر جامع ہے درمیان خراب ہونے اور فاضل رہنے رقم کے پس جب مقدمات ثلثہ دلیل سے ثابت ہوچکے - اب جواب ظاہر ہے کہ اس فاضل میں سے کچھ تو محفوظ رکھنا اسلئے ضروری ہو کہ شاید مسجد میں مرمت وغیرہ کی ضرورت واقع ہو اور باقی کو دوسری مساجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہیئے مدرسہ یا اس کے متعلقات کتب وغیرہ کی خرید میں صرف نہ کیا جائے - **ہذا ما ظہر لی الآن** ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا - آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض شبہات محتملۃ الوقوع کو رفع کردیا جائے (شبہ اولیٰ) فی الدرالمختار مع الشامی ویبدأ من غلتہ بعمارتہ ما ھو اقرب لعمارتہ کامام مسجد ومدرس مدرستہ یعطون بقدر کفایتہم ثم السراج والبساط کذلک الی آخر المصالح ھذا ان لم یشترطہ الواقف لثبوتہ اقتضاء - ج ۳ صـ۵۸۲ - اس کا حل یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ وقف علی المسجد میں امام وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور وقف علی المدرسہ میں مدرس وغیرہ مصارف ضروریہ سے ہے اور یہ مراد نہیں کہ وقف علی المسجد میں یہ سب مصارف ہیں بلکہ دو[۲] ورق کے بعد ایک جزئی میں مصرح ہے کہ اگر مسجد کے وقف میں مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو وہ خود مصارف لازمہ سے نہیں وہ جزئی یہ ہے قلت انما یکون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرستہ کما مر اما مدرس الجامع فلا لانہ لا یتعطل لغیبۃ بخلاف المدرستہ حیث تقفل اصلا (شبہ ثانیہ) فی الدرالمختار مع الشامی - للواقف الرجوع فی الشروط ولو مسجلا ج ۳ صـ۵۷۹ اس کا حل یہ ہے کہ اس پر شامی نے کہا ہے وفیہ کلام سیاتی پھر صفحہ ۶۶۸ اس کے ایفاء میں کلام طویل کیا ہے جو نہایت شافی کافی ہے اُس میں یہ عبارت بھی ہے لایجوز

ان یفعل الا ما شرط وقت العقد اور یہ بھی ہے وما کان من شرط معتبر فالوقف فلیس للواقف تغییرہ ولا تخصیصہ بعد تقررہ ولا سیما بعد الحکم الخ (شبہ ثالثہ) فی الدر المختار مع الشامی - السلطان یجوز لہ مخالفۃ الشرط الی قولہ لان اصلہا لبیت المال اھ وایدہ الشامی بقول ابی السعود ان اوقاف الملوک والامراء لا یراعی شرطہا لانہا من بیت المال او ترجع الیہ اھ - اور ظاہر غالب بھی ہے کہ یہ اوقات بیت المال سے ہیں اس کا حل یہ ہے کہ اس کے بعد شامی نے کہا ہے قلت والمراد من عدم مراعاۃ شرطہا ان للامام ان یزید فیہا وینقص ونحو ذلک ولیس المراد انہ یصرفہا عن الجہۃ المعینۃ الخ - ج ۳ ص ۶۴۷ و ص ۶۴۸ - واللہ اعلم وعلمہ اتم - ۲۶ / ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی ص ۹۵)

حل اشکالے بر عبارت رسالۂ القاسم متعلقہ نیت خاص ابطال فرائض در وقف

سوال (۷۲۵) بعد سلام مسنون عرض ہے عرصہ ہوا کہ آپ کی ایک تحریر دربارۂ وقف رسالہ القاسم میں شائع ہوئی تھی غالباً آپ نے اس میں یہ تحریر[^1] فرمایا تھا کہ اگر وقف اس نیت سے کیا جاوے کہ احکام فرائض کا وقف کے مال متروکہ میں اجراء نہ ہونے پائے تو واقف مرتکب معاصی ہوگا - میں ممنون ہوں گا اگر از راہ کرم مجھے آگاہ فرمائیں کہ کن ادلہ کے رو سے آپ فرماتے ہیں لوگ معترض ہوتے ہیں کہ وقف کرنا ایک امر ثواب ہے اما وقف کرنے سے بہر صورت وارث محروم ہو جائیں گے تو ایک امر ثواب سبب ہوا ایک امر غیر مشروع کا - اس کا کیونکر جواب ہوگا - ایک اور مسئلہ ہے کہ مثلاً زید کی فقط ایک لڑکی ہے اس نے اپنی کل جائداد کو وقف علی الاولاد کر دیا - تو اس صورت میں یقیناً زید کے اور ورثاء مثلاً زید کے عموی زاد بھائی حق وراثت سے محروم رہ جائیں زید کی ایسے وقف سے یقیناً نیت یہ ہے کہ اس کی کل جائداد اس کی لڑکی کو ملے اس کو اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بغض نہیں ہے مگر فطرتی طور پر وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کی جائداد اس کی اولاد

[^1]: جواب آئندہ لکھنے کے وقت میں نے اصلی عبارت کو نہ دیکھا تھا تصدیق سائل کی بنا پر جواب لکھ دیا بعد میں دیکھا تو اسمیں یہ مضمون اور طرح ہے جس پر کوئی شبہ ظاہراً بھی نہیں ہو سکتا - ملاحظہ ہو پرچہ القاسم بابت صفر ۱۳۳۰ھ اس پوری عبارت کو ملاحظہ فرما کر اگر کوئی شبہ پیش فرمایا جاوے ۱۲ منہ مدظلہم العالی -

گے سوا دوسروں کو مل جاوے - تو ایسی صورت میں آیا زید گنہ گار ہوگا یا نہیں - اگر آپ نے اپنی کسی کتاب میں پوری بحث فرمائی ہو تو اُس کتاب کا حوالہ فرمائیے تاکہ میں اُس کو پڑھ کر پوری کیفیت سے مطلع ہوں - ؟

الجواب - مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ - فی الدر المختار کتاب الوقف و سببہ ارادۃ محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الاٰخرۃ بالثواب یعنی بالنیۃ من اھلھا الخ فی رد المحتار بل التقرب بہ موقوف علیٰ نیۃ القربۃ فھو بدونھا مباح الخ ج ۳ صـ ۵۵۴ وفی الدر المختار لا باس بتفصیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانھا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی الیٰ قولہ ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم الخ ج ۴ صـ ۵۰۷ - ان روایات میں تصریح ہے کہ وقف ہبہ وغیرہ میں ثواب جب ہی ہوگا کہ نیت محض ثواب کی ہو گو اُس سے کسی کا اضرار بھی لازم آجائیگا مگر لزوم ضرر و قصد ضرر میں فرق ہے اور جب خاص ضرر پہنچانا ہی مقصود ہو تو اثم ہوگا گو عقد کا نفاذ ہو جاوے پس اس بنا پر اگر کسی نے خاص اسی غرض سے وقف کیا کہ اُس کے نزدیک احکام فرائض مضر ہیں جیسا اس زمانہ میں بہت سے نکتہ چیں شرائع پر پیدا ہوئے ہیں تو یہ مذموم ہوگا اور اگر یہ نیت نہیں تو مضائقہ نہیں گو اس سے بھی لازم بھی آجاوے - اسی طرح اگر کسی مصلحت سے بیٹی کو نفع پہنچانا مقصود ہے تو مضائقہ نہیں گو اُس میں ابناء العم کا حرمان بھی لازم آوے گا مگر خاص مقصود اُن کا اضرار نہ ہو - یکم رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ صـ ۲۶)

عدم اطلاق طالب التولیۃ لا یولی و معنی قول واقف نسلاً بعد نسل

سوال (۷۲۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے مصرفِ خیر میں وقف کی اور اُس کے انتظام صرف کے بابت واجب العرض صدقہ بند و بست میں اور وصیت نامہ میں حسب ذیل شرائط لکھیں :-

شرط واجب العرض - صدقہ واقف بند و بست میں - بالفعل میں زید اس موضع کا مہتمم ہوں میرے اختیار سے آمدنی مصرف خیر میں صرف ہو رہی ہے گی اور بعد فوت مہتمم کی اولاد سے جو شخص از قسم ذکور لائق ہووے وہ مہتمم مقرر ہو کر

نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ آمدنی صرف کرتا رہے گا مگر کسی مہتمم کو اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا - اگر کوئی مہتمم براہ بددیانتی یا بے ایمانی آمدنی اُس کی مصرف خیر میں صرف نہ کرے تو وہ بثبوت امور مذکورہ لائق موقوفی متصور ہو کر سرکار کو اختیار ہے کہ جس شخص کو لائق اور مناسب خاندان سے سمجھیں مہتمم مقرر کریں -

شرط وصیت نامہ - اقرار یہ ہے کہ میں تاحیات اپنی آمدنی و پیداوار مواضعات مذکور کو اپنے ہاتھ اور اختیار سے جستہ للہ صرف کرتا رہوں گا اور بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لئیق ہووے نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ حسب دستور و طریقہ مستعملہ مجھ گنہ گار کے صرف کرتا رہے مگر اختیار انتقال جائداد کا نہ ہوگا اور نہ یہ حقیت لائقِ توریث ہوگی - چنانچہ بعد وفات زید زید کا ایک بڑا بیٹا خالد جو لائق سمجھا گیا مہتمم مقرر ہو کر بائیس برس تک منتظم رہا - اب سوال یہ ہے کہ بعد وفات خالد خالد کا بڑا بیٹا جو لائق ہے اور پانچ سال سے بحکم کلکٹر صاحب بہادر و جنٹ صاحب بہادر و کمشنر صاحب بہادر جائداد وقف کا کام دیانت سے دے رہا ہے وہ یا خالد کا حقیقی یا سوتیلا بھائی حسب مضمون واجب العرض و وصیت نامہ بالا و نیز شرعاً انمیں کون متولی ہونا چاہیے - اور مخفی نہ رہے کہ خالد کا سوتیلا بھائی خالد کے مہتمم ہونے کے وقت سے اب تک متمنی تولیت کا ہے اور خالد کی وفات کے بعد سے اب تک پانچ سال سے مقدمات استقرار حق تولیت وغیرہ دائر رکھے ہیں - کیا جو شخص زیادہ متمنی تولیت کا ہو وہ شرعاً متولی یا مہتمم ہو سکتا ہے یا نہیں - ؟

الجواب - فی الدر المختار طالب التولیۃ لا یولی الا المشروط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفیذ الی قولہ وما دام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب لانہ اشفق ومن قصدہ نسبتہ الوقف الیھم فی رد المحتار قولہ طالب التولیۃ الخ وھل المراد انہ لا ینبغی اولا یحل استظھر فی البحر الاول تامل قولہ الا المشروط لہ النظر بان قال جعلت نظر وقفی لفلان قولہ وما دام احد الی قولہ فی جامع الفصولین لو شرط الواقف کون المتولی من اولادہ و اولاد ھم لیس للقاضی ان یولی غیرھم بلا خیانۃ ولو فعل لا یصیر متولیا - ج ۲ صفحہ ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶

وفی الدر المختار شرط لنفسہ ما دام حیا ثم لولدہ فلان ما عاش ثم بعدہ للاعف الارشد من اولادہ فالہاء تنصرف لاقرب المکنیات بمقتضی الوضع فی رد المحتار قولہ بمقتضی الوضع ای الاصل وھو عود الضمیر الی اقرب مذکور الیہ تاات وھذا الاصل عند الخلوعن القرائن ولذا قال فی الخیریۃ سئل عن وقف علی ولدہ حسن وعلی من یحدث لہ من الاولاد ثم علی اولاد عمر المذکور ثم علی اولادہ الاناث واولادھن ثم حدث للواقف ولد اسمہ محمد ثم مات حسن المذکور فھل الضمیر فی یحدث لہ راجع الی حسن لانہ اقرب مذکور اما الی الواقف فیدخل محمد فاجاب مفتی الحنفیۃ بمصر مولانا الشیخ حسن الشرنبلالی بانہ راجع الی الواقف ثم قال فی الخیریۃ ان ھذا مما لایشک ذو فہم فیہ اذھو الاقرب الی غرض الواقف مع صلاحیۃ اللفظ لہ وقد تقرر فی شروط الواقفین انہ اذا کان للفظ محتملان تعیین احدھما بالغرض واذا رجعنا الضمیر الی حسن لزم حرمان ولد الواقف لصلبہ واستحقاق اولاد اولاد البنات وفیہ غایۃ الجدولا تمسک بکونہ اقرب مذکور لما ذکرنا من المحظور وھذا الغایۃ ظہورہ غنی عن الاستدلال اھ - ج ۳ صفحہ ۶۶۸ و ۶۶۹

اس میں تین مقام پر کلام ہے اول واجب العرض کی اس عبارت مہتمم کی اولاد سے جو شخص الخ اور وصیت نامہ کی اس عبارت بعد میرے میری اولاد سے الخ کا مطلب ایک ہی ہے - پہلی عبارت سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ واقف کی مراد مہتمم سے ہر مہتمم ہے تاکہ خالد مہتمم کا بیٹا خود واقف کے دوسرے بیٹے پر مقدم رکھا جاوے کیونکہ اس عبارت سے پہلے زید نے اپنے کو مہتمم کہا ہے پس یہاں بھی مہتمم سے مراد خود وہی ہے پس لفظ مہتمم کی اولاد اور لفظ میری اولاد دونوں مترادف ہیں - ثانی لفظ نسلاً بعد نسلٍ وبطناً بعد بطنٍ کے مفہوم میں جو کہ دونوں عبارتوں میں مشترک ہے گفتگو رہی کہ آیا یہ مراد ہے کہ اول کوئی شخص میری اولاد سے پھر اُس کے بعد اُس اولاد کی اولاد سے اگرچہ اُس وقت میری اولاد میں سے بھی

کوئی موجود ہو یا یہ مراد ہے کہ اول میری اولاد سے کوئی ہو اور اگر میری اولاد متعدد ہو تو جب اُن میں سے کوئی نہ رہے تب اولاد کی اولاد کی نوبت آوے۔ سو اغراض واقف و محاورات بلاشک و شبہ قرینہ ہے تعیین معنی ثانی کا اور اتباع غرض واقف کا اور اتباع قرینہ کا ضروری ہے جیسا کہ روایات بالا میں سے روایت اخیرہ میں مصرح ہے اور اگر درمختار کی عبارت فالھاء تنصرف الخ سے معنی اول کا شبہ ہو تو اُسی کی عبارت بمقتضی الوضع مع شرحہا عن ردالمحتار سے اُس کا ازالہ کر لیا جاوے پس بنا بر تقریر مذکور صورت مسئولہ میں مستحق تولیت کا زید کا دوسرا بیٹا ہے نہ کہ زید کا پوتا۔ ثالث تمنی تولیت کا مانع ہونا مطلقاً نہیں ہے بلکہ اُس سے مشروط لہ النظر طالب لتنفیذ لذلک الشروط مستثنیٰ ہے جیسا خود درمختار میں اوپر تصریح ہے اور اس کا مشروط لہ النظر ہونا اوپر ثابت ہو چکا لہٰذا طلب تولیت اُس کے لیے مانع نہیں ہوگی۔ ۱۸/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص۱۷)

تحقیق زوال وقف از ملک

سوال (۷۲) چہ میفرمایند علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ مال موقوفہ از ملکیت واقف بر مذہب مفتی بہ زائل می شود یا نہ۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وعندھما ھو (ای الوقف) حبسھا علی حکم ملک اللہ تعالیٰ وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلا یجوز لہ ابطالہ ولا یورث عنہ وعلیہ الفتویٰ ابن الکمال وفیہ والملک یزول عن الموقوف الخ وفیہ ولا یتم حتی یقبض ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی ویجعل اخرہ بجھۃ قربۃ لا تنقطع الی قولہ واختلف الترجیح والاخذ بقول الثانی احوط واسھل بحر وفی الدرر وصدر الشریعۃ وبہ یفتی واقرہ المصنف وفی ردالمحتار تحت قولہ وجعلہ ابو یوسف کالاعتاق فلذلک لم یشترط القبض والافراز اھ ای فیلزم عندہ بمجرد القول کالاعتاق بجامع اسقاط الملک قال فی الدرر والصحیح ان التابید شرط اتفاقا لکن ذکرہ لیس بشرط عند ابی یوسف وعند محمد لابد ان ینص علیہ اھ وصححہ فی الھدایۃ ایضاً ج ۳ ص ۵۶۴ ازیں عبارت ہویداست کہ مفتی بہ ہمین است کہ وقف از ملک واقف زائل می شود کما ذھبنا الیہ خواہ بمجرد قول خواہ بہ تسلیم الی المتولی واکثر باول فتویٰ دادند لیکن شرط صحت وقف آنست کہ آخر جہتہ قربۃ غیر منقطعہ باشد۔

۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۱۰۸)

حکم اشتراط واقف باشتراء جائداد دیگر از منافع وقف

سوال (۷۲۸) وہم در وقف نامہ می نویسد کہ از محاصل جائداد اولاد کار مسجد تصرف کنند بعد ازاں خراج جائداد موقوفہ ادا سازند و آنچہ ازاں باقی ماند جائداد دیگر ازاں خریدہ شود و آں ہم در مال موقوفہ داخل شود پس ایں جائداد بعد وقف در مال موقوفہ داخل میتواں شد یا نہ۔؟

الجواب - فی الدر المختار وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولی فی شرائطها فی رد المحتار ویشتری بثمنه ارضا ای وان یشتری الخ ج ۳ ص ۵۹۹ - پس ہرگاہ اشتراء ارض اخری بثمن اولیٰ بعد اشتراط جائز ست پس اشتراط اشتراء ارض اخریٰ بمنفعت اولیٰ بدرجہ اولیٰ جائز باشد و ارض اخریٰ ہم وقف باشد۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ ہجری۔ (تتمۂ ثانی صفحہ ۱۰۹)

تفاوت در مشاہرہ متولیان کہ اولاد واقف باشند

سوال (۷۲۹) بعد ازاں متولی اول را از محاصل آں یک صد روپیہ و دیگر متولیان را سی یا چہل چہل روپیہ در ماہواری رسد پس ہم چنیں امتیاز نمودن در وقف مابین اولاد ذکور (متولیان) در مشاہرہ صحیح ست یا نہ۔؟

الجواب - ایں تفاوت ہم جائز ست و آں مبنی ست بر جواز تفاوت کہ در سوال ۷۲۸ مذکور شد و لامانع منہ فیجوز۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ ہجری (تتمۂ ثانیہ صفحہ ۱۰۹)

حکم وقف نمودن کہ ازاں حرمان ورثاء از نصیب شان لازم آید

سوال (۷۳۰) واز مال موقوفہ زوجہ و دختران را محروم نمودن و در عوض آں ہر یکے را دہ دہ بیگہ زمین دادن جائز است یا نہ۔؟

الجواب - فی الدر المختار عن الخانیة لا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصده یسوی بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتویٰ ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز واثم فی رد المحتار وعلیه الفتویٰ ای علیٰ قول ابی یوسف

اس ترتیب میں یہ مسئلہ ص ــــ سوال نمبر ــــ میں آیا ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ھو قول محمد رملی ج ۳ ص ۲۸۵ وفی الدر المختار کتاب الوصیۃ وندبت باقل منہ ولو عند غنی ورثتہ او استغنائھم بحصتھم کترکھا ای کماندب ترکھا الخ فی رد المحتار فی اٰخر الحاشیۃ علے قولہ ولو عند غنی ورثتہ مانصہ۔

تنبیہ - قال فی الحاوی القدسی من لاوارث لہ ولادین علیہ فالاولی ان یوصی بجمیع مالہ بعد التصدق بیدہ ج ۵ ص ۶۴۰ -

ازیں روایات مستفاد شد کہ ایں تفاوت در عطایا حرمان بعضے یا تنقیص نصیب بعضے ہر گاہ کہ قصد اضرار ایشاں باشد یا موجب ضرر ایشاں باشد موجب گناہ است اگرچہ نافذ باشد و اگر محذور مذکور نباشد مضائقہ نیست وکذلک الوقف اگرچہ تصرفات مذکورہ اشلہ بالاہمہ نافذ صحیح باشند کما ذکر فی الاجوبۃ لاکن اگر بحیلہ دعوی نیت قربت ورثہ را محروم کردن منظور ست وقف مقبول نباشد۔ واللہ اعلم۔ وآنچہ سوال کردہ شدہ است کہ قواعد تصرف مال موقوف چیست و بچہ صورت صحیح گردد و بچہ صورت غیر صحیح پس آنچہ سوال کردنی باشد جزئیاً سوال کردہ شود۔ ۷ رمحرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ۲ ص ۱۰۹)

جواز خرچ آمدنی وقف متولی را بر اولاد خود اگر اولاد موافق شرط واقف باشد یا بر سید

سوال (۱۳۱۷) کسی واقف نے کوئی جائداد وقف کی اور اُس کا مد مقرر کر دیا اور اُس کا متولی ایک آدمی کو بنا دیا اور واقف کا انتقال ہو گیا ہے یا کسی نے مرتے وقت یہ کی کہ ہمارے بعد میرا خوراک کا کھانا روزانہ کسی مسکین کو دیا جاوے تو ایسے وقت میں متولی یا موصی الیہ اپنے عزیز میں سے جو غریب و مسکین ہے مثلاً اولاد کو دینا چاہے تو درست و جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - اگر وہ شخص موافق شرط واقف کے ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر اولاد نابالغ ہے اور باپ غنی ہے تو وہ اولاد شرعاً غنی ہے وہ مصرف اُس وقف کا نہیں ہو سکتی۔

تتمہ سوال سابق - ایسے ہی اُسی مد مذکور سے کسی سید کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب - دے سکتا ہے۔ فی الدر المختار وجازت التطوعات من التطوعات

دغلۃ الاوقاف لفقراء لبنی ہاشم الخ باب المصرف۔ یکم صفر ۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۲۲)

جواز خرچ قیمت اضحیہ کہ از مال وصیت کردہ شود بر اولاد متولی اگر اولاد مصرف آں باشد یا رسید

سوال (۷۳۲) اس قربانی کی کھال کی قیمت جو مال وقف یا وصیت سے حسب ہدایت واقف یا موصی کیا جاتا ہے اُس کی کھال کی قیمت متولی یا موصی الیہ اپنی اولاد محتاج پر خرچ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر وہ مصرف زکوٰۃ ہو تو درست ہے کیونکہ اس قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجبہ بحکم زکوٰۃ ہے۔

تتمہ سوال سابق۔ علیٰ ہذا سید کو وہ قیمت دے سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار تحت قول الدر المختار وجازت التطوعات الی قولہ لبنی ہاشم ما نصہ قید بہا لیخرج بقیۃ الواجبات الخ ج ۲ ص ۱۰۱۔ یکم صفر ۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۲۲)

عدم ثبوت وقف بغیر الفاظ خاصہ

سوال (۷۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ زید اور عمرو دونوں باہم حقیقی بھائی ہیں ان دونوں نے ایک مسجد بنا کر اپنی ایک اراضی مشترکہ کا ماحصل مسجد کے اخراجات میں عمرو کے اہتمام سے رکھا مگر کوئی وقفنامہ تحریر نہیں کیا دیگر جائداد جو باہم زید و عمرو کی مشترک تھی تقسیم کر لی مگر یہ اراضی بدستور رکھی بعد فوت ہو جانے زید و عمرو کے عمرو کے بڑے بیٹے نے اپنا اہتمام رکھا اور ماحصل آمدنی اراضی مذکور سے مسجد کا کام چلاتا رہا اس وقت تک نہ زید کی اولاد ذکور نے اور نہ عمرو کی دیگر اولاد نے بڑے بھائی سے کچھ تعارض کیا حالانکہ ایک مہاجن نے اپنی ڈگری اولاد زید پر اجرا کرا کے یہ اراضی قرق کرائی تھی عمرو کے بڑے بیٹے کے صرف اس عذر سے کہ اس اراضی کا ماحصل ہمیشہ مسجد میں صرف ہوتا رہا ہے عدالت نے واگزاشت کر دی حالانکہ کاغذات سرکار میں بھی مشترکہ لکھی چلی آتی ہے اولاد عمرو میں بھی باہم کل جائداد تقسیم ہو گئی مگر یہ اراضی بدستور مشترکہ قائم رکھی اب گر پوتے عمرو کے اور اولاد اُناث زید کی اپنا اپنا حصہ طلب کریں تو تقسیم یہ اراضی ہو سکتی ہے یا نہیں یا موقوفہ تعامل بالا سے سمجھی جاوے گی عند الشرع جو حکم ہو تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ اثبات وقف کے لیے جو الفاظ خاصہ فقہاء نے لکھے ہیں چونکہ اُن الفاظ میں سے کوئی لفظ زید اور عمرو نے نہیں کہا اس لیے بعض مسجد میں صرف کرتے رہنے سے وقف

ہونا ثابت نہ ہوگا اور اُس میں میراث جاری ہوگی ہر وارث کو اپنا حصہ لینے کا استحقاق ہے۔ جواب میں نے قواعد سے دیا ہے بہتر ہے کہ دیوبند وغیرہ سے بھی تحقیق کر لیا جاوے۔
۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۳۱)

عدم جواز منافع زائد علی العقد متولی را

سوال (۷۳۴) آراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اُس کے مصرف میں صرف کر دیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کر کے اپنا حق المحنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں۔؟
۲ اور بر وقت اُٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بھینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں بجز ان مدات کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا۔؟

الجواب - یہ سب حقوق و ابواب اصل اجرۃ کے ساتھ ملحق ہو کر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اُس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اصل اُجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔
۲ یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہو سکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل ۱ کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا مقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۳۲)

وقف شدن بنا تبعاً للارض و تابع شدنش در جمیع احکام

سوال (۷۳۵) عالمگیری وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ بغیر ذکر کیے تبعاً وقف میں بنا یعنی مکانات اور اشجار داخل وقف ہو جاتے ہیں الفاظ یہ ہیں یدخل فیہ البناء والنخیل والاشجار۔ اب صورتِ سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے زمینداری خرید کی، اور اپنے ایک حصہ اراضی میں (جس میں زراعت کرتا تھا اور وہ اراضی اُسی خرید شدہ زمینداری کی ہے) زمیندار نے اپنا مکان مسکونہ اور اپنی اولاد کے لیے مکانات بغرض سکونت تعمیر کرایا اور ہر ایک اپنے مکانات میں رہنے لگے بعد تعمیر مکانات عرصہ کے بعد ایک وقف نامہ لکھا اور کل حصہ زمینداری کو وقف کر دیا اور الفاظ وقف کے یہ ہیں کل حصہ جائداد کا

وقف کردیا جب کُل حصہ جس کا مالک تھا وقف کردیا تو اب وہ آراضی اور وہ مکانات جو کہ بغرض سکونت تعمیر کرایا تھا سب کے سب شرعاً وقف ہو گئے جیسا کہ مسئلہ عالمگیری میں موجود ہے اگرچہ مکانات کا کچھ ذکر وقف نامہ میں نہیں کیا مگر تبعاً سب داخل وقف ہو گئے اب انتقال واقف کے بعد مکان مسکونہ خود واقف کا متولی کو ملے گا یا ورثہ تقسیم کریں گے اور مکانات مسکونہ جو اپنی اولاد کے لیے تعمیر کرائے تھے وقف کرنے سے قبل چونکہ یہ سب مکانات بھی داخل وقف ہو گئے تو اب متولی کیا ان سب مکانات پر تنہا قبضہ کرے گا یا ورثہ بوجہ متروکہ کے تعتیم کریں گے اور اگر ورثہ کو ان سب میں ترکہ ملے تو بناء سے کیا مراد ہے کون سے مکانات وقف میں داخل ہو جاتے ہیں اور اگر کل مکانات وقف ہو گئے تو تنہا متولی قبضہ کریگا اور سب کو مکانات مسکونہ سے علیحدہ کرنے کا شرعاً اختیار ہو گا یا نہیں اگر اختیار نہیں تو متولیان اختیارات ان سب مکانات میں کس قسم کے ہوں گے اور مکان مسکونہ خود واقف کا کس کو ملے گا ورثہ کو یا متولی کو آں حضور اس مسئلہ کے متعلق جو تحقیق ہو تحریر فرما کر سرفراز فرمادیں یہ سب مکانات مسکونہ وقف کرنے سے قبل کے تعمیر کیے ہوئے ہیں چونکہ واقف کی ملکیت کے سب مکانات ہیں اور وقفنامہ میں علیحدہ نہ کیا اس لیے بغیر ذکر کیے وقف میں داخل ہو گیے اور اسی وجہ سے تحقیق کی ضرورت ہوئی کہ کیا معاملہ ورثہ سے کیا جاوے۔؟

الجواب - روایت مذکورۂ سوال کا صریح مقتضاء ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ سب مکانات وقف ہو گئے البتہ اگر ان کا استثناء ہوتا تو وقف نہ ہوتے لیکن اب وقف ہونے میں کوئی تردد نہیں اور جب تبعاً للارض وقف ہیں تو شرائط مصارف میں بھی ارض کے تابع ہیں مثلاً ارض موقوفہ کے منافع اگر کسی مدرسہ یا مسجد یا مساکین وغیرہم کے متعلق ہوں تو ان مکانات کو بھی کرایہ پر دیکر ان کی آمدنی ان ہی مصارف میں صرف کی جاوے گی البتہ اگر متولی کے پاس کوئی مستقل مکان کافی نہ ہو اور کرایہ دینے کے لیے گنجائش نہ ہو تو بحیثیت تولیت اپنی متوسط آسائش کے قدر کسی قطع سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ۱۹ رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی صـ ۱۵۴)

حکم درختان نصب کردۂ عامۂ در قبرستان

سوال (۶۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجۂ ذیل میں :-

سؤال ۱۔ عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت پھلدار لگائے تو اُس درخت کا پھل ولکڑی وہ شخص اپنے مصرف میں لانے کا مستحق ہے یا نہیں اور اُس درخت کا مالک ہو یا نہیں۔؟

سؤال ۲۔ بلا اجازت غارس کے عام مسلمانان اُس درخت کی لکڑی کسی میت کے تختہ میں دے سکتے ہیں یا نہیں۔؟

سؤال ۳۔ اگر وہ درخت غارس کا نہیں ہے تو اُس کا پھل ولکڑی خود غارس و نیز عام مسلمانان کو کھانا و لے جانا درست ہے یا نہیں۔؟

سؤال ۴۔ ان درختوں کی قیمت سے مسجد کی مرمت ہو سکتی ہے یا نہیں یا صرف قبرستان ہی پر صرف کیا جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب عن الکل۔ اگر اُس نے بہ نیت وقف لگائے ہیں تو اُس وقف کا جو مصرف ہے وہی ان درختوں کا مصرف ہے اور اگر بہ نیت اپنے مالک ہونے کے لگائے ہیں تو خود اس کی ملک ہیں دوسروں کو اُن سے منتفع ہونا بلا اس کے اذن کے جائز نہیں البتہ متولی قبرستان کو یا عام مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس شخص کو مجبور کریں کہ وہ ان درختوں کو اُکھاڑے اور زمین قبرستان کو خالی کر دے۔ اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہوگیا۔ ۷ ار شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۷۵)

حکم مساجد و مقابر منہدمہ

سوال (۷۳۸) (استفسار) پُرانی دہلی میں بہت سی مساجد قدیمہ ایسی ہیں جو گردش زمانہ سے بالکل ویران ہو گئی ہیں اور قطعی طور پر غیر آباد ہیں ان میں سے اکثر پر لوگوں نے مالکانہ تصرف کر لیا ہے اور اُن میں یا تو رہائش اختیار کر لی ہے یا مویشی باندھتے ہیں یا اُن کا چارہ از قسم بھوسہ وغیرہ رکھتے ہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں کہ جو بالکل خالی ہیں اور اُن کو وہ لوگ جنھوں نے کہ اُس زمین کو جہاں کہ وہ واقع ہیں خرید کیا ہو یا ترکہ میں پایا ہے اپنی ملکیت گردانتے ہیں پس علمائے دین متین سے یہ سوالات ہیں:۔

(الف ۱) آیا کہ مسجد کسی وقت میں کسی کی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملکیت بنا کر فروخت کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الف ۲)۔ اگر کوئی شخص کسی مسجد پر مالکانہ تصرف رکھتا ہو آیا یہ امر ضروری ہے یا نہیں کہ اُس کے قبضہ تصرف سے وہ مسجد نکال لی جاوے اور اُسکو بطور مسجد رکھا جاوے۔؟

(ب) پرانی دہلی میں مقبرے قدیمہ بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے اکثر کی یہی کیفیت ہے کہ جو مذکورہ بالا مساجد کی ان مقبروں کے بارے میں کیا حکم ہے بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ (الف ۱) فی الدر المختار ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الامام والثانی ابداً الی قیام الساعة وبه یفتی حاوی القدسی فی رد المحتار قوله ولو خرب ما حوله ای ولو مع بقائه عامراً وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر قوله عند الامام والثانی فلا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوی حاوی القدسی واکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الاوجه فتح اھ بحر ج ۳ ص ۵۷۳۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد کسی وقت کسی کی ملک نہیں ہو سکتی اور اُس کو کوئی شخص اپنی ملک بنا کر فروخت نہیں کر سکتا۔

(الف ۲) یہ نکال لینا ایک فرد ہے ازالہ منکر کی سو اس کا مدار قدرت پر ہے اگر کسی کو اس پر قدرت ہو تو اُس پر واجب ہے اور اگر قدرت نہ ہو تو دل سے ناگواری اور عمل میں صبر کافی ہے۔ وهذا ظاهر من القواعد الشرعیة (ب) فی الدر المختار بعد العبادة المارة فی (الف) وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما اھ قلت قوله وکذا ای مثل المسجد فی الحکم ای عدم عوده الی ملک احد و یتفرع علیه الحکم المذکور فی (الف ۲) اس سے ثابت ہوا کہ ان مقبروں کا بھی وہی حکم ہے جو مساجد کا مذکور ہوا۔ الف ۲ میں بھی۔ یکم ذیقعدہ سنہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ۲ ص ۱۷۹)

بطلان رہن وقف وعدم حرمت در بنا نیکہ از رقم قرضہ مشروط بہ ربوا ساختہ شدہ

سوال (۷۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد کے متعلق کچھ دوکانیں ہیں اُن دوکانوں کو رہن رکھ کر سود پر روپیہ لیا اور اُس روپیہ سے اول ٹین کا سائبان بنایا لیکن وہ سائبان بوجہ چند وجوہ کے ناکارہ رہا پھر کچھ دنوں بعد وہ چھپر فروخت کر کے اُس کی قیمت سے سقاوہ اور فرش تیار کرایا حالانکہ ہنوز دوکانیں رہن ہیں اور جو روپیہ لیا گیا تھا اُس پر برابر سود چڑھ رہا ہے تو اُس سقاوہ سے پانی لیکر وضو کر سکتے ہیں یا نہیں اور اُس فرش پر جس میں سود کا روپیہ لگا ہے نماز ہو سکتی ہے

یا نہیں۔ وہ چھپر نصف قیمت پر فروخت ہوا ہے۔؟

الجواب۔ وقف کا رہن باطل ہے اس لیے یہ رہن کالعدم ہے اور جو روپیہ قرض لیا ہے وہ لینے والے کے ذمہ ہے جس طرح اپنے نام سے لیتا ہے اور اگر اپنے نام سے روپیہ لیکر سقاوہ یا فرش تیار کرایا جاتا گو اس رقم میں سود بھی دینا پڑے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہ تھا سود دینے سے قرضہ کی رقم حرام نہیں ہوتی۔
۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ ہجری۔ (تتمہ ثانی صفحہ ۱۸۸)

عدم جواز استعارہ پارہ ہائے قرآن در مجالس سوم مروج ہرگاہ واقف نیت نفی آں نمودہ

سوال (۷۴۰) ایک قرآن شریف کے تیسوں پارے علیحدہ علیحدہ جلد کرا کر زید نے وقف کر دیا واسطے ایصال ثواب کے بطریقہ سنت کے کہ کسی صاحب کے یہاں حادثہ موت کا ہو گیا تو قرآن شریف پڑھوا دیا جس میں سویم و بدعت نہ ہو بغیر قیود دن و نخود و الائچی دانہ و پنج آیۃ شریفہ یعنی اگر فرصت ہوئی تو دن موت کے بھی یا اس کی تجہیز و تکفین کے بعد یا اگلے روز۔ اب چونکہ اہل بطالت و بدعت کا خیال ہوتا ہے کہ قرآن شریف مذکورہ کو سویم وغیرہ میں لے جاویں اور وقف کنندہ و اکثر مردمان کا خیال ہے کہ نہ دیں تاکہ بدعت کے کاموں کی ہمارے وقفی قرآن پاک سے تلاوت نہ ہو تو یہ دینا اچھا ہے یا نہ دینا اچھا ہے اگرچہ زید تلاوت قرآن شریف کو باعث اجر عظیم جانتا ہے۔؟

الجواب۔ تلاوت قرآن تو فی نفسہ طاعت ہی ہے عوارض سے اس میں کراہت آجاتی ہے اس یے دینے میں مضائقہ نہیں بشرطیکہ وقف کنندہ کی نیت کے خلاف نہ ہو۔ ۱۸/ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۸۸)

حکم ثمار اشجار مغروسہ در ارض مسجد

سوال (۷۴۱) مسجد میں اکثر ادھر کوئی درخت پھلدار لگا دیتے ہیں جو صحن مسجد میں رہتا ہے یا کسی دوسری طرف جہاں نماز کبھی بھی نہیں ہوتی ہے تو اس پھل کا کھانا تمام مصلی کو اور اہل بستی کو جائز ہوگا یا نہیں۔ اور اگر کل پھل کو فروخت کر کے تعمیر مسجد میں لگایا جائے تو کیا حرج ہے اگرچہ ایک ہی آدمی درخت لگاتا ہے لیکن چونکہ مسجد میں ہے اس وجہ سے تمام لوگ حصہ دار بنتے ہیں کیونکہ مسجد کسی خاص شخص کی نہیں ہوتی ہے اس لیے

اہلِ محلہ بانٹ کر کھاتے ہیں۔؟

الجواب۔ غارس سے پوچھنا چاہیئے کہ کس نیت سے لگایا ہے اگر اپنے لیے لگایا ہے تو بدون اُس کے اذن کے کسی کو کھانا درست نہیں اور اگر وقف للمسلمین کے لیے لگایا ہے تو سب کو کھانا جائز ہے اور اگر وقف للمسجد کے لیے لگایا ہے تو پھر اُس کو فروخت کر کے مسجد ہی میں صرف کرنا واجب ہے اور درصورت نیت نفع نفسہ یا نفع للمسلمین متولی مسجد کو اختیار ہے جب چاہے اُکھاڑ ڈالے۔ فقط

۹ر ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۹۹)

مسجد کی زمین کے پھلوں کا حکم

سوال (۷۴۲) مسجد کی زمین میں کچھ میوہ جات کے درخت ہیں جن کے پھل مسجد کے نمازیوں کو تقسیم کردیئے جاتے ہیں تو یہ تقسیم کردینا جائز ہے یا نہیں یا فروخت کر کے مسجد کے اخراجات میں صرف کرنا ضروری ہے۔ فقط

الجواب۔ اگر یا درخت لگانے والے کی نیت معلوم ہو تو اُس کے موافق حکم ہوگا اور اگر کچھ معلوم نہ ہو تو بوجہ عرف کے نمازیوں کو تقسیم کردینا درست ہو۔

۵ر رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اوّل ص ۱۳۱)۔

ساختن سین بورڈ از رقم مدرسہ

سوال (۷۴۳) دروازہ مدرسہ اسلامیہ سنبھل پر ایک تختہ پر مدرسہ کا نام لکھ کر لگایا گیا ہے وہ سڑک ریل پر واقع ہے۔ تختہ اس واسطے لگایا گیا ہے کہ ہر شخص اُس کو سمجھ لے کہ یہاں مدرسہ ہے شاید کچھ نفع ہو بعض صاحبان کی یہ رائے ہے کہ یہ کام مدرسہ کا نہیں ہے اس واسطے اس کی قیمت مدرسہ کی آمدنی سے دینا جائز نہیں ہے جناب والا کا کیا ارشاد ہے۔؟

الجواب۔ فقہائے نے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ مسجد کا نقش ونگار مال وقف سے جائز نہیں لیکن استحکام جائز ہے پس اسی نظیر پر صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس تختہ کی تعلیق سے مدرسہ کو کوئی بیّن نفع ہو تو مال مدرسہ کا لگانا اس میں جائز ہے اور اگر کوئی معتد بہ مصلحت نہیں ہے محض احتمال ہی کا درجہ ہے تو اپنے پاس اُس کے دام دینا چاہیئے۔ ۹ر ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (حوادث اوّل وثانی ص ۱۸)

گورنمنٹ کا مسجد کے لیے زمین دینا یا ہدم سرکار مسجد بضرورت وتعمیر مسجد دیگر

سوال (۷۴۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد

بازار میں تھی جب سرکار وقت کو ترتیب جدید اس بازار کی منظور ہوئی بازاری مسلمانوں کو رضامند کر کے وہ مسجد منہدم کرادی اور اس کا ہرجہ یعنی قیمت اثاثہ و زمین مسلمانوں کو دی کہ بعوض اُس کے دوسری مسجد بنوالیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے اہتمام سے بنوائینگے تو روپیہ تلف ہو جائے گا سرکار اپنے انتظام سے بنوادے سرکار نے موافق اجازت او رمرضی مسلمانوں کے باہتمام رئیس مسلمانان وہ مسجد اُس روپیہ سے بنوادی اور رئیس مذکور نے بھی اپنے پاس سے کچھ روپیہ اُس میں شامل کیا۔ بعد تیار ہو جانے کے سرکار کو اُس سے کچھ تعلق نہ رہا بالکل قبضہ و دخل و اہتمام مسلمانوں میں آ گئی جیسے کہ اور مساجد ہیں اور نماز جماعت بھی اُس میں بکثرت تمام ہوتی ہے اور مسجدوں سے بہت زائد بلکہ مغرب کیوقت گنجایش باقی نہیں رہتی۔ اب یہ مسجد شرعاً مسجد صحیح ہے یا غیر صحیح اور نماز اس میں جائز ہے یا نہیں اور ثواب مثل اور مساجد صحیحہ کے ہوگا یا نہیں اور بباعث اس کے کہ روپیہ ہرجہ کا سرکار انگریزی نے دیکر وہ مسجد باہتمام اپنے گو بجارکنی رئیس مسلم ہو تیار کرائی ہی مسجدیت میں کچھ نقصان آئیگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ وہ مسجد شرعاً بالکل صحیح ہے اور سہل توجیہ اس کی یہ ہے کہ وقت بناء وہ محض ایک مکان تھا لیکن بعد بناء جب مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں نے اس کو عملاً وقف کر دیا وقف ہو کر مسجد تام ہو گئی اور دوسری توجیہات بھی ممکن ہیں مگر یہ سب سے سہل اور واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (حوادث اوّل صفحہ)

ہدم سرکار مسجدے را بضرورت و تعمیر مسجدے دیگر بعوض آں

سوال (۷۴۵) ایک مسجد سرکار انگریزی نے بمشورہ و رضامندی عوام مسلمانان بازاریوں کے نہ خواص شہر کے بضرورت تعمیر دکانات کے منہدم کرادی اور اس کے ہرجہ کا روپیہ بلکہ کچھ زیادہ اپنے پاس سے مسلمانوں کو کہ بعوض اس کے دوسری مسجد تعمیر کرائیں مسلمانوں نے کہا۔ کہ ہمارے یہاں کے لوگ روپیہ تلف کر ڈالیں گے سرکار ہی خود اپنے اہتمام سے تعمیر کرادے اور بعض مسلمانوں نے بھی کچھ روپیہ اپنے پاس سے بطور چندہ شامل کیا سرکار نے بعوض اُس مسجد منہدمہ کے دوسری مسجد دوسرے مقام پر اس روپیہ سے بایماء عوام مسلمانان تعمیر کرادی اور اپنا تعلق بالکل اُس مسجد سے قطع کر دیا اور مثل مسجد سابق منہدمہ کے مسلمانوں کو اُس مسجد میں قبض و دخل و تصرف حاصل ہو گیا۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ مسجد شرعاً بحکم مسجد ہے یا نہیں اور نماز اُس میں جائز ہے یا نہیں اور نماز اگر جائز ہے تو بکراہت جائز ہے یا بلا کراہت۔ اُس میں نماز پڑھنے والے کو ثواب مسجد کامل کا ملے گا یا نہیں اور مسجد منہدمہ کا اثاثہ اور سامان بالائی اور زمین کا عوض مسلمانوں کو سرکار وقت غیر اہل اسلام یا اہل اسلام یا کسی اور شخص سے جو ظلماً مرتکب اس فعل قبیح کا ہو بجبر یا بلا جبر لینا درست ہے۔؟

الجواب۔ یہ جزئی نظر سے نہیں گزری اس لیے اس کی ایک نظیر یا کلی نقل کرتا ہوں فی الدرالمختار متی ثبت بطریق شرعی وقفیۃ مکان وجب نقض البیع فی ردالمحتار لو ھدم المشتری البناء ان شاء القاضی ضمن البائع قیمۃ البناء فینفذ بیعہ اوضمن المشتری ولا ینفذ البیع ویملک المشتری البناء بالضمان ویکون الضمان للواقف لا للموقوف علیھم اھ والمراد بالبناء نقضہ وھذا اذا لم تمکن اعادتہ والا امر باعادتہ کما سنذکرہ فی الغصب جلد ثالث صـ ۶۵۶ و صـ ۶۵۷۔ فی الدرالمختار فی احکام الاستبدال ویشتری بثمنہ ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیۃ کالاولی فی شرائطھا وان لم یذکرھا اھ۔ جلد مذکور صـ ۵۹۹ و صـ ۶۰۰۔ اِس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہادم مسجد سے اولاً مطالبہ ہوگا کہ اُسی کا اعادہ بعینہ کرے اور جہاں یہ قدرت نہ ہو تو اُس سے ضمان لیا جائے گا خواہ قیمت ملے یا دوسری تعمیر وہ سب ضمان ہے اور ضمان بدل ہوتا ہے مضمون کا اور بدل کا حکم مثل مبدل منہ کے ہوتا ہے لہذا یہ دوسری مسجد من کل الوجوہ مسجد ہوگی اور نماز اُس میں بلا کراہت جائز ہے اور ثواب بھی اُس میں کامل ملے گا اور مسجد اول منہدم کا تخمینہ ضمان جس قدر ہوتا ہے اگر دوسری مسجد میں ہادم کا اِس قدر صرف نہیں ہوا تو بقدر تکمیل کمی کے ہادم سے ضمان کا مطالبہ باقی ہے خواہ اثاثہ و سامان سے پورا کرے یا نقد اُس سے لیا جاوے، اور اگر بقدر تخمینہ ضمان صرف ہوگیا ہے تو اب سامان کا مطالبہ جبراً نہیں پہنچتا ہے اگر بخوشی درخواست کرنے سے مل جائے تو مضائقہ نہیں اور باقی جو کافر ابتداءً مسلمین کے لیے مسجد بنائے وہ مسجد نہیں ہے۔ کما فی باب وصیۃ الذمی من الھدایۃ ومنھا اذا اوصی بما یکون قربۃ فی حقنا ولا یکون قربۃ فی معتقدھم کما اذا اوصی بالحج او بان یبنی

مسجد للمسلمین او بان یسرج فی مساجد المسلمین وھذہ الوصیۃ باطلۃ بالاجماع اعتباراً لاعتقادھم اھ۔ اگر کہیں اس کے خلاف تصریح مل جائے تو صریح مقدم ہے مستنبط پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۲ رذی الحجہ ۱۳۲۲؁ (امداد ثانی ص ۹۷)

اسی قسم کا ایک سوال باب الوقف پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔ (امداد ثانی ص ۹۷)

عدم صلاحیت حاکم غیر مسلم برائے تصرف در وقف

سوال (۷۴۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص اپنے بعد کوئی وقف جائداد بغرض نذر نیاز وخیرات وغیرہ وصیتاً چھوڑ جائے تو اس میں انتظامی طور پر اس وقت کی گورنمنٹ اگر کوئی قانونی کارروائی سے دست انداز ہو تو کس حد تک درست ہو سکتا ہے یا اگر متولی یا سجادہ خانقاہ وغیرہ اس میں بیجا تصرف کریں تو کس شخص کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل ہو سکتا ہے اور کن کن شرائط کے ساتھ۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ اگر واقف نے خود کسی کو متولی مقرر کیا ہے اور وہ تولیت کا اہل بھی ہے تو اُس کے ہوتے ہوئے بلکہ اس کے وصی کے ہوتے ہوئے بھی کسی کو وقف میں تصرف کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ حتیٰ کہ قاضی یعنی حاکم شرعی بھی اُس سے مؤخر ہے۔ وفی الفتوی الصغری الرای للواقف لا للقاضی فان کان الواقف میتا فوصیہ اولی من القاضی فان لم یکن اوصی فالرای للقاضی اھ بحر ومفادہ انہ لا یملک التصرف فی الوقف مع وجود المتولی الی قولہ فافادان ولایۃ القاضی متاخرۃ من المشروط لہ ووصیہ اھ رد المختار ج ۳ ص ۶۳۵ اور اگر اُس واقف کا یا اُس کے وصی کا مقرر کیا ہوا کوئی متولی نہیں ہے تو اُس وقت قاضی یعنی حاکم شرعی کو کوئی متولی مقرر کرنیکا اختیار حاصل ہوگا۔ فی الدر المختار کتاب الوقف ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ ثم للقاضی اھ مختصراً اور قاضی کے شرائط میں ایک شرط اُس کا مسلم ہونا بھی ہے کما فی الدر المختار واھلہ اھل الشھادۃ وفی رد المختار وحاصلہ ان شروط الشھادۃ من الاسلام والعقل والبلوغ والحریۃ وعدم العمی والحد فی قذف شروط لصحۃ تولیۃ ولصحۃ حکمہ بعدھا ج ۴ ص ۲۶۲ و ص ۲۶۳ اور اگر حاکم مسلم موجود نہ ہو تو پھر عامۂ ثقات مسلمین کو متولی منتخب کرنے کا حق شرعاً حاصل ہے۔ فی رد المختار ثم عن التتارخانیہ

ماحاصلہ ان اهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیاً لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونہ باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف الخ ج ۳ ص ۴۳۳ قلت فلما جاز نصب لمسلمین متولیا مع وجود القاضی ببعض العوارض فکیف مع عدم القاضی۔ اور اگر متولی میں خیانت ثابت ہو خواہ وہ واقف کا مقرر کیا ہوا یا قاضی کا یا عامہ مسلمین کا اُس کو معزول کر دینا واجب ہے اور یہ حق معزول کر دینے کا بھی اصل میں قاضی کو ہے۔ فی الدر المختار وینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون او عاجزا اوظہر بہ فسق الخ مختصراً فی رد المحتار مقتضاہ اثم القاضی بترکہ الخ ج ۳ ص ۵۹۴۔ اور اوپر معلوم ہو چکا کہ عامہ مسلمین بجائے قاضی کے ہیں اس لیے اگر قاضی نہ ہو تو عامہ مسلمین کو یہ حق معزول کرنیکا حاصل ہے لیکن اگر عامہ مسلمین بذات خود اپنے اس اختیار شرعی کو نافذ کرنے پر قانوناً قادر نہ ہوں تو اُن پر لازم ہے کہ حکام وقت سے استعانت کریں اور اُن سے درخواست کرکے متولی صالح کو مقرر کرا کر وقف کے انتظام کی اصلاح کریں پس یہ متولی صالح شرعاً مسلمین کی طرف سے ہوگا۔ اور قانوناً حکام وقت کی طرف سے ہوگا۔ قیاساً لھذہ الاستعانۃ علی الاستعانۃ بالمتولی غیر المسلم کما فی رد المحتار وشرط للصحۃ بلوغہ وعقلہ لاحریتہ واسلامہ کما فی الاسعاف الخ ج ۳ ص ۵۹۵ واللہ اعلم۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۳۵)

تحقیق احکام وقف بر مملوکیت یا موقوفیت جاگیر

سوال (۷۴۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس کے واقعات یہ ہیں کہ حضرت غلام قاسم صاحب قادری کو زمانہ سجادگی میں سرکار سے ایک جاگیر عطا ہوئی اس کی سند دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معطی کی غرض اعطاء جاگیر سے مقبرہ کے عود وگل وغیرہ کے مصارف ہیں نہ معطی لہ یعنی غلام قاسم صاحب کے ذاتی مصارف۔ اس سے معلوم ہوا کہ عطاء جاگیر بطور تملیک نہیں ہے بلکہ محض بطور

اعانت علی الخدمۃ بلا تملیک ہے پھر یہ جاگیر مع سجادگی وجملہ اوقاف میرے والد کیطرف منتقل وتفویض ہوئی ایک زمانہ میرے والد جاگیر وغیرہ پر قابض رہے میں ابھی حمل میں ہی تھا کہ میرے والد اس عالم سے چل بسے اپنے انتقال کے پہلے حاضرین کے سامنے اپنے علاتی بھائی مسمیٰ سید محمد مرتضیٰ صاحب کو وصیت فرمائی کہ اگر میرے گھر لڑکا ہو تو یہ جاگیر مع سجادگی وجملہ اوقاف اُس نومولود بچہ کو تفویض کرنا۔ تو میرے علاتی چچا سید محمد مرتضیٰ صاحب نے اس وصیت کو قبول فرمایا۔ خدا کی شان جب میں پیدا ہوا تو چچا صاحب نے خیال فرمایا کہ جو کچھ غیب سے ملا ہے وہ اوگلنا پڑے گا اس لیے اپنی ذاتی وجاہت سے صغرسنی میں میری حکام وقت کا دھوکا دیکر اپنے اور اپنے فرزندوں کے نام جاگیر مذکور کی جدید سند کرالی صرف سجادگی بعد سن شعور واپس کی اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ کیا وصی کو وصیت میں خلاف منشاء موصی اسی طرح تغیر کرکے کچھ وصیت پورا کرنا یعنی سجادگی مجھ کو دینا اور کچھ وصیت کو طاق نسیاں پر رکھنا یعنی جاگیر وغیرہ کو آں جناب کا ہضم کرلینا باوجود موصی لہ یعنی میرے مطالبہ کے مجھ کو نہ دینا ازروئے شرح شریف جائز ہے؟ اور حکام وقت کا دھوکا کھا کر سید محمد مرتضیٰ صاحب کے نام جدید سند کردینا کیا قابل اعتبار ہے؟ اور یہ اعطاء جدید لمن کتب اسمہ فی الدیوان کا کیا مصداق ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ اس کا جواب مع روایت فقہی سرفراز ہو۔؟

الجواب۔ معطی کی اگر وہ ملک تھی تو اُس میں کارکن وغیرہ مقرر کرنے کا حق اُسی کو حاصل ہے البتہ اگر معطی نے اس معطی لہ کو اس کا بھی اختیار دیدیا تھا یا اختیار تو نہ دیا تھا مگر اُسی کے اس فعل کو جائز رکھا تو یہ تصرف معطی لہٗ کا صحیح ہوگا لیکن مالک کے حق میں یہ لازم نہیں ہوا یعنی معطی مالک اسے بدل بھی سکتا ہے پس معطی کو اختیار ہے خواہ موصیٰ لہٗ کو انتظام سپرد کردے خواہ قابض کو اور خواہ کسی تیسرے کو اور خواہ جاگیر ہی کو انتزاع کرلے اور اگر یہ جاگیر بطور وقف کے دی ہے اور معطی لہٗ متولی ہے تو متولی کو متولی ہونے کی حیثیت سے دوسرے شخص کو متولی مقرر کرنے کا اختیار شرعاً حاصل نہیں ہوتا بلکہ اولاً واقف کو اور اُس کے بعد اُس کے وصی کو۔ اور وہ نہ ہو تو حاکم کو اختیار ہوتا ہے۔ البتہ اگر متولی کو واقف نے یہ

بھی اختیار دیا تھا کہ کسی کو متولی مقرر کرے تو اُس وقت اُس کا یہ فعل بھی جائز ہوگا لیکن اس صورت میں تبدیل و عزل کا واقف کو اختیار حاصل ہوگا۔ پس صورتِ مسئولہ میں معطی واقف ہے تو اب مدار تولیت کا وصیت متولی پر نہ رہے گا واقف یا وصی واقف کو اختیار ہوگا خواہ قابض کو رکھے خواہ موصیٰ لہٗ کو۔ پس مدار اُس کے اختیار پر ہوگا۔ اور یہ سب اُس وقت ہے کہ جب وہ جاگیر زمین کا رقبہ ہو ورنہ اگر رقبہ دوسرے شخص کی ملک ہو اور معطی نے صرف اُس کا سرکاری محصول معطیٰ لہٗ کو وصول کر کے خرچ کرنے کی اجازت دی ہو تو اُس میں یہ وصیت وغیرہ سب باطل ہے غیر مملوک وغیر مقبوض میں کوئی تصرف ہی جائز نہیں۔ فی الدر المختار ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیۃ ثم للقاضی وفیہ ارادۃ المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاماً صح ولا یملک عزلہ والا لا انظر مایتعلق بہ فی رد المحتار (ج ۳ ص ۶۳۳ الی ص ۶۳۷) ۶ر شعبان ۱۳۳۳ھ۔

سوالات متعلقہ استحقاق امام تنخواہ دار در غیبت خود از واقف

سوال (۷۴۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید واقف نے ایک جائداد مصارف و وارد و صادر مسجد کے واسطے وقف کی اُس کے بعد ورثہ متولیان کی غفلت سے وہ رہن وغیرہ ہو کر نیلام و بیع ہوگئی اور ایک عرصہ تک بقبضۂ مشتری نیلام و دیگر مشتریان رہی من بعد بارجاع نالش منجانب مسلمانان وہ کُل جائداد مسجد کو واپس ہوئی اور عدالت نے اُس کے اہتمام و انتظام کے لیے جدید متولیان مقرر کیے تاکہ آئندہ وہ خطرۂ زوال سے محفوظ رہے اور قواعد و ضوابط دربارہ انتظام مقرر کر دیئے متولیان نے منجملہ دیگر انتظامات کے خالد کو امام تنخواہ دار واسطے پڑھانے نماز پنجگانہ و جمعہ وغیرہ کے مقرر کیا۔ اب جب امام مذکور کو ضرورت اپنے خانگی کام کی ہوتی ہے تو وہ باوجود تنخواہ دار ہونے کے بعض وقت بلا اجازت اور اکثر ایام میں اجازت متولیان سے غیر حاضر ہو جاتا ہے اُس کی غیر حاضری میں بعض وقت بلا تقرر متولیان کوئی غیر شخص نماز پڑھا دیتا ہے اور اکثر وقت میں مقرر کردہ متولیان شخص عوضی نماز پڑھاتا ہے اب اس کیفیت کے بعد سوالات مفصلہ ذیل کا جواب شرعی مطلوب ہے تاکہ متولیان اُس پر کاربند ہوں۔

س۱ خالد امام مقرر کردۂ متولیان تنخواہ دار اُس وقت یا اُن ایام کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں جس وقت یا جن ایام میں بلا اجازت متولیان وہ غیر حاضر رہا ہے۔؟

س۲ خالد امام تنخواہ دار اگر ذریعۂ درخواست رخصت اجازت لیکر غیر حاضر رہے تو اُن ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا شرعاً وہ مستحق ہے یا نہیں۔؟

س۳ جو شخص بلا اجازت متولیان خالد امام مذکور کے بجائے ایام غیر حاضری میں نماز پڑھائے تو خالد امام مذکور اُن ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

س۴ جو شخص بلا اجازت متولیان اور بہ اجازت خالد امام ایام غیر حاضری خالد امام صاحب میں نماز پڑھائے تو خالد امام کو اُن ایام کی تنخواہ پانے کا حق ہے یا نہیں۔؟

س۵ متولیان نے امام کی غیر حاضری میں کسی شخص کو تنخواہ دار عوض امام مقرر کیا تو امام صاحب ان ایام غیر حاضری کی تنخواہ پانے کے مستحق ہوں گے یا دیگر عوض مقرر کردہ۔

س۶ ۱۳۲۸ھ کے جلسۂ کمیٹی متولیان میں یہ قانون پاس ہوا تھا کہ آئندہ کے واسطے یہ قاعدہ مقرر کیا جاتا ہے کہ رخصت اتفاقیہ ایک سال کے اندر دس یوم سے زیادہ نہیں مل سکتی خواہ اس دس یوم کو کوئی ملازم متفرق طور سے حاصل کرے یا ایک دفعہ اور دیگر اقسام رخصت کی اگر کسی ملازم کو ضرورت ہو تو وضع تنخواہ و بمنظوری کمیٹی متولیان حاصل کر سکے گا سو یہ قاعدہ مقرر کردۂ متولیان شرعاً قابل نفاذ ہے یا نہیں اور جو دس یوم قانون مذکور کے موافق رخصت میں شمار کیے جاتے ہیں شرعاً اُن ایام کی تنخواہ امام کو لینا اور متولیان کا دینا کیسا ہے۔ ان کا جواب مع دلائل و عبارت کتب فقہ معتبرہ مفتیٰ بہ ارقام ہو۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ فتویٰ جواز استیجار علی الامامۃ پر ہے امام کو اجیر کہا جاویگا اور اجارہ کا حکم یہ ہے کہ اسمیں جو شروط مباحہ موافقۃ للشرع مقرر کرلی جاویں وہ لازم اور مدار الاحکام ہوجاتی ہیں اور جن شروط کی تصریح نہ ہو اسمیں بقاعدۂ المعروف کالمشروط اُس عمل کے متعلق جو عرف ہو اُس کا اعتبار ہوگا۔ پس جو شرائط و ضوابط سوال س۶ کے ذیل میں مذکور ہیں چونکہ اُن کی تصریح کردی گئی ہے اور اُن میں سے کوئی شرط خلاف شرع نہیں ہے اس لیے وہ شروط تو بعینہا لازم اور نافذ ہیں اُن کی مخالفت کرنے کی صورت میں امام مستحق تنخواہ کا نہیں ہے اگر آمدنی وقف جیسے

دی جاوے گی یا لی جاوے گی آخذ و معطی دونوں گنہ گار ہوں گے اور جو بعض صورتیں دوسرے بعض نمبروں میں مذکور ہیں مثلاً امام کا دوسرے شخص کو اپنی جگہ مقرر کرجانا وبخو ذلک اگر اس کی نسبت متولی نے امام سے اذناً یا نہیاً تصریح کردی ہے تو اُس کا اعتبار ہوگا اور اذن کی صورت میں اُس کو مقرر کرنے کا اختیار ہوگا اور نہی کی صورت میں مقرر کرنے کا اختیار نہ ہوگا پھر جس صورت میں اس کا اختیار امام کو دیا گیا ہے اُس میں یہ تفصیل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کہ اگر یہ معاہدہ ہوگیا ہے کہ وہ دوسرا امام منجانب امام اول کے ہوگا گویا امام کے ذمہ اقامت جماعت کا انتظام ہے خواہ خود کرے یا کسی اور کے ذریعہ سے کرے تب تو امام متولی سے پوری تنخواہ لے گا اور دوسرے امام کو امام اوّل کی طرف سے سمجھا جاوے گا خواہ وہ متبرع ہو یا اُس سے کچھ لے اور اگر امام اوّل سے یہ کہدیا گیا ہے کہ وہ امام ثانی بھی منجانب متولی ہوگا تو پھر امام اوّل اُس تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا بلکہ امام اول جس تنخواہ پر اُس کو ٹھیرا گیا ہے اُتنی تنخواہ کا وہ امام ثانی ہی مستحق ہوگا بشرطیکہ متولی کی اجازت دادہ مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ اور جس صورت میں متولی نے امام اول کو اس انابت سے منع کردیا ہے اگر وہ کسی کو مقرر کرجاویگا اگر وہ متبرع ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کو کوئی استحقاق تنخواہ کا نہیں اور اگر تنخواہ دار ہے تو یہ تنخواہ امام اوّل کے ذمہ لازم ہوگی باقی اس نہی کی صورت میں امام اوّل کا مستحق تنخواہ ہونا اس میں شرط مصرح سوال ۶ پر عمل ہوگا جس کا بیان شروع جواب میں گزرچکا۔ اور جس صورت میں خود متولیوں نے عوضی مقرر کیا ہے اُس کا حکم ظاہر ہی ہے کہ وہی مستحق تنخواہ کا ہوگا اور اگر بعض امور کی تصریح نہیں ہے تو زمانۂ عدم تصریح تک تو عرف پر عمل ہوگا اور جس وقت سے تصریح ہو جاوے گی جس کا اختیار متولیوں کو ہر وقت ہے اور جس کے بعد امام کو بھی اختیار ہے کہ اگر نوکری کرنا ہو تو قبول کرلے ورنہ نوکری چھوڑدے اس تصریح کے وقت سے تصریح پر عمل ہوگا اور اس تقریر سے سب نمبروں کا جواب ظاہر ہوگیا۔ اور تفصیل مذکور جن کلیات شرعیہ پر مبنی ہے معلوم و مشہور ہیں۔ چنانچہ جا بجا درمیان میں اُن کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا ہوں مگر لتقویۃ و تائید ا

بعض جزئیات خاصہ بالمقام بھی نقل کیے دیتا ہوں۔ فی الدر المختار وھل یاخذ (ای المدرس) ایام البطالۃ کعید ورمضان لم ارہ وینبغی الحاقہ ببطالۃ القاضی والاصح انہ یاخذ لانہا للاستراحۃ اشباہ من قاعدۃ العادۃ محکمۃ وسیجئ مالو غاب فلیحفظ فی رد المحتار تحت قولہ وینبغی الحاقہ بعد کلام طویل مانصہ فحیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلاثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ وکذا لو بطل فی یوم غیر معتاد لتحریر درس الا اذا نص الواقف علی تقیید الدفع بالیوم الذی یدرس فیہ کما قلنا الخ قولہ سیجئ ای عن نظم الوہبانیۃ بعد قولہ مات المؤذن والامام۔ ج ۳ ص ۵۸۶۔ اقول یعتبر فی کل عقد عرف ذلک العقد فکما یعتبر فی التدریس عرف التدریس یعتبر فی الامامۃ عرف الامامۃ ثم فی الدر المختار بعد قولہ مات المؤذن والامام الخ مانصہ ونظم ابن الشحنۃ الغیبۃ الخ فی رد المحتار تحت ھذا القول مانصہ قال الطرطوسی ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لا یمکنہ المباشرۃ لا یستحق المعلوم لانہ ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وھذا ھو الفقہ اھ ملخصًا قلت ولا ینافی ھذا ما مر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کما سومح بالبطالۃ المعتادۃ علیٰ مامر بیانہ فی محلہ ج ۳ ص ۶۳ ص ۶۶۱۔ وفی الدر المختار عن المنظومۃ المحبیۃ لا تجز استنابۃ الفقیہ لا۔ ولا المدرس لعذر حصلا + کذاک حکم سائر الارباب + اذ لم یکن عذر فذا من باب + فی رد المحتار وسکت عما یعینہ الاصیل للنائب کل شہر فی مقابلۃ عملہ والظاہر انہ یستحقہ لانہا اجارۃ وقد وفی العمل بناء علی قول المتاخرین المفتی بہ من جواز الاستیجار علی الامامۃ والتدریس وتعلیم القرآن الیٰ اخر ما قال واطال ج ۳ ص ۶۳۱ و ص ۶۳۲ الیٰ ص ۶۳۳ وفیہ التصریح لاکثر ما حررت۔ ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

(تتمہ ثالث ص ۱۰۲)

بطلان وقف باشتراط بطلان او بحالت خاص

سوال (۷۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں باب کہ ذیل کی کیفیت و بیانات کے ساتھ جو بنام نہاد وقف یا ہبہ کیا گیا ہے بروئے فقہ حنفیہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کا کیا اثر ہے (کیفیت رپورٹ و حکم) نواب ناصر احمد خاں و نواب فاخر احمد خاں نے حاضر ہو کر بشناخت ابو الحسن نمبر دار کہا کہ ہم نے اراضی کھیوٹ نمبر ۱۴۰ میں سے منجملہ اپنے حصہ لہ بیگہ کے بیگہ مع حصہ چاہ سالم مندرجہ کھیوٹ نمبر ۱۴۰ جو بقدر لہ بیگہ ہوتا ہے بلا حصہ شاملات دیہ بطور وقف بنام حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت باہتمام خواجہ سجاد حسین صاحب ہبہ کر دی ہے اور قبضہ دیدیا ہے ۔ شرط یہ ہے کہ اراضی وقف شدہ پر عمارت مدرسہ بنائی جائے گی جب تک کہ یہ عمارت قایم رہے تب تک ہائی اسکول مذکور مالک ہوگا بصورت قایم نہ رہنے مدرسہ مذکور کے وارثان ہبہ کنندگان کو پہونچے گی ۔ خواجہ سجاد حسین صاحب نے بھی تسلیم کیا مقابلہ جمعبندی سے ہو گیا داخل خارج منظور ہے ۔؟

الجواب ۔ فی الدر المختار ولو اذا وقتہ بشھر او سنۃ بطل اتفاقاً در وفی رد المحتار ھذا اذا شرط رجوعہ بعد الوقت الی قولہ اما اذا شرط رجوعہ الیہ بعد مضی الوقت فقد ابطل التابید فیبطل الوقف وبعد اسطر ھکذا لو قال ارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ شھرا فاذا مضی شھر فالوقف باطل الی قولہ باطل مطلقاً کما علمت انفا ج ۳ ص ۵۷۶ و ص ۵۷۶
اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے ۔ والتوقیت بانقطاع السکول کالتوقیت بالشھر والسنۃ لاشتراک العلۃ وھی ابطال التابید وھو ظاھر ۔ اور ہبہ اس لیے نہیں ہے کہ اسکول میں موہوب لہ ہونے کی صلاحیت نہیں ۔ والھبۃ بدون الموھوب لہ ۔ واللہ اعلم ۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تتمہ ہم ص ۱۹)

(وقف) عدم جواز منافع زائدہ الخ

سوال (۷۵۰) اراضی موقوفہ کا ماحصل از روئے پٹہ جو آتا ہے وہ تو متولی یا کارندہ اُس کے مصرف میں صرف کر دیتا ہے مگر دیگر حقوق اپنے اس اراضی کی جہت سے کاشتکار سے مقرر کر کے اپنا حق المحنت سمجھ کر اپنے صرف میں وصول کر کے لاتا ہے اور کاشتکار بخوشی

دے جاتا ہے جائز ہے یا نہیں۔

اور ۲ بر وقت اٹھانے اراضی موقوفہ کے کاشتکار سے بعینٹ جس کو نذرانہ کہتے ہیں کبھی یہ پہلے سے قرار دیکر لیتا ہے اور کبھی پٹہ دینے کے وقت کاشتکار بخوشی خود دیتا ہے یہ رقم متولی یا کارندہ اپنے صرف میں لا سکتا ہے یا نہیں بجز ان مدات کے اراضی موقوفہ مذکور کے بعوض اہتمام کچھ نہیں لیتا۔

الجواب۔ یہ ۱ سب حقوق و ابواب اصل اجرۃ کے ساتھ ملحق ہوکر منافع وقف میں شامل ہوں گے اور متولی کو اُس میں سے کچھ لینا ایسا ہے جیسا اس اُجرت میں سے لینا جہاں وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔

۲ یہ بھی بتاویل الحاق بالعقد کے جائز ہوسکتا ہے پس اس کا حکم بھی مثل ملا کے ہے اور اگر اصل عقد کے ساتھ ان حقوق اور نذرانہ کو ملحق نہ کیا جاوے تو بوجہ رشوت ہونے کے خود ان کا تقرر کرنا ہی ناجائز ہوگا۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

تحقیق حکم وقف علی الاولاد

سوال (۷۵۱) وقف علی الاولاد جائز ہے یا نہیں۔ اس کی بابت حضور والا کی کیا تحقیق ہے اگر جائز ہے تو باکراہت یا بلاکراہت؟

الجواب۔ وقف علی الاولاد جائز ہے بلاکراہت لیکن اگر نیت خالص نہ ہو تو کراہت ظاہر ہے اور اگر مبنی اس کا یہ خیال ہے کہ قانون میراث مضر اور نامناسب ہے تو پھر یہ فعل محض بددینی ہے۔ ۸ رجمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تتمہ رابعہ ص ۴۱)

وقف مرہون و شرط ادائے زر رہن از وقف دیگر بعد بیع

سوال (۷۵۲) والد صاحب کی ایک حقیت دوسرے شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور بعد رہن کے حقیت مذکورہ کو والد صاحب نے وقف علی الاولاد کر دیا ہے اور تا حیات والد صاحب جائداد موقوفہ پر خود قابض رہیں گے میرے پاس ایک اور حقیت ہے جس کی نسبت بوجہ بہت سے نقصانات کے میرا عرصہ دراز سے یہ خیال ہے کہ اُس کو علیحدہ کر کے دوسری اچھی اور موقع کی حقیت خرید کر دوں۔ اتفاق سے اس وقت میری حقیت کا ایک شخص خریدار ہوگیا ہے مگر دوسری حقیت اس وقت موقع کی موجود نہیں اور والد صاحب کی موقوفہ و مرہونہ حقیت شہر کے قریب بھی ہے اور زیادہ تر اس میں مسلمان ہی کاشتکار ہیں اور رہے بھی معافی مگر

شرعی مسئلہ اور حضور والا کی رائے بغیر میں اس کام کو نہیں کر سکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ ع۱ والد صاحب کی موقوفہ مرہونہ حقیت کی فک رہن تو والد صاحب یا جو شخص متولی ہو وہی موافق شرائط وقف نامہ کے کرا سکتا ہے مگر مرتہن سے رہن در رہن میں بھی کر سکتا ہوں اگر مرتہن کا روپیہ برضامندی والد صاحب دیکر اس حقیت کو قبضہ میں کر دوں تو اس کی آمدنی مجھے اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں یعنی وہ آمدنی سود میں شامل ہو گی یا نہیں۔؟ ع۲ اگر کسی وقت اس حقیت موقوفہ مرہونہ کا میں خود یا کوئی میری اولاد میں سے متولی ہو تو اس وقت وہ رقم جو مرتہن کو اس وقت زر رہن کے طور پر دی جاوے گی مجھے یا میرے قائم مقام کو حسب شرائط وقف نامہ اس حقیت کو خلاص کرنے اور اپنے متروکہ روپیہ کو واپسی کا شرعاً حق رہے گا یا نہیں۔ والد صاحب نے وقف نامہ میں اس حقیت کو فک کرانے کی یہ صورت تحریر کی ہے کہ ایک دوسری حقیت موقوفہ کو بیع کر کے اس حقیت کو فک کرایا جاوے اس وجہ سے اس وقت اس روپیہ سے فک کرانا تو ممکن نہیں دوسرے یہ کہ موقوفہ حقیت پر جو اپنے قابو کی نہیں اپنی ملک کا روپیہ جس کی مقدار بھی کسی قدر زیادہ ہے صرف کر دینے کی ہمت نہیں ہے۔ ان وجوہات سے بعض احباب کا اصرار ہے کہ اسی حقیت کو کسی طرح واپس لے لوں اگر شرعاً جائز ہو اور ظاہری حالت میں حضور میرے لیے اس کارروائی کو نامناسب تصور نہ فرماویں تو اس معاملہ کو کر لوں کیونکہ مرتہن خود اپنا روپیہ لینا چاہتا ہے ورنہ میں کبھی پاس نہ جاؤنگا؟

الجواب - فی الدر المختار ولا (یکون الوقف ۱۲) بخیار شرط ولا ذکر معه اشتراط بیعه وصرف ثمنه لحاجته فان ذکره بطل وقفه بزازیه وفی رد المحتار قلت ولو اشترط فی الوقف استبداله صح وسیاتی بیانه (ص۵۵۲ ج۳) وفی الدر المختار وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذٍ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذا شاء فاذا فعل صارت الثانیة کالاولی فی شرائطها وان لم یذکرها ص۵۹۹ - فی الدر المختار وبطل وقف راهن معسر الی قوله وان وقف المرهون فافتکه بحجز فان مات عین تفیٔ لا ینیر ای والا فیبطل او للغلة یمهل فلیتامل فی رد المحتار

قولہ بطل وقف راھن معسر فیہ مسامحۃ والمراد انہ سیبطل ففی الاسعاف وغیرہ لو وقف المرھون بعد تسلیمہ صح واجبرہ القاضی علی دفع غلتہ ان کان موسراً وان کان معسراً بطل الوقف وباعہ فیما علیہ اھ وکذا لو مات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والا بیع وبطل الوقف کما فی الفتح وفیہ تحت قولہ والا فیبطل مانصہ وبحث فاضل فقال ینبغی ان لا یبطل الوقف ویؤخذ غلتہ لوفاء الدین کسعایۃ العبد اذا لم یقدر بذمن والجامع بینھما التحریر فان الوقف تحریر عن البیع وتعلق حق الغیر یقتضی من ربعہ کسعایۃ العبد بل انہ امکن اذ قد یموت العبد قبل اداء السعایۃ والعقار باقی رعایۃ للمصلحۃ فلیتامل اھ مافی شرح الوھبانیۃ ج ۳ ص۶۱۱ و ص۶۱۲۔ ان روایات ودرایات سے یہ امور مستفاد ہوئے ۱؎ مرہون کا وقف جائز ہے جب واقف ادائے زر رہن کا انتظام کر سکے ۲؎ ایک انتظام یہ بھی ہے کہ اس کے ادا کے لیے کوئی چیز بیع کے لیے نامزد کردے ۳؎ بہ نسبت ایک جزو وقف کے بیع کرنے کے خود وقف کی آمدنی سے ادا کرنا اصلح للوقف ہے۔ پس اس کا جواز بالاولی ہے۔ ۴؎ جب مصلحت وقف کے لیے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہدے اس کے فک کی مصلحت کے لیے قرض لینا اولی بالجواز ہے۔ ۵؎ جب مصلحت وقت کے لیے جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہدے تو خاص اُس جزو وقف کا بیع کرنا جائز ہے جب وقف کے وقت کہدے جو کر وقت وقف کے مرہون تھا اور قرض لے کر فک رہن کردیا گیا دوبارہ اس مقرض کے پاس رہن رکھدینا اولی بالجواز ہوگا۔ اور یہ امور خمسہ بعض تو روایات کے منطوق ہیں اور بعض مفہوم ہیں۔ اب بعد ان امور کے ممہد ہوجانے کے جواب سوال کا سمجھنا چاہیئے کہ جب راہن کے اذن سے مرتہن کسی دوسرے کے پاس رہن رکھدے تو حقیقت اس عقد کی یہ ہوگی کہ اصل راہن نے مرتہن ثانی سے قرض لیکر اسی مرتہن ثانی کو وکیل بنادیا کہ وہ مرتہن اول سے فک کرے پھر مرتہن اول کو وکیل بنادیا کہ وہ مرتہن ثانی کے پاس رہن رکھدے پس شرعاً یہ رہن منجانب راہن اصلی کے ہوگا اور تمام احکام جو مرتہن اول کیلئے ثابت تھے

مرتہن ثانی کے لیے ثابت ہو جاویں گے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس عقد رہن در رہن کو کہ جس کی شریعت میں بدون اس توجیہ کے کچھ بھی اصل نہیں ہے یہ دونوں راہن اول اور مرتہن ثانی اسی عنوان سے اختیار کریں خواہ قانونی دستاویز میں یہ الفاظ نہ لکھے جاویں لیکن زبانی کہہ لینا بھی شرعاً کافی ہے اور اس اختیار کی مصلحت بلکہ ضرورت شرعیہ یہ ہے کہ پھر توجیہ کی ضرورت اور تاویل کی حاجت نہ رہے عقد ضمنی سے عقد صریح اقرب الی الصحۃ وابعد عن الشبہ ہوتا ہے پھر جب یہ مرتہن ثانی بجائے مرتہن اول کے بعقد صحیح بالطریق المذکور ہوگیا تو اب اس کا حق صرف زرِ رہن میں ہوگا خواہ وہ جزو وقف جو مشروط البیع تھا فروخت کر کے زرِ رہن ادا کیا جاوے جس وقت بھی ممکن ہو اور یا خود اس مرہون کی آمدنی سے یہ مرتہن اس کو پورا کرے یہ باختیار مرتہن ہی ہے اور انتفاع اس مرہون سے جس طرح مرتہن اول کو بحیثیت مرتہن ہونے کے ناجائز تھا اسیطرح اس مرتہن ثانی کو ناجائز ہے بلکہ اگر یہ مرتہن ثانی کو ناجائز ہے بلکہ اگر یہ مرتہن اس مرہون کی آمدنی سے زرِ رہن تدریجاً لینا قبول نہ کرے تو پھر آمدنی اس مرہون کی بھی مصارف وقف ہی میں صرف ہوگی البتہ اگر یہ مرتہن بوجہ اس کے کہ اولاد واقف راہن میں ہے اور وہ جائداد وقف علی الاولاد ہے اس حیثیت خاص سے یہ بھی مصارف وقف میں سے ہے اور خواہ حالاً خواہ مآلاً جو کچھ بھی مقتضی ان شرائط وقف نامہ کا ہو تو اس حیثیت سے موافق شرط وقف کے اس مرہون کی آمدنی سے منتفع ہو سکتا ہے۔ اس تقریر میں سوال کے ہر جزو کا جواب آگیا ہے منطبق کر لیا جاوے اور اگر کسی سوال کا جواب مفہوم نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے۔ ۱۰ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ (تتمۂ رابعہ ص ۴۲)

حکم وقفے کہ دراں از سرکار زمین یا روپیہ گرفتہ شامل کردہ شود و دو کس سرکاری شریک انتظام کردہ شود

سوال (۷۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی مالدار ہے اس کا ارادہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک بہت بڑا وقف کردوں جو پچاس ساٹھ لاکھ روپے کی مقدار میں ہو جس میں ایک بہت بڑا مدرسہ صرف یتیموں کی پرورش اور دینی تعلیم کے واسطے کھولا جاوے جس کی مقدار پانچسو یتیم ہوں اس میں قرآن شریف ترجمہ کے ساتھ اور دینیات کے رسالے پڑھائے جاویں

اور پندرہ سولہ سال تک اُن کو اُس میں رکھا جائے جب وہ اپنے مذہب سے واقف ہو جائیں تو اُن کو اگر ضرورت سمجھی جائے تو ہنر سکھا دیا جائے لیکن یہ ضروری نہیں اور نہ وقف میں شرط۔ صرف وقف دینیات کی تعلیم کے واسطے اور وہ بھی یتیم غربا کے لیے جو سُنّی مسلمانوں ہوں۔ ہاں وہ یہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک بہت بڑی زمین جو چند صد گز ہو سرکار ہند سے لے تاکہ اس میں بہت بڑا مکان بنا دے جس میں مذکورہ بالا تمام انتظام مدرسہ در ہائش یتیماں و اُن کی خورد نوش اور مدرسین کا ہو سکے یہ زمین جو سرکار ہند سے لی جائے گی اس کی قیمت کچھ نہیں دینا ہو گی بلکہ وہ بطریق امداد دے گی اسی طرح یہ بھی کہ مثلاً پچاس ہزار روپیہ بطریق امداد سرکار ہند سے لے اور اس کو بھی مذکورہ روپیہ میں شامل کر دے لیکن سرکاری کوئی حق اس پر نہیں۔ ہاں جو اس کے متولی اور ٹرسٹی مقرر ہوں ان میں سے چار چھ تو مسلمان ہوں جن کو واقف مقرر کرے اور دو سرکاری آدمی بھی ہوں اسلئے کہ آئندہ کوئی اس وقف کو ضائع نہ کر دے اور ہضم نہ کر جائے ان کو بھی منتظمین میں شریک کیا جائے اور سب مل کر کام کریں۔ ساتھ ساتھ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سرکار کو اس میں کسی قسم کا دخل نہیں تاکہ اس کے روپے سے لون سود وغیرہ کا کام کرے اور اس کے روپے کو زیادہ کرے بلکہ واقف خود مکانات خریدے اور اُن کو وقف کر دے جو اُن کا کرایہ آئے اس سے یتیم خانہ مذکورہ کا سب انتظام کیا جائے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ کسی قسم کا سودی کوئی کام ان کی آمدنی سے کر سکے اگر کوئی شخص اس طرح سے وقف کرے تو خدا کے یہاں اس کا مواخذہ ہو گا یا نہیں۔ یہ وقف مقبول ہو گا یا نہیں۔؟

الجواب۔ سرکار سے زمین یا روپیہ لینے سے جب یہ شخص مالک ہو گیا تو مثل دوسری مملوک چیزوں کے اس کا وقف بھی صحیح ہے اور حُسن نیت کے بعد کوئی امر مانع مقبولیت بھی نہیں گو بلا ضرورت ایسا کرنا متہم ہونا ہے اس لیے احتیاط بہتر ہے اور اتنا بڑا مال ہو سکی حالت میں ظاہراً ضرورت بھی نہیں لیکن تولیت کے لیے اسلام شرط ہے اگر وہ سرکاری آدمی مسلمان نہ ہوں وہ شرعاً متولی نہ ہوں گے۔ البتہ اگر متولی صرف مسلمان ہی ہوں اور سرکاری آدمی بضرورت ان کی نگرانی رکھیں اس کا مضائقہ نہیں ہفتم شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ صد ۱۹۲)

عدم صحت وقف معلق

سوال (۷۵۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد مرنے کے وقت کہتے گئے کہ جب تک میری بیوی نکاح ثانی نہ کرے میری تمام اشیاء پر قابض رہے اور نکاح کر لینے پر تمامی چیزیں مسجد پر وقف ہیں چنانچہ

مسماۃ رحمت اُن کی زوجہ نے نکاح بھی کر لیا۔ اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ نہ تو وصیت زوجہ کے لیے صحیح ہے اور نہ یہ وقف صحیح ہے۔ لانہ لا وصیۃ للوارث فی حال ما ومن شرائط الوقف ان یکون منجزا لا معلقا الا بکائن و لا مضافا ولا موقتا الخ۔ دُرمختار۔ ۲۴ر محرم ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثانی ص ۱۲۱)

در تصرف آوردن زر چندہ بطور قرض

سوال (۷۵۵) زید چندہ بلقان کا خزانچی ہے اگر وہ کسی اپنے کام میں اُس میں سے کوئی روپیہ صرف کرے اور بجائے اُس کے دوسرے وقت اپنے پاس سے اُس کو پورا کر دے تو وہ عند اللہ گنہگار ہوگا یا نہیں۔ لیکن جب اُس روپیہ کا منی آرڈر یا اُس کو بذریعہ تار روانہ کیا جائے تو اصل روپیہ تو پہنچے گا نہیں بلکہ ڈاک خانہ سے ایک کاغذ جائے گا اور دوسرا ڈاک خانہ روپیہ دیدیگا۔ ایسی صورت میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں۔ جواب باصواب سے مطلع فرمائیے۔؟

الجواب۔ اپنے کام میں اُس کا صرف کرنا جائز نہیں اور قیاس اِس کا منی آرڈر یا تار پر صحیح نہیں کیونکہ یہ تصرف تو باذنِ معطین ہے اور اپنے صرف میں لانا بلا اذن ہے اور ظاہر ہے کہ ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ۲ ص ۱۶)

چندہ جمع کرنا اس طور سے کہ بیس فیصدی کاٹ کر اُن اہلِ چندہ کے ورثہ کو دینا جو فوت ہو جاویں۔

سوال (۷۵۶) ایک نیا قاعدہ جاری ہوا ہے۔ کچھ آدمیوں نے چندہ کھولا ہے وہ چندہ بیس فیصدی کاٹ کر باقی ان ممبروں کے ورثا کو دیدیا جاتا ہے کہ جو فوت ہو گئے ہوں اور بیس فیصدی کاٹ کر اُن اصحاب کے واسطے رکھا جاتا ہے کہ جو بیس سال تک زندہ رہیں اور اُس سہ ماہی کا روپیہ بھی کہ جس میں کوئی فوت نہ ہو اس مد میں جمع کر دیا جاتا ہے تو جو ممبر پانچ سال تک چندہ دیتا رہا ہو پھر اتفاق زمانہ سے وہ ناقابل ہو جائے تو اس مد سے اُس کی امداد کی جاتی ہے متوفی کے وارث کو روپیہ ملنے کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے وہ تعداد اموات اور چندہ دہندگان پر منحصر ہے۔ جواب کافی سے آگاہ فرمائیے۔؟

الجواب۔ بالکل حرام ہے۔

۳ر شعبان ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

احکام المسجد

مسائلۃ اہل النخلۃ فی مسئلۃ الظلۃ

یعنی

حکم سائبان در مسجد

سوال (۷۵۷) بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر نے مسجد پیر محمد والی کی چار سہ دریوں کے سامنے ٹین کا سائبان ڈلوایا تھا اُن میں ایک سہ دری جنوبی شمال رویہ مسجد کے متصل ہے اس [سائبان کے متعلق بعض حضرات اکابر سے بطور تحقیق کے خط و کتابت ہوئی اُس کو اس] غرض[عـــہ] سے نقل کرتا ہوں کہ اہل علم سے اس باب میں مزید تحقیق کرلی جاوے اور میرے قول و فعل کو حجت نہ سمجھا جاوے میں نے اپنی فہم کے موافق کہا ہے اور کیا ہے۔ وسمیتہا بما سمیتہا اشارۃ الی الاسم السمّٰی نواث الکابر نخبتہ الاکابر۔

مکتوب اوّل آں بزرگ

مکرم و محترم سندی ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ایک اور مضمون کے بعد) آپ کی سہ دری کے سائبان کے متعلق مجھ کو خلجان ہے میں اُس کو ناجائز سمجھ رہا ہوں اور آپ جائز مولوی...... کی تقریر کچھ فہم میں نہیں آئی اس لیے مکلف خدمت ہوں کہ مفصل کیفیت اُس کی تحریر فرمادیں کہ وہ جنوبی سہ دری داخل مسجد ہے یا خارج۔ اور مسجد کے ساتھ اُس کی تعمیر ہے یا بعد تعمیر کی گئی یا اُس کا کوئی حصہ داخل مسجد ہے بعد تفصیلی علم کے اگر خلجان رہا تو عرض کروں گا۔ (پھر ایک اور مضمون ہے) والسلام۔ ۳۰ ر شوال ۱۳۳۱ھ۔

معروض احقر بجواب مکتوب اوّل

(بعد القاب[عـــہ] و آداب و دیگر مضامین) مولوی...... سے جو مضمون ذکر کیا تھا وہ مطول تھا اس لیے بوجہ عدم انضباط کے ادا نہیں کرسکے ملخص اس کا یہ ہے کہ یہ دیوار جس پر سائبان

عـــہ اور اس لیے بھی کہ اس مکاتبت میں متعدد اصول و فروع فقہیہ مفیدہ اہل علم ہیں جو اور واقعات میں کام آسکتے ہیں اور ایک غرض اس امر کا بھی دکھلانا ہے کہ اظہار حق کیلئے مناظرہ کا کیا رنگ ہوتا ہے ۱۲ منہ۔ عـــہ یہاں جو کاغذ رہ گیا تھا اُس میں القاب و آداب منقول نہ تھا صرف خط جو گیا تھا اسمیں لکھا گیا تھا ۱۲ منہ۔

رکھا گیا ہے جزو مسجد ہے اور سائبان بھی بقصد مصلحت مسجد ڈالا گیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ اکثر ایام میں ظہر کی جماعت باہر کے درجہ میں ہوتی ہے تو صف اوّل پر تو سائبان قدیم کا سایہ ہوتا ہے لیکن دوسری صف جو بچوں کی ہوتی ہے زیادہ بچے دھوپ میں ہوتے تھے گو بضرورت وہ اس دیوار کے سایہ میں کھڑے ہوتے تھے مگر وہ سایہ کافی نہ ہوتا تھا۔ اب وہ اس سائبان کے سایہ میں آرام سے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ البتہ اس دیوار میں ایک پرانی غلطی اکابر کے وقت کی ہے کہ اس سہ دری کی کڑیاں اُس پر رکھی ہیں سو اس غلطی کے تدارک کا بھی خیال ہے اس طرح کہ شرقی غربی دیوار پر ایک گاڈر رکھ کر کڑیوں کو اُس پر ٹکا دیا جاوے۔ والسلام (تاریخ نقل کرنا یاد نہیں رہا)

مکتوب دوم بجواب معروض بالا

مکرم محترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (بعد ایک مضمون کے) سائبان مسجد کے متعلق جناب نے دو مقدمے تحریر فرمائے۔ اوّل یہ کہ دیوار جس پر سائبان رکھا ہوا ہے جزو مسجد ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ سائبان بھی بقصد مسجد ڈالا گیا ہے۔ ان دونوں مقدموں میں زیادہ اہم پہلا مقدمہ ہے یہ مقدمہ تاوقتیکہ دلیل سے ثابت نہ ہو تصفیہ نہیں ہوسکتا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خلاف اقویٰ ہے کیونکہ یہ دیوار جس پر سائبان رکھا گیا ہے یہ جزو مجموعہ سہ دری ہے جو خارج ہے اور جزو خارج خارج[عہ۱] علاوہ اس کے اس کا جزو مسجد ہونا غیر معقول ہے کیونکہ اگر یہ دیوار مسجد کی ہوتی تو اس میں تین در ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی پھر سہ در خود شہادت دے رہے ہیں کہ اس دیوار کو جس میں در ہیں مسجد سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کے ساتھ جب یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ اس دیوار کا سلسلہ بلا انقطاع شرقی جانب میں دور[عہ۲] تک چلا گیا ہے جو یقیناً خارج مسجد ہے تو یہ حصہ بھی داخل مسجد نہیں ہوسکتا اور اسی لئے میں نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ دیوار مسجد کے ساتھ تعمیر ہوئی ہے یا بعد میں۔ پس اگر یہ دیوار لب فرش مسجد پر بنائی گئی ہو تو بھی داخل نہیں ہوسکتی ہاں اگر یہ امر ثابت ہوجاوے کہ اوّل یہ دیوار لب فرش مسجد پر احاطہ مسجد پر احاطہ مسجد کے لئے قائم کی گئی تھی اور بعد ازاں اس میں در بنائے گئے تو البتہ یہ دیوار دیوار مسجد ہوسکتی ہے لیکن اس صورت میں بھی شرعاً یہ امر ضروری ہوگا کہ اس کے در بند کئے جاویں اور اُس کو سہ دری

عہ۱ فی ہذہ المقدمۃ کلام لان بعض اقسام الخارج مایکون مرکبا من الداخل والخارج فکیف یحکم علی جمیع اجزائہ التی بعضہا داخل بکونہا خارجا ۱۲ منہ عہ۲ یہ دیوار تک نہ تھی صرف حد مسجد تک تھی بہت بعد میں ایک نئی دیوار بنا کر اُس سے متصل کر دی گئی تھی ۱۲ منہ ؎

کی دیوار نہ قرار دی جاوے کہ جو خارج از مسجد ہے۔ بالجملہ حضرت غور فرماویں یہ کسی طرح معقول نہیں ہو کہ یہ دیوار جزو مسجد ہے اور در حقیقت یہ اکابر کی غلطی نہیں ہے انھوں نے اس دیوار کو خارج خیال فرما کر اُس پر کڑیاں رکھی ہیں اور یہ خیال اُن کا صحیح تھا کہ یہ دیوار خارج مسجد ہے کیونکہ خارجی دری کی دیوار ہو اس پر سائبان کا ڈالنا بھی غلطی ہو۔ دوسرا مقدمہ جو تحریر فرمایا اُس میں کلام کی چنداں ضرورت نہیں اور نہ اُس سے اشکال رفع ہو سکے۔ فقط والسلام (تاریخ نہ تھی)

معروض احقر بجواب مکتوب دوم

(بعد آداب القاب کے) دیوار کو جو میں نے جزو مسجد لکھا وہ اس بناء پر کہ وہ فرش مسجد پر بنی ہوئی ہے جیسا حدود متقابلہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گو بعد میں بنائی گئی۔ چنانچہ ایک بار میں نے حضرت گنگوہی رح کی خدمت میں بھی یہی شبہ پیش کیا تھا کہ صورت مسجد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوار حدود مسجد کے اندر داخل ہو پھر خارج مسجد کی کڑیاں اُس پر کیسے رکھی گئی ہوں گی۔ حضرت نے فرمایا ہاں اب غور کرنے سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہو اُسوقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا۔ اس ارشاد سے وہ خیال دل میں متمکن ہو گیا تھا۔ پس اگر اس بناء پر یہ دیوار جزو مسجد ہو تو کڑیوں کا اُسپر رکھا جانا پرانی غلطی ہوگی جس کو میں نے عریضۂ سابقہ میں عرض کیا تھا مگر اُس صورت میں سائبان مسجد کا رکھا جانا کچھ بھی حرج نہ ہوگا اور اگر اس سے قطع نظر کر کے دیوار کو خارج مسجد کہا جاوے (بناءً علی القرائن المذکورہ فی المکتوب السامی) تو اُسوقت پھر سائبان کا بمصلحت مسجد اُس پر رکھا جانا اور بھی سہل ہوگا۔ کیونکہ غیر مسجد کو مسجد کے لئے مشغول کرنے میں کوئی وجہ منع کی نہیں معلوم ہوتی اور کڑیوں کا رکھا جانا بھی غلطی نہ ہوگی۔ البتہ اس تقدیر پر صرف یہ اشکال باقی رہے گا کہ جو دیوار جزو مسجد نہیں ہو اُس کو فرش مسجد پر بنانے سے غیر مسجد کے ساتھ مسجد کو مشغول کیا جس کا احداث گزشتہ غلطی ہو اور بقاءً حالی غلطی ہے تو اُس کی تلافی میرے خیال میں یہ آتی ہے کہ اسوقت سب اہل محلہ ملکر اُس دیوار کو مسجد کا جزو قرار دیدیں اور سہ دری کی کڑیوں کیلئے ایک گارڈر شرقی و غربی دیوار پر رکھدیا جاوے کیونکہ دیوار کے ہدم میں وقف کا حرج عظیم ہے۔ اسیطرح در بند کر کے سہ دری کی تعطیل میں بھی یہی اضرار بالوقف ہے۔ والسلام۔ ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ

مکتوب سوم بجواب معروض مذکور

مکرم و محترم مصدر مکارم دام فضلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ موجب برکت ہوا۔ کئی روز تک تو یہ خیال رہا کہ مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کروں یا نہ کروں مبادا تکرار

موجب بار ہو۔ بالآخر یہ خیال ہوا کہ اپنا خیال ایک دفعہ اور عرض کردوں۔ اسوقت مجھ کو دو امر عرض کرتے ہیں۔ ایک تو دیوار کے متعلق کہ مسجد ہی یا نہیں۔ دوسرے سائبان کے متعلق کہ اگر دیوار کو دیوار مسجد قرار دیا جاوے تو سائبان اُس پر ڈالنا جائز ہے یا ناجائز۔ حضرت گنگوہی رح کے یہاں دیوار کے متعلق جو تذکرہ ہوا اُس سے اتنا معلوم ہوا کہ بظاہر دیوار بعد میں فرش مسجد پر بنائی گئی ہو جس کا اُس وقت کسی کو بھی خیال نہیں ہوا اور اب بظاہر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد پر خارجی دیوار کا بنانا قدیم غلطی ہو پس واقعی سہ دری کی دیوار جب مسجد پر بنائی گئی تو وہ بوجہ اس کے کہ خارجی سہ دری کی دیوار ہے مسجد پر اُس کا ہونا ناجائز تھا تو صرف کڑیوں کا اُس پر رکھا جانا یہ پُرانی غلطی نہیں بلکہ غلطی تو یہ ہوئی کہ خارجی دیوار مسجد پر بنائی گئی۔ اب یہ بات کہ اگر اس دیوار کو اہلِ محلہ متفق ہو کر مسجد میں داخل کرنا چاہیں تو جزو مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں مجھ کو اس میں شرح صدر نہیں ہوا مگر ہاں اسقدر خیال ضرور ہے کہ محض گاٹر ڈالکر اور کڑیوں کو اُس پر ٹھیرا کر جدا کر دینے سے داخلِ مسجد نہ ہو سکے گی تاوقتیکہ اُس دیوار کا اتصال تربیع جو دونوں جانبوں شرق و غرب[ف] میں ہے وہ غیر مسجد سے منفصل ہو جاوے ہاں اگر گاٹر ڈال کر کڑیاں اُس پر رکھدی جائیں اور اتصال تربیع بھی منفک کر دیا جاوے تو اُسوقت کیا عجب ہو کہ وہ دیوار باتفاق اہلِ محلہ دیوارِ مسجد قرار پا سکے۔ اب ہی دوسری بات کہ جب دیوار دیوارِ مسجد ہو جاوے تو اُس پر سائبان ڈالنا جائز ہو گا یا نہیں۔ میرے نزدیک سائبان ڈالنا اُس وقت بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ عرفاً سائبان محض دیوار کیلئے نہیں ڈالا جاتا نہ تابع دیوار ہوتا ہے بلکہ تابع مجموعہ مکان ہوتا ہے جس مکان پر سائبان ڈالا جاتا ہے پس صورتِ موجودہ میں سائبان سہ دری کا تابع ہے نہ کہ دیوارِ مسجد کا۔ لہذا ناجائز ہونا چاہیئے اور اگر منفعت پر نظر کی جائے تو بہ نسبت منفعت مسجد منفعتِ سہ دری اقویٰ اور اہم ہے کیونکہ سہ دری کے بیٹھنے والوں کی بھی راحت مدِ نظر ہے اور مسجد کے نمازی بچوں کی بھی راحت کا خیال ہے لیکن اس غرض کے حصول میں مقصود اہم جماعت یعنی توسط امام کی مخالفت لازم آتی ہے لہذا یہ مقصود بھی اس قابل ہے کہ ملحوظ نظر نہ ہو۔ اور اصل یہ ہو کہ اغراض کو اس میں دخل نہیں کیونکہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد ہی کے لئے ہو جائز نہیں ہے۔ فقط والسلام خیر ختام

(تاریخ نہ تھی)

[ف] غرب میں تو اُس کی اس لیے حاجت نہیں کہ اُس جانب اتصال مسجد ہی سے ہے البتہ شرق میں جدید دیوار سے اتصال اُس کا حادث ہو گیا جیسا کہ حاشیہ مکتوب دوم میں مذکور ہے ۱۲ منہ

معروض احقر بجواب مکتوب سوم

(بعد القاب آداب) والا نامہ نے مشرف فرمایا اظہار حق کا تکرار حاشا وکلا کہ قلب پر بار ہو۔ اور بحمد اللہ مجھکو تو عادت ہے کہ جب کسی امر کا حق ہونا واضح ہو جاتا ہے پھر اپنی رائے پر اصرار نہیں ہوتا۔ سو اب تک اس کا انتظار ہے جو نہیں ہوا اور مجھ کو بھی تکرار فی الجواب خلاف ادب معلوم ہوتا ہے مگر تحقیق نے اس پر جری کیا۔ قبل سائبان بننے کے تو وجدان سامی کو بجائے دلیل سمجھ کر اس کا اتباع کرتا مگر مجھ تک اس مضمون کا زبانی پیام صرف بدیں عنوان پہنچا کہ خارج مسجد کا پانی مسجد میں لینے کا محذور لازم آویگا چونکہ یہ بناء مقصود تھی کیونکہ سائبان کہ جس کا پانی مسجد میں گرتا مسجد کا جزو بنایا جاتا تھا سو اس کا پانی مسجد ہی کا پانی تھا اس لیے وہ بنا لیا گیا اب بعد بننے کے اس کی تفکیک میں خود شبہ تصرف فی المسجد بالہدم والخراب کی وجہ سے عدم جواز کا احتمال ہو گیا سو اس احتمال کے رفع کے لیے نہایت صریح دلیل کی جو کہ کافی شافی ہو ضرورت ہے جو اب تک نہیں ملی دیوار کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا تھا وہ محض تبرعا تھا جس کے لکھنے کی اصل وجہ تو استفسار گرامی کا جواب تھا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی شامل ہو گیا تھا کہ اس کی بھی تحقیق ہو جاوے گی شاید کوئی صورت اس پرانی غلطی کی اصلاح کی نکل آئے باقی نفس مسئلہ واقعہ میں اس کو کوئی دخل نہیں اور سائبان کا جواز اس پر موقوف نہیں کیونکہ اگر وہ جزو مسجد نہ ہو تو اس کو مسجد کے کام میں لانا بدرجۂ اولی جائز ہو گا جیسا کہ عریضۂ سابقہ[1] میں عرض کیا ہے۔ اور ظاہر بھی ہے کہ اگر مسجد میں شامیانہ کھڑا کیا جاوے اور اس کی طنابیں محلہ کے مکان میں باندھ دی جاویں تو بلا شبہ درست ہے یا فناء مسجد کی کسی عمارت میں باندھ دی جاویں تو اس کا جواز اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے اس لئے دیوار کے قصہ کو چھوڑ کر نفس مسئلہ کے متعلق عرض کرتا ہوں سو عرفاً اس کا تابع سہ دری ہونا اور تابع بحکم متبوع ہوتا ہے سو میرے خیال میں اس عرف کی مزاحم نیت بانی کی ہو سکتی ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کوئی بانی مسجد فرش مسجد کے حصۂ اخیرہ کو یہ سمجھ کر (کہ لوگ یہاں وضو کریں گے اور مسجد میں غسالہ کا گرانا جائز نہیں) مسجد سے خارج رکھنے کی نیت کرے اور امتیاز کے لئے ہیئت تعمیر کی بھی کچھ بدل دے تو یقیناً جائز ہے اور مساجد قدیمہ میں وضو کرنے کی یہی تاویل ہو بھی سکتی ہے ورنہ عامۂ مسلمین کا بے حرمتی مساجد میں مبتلا ہونا لازم آتا ہے حالانکہ حساً وصورۃً وہ حصہ تابع مسجد بلکہ جزو مسجد ہے اور تابع بحکم متبوع ہوتا ہے تو چاہیئے کہ اس وضع عرفی کے اعتبار

---

[1] یعنی مکتوب دوم کے جواب میں بعوذ اور اگر اس سے قطع نظر کر کے الی قولہ اور بھی سہل ہو گا ۱۲ منہ

سے اُس کو جزو مسجد کہہ کر اُس پر وضو کو جائز نہ کہا جاوے پس حکم جواز سے صاف ثابت ہوا کہ نیت بانی کی اُس عُرف کی مزاحم ہو جاوے گی پس یہاں بھی بانی ظلہ نے اُس کو سہ دری کا جزو بنانے کی نیت نہیں کی اور یہ امر کہ منفعت جالسین سہ دری کو بھی ہو گی سو گو وقوعاً ایسا ہو گا مگر میرے نزدیک یہاں بھی اس وقوع پر نیت کو رجحان ہو گا اور نیت ہے منفعت مسجد کی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ تقلیل نز کے لیے غرس اشجار کو مسجد میں جائز کہا گیا ہے اور دوسری اغراض کے لیے ناجائز حالانکہ وقوعاً دوسری اغراض بھی متحقق ہوں گی۔ رہا منفعت سہ دری کا اقویٰ اور اہم ہونا سو اس کا اندازہ پورا پورا حالت سابقہ کے تجربہ پر موقوف ہے کہ بچّوں کو زیادہ تکلیف تھی یا جالسین سہ دری کو تو واقعی سہ دری والوں کو کچھ بھی تکلیف نہ تھی دھوپ تو وہاں آتی ہی نہ تھی برسات میں کبھی کبھی بوچھار آتی تھی تو سالہا سال سے اُس کے لیے پردوں کا کافی انتظام چلا آتا تھا اور میں نے ہمیشہ سے التزام کر رکھا ہے کہ مصالح سہ دری کے لئے جو چیز بنی اُس کے دام اپنے پاس سے دیتا ہوں چنانچہ پردے اور فرش یہ سب میرے ہی داموں کے ہیں اور اسی لئے باوجود ہزاروں روپیہ مسجد و مدرسہ میں صرف ہو جانے کے سہ دری میں کبھی لپائی تک نہیں کرائی باوجود ضرورت کے۔ پس اگر سائبان میں مصالح سہ دری کا قصد ہوتا تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے پاس سے بناتا بلکہ اس سائبان سے سہ دری میں روشنی کسی قدر کم ہو جانے سے بعض لکھنے پڑھنے والوں کو اُن کے کام میں ایک گونہ تکلف ہو گیا اسی لیے بناء کے قبل سہ دری کے مصالح کا وسوسہ بھی نہیں بلکہ میں نے تو ان مصالح کے مشورہ پیش کیے جانے کے وقت تصریحاً اُن کو رد کر دیا کیونکہ بعض نے پیش بھی کیا تھا۔ البتہ اول مصلحت ذہن میں یہ آئی تھی کہ اس کے مقابل شمالی سہ دری کے سائبان کے بعد اگر یہ سائبان نہ ہوا تو تقابل کی خوشنمائی جاتی رہے گی لیکن اس کے ساتھ ہی اس مصلحت کو ناکافی سمجھ کر تردد تھا کہ اُس کے بعد یہ مصلحت ذکر کی گئی اس کو البتہ معتد بہ مصلحت سمجھ کر کام جاری کر دیا۔ رہا توسیط امام کی مخالفت تو عذر حر د مطر میں عفو ہو سکتا ہے خصوص غیر مکلفین کے لیے اس کی نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ خلف الصف منفرداً مکروہ ہے مگر اب فقہاء نے احتمال تجاذب عوام کے سبب اجازت دی ہے کہ اول صف میں سے کسی کو نہ کھینچے تنہا کھڑا ہو جاوے تو اس عذر کو رافع کراہت قرار دیا۔ رہا یہ کہ مسجد کو غیر مسجد کے استعمال میں لانا گو کسی غرض مسجد

عہ اور کبھی مجھکو بھی سہ دری سے باہر بیٹھکر لکھنا پڑھنا پڑا ۱۲ منہ عہ یہ سہ دری مسجد سے متصل پر ہے ۱۲ منہ

کے لیے ہو جائز نہیں واقعی اگر ایسا قصداً کرے تو یہ حکم سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر اس کا قصد نہ ہو گو کوئی خاص نفع حاصل ہو جاوے تو اس صورت میں اس کا عدم جواز سمجھ میں نہیں آتا اس کی نظیر یہ ہو کہ ایک شخص مسجد کی پشت پر مکان بنادے اور وہ جانب شرق میں اس لیے اپنی دیوار نہ بنادے کہ مسجد کی دیوار غربی پردہ کے لیے کافی ہے تو کیا اس کو ناجائز کہا جائے گا حالانکہ مسجد کا جزو غیر مسجد کے کام میں آیا۔ یا اگر ایسے ہی مکان کی دیوار شرقی بھی ہو لیکن ذرہ پست ہو کہ محلے کے بعض ایسے مکانات کی چھت سے سامنا ہوتا ہو جن میں اور اس مکان میں مسجد مذکور حائل ہو اور فرض کیا جاوے۔ کہ بمصلحت راحت نمازیان اس مسجد کی چھت اونچی کرنے کی رائے قرار پاوے اور اس وجہ سے دیواریں بھی اونچی کرنے کی ضرورت پڑے اور پھر اس اونچائی کے بعد اس مکان کا پورا پورا پردہ ہو جاوے اور پھر اس کی دیوار اونچی نہ کرنی پڑے اور اتفاق سے وہ مکان والا ہی اس مسجد کا بھی متولی ہو تو کیا اس کو یہ جائز نہ ہو گا کہ اس مسجد کے اونچی کرنے پر کفایت کرے اور اپنی دیوار کو اونچا نہ کرے حالانکہ یہاں خود اپنی دیوار کو بھی اونچا کرے مکان کو اس منفعت دیوار مسجد کے اثر سے بچا سکتا ہے مگر پھر بھی تنگی نہیں کی جاوے گی اور صورت واقعہ میں تو کوئی ایسی تدبیر بھی نہیں کی کہ سہ دری کو اس سائبان کے اثر سے بچایا جا سکے تو ایسے تعذر میں تو بدرجۂ اولیٰ تنگی نہ ہو گی۔ والسلام خیر ختام۔ ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ

تمت المکاتبۃ

تنبیہ:۔ گو پھر اس عروض کا جواب نہیں آیا۔ مگر اس جواب نہ آنے کو حجت نہ سمجھا جاوے کیونکہ اس کا سبب کوئی عارض بھی ہو سکتا ہے مثلاً وہی امر جو کہ مکتوب سوم کے شروع میں مذکور ہے۔ اس لیے اب بھی ضرورت ہے کہ اس باب میں اہل علم سے مزید تحقیق کر لی جاوے جیسا کہ تمہید میں عرض کیا گیا فقط (ترجیح ثانی صفحہ ۱۸۲ تا ۱۹۰)

کلام فضول در مسجد

سوال (۵۸۷) کیا حکم ہے شریعت کا اس میں کہ مسجدوں میں فضول باتیں کرنا اور شور وغل مچانا اور لڑنا جھگڑنا اور لغویات بکنا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ مسجدیں عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں ان میں آ کر عبادت میں لگا رہنا چاہیے یا کوئی دین کی بات ہو اس کا بھی مضائقہ نہیں وہ بھی عبادت ہے مگر ایسی واہیات باتوں کے واسطے بیٹھکیں ہوتی ہیں پس مسجد کو بیٹھک ٹھہرانا بہت بری بات ہے۔ یہ لوگ قابل سزا کے ہیں۔

ف یہ مطلب نہیں کہ بیٹھک میں علی الاطلاق جائز ہو بلکہ مقصود یہ ہے کہ علاوہ قباحت ذاتیہ کلام فضول کے یہ عارضی قباحت مزید ہو۔ ۱۲ منہ

فی صحیح البخاری[عہ] عن السائب ابن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذا عمر بن الخطاب فقال اذھب فائتنی بھذین فجئتہ بھما فقال ممن انتما او من این انتما قال من اھل الطائف قال لو کنتما من اھل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اقول المساجد کلھا متساویۃ فی ھذا الحکم[عہ] فقط ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ (امداد اول ص۹۱)

حکم مکالمہ در مسجد

سوال (۷۵۹) جامع مسجد میں جب نمازی لوگ جمع ہوتے ہیں تو باہم دنیا کی باتیں دیر دیر تک کیا کرتے ہیں ان باتوں میں دو ایک باتیں خدا اور رسول کی بھی ہو جاتی ہیں مگر دنیا کی باتیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ ایسا چاہئے یا نہیں اور ایسی باتیں کرنے والے گنہ گار ہوں گے یا نہ؟

الجواب۔ اگر اس میں کوئی معصیت کی بات نہ ہو اور خاص باتیں کرنے کی نیت سے مسجد میں نہ آئے ہوں تو گناہ نہیں۔ لیکن اس کا غالب کرنا ادب مسجد کے خلاف ہے۔
۶ صفر ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص۳۲۲)

جلوس در مسجد برائے تحدث

سوال (۷۶۰) مسجد میں بعد اختتام نماز علاوہ عبادت ونفل کے مثل اپنی ایک نشست کے بیٹھنا جائز ہے کہ نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار والکلام المباح وقیدہ فی الظھیریۃ بان یجلس لاجلہ لکن فی النھر الاطلاق اوجہ وتخصیص مکان لنفسہ وفی رد المحتار عن الطحاوی انہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی ان تنشد الاشعار فی المسجد وان تباع فیہ السلع وان یتحلق فیہ قبل الصلوٰۃ وفیہ ثم وفق بینہ وبین ما ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع لحسان منبراً ینشد علیہ الشعر بحمل الاول علی ما کانت قریش تھجوہ بہ ونحوہ مما فیہ ضرر وعلی ما یغلب علی المسجد حتی یکون اکثر من فیہ متشاغلا بہ الی قولہ مما غلب علیہ کرہ وما لا فلا۔ جلد ا ص۶۹۰ و ص۶۹۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں باتوں کی غرض سے بیٹھنا اور خیر وقت صلوٰۃ میں بھی حلقہ واجتماع کرنا اور خصوص جبکہ نشست کی جگہ بھی خاص کر لی جاوے یہ سب

[عہ] وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم فی امر دنیاھم فلا تجالسوھم فلیس للہ فیھم حاجۃ رواہ بیہقی ۱۲ منہ [عہ] نعم المسجد النبوی اولی واحری باعتبار کون المتحدثین بقرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لکن التساوی باعتبار اصل الحکم ثابت ۱۲ منہ

ناجائز ہے اگر اس کی عادت کرلی جاوے اور اگر نہ اس غرض کے لیے مسجد میں گیا اور نہ اس کی عادت کی بلکہ عبادت کے لیے مسجد میں داخل ہوا تھا لیکن اتفاق سے کوئی بات چیت مباح بھی کرلی یا اس کے لیے احیاناً بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں ۷ ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۹۰)

صحن مسجد و سقف — سوال (۱۱۷۶) (رقم زدہ صدر الافاضل حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب قبلہ مفتی راندیر ضلع سورت)

ناظرین کرام مسلمہ قاعدہ ہے الناس اعداء لما جہلوا۔ انسان کو جس چیز کا علم نہ ہو اُسی کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کو اگر اس مجہول چیز کی ممانعت بھی کردی جائے تو پھر اُس کی دشمنی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے پھر اس کے متعلق اگر کسی سے کوئی غلط خبر بھی سُن لے تو فوراً عدم علم کی بنا پر اس کو حقیقت پر محمول کرکے اپنا زعمی حکم اس پر لگا دیتا ہے اور ہوا کی صورت میں پیش کرکے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے ڈرا دیا جاتا ہے یہی حال فقہ اور اہل حدیث زمانہ کا ہے جہاں کسی نے کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی طرف منسوب کردیا بس اہل حدیث کے دار الافتاء سے تحقیق سے قبل ہی اس پر یہ حکم لگا دیا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کیا۔ اسی طرح فقہ احناف کے اور بہت سے مسائل بے دلیل و غلط ہیں تاکہ پہلے ہی دہلہ میں سُننے والے کے کان کھڑے ہوجائیں کہ یہ کیا مصیبت کہ میں تو ایک مسئلہ پیش کر رہا تھا اور یہاں ضغث علی ابالہ کی صورت ہے اس تحقیق کی ضرورت ہی نہیں کہنے والا۔ خبر دینے والا۔ سوال کرنے والا کسی کتاب معتبر سے نقل کر رہا ہے یا ایسی ہی سُنی سُنائی خبر دے رہا ہے جس مسئلہ کی نسبت فقہ حنفی کی طرف کی گئی ہے واقعی وہ کتب معتبرہ حنفیہ میں ہے بھی یا یونہیں شنیدہ کے بود مانند دیدہ کا مصداق ہے اس کے متعلق اُن کے یہاں کوئی خاص حکم ہے یا نہیں اُنھوں نے تحقیق کی ہے یا اُن کی معتبر کتابوں میں ہے یا نہیں۔

بس یہ کہدینا کافی ہوتا ہے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں فقہ احناف کا یہ مسئلہ بھی بے دلیل و غلط ہے اہل علم بلکہ بزعم قائل اہل تحقیق سے یہ فعل بسا بعید ہے۔

گو یہ کہدینا بھی ایک حد تک کافی ہوتا کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ صحیح نہیں۔ لیکن اس کیساتھ جواب میں یوں فرمانا کہ فقہ احناف کے جس طرح اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں یہ مسئلہ بھی بے دلیل ہے۔ ایک خاص رنگ میں رنگا ہوا فرمان ہے جو گل ست سعدی در چشم دشمناں خار است کا مرقع ہے۔

اس وقت میرے سامنے اخبار اہلحدیث مجریہ ۱۱ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ رکھا ہوا ہے

جس کے چوتھے صفحے کے پہلے کالم پر ایک سوال وجواب کی یہ سُرخی ہے "مسجد کا دالان اور صحن برابر ہیں"
سائل نے یہ بیان کیا ہے کہ بعض فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چھت دار حصہ مسجد ہے اور بلا چھت
والا جو صحن کہلاتا ہے خارج مسجد مثل گھر ہے۔ اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو گھر کا ثواب ملے گا۔
نہ مسجد کا۔ بعض اہل حدیث جو امام مسجد ہیں اس فقہی مسئلہ پر نہایت سختی سے جامد و عامل ہیں
اور دوسروں کو بھی صحن مسجد میں فرض نماز پڑھنے سے بہت شدت کے ساتھ منع کرتے ہیں۔
سوال یہ ہے کہ صحونِ مساجد داخل مساجد ہیں یا خارج۔ اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے
تو مسجد کا ثواب ملے گا یا گھر کا۔؟

الجواب۔ فاقول بحول اللہ وقوتہ۔ فقہ احناف میں جس طرح اور بہت سے مسائل
بلا دلیل ہیں اسی طرح یہ مسئلہ بھی بلا دلیل ہے۔ صحن مسجد داخل مسجد ہے نہ خارج (کالم ۲ تا ط ۶)
پس فقہ کا یہ مسئلہ غیر مدلل ہے کہ صحون مساجد مثل گھر ہیں اگر اس میں فرض نماز پڑھی جائے تو
مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گھر کا ثواب ملے گا بالکل غلط بے اصل بلا دلیل وخلاف طریقۂ انبیاءؑ
وسلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم ہے۔ (کالم ۳ از سطر ۲۱ تا ۲۵) اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہی جیسے
کوئی کہے اہل حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر لچھمن کشن جی زراتشت نفسیوس
بدھا۔ سقراط۔ فیثاغورث انبیاء وصلحاء ہیں۔ ہم ان کی نبوت کا انکار نہیں کرتے۔ ونحن لہ
مسلمون ونبرئہم عما ینسب الیہم اہل الکفر من الشرک والکفر والطغیان۔
(ھدیۃ المھدی ج صہ ۸۵) یا کوئی کہنے لگے کہ اہل حدیث کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ
عورتوں یا لونڈیوں سے دبر میں وطی کرنے پر انکار کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ مختلف فیہ مسئلہ
ہے۔ (ہدیہ صہ ۱۱۸ ج ۱) اور کوئی مجیب یوں جواب دے کہ یہ کیا ان کے یہاں کے بیسیوں مسئلے
غلط اور بے دلیل ہیں تو مذکورہ مجیب صاحب کے قاعدہ کے مطابق بیجا نہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ صحن
مسجد داخل مسجد ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں اور نہ ہی کتب فقہ احناف کا حکم ہے۔
یہ صحیح نہیں کہ فقہاء حنفیہ اس کے خلاف کے قائل ہیں یا ان کی معتبر کتابوں میں اس کے
خلاف حکم ہے یا فقہ حنفی صحن مسجد کو خارج مسجد بتاتا ہے نہ سائل نے اس کی تحقیق کی اور نہ
مجیب صاحب نے تحقیق کی تکلیف گوارا فرمائی جواب میں اس کا امکان تھا کہ کہدیا جاتا کہ
کہ اگر فقہ حنفی میں اسی طرح ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ صحن مسجد داخل مسجد ہے۔ اس پر اس
زیادتی کی ضرورت نہ تھی کہ اور بھی بہت سے مسائل بلا دلیل ہیں۔ کیونکہ سوال سے

اس کا تعلق ہی نہیں اور نہ سائل کا بظاہر مقصود۔ نیز جواب میں اس کا بھی امکان تھا کہ لکھ دیا جاتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی کتابیں اس کے خلاف شاہد ہیں (بشرطیکہ مجیب صاحب مطالعہ کر لیتے) لیکن آسان و سہل طریقہ یہی تھا کہ جہاں اور بہت سے مسائل فقہ احناف کے بے دلیل ہیں یہ مسئلہ بھی (اگر فقہ حنفی میں ہو) بے دلیل وغلط ہے اس آسان صورت کو چھوڑ کر صعوبت مطالعہ کیوں اختیار کی جاتی اور عوام کو کیوں بتایا جاتا کہ ان کا یہ مسئلہ نہیں ہے اور ان کے یہاں صحن مسجد بھی مسجد میں داخل اور مسجد ہی ہے مقصود اصلی اور بہت سے مسائل کو بے دلیل بیان کرنا تھا وہ اس جواب سے حاصل ہو گیا۔ تاکہ عوام فقہ احناف سے کنارہ کش رہیں اور سوء ظنی پر عمل پیرا ہوں جو شایانِ شان اہل علم ہے ماشاء اللہ وچشم بددُور لہٰذا تکلیف فرمانے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

مسجد ایسی زمین ایسی جگہ ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے عبادت نماز کے لیے وقف کر دیا ہو۔ اپنی مِلک سے نکال کر خدا کی مِلک میں اس لیے دیدے کہ اُس میں اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت نماز وفرض ادا کی جائے اس میں اس کی ضرورت نہیں کہ اُس پر عمارت بنی ہوئی ہو یا نہ ہو بس اس زمین کی جو حدود معینہ ہیں اس کے ہر ہر جزو پر مسجد ہونا صادق ہے اس کا ہر حصہ مسجد ہوتا ہے جو مسجد کے احکام ہیں وہ اس پر صادق ہیں چونکہ موسم کا اختلاف رہتا ہے اور نماز ہر موسم میں فرض ہے جس کو اسلامی شان وشعار کی وجہ سے مسجد میں ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے اس وقف شدہ زمین پر سردی گرمی بارش سے محفوظ رہنے کے لیے عمارت بنائی ضروری ولازمی ہے اس لحاظ سے عرف میں اس زمین اور عمارت کو مسجد کہا جاتا ہے اور شرعاً بھی دونوں پر مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اس چہار دیواری کے اندر جس سے وقف شدہ زمین کو گھیرا ہے جو خاص اس وقف شدہ زمین کی حدود کو معین کرتی ہے جتنی زمین ہو گی اُس پر عمارت ہو یا نہ ہو مسجد کہلائے گی۔ دالان صحن سب اس میں داخل ہیں۔ اعلم انه لا یشترط فی تحقق کونه مسجدا البناء لما فی الخانیة لو کان له ساحة لا بناء فیها امر قومه بالصلوٰة فیها بجماعة قالوا ان امرهم بالصلوٰة ابدًا او امرهم بالصلوٰة فیها بالجماعة ولم یذکر الابد الا انه اراد بها الابد ثم مات لا یکون میراثا منه (طحطاوی علی الدر المختار صـ۵۳۶ ج ۲)۔ لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائه (طحطاوی صـ۵۴۶ مکتوب)

اس عبارت نے تصریح کر دی کہ مسجد ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس پر عمارت ہی بنی ہو

بلکہ بغیر عمارت کی زمین بھی مسجد ہوتی ہے۔ ساحت بمعنی میدان وفف ہو جس میں کچھ عمارت نہ ہو اور یہی لفظ آنگن اور صحن مکان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جس زمین کو مسجد قرار دیا ہے اس کے اطراف کو جس چیز نے معین کیا ہو وہ مسجد کی دیواریں اس چہار دیواری میں جو کام ہوگا اُس کے لئے یہ کہا جائے گا کہ یہ کام حد مسجد میں ہوا ہے۔ حد مسجد مسجد ہو اسی لیے اس کی تصریح کردی گئی منتظم مسجد کو حد مسجد میں دوکانیں بنانی جائز نہیں کہ اُن کی وجہ سے مسجد کی حرمت باقی نہیں رہتی۔

فقہائے احناف نے ہر اس حصۂ مسجد کو جو حد مسجد میں داخل ہے مسجد سمجھا اور مسجد کے احکام اُس پر جاری کیے اس لیے انھوں نے اکثری حالت میں مسجد کے حصص و درجات کی تفریق نہ کی بلکہ مسجد ہونے کے اعتبار سے ہر حصہ کو مسجد ہی کے نام سے پکارا۔ اور اس پر مسجد کا لفظ اطلاق کیا جو اس امر کی بیّن دلیل ہو کہ حد مسجد میں جتنی زمین ہو سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب مسجد ہے۔

افضل المساجد مكة ثم المدينة ثم القدس ثم قبا ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب اھ (درمختار) اى مسجد مكة وكذا ما بعده الى قوله الاقدم وفى تسهيل المقاصد للعلامة احمد بن العماد ان افضل مساجد الارض الكعبة لانه اول بيت وضع للناس ثم المسجد المحيط بها لانه اقدم مسجد بمكة ثم مسجد المدينة اھ (رد المحتار ص ۲۱۲ ج ۱)

اس عبارت سے افضلیت مساجد کو بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی عموم کے ساتھ کہ جس میں صحن یا دالان کی تخصیص نہیں کی گئی ثم المسجد المحيط بها اس کی بیّن دلیل ہو۔ اسی سے ثابت ہے کہ حنفیہ کے نزدیک صحن مسجد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ کون نہیں جانتا کہ جو مسجد بیت اللہ کو محیط ہے اس کے اندر چاروں طرف میدان اور کھلی ہوئی جگہ ہو جس پر کچھ عمارت نہیں ہو جو بیت اللہ کا صحن کہلاتا ہے اس کو مذکور عبارت میں مسجد قرار دیا ہے اور اس زمین پر مسجد کا اطلاق کردینا جس کو مسجد کی دیواریں محیط ہیں جن کو حد مسجد کہا جاتا ہے صحن کے مسجد ہونے کی دلیل ہے خارج ہونے کی حالت میں ثم المسجد المحيط بها القول قائل صحیح نہیں۔

وكره غلق باب المسجد الا لخوف على متاعه به يفتى (درمختار) قال فى البحر وانما كره لانه يشبه المنع من الصلوة قال تعالى ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه (رد المحتار ص ۲۴۶ ج ۱)

فقہائے کرام کا مسجد کے دروازہ کے بند کرنے پر ممانعت و کراہت کا حکم لگانا اس امر کی

روشن دلیل ہے کہ حد مسجد میں جتنی جگہ ہے سب مسجد ہے ورنہ باب مسجد نہ کہتے بلکہ جماعت خانہ یا دالان یا سقف عمارت کے دروازہ کے بند کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں کہ بزعم زاعم اُن کے نزدیک یہی مسجد ہے عرف میں عام طور پر مسجد کا مفہوم ہر شخص مسلمان کے ذہن میں ہے - اس لیے کسی حصہ کی تخصیص کرنا چہ معنی دارد کا مضمون ہو جاتا - ہر شخص سمجھتا ہے کہ صحن میں نماز پڑھی گئی تو مسجد ہی میں پڑھی گئی - جب دروازہ کو بند کیا جو حد مسجد میں لگا ہوا ہے مسجد کے دروازہ کو بند کیا گیا جس میں صحن اور دالان دونوں داخل ہیں و اتخاذہ طریقا بغیر عذر وصرح فی القنیۃ بفسقہ باعتیاد (درمختار) مسجد کو آمد و رفت کے لیے گزرگاہ اور راستہ مقرر کرنے کی ممانعت فقہ حنفی میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وہیں ہوگا جہاں مسجد کے دو تین دروازے ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عموماً مساجد کے دالانوں میں یا جسے جماعت خانہ کہا جاتا ہے اس میں پیچھے سے نکل جانے کے لیے دروازے لگائے نہیں جاتے بلکہ یہ صورتیں بڑی مسجدوں میں ہوتی ہیں جن میں زمین وافر کشادہ اور صحن وغیرہ ہوتے ہیں بقول زاعم اگر صحن مسجد سے خارج ہوا اور فقہ حنفی اس کو خارج شمار کرتی ہو تو ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانے پر اعتیاد کی حالت میں فسق کا حکم نہ لگایا جاتا اس لیے کہ صحن کو مسجدیت سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن ممانعت کر دی گئی اس لیے کہ صحن بھی مسجد ہے اس کو گزرگاہ بنانا مسجد ہی کو گزرگاہ بنانا ہے کیونکہ حد مسجد میں داخل ہے -

والوضوء الا فیما اعد لذلک (درمختار) وفی الخلاصۃ وغیرھا یکرہ الوضوء والمضمضۃ فی المسجد الا ان یکون موضع فیہ اتخذ للوضوء ولا یصلی فیہ اھ (بحر الرائق ص۳۲ ج۲)

فقہ حنفی میں عام طور پر مسجد میں وضو کرنے کلی کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور کون عقلمند نہیں جانتا کہ وضو کرنا یا وضو جیسے اور کوئی کام کرنا اُس جگہ نہیں ہوتے جہاں چھت بنی ہوئی ہے جو کہ مسقف حصہ کہلاتا ہے جس کو دالان کہا جاتا ہے جہاں حسب حیثیت نمازیوں کے لیے فرش بچھا ہوتا ہے بلکہ ایسے کام اگر ہوں گے تو ایسی جگہ ہوں گے جو کھلی ہوئی ہو جس کو آج کل صحن کہتے ہیں چونکہ فقہاء کے نزدیک صحن بھی مسجد ہے اس لیے اس میں وضو وغیرہ کرنے سے منع کر دیا تاکہ مسجد قاذورات سے پاک و صاف رہے ہاں اگر اس میں سے کسی حصہ کو وضو ہی کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے اس جگہ وضو کی اجازت ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد میں داخل ہے اس سے زیادہ صریح عبارت یہ ہے -

وفی حاشیۃ المدنی عن الفتاویٰ المعفیفیۃ ولا یظن ان ما حول بیر زمزم

یجوز الوضوء والغسل من الجنابة لان حریم زمزم یجری علیه حکم المسجد فیما مل معاملتها من تحریم البصاق والمکث مع الجنابة فیه ومن حصول الاعتکاف فیه واستحباب تقدیم الیمنی بناء علی ان الداخل من مسجد لمسجد لیس له ذلك اھ (رد المحتار ص۴۶۴ ج۱)

اِس عبارت فقہی میں تصریح ہے کہ چاہ زمزم کے گرداگرد اور اُس کے حریم وماحول میں حدث وجنابت کا وضو وغسل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس پر مساجد کے احکام جاری ہیں اس جگہ تھوکنا جنابت کی حالت میں ٹھیرنا حرام ہے۔ اس جگہ اعتکاف کرنا جائز ہے۔ دہنے پاؤں کو پہلے رکھنا مستحب ہے کیونکہ داخل مسجد کے لیے مسنون یہی ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ چاہِ زمزم کی جگہ صحن مسجد اور حد مسجد میں واقع ہے حد مطاف سے باہر ہے اگر فقہ حنفی میں صحن مسجد مسجد نہ ہوتا تو یہ احکام مذکورہ حریم زمزم پر جاری نہ کرتے۔

مگر چونکہ فقہاء کے نزدیک جب کسی جگہ کا مسجد ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے ہر حصہ کو مسجد کے لفظ سے ذکر کیا کرتے ہیں۔ اس مجموعی جگہ کو مسجد ہی کہتے ہیں۔ اس لیے احکام مسجد کے بیان کرنے میں اسی لفظ مسجد کو استعمال کرتے ہیں اس میں تفریق نہیں کرتے اور صحن وغیرہ کو علیحدہ علیحدہ بیان نہیں کرتے۔ وغرس الاشجار الا لنفع کتقلیل نز تکون للمسجد اھ (درمختار) قال فی الخلاصة غرس الاشجار فی المسجد لاباس به اذا کان فیه نفع للمسجد بان کان المسجد ذانز والاسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لایجوز اھ۔ وفی الهندیة عن الغرائب ان کان لنفع الناس بظله ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لاباس به وان کان لنفع نفسه بورقه او ثمرة او یفرق الصفوف او کان فی موضع تقع به المشابهة بین البیعة والمسجد یکره اھ (رد المحتار ص۴۶۳ ج۲) وبحر عن الظهیریة وغیرها ص۳۵ ج۲۔ ومنحة الخالق ص۳۵ ج۲۔ وعالمگیری عن فتاوی قاضی خان ص۱۱۱ ج۲)

ظہیریہ۔ خلاصہ۔ فتاویٰ قاضی خان۔ عالمگیری۔ درمختار۔ ردالمحتار۔ بحر الرائق وغیرہ کتابوں میں مصرح ہے کہ مسجد میں درخت لگانا جس سے مسجد کو یا نمازیوں کو کسی قسم کا نفع نہیں ہے جائز نہیں ہے ہاں اگر مسجد کے مصالح کے لیے درخت لگائے تو جائز ہے۔ مثلاً زمین مسجد میں اتنی نمی اور تری ہو جس کی وجہ سے مسجد کے ستون یا دیواریں قائم نہیں رہتی ہیں اور مسجد میں درخت لگا دینے سے اس

نمی میں کمی ہوجاتی ہے تو جائز ہے یا نمازیوں کے سایہ کے لیے لگادیا تو جائز ہے۔ بشرطیکہ صفوں میں تفریق نہ واقع ہو۔ لوگوں پر تنگی نہ ہو جائے۔ غیر مسلم کے عبادت خانوں، گرجہ، کنیسہ کے ساتھ مسجد کو مشابہت نہ ہو۔

دنیا جانتی ہے کہ درخت واشجار کھلی ہوئی جگہ میں لگائے جاتے ہیں مسقف اور سائبان والی زمین اور دالان میں شجر درخت نہیں لگائے جاتے فقہاء کہتے ہیں۔ بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت لگانا جائز نہیں۔ اِس لفظ مسجد سے صحن ہی مراد ہے کہ وہ کھلی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور لنفع الناس بظله نے اس کو اور بھی واضح کر دیا کہ اس سے صحن میں درخت لگانا مراد ہے جہاں سایہ کی کوئی چیز باعتبار عرف نہیں ہوتی ورنہ دالان میں تو خود سایہ ہوتا ہے وہاں درخت کے سایہ کی ضرورت نہیں ہوئی۔ چونکہ فقہاء کرام حد مسجد کے اندر جو زمین ہوتی ہے۔ سائبان والی ہو یا بغیر سائبان کے سب کو مسجد ہی کہتے ہیں۔ اس لیے احکام مسجد کے بیان کرنے میں حصص کی تفریق نہیں کرتے صحن بولنے کی جگہ پر بھی مسجد کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمادیا کہ مسجد کا ہر حصہ محترم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی ایسا کام نہ ہونا چاہیے جو شانِ مسجد کے خلاف ہو۔ لہذا بغیر ضرورت کے مسجد میں درخت بھی نہ لگانا چاہیئے شجر سے بڑے بڑے درخت ہی مراد ہیں جن سے سایہ حاصل کیا جاسکے۔ جن کی جڑیں زمین میں پیوست ہوکر زمین کی نمی کو جذب کریں۔ پھولوں وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے درخت مراد نہیں۔ جو گملوں وغیرہ میں رکھے جاتے ہیں گو اس غرض کی ضرورت نہ تھی۔ مگر دُنیا عقلمندوں سے خالی نہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ کوئی عقلمند اپنی ذہنی جدت سے عبارت مذکورہ کو کسی دوسری شکل میں ڈھالنے لگے اور کوئی دبی شبہ پیش کردے۔ لہذا پہلے ہی متنبہ کردیا گیا ہے کہ اس جدت کی یہاں حاجت نہیں۔

مسجد میں درختوں کی کثرت ہوگی تو نمازیوں کو ضرور تنگی پیش آئے گی جس کی وجہ سے نماز پڑھنے میں تکلیف ہوگی۔ اور یہی کثرت صفوں کی بھی تفریق کردے گی۔ جو بڑی جماعتوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوگی جن میں مقتدیوں سے صحنِ مسجد بھی بھرجاتا ہے اور گرمی کے زمانہ کی نمازوں میں جن کے لیے عموماً صحن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ درختوں کی کثرت کا اثر تفریق صفوف اور ضیق ناس کی صورت میں ظاہر ہی ہوکر رہے گا۔ بلکہ ایک درخت بھی بعض اوقات اقامتِ صف میں مانع ہوگا۔ بغیر ضرورت کے بعض نے درخت لگانے کی اجازت دیدی تھی مسجد وسیع ہونے کی صورت میں اس کی بھی تردید کردی گئی۔

فرد علیہ بانہ لا یلزم من ذلک حل الغرس الا للعذر المذکور لان فیہ شغل ما اعد للصلوٰۃ و نحوھا وان کان المسجد واسعًا او کان فی الغرس نفع بثمونہ والا لزم ایجار قطعۃ منہ ولا یجوز ابقاءہ ایضًا لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام لیس لعرق ظالم حق لان الظلم وضع الشی فی غیر محلہ وھذا کذلک الخ (رد المحتار نقلا عن رسالۃ العلامہ ابن امیر حاج صہ ۶۶۴ ج ۱) قولہ والا فلا دلیل علی انہ لا یجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاءہ بہ لغیر ظل العذر ولو کان المسجد واسعًا کمسجد القدس الشریف ولو قصد بہ الاستغلال للمسجد لان ذلک یؤدی الی تجویز احداث دکان فیہ وبیت للاستغلال او تجویز ابقاء ذلک بعد احداثہ ولم یقل بذلک احد الا بضرورۃ داعیۃ ولان فیہ ابطال ما بنی المسجد لاجلہ من صلوٰۃ واعتکاف و نحوھما اھ (منحۃ الخالق صہ ۳۷ ج ۲)

جس شخص کی نظر اس عبارت پر ہو گئی وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فقہ حنفی میں صحن کو مسجد سے خارج کر دیا گیا ہے مسجد اقصیٰ کوئی چھوٹی سی مسجد نہیں ہے بڑی اور بہت بڑی مسجد ہے۔ جب اسمیں بغیر ضرورت مسجد کے درخت لگانے کی اجازت نہیں تو اُس جیسی وسیع مسجدوں میں بھی نہیں۔ اسلئے کہ جیسا احداث دوکان وغیرہ کو مستلزم ہے جو بغیر ضرورت داعیہ اور بغیر اشد مجبوری کے جائز نہیں ہے۔ بلکہ درخت لگا دینے سے مسجد کی مسجدیت باطل ہوئی جاتی ہے کہ مسجد کو نماز و اعتکاف وغیرہ کے لیے بنایا گیا۔ اب اس میں درختوں کی کاشت شروع کر دی گئی۔ ان جملہ اُمور سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ فقہاء صحن پر مسجد کا حکم لگا رہے ہیں۔ اور ان جملہ اُمور کو صحن مسجد میں احداث کرنے سے منع کرتے ہیں کہ وہ مسجد ہے اُس کی بھی حرمت اسی طرح کی ہے جس طرح مسقف اور دالان کی حرمت ہے لیکن صحن کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ اُس پر لفظ مسجد اطلاق کر دیا تاکہ مسجدیت کے لحاظ سے جو تفریق کا وہم ہوتا ہو وہ مٹ جائے۔

قالوا ولا یتخذ فی المسجد بیر ماء لانہ یخل بحرمۃ المسجد فانہ یدخلہ الجنب والحائض و ضامن بما حفر الا ان ما کان قدیمًا فیترک کبئر زمزم فی المسجد الحرام اھ (بحر الرائق صہ ۳۵ ج ۲ - رد المحتار صہ ۳۸۲ ج ۳) فقہاء نے مسجدوں میں کوئیں کھودنے سے بایں وجہ منع کر دیا کہ اس سے مسجد کا احترام باقی نہیں رہتا اگر مسجد میں کنواں ہوگا۔ تو پانی کے لیے جنبی حائضہ وغیرہ سب ہی پانی بھرنے کے لیے مسجد میں آمد و رفت کریں گے جس سے

حرمت مسجد جاتی رہے گی ہاں اگر کوئی کنواں قدیم زمانہ سے مسجد میں موجود ہے۔ چنانچہ مسجد حرام میں چاہ زمزم ہے تو اُس کو اِس طرح باقی رکھا جائے گا۔

ہر ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ اکثری حالت میں عام طور پر مساجد کے دالانوں اور مسقّف عمارتوں میں کنواں نہیں بنوایا جاتا۔ بلکہ کھلی ہوئی جگہ میں جو صحنِ مکان یا صحن مسجد یا فناء مسجد ہوگی۔ فقہاء مسجد میں کنواں کھودنے کو منع کرتے ہیں اور وہ صحن میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ صحن میں کنواں نہ کھودو۔ کیونکہ مسجد ہے۔ اور اس کی وجہ سے مسجد کا احترام جاتا رہے گا۔ مثال میں چاہِ زمزم کو بیان کرنا دلیل روشن ہے کہ فقہاء کے کلام میں مسجد سے صحنِ مسجد مراد ہے۔ ورنہ چاہِ زمزم کو دنیا جانتی ہے کہ صحن مسجد حرام میں ہے۔ اور جب یہ کہدیا کبئر زمزم فی المسجد الحرام تو کہدیا کہ صحنِ مسجد میں داخل ہے۔ اس میں نماز پڑھنے سے مسجد ہی کا ثواب ملتا ہے۔ اُس کو مجنونوں، بچوں، ناپاکوں، حائضہ ونفاس والی وغیرہ عورتوں سے پاک وصاف رکھنا چاہیے۔

نعم یوجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشی فیها وقت المطر ونحوه لالاجل الصلوٰة اوللخروج من الجامع لالمرور المارین مطلقاً کالطریق العام فلعل هذا هوالمراد فمن له حاجة الی المرور فی المسجد یمر فی ذلک الموضع فقط لیکون بعیدا عن المصلین ولیکون اعظم حرمة لمحل الصلوٰة فتامل (ردالمحتار ص۳۵۵ ج ۳)

اِس عبارت میں صحن کا بھی ذکر آ ہی گیا۔ اور اس نے تصریح کردی کہ صحن مسجد ہے اور مسجد میں داخل ہے اور اطرافِ مسجد کے صحن جو صحنچیاں دالان مسقف بارش ودھوپ وغیرہ کے وقت چلنے اور نماز پڑھنے اور جامع مسجد سے باہر جانے کے لیے بنادیئے جاتے ہیں جب وہ مسجد ہیں تو صحن جو وسط میں ہوتا ہے بطریق اولیٰ مسجد ہے۔ حاجت کے وقت ان رواقات میں مرور کی اجازت دینی اور صحن کو گزرگاہ نہ بننے دینا اس سے بچکر جانے کا حکم دینا صحن کو مسجد بناتا ہے اور یہ کیوں کیا گیا اِس لیے کہ اِس کا مرور نمازیوں سے بعید واقع ہو۔ اور محل صلوٰة کی حرمت برقرار رہے۔ بلکہ اعظم حرمت ہوجائے۔ ان رواقات میں سے بھی ایسے وقت گزرے کہ جنبی اور حائضہ وغیرہ نہ ہو۔ وجاز لکل احد ان یمرفیه حتی الکافر الا الجنب والحائض والدواب زیلعی اھ (درمختار ص۳۹۵) جنبی حائض کو اس میں گزرنے سے منع کردینا باعلیٰ ندا پکارتا ہے کہ صحن مسجد ہے اس کے اوقات میں سے ایسی حالت میں گزرنا جائز نہیں کہ

مسجد کی حرمت میں کچھ فرق آئے- قلت وبھذا علم ایضا حرمۃ احداث الخلوات فی المساجد کالتی فی رواق المسجد الاموی ولا سیما ما یترتب علی ذلک من تقذیر المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوہ اھ (ردالمحتار صفحہ ۳۸۲ ج ۳)

مساجد میں احداث خلوات کی حرمت کی تصریح کرنی اور مثال میں رواق مسجد اموی کے خلوات کو پیش کرنا جو اطراف صحن میں ہوتا ہے اُس کو بتلاتا ہے کہ رواق مسجد ہے اور جب صحن کے اطراف مسجد ہیں تو وسط مسجد جس کو صحن کہا جاتا ہے مسجد ہو کر ہی رہے گا اور طبخ وغسل وغیرہ اُس کے مسجد ہونے کو اور واضح اور روشن کردے گا جس کی وجہ سے مسجد قاذورات کا محل بن جاتی ہے-

رواق جس طرح مقدم البیت (چھجا) اور چھت گیری اور سقف (چھت) کو کہتے ہیں اسی طرح اس دالان کو بھی کہتے ہیں جو بڑی مسجدوں کے اطراف میں ہوتا ہے جس کو صحنچی کہتے ہیں- غرض جو شخص ان موٹے موٹے جزئیات فقہیہ پر سرسری نظر ڈالے گا- وہ یقیناً باسانی اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ فقہ حنفی میں صحن مسجد ہے اور فقہاء حنفیہ احکام مسجد کے بیان کے وقت حدِ مسجد میں جتنی جگہ ہے سب کو مسجد ہی کے نام سے پکارتے ہیں- ہاں کبھی کبھی کسی خاص حکم کے بیان کرنے کے وقت خاص خاص حصّوں کو متعین کردیتے ہیں لیکن مسجد ہونے سے باہر نہیں کرتے جہاں کہیں فقہاء سنت فجر کے ادا کرنے کو بیان فرماتے ہیں وہاں اس تفریق کو ذکر کرتے ہیں

کما فی المحیط ولو صلاھا فی المسجد الخارج والامام یصلی فی الداخل قیل لا یکرہ لانہ لا یتصور بصورۃ المخالفۃ للقوم لاختلاف المکان حقیقۃ اھ ثم السنۃ فی السنن ان یاتی بھا فی بیتہ او عند باب المسجد وان لم یمکن ففی المسجد الخارج وان کان المسجد واحدا فخلف الاسطوانۃ ونحو ذلک او اٰخر المسجد بعید اعن الصف فی ناحیۃ منہ اھ (البحر الرائق صفحہ ۷۲ ج ۲) ثم السنۃ فی سنۃ الفجر ان یاتی بھا فی بیتہ او عند باب المسجد وان لم یمکن ففی المسجد الخارج وان کان المسجد واحدا فخلف الاسطوانۃ ونحو ذلک اھ (منیۃ المصلی صفحہ ۳۹۰) والا صلاھا فی الشتوی او الصیفی ان کان المسجد موضعان (ردالمحتار صفحہ ۵۰۳ ج ۱) فان کان الامام فی الصیفی فصلاتہ ایاھا فی الشتوی اخف من صلوتھا فی الصیفی و عکسہ اھ (فتح القدیر)-

ان عبارتوں میں مسجد شتوی اور مسجد داخل اور مسجد صیفی اور مسجد خارج چار لفظ موجود ہیں اِن سے ثابت ہے کہ مسجد کے کبھی ۲ دو حصے بھی ہوتے ہیں جو حصہ بارش اور سخت دھوپ اور سردی وغیرہ سے بچنے کے لیے نماز کے واسطے مقرر کیا جائے اُس کو مسجد شتوی اور مسجد داخلی کہا جاتا ہے اسی کو مسقف اور چھت والا مکان سایہ دار جگہ جماعت خانہ اور کبھی دالانِ مسجد کہا جاتا ہے اور کبھی دالانِ مسجد مسجد شتوی سے علیحدہ چیز ہوتی ہے۔ جبکہ مسجد کے تین درجے ہوں جیسے برآمدہ اور کسی جگہ برانڈہ بھی کہتے ہیں۔

اور جو حصہ گرمی کے زمانہ میں ہوا وغیرہ نہ ہونے کے وقت نماز کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اُس کو مسجد صیفی اور مسجد خارجی کہا جاتا ہے اُسی کو صحن مسجد کہتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ کتب فقہ احناف میں اُس کی تصریح ہے۔ ان یاتی بالسنۃ عند باب المسجد ان امکنہ بان وجد هناك مكانا يصلح للصلوٰۃ وان لم يتيسر له ذلك ففی المسجد الخارج يعنی فی صحن المسجد اذا کان الامام والقوم فی داخلہ الخ التعليق المجلی نقلا عن الحليۃ لابن الامير الحاج صفہ ۳۹۴) جب یہ تصریح موجود ہے تو یہ کہنا کہ فقہ احناف میں صحن کو مسجد سے خارج کر دیا ہے اور جو صحن مسجد میں نماز پڑھے اُس کو مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہیں ملتا غلط اور بالکل غلط ہے فقہائے کرام تو حد مسجد کی مجموعی زمین کو کہتے ہیں صحن توسط مکان کا نام ہے۔ اس کو مسجد سے کس طرح خارج کر سکتے ہیں۔ صحن الدار وسطها وصحن الفلاۃ هوما تسبع منها (المصباح المنير صفہ ۱۵۲ ج ۱) صحن الدار وسطها (مختار الصحاح صفہ ۳۵۷) صحن الدار ساحتها او وسطها (المنجد صفہ ۲۷۵) صحن میان خانہ (منتخب صفہ ۲۳۷ صحن خانہ وزمین ہموار (غیاث صفہ ۳۰۵) اکثری حالت میں صحن وسط مکان کے معنی میں آتا تھا اسلیئے فقہائے ہر جگہ مسجد کے بیان میں لفظ صحن استعمال نہیں کیا۔ کیونکہ وسط مکان مکان ہی میں داخل ہوتا ہے پھر صحن مسجد کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب چونکہ عرف کے اعتبار سے صحن اسی خاص جگہ کو بولنے کہنے لکھنے لگے جو حد مکان میں کھلی ہوئی بے سائبان والی جگہ ہوتی ہے اسلئے کتب میں کہیں کہیں خصوصیت کے ساتھ اس لفظ کی تصریح کر دینی پڑی۔ ورنہ فقہائے کے نزدیک مسجدیت کے اعتبار سے اُس کا کوئی حصہ کسی خاص نام کیساتھ خصوصیت کے ساتھ ممتاز نہیں ہے ہاں کسی خاص حکم کے بیان کرنیکے وقت کبھی کسی خاص لفظ کو استعمال کر دیتے ہیں۔ اِسی صحن کو لیجئے کہ کبھی تو یہی لفظ صحن لکھتے ہیں اور کبھی اُسکو فضائے سے تعبیر کرتے ہیں۔

وفی النوازل جعله کالمسجد والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم فان ربعه کان علی اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشریف اعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثة الاقصی والصخرة والبیضاء کذا فی البزازیه ومثله فی شرح المنیة واما قوله فی الدرر ولا یمنع من الاقتداء الفضاء الواسع فی المسجد وقیل یمنع اھ فانه وان افاد ان المعتمد عدم المنع لکنه محمول علی غیر المسجد الکبیر جدا کجامع خوارزم والقدس بدلیل ما ذکرناه اھ (رد المحتار ص۴۱۱ ج۱)۔

عبارت مذکورہ میں الفضاء الواسع فی المسجد ہے جو صحن کا عنوان وبیان ہے، چونکہ بہت بڑی مسجدوں میں صحن بھی انھیں کی حیثیت کا ہوتا ہے اس لیے اُس کو فضاء واسع سے تعبیر کر دیا کبھی اس کو رحبۃ المسجد اور ساحۃ المسجد اور عرصۃ المسجد سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے شخص پر مخفی نہیں جس نے کتب فقہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔

ہاں اس کا بھی خیال رہے کہ فقہائے احناف کے یہاں ایک مسجد ہوتی ہے اور ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو مسجد تو نہیں ہے لیکن بعض اوقات اس کو مسجد کے حکم میں شمار کرتے ہیں جس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہیں۔

کفناء مسجد ھو المکان المتصل به لیس بینه وبینه طریق فھو کالمتخذ لصلوٰۃ جنازة وعید فیما ذکر من جواز الاقتداء وحل دخوله بجنب ونحوه کما فی آخر شرح المنیة (رد المحتار ص۴۶۱ ج۱)۔ جس کو فناء مسجد کہا جاتا ہے جو حد مسجد سے خارج جگہ ہوتی ہو اُس میں جنبی وغیرہ کا داخل ہونا جائز ہے لیکن اقتداء وغیرہ کی حالت میں اُس کو مسجد کے حکم میں کر دیا ہے نیز اس میں بھی ایسے کام کرنے سے بعض وقت فقہاء منع کر دیا کرتے ہیں جس سے شانِ مسجد میں فرق آئے۔ اور اس کی حرمت برقرار نہ رہے۔

فناء المسجد ما کان علیه ظلة المسجد اذا لم یکن ممر العامة المسلمین اھ (بحر ص۲۴۹ ج۵ وطحطاوی علی الدر المختار ص۵۳۶ ج۲) فناء الدار ما امتد من جوانبھا والجمع افنیة اھ (مختار الصحاح ص۵۱۳) الفناء للوصید وسعة امام البیت وقیل ما امتد من جوانبھا (الصباح ص۶۱ ج۲) الساحة امام البیت (المنجد ص۹۲) بکسر اول بمعنی حوالی ونواحی بمعنی گرداگرد خانہ وپیش سرائے کہ کشادہ وفراخ باشد (غیاث صفحہ ۳۷۹) پیش خانہ کہ فراخ وکشادہ باشد گرداگرد خانہ (منتخب صفحہ ۲۶۔ فنا حوالی وگرداگرد مکان کاخ

مکان کے دروازہ کے آگے کشادہ صحن (لغات کشوری صفحہ ۳۹۳)-

غرض فناء مسجد وہ جگہ ہوتی ہے کہ حد مسجد سے خارج ہو۔ مسجد کے چاروں طرف ہو۔ یا صرف مسجد کے سامنے ہو۔ مگر فقہاء اس میں بھی بغرض اشد ضرورت وحاجت کے کوئی کام نہیں ہونے دیتے جس سے مسجد کی شان میں فرق پیدا ہو اور مسجد کی حرمت باقی نہ رہے۔

لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فناءہ الخ (بحر ص۲۴۹ والطحطاوی ص۵۳۶ ج۲) حد مسجد اور فناء مسجد میں دوکانیں بنانے کی اسی لیے ممانعت کردی کہ ان کی وجہ سے عوام کی آمد ورفت ہوگی اور پھر مسجد میں اور بازار میں کچھ فرق نہ ہوگا اور ان دوکانوں کیوجہ سے مسجد کی صفائی بھی باقی نہ رہے گی۔ اس میں پاک وناپاک سب ہی قسم کے لوگ آنے جانے لگیں گے مگر با ایں ہمہ مسجد میں داخل نہیں اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں۔ ہاں نماز وغیرہ کے وقت اتصال صفوف واقتداء بالامام میں حکم مسجد دیا ہے۔

بنی فی فنائہ فی الرستاق دکانا لاجل الصلوٰۃ یصلون فلہ حکم المسجد (بحر ص۲۵ ج۵) ذکر فی البحر عن المجتبیٰ ان فناء المسجد ثم قال وبہ علم ان الاقتداء فی کل وقت من صحن الخانقاہ الشیخونیۃ بالامام فی المحراب صحیح وان لم تتصل الصفوف لان الصحن فناء المسجد وکذا اقتداء من بالخلاوی لسفلیۃ صحیح لان ابوابھا فی فناء المسجد الخ ویاتی تمامہ وفی الخزائن ان فناء المسجد ھو ما اتصل بہ ولیس بینہ وبینہ طریق اھ قلت یظھر من ھذا ان مدرسۃ الکلاسۃ والکاملیۃ من فناء المسجد الاموی فی دمشق لان بابھا فی حائطہ وکذا المشاھد الثلثۃ التی فیہ بالاولیٰ وکذا ساحۃ باب الجرید والحوانیت التی فیھا اھ ردالمحتار (ص۴۱ ج۱)

فقہاء کبھی صحن کو لفظ خلاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

قولہ کمسجد وبیت خان المسجد مکان واحد ولذا لم یعتبر فیہ الفصل بالخلاء الا اذا کان المسجد کبیر اجدا (ردالمحتار ص۱۲۴ ج۱) الخلاء ایضاً للمکان الذی لا شئ بہ (مختار الصحاح ص۱۸۵ ج۱) او خلاء ای فضاء فی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس (درمختار) عبارت مذکورہ میں خلا سے صحن مسجد مراد ہے جس میں کوئی عمارت وسائبان وغیرہ کچھ نہیں ہوتا اور اس پر قرینہ لم یعتبر فیہ الفصل بالخلاء ہے کہ گو فضا اور خلا بھی ہو جب بھی اقتدا صحیح ہے اس لیے کہ مسجد مکان واحد ہے اور یہ خلا مسجد ہی ہے۔ لہٰذا اتصال کو مانع نہیں ہے اور درمختار کی عبارت

اس کے لیے شاہد عادل ہے۔

وقد وقعت حادثة سئلت عنها فی امیر ارادان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی صفح قاسیون بدمشق لیبلط بها صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعة للشرنبلالی (رد المحتار صـ۳۸۲ ج ۳) یہ عبارت صریح دلیل ہے کہ صحن مسجد ہے کیونکہ بحث اس میں ہے کہ ایک مسجد کا اسباب دوسری مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ جب شرط مسجد کا وجود تحقیق کامل طور پر ہو جائے گا فقہاء کے نزدیک وہ مسجد ہو جائے گی۔ اور جب تک شروط کا تحقیق نہ ہو وہ مسجد نہیں ہو سکتی لان المسجد لا یخرج عن المسجدیة ابدا۔ (رد المحتار صـ۳۴۵ ج ۳)

لہٰذا اگر کسی جگہ پر کسی عبارت فقہی سے شبہ پیدا ہونے لگے تو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس میں بیان کردہ شروط متحقق ہیں یا نہیں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر غور و فکر کے اعتراض مقبول ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہ احناف میں مسجد کا صحن مسجد ہے اس کو خارج مسجد نہیں شمار نہیں کیا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ فقہ حنفی اُس کو خارج سمجھتی ہے اُس کا قول غلط ہے۔

لیکن اب مجھے یہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاحب اہل تحقیق یہ نہ فرماویں کہ چونکہ صحن مسجد کا مسجد ہونا فقہ احناف سے ثابت ہے اس لیے جہاں اور بہت سے مسائل بے دلیل ہیں صحن کا مسجد ہونا بھی بے دلیل ہے فقہ احناف میں اور بھی عبارتیں ہیں۔ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک کتابی صورت ہو جائے گی۔ چنانچہ عرض کر چکا ہوں اگر ضرورت ہوگی تو پیش کردوںگا۔

فقہ میں رحبة المسجد۔ ساحة المسجد اور عرصة المسجد کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ ایک لفظ حریم بھی کسی وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سب کے معانی اور محل استعمال پر بھی غور کر لینا چاہیئے میں نے جو لفظ ذکر کیے ہیں وہ فضا واسع خلاء فنا مسجد خارج مسجد صیفی وغیرہ ہیں حد مسجد کی اندر کی جگہ کو جوف مسجد بھی کہدیتے ہیں۔ والسلام۔ (تتمہ خامسہ صـ ۴۷۵)

سوال (۷۶۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تقریباً صوبہ گجرات بالخصوص ضلع سورت میں عام دستور یہ ہے کہ جب مسجد بناتے ہیں تو اسکے مسقف (چھت والے) حصے کو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کر دیتے ہیں اسی وجہ سے اس کو جماعت خانہ کہتے ہیں اسی کے ساتھ کچھ کھلا ہوا حصہ بطور صحن کے بناتے ہیں اس لیے کہ اسمیں اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں جو مسجد کے احترام کے خلاف اور ممنوع ہیں مثلاً ہر وقت اٹھنا بیٹھنا اور وہیں سونا

اور دنیاوی باتیں کرنا یہاں تک کہ حالتِ جنابت میں بھی اس صحن میں رہتے ہیں کیونکہ اس کو خارج از مسجد شمار کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں جماعت خانہ کی طرح کبھی نماز باجماعت بھی نہیں ہوتی پس راندیر کی مسجد چنار دارہ بھی اسی طرح پہلے کچھ مختصر بنی ہوئی تھی اور اس کے صحن کے ساتھ بالکل غیر مسجد کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا تقریباً ۱۲۹۰ھ ہجری المقدس میں یہاں کے بزرگوں نے اس مسجد کو ازسرِ نو بنایا اور ایک زمین خرید کر اس میں شامل کرکے وسیع کیا جس طرح اس کے جماعت خانہ کو بڑھایا ہے اسی طرح اس کے صحن کو بھی وسعت دی چنانچہ جس جگہ قدیم مسجد کا حوض تھا اُس جگہ کو ٹانگ بنا کر اس کے بعض حصہ کو صحن میں شامل کرلیا اور حصۂ جنوبی جانب کا برآمدہ کے طریق پر ضروریات وضو کے لیے مخصوص رکھا جدید تعمیر کرنے والے اصحاب کے زمانہ سے اب تک بھی اس صحن کے ساتھ خارج مسجد کا برتاؤ تھا اور وہ لوگ اہل علم اور سمجھدار تھے جو داخل مسجد اور خارج مسجد کو خوب سمجھتے تھے پھر بھی انھوں نے اس صحن کو مسجد میں شامل نہ سمجھا۔ اس کے علاوہ ایک عام رواج یہ بھی ہے کہ اکثر مسجدوں کے صحن میں قبریں بناتے ہیں چنانچہ اس نواح کی کوئی مسجد ایسی مشکل سے ملے گی جس کے صحن میں کسی پرانی قبر کا نشان نہ پایا جاتا ہو پس یہ صورت بھی اس کا کھلا ہوا قرینہ ہے کہ صحن مسجد کو مسجد میں داخل نہیں سمجھتے بعضے حضرات تھوڑے عرصہ سے یہاں کی مسجدوں کو دہلی وغیرہ کی مسجدوں پر قیاس کرتے ہیں یہ قیاس صحیح نہیں ہے اس لیے کہ وہاں کی مسجدیں اکثر ایسی بنائی جاتی ہیں کہ ہوادار نہیں ہوتی اس وجہ سے وہاں گرمی کے موسم میں صحن میں نماز پڑھنا اور صحن کو مسجد میں داخل سمجھنا ضروری ہوتا ہے اس کے برخلاف یہاں کی مسجدیں نہایت ہوادار اور کشادہ ہوتی ہیں۔ ہوا کی آمد کے لیے خاص طور پر چاروں طرف دریچیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں اسی وجہ سے کبھی صحن میں نماز پڑھنے کی ضرورت واقع نہیں ہوتی اور اس صحن کو داخل مسجد کرنے کا اب تک کوئی ثبوت بھی باقاعدہ نہیں پس ایسی صورت میں مسجد چنار دارہ کا صحن شرعاً مسجد سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں اور جنازہ کی نماز صحن میں پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں۔ جواب مفصل مدلل ارشاد فرمائیے۔ جزاکم اللہ۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب - مدار مسجدیت کا وضع بقعة للصلوٰة ذاتا اذان واقامة ہے جس کی ظاہری علامات فعلیہ افرازھا عن الملک بطریقھا واذن لعامة الناس بالصلوٰة فیھا اور قولیہ قول واقف جعلتھا مسجداً ہیں اور وضع للصلوٰۃ ایک نیت مخفیہ ہے جب تک بانی سے اس نیت کی نفی کی تصریح ثابت نہ ہو علامات مذکورہ قائم مقام نیتِ مذکورہ کے ہوں گے پس صحن مذکورہ

سوال کے باب میں اگر واقف و بانی کی تصریح نفی نیت مسجدیت کی سند صحیح سے ثابت ہو تو اُن پر حکم مسجدیۃ کا نہ کیا جاوے گا ورنہ مسجدیت کا حکم کیا جاویگا وھٰذا ظاھرٌ جداً۔ واللہ اعلم۔
۱۹ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۵۳۴)۔

داب المساجد علیٰ آداب المساجد

سوال (۷۶۳) بعد الحمد والصلوٰۃ آداب المساجد ایک رسالہ ہے مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہ کا اس کے طبع مکرر کے وقت مولوی صاحب نے رسالہ کے بعض مقامات پر نشان بنا کر مجھ سے نظر ثانی کی استدعا فرمائی اُن مقامات پر میں نے جو لکھا ہے اُس کا نام داب المساجد (بمعنی الشان کما فی القاموس بابدال الھمزۃ کما قرأہ السوسی) رکھدیا اول مقام کے عنوان کا حوالہ دیکر قولہ سے رسالہ کی نشان کردہ عبارت نقل کی گئی اور جہاں کچھ استفساری عبارت تھی اُس کے بعد وہ لکھدی پھر اقول سے اپنا مشورہ لکھدیا اور دو مقام پر بلا درخواست کچھ مضمون ضروری سمجھ کر لکھدیا اور اسی زمانہ میں دو سوال دوسری جگہ سے آگئے تھے اُس کا جواب بھی بمناسبت رسالہ بطور ضمیمہ کے اس کے ساتھ ملحق کردیا وباللہ الاستعانۃ والیہ الالتجاء والاستکانۃ۔ کتبہ اشرف علی۔ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ

عنوان۔ اُن کاموں کا بیان جو مسجد میں ناجائز یا مکروہ ہیں۔ **قولہ مسئلہ**۔ کسی مصیبت کی وجہ سے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے (اشباہ) **اقول**۔ فقہاء کے اقوال سے اس باب میں جو احقر سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ طاعت کی تو مطلقاً مسجد میں اجازت ہے الا لعارض اور معصیت کی مطلقاً ممانعت ہے خواہ خاص اس طاعت و معصیت ہی کی نیت سے مسجد میں گیا ہو خواہ پہلے سے مسجد میں موجود ہو اور اتفاقاً اس طاعت و معصیت کا صدور ہو گیا ہو اور جو امر نہ طاعت ہو نہ معصیت بلکہ مباح ہو اس کے لیے خاص مسجد میں جانا تو مکروہ ہے اور اگر پہلے سے مسجد میں حاضر ہے اور اتفاقاً اس مباح کی حاجت پیش آگئی یا حاجت پہلے سے پیش آئی لیکن اُس کی نیت سے مسجد میں نہیں گیا بلکہ کسی طاعت کے لیے گیا اور وہاں اس مباح میں بھی اشتغال ہو گیا تو بشرط عدم اکثار جائز ہے۔ پس اس مسئلہ کا محل وہ صورت ہے کہ خاص اسی غرض سے مسجد میں جاکر بیٹھا کہ اہل تعزیت آکر مجھ کو میت کی تعزیت دیں گے اور بعض روایات میں جو ایسے ہی موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں تشریف رکھنا منقول ہے اس کا محمل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نشر احکام و فصل خصومات کیلئے مسجد میں تشریف رکھنے کا معمول پہلے سے تھا اُس روز بھی اسی غرض سے بیٹھے۔ چونکہ وہی جگہ بیٹھنے کی تھی اہل تعزیت وہاں ہی حاضر ہوتے رہے۔

قولہ مسئلہ - مسجد میں عقد نکاح مستحب ہے۔ **استفسار** - موجودہ زمانہ میں شور وشغب کی وجہ سے منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ **اقول** - لعب حبشہ بالحراب سے زیادہ اس میں عادۃً شور وشغب نہیں ہوتا۔ اس عارض کا وہاں اعتبار نہیں کیا گیا تو یہاں کیوں کیا جاوے البتہ جس مندوب مطلوب میں ایسا مفسدہ محتمل ہو وہاں خود مفسدہ کا انسداد کر دینا ضروری ہے بخلاف ایسے امر مباح یا مندوب کے جو خود شرعاً مطلوب نہ ہو وہاں خود اس مندوب مباح ہی کو روکیں گے اور مطلوبیۃ نکاح فی المساجد کی خود منقول ہے۔ **قولہ مسئلہ** - اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور جماعت مسجد کے اندر پڑھی جاوے تو یہ بھی مکروہ ہے لیکن بضرورت کیا جاوے تو جائز ہے۔ **استفسار** - یہ فتویٰ علیٰ حد القولین عند الضرورت قابل غور ہے تصویب یا تردید تحریر فرمائی جاوے۔ **اقول** - قواعد سے بحالت عذر اس پر عمل جائز معلوم ہوتا ہے۔ کما فی رد المحتار انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا الی قولہ واذا ضاق الامر اتسع (قلت وھذا ھو مرادی بالقاعدۃ) ج ۱ ص ۹۲۶۔ **قولہ مسئلہ** - مسجد میں ذکر جہر کرنا اور آواز سے تلاوت قرآن کرنا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ) الی قولہ ناجائز فرمایا ہے۔ **اقول** - اس میں اقوال بہت مختلف ہیں فیصلہ وہ ہے جو شامی نے حاشیہ حموی سے امام شعرانی کا قول نقل کیا ہے۔ اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری الخ ج ۱ ص ۶۹۱ اس فیصلہ سے سب اقوال جمع ہو جاتے ہیں اور جنھوں نے علی الاطلاق منع کیا ہے غالب یہ ہے کہ سدِ باب کے طور پر ہے یہ تو کلام ہے خصوصیت مسجد کے اعتبار سے اور ایک کلام نفس جہر بالذکر اور انصات لقراءۃ القرآن میں ہے اس میں ارجح یہ ہے کہ اگر جہر مفرط نہ ہو تو جائز ہے اور وجوب انصات خارج صلوٰۃ اس وقت ہے جب قراءت تبلیغ کے لیے ہو اور اسمیں قرآن کی بھی تخصیص نہیں مطلق تذکیر کا بھی یہی حکم ہے۔ واللہ اعلم۔ **قولہ مسئلہ** - اگر مسجد کی چھت یا دیوار وغیرہ میں چمگادڑ یا کوئی جانور گھونسلہ بنائے تو اس کا گرا دینا جائز ہے لیکن مسجد کے علاوہ اور جگہ میں نہ گرایا جاوے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اقروا الطیر علی مکناتھا الخ۔ **اقول** - اس حدیث سے استدلال مشکل ہے اس میں دوسرے محمل کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ جاہلیت میں پرندے کو اڑا کر دیکھتے تھے کس سمت کو گیا اور اس سے شگون لیتے تھے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا باقی گھونسلوں کا گرانا ظاہراً اگر کسی جانور کے رہنے سے

مکان گندہ ہوتا ہو اس کا گرادینا جائز معلوم ہوتا ہے البتہ اگر انڈے بچوں کے زمانہ میں کچھ
انتظار کرے تو اقرب الی الترحم ہے۔ وھذا ذوقہ ولم یستفسر منی۔
عنوان۔ مساجد کے چند مخصوص احکام۔ **قولہ مسئلہ**۔ فاحشہ عورت نے اگر اپنی حرام
آمدنی سے مسجد بنادی تو وہ مسجد نہیں ہے اور نہ اُس کو اس کا کوئی ثواب ہوگا مجموعہ فتاویٰ مولانا
عبدالحیؒ رح **اقول**۔ اس میں دو حکم ہیں ایک ثواب نہ ملنا اس کی دلیل تو نص حدیث ہے
ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب اوکما قال۔ دوسرا حکم اس کا مسجد نہ ہونا۔ اس میں
دلیل کی حاجت ہے صرف مولانا عبدالحیؒ رح کا قول حجت نہیں۔ مسجد کے احکام میں مسجد کا ہونا
مسئلہ فقہیہ ہے۔ سو کتب فقہ میں تحقق مسجدیت کے لیے مال کا حلال ہونا کہیں مذکور نہیں جیسے
کوئی شخص بہ نیت ریا وقف کرے تو گو وہ مقبول نہ ہو بلکہ خوف معصیت ہے لیکن وقف صحیح
ہوجاتا ہے اسی طرح یہ مسجد گو مقبول نہ ہو۔ بلکہ خوف معصیت ہے لیکن احکام میں مسجد ہوجاوے گی
مثلاً اس کی بیع جائز نہیں اُس میں حائض وجنب کا داخل ہونا جائز نہیں اُس میں بول وتغوط
درست نہیں۔ اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ اس کو کیا کیا جائے سو اس کا حکم کہیں منقول
نظر سے نہیں گزرا لیکن قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بند کرکے محفوظ کردیا جاوے نہ اُس
میں نماز پڑھیں نہ اُس کی بے حرمتی کریں البتہ اگر زمین حلال ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اور
صرف ملبہ حرام ہے تو بجائے اس کے دوسرے ملبہ سے اس کی تعمیر کرادینا جواز انتفاع کیلئے
کافی ہوجاوے گا اور ایسی مسجد مذکور کی جو کہ حرام مال سے بنا ہوئی ہے ایسی مثال ہے جیسے
نعوذ باللہ کوئی شخص ناپاک سیاہی سے قرآن مجید لکھ لے اس میں نہ تلاوت جائز ہے اور
نہ اس کی بے ادبی جائز ہے بلکہ دفن کردیا جاوے باقی مسئلہ نازک ہے دوسرے علمائے سے بھی اس
میں نظر کرالی جاوے۔ **قولہ مسئلہ**۔ اگر کوئی مسجد ایسی بنائی جاوے کہ نیچے دو کانیں یا تہ خانہ
وغیرہ بناکر الی آخر المسئلۃ التی تلیھا۔ **اقول**۔ اس باب میں بعد تتبع وتفحص بالغ روایات
فقہیہ کے جو میں سمجھا ہوں وہ معروض ہے۔ **نمبر ۱**۔ ماخذ اس مسئلہ کا بیت المقدس کے سرادیب ہیں
جن پر خیر القرون میں کسی نے نکیر نہیں کیا اس سے سمجھا گیا کہ مصالح مسجد کے لیے دوسرا درجہ
جو بناء میں مسجد کے تابع ہو مشروع ہے۔ **نمبر ۲**۔ یہ حکم تعبدی نہیں بلکہ باشتراک علت تبعیت
قیاساً متعدی ہوسکتا ہے۔ **نمبر ۳**۔ اگر مصالح ویسے ہی ہوں جو سرادیب مذکورہ سے متعلق ہیں
اور تبعیت کی وہی ہیئت ہو جو ان سرادیب میں ہے تب تو قیاس جلی ہے اور اگر مصالح دوسری

قسم کے ہوں جیسے وقف لاستغلال المسجد یا ہیئت تبعیت دوسرے طور کی ہو جیسے مسجد کا علو پر ہونا یا مسجد پر علو کا ہونا اس کا الحاق خفی ہے چنانچہ بہت روز تک مجھ کو اس میں تردد رہا۔ لیکن شامی نے کتاب الوقف میں اسعاف سے ایک عبارت نقل کی ہے اذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کان وقفا علیہ صار مسجدا ۱۱ھ شرنبلالیہ اس میں او کان وقفا علیہ کا عطف کان لمصالح المسجد پر ہے اس سے ظاہر ہے کہ استغلال للمسجد کا حکم بھی یہی ہے خواہ اس کا نام مصالح مسجد رکھا جاوے خواہ فی حکم مصالح المسجد رکھا جاوے بہر حال حکم مشترک ہے اور ہدایہ میں ہے وروی الحسن عنہ (ای عن ابی حنیفۃ) انہ قال اذا جعل السفل مسجدا او علی ظہرہ مسکن فہو مسجد وعن محمد عکس ھذا (ای جعل العلو مسجدا الصحیح ۱۲ ب) وعن ابی یوسف انہ جوزفی الوجہین وعن محمد انہ حین دخل الریّ اجاز ذلک کلہ لما قلنا (من الضرورۃ) ملخصاً اس سے ظاہر ہو کہ سب ہئیتیں تبعیت کی مقیس علیہ کے ساتھ ملحق ہیں۔

نمبر ۴۔ یہ الحاق بالقیاس بضرورت ہی چنانچہ ہدایہ کی مذکورہ عبارت میں ضرورت کا بناء الحاق ہونا مصرح ہے۔ نمبر ۵۔ اس دوسرے درجہ کی بناء مشروط ہے اس کے ساتھ کہ مسجد کی مسجدیت کے قبل بانی کی نیت اس بناء کی ہو اور بعد تمامیت مسجد کے اب کوئی تصرف جائز نہیں۔ نمبر ۶۔ فقہاء نے جو مسجد کو عنان السماء و تحت الثریٰ تک مسجد کہا ہے یہ مقید ہے اُس صورت کے ساتھ جبکہ بناء مسجد کے وقت دوسرے درجہ فوقانی یا تحتانی کے بنانے کی نیت نہ ہو۔ نمبر ۷۔ وتنبہت علیہ لغفلۃ کثیر من الناس عنہ حتی المنسوبین الی العلم۔ ان سب احکام میں فناء مسجد بھی یعنی حصہ متعلقہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں ہے۔ فی البحر الرائق فی المجتبیٰ۔ لایجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائہ (ج ۵ ص ۲۶۹ از تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۹۱ قلت لعل وجہہ ان فیہ مخالفۃ نیۃ الواقف **عنوان**۔ مسجد ضرار کی تعریف اور اُس کا حکم۔ قولہ مسجد ضرار اصل میں وہ مسجد تھی الیٰ قولہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی۔ **اقول**۔ ماشاء اللہ مؤلف سلمہ نے اس تعبیر میں کہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی نہایت احتیاط کا استعمال کیا ہے ورنہ اکثر اہل جرأت ایسی مسجد کو جس کی بناء ریاء یا مراء پر ہو مسجد ضرار ہی کہتے ہیں جس سے ایہام ہوتا ہے کہ وہ مسجد ہی نہیں جیسے مسجد ضرار مسجد ہی نہ تھی اور ایہام ہوتا ہے کہ اس کا ہدم یا بیحرمتی بھی جائز

ہے جیسے مسجد ضرار کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تو مشابہ لفظ بڑھا کر ان سب محذورات کو دفع کر دیا یعنی انتفاء ثواب وفساد غرض میں اُس کے مشابہ ہے نہ کہ انتفاء مسجدیت میں بھی۔ کیونکہ منافقین کی تو نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی تلبیس وتدسیس کے لیے اس کا نام مسجد رکھدیا تھا اور مسلمان خواہ کسی غرض سے مسجد بناوے نیت اس کی مسجد ہی بنانے کی ہوتی ہے اس لیے اس کے سب احکام مثل صحت صلوٰۃ ووجوب احترام وغیرہما مسجد کے ہوں گے پس عدم قبول میں اسکے لیے حکم وہی ہوگا جیسا ابھی مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا مذکور ہوا البتہ اتنا تفاوت ہوگا کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں اور اس کی اصلاح توبہ سے ہوسکتی ہے یعنی بعد توبہ کے وہ بناء مقبول بھی ہو جاوے گی۔ وھذا ایضا زدتہ ولم یستفسر منی۔

عنوان۔ عیدگاہ کا حکم۔ قولہ۔ اکثر احکام میں عیدگاہ کا حکم مسجد کے خلاف ہے مثلاً غسل کی حاجت والا آدمی اور حیض ونفاس والی عورت اس میں داخل ہوسکتی ہے۔

اقول۔ اس کے خلاف کوئی قول نظر سے نہیں گزرا پس یہ حکم صحیح ہے البتہ اسکی بھی تنظیف وتطییب کا اہتمام رکھنا اولیٰ ہے اور یہی محمل ہے۔ حدیث امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تبنی المساجد فی الدور وان تطیب وتطھر او کما قال اذا ارید بالدور ما یسکنون فیھا لا المحلۃ لان مسجد المحلۃ مسجد حقیقی۔ اور اگر اصل مسئلہ پر کسی کو مخالفت حدیث کا شبہ ہو کہ یعتزلن الحیض المصلی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس اعتزال کی وجہ حرمت دخول مصلی نہیں بلکہ قطع صف مصلیات بالتخلل بینھن ہے خوب سمجھ لو۔

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ ص۵۸۵)

بعض اجزاء مسجد کو طریق بنانے کا حکم[۱]

سوال (۷۶۴) الحکم الاول۔ وفیہ مقامات المقام الاول و یتحصل من عبارات فی الدر المختار۔ العبارۃ الاولیٰ۔ ای بجواز عکسہ وھو ما اذا جعل فی المسجد ممر لتعارف اھل الامصار فی الجوامع فی رد المحتار قولہ لعکسہ فیہ خلاف کما یاتی تحریرہ وھذا عند الاحتیاج کما قیدہ فی الفتح قولہ لتعارف اھل الامصار فی الجوامع لا نعلم ذلک فی جوامعنا نعم تعارف الناس المرور فی مسجد لہ بابان وقد قال فی البحر وکذا یکرہ ان یتخذ المسجد طریقا وان یدخلہ

[۱] اصل کتاب میں یہ سرخی بزبان عربی لکھی ہے الفصل الثانی فی ردما اشاع بعضھم فی الاحکام المتعلقۃ بجعل بعض اجزاء المسجد طریقا وشرائط القاضی ۱۲ محمد شفیع

بلا طہارۃ اھ نعم یوجد فی اطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفۃ للمشی فیھا وقت المطر ونحوہ لا جل الصلوٰۃ وللخروج من الجامع لا لمرور المارین مطلقاً کالطریق العام و لعل ھذا ھو المراد (ای بقولہ لتعارف اھل الامصار فی الجوامع ۱۲ ناقل) فمن کان لہ حاجۃ الی المرور فی المسجد یمر فی ذلک الموضع فقط لیکون بعیداً عن المصلین ویکون اعظم حرمۃ لمحل الصلوٰۃ فتامل۔

العبارۃ الثانیۃ۔ وجاز لکل احد ان یمر فیہ حتی الکافر الا الجنب والحائض والدواب زیلعی۔

العبارۃ الثالثۃ۔ کما جاز جعل الامام الطریق مسجداً لا عکسہ لجواز الصلوٰۃ فی الطریق لا المرور فی المسجد فی رد المحتار فیہ نوع مدافعۃ لما تقدم الی قولہ ولا یخفی ان المتبادر انھما قولان فی جعل المسجد طریقا بقرینۃ التعلیل المذکور ویؤیدہ ما فی التتارخانیۃ عن فتاوی ابی اللیث وان اراد اھل المحلۃ ان یجعلوا شیئاً من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذلک وانہ صحیح ثم نقل عن العتابیۃ عن خواھر زادہ اذا کان الطریق ضیقا والمسجد واسعا لا یحتاجون الی بعضہ تجوز الزیادۃ فی الطریق من المسجد الخ ثم فیہ قولہ لجواز الصلوٰۃ فی الطریق الی قولہ بخلاف جعل المسجد طریقا لان المسجد لا یخرج عن المسجدیۃ ابدا فلم یجز لانہ یلزم المرور فی المسجد ولا یخفی ان المتبادر مرورنا ای مار ولو غیر جنب وھذا یؤید ان ھذا قول آخر وقد علمت ترجیح خلافہ وھو جواز جعل الشئ منہ مسجدا او تسقط حرمۃ المرور فیہ للضرورۃ لکن لا تسقط عنہ جمیع احکام المسجد فکذا لم یجز المرور فیہ لجنب ونحوہ کما مر فافھم۔ ج ۳ ص ۵۹۲ و ص ۵۹۳ و ص ۵۹۴۔

الحکم الثانی۔ ویتحصل من ھذہ العبارات فی الدر المختار وجاز شرط الاستبدال بہ ارضا اخری الخ فی رد المحتار اعلم ان الاستبدال علی ثلثۃ وجوہ الاول ان یشترطہ الواقف لنفسہ او لغیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشترطہ سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شئ اصلا او لا یفی بمؤنتہ فھو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورایہ المصلحۃ فیہ والثالث ان لا یشترطہ ایضا لکن فیہ نفع فی الجملۃ وبدلہ خیر منہ ریعا ونفعا

وھذا لا یجوز استبدالہ علی الاصح المختار کذا حررہ العلامۃ قنالی زادہ فی رسالۃ الموضوعۃ فی الاستبدال ثم بعد اسطر من البحران الخلاف انما ھو فی الارض اذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار اذا ضعفت بخراب بعضھا ولم تذھب اصلا فانہ لا یجوز حینئذٍ الاستبدال علی کل الاقوال قال ولا یمکن قیاسھا علی الارض فان الارض اذا ضعفت لا یرغب غالبا فی استیجارھا بل فی شرائھا اما الدار فیرغب فی استیجارھا مدۃ طویلۃ لاجل تعمیرھا للسکنی علی ان باب القیاس مسدود فی زماننا وانما للعلماء النقل من الکتب المعتمدۃ کما مر جوابہ ۔ ج ۳ ص ۵۹۹ وفی رد المحتار عن فتح القدیر والحاصل ان الاستبدال اما عن شرط الاستبدال اولا عن شرطہ فان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیھم فینبغی ان لا یختلف فیہ وان کان لا لذلک بل اتفق انہ امکن ان یوخذ بثمنہ ما ھو خیر منہ مع کونہ منتفعا بہ ینبغی ان لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ما کان علیہ دون زیادۃ ولانہ لا موجب لتجویزہ لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولا ضرورۃ فی ھذا اذ لا تجب الزیادۃ بل بتقیۃ کما کان اھ اقول ما قالہ ھذا المحقق ھو الحق الصواب اھ کلام البیری وھذا ما حررہ العلامۃ القنالی کما قدمناہ ج ۳ ص ۶۰۲ و ص ۶۰۳ وفی رد المحتار وکذا لیس للقیم الاستبدال الا ان یخص لہ علیہ ج ۳ ص ۶۰۰ و فی الدر المختار وشرط فی البحر خروجہ عن الانتفاع بالکلیۃ وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنۃ المفسر بذی العلم والعمل وفی النھران المستبدل قاضی الجنۃ فالنفس بہ مطمئنۃ الخ وفی رد المحتار وافاد فی البحر زیادۃ شرط سادس وھو ان لا یبیعہ ممن لا تقبل شھادتہ لہ ولا ممن لہ علیہ دین الخ ج ۳ ص ۶۰۰ ۔

الحکم الثالث ۔ وفیہ مقامات المقام الاول فی الدر المختار واھلہ ای اھل القضاء اھل الشھادۃ ای اداؤھا علی المسلمین فی رد المحتار وحاصلہ ان شروط الشھادۃ من الاسلام والعقل والبلوغ والحریۃ وعدم العمی والحد فی القذف شروط لصحۃ تولیۃ و لصحۃ حکم بعدھا ج ۴ ص ۴۶۲ و ص ۴۶۳ وفی رد المحتار ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی البلاد الدروز فی القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منھما لا یصح حکم علی المسلمین فان الدرزی لا ملۃ لہ کالمنافق والزندیق وان سمی نفسہ مسلما ج ۴ ص ۴۶۳ وفیہ کتاب الجمعۃ فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام

لا بلاد الحرب لانهم لم یظهروا فیہا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونہا ج ۱ ص ۳۴۲ وفی الدر المختار وقضاء کافر علی مسلم ابدا ونحو ذلک کالتفریق بین الزوجین بشہادۃ مرضعۃ لا ینفذ فی رد المحتار قولہ ابدا محل ذکرہ بعد قولہ لا ینفذ کما فی عبارۃ الغرر ج ۲ ص ۱۵ وفیہ الاما عری عن دلیل مجمع او خالف کتابا او سنۃ مشہورۃ او اجماعا الی قولہ لا ینفذ اھ مختصرا فی رد المحتار قولہ مجمع قال طحا المراد بہ کما رأیتہا من نحو القضاء وبسقوط الدین عند ترک المطالبۃ بہ سنین ج ۴ ص ۵۰۱ - ۲۲ شوال ۱۳۳۱ھ (ترجیح ثانی ص ۱۷۹)

جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے یا مسجد محلہ میں اور جامع مسجد کی فضیلت جمعہ کیساتھ مختص ہے یا عام

سوال (۷۶۵) (۱) جامع مسجد میں پنجوقتی نماز باجماعت پڑھنا افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا باجماعت افضل ہے۔؟ (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوٰۃ جمعہ ہے (۳) یا عام ہے۔؟

الجواب۔ (۱) محلہ کی مسجد میں۔ (۲) ہاں غیر اہل محلہ کے لیے۔ (۳) ہاں اہل محلہ کے لیے۔ فقط۔ ۶ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ اول ص ۴۲)

عدم جواز اجازت طبل و باجہ وغیرہ کفار را بقرب مسجد

سوال (۷۶۶) جناب مقام صدر بدنور ضلع بیتول جو ریلوے اسٹیشن ہے وہاں ایک بازار نیا گنج تیار ہوا ہے اور بفضل خدا چند مسلمانان وہاں جمع ہوگئے اور شہر بدنور سے اسٹیشن ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ہے اور مسجد شہر میں ہے گنج سے مسجد شہر آنے میں سخت دقت پڑتی ہے اس لیے مسلمانان گنج وشہر والوں نے ایک درخواست دوسری مسجد گنج میں بنانے کو صاحب ضلع بہادر کو دی اور اجازت مسجد کے کرنے کا حکم بھی اس شرط پر ہوگیا کہ باجا بجنا مسجد سے کتنے فاصلہ پر سے بند کیا جائے کہ جس میں تشویش نماز میں مصلیوں کو نہ ہو فتویٰ ہندوستان سے کسی مولوی و مفتی کا منگواؤ صاحب ضلع بہادر نے مانگا ہے۔؟

الجواب۔ فی رد المحتار فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرہا الا ان یشوش جہرہم علی نائم او مصل او قارئ الخ (ص ۱۹۱ ج ۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب پکار کر ذکر کرنا باوجودیکہ فی نفسہ مستحب ہے جس وقت اُس سے کسی نماز پڑھنے والے یا قرآن پڑھنے والے کو تشویش ہووہ ناجائز ہو جاتا ہے تو باجا جو کہ فی نفسہ بھی ناجائز ہے جب اُس

سے ایسی تشویش پیدا ہو ضرور اُس سے روکا جاوے گا اور تشویش میں یہ بھی داخل ہے کہ جماعت ہو رہی ہو اور باجہ کی آواز سے امام کی آواز قرأت یا تکبیر کی مقتدیوں تک نہ پہنچے اور اس لیے انکی نماز اس طرح خراب ہو کہ امام مثلاً سجدہ سے اُٹھا اور مقتدی بوجہ آواز نہ پہونچنے کے سجدہ ہی میں پڑے رہے تو ایسی تشویش کسی قدر دُور کے باجہ سے بھی ہو سکتی ہے جب تک بہت دور نہ ہو اور یہ بات تجربہ سے معلوم کر کے اندازہ فاصلہ کا مقرر کیا جا سکتا ہے شریعت میں اس کی کوئی خاص حد نہیں فقط۔ ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۷)

سد الغلط والمفاسد فی حکم اللغط عند المساجد

سوال (۶۷۱) یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند مقتدر لیڈروں کی طرف سے ایک استفسار خدمت عالیہ میں روانہ ہے اُمید ہے کہ جواب رائے گرامی سے مطلع فرما کر ممنون فرما دیں۔ جناب پر روشن ہے کہ آئے دن مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مساجد کے سامنے باجہ بجانے کے متعلق کس قدر کشت و خون ہوتے رہتے ہیں چنانچہ بمبئی کے خونی ہنگامہ سے یہاں کے ایسوسی ایشن کے چند لیڈر بہت متاثر ہوئے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے معزز علماء عوام کو سمجھائیں کہ ان باتوں پر لڑنا خواہ مخواہ کے جانی و مالی نقصانات کا شکار ہونا ہے۔

الجواب۔ اس میں تو کچھ شک ہی نہیں کہ گانا بجانا مطلقاً اور مساجد کے قریب خصوصاً فی نفسہ امر منکر ہے واجب الانسداد ہے جزو اوّل کی دلیل نصوص عامہ ہیں۔ اور جزو ثانی کی دلیل یہ آیت ہے وما کان صلاتہم عند البیت الا مکاءً وتصدیۃ الخ (انفال) فی روح المعانی مکاء ای صفیرا وتصدیۃ ای تصفیقا وھو ضرب الید بالید بحیث یسمع لہ صوت۔ یعنی انہم کانوا اذا اراد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی یخلطون علیہ بالصفیر والتصفیق الی قولہ وھو الماثور عن ابن عباس وجمع من السلف ما ذکرنا الخ ملخصاً۔ اور ظاہر ہے کہ سیٹی بجانا اور تالی بجانا ڈھول وغیرہ بجانے اور مجمع کے مل کر گانے سے بدرجہا اہون اور ادون ہے جب اخف واہون پر نکیر کیا گیا تو اثقل واشد پر تو بدرجہ اولیٰ نکیر ہوگا۔ اگرچہ اُس میں بجز لہو و تلعب کے اور کوئی غرض دنیۃ فاسدہ معارض مقاصد اسلامیہ کے بھی نہ ہو لاطلاق النصوص وللزوم التخلیط والتشویش علی المصلین فی فعلہا عند المساجد۔ اور بعلت لہو مطلقاً اور بعلت تخلیط و تلبیس خصوصاً مسلمانوں کو بھی اس سے روکا جائے گا

گو اُس میں کوئی اور غرض فاسد بھی نہ ہو اور اگر کوئی غرض فاسد بھی منافی مقاصد اسلام کے ہو جیسے مشرکین مکہ کی نیت تھی یعنی اہانت و استخفاف اسلام و اخافت اہل اسلام اور جیسے اب بھی بعض مقامات پر قرائن قویہ سے کفار کی ایسی ہی اغراض معلوم ہوتی ہیں تو اس حالت میں اس فعل کی شناعت اور بڑھ جائے گی حتیٰ کہ ایسے امور سے جن کا اثر اس قسم کا ہو ذمیوں کو بھی باوجود اس کے کہ اُن کے ساتھ قانون اسلامی میں بہت رواداری ہوتی جاتی ہے روکا جاتا ہے اگرچہ وہ اثر اُن کی نیت میں بھی نہ ہو منع کے لیے لزوم کافی ہے التزام شرط نہیں چنانچہ اہل ذمہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے الاحق ان لا یترکوا ان یرکبوا الا للضرورۃ واذا رکبوا للضرورۃ فلینزلوا فی جامع المسلمین وفی نسخۃ فی جامع المسلمین (ھدایہ فصل فی ما ینبغی الذمی) اور یہ فعل مبحوث عنہ تو اعزاز و تنویہ کفر و استخفاف و اخماد اسلام میں اُس سے بھی اشد ہے تو اُس سے کیوں نہ روکا جائے گا لیکن یہ سب وجوب منع وغیرہ اُس وقت ہے جب منع پر قدرت ہو خواہ بلاواسطہ جیسے اسلامی حکومت کی حالت میں ہوتی ہے خواہ بواسطہ جیسے اسلامی حکومت نہ ہونے کی حالت میں حاکم وقت سے استعانت کی صورت میں ہوتی ہے اور قدرت سے مراد قدرت حسیہ نہیں بلکہ قدرت شرعیہ ہے یعنی جس کا شریعت نے احکام میں اعتبار کیا ہے اور وہ قدرت وہ ہے کہ اُس کے استعمال کے بعد کوئی ضرر ایسا لاحق نہ ہو جو نہ قابل تحمل ہو نہ وجوباً یا استحباباً مامور بہ ہو دلیل اس کی یہ حدیث ہے۔ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ الحدیث۔ ظاہر ہے کہ اگر قدرت حسیہ مراد ہوتی تو ید سے اکثر حالات میں اور لسان سے جمیع حالات میں استطاعت حاصل ہے پھر فان لم یستطع کے کیا معنی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ عدم استطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اُسکے استعمال سے کوئی ایسا ضرر لاحق ہو جائے۔ جو نہ قابل تحمل ہو اور نہ وجوباً یا استحباباً مامور بہ ہو۔ کما ذکر۔ اسی قدرت کی دو قسمیں ہیں جو مذکور ہوئیں ایک بلاواسطہ ایک بواسطہ اور اگر دونوں قسموں میں سے ایک قسم کی بھی قدرت نہ ہو تو وجوب تو یقیناً ساقط ہے باقی جواز سو فقہاء نے اباحت جہاد میں یہ شرط بھی لگائی ہے۔ ان یرجوا القوۃ والشوکۃ والقوۃ بلجتھادہ او باجتھاد من یعتقد فی اجتھادہ او آیسوان کان لا یرجوا القوۃ والشوکۃ للمسلمین فی القتال فانہ لا یحل لہ القتال لما فیہ من القاء نفسہ فی التھلکۃ۔ اھ (الباب الاول من

کتاب السیر من العالمگیریۃ) اسی طرح دوسری روایت ہے۔ قال محمد لا باس بان یحمل الرجل وحدہ علی المشرکین وان کان غالب رایہ انہ یقتل اذا کان فی غالب رأیہ انہ ینکی فیہم نکایۃ بقتل اوجرح اوھزیمۃ وان کان غالب رأیہ انہ لا ینکی فیہم اصلاً لا تقبل و ولا یجرح ولا ھزیمۃ ویقتل ھو فانہ لا یباح لہ ان یحمل وحدہ اھ الباب السابع عشر کتاب الکراھیۃ من العالمگیریۃ) اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ایسے منکرات کے روکنے کی قدرت مسلمانوں کو بلا واسطہ تو حاصل نہیں پس اگر حاکم سے مدد حاصل ہو جائے ایسا کریں ورنہ صبر کریں باقی جن کو یہ تفصیل معلوم نہ ہو اور وہ مقابلہ و مقاتلہ میں ہلاک ہو جائیں تو وہ معذور اور گناہ سے بری ہیں۔ کما فی کتاب الاکراہ السلطان اذا اخذ رجلاً وقال لا قتلنک اولتشربن ھذا الخمر اوتاکلن ھذہ المیتۃ اولتاکلن لحم ھذا الخنزیر کان فی سعۃ من تناولہ بل یفترض علیہ التناول اذا کان فی غالب رأیہ انہ لو لم یتناول یقتل فان لم یتناول حتیٰ قتل کان اثماً فی ظاہر الروایۃ عن اصحابنا وذکر شیخ الاسلام انہ آثم ماخوذ فیہ الا ان یکون جاھلاً بالاباحۃ حالۃ الضرورۃ فلم یتناول حتیٰ قتل یرجی ان یکون فی سعۃ من ذلک فاما اذا کان عالماً بالاباحۃ کان ماخوذاً کذا قال محمد الباب الثانی من کتاب الاکراہ من العالمگیریۃ) ۲۷ رشعبان ۵۵ھ (النور رمضان ۱۳۵۶ھ ص۹)

جواب دوم :- ارشاد ہے وما کان صلاتہم عند البیت الا مکاء وتصدیۃ فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون۔ اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ معازف و مزامیر جو مرادف ہے مکاء و تصدیہ کا یعنی ملاہی کا اشتغال مسجد کے قریب جو مرادف ہے عند البیت کا اگر موجب استخفاف و اذلال دین یا اغاظت و اشتغال اہل دین من حیث الدین ہوتا ہو کفر ہے اور ارشاد ہے وان نکثوا ایمانہم من بعد عہدہم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انہم لا ایمان لہم لعلہم ینتہون ط۔ اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ جس کفر سے دین کا استخفاف و اذلال یا اہل دین من حیث الدین کا غیظ و اشتغال مقصود ہو وہ موجب نقض عہد ہے یعنی کافر ذمی یا مستامن یا معاہد یا مصالح عہد آزادی مذہب و تقریر علی الکفر میں یہ داخل نہیں بلکہ قدرت کے وقت مسلمانوں کو حق ہے کہ کافر کو اس سے روکیں خواہ حکومت سے اگر حکومت حاصل ہو یا حکام سے مدد لیکر اگر خود حکومت حاصل نہ ہو اور عجز کی حالت میں معذوری ہے۔ رہا قصد استخفاف و اذلال یا اغاظت و اشتغال

اس مدار قرائن مقالیہ یا حالیہ پر ہے جیسے طعن کے طعن ہونے کا یہی مدار ہے ورنہ کفر کا موجب نقض ذمہ نہ ہونا ظاہر ہے اور اسی سے جواب ہوگیا اس شبہ کا کہ مسلمان بھی تو ایسی حرکت کرتے ہیں، اور اس شبہ کا بھی کہ مسجد کی پشت پر بجانے سے کیوں ناگواری نہیں ہوتی جواب ظاہر ہے کہ وہاں قصد اذلال یا اشتغال نہیں ہوتا البتہ قرائن کی تحکیم میں احتیاط شدید کی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات محض سادگی وخلو ذہن کے ساتھ ایسا واقعہ ہوتا ہے وہ اس میں داخل نہیں ایسی ہی احتیاط اس کی نظائر میں ارشاد ہے ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ اور اس احتیاط کی سبیل متعین صرف یہ ہے کہ اس کا فیصلہ عوام اپنی رائے سے نہ کیا کریں اہل علم واہل حلم واہل فہم پر مدار رکھیں جیسا اس کی نظیر میں یہ ارشاد ہے۔ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ واللہ اعلم۔ ۲۲ر شعبان ۱۳۴۹ھ

عدم گزاشتن مسجد حی برائے جماعت

سوال (۶۶۸) کسی مسجد کا امام یا مقیم مسجد اپنی مسجد میں ظہر کی جماعت نہ ہونے کی وجہ سے کسی دوسری مسجد میں محض بلحاظ جماعت چلا جاتا ہے تو اُس کے لیے دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا اَولیٰ ہوگا یا اپنی ہی مسجد میں تنہا نماز پڑھنا بشرطیکہ اذان اُس مسجد میں ہوتی ہو صرف جماعت کی پابندی نہیں ہے جواب مع سند شرعی مرحمت ہو۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار۔ ومسجد حیہ افضل من الجامع فی رد المحتار وما ھنا جزم بہ فی شرح المنیۃ کما مر وکذا فی المصفی والخانیۃ بل فی الخانیۃ لو لم یکن لمسجد منزلہ مؤذن فانہ یذھب الیہ ویؤذن فیہ ویصلی ولو کان وحدہ لان لہ حقا علیہ فیؤدیہ ج ا صفحہ ۴۹۔ اس روایت میں تصریح ہے کہ گو مسجد محلہ میں جماعت نہ ہوتی ہو تب بھی اُسی میں نماز پڑھنا چاہیے گو تنہا پڑھنا پڑے۔

۲۷ر رمضان ۱۳۲۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۹۳)

حق مسجد محلہ

سوال (۶۶۹) اگر محلہ کی مسجد میں نماز جماعت سے نہ ہوتی ہو اور آدمی کہنے سے بھی جمع نہ ہوں تو دوسرے محلہ کی مسجد میں جماعت پڑھنے کے واسطے جانا درست ہے یا نہیں۔ ۳ر فروری ۱۹۲۱ء

الجواب۔ مسجد محلہ کا یہی حق ہے کہ وہاں نماز پڑھے اگرچہ تنہا پڑھنا پڑے۔

استعمال شطرنجی دادۂ ہندو محب اسلام در مسجد

سوال (۷۷۰) عرض ہے کہ ہم ایک ہندو ہیں جناب من ہم نے ایک عدد شطرنجی مسجد موضع فلاں ملک بنگال میں دی خدا کے واسطے پر نماز پڑھنے کو اور وہ کچھ روز کے بعد ہم کو واپس ملی کیا وجہ کہ ہم تو کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے ہیں ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے جو کہ لاشریک ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے براہ مہربانی خدا کے واسطے انصاف کر کے فتویٰ دینا اور ہم سود بھی کھاتے نہیں کیونکہ حرام ہے جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے کہ سود حرام ہے تو پھر ہم کس طرح کھا سکتے ہیں اور براہ مہربانی یہ بھی انصاف کر کے فتویٰ دینا کہ قرآن شریف پڑھ کر پیسہ روپیہ لینا یہ درست ہے یا نہیں ۱۰ اور جس مسجد میں سود والے کا روپیہ خرچ ہوا اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور جو مسلمان سود کھائے اس کے واسطے کیا حکم ہے اور جو مولوی سود والے کی ضیافت کھائے یا اور مسلمان تو اُن کو کھانا درست ہے یا نہیں باقی حال یہ ہے یہ ہے کہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ ڈالتا ہوں اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ جواب ضرور دیجئے خدا کے واسطے مہربانی کر کے جواب عنایت فرمائیے۔؟

الجواب - فی الدر المختار کتاب الوقف بدلیل صحتہ من الکافر - فی رد المحتار حتی یصح من الکافر کالعتق والنکاح الی قولہ بخلاف الوقف فانہ لا بد فیہ من ان یکون فی صورۃ القربۃ وھو معنی ما یأتی فی قولہ ویشترط ان یکون قربۃ فی ذاتہ اذ لو اشترط کونہ قربۃ حقیقۃ لم یصح من الکافر اھ ج ۳ صفحہ ۵۵۴ -
اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہندو ہونا صحت وقف سے مانع نہیں خواہ للمسجد ہو یا بغیر المسجد ہو للاطلاق اور اگر آیت مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ الخ سے شبہ ہو تو وہ شبہ اُس کی تفسیر کے ملاحظہ سے رفع ہو سکتا ہے بندہ کی تفسیر بیان القرآن کو دیکھ لیا جاوے البتہ جہاں احتمال منت رکھنے اور احسان جتلانے کا ہو وہاں یہ عارض مانع اجازت ہو گا لیکن صورت مسئولہ میں قرائن سے اس کا بھی احتمال نہیں وھی قولہ ہم کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے الی قولہ جس کا کوئی شریک نہیں - دل ھذا القول علی کونہ قائلاً للتوحید - وقولہ ہم سود بھی کھاتے نہیں الی قولہ جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے دل ھذا علی اعتقادہ حقیقۃ القرآن - وقولہ آپ کو خداوند کریم کا واسطہ ڈالتا ہوں اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل ھذا علی اعتقادہ

رسالۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھذا الرجل اما مسلم کما یشعر بہ۔ قولہ ہمارا جو اصل حال ہے وہ تو خداوند کریم ہی جانتا ہے۔ واما محب للاسلام حقیق بالتالیف و بکل حال لا یحتمل من مثل ھذا الرجل وعلیٰ ظن اسلامہ مخفیا لم یوجد المانع الاوّل من کفرہ لو فرض مانعا۔ پس جب یہاں کوئی امر مانع نہیں تو ایسے شخص کی دی ہوئی شطرنجی مسجد میں لے لی جاوے کچھ حرج نہیں اور اگر کسی خاص مسجد والے نہ لیں دینے والے کو دوسری مسجد میں دیدینا چاہیئے اگر کہیں قبول نہ ہو یہاں بھیجدی جاوے مسجد میں بچھادی جاوے گی۔ کما نص الفقہاء فیما اذا استغنی مسجد عن الوقف صرف الی الاقرب فالاقرب والجامع تعذر الصرف الی الاصل فی الدر المختار ومثلہ حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنھما والرباط والبئر الی اقرب مسجد او رباط او بئر الیہ اھ ج ۳ مع رد المختار صـ۵۴۲۔ اور اس کے ضمن میں جو اور سوالات کئے ہیں اُن کا منشاء محض غصہ ہے نہ کہ تحقیق اس لیے جواب نہیں دیا گیا۔

۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (حوادث رابع صـ۶۷)

چندہ ہندو در مسجد یا صرف مالِ حرام در تعمیر مسجد

سوال (۱۷۷) علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مقام پاتھرڈیہ ضلع مان بھوم میں ایک مسجد نئی تیار ہوئی ہے اور اس میں ہندو لوگ چندہ دینا چاہتے ہیں۔ وہ روپیہ ہندو لوگوں کا مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے اس شرط سے قبول کر لینا جائز ہے۔

۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ صـ۱۱۹)

تعمیر کافر مسجد را

سوال (۱۷۸) آیت ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علیٰ انفسھم بالکفر کے ذیل میں امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں۔ قال الواحدی دلت ھذہ الاٰیۃ علی ان الکفار ممنوعون من عمارۃ مسجد من مساجد المسلمین ولو اوصی بھا لم تقبل وصیتہ اھ اور عدم جواز کی یہ وجہ لکھتے ہیں والکافر یھینہ ولا یعظمہ۔ اور یہ بھی لکھتے ہیں۔ وایضاً

اقدامه على مرمة المسجد تجرى مجرى الانعام على المسلمين ولا يجوز ان يصير الكافر صاحب المنة على المسلمين اھ اور تفسیر خازن میں ہے واختلفوا فی المراد بالعمارة على قولين احدهما ان المراد بالعمارة العمارة المعروفة من بناء المسجد و تشييدها ومرمتها عند خرابها فيمنع من الكافر حتى لو اوصى ببناء مسجد لم تقبل وصية اھ۔ پس حسب قول واحدی ہندوؤں کا مال تعمیر مسجد میں صرف کرنا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ مولوی عبدالحیٰ صاحب لکھنوی نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا ہے اور استاذنا مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے مجموعۂ فتاویٰ میں جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں ہے۔ تعمیر و مرمت مسجد میں شیعہ و کافر کا روپیہ لگانا درست ہے اھ وایضاً فیہ جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عبادت کا کام ہے اُس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ہندو بخوشی تعمیر مسجد کے لیے چندہ دیں تو لینا درست ہے یا نہیں اگر درست ہے اور یہی قول صحیح و راجح ہے تو جواب مع ماخذ تحریر فرمائیے۔؟

الجواب ۔ یہاں دو مقام ہیں ایک تحقیق حکم کی فی نفسہ دوسرے تحقیق حکم کی باعتبار خارج عارض کے۔ سو تقریر اول کی یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب الوصیۃ میں مصرح ہے کہ کافر کی وصیت ایسے امر کے ساتھ ہو جو اس کے اور ہمارے نزدیک قربت ہے جائز ہے پس اس بناء پر اگر کوئی ہندو اپنے اعتقاد میں اس کو قربت سمجھتا ہے تو اس قاعدہ کلیہ کے اقتضاء سے اُس کا چندہ لینا جائز ہونا چاہیے البتہ اگر اس مسئلہ کی تفسیر یہ ثابت ہو جائے کہ اُس کے مذہب کی رو سے وہ قریب ہو اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس طور پر یہ قربت نہیں ہے تب البتہ عدم جواز کا حکم دیا جاوے گا والظاہر ھو الاول۔ اور مفسرین کا استنباط کرنا عدم جواز کو اس آیت سے فقہاء کے مقابلہ میں درست نہیں کیونکہ لکل فن رجال اور آیت کے یہ معنی بھی نہیں بلکہ سیاق و سباق و سبب نزول میں نظر کرنے سے مطلب آیت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد ہے افتخار مشرکین کا عمارت مسجد حرام اور سقایہ حاج پر اس طور پر کہ مشرکین میں بوجہ فقدان ایمان کے کہ شرط ہے قبول عمل صالح کی اس عمل کی اہلیت شرعیہ نہیں پس یہ عمل اُن کا مقبول نہیں بلکہ کالعدم ہے اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا محض لغو ہے البتہ ایمان والوں سے یہ عمل مقبول ہے پس اس میں جواز اور عدم جواز سے تعرض ہی نہیں اور للمشرکین لازم جواز کا نہیں بلکہ لام استحقاق و صلاحیت کا ہے۔ وقد بسطتہ فی تفسیری للقرآن

اور تقریر ثانی کی یہ ہے کہ بوجہ احتمال منت علی المسلمین فی امر الدین کے اس سے بچنا چاہیئے جیسا کہ سوال میں بھی نقل کیا ہے اور جو شیعی حد کفر تک نہ پہنچا ہو اُس کا حکم کافر کا سا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۳ ر رمضان شریف ۱۳۲۵ھ یوم پنجشنبہ۔ (امداد ثانی صفحہ ۱۱)

صحیح بودن وقف ہندو برائے مسجد

سوال (۱۳۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندو نے ایک جائداد صحرائی بنام مسجد وقف کرکے وقف نامہ باضابطہ بتاریخ ۱۹ ر شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ۵ ر اگست ۱۹۱۷ء رجسٹری کرادیا۔ اُس کے بعد درخواست داخل خارج بنام مسجد عدالت میں دی گئی۔ عدالت میں واقف نے بیان کیا کہ میری اراضی ہنود و مالکانہ موضع ہذا نے کئی جگہ چھین لی ہے اور دس بھینس اور چھ بیل زبردستی لے لیے ہیں۔ نیز مکان بھی جبراً دبا لیے ہیں۔ مالکان کے خوف سے میں نے یہ اراضی مسجد کے نام خیرات کردی ہے۔ میرا یہ اقرار ہے کہ یہ زمین مسجد کے نام ہے بیع رہن نہ ہوئے اور وقف نامہ میں یہ عبارت نہیں ہے۔ بلکہ حسب قاعدہ جو عبارت ہونی چاہیئے وہ ہے وہ لکھتا ہے:۔

"میں اپنا مذہب ہندو رکھتا ہوں۔ مگر خیالات مستقل صوفیانہ ہیں۔ جن کی وجہ سے میں خداوند عالم کے سوا اور کسی پر اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس لیے میرے نزدیک جس قدر عبادت خانے دنیا میں خداوند عالم کی پرستش کے لیے ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں میں اُن کو ہر طرح متبرک اور مساوی سمجھتا ہوں اور اُن کی بہبودی و استحکام کے واسطے دنیا و ثواب آخرت اور ذریعۂ نجات جانتا ہوں اسلئے میں نے حقیت مفصلۂ ذیل فی سبیل اللہ بنام جامع مسجد کیرانہ دواماً قطعی وقف کردی میرا کچھ واسطہ جائداد یا اُس کے حقوق یا قبضہ سے نہیں رہا ہے"

واقف کے بیان مندرجہ بالا سے جو عدالت میں بیان کیا کہ میری اراضی و بیل وغیرہ چھین لیے ہیں اُن کے خوف سے میں نے یہ اراضی خیرات کردی ہے وقف قائم رہا یا نہیں اور واقف کے اس بیان سے جو بعد تکمیل وقف نامہ عدالت میں بوقت داخل خارج ہوا وقف میں کوئی نقص تو واقع نہیں ہوا۔؟

سوال دوم۔ یہ اراضی جو وقف کی ہے پنجاب یعنی ضلع کرنال میں واقع ہے۔ اور وہاں کے قانون کے موافق کوئی شخص اپنی جدی جائداد بیع وغیرہ نہیں کرسکتا۔ البتہ ایک جزو جائداد واسطے فائدہ روحانی کے وقف کرسکتا ہے۔ چنانچہ واقف نے ایک جزو جائداد

وقف کیا ہے تو کیا شرعاً اس واقف کو کوئی فائدہ روحانی ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب عن السوال الاول - فی العالمگیریۃ واما سببہ (ای الوقف) فطلب الزلفی ھکذا فی العنایۃ واما حکمہ فعند ھما زوال العین عن ملکہ الی اللہ تعالیٰ وفیھا واما الاسلام فلیس بشرط۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ وقف صحیح ہوگیا۔ اور جب وقف ہونے کے سبب واقف کی ملک زائل ہوگئی تو بعد کے بیان سے وقف میں کوئی خلل نہیں آسکتا۔ کیونکہ یہ کہنا تصرف ہے غیر مملوک میں جو شرعاً باطل ہے۔

الجواب عن السوال الثانی - اوپر کی روایت میں سبب وقف کا طلب زلفی ہے نہ کہ خود زلفی سو صحت وقف میں اس سے بحث نہیں ہے کہ اس سے واقف کو کوئی روحانی فائدہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے صرف واقف کا قصد ثواب صحت و لزوم وقف کے لیے کافی ہے اور یہ اس وقف میں صرح ہے۔ ۲۱ ر رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۰۲)

سوال (۷۷۴) ایک عورت تھی کہ جو دریوزہ گری اور حرام کے حمل کو اسقاط کرایا کرتی تھی اُس نے مرتے ہوئے وصیت کی کہ میری سب ملکیت کو فروخت کرکے خلاں مسجد کی تعمیر میں لگادیا جاوے اور اُس میں کنواں بنوادیا جاوے وارثوں نے ویسا کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اُس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور درست ہونے کی صورت میں ثواب نماز مسجد ہوگا یا نہیں۔ ایسے مال سے جدید مسجد جگہ لیکر بنانا درست ہے یا نہیں۔ مسجد نام دیوار کا تو ہے نہیں نہ سقف نہ فرش گچ کا۔ لہٰذا اگر ایسا مال کسی نے چنائی میں لگادیا تو مسجد کی مسجدیت میں تو قصور نہیں آتا یا آجاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر کافر بہ نیت ثواب محض خدا کے واسطے تعمیر مسجد میں چندہ دے تو لینا درست ہے یا نہیں

الجواب - یہ کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد قدیم ہے اور اُس کی مرمت میں مال حرام لگایا گیا سو اگر اس سے فرش کی مرمت نہیں ہوئی تو صلوٰۃ میں استعمال مال حرام کا لازم نہیں آیا اس لیے صلوٰۃ میں کوئی کراہتہ نہیں ہوئی گو ایسے مال کا ایسی جگہ لگانا معصیت ہوگا اور اگر فرش میں بھی لگایا گیا ہے تو اُس پر نماز پڑھنے سے استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اور مال حرام سے انتفاع بالاجماع حرام ہے اس لیے اُس پر نماز پڑھنا ممنوع ہوگا البتہ اس کا تدارک اس طرح ممکن ہے کہ اُس فرش کو اُکھاڑ کر بدل دیا جاوے پھر کراہت

زائل ہو جائے گی۔ دوسری صورت یہ کہ ایسے مال سے زمین خرید کر مسجد جدید بنائی گئی ہے سو چونکہ مسجد کا مسجد ہونا الگ چیز ہے اور اُس کا مقبول ہونا الگ چیز ہے سو ہر چند کہ یہ مسجد مقبول نہ ہو۔ لحدیث۔ ان اللہ طیب لا یقبل الا طیبا لیکن مسجد ہونے کے لیے چونکہ وقف للصلوٰۃ ہونا اور صحت وقف کے لیے فارغ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے و بس اس لیے یہ مسجد ضرور ہو گئی۔ اور کشاف و مدارک میں تحت قصۂ مسجد ضرار جو مرقوم ہے قیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء وسمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار۔ اگر قیل کی تضعیف سے بھی قطع نظر کی جاوے تو قبول و عدم قبول پر محمول کرنا واجب ہے نہ یہ کہ وہ مسجد ہی نہ ہو گی مگر باوجود مسجدیۃ کے چونکہ اُس میں نماز پڑھتے ہیں استعمال مال حرام کا لازم آتا ہے اسلئے صلوٰۃ مکروہ ہو گی کما ہو ظاہر۔ اور اس کا کوئی تدارک خیال میں نہیں آتا ہے اس لیے کہ وقف ہونے کے بعد استرداد بیع ممکن نہیں کہ اس فسخ سے اور دوبارہ اشتراء بمال طیب سے اس کا تدارک ہو جاتا، غرض یہ سخت اشکال کا محل ہے کہ نہ اس مسجد میں نماز جائز اور نہ اس کی بے حرمتی بوجہ مسجد ہونے کے جائز۔ اور نہ تدارک ممکن۔ اس صورت کو علماء سے پیش کر کے حکم دریافت کیا جاوے اور ان دونوں صورتوں میں بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ ...... احکام مذکورہ اُس وقت ہیں جب زمین یا ملبہ نقد مال حرام سے خریدا ہو یعنی یا تو ثمن پہلے دیدیا ہو یا وقت اشتراء اُس ثمن کی طرف ارشارہ کیا ہو اور اگر دونوں امر نہ ہوئے ہوں بلکہ اودھار لیا ہو اور بعد میں قیمت دیدی ہو تو مال کی حرمت و خباثت موثر نہیں ہوتی اور یہ کرخی کا قول ہے اور بعض نے اس کے خلاف کی تصحیح کی ہے۔ ھذا کلہ فی کتاب الغصب من الدر المختار۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کافر مسجد میں چندہ دے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کافر اُس کو قربت سمجھتا ہے تو لینا درست ہے اور اگر قربت نہیں سمجھتا تو درست نہیں ہدایہ کی کتاب الوصیۃ میں یہ تفصیل ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ آیا صرف دینے والے کی رائے معتبر ہے یا اُس کے مذہب کا حکم۔ مشہور اول ہے اور احقر کے نزدیک راجح ثانی ہے۔ یہ حکم تو نفس اعطاء کا ہے لیکن۔ نظراً الی بعض العوارض الخارجیہ کالامتنان علی اہل الاسلام

لہ جیسے کہ اگر دوسری مسجد قریب ہو تو اور مسجد بنانا جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس سے پہلی مسجد کی اضاعت لازم آتی ہے لیکن اگر بن جائے تو اس کا منہدم کرنا اور بے ادبی کرنا جائز نہیں اور ایسی مسجد کی مثال ایسی ہے جیسے مغصوب کاغذ پر اگر قرآن لکھا جائے تو نہ اُس کی بے ادبی درست ہے نہ اُس میں تلاوت درست ہے ۱۲۔ منہ

من اهل التکلف قبول کرنا مناسب نہیں۔ فان الاسلام یعلو ولا یعلی والید العلیا المعطیۃ والسفلی السائلۃ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ عندہ علم الصواب۔ ۱۷ ذیحجہ ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۲۹)

ضرورت سے زیادہ مسجد کی زینت کرنے کا حکم

سوال (۷۷۵) مسجد میں برائے زینت اشیاء مزینہ بغرض تکثیر جماعت لٹکانا جائز ہے یا نہیں۔ دیگر اگر مسجد کے لیے اشیاء مزینہ خرید کر بعد چند مدت پھر بخوف عدم جواز یا فضول صرف سمجھ کر فروخت درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار۔ قبیل باب الوتر والنوافل ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا اھ عموم نحوھا سے ان اشیاء کی کراہت ثابت ہوتی ہے اور ایسے زائد اشیاء کا فروخت کرکے مسجد کے ضروریات میں صرف کر دینا جائز ہے۔ قیاسًا علی بیع انقاض المسجد المصرح جوازہ فی رد المحتار۔ ۱۸ رمضان ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۸)

حرمت منع از مسجد شخصے را کہ مدتے درخانہ خود نماز ادا کردہ باز در مسجد آمدہ نماز ادا کند

سوال (۷۷۶) کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں مفتیان شرع متین کہ ایک شخص ہمیشہ اپنے گھر میں سال دو سال نماز پڑھتا رہے اور پھر مسجد میں آکر نماز پڑھنے لگے تو کیا ایسے شخص کو مسجد میں نماز نہ پڑھنے دینا جائز ہے۔؟

الجواب۔ جو شخص اس کو مسجد میں آنے سے روکے گا سخت گنہ گار ہوگا۔؟

ربیع الاول ۱۳۲۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۵)

حکم نماز در مسجد یکہ بغرض فاسد تعمیر کردہ شد

سوال (۷۷۷) ما قولکم رحمکم اللہ بیچ اس مسئلہ کے کہ زمانہ قدیم سے ایک کاہی مسجد ضلع ہوڑا تھانہ شام پور محلہ بارگاؤں میں وقف کی زمین پر قائم ہے اور وہ پانچ متولیوں کی زیر نگرانی میں تھی ان میں سے ایک متولی بلا ضرورت اور بلا کسی عیب علیحدہ ہو کر کاہی مسجد سے پچاس یا ساٹھ ہاتھ کے تفاوت پر ایک نئی مسجد پختہ بنائی پس کاہی مسجد کی جماعت سے کچھ لوگ بغرض طمع مال نئی مسجد میں آئے تو اس مسجد میں نماز درست ہے یا نہیں اور وہ مسجد جائز ہے یا نہیں اور وہ مسجد ضرار کہلائے گی یا نہیں۔ اگر کاہی مسجد کا قبرگاہ میں ہونا ثابت ہو تو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اس صورت میں کون مسجد افضل ہے اگر کاہی مسجد کے قبرستان میں ہونے کا شبہ ہو تو اس حالت میں کاہی مسجد میں درست ہے یا نہیں اور اگر کسی میں کوئی عیب نہ ہو تو کون مسجد کی فضیلت زیادہ ہوگی۔؟

الجواب۔ اگر کسی مصلحت شرعی سے یہ پختہ مسجد بنائی گئی ہے تب تو کچھ حرج ہی

نہیں۔ اور اگر کسی نفسانی غرض سے بنائی گئی ہے تو بنانا مکروہ ہے لیکن نماز پڑھنا اُس میں اگر خلوص سے ہو درست ہے ورنہ مکروہ۔ اور مسجد ضرار کسی حال میں نہیں مسجد ضرار اُس وقت ہوتی جبکہ اُس کی بناء مسجد کی نیت سے نہ ہوتی محض صورت مسجد کی ہوتی جیسے منافقین نے بنائی تھی اور جبکہ نیت مسجد بنانے کی ہو گو خود بنانے میں نیت خالص نہ ہو تو وہ مسجد ضرار نہیں ہے اور اگر کاہی مسجد کا قبرستان میں ہونا ثابت ہو تو اُس میں تفصیل ہے اگر وہ قبرستان مملوک خاص ہے اور قبلہ کی سمت میں کوئی قبر نمایاں نہیں یا اگر نمایاں نہیں یا اگر نمایاں ہے تو مسجد اور اُس قبر کے درمیان دیوار وغیرہ حائل ہے تب تو کچھ حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے اور اگر قبرستان وقف ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اب بھی وہاں قبریں بنائی جاسکتی ہیں تو اس صورت میں بھی وہاں مسجد بنانا مکروہ تھا لیکن باوجود مکروہ ہونے کے اگر بنائی گئی تو اُس کا کیا حکم ہے اس کی تحقیق مجھ کو نہیں۔ کہیں اور جگہ پوچھ لیا جاوے اور اگر وہاں اب قبریں بنانے کی قانونی ممانعت ہو گئی ہے تو اُس میں مسجد بنانے کا حکم وہی ہے جو مملوک زمین میں بنانے کا مذکور ہوا۔ اور اگر دونوں مسجدیں صحیح ہوں تو اقدام و اقرب کے تفاضل میں اختلاف ہے۔ کما یفھم من الدر المختار۔ پس جس قول پر چاہے عمل کرے۔ ۲۲ر جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۲۲)

سوال (۸۷۷) بخدمت علمائے کرام نہایت مؤدبانہ عرض ہے کہ چھاؤنی ہذا کی آبادی اہلِ اسلام کے لحاظ سے ایک مسجد قدیم الایام سے کافی و دائی آباد ہے جس میں نماز پنجگانہ و جمعہ و جماعت بروقت ادا ہوتی ہے لیکن دس بارہ حضرات ساکنان چھاؤنی مسجد مذکور کی قدیم انتظامی حالت میں غیر ضروری تبدیلی کرنا چاہتے ہیں جس پر اہلِ اسلام چھاؤنی راضی نہ ہوئے اسی بناء پر حضرات موصوف نے عدالت مجاز میں دعویٰ دائر کیا جس پر عدالت نے بھی اُن کے خلاف رائے فیصلہ فرما کر قدیم انتظام کو جو سالہا سال سے جاری ہے بجنسہٖ بحال رکھنے کے لیے حکم صادر فرمایا۔ اس لیے حضرات مذکور علیحدہ ایک مسجد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں باوجودیکہ موجودہ مسجد میں اُن حضرات کو نماز ادا کرنے کے لیے کوئی شخص مانع نہیں ہے اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے ایسی حالت میں ایک جدید مسجد کی تعمیر کی کوشش وہ بھی بے ضرورت۔ محض اہلِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے اور اگر وہ اہلِ اسلام کو دو فریق کرنے اور قدیم مسجد کی جماعت کو کم کر کر ویران کرنے کی نیت سے کی جارہی ہے بناء بریں عرض ہے

کہ یہ فعل اُن حضرات کا ازروئے قانون شریعت اسلام جائز ہے یا نہیں اور بہ نیت مذکورہ مسجد بنانا داخل حکم مسجد ضرار ہے یا نہیں۔ اور ایسی مسجد کے لیے کسی قسم کی مدد کرنا داخل ثواب ہے یا باعث عذاب۔ خلاصہ جواب عطاء فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ جس مسجد ضرار کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہ ہے جس کی نسبت قطعی دلیل سے ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کے نیت سے بنائی تھی سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل سے

ثابت ہے کہ وہاں مسجد ہی بنانے کی نیت نہ تھی محض صورت مسجد اضرار اسلام کے نیت سے بنائی تھی سو جس مسجد کا بانی دعویٰ نیت بناء مسجد کا کرے اور کوئی قطعی دلیل اُس کی مکذب نہ ہو اُس کو مسجد ضرار کیسے کہا جا سکتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ایسی مسجد کے انہدام اور اُس میں القاء کناسہ کو جائز کہا جاوے۔ لان الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ اور اس کا کوئی قائل نہیں پس ثابت ہوا کہ ایسی مساجد مسجد ضرار میں تو داخل نہیں البتہ خود یہ قاعدہ متقرر ہے کہ اگر طاعت میں غرض معصیت ہو جیسے مسجد بنانے سے غرض تعصب اور تفریق مقصود ہو تو اُس فعل میں عاصی ہوگا لیکن مسجد مسجد ہی ہوگی مع اپنے جمیع احکام لازمہ کے۔ باقی اس نیت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے دوسروں کو اس پر حکم جازم لگانا جائز نہیں۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۶۵)

نقل انقاض مسجد بدبگڑے وقت استغنا

سوال (۷۷۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد دیرینہ قصبہ سے دور عرصہ سو برس سے مردمان بودوباش کرنے لگے اور ایک مسجد جدید ناتمام بفاصلہ تیس قدم مسجد مذکور سے ہے اگر مسجد کہنہ کو مسمار کرا کر مسجد جدید میں جو آباد ہے اس میں اس کی خشت وغیرہ لگائی جائیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر مسجد کہنہ سے استغناء ہو گیا ہے تو اس کا ملبہ مسجد جدید میں لگانا جائز ہے نہیں تو وہ ملبہ بالکل ضائع جائے گا اس سے بہتر ہے کہ اس مسجد جدید میں لگا دیں والذی ینبغی متابعۃ المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد او حوض کما افتی بہ الامام ابو شجاع والامام الحلوائی وکفی بھما قدوۃ ولاسیما فی زماننا فان المسجد او غیرہ من رباط وحوض اذا لم ینقل یاخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذلک اوقافہ ویا کلھا النظار او

غیرھم و یلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج الی النقل الیہ - شامی جلد ثالث صـ۳۷۲ - واللہ اعلم - ۱۵ر شعبان ۱۳۲۱ھ - (امداد ثانی صـ۸۹)

حکم اتلاف اشیائے مسجد

سوال (۷۸۰) اگر کوئی شخص بعض اشیائے مسجد کو مثل فرش و ظروف وغیرہ وغیرہ کو بخیال غصب تلف کردے تو متولی اور نمازیان مسجد کو معاوضہ بجبر یا بلا جبر جائز ہے یا نہیں -؟

الجواب - فی رد المحتار ج ۳ صـ۵۷۲ - قال الزیلعی وعلی ھذا حصیر المسجد وحشیشہ - اذا استغنی عنھما الی قولہ ینقل الی مسجد آخر - پس باوجود استغناء کے بھی خود انتفاع کسی کو جائز نہیں تو احتیاج وضرورت کے وقت تو کب درست ہو جو شخص قادر ہو اُس کو عوض لینے پر جبر جائز ہے - واللہ اعلم - ۲ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ثانی صـ۹۵)

اگر بعض اشرار وقف جائداد اور املاک الخ

سوال (۷۸۱) اگر بعض اشرار وقف جائداد اور املاک مسجد کو ضائع اور تلف اور غصب کریں تو مسلمان اُس کے واسطے کسی قسم کی تدبیر استخلاص اور وصول کی کریں یا اُس پر صبر کریں اگرچہ نمازیان مسجد کو تکلیف ہو اور اُس کی وجہ سے نماز مسجد میں ادا نہ کرسکیں -

الجواب - فی الدر المختار وکذا الرباط والبیر اذا لم ینتفع بھما فیصرف وقف المسجد والرباط والبیر والحوض الی اقرب مسجد اور باط او بئر او حوض الیہ ج ۳ ص ۵۷۲ یہاں بھی یہی سمجھنا چاہیئے کہ جب باوجود عدم احتیاج کے کوئی اُس کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا تو مسجد کی حاجت ہوتے ہوئے یہ فعل کب حلال ہوگا اس میں بھی قادر کو تدبیر وسعی استخلاص کی کرنا جائز بلکہ واجب ہے اور سکوت ناجائز - واللہ تعالیٰ اعلم - ۳ر ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

حکم مسجد بنا کردہ بمال حرام

سوال (۷۸۲) رنڈی کی بنوائی ہوئی مسجد مسجد شرعی ہے یا نہیں -؟

الجواب - چونکہ مال حرام سے انتفاع جائز نہیں تو آلہ قربت تو بدرجہ اولےٰ نہ ہوگی لہذا ایسی مسجد شرعاً مسجد نہیں وھذا ظاہر - واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم - یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ۲ صـ۹۵)

طوائف کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال (۷۸۳) ایک مسجد طوائف (یعنی جو ناجائز فعل سے گزر اوقات کرتی ہیں) کے نام سے مشہور ہے لیکن وہ جائے کسی ہندو راجہ نے ایک طوائف مسمی چھوٹم بھاگا کو تعزیہ بنانے کے واسطے مفت دی - اور راجہ کو سوائے گانے

بجانے کے اور کوئی تعلق ناشائستہ نہ تھا یعنی طوائف اُس کو گانا بجانا سُنایا کرتی تھی لہٰذا خوش ہو کر اُس کو دیا تھا بلکہ اور کھیت وغیرہ بھی دیا ہے اُس جائے پر تعزیہ بھی بنتا تھا اور اور اب بھی بنتا ہے لیکن کسی زمانہ میں وہی قوم نماز بھی پڑھا کرتی تھی اس سبب سے مسجد مشہور ہے کسی وقت میں وہ مسجد (یعنی امام بارہ) پانی کے سیلاب سے بہ گیا تھا پھر شہر کے سُنّی مسلمانوں نے مسجد باندھا یعنی بنایا لیکن نماز نہیں پڑھی گئی اب وہ جائے طوائفوں کے قبضہ میں ہے وہ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی مسلمان مسجد باندھے ہم وہ جائے مفت دیتے ہیں اور جو کچھ ہماری مسجد کی عمارت ہے ہم لے جاتے ہیں ایسا وہ کہتی ہیں آیا اُس پر مسجد باندھی جاوے تو نماز جائز ہوگی یا نہیں اگر نہیں جائز ہے تو کوئی صورت بھی جائز ہونے کی ہے یا نہیں۔ اُمید کہ کوئی حیلہ شرعی بیان فرمادیں جس سے مسجد کے جواز کی صورت ہو جاوے۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ چونکہ گانا بجانا بھی معصیت ہے اور معصیت کے عوض جو چیز حاصل ہو اُس سے انتفاع جائز نہیں اس لیے وہ زمین مسجد کے قابل نہیں ہے البتہ اگر یہ تاویل کی جاوے کہ اُس معصیت کا عوض تو جدا ملتا تھا مثلاً تنخواہ ملتی ہوگی مزید براں انعام واکرام ملتا تھا اس لیے یہ زمین اُس معصیت کا عوض نہ تھا بلکہ ابتداءً ایک تبرع تھا اس طرح سے اُس سے انتفاع ہو سکتا ہے تو البتہ گنجائش ہے بشرطیکہ موافق فرایض کے جو اُس اول طوائف کا وارث اور اُس زمین کا مالک ہو وہ اجازت دیدے یا یہ ثابت ہو جاوے کہ اُس طوائف نے مسجد کے لیے اُس کو وقف کر دیا تھا اور اُس کے روبرو لوگ اُس میں نماز پڑھنے لگے تھے۔ فقط ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ

تحقیق معاملہ اوقاف متعلقہ جامع مسجد کرانہ

سوال (۷۸۴) قاضی امین الدین نے ایک جامع مسجد بادشاہی جو منہدم ہو گئی تھی از سرِ نو تعمیر کی اور چھیالیس ۴۶ دوکانیں بنائیں منجملہ ان دوکانوں کے چودہ زیر مسجد اور چھبیس دوکانیں ایسے تین قطعہ آراضی جو دیگر اشخاص نے وقف اور ملک جامع مسجد کر کے حوالہ قاضی امین الدین اس شرط سے کی کہ ان قطعوں پر دوکانیں بنا کر ان کی آمدنی مصارف مسجد میں صرف کرتے رہیں بنائیں۔ اور نو دوکانیں ایسے قطعہ پر بنائیں کہ جو قاضی امین الدین کے بھائی کے نام بیع تھا بعد اُن کی وفات لاولد کے وہ وارث ہوئے عبارت ہر سہ وقف ناجات جو دیگر اشخاص کی طرف سے لکھی گئی تھی حسب ذیل ہے۔ برضا و رغبت خود بالجمیع حدود و حقوق و مرافق آں بکل قلیل وکثیر مما یضاعف وینسب الیہا حسبۃً للہ برائے حصول ثواب عقبیٰ وذخیرۂ آخرت وقف نمودہ ملک و مملوک خاص مسجد جامع موصوف کردیم واز ملک خود

برآوردہ برائے تیار کردن دوکانہا بر آراضی مذکورہ سپرد قاضی امین الدین قاضی پرگنہ نمودیم تا قاضی موصوف مذکورہ دوکانہا تیار کردہ آمدنی کرایہ آنہا را در مصارف مسجد موصوف صرف مے نمودہ باشند۔ اس کے بعد انھوں نے ایک وقف نامہ تحریر کیا جس کی عبارت بجنسہ حسب ذیل ہے۔ شرعاً بریں وجہ کہ چہاردہ درد دکاکین تحت جامع وسی ودو دربد دکاکین ذیل جامع مسجد واقع آبادی قصبہ مذکور کانتھ در بازار کہنہ محدودہ مفصلہ ذیل حق وملک وقبض وتصرف مقر مذکورہ بود وہست تا ایں زمان خالیاً عن حق الغیر وعما یمنع جواز التصرف ونفاذہ درینولا مقر مذکور چہل وشش[۵] دکاکین مذکورہ را با جمیع حدود وحقوق ومرافق آں بکل قلیل وکثیر مما یضاف وینسب الیہا ومحاصل اواز ملک خود برآوردہ تصدقاً وحسبۃً للہ علی وجہ الخیر ووقفاً دائماً برائے مصارف جامع مسجد تعمیر کردہ خود واقع کیرانہ مثل درماہہ امام ومؤذن وسقہ ومرمت شکست وریخت مسجد مذکور دوکاکین موقوفہ واطعام واوصادر مسافرین ومبلغ سی وشش روپیہ برائے مصارف مسجد فتحپور مضاف صوبہ دار الخلافہ لکھنؤ وما بقی برائے نفقہ مسماۃ سلیمہ نواسی خود کہ شرعاً بعد وفات مقر از ترکہ مقر محجوب است ثم لولدہا ثم لولد ولدہا ثم لولد ولد ولدہا ذکوراً نسلاً بعد نسلٍ ابداً دائماً وقف نمودہ بتولیت خود در آوردم اقرار معتبر مے نمایم ونوشتہ می دہم کہ بعد تاریخ ایں خط مقر مذکور محاصلش را تا حین حیات خود از دست خود در مصارف مذکور صرف مے نمودہ باشم و بعد وفات من مقر مذکور باہتمام مسماۃ سلیمہ مذکورہ بطریق مذکورہ بالا و بعدہ اولادش نسلاً بعد نسل مصارف مذکورہ بتولیت خود صرف مے نمودہ باشند واگر خدانخواستہ نسل مسماۃ سلیمہ منقطع شود بقیہ نفقہ موقوف لہم حسبۃً للہ عامہ مسکین است واہتمام بذمہ مرد متدین صاحب علم باشندۂ قصبہ واجب است۔ آیا شرعاً جب ہر سہ قطعہ آراضیات وقف کرکے حوالہ قاضی صاحب واسطے بنانے دوکاکین اور صرف کرنے آمدنی کرایہ دوکانات مصارف مسجد کی گئیں اور قاضی صاحب نے بصرف زر کثیر دوکانات بنائیں تو اس صرف زر کثیر سے اُن کو کوئی حق ذاتی دوکانات میں حاصل ہوا یا نہیں اور شرعاً وہ جزو آمدنی دوکانات مذکورہ اور چودہ دوکانات زیر مسجد سے اپنے کسی وارث کے واسطے مقرر کرسکتے تھے یا نہیں اور اگر کرسکتے تھے تو کل دوکانات یا بعض سے؟

---

[۵] چھیالیس ۴۶ دوکانیں بروقت تحریر وقف نامہ بن چکی تھیں اور تین دوکانیں منجملہ چھبیس دکانوں مذکور کے اس وقف پر بعد کو بنائیں جس کا وقف ہونا بذریعہ اعلان اور وصیت نامہ ثابت ہے ۱۲ منہ

سوال دوم - قاضی امین الدین بعد وقف کرنے دوکاکین کے خود متولی ہوئے اور اپنے بعد کے لیے اپنی نواسی سلیمہ کو اور اُس کی اولاد ذکور کو متولی قرار دیا بعد انتقال قاضی امین الدین مسماۃ سلیمہ متولیہ ہوئی اور اُس نے بذریعہ اپنے شوہر قاضی خلیل الدین مختار عام دوکاکین موقوفہ میں تصرف کرنا شروع کیا یعنی اپنی کل جائداد مع دکاکین وقف کے علاوہ زیر مسجد رہن کی - اِس کے بعد مابین فضل اللہ جو قاضی امین الدین کے برادر زادہ کا بیٹا تھا اور سلیمہ میں بذریعہ ثالث جائداد علاوہ دوکانات تقسیم ہوئی اور ثالث نے فیصلہ ثالثی میں یہ لکھا کہ قاضی امین الدین جامع مسجد کیرانہ اور مسجد شاملی کے متولی تھے اور ان مساجد میں بہت کچھ اپنے پاس سے صرف کرتے تھے جامع مسجد کیرانہ کے زیر مسجد جو چودہ دوکانیں تھیں اُس کی آمدنی اُس کے مصارف کو کافی نہ تھی اور اب ہے قاضی صاحب دوکانات تعمیر کردہ اپنے کو متعلق جامع مسجد کر گئے ہیں اور اُس کے آباد رکھنے کی وصیت کر گئے ہیں میں نے وہ وصیت دیکھا ہے میں موافق اُسی وصیت نامہ کے دوکانات کو تقسیم نہیں کرتا ہوں اور فریقین پر لازم کرتا ہوں کہ بعد کل خرچ اخراجات ومرمت شکست وریخت جو بچے وہ فریقین باہم نصف نصفا تقسیم کر لیا کریں یہ وصیت نامہ جس کو ثالث لکھ رہا ہے درحقیقت ایک علیحدہ دستاویز تھی کہ جس کی رو سے اپنی نواسی مسماۃ سلیمہ محجوب الارث کو نصف جائداد کا مالک کیا جس کی عبارت یہ ہے - ثانیاً خصوصاً نور چشم مولوی حکیم ظہیر الدین را وصیت می کنم کہ بلا لحاظ حجب نصف متروکہ من برائے نور دیدہ بی بی سلیمہ صانہا اللہ تعالیٰ عن الآفات واگزارند وثالثاً دوکانات بازار جامع مسجد کیرانہ کہ از مصارف خالص خودم بنا نہادہ دواماً علیٰ وجہ الخیر وقف کردہ ام حسب اہتمام مصرحہ وقف جاری دارند وہم مبلغ سی وشش ۳۶ روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد فتحپور ومبلغ شش روپیہ سالانہ تنخواہ مؤذن مسجد خورد متصل مسجد موصوف بدستور از آمدنی دوکانات مسطور صرف نمودہ باشند۔

اور وقفنامہ جس کی عبارت سوال اول میں نقل کی گئی وہ مسماۃ سلیمہ نے بہ ثبوت اِس امر کے کہ بعد کل مصارف جو پس انداز ہو وہ واقف نے تنہا میرا حق مقرر کیا ہے اور اُس میں فضل اللہ کا کوئی حق نہیں ثالث کے سامنے پیش نہیں کیا اور ثالث نے اپنے فیصلہ ثالثی میں اُس کا تذکرہ کیا بلکہ ثالث نے پس انداز کو مابین اُن کے پس انداز بالمناصفہ تقسیم ہوا تھا دکاکین کو بھی نصفا نصف اپنی ملکیت تصور کر لیا جیسا کہ عملاً ظاہر ہوا۔

اس کے بعد مسماۃ سلیمہ کا انتقال ہوگیا اور مرتہن نے ورثاء سلیمہ پر نالش دائر کی ورثہ سلیمہ نے عذر کیا کہ جائداد یعنی دکاکین وقف ہیں مگر کوئی دستاویز عدالت میں پیش نہیں کی حتیٰ کہ مدعا علیہم یعنی ورثاء سلیمہ کا وقف خود پیش کرنے کا نہ رہا اُس کے بعد اپنے ایک گواہ سے وقف نامہ جس کی عبارت سوال اول میں درج ہے اقراری قاضی امین الدین پیش کردیا علاوہ اُس وقف نامہ اور کوئی ثبوت وقف پیش نہ کیا اور فضل اللہ مدعا علیہ نے وقف سے انکار کیا کہ جو دہ دوکانین جز مسجد ہیں وہ وقف ہیں باقی وقف نہیں۔ عدالت نے اُس وقف نامہ کو جعلی قرار دیا اور دعویٰ مدعی ورثاء سلیمہ پر ڈگری کردیا من بعد ورثہ سلیمہ نے عدالت ہائی کورٹ میں اپیل کیا مگر وقف نامہ ضبط شدہ طلب نہ کرایا اور نہ اُسکی بابت کوئی بحث کی بلکہ اُس کو بالکل نظرانداز کردیا اور اُس عدالت سے بھی کامیابی نہ ہوئی قبل اس کے کہ مقدمہ عدالت ہائی کورٹ سے فیصل ہو مدعی نے ڈگری جاری کرائی ورثاء سلیمہ نے عذر کیا کہ تصفیہ اپیل اجراء ملتوی ہو وہ عذر منظور ہوا بعد اسکے قبل تصفیہ اپیل برضامندی فریقین یعنی ڈگری دار اور ورثہ سلیمہ درخواست اجرائے ڈگری اِس مضمون کی عدالت میں گزری کہ اول لاٹ نیلام پر دکاکین نیلام پر دکاکین نیلام کردی جائیں چنانچہ حسب درخواست مدعی اور مدعا علیہم کل دکاکین کا نصف نیلام ہوگیا اور اپنی کل جائداد ذاتی جو شمول دد کانات کفول تھی بچالی بعد نیلام کل دوکانات کا نصف باقیماندہ فضل اللہ نے بھی فروخت کردیا جن کو اب عرصہ قریباً بارہ سال ہوگیا اِس عرصہ میں کوئی کاروائی منجانب ورثہ سلیمہ دربارہ بازیافت جائداد موقوفہ منفرداً یا مشترکہ ظہور میں نہ آئی بلکہ تین قطعہ جو دیگر اشخاص نے وقف کئے تھے منجملہ اُن کے ایک قطعہ معروف لبسرائے کہنہ تھا اُس میں آٹھ دوکانین بنائی تھیں اور اُس کے ایک جزو میں قبر قاضی امین الدین کی ہے اور ایک جزو میں سقے آباد ہیں اور نو جزو نیلام سے مستثنیٰ تھے جس جزو میں قبر قاضی صاحب کی تھی اُس کو ورثہ سلیمہ نے ۱۹۰۲ء میں فروخت کردیا بعد منقضی ہونے گیارہ سال کے چند اہل اسلام قصبے کو اِس کا خیال ہوا کہ اس میں توکلاً علی اللہ تعالیٰ سعی و کوشش کرنی چاہیئے اگر خدانخواستہ بارہ سال پورے ہوگئے تو پھر ہمیشہ کو مایوسی ہوجائے گی اور چونکہ وہ علیٰ کل شئی قدیر ہے کیا عجب ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ کا ظہور فرمائیے اور از سرنو جامع مسجد کو مثل سابق غنی کرنے کی کوشش شروع کی اور بعد

اجازت ایڈوکیٹ مقیم الہ آباد دعویٰ رجوع کیا اور مناط دعویٰ اُنھیں ہر سہ وقف نامجات جو دیگر اشخاص کی جانب سے تھے اور وصیت نامہ اور درخواست قاضی امین الدین جو ضلع کرنال سے حاصل کی تھی جس میں اُنھوں نے ان دوکانات کے وقف کا ذکر کیا تھا اور فیصلہ ثالثی اور شہادت لسانی کو گردانا اور وقفنامہ کو جعلی قرار دیا گیا تھا ترک کر دیا اگرچہ اُس وقفنامہ ضبط شدہ کو حسب ہدایت عدالت طلب کرایا مگر وہ عدالت سے نہ آیا اور معلوم ہوا کہ وہ نیات میں تلف کر دیا گیا سب اہلِ اسلام نے علاوہ ورثاء سلیمہ چندہ کے دینے میں اور دیگر امور میں جو اس کے متعلق تھے کوشش کی مگر ورثاء فضل اللہ نے اور بعض ورثاء سلیمہ نے وقف کے خلاف جواب دہی کی اور بعض ورثہ سلیمہ نے وقف ہونے کا تو اقرار کیا مگر اپنی موروثہ مسماۃ سلیمہ کی بدنیتی سے انکار کیا اُس قادر علی الاطلاق نے اپنے فضل سے اہلِ اسلام کو پوری فتح اور کامیابی عطا فرمائی یعنی سب دوکانات وقف ثابت ہوگئیں اب اپیل جو منجانب مدعا علیہم ہو اور نالش دخل منجانب متولیان باقی ہے جس میں بہت زیادہ صرفہ ہے اب ورثاء سلیمہ اپنا حق مانگتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں اس وجہ سے نالش دخل میں تعویق ہے حالانکہ ابھی تک محض وقف ثابت ہوا ہے مقدمات اور صرف کثیر باقی ہے۔ اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ ہم نے جو روپیہ دیا وہ واسطے مسجد کے دیا نہ کہ واسطے حق سلیمہ کے اب شرعاً ورثاء سلیمہ کا کوئی حق تھا یا نہیں اور اگر تھا تو وہ اُن کے افعال بالا سے ساقط ہو گیا یا نہیں اور جب ورثاء سلیمہ نے بذریعہ نیلام نصف دکاکین اپنے دین سے سبکدوشی حاصل کر لی اور فضل اللہ نے بذریعہ بیع نصف دکاکین سے روپیہ حاصل کر کے اصل شئی کو تلف کر دیا تو کیا پھر بھی کچھ حق شرعاً باقی رہا اور جو نقصان متعلق آمدنی کے مسجد کو اندر گیارہ سال کے پہنچا اس کا اعادہ مسجد ورثاء سلیمہ سے جو متولیہ تھی کر سکتی ہے یا نہیں اور جب کل دوکانیں پورے طور سے مسجد کی ہو کر قبضہ اہلِ اسلام میں آجائیں تو ورثہ سلیمہ اُس میں کسی جزو آمدنی کے شرعاً پانے کے مستحق ہیں یا نہیں اور حق تولیت ورثاء مسماۃ سلیمہ کا بھی باقی رہا یا نہیں اور نیز واضح رہے کہ کل میعاد نالش دخل کی قریباً دو ماہ باقی ہیں اگر اسی نرغہ میں دو ماہ گزر گئے اور چندہ کی سبیل ہو کر نالش نہ ہوئی تو پھر ہمیشہ کو مایوسی اور بالکل اُمید منقطع ہو جائے گی۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب - فی الدر المختار ج ۳ ص ۴۱۴ - اعلم ان البناء فی ارض الوقف فیہ تفصیل فان کان الباني المتولي علیہ فان کان بمال الواقف فھو وقف سواء بناہ

للوقف ہو لنفسہ اذا اطلق وان من مالہ للوقف اطلق فھو وقف الا اذا کان ھو الواقف واطلق فھو لہ کما فی الذخیرۃ وان بناہ من مالہ لنفسہ واشہد انہ لہ فھو لہ کما فی القنیۃ والمجتبیٰ۔ اِس روایت سے معلوم ہوا کہ قاضی صاحب چونکہ اُن ہر سہ قطعات موقوفہ کے محض متولی تھے ولم یقع الاشہاد علی البناء لنفسہ۔ اِس لیے اُن قطعات مذکورہ پر جو دوکانات بنائی گئی ہیں گو اپنے ہی مال سے ہیں وہ سب بمجرد بناء کے تبعاً للارض وقف ہوگئیں پس جس طرح اصل قطعات صرف جامع مسجد کے لیے وقف ہیں جیسا کہ واقفین کی تحریر میں مصرح ہے اسی طرح یہ دوکانات بھی خالصاً جامع مسجد کے لیے وقف رہیں گی پس قاضی صاحب کا اُس کی آمدنی میں مدات کی تفصیل کرنا شرعاً صحیح نہ ہوگا کیونکہ واقف ہونے کی شرائط میں سے مالک ہونا ہے قاضی صاحب کسی وقت اُن دوکانات کے مالک ہی نہیں ہوئے البتہ جو قطعہ قاضی صاحب کے بھائی کے نام بیع تھا اور وہ اُن کو میراث میں پہنچا یہ اُس کے بیشک مالک ہوئے اور اسمیں جو نو عدد دوکانات اپنے روپیہ سے بنائیں اُن کے بھی مالک ہوئے اور اُن کے وقف کرنے والے بھی یہی ہوئے اس لیے ان خاص دوکانات میں وہ تفصیل مدات کی صحیح اور معتبر ہے اور قاضی صاحب کا علی الاطلاق وقف نامہ میں یہ لکھدینا کہ حق وملک وقبض وتصرف مقر مذکور بودہ ہست الخ شرعاً صحیح نہیں پھر چونکہ یہ مدات مجموعہ دوکانات میں مقرر کی ہیں جن میں بعض کے اعتبار سے یہ مقرر کرنا صحیح ہے اور بعض کے اعتبار سے غیر صحیح اس لیے اُن دوکانات نہ گانہ کے مقابلہ میں جس قدر حصہ ان مدات کا آئے گا اُس حصہ کی نسبت سے خاص اُن دوکانات نہ گانہ کے متعلق یہ مقرر کرنا صحیح ہوگا اور جس قدر حصہ ان مدات کا بقیہ دوکانات کے مقابلہ میں آئے گا اس حصہ کا اُن بقیہ دوکانات کے متعلق مقرر کرنا صحیح نہوگا مثلاً فرض کیا جائے کہ اُن دوکانات نہ گانہ کی آمدنی کو مجموعہ دوکانات کی آمدنی سے مضاعف ہے اور ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی ان بقیہ دوکانات کی آمدنی سے نصف ہے تو جامع مسجد میں جس قدر اخراجات ہوں گے اُس کے دو حصے تو بقیہ دوکانات کی آمدنی سے لیں گے اور اُس کا ایک حصہ ان دوکانات نہ گانہ کی آمدنی سے لیں گے پھر اُن دوکانات نہ گانہ کی آمدنی میں جو دو ثلث باقی رہے گا اُس کے مجموعہ سے چھتیس روپیہ کا ایک ثلث یعنی بارہ روپیہ تنخواہ مؤذن مسجد فتحپور میں دیں گے اور چھ روپیہ کا ایک ثلث یعنی دو روپیہ تنخواہ مسجد خورد متصل جامع مسجد کرانہ میں دیں گے اور اس کے بعد جو اس مذکور دو ثلث باقی

سے بچے گا وہ سلیمہ کا اور اُس کے بعد حسب شرط قاضی صاحب اُس کے ورثہ کو ملے گا اور اگر بجائے نسبت ثلث کے دو کانات نوگانہ اور بقیہ دو کانات میں ربع اور تین ربع کی نسبت ہوگی تو اُسی نسبت سے سب مدات مذکورہ میں تفاوت ہوجائے گا لیکن بقیہ دو کانات کی جو آمدنی ہے وہ خالص جامع مسجد کی ہوگی یہ تفریع روایت منقولہ پر بالکل ظاہر ہے۔

جواب سوال دوم - فی الدرالمختار - وولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ - وفیہ بعد اسطر ثم اذا مات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی ج ۳ ص ۶۳۳ وص ۶۳۵ - وفی ردالمحتار وقال فی البحر قدمنا ان الولایۃ للواقف ثابتۃ مدۃ حیاتہ وان لم یشترطها وان لہ عزل المتولی وان من ولاہ لا یکون لہ النظر بعد موتہ ای موت الواقف الا بالشرط علی قول ابی یوسف ثم ذکر عن التتارخانیۃ ما حاصلہ ان اهل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونہ باذن القاضی ج ۳ ص ۶۳۳ - وفیہ عن الخانیہ انہ (ای المتولی) بمنزلۃ الوصی وللوصی ان یوصی الی غیرہ اھ ج ۳ ص ۶۳۷ - ان روایات سے معلوم ہوا کہ واقف کے مرنے سے متولی معزول ہوجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو صرف یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو وصی مقرر کرے لیکن یہ اختیار نہیں ہوتا کہ مسلسل دُور تک اسیطرح کسی کو وصی مقرر کرے کہ میرے بعد فلاں ہوگا اُس کے بعد فلاں - البتہ واقف کو اختیار ہوتا ہے کما مر حوا - بلکہ اگر متولی کسی کو کہہ کر مرجائے تو پھر جب دوسرا متولی مرے گا تو حاکم یا عامہ اہلِ اسلام کو اختیار ہوگا جس کو مناسب سمجھیں متولی مقرر کرلیں پس دو کانات نہ گانہ میں دقاضی صاحب واقف ہیں اُن کی نسبت یہ لکھدینا کہ بعد وفات منمقر مذکور با ہتمام سلیمہ بعدہ اولادش تولیت خود الخ ملخصاً صحیح ومعتبر ہوگا لیکن بقیہ دو کانات میں قاضی صاحب متولی ہیں جیسا اوپر ثابت ہوا تو اگر قاضی صاحب کا اُن قطعات کے وقف کرنے والوں سے قبل انتقال ہوگیا ہو تب تو قاضی صاحب کی وصیت بھی صحیح نہیں کیونکہ واقف کے ہوتے ہوئے متولی کو اس کا اختیار نہیں جیسا روایت اولیٰ میں ثم کی ترتیب سے معلوم ہوا اور اگر قاضی صاحب کا انتقال اُن قطعات کے وقف کرنے والوں کے بعد ہوا ہے اور اُن وقف کرنے والوں نے اپنے مرنے کے بعد کے متعلق درباب تولیت

قاضی صاحب کچھ نہ کہا ہو تب تو قاضی صاحب تولیت سے معزول ہو گئے جب بھی اُن
کی وصیت صحیح نہیں۔ اور اگر اُن وقف کرنے والوں نے اپنے بعد کے لیے بھی ان کو متولی قرار دیا
ہو تو البتہ سلیمہ کو متولی مقرر کرنا صحیح ہو گا اور مابعد والوں کو غیر صحیح ہو گا اور جن دو کانات نہ گانہ
میں ان کی تحریر مذکور صحیح ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ فی نفسہ صحیح و معمول بہ ہے لیکن اگر مانع تولیت
ان متولیوں سے واقع ہو تو تولیت درست نہ ہو گی اور منجملہ موانع شرعیہ کے متولی کا غیر مامون
ہونا ہے۔ فی الدر المختار وینزع وجوبا لو غیر مامون او عاجزا الیٰ قولہ وان شرط عدم
نزعہ۔ ج ۳ ص ۵۹۵۔ اور واقعات سے غیر قابل اطمینان ہونا سلیمہ اور اُس کے ورثہ کا اور
نیز عاجز ہونا احیاء حقوق وقف سے ظاہر ہے اس لیے خاص اُن دو کانات نہ گانہ کی تولیت
بھی جاتی رہے گی پس اب عامہ اہل اسلام جس کے متولی ہونے پر رضامند ہوں وہ سب
دو کانات ہر دو قسم کا متولی ہو جائے گا اتنا فرق ہے کہ بقیہ دو کانات کی تولیت میں تو ورثان
سلیمہ کا کبھی حق نہ ہو گا اور دو کانات نہ گانہ میں جب نسل سلیمہ سے جب کوئی شخص ایسا
پایا جائے گا جس پر عامہ اہل اسلام قرائن قویہ سے مطمئن ہوں اور اہتمام وقف کا حسب
شرائط واقف کے پورا پورا کرے اُس وقت ان خاص دکانات نہ گانہ کی تولیت اُس کا حق سب سے
مقدم ہو گا۔ فی رد المحتار و اذا صار اھلا بعد لا ترد الولایۃ الیہ ذکرہ الی قولہ یکن فیھم اھل
اقام القاضی اجنبیا الیٰ ان یصیر فیھم اھل۔ جلد ۳ ص ۶۶۲ اور گو ان کارروائیوں سے سلیمہ
یا وارثان سلیمہ کا حق تولیت باقی نہ رہے لیکن واقف نے ان کا جو حق آمدنی میں بعد پس انداز ہونے
کے ٹھہرا دیا ہے وہ باطل نہ ہو گا۔ فی الدر المختار۔ خلا عمارۃ علی من لہ الا ستغلال لا نہ لا یسکن
لہ فلو سکن ھل تلزمہ الاجرۃ الظاہر لا لعدم الغائل قال فی رد المحتار لعدم الغلۃ حتی
لانہ اذا اخذت منہ دفعت الیہ ج ۳ ص ۵۹۔ قلت فانظر کیف بقی حق ھذا الرجل
فی الغلۃ مع انہ خالف شرط الواقف۔ البتہ جو سلیمہ کی اولاد نہ ہو جیسے فضل اللہ یا اس
کے ورثہ اُن کا اس وقت میں کوئی استحقاق نہیں اور ثالث کا فیصلہ خلاف شرع قابل عمل
البتہ یہ جو کہا گیا کہ سلیمہ یا اس کے ورثہ کا حق آمدنی میں باطل و ساقط نہ ہو گا اس آمدنی کے
دینے کی ابتداء اُس وقت سے ہو گی کہ جس قدر سلیمہ یا اُس کے ورثہ نے مسجد کی آمدنی بلا استحقاق
اپنی ذات پر صرف کی ہے وہ سب اُن کے خاص حصہ سے اور اسی طرح اس وقت اثبات
و احیاء و حفاظت وقف کی کوشش میں جو کچھ صرف ہوا اُس میں سے جس قدر ان دوکانات

نہ گانہ کے حصہ میں آئی ہے وہ ان دکانات نہ گانہ کی آمدنی سے غرض یہ ہر دو رقم اول وصول ہوجائیں اُس کے بعد سے حسب شرط واقف حسب تصریح جواب وسوال اوّل ان کو بھی ان کا حق ملا کرے گا۔ کیونکہ اول رقم تو غصب ہے اُس کا ضمان لازم ہی ہے اور دوسری رقم اس لئے کہ یہ سلیمہ یا اُس کے ورثہ باعتبار آمدنی کے مثل شریک کے ہے اور ایک شریک کی جگہ عامۂ اہلِ اسلام ہیں اور مشترک عمارت میں جو کچھ ایک شریک مجبوری کو صرف کرے اور دوسرے شریک کی جگہ عامۂ اہلِ اسلام ہیں اور مشترک دوسرے پر نہ جبر ہوسکے نہ وہ خوشی سے شریک ہو تو اُس سے اُس کے حصہ کا خرچ لینے کا اُس کو حق حاصل ہے۔ فی ردالمحتار۔ وان اضطر بکان شریکہ لا یجبر فان انفق باذنہ او بامر القاضی رجع بما انفق والا فبالقیمۃ۔ ج ۳ ص ۵۴۵۔ وفی الدر المختار فلا عمارۃ علی من لہ الاستغلال الی قولہ ولو ھو المتولی ینبغی ان یجبرہ القاضی علی عمارتھا مما علیہ من الاجرۃ فان لم یفعل نصب متولیا لیعمرھا ج ۳ ص ۵۹ قلت وبمجموع الروایتین ظھر المطلوب۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۹۵)

بنائے دوکان زیر مسجد

سوال (۷۸۵) فقہا کی روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مسجد ہونے کے لیے شرط ہے کہ حقوق عبد اُس سے منقطع ہوجائیں اور نیز مسجد تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہے اور ان ہی دو وجہوں سے مسجد کے نیچے دکانیں بنوانا جائز نہیں (جیسا کہ متعارف ہے) اور اس وجہ سے اُس کی چھت داخل مسجد سمجھی نہیں جاتی لیکن درمختار کی ایک روایت سے اس کی نسبت شبہ پڑتا ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز ولو جعل لغیرھا وجعل فوقہ بیتا وجعل باب المسجد الی طریق وعزلہ عن ملکہ لایکون مسجدا اس پر شامی لکھتے ہیں۔ ظاھرہ انہ لافرق بین ان یکون البیت للمسجد اولا الا انہ یوخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقف علی مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب والعلو لمصالح المسجد او کان وقف علیہ صار مسجدا کونہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا لینقطع حق العبد لقولہ تعالیٰ وان المساجد للہ بخلاف اذا کان السرداب او العلو موقوفا لمصالح المسجد فھو

کسرداب بیت المسجد المقدس ھذا ھو ظاھر الروایۃ الخ اور فتح القدیر میں کتاب الوقف میں ہے۔ بخلاف ما اذا کان السرداب او العلو لصالح المسجد فانہ یجوز اذ لاملک فیہ لاحد بل ھو من تتمیم مصالح المسجد فھو کسرداب مسجد بیت المقدس ھذا ھو ظاھر المذھب اھ شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے تحت قول درمختار لانہ مسجد الی عنان السماء بفتح العین وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجانی بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء ھل یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم ارہ صریحا نعم سیاتی متنا انہ لو جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز تامل اھ۔ پہلی روایت میں جو اسعاف سے نقل کی ہے اوکان وقفا علیہ کا عطف کان لمصالح المسجد پر ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مسجد پر وقف ہو تو اگر مصالح مسجد کے لیے نہ ہو لیکن مسجد مسجد ہو جائے گی اور علو اور سفل میں کوئی وجہ فرق نہیں صورۃ مذکورہ میں دکانوں کا وقف علی المسجد ہونا ظاہر ہے اس لئے مسجد ہو جانا اُس کی سطح کا ثابت ہے اس لئے کہ علۃ سرداب وعلو موقوف علی المسجد کی اس میں بھی پائی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا البحر الرائق سے جو عبارت نقل کی ہے اور فتح القدیر کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ شامی کی جو عبارت کتاب الصلوٰۃ میں ہے اُس میں تو بیت الخلاء کو بھی مسجد کے نیچے ہونے کو جائز کر دیا ہے۔ اگرچہ آخر میں تامل بھی کہہ دیا ہے۔ لیکن اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مسجد الیٰ عنان السماء والیٰ تحت الثریٰ کے وہ معنی نہیں سمجھے جو ہم لوگ سمجھتے ہیں ورنہ اس کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ تھا۔ اس لیے کہ جب تحت الثریٰ تک مسجد ہے تو بیت الخلاء کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ بحر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد منقطع ہو جانا کافی ہے اس لیے اگرچہ نیچے یا اوپر مسجد نہ ہو لیکن وقف ہو تو کافی ہے اس سے بھی دکانیں بنانے کے جواز کی تائید ظاہر ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاویٰ کی جلد دوم استفتاء نمبر ۲۰۱ میں ان روایات سے استشہاد کر کے دکانیں بنانے کی اجازت دی ہے اور اُس کی سطح کو حکم مسجد دیا ہے۔ ان روایتوں کے علاوہ اسی کے قریب قریب اور روایتیں زیلعی شرح کنز اور عینی شرح کنز سے نقل کی ہیں اگر وہاں فتاویٰ موجود ہو تو ملاحظہ فرمایا جائے ورنہ یہاں سے نقل بھیجی جا سکتی ہے باقی۔ سفلہ وعلوہ مسجدا کے معنی اُنھوں نے بھی بیان کیے ہیں کہ حق العبد باقی نہ رہے یہ تاویل عبارت کی الفاظ

کے خلاف ہے۔ غرضکہ اس کی نسبت کچھ تشفی نہیں ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ اس مسئلہ میں یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اصل مذہب تو یہی ہے کہ عنان سماء اور تحت الثریٰ تک سب مسجد ہے لیکن ضرورت میں اصل مذہب سے عدول کیا گیا ہے گو اُس عدول کی مختلف توجیہیں کر کے اصل مذہب پر منطبق کرنا چاہا ہے۔ لیکن اقرب یہی ہے کہ انطباق مشکل ہے اور اصل توجیہ ضرورت ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں صاحبینؒ سے بغداد اور رَے میں داخل ہونے کے وقت اجازت کی روایت اس کی شاہد ہے۔ ۷ رجب ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی ص ۱۰۵)

سوال (۷۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسجد بالائی منزل پر ہو اور اُس کے نیچے کا خلا ضروریات و منافع و مصالح مسجد کے لیے مستعمل ہو تو مسجد مسجد کا حکم رکھتی ہے یا نہیں اور اس طرح مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ان جعل تحتہ سردابا لمصالحہ المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل بغیرہا او جعل فوقہ بیتا وجعل باب المسجد الی طریق وعزلہ عن ملکہ لا الیٰ قولہ ما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذٰلک لم یصدق (تاتارخانیہ) فاذا کان ہذا فی الوقف فکیف بغیر فیجب ہدمہ ولو علیٰ جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولا ان یجعل شیئا منہ مستغلا ولا سکنی۔ بزازیہ۔ اھ (ص ۵۷۲ ج ۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مسجدیت کے مکمل ہونے کے قبل ایسا کیا جاوے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ ۲۴ رجمادی الثانی ۱۳۲۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۴۴)

سوال (۷۸۷) حسب ذیل روایات کی تطبیق مزید تسلی بندہ کے لیے اُمید کہ ارقام فرمائی جاوے در مختار کے کتاب الوقف میں ہے۔ واذا جعل تحتہ سردابا لمصالحہ جاز الخ۔ اس پر شامی لکھتے ہیں۔ ظاہرہ انہ لا فرق بین ان یکون البیت للمسجد اولا الا انہ یؤخذ من التعلیل ان محل عدم کونہ مسجدا فیما اذا لم یکن وقفا علیٰ مصالح المسجد وبہ صرح فی الاسعاف فقال واذا کان السرداب او العلو لمصالح المسجد او کانا وقفا علیہ صار مسجدا اھ شرنبلالیۃ قال فی البحر وحاصلہ ان شرط کونہ مسجدا ان یکون

سفلہ وعلوہ مسجد اً لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالیٰ وان المساجد للّٰہ بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد فھو کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاھر الروایۃ الخ صـ۵۷۳ جـ ۲۔ ونیز شامی میں باب مکروہات الصلوٰۃ میں ہے تحت قول درمختار لانہ مسجد الی عنان السماء بفتح العین وکذا الی تحت الثری کما فی البیری عن الاسبیجابی بقی لو جعل الواقف تحتہ بیتا للخلاء ھل یجوز الخ الی قولہ تامل اھ صـ۶۸۶ جـ۱۔ (۱) صار مسجد اً کے معنی کیا صرف یہ ہوں گے کہ حق العبد اس قطعۂ زمین سے یعنی اس کے تحت الثریٰ سے لیکر عنان السماء تک منقطع ہو گیا اور فوق وتحت پر مسجد کے احکام شرعیہ نہ جاری ہوں گے یعنی بول وتغوط وغیرہ جائز ہوں گے حالانکہ اسی جگہ شامی میں لکھتے ہیں کہ فوق مسجد پر ایسے امور جائز نہیں اور اس کے نیچے خلاء وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں۔ (۲) کیا فوق مسجد ونیز سقف دکانات جو مسجد کا فرش ہے ان پر فرض جماعت کا ثواب مثل جماعت کے نہ ہوگا یعنی فوق مسجد پر جماعت کی نماز پڑھنا ونیز وہ حصہ مسجد کا جو دکانوں کی سقف ہے اس پر جماعت کرنا مکروہ تو نہ ہوگا اور ثواب مسجد کا ادائیگی فرض نماز میں وہاں ہوگا یا نہیں۔ (۳) اگر سقف دکانات پر مسجد کا ثواب ملے گا تو مسجد کے نیچے دکانوں کا بنانا گو اسی کے مصالح کے لیے وقف ہو کیا جائز ہے اگر جائز ہے تو مسجد کی چھت پر ایسی دکانیں بنانا بھی جائز ہونا چاہئے کیونکہ اصل مسئلہ سے تجاوز ہے دونوں صورتوں میں یکساں معلوم ہوتا ہے۔ امید کہ جواب مفصل وشافی ارقام فرمایا جاوے۔ اللہ تعالیٰ ثواب جزیل عطاء فرماوے۔؟

الجواب۔ غالباً آپ نے مرجع ضمیر صار کا سرداب وعلو کو سمجھا ہے سو یہ مرجع نہیں ہے اور اس کو مسجد نہیں کہہ رہے بلکہ مرجع اس کا وہ مسجد ہے جس کے مصالح کے لیے سرداب وعلو بنی یا وقف کیا گیا مطلب یہ کہ اگر کوئی مسجد بنائی اور اُس کے سرداب یا علو کو اپنا مملوک رکھا مسجد کے متعلق نہیں کیا تو یہ مسجد بھی مسجد نہ ہوگی۔ یہ مسجد اُس وقت مسجد ہوگی جب اُس سرداب وعلو کو مصالح مسجد کے لیے بنادے یا مسجد پر وقف کردے اور حاصل عبارت بحر کا یہ ہے کہ یہ جو فقہاء کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ مسجد اُس وقت مسجد ہوتی کہ اُس کا علو وسفل سب مسجد ہو۔ سو اس کلام سے یہ نہ سمجھا

جاوے کہ علو وسفل بھی مسجد ہی ہو بلکہ اس اشتراط سے اصل مقصود یہ ہے کہ اُس سے حق عبد منقطع ہو جاوے خواہ مسجدیت کی وجہ سے یا وقف علی المسجد کی وجہ سے پس اشتراط مسجدیت تمثیلاً ہے کہ حصراً اور اصل اشتراط انقطاع حق العبد ہے۔ اور اگر تمثیلاً نہ ہو تو تعلیلاً ہے تو اشتراک علت سے کہ وہ انقطاع حق عبد ہے حکم معلول بھی عام ہو گا اور جہاں انقطاع نہ ہو وہ مسجد نہ ہو گی اور لینقطع الخ سے چونکہ اس عدم انقطاع کی صورت بھی مفہوم ہوتی تھی اس اعتبار سے آگے بخلاف کہہ رہے ہیں اور یہ قول لا نہ مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثریٰ۔ یہ اُس صورت میں جب پہلے سے اُسکے نیچے سرداب نہ بنایا ہو پس تبعاً سب مسجد ہو جاوے گا اور جب اول ہی سے اُسکے نیچے سرداب بنالیا ہو تو قصد سے وہ جزو مستثنیٰ ہو جاوے گا و للقصد ترجیح علی التبع۔ اُمید ہے کہ اس تقریر سے سب اجزاء سوال کا جواب ہو گیا ہو گا اگر کچھ باقی رہا مکرر واضح عبارت سے پوچھ لیجئے۔ ۱۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ اربعہ ص ۳۱)

سوال متعلق مسئلہ بالا (۷۸۸) جواب مسئلہ کا معلوم کر کے بالکل تشفی ہو گئی واقعی غلطی وہی تھی جو جناب نے معلوم فرمایا سارے شبہات اسی غلطی پر متفرع تھے اب بالکل کافور ہو گئے اللہ تعالیٰ ثواب جزیل واجر عظیم عطا فرمادیں۔ مزید تسلی کے لیے یہ بات اور دریافت طلب ہے کہ تحت مسجد بیت الخلاء کو سرداب پر قیاس کر کے بنوا سکتے ہیں یا نہیں۔ شامی نے اس کے متعلق صرف تامل کا لفظ لکھا ہے۔؟

الجواب۔ سرداب میں یہ قید لگائی ہے لمصالح المسجد اور پاخانہ کو ظاہر ہے کہ مصالح مسجد سے نہیں کہہ سکتے وہ ایک حاجت طبعیہ ہے جس کو تتمیم اغراض مسجد میں کوئی دخل و تعلق قریب نہیں اور بعید بوسائط کا اعتبار نہیں ورنہ یہ قید ہی بیکار ہو گی کیونکہ ہر فعل کا بوسائط بعیدہ مسجد سے تعلق نکل سکتا ہے اس لئے میرے نزدیک اس میں جواز نہیں معلوم ہوتا نیز عرفاً خلاف احترام بھی ہے نیز موجب تاذی مصلین بھی ہے۔ اور حدیث میں پیاز خام کھانے والے کے حق میں فلا یقربن مصلانا آیا ہے جو دخول سے عام ہے جس سے ظاہراً عفونت کی چیز قصداً مسجد کے قریب بنانے کی بھی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۳۲)

عدم جواز ساختن حوض کہ جزوی ازاں زیر مسجد باشد

سوال (۷۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک محلہ میں ایک مسجد قدیم ہے اس کے آگے ایک دوسری زمین ہے فنائے مسجد سے اس میں حوض بنانا چاہتے ہیں مصالح مسجد کے لیے مگر حوض کے لیے وہ جگہ کافی نہیں اگر وہ حوض کسی قدر مسجد کے نیچے آوے اور اُس کے اوپر سے ویسی ہی چھت ڈالی جاوے جیسے کہ پہلے تھا تو آیا یہ درست ہے یا نہیں۔ اس صورت میں مسجد بھی کم نہ ہوگی اور حوض بھی بقدر دو گز کے مسجد کے نیچے کو آجاوے گا اور اوپر سے چھپا ہوا ہوگا بہ مثل سابق لوگ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ درست نہیں۔ ربیع الاول ۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص۱۸۳)

عدم جواز ساختن حوض کہ جزوے ازاں زیر مسجد الخ

سوال (۷۹۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ جامع مسجد حسن پور میں حوض نہیں ہے جس کی وجہ سے وضو آسانی سے نہیں ہو سکتا اور مسجد کے صحن کے علاوہ حوض بنانے کے واسطے اراضی حاصل نہیں ہو سکتی اگر صحن مسجد میں حوض بشکل مستطیل جس کا طول ۲۴ درعہ اور عرض ۴ گز چار تسو جس کا رقبہ سو گز ہو گیا بنا کر اوپر پاٹ دی جاوے تاکہ نماز کی جگہ میں کچھ کمی نہ ہو اور وضو کرنے کے واسطے جو اس وقت نالی وضو کی موجود ہے اور دیوار فصیل مسجد جن دونوں کا مجموعہ سو گز ہے کافی ہے بنا لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار فی دلیل بعض الفروع لانہ مسجد الی عنان السماء فی رد المحتار وکذا الی تحت الثریٰ الخ ج ۱ ص۶۸۶ وفی الدر المختار واما المتخذ لصلوٰۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی فی رد المحتار قولہ بہ یفتی لکن قال فی البحرانہ یجوز الوطاء والبول والتخلی فیہ ولا یخفی ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد الخ ص۶۸۷ ج ۱۔ وفی الدر المختار محرمات المساجد والوضوء الا فیما اعد لذلک وغرس الاشجار الا لنفع کتقلیل نز فی رد المحتار قولہ والوضوء لان ماءہ مستقذر طبعاً فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہ عن المخاط والبلغم بدائع قولہ کتقلیل نز قال فی الخلاصۃ غرس الاشجار فی المسجد لا باس بہ اذا کان

فیہ نفع للمسجد بان کان المسجد ذا نزو لا سطرانات لا تستقر بدونہا وبدون ھذا لا یجوز اھ وفی الھندیۃ عن الغرائب ان کان لنفع الناس بظلہ ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لا باس بہ وان کان لنفع نفسہ بورقہ او ثمرہ او یفرق الصفوف او کان فی موضع تقع بہ المشابھۃ بین البیعۃ والمسجد یکرہ اھ وبعد اسطر لان فیہ شغل ما اعد للصلوٰۃ ونحوھا ان کان المسجد واسعا او کان فی الغرس نفع بثمرتہ اھ ج ۱ ص ۶۹۱۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حوض بطریق مذکور فی السوال بنانا جائز نہیں اولاً اس لیے کہ بانی نے فرش مسجد کا اس غرض کے لیے نہیں بنایا انظر الی قولہ فان البانی لم یعدہ لذلک الخ دوسرے اس لیے کہ حوض کے اندر کم وبیش غسالہ وضو کا ضرور گرتا ہے اور اُس کا مسجد میں گرانا جائز نہیں۔ انظر الی قولہ لان ماءہ مستقذر الخ۔ تیسرے اس لیے کہ اس سے نماز کی جگہ میں تنگی اور تفریق صفوف واقع ہوگی اور یہ جائز نہیں۔ انظر الی قولہ ولا یضیق علی الناس الخ اور تقلیل نزپر قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ضرورت شدیدہ میں ہے اور یہاں ضرورت شدیدہ نہیں انظر الی قولہ فالاسطرانات لاتستقر الخ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اُس کے پاٹ دینے سے ضیق وتفریق نہ ہوگی کیونکہ اولاً تو پاٹنے تک تو یہ محذور لازم ہی رہے گا دوسرے پاٹنے میں بھی ہر چہار طرف نالی کے قریب تو ضرور کچھ کچھ خالی چھوڑا جاوے گا اس قدر اتصال میں خلل پڑے گا اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ پانی وضو کا اگر گرے گا تو پانی کی سطح پر گرے گا فرش مسجد پر نہ گرے گا۔ جواب یہ ہے کہ وہ سطح بھی مسجد ہے۔ انظر الی قولہ لانہ مسجد الی عنان السماء الخ۔ ۲۶ رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۵۸)

منع بنا دوکان در طریق زیر فنائے مسجد

سوال (۷۹۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی مسجد کا کوئی جزو کسی غلط فہمی یا جبریہ حاکم وقت کیطرف سے اگر شہید کر دیا گیا ہو اور بعد میں پھر اُس جزو منہدمہ مسجد کی تعمیر کی اجازت حاصل ہو تو از روئے شرع شریف عامہ مسلمین کو جدید تعمیر میں ایسے طریقہ پر ترمیم کہ عمارت مسجد کے نمازیوں وغیرہ کے واسطے کار آمد تھی اپنی قدیم حالت پر بجنسہ قائم ہو جاوے اور اُس جزو عمارت کی کرسی میں بلحاظ آسائش خلق اللہ ومصلحتِ وقت دوکان یا

ممر (گزرگاہ) بھی قائم کردیا جائے جو قبل از انہدام مٹی سے پُر شدہ چبوترہ تھا۔ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ قیم المسجد لا یجوز لہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فی فنائہ لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمتہ وھذا لا یجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی (ج ۳ ص ۲۳۱) وفی البحر الرائق فی المجتبی لا یجوز لقیم المسجد ان یبنی حوانیت فی حد المسجد او فنائہ (ج ۵ ص ۲۴۹) وفی فتح القدیر عن المصنف من کتاب التجنیس قیم المسجد اذا اراد ان یبنی حوانیت فی المسجد او فی فنائہ۔ لا یجوز لہ ان یفعل لانہ اذا جعل المسجد مسکنا تسقط حرمۃ المسجد واما الفناء فلانہ تبع للمسجد (ج ۵ ص ۲۲۶)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مسجد میں بھی اور فنا مسجد (یعنی حصہ متعلقہ مسجد مثل وضوخانہ وغیرہ) میں بھی دکانیں بنانا جائز نہیں۔ اور اسی سے ثابت ہوگیا کہ ممر (گزرگاہ) بنانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے دو وجہ سے۔ ایک اس لیے کہ دکانوں کا تعلق تو مسجد سے بھی رہ سکتا ہے اور اُس میں بعض اوقات مصلحت مسجد کی بھی ہوسکتی ہے جب وہ بھی ناجائز ہے تو ممر جس میں نہ مسجد کی کوئی مصلحت ہے اور نہ اُس کا مسجد سے کوئی تعلق ہے کیسے جائز ہوگا۔۔۔ دوسرے اس لیے کہ روایات بالا میں اُس کے احترام کو بنارِ حکم قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ممر میں احترام زیادہ ضائع ہوگا بہ نسبت دکان کے کیونکہ دکان کی نسبت ممر میں زیادہ عموم ہے۔ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہاں فناء میں نہیں بناتے بلکہ فناء کے تحت میں بناتے ہیں بات یہ ہے کہ روایاتِ بالا سے اس باب میں فنا مسجد کا تبعاً حکم مسجد میں ہونا معلوم ہوا اور روایت ذیل سے مسجد کے تحت میں دکانوں کا بنانا ناجائز ثابت ہوتا ہے پس فناء کے تحت میں بھی ناجائز ہوگا اور وجہ اُس کی یہ ہے کہ مسجد اور فنا مسجد آسمان سے تحت الثریٰ تک مسجد اور فناء مسجد ہے وہ روایت یہ ہے۔ اراد ان یتخذ تحت المسجد حوانیت غلۃ لمرمۃ المسجد او فوقہ لیس لہ ذلک کذا فی الذخیرۃ عالمگیری ج ۳ ص ۲۳۵) البتہ ابتداء میں مسجد کی تعمیر کے ساتھ قبل مسجد ہونے کے اوپر یا نیچے عمارات متعلقہ مصالح مسجد بنانے کا فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ ۲۰ رذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۹۱)

ادخال طریق در مسجد

سوال (۷۹۲) مسجد کے سامنے راستے کے متصل افتادہ زمین بعض اہل محلہ مسجد میں شامل کرنا چاہیں اور کمیٹی سے اجازت لے لیں تو یہ حکم مسجد میں داخل اور لینا صحیح ہو جائے گا یا نہیں طریق کی مقدار شرعی وقانونی سبعہ بلکہ سابق اضیق طریق سے دو انگشت چھوڑ کر یہ حصہ لیا جاتا ہے کیا اس میں جمیع اہل محلہ کی صراحۃً رضا ضروری ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ گورنمنٹ کی مملوک ہے اور کمیٹی کو سرکاری مملوکہ کا مجاز نہیں ہاں دینے پر مزاحمت بھی نہیں ہوتی پس مسلمان ممبر کمیٹی کو اجازت دینے اور بلا خاص اجازت لندن کے اس افتادہ قطع کا ہبہ صحیح نہیں اور نہ اس حصہ کو مسجد میں داخل کرنا یا نماز پڑھنی صحیح ہے مختصراً مگر مدلل اور مسکن جواب کی حاجت ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار جعل شئ من الطریق مسجد الضیقہ ولم یضر بالمارین جاز وفی رد المحتار عن التاتارخانیۃ مثل ابو القاسم عن المسجد اراد بعضھم ان یجعلوا المسجد رحبۃ والرحبۃ مسجد او یتخذ والہ ما با او یحولوا ابابہ عن موضعہ وابی البعض ذلک قال اذا اجتمع اکثرھم وافضلھم لیس للاقل منعھم اھ ج ۳ ص ۵۹۳ فی الدر المختار باب استیلاء الکفار ولو سبی اھل الحرب اھل الذمۃ من دارنا لا یملکونھم لانھم احرار وبعد اسطر ولو غلبوا علی اموالنا واحرزوھا بدارھم ملکوھا۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ طریق عام بادشاہ وقت کا مملوک نہیں بلکہ حق عام ہے اور اگر مسجد میں حاجت ہو اور راہ گیروں کو تنگی نہ ہو تو اہل محلہ کے اکثر یا افضل لوگوں کی رائے سے مسجد میں ملا لینا جائز ہے اور کمیٹی کی اجازت کی ضرورت بمصلحت ہے اور وہ تملیک نہیں ہے جو اس پر شبہات پیدا ہوں اور حدیث میں جو سبعۃ اذرع آیا ہے وہ تحدید کے لیے نہیں بلکہ اُس وقت اِس سے حاجت مرتفع ہو جاتی تھی۔ فقط واللہ اعلم۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ ہجری (امداد ثانی ص ۱۰۹)

سوال (۷۹۳) قریب کے ایک گاؤں میں ایک مسجد ہے جس کے جانب جنوب قدیم الایام سے شارع عام واقع ہوا ہے جس میں آمد و رفت لوگوں کی و بہلی وغیرہ کی ہمیشہ سے ہوتی چلی آتی ہے اب لوگوں نے اسی جانب سے ازدیاد مسجد کا قصد کیا اور اُس سڑک کا کچھ حصہ دبا لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ شارع عام کا حصہ دبا لینا زیادتی

مسجد کے واسطے جائز ہے یا نہیں سڑک پہلے تو دس ہاتھ کی تھی اب پانچ ہاتھ رہ گئی جس میں آمد و رفت گاڑیوں کی متاتو ہو نہیں سکتی البتہ گاہ بہ نوبت ہوا کرے گی اس میں گونہ حرج ہونا ظاہر ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی سڑک دس بیس ہاتھ کی قدیم سے ہو تو بغرض زیادتی مسجد وغیرہ سات ہاتھ چھوڑ کر باقی دبا لیا جا سکتا ہے یا نہیں اور حدیث اذا اختلفتم فی الطریق الخ۔ اس کے لیے محل استناد ہو سکتا ہے یا نہیں۔ طحاوی نے تو اس کو بیان کیا ہے کہ بلاد مفتوحہ میں ابتدائً جو طریق بنائے جائیں تو رفع اختلاف کے واسطے یہ حدیث کذا فی حاشیۃ البخاری۔؟

الجواب۔ (۱) فی الدر المختار جعل شیئ من الطریق مسجد الضیقۃ ولم یضر بالمارین جاز۔ فی رد المحتار قولہ۔ لضیقۃ ولم یضر بالمارین افاد ان الجواز مقید بھذین الشرطین۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر طریق کا کوئی جزو مسجد میں داخل کر دینے سے اہلِ طریق کو ضرر ہو تو جائز نہیں اور ضرر کا مدار عُرف پر ہے اور یقینی بات ہے کہ بجائے اس کے کہ دو گاڑیاں آمنے سامنے آنیوالیاں نکل جائیں ایک ہی گاڑی کی جگہ رہنا عرفاً ضرر اور موجب حرج ہے جیسا کہ اہلِ ذوق سلیم پر مخفی نہیں اس لئے صورۃ مسئولہ میں راستہ کا مسجد کے اندر دبا لینا جائز نہیں اور اگر مسجد میں بالفعل تنگی نہ ہو تو عدم جواز کی دو علتیں جمع ہو جائیں گی۔ (۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلفتم فی الطریق جعل عرضہ سبعۃ اذرع رواہ مسلم قولہ سبعۃ اذرع یعنی اذا کان طریق بین ارض قوم ارادوا اعمارھا فان اتفقوا علی شیئ فذی الدوان اختلفوا فی قدرہ جعل سبعۃ اذرع ھذا مراد الحدیث واما اذا وجد طریق مسلوکۃ وھو اکثر من سبعۃ اذرع فلا یجوز لاحد ان یستولی علی شیئ منہ لکن لہ عمارۃ ما حوالیہ من الموات وتملکہ بالاحیاء بحیث لا یضر بالمارین اھ لمعات وطیبی رسیدہ۔ تفسیر مذکور سے حدیث کی مراد معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مبحوث عنہا میں اس سے استناد نہیں ہو سکتا باقی اس کا جواز و ناجواز ضرر و عدم ضرر پر دائر ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں لکھا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد ثانی صفحہ ۱۷۴)

نابالغ کی زمین میں مسجد بنانے کا عدم جواز۔

سوال (۷۹۴) ایک قریہ ہے کہ جس کی آبادی قریب ساٹھ گھر کے ہے جس میں صرف بیس آدمی نمازی ہیں اور باقی کچھ عورتیں ہیں اور نابالغ لڑکے لڑکیاں ہیں اور قریہ میں مسجد قدیم ہے اور اس کے قریب تخمیناً پچیس قدم کے فاصلہ پر ایک مکان گرا ہوا تھا اور کھادا اُس کا مشترک تھا جس کے کچھ وارث بالغ ہیں اور کچھ نابالغ ہیں یتیم بھی اب بعض لوگوں نے اس مکان مشترک کی جائے میں بغیر اجازت یتیموں کے جو کہ اس میں شریک تھے مسجد جدیدہ محض بوجہ عداوت مسجد قدیم کے اور واسطے ازالہ حق امام جی کے بنائی ہے اور مسجد قدیم سے قرأت کا آواز مسجد جدید میں بخوبی جاتا ہے اور وقت بنائے مسجد جدید کے ڈھول بجاتے رہتے ہیں شرعاً اُس مسجد جدید کا کیا حکم ہے مسجد ضرار کا حکم ہے یا نہیں اور مسجد قدیم کو چھوڑ کر مسجد جدید میں عداوت سے نماز پڑھنی اور جماعت کرانی جائز ہے یا نہیں بحوالہ کتب جواب عنایت فرمادیں اور جواب کے منتظر ہیں آپ کے جواب پر فیصلہ ہوگا۔ فقط۔؟

الجواب۔ اوّل تو اس مسجد ثانی کی بناء نیت خالصہ پر نہیں دوسرے حق غیر میں ہے اور غیر بھی ایسا ہے کہ جس کا اذن شرعاً غیر معتبر ہے لہٰذا یہ مسجد کے حکم میں نہیں اور اس میں نماز پڑھنا اور مسجد قدیم کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ والمسئلۃ ظاہرۃ۔ واللہ اعلم۔

۱۸ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۱۲۲)

عدم جواز ہدم مسجد بغرض مرمت وقت منع بانی

سوال (۷۹۵) ایک مسجد مقام اکلترہ ضلع بلاسپور میں میرے بھائی حاجی آلٰہی بخش صاحب نے پانچ چھ سال کا عرصہ ہوتا ہے تیار کی ہے مگر اب کچھ لوگ بالکل شہید کر کے دوبارہ پتھر کی بنوانا چاہتے ہیں اور اس وقت مسجد میں صرف شکایت یہ ہے کہ ایام بارش میں کچھ پانی چھت کی وجہ سے آتا ہے۔ اب حاجی صاحب شہید کرنے سے روکتے ہیں اور وہ لوگ نہیں مانتے اس حالت میں اگر حاجی صاحب خرچ تعمیر مسجد کا اُن لوگوں سے لینا چاہیں تو اس کا کیا مسئلہ ہے جو کچھ حکم حدیث فرمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مناسب ہو تحریر فرمائیے۔؟

الجواب۔ اگر چھت کی شکایت ہے تو چھت کی مرمت کافی ہے بلاضرورت پوری مسجد شہید کرنا درست نہیں اور چونکہ بانی مسجد متولی ہونے میں سب سے مقدم ہے لہٰذا بانی مسجد اس فعل سے روک سکتا ہے اور منہدم کرنے والوں سے تاوان لاگت کا لے سکتا ہے

لیکن اُس کو اپنے خرچ میں نہیں لا سکتا - بلکہ مسجد میں لگانا واجب ہوگا - ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی ص۱۱۱)

گورنمنٹ کا مسجد کے لیے زمین دینا اور اُس میں مسجد بنانا

سوال (۹۶۷) گورنمنٹ (یعنی انگلش گورنمنٹ جو حکومت غیر مسلمہ تھی) اگر مسجد کے لیے کوئی زمین بالکل دیدے اور اُس کو واپس نہ لے اور اُس پر لوگ نماز پڑھنے لگیں تو آیا یہ وقف گورنمنٹ کا مسجد کے لیے درست ہوگا اور اُس زمین پر مسجد کا حکم شرعاً جاری ہوگا یا نہ - ظاہری آیۃ تو اس کے منافی ہے اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہ یہ ہے کہ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر الخ -

الجواب - وقف علی المسجد حکم میں وصیۃ للمسجد کے ہے اور غیر مسلم اگر مسجد کے لیے وصیت کرے تو اُس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اُس کو قربت سمجھے تو صحیح ہے ورنہ نہیں پس اگر گورنمنٹ کے اعتقاد میں یہ قربت ہو جب تو ظاہر ہی ہے کہ صحیح ہے اور اگر اُس کا یہ اعتقاد نہ ہو تو اُس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ زمین جو گورنمنٹ دیتی ہے وہ حقیقت میں رعایا کی ہوتی ہے اور ممبران میونسپلٹی کے مشورہ سے دیتی ہے اور ممبران میونسپلٹی وکیل ہوتے ہیں رعایا کے اور ہر چند کہ ہر ہر شخص رعایا میں سے اُن کی توکیل پر اپنی رضامندی ظاہر نہیں کرتا مگر اہل حل وعقد کی رضا تمام قوم کی رضا ہے اور رعایا میں یا ہندو ہیں یا مسلمان اور اکثر ہندو بھی ایسے مصارف کو قربت اعتقاد کرتے ہیں لہذا یہ وقف جائز ہے اور مسجد جو اُس سرزمین میں بنی ہے مسجد ہے اور آیۃ کا مطلب دوسرا ہے جو بندہ کی تفسیر میں مذکور ہے - ۹ رجمادی الآخری ۱۳۲۸ھ (تتمہ اول ص۱۲۶)

گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہ عام کے لیے الخ

سوال (۹۶۷) گورنمنٹ اپنی مملوکہ آراضی میں رفاہ عام کے لیے ایک شفاخانہ بنانا چاہتی ہے اُس آراضی میں بعض منہدم مساجد بھی ہیں اُن کو گورنمنٹ اپنے خرچ سے بنانے کا وعدہ کرتی ہے مگر عام لوگوں کو وہاں آنے کی اجازت دینا مشکل ہے البتہ شفاخانہ کے مریضوں اور ملازموں کو ہر وقت اجازت ہے اور ایک مسجد کو بنانے سے کسی وجہ سے عذر کرتی ہے مگر اُس کے تحفظ کے لیے احاطہ اُس کا بھی بنا دینے کو کہتی ہے سوال یہ ہے اس صورت کو اگر مسلمان منظور کرلیں جائز ہے یا نہیں -

الجواب - احکام شرعیہ دو قسم کے ہیں ایک اصلی دوسرے عارضی - صورت مسئولہ

میں حکم اصلی یہی تھا کہ مسجد ہر طرح آزاد ہیں اُن میں کسی وقت کسی کو نہ نماز پڑھنے سے ممانعت کی جاوے نہ آنے جانے سے الا لمصلحۃ المساجد اور یہ حکم اُس وقت ہے جب مسلمان بدون کسی شورش کے (یعنی بدون وقوع فی الخطر یا لحوق ضرر بالمسلمین کے) اس پر قادر ہوں اور حکم عارضی یہ ہے کہ جس صورت پر صلح کی جاتی ہے اور پر رضامند ہو جاویں اور یہ حکم اس حالت میں ہے جب مسلمان حکم اصلی پر قادر نہ ہوں نظیر اُس کی مسجد الحرام ہے جب تک اُس پر مشرکین مکہ مسلط رہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز بھی پڑھتے رہے بیت اللہ کا طواف بھی فرماتے رہے اسی درمیان میں وہ زمانہ بھی آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے عمرہ کے لیے مکہ میں تشریف لائے اور مشرکین نے نہیں آنے دیا پھر اس پر صلح ہوئی کہ تین روز کے لیے تشریف لاویں اور عمرہ کر کے چلے جاویں آپ نے اس صلح کو قبول فرمایا اور وقت محدود تک قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے یہ سب اُس وقت ہوا جب تسلط نہ تھا عذر کی حالت میں آپ نے اس حکم عارضی پر عمل فرمایا پھر جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو باقاعدہ مسلط فرما دیا اُس وقت اصلی حکم پر عمل فرمایا گیا پس یہ جو تفصیل ہے اس صلح کے منظور کر لینے میں اور گورنمنٹ کا مساجد مذکورہ کی مرمت کا وعدہ کر لینا اس کی بھی اسی مسجد حرام میں ایک نظیر ہے کہ مشرکین نے اُس کی تعمیر کی اور آپ نے قدرت کے وقت بھی اُس تعمیر کو باقی رکھا البتہ اس وعدہ میں اتنی ترمیم کی درخواست مناسب ہے کہ جس مسجد کو صرف احاطہ سے محفوظ کر دینا چاہتے ہیں اُس کو بھی مسجد کی ہی صورت پر بنا دیں گو چبوترہ ہی بنا دیں اور اگر کوئی قوی مجبوری ہو تو احاطہ پر قناعت کریں لیکن ایک پتھر کندہ کر کے نصب کر دیں۔ عاشر رجب ۱۳۳۹ھ

نئی مسجد میں پرانی شامل کرنے سے پرانی کی آبادی ہو گی یا نہیں

سوال (۷۹۸) پرانی مسجد نئی مسجد کے صحن میں شامل کر دی گئی اُس میں کوئی عمارت نہیں بنائی گئی تو کیا نئی مسجد کے سامنے کے صحن میں یا اندر نماز پڑھنے سے پرانی مسجد بھی آباد سمجھی جائے گی یا خاص پرانی مسجد کی زمین میں نماز ضروری ہے۔؟

الجواب۔ اس سے وہ بھی آباد ہو گئی الحمد للہ۔ فقط ۲۸ صفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۳۲)

تغیر ہیئت مسجد

سوال (۷۹۹) ہمارے محلہ کی مسجد پرانی عمارت اور نشیب میں واقع ہے لہذا اُس کی کرسی ہم کسی قدر اونچی کر کے اُس کی قدیم بنیاد پر نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے

ہیں اور چونکہ جماعت خانہ عرض و طول میں زیادہ ہے اور صحن کم ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ جانب جنوب تھوڑا حصہ جماعت خانے کا خارج کر کے جماعت خانہ سے لیکر صحن میں لے لیا جائے یا اُس خارج حصہ کو دو تین کمان لیکر بشکل سہ دری کر دیا جائے اطلاعًا عرض ہے کہ اس میں طرح کے تغیر و تبدل سے کچھ شرع مانع تو نہیں ہے۔ اس کے اوامر و نواہی سے جیسا ہو حکم نافذ فرما کر مشکور فرماویں۔ بینوا توجروا۔؟

الجواب۔ سُنا گیا ہے کہ اُن اطراف میں صحن مسجد کے ساتھ معاملہ مسجد کا سا نہیں کرتے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جماعت خانہ کا کوئی حصہ صحن میں شامل کرنا درست نہیں ورنہ اُس کو لوگ مسجد سے خارج سمجھیں گے اسی طرح سہ دری یا ایسی کوئی چیز بنانا جس کے بننے کے بعد دیکھنے والے اُس حصہ کو مسجد سے خارج سمجھیں جائز نہیں اور اگر یہ بات نہ ہو تو صرف نیچے سے اونچی کر دینا یا زائد کر دینا مضائقہ نہیں خلاصہ یہ ہے کہ جس قدر زمین اب مسجد سمجھی جاتی ہے اُس کا کوئی جزو خارج مسجد کی شکل بنانا درست نہیں ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۲۲)

مال تجارت داشتن در مسجد

سوال (۸۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی تاجر قرآن شریف اور عربی و فارسی و اردو درسیہ وغیرہ کتابیں تجارت کی مسجد میں بکس میں بند کر کے رکھتا ہے اور مسجد سے نکالکر باہر کو فروخت کر کے ما بقی مال پھر بکس میں رکھتا ہے اور تاجر مذکور کی اُس میں یہ غرض ہے مسجد میں جماعت سے نماز پڑھا کرے دوسری جگہ میں اگر رکھا جائے تو جماعت میسر نہیں ہوتی پس اس صورت میں بکس میں رکھنا درست ہے یا نہیں اور تاجر مسطور مرتکب گناہ ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ احضار سلعہ جب معتکف ہی کے لیے ناجائز ہے تو دوسروں کے لیے کب جائز ہے اگر مسجد کے قریب کسی مکان میں یا حجرہ میں رکھا جائے تو باذن متولی جائز ہے خواہ بکرایہ یا بلا کرایہ۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۲۵)

تسلیم ثمن در مسجد الخ

سوال (۸۰۱) ایک شخص کوئی چیز خارج مسجد فروخت کر کے مسجد میں چلا آیا نماز کے لیے یا یوں ہی تو اُس کی قیمت مسجد میں ملے تو لے سکتا ہے یا نہیں

الجواب۔ فی الدر المختار احکام المسجد ؛ کل عقد الا المعتکف فی رد المحتار

الظاهر ان المراد به عقد العبادة الخ - چونکہ یہ عقد نہیں ہے عقد سے جو واجب ہوا تھا اُس کا تسلیم کرنا ہے اس لیے یہ جائز ہوگا - ۱۱ر محرم ۱۳۳۴ھ

مساجد میں بجلی کی روشنی کا حکم

سوال (۸۰۲) خادم نے آتش پرستوں کو دیکھا ہے کہ لالٹین کے سامنے شب کو کھڑے ہو کر پرستش کرتے ہیں اب عام طور پر مسجدوں میں بجلی کی روشنی سر پر رہتی ہے یا سامنے کہا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے کہ اس سے مسجد کی زینت ہے حالانکہ زینت مسجد کی نماز پڑھنے والوں سے ہے جو بہت مشکل سے مسجد میں آتے ہیں خیر - خادم ایک کونہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتا ہے امام کے پیچھے اب نہیں کھڑا ہوتا سب سے کہا ہے کہ روشنی بجلی کی ایک جانب مسجد کے کردی جاوے کہ کسی قسم کا شک شبہ نہ رہے - حضور دعاء فرماویں اور خادم اس روشنی سے علیحدہ رہے یا نہیں - جو حکم ہو -؟

الجواب - فی الدر المختار مکروهات الصلوٰة - او شمع او سراج او نار توقد لان المجوس انما تعبد الجمر لا النار الموقدة قنیه فی رد المحتار تحت قوله - او شمع و عدم الکراهة هو المختار کما فی غایة البیان الی اخر ما قال - اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور مختار عدم کراہۃ کو لکھا ہے لیکن جب علت کراہۃ کی عبادت ہے اور سوال میں عبادت سراج کا مشاہدہ ظاہر کیا ہے تو احتیاط راجح ہے لیکن ضرورت بھی جالب تیسیر ہوتی ہے اگر اس سے تحرز دشوار ہو گنجائش کا حکم دیا جاوے گا اور اگر آسانی سے انتظام ہو جاوے تو اختلاف و اشتباہ سے بچنا عزیمت ہے - واللّٰہ اعلم - سلخ شوال ۱۳۵۴ھ (النور ص ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

عدم جواز ہدم مسجد برائے تعمیر مسجدے دیگر کہ وسیع تر باشد

سوال (۸۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلہ پر تنگ ہے اور اس کے گرداگرد جگہ نہیں ملتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کر سکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگا دیں ورنہ دوسری بھی بہ مشکل تمام نہیں ہو سکتی کیا اس صورت میں اہل محلہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلہ میں پہلی مسجد کے سامان اور زائد روپیہ لگا کر تیار

کرسکتے ہیں یا نہ - اگر کرسکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جاوے مدلل و مبرہن طور سے بیان فرمایا جاوے - ؟

الجواب - ایک مسجد کا قصداً منہدم کرنا دوسری مسجد کے لیے کس طرح جائز ہوسکتا ہے دوسری مسجد سادہ خالی از تکلفات بنالیں جس قدر کی وسعت ہو - تاکہ سہولت سے تیار ہوجاوے مسجد نبوی کی تعمیر خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سادہ فرمائی تھی اس طرح اب بھی کچی خس پوش بنا سکتے ہیں - پھر خدائے تعالےٰ کسی کو توفیق دے گا وہ پختہ کرلے گا جس طرح مسجد نبوی کو حضرت عثمانؓ نے بعد میں مستحکم و رفیع الشان بنادیا - یکم صفر ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۲۶)

حکم زمین کہ جزو مسجدے منحرف بود بعد راست کردن خارج ماند

سوال (۸۰۴) (۱) ایک مسجد تیار شدہ رُخ بقبلہ نہ تھی اور شہید کراکر از سر نو رُخ بقبلہ بنایا گیا تو ایک گوشہ تخمیناً دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا مع آثار ایک جانب بچ گیا اُس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان میں کہ جس کی آمدنی خرچ مسجد ہی میں صرف ہوتی رہے لے لینا درست ہے یا نہیں

(۲) کیونکہ مسجد تیار شدہ جدید میں اُس کا شریک ہونا اب ممکن نہیں ہے - ؟

(۳) اور چھوڑتے میں احتمال بے ادبی وغیرہ کا ہوسکتا ہے اگر اس صورت میں اُس گوشہ کو کسی مکان یا دوکان مسجد میں شامل کرلیا جاوے کہ جس کی آمدنی مسجد ہنا ہی کے واسطے ہوتی ہے جائز ہوگا یا نہیں - ؟

(۴) اور بصورت عدم جواز اُس کو کیا کیا جائے - ؟

الجواب (۱) نہیں -

(۲) کیوں ممکن نہیں بہت سے بہت اُس میں صفیں نہ کھڑی ہوں باقی منفرد کے فرائض کے لیے اور سنن کے لیے اس کو رکھا جائے اور مسجد کا جزو بنا دیا جائے -

(۳) اور اس میں کیا بے ادبی نہ ہوگی -

(۴) اوپر لکھدیا ہے - ۲۸ رجمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۵۰)

حکم دفن باجرت در زمین وعدم صحت مسجد بزمین غیر بلا اذن او اگرچہ از قانون الخ

سوال (۸۰۵) بعد سلام مسنون عرض ہے زید نے ایک زمین خرید کیا بعض میں مسجد بنایا اور بعض میں قبرستان مگر قبرستان اِس شرط پہ لیا ہے کہ جو آدمی یہاں مردہ

دفن کرے گا وہ پچاس روپے دے گا مسجد کے خرچ کے واسطے - اور اُس جگہ میں مُردہ کے وارث کو کسی قسم کا دعویٰ نہیں یعنی جب چار یا پانچ سال گزر جانے کے بعد قبر سابق گر جانے سے پھر زید وہ جگہ دوسرے شخص کو دے گا - پچاس روپے سے مسجد کے خرچ کے واسطے زید اپنے تصرف میں یہ روپیہ نہیں لاتا محض مسجد کے واسطے یہ طریقہ نکالا ہے اور زید کہتا ہے میں تو زمین بکری نہیں کرتا بلکہ مردہ کے دفن کرنے سے پچاس روپیہ لوں گا یکے بعد دیگرے ایسا کروں گا اور مسجد کی آمدنی زیادہ ہو گی یہ ماذکرہ شریعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں درست ہے یا نہیں - بینوا توجروا ؟

اور اس مُلک میں مالک زمین ہندو ہیں اور قابض مسلمان ہے گر مسلمان ایسا قابض ہے کہ ہندو اُس کو بیدخل نہیں کر سکتا قانون انگریزی کے ذریعہ سے مسلمان کو اختیار تام ہے وہ اس زمین میں مکان - قبرستان - مسجد یہ سب بنا سکتا ہے مگر اُس مالک ہندو کو ضرور خزانہ دینا ہو گا - جو پہلے سے مقرر ہوا ہے - اب مسلمان اِس ماذکرہ زمین کو قبرستان وغیرہ کے واسطے وقف کر سکتا ہے یا نہیں شریعت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی - بینوا توجروا ؟

الجواب - صحت کے وقف کے شرائط میں سے واقف کا مالک ہونا بھی ہے اور یہاں معدوم ہے لہٰذا یہ وقف جائز نہیں اور بلکہ کوئی تصرف واستعمال بھی بدون مالک کی خوشی کے درست نہیں اور اگر اپنی زمین مملوکہ کو بھی کوئی وقف کر کے اس طرح مردہ کے دفن ہونے پر روپیہ لے کر مسجد میں لگاوے یا بدون وقف ہی کے اِس طرح سے کوئی روپیہ لیا کرے وہ بھی جائز نہیں کیونکہ حقیقت اُس کی کرایہ لینا ہے دفن مُردہ پر - اور کرایہ کے لیے لازم ہے بیان مدت اور یہاں یہ ممکن نہیں لہٰذا یہ عقد حرام اور خلاف شرع ہے - ۱۲ ر رمضان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی صفحہ ۱۱۸)

زیادتی ثواب صلوٰۃ در مسجد نبوی ومسجد حرام عام است باجماعت اداکنندہ یا منفرد ؟

سوال (۸۰۶) یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا تو یہ ثواب جماعت کے ساتھ مخصوص ہے یا منفرد کو بھی - اگر منفرد کو ہے جماعت کے ساتھ کس قدر کا ثواب ملے گا -

الجواب - عام ہے اور جماعت کا اجر جدا ہے - ۱۲ ر ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۹۹)

تفریج دمشی در مسجد

سوال (۸۰۷) مسجد کے اندر ٹہلنا جائز ہے یا نہیں - ؟

الجواب- مسجد میں عمل غیر موضوع لہ المسجد کرنا قصداً واعتیاداً ناجائز ہے اور یہ شئی بھی ایسی ہی ہے لہذا منع کیا جاوے گا۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۱۷)

سوختن روغن گل دگل کردن چراغ در مسجد

سوال (۸۰۸) مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جائز ہے یا نہیں چونکہ لالٹین کی وجہ سے بو کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر بو کی وجہ منع ہے تو بو تو چراغ میں جو ڈین (یعنی روغن تلخ ۱۲) کا تیل جلتا ہے اُس میں بھی ہوتی ہے اور اُس کے بجھانے کے وقت بھی ہوتی ہے۔؟

الجواب- لالٹین کے اندر بھی بدبو محسوس ہوتی ہے لہذا اس طرح بھی منع کیا جائے گا اور چراغ میں جو تیل عادۃً جلتے ہیں اُن میں بدبو نہیں ہوتی اور بجھانے سے جو بدبو پھیلنا لکھا ہے اوّل تو وہ ایسی بدبو نہیں دوسرے ضرورت ہے۔ فلا یصح القیاس ۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۱۷)

سوال (۸۰۹) (۱) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوئم صفحہ ۱۶ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مٹی کا تیل جلانا اور دیا سلائی مسجد میں حرام ہے۔ اب عرض یہ ہے کہ مسجدوں میں چراغ بغیر دیا سلائی جلانے کی کوئی صورت نہیں اور چراغ جلانا بھی ضروری ہے لہذا اس کی کیا صورت ہے۔؟

الجواب- کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ باہر چراغ روشن کر کے مسجد میں لا کر رکھ دیں۔

(تتمہ (۱)) بوجہ ضرورت اس میں گنجائش ہے یا نہیں۔؟

الجواب- جس شخص کو انتظام بالا میں دشواری و تنگی ہو اُس کے لیے اجازت ہو سکتی ہے۔؟

(تتمہ (۱)) اور بصورت عدم گنجائش دیا سلائی مسجد میں دینے والا بسبب اعانت حرام کے حرام کا مرتکب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب- یہ اعانت نہیں کیونکہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل متخلل ہے۔

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص۳ جمادی الثانی ۵۳ھ)

نقل مسجد از مکانے بمکان دیگر بضرورت

سوال (۸۱۰) ضلع اکیاب علاقہ تھانہ راسید نگ سراپر نگ نام ایک گاؤں میں پچاس ساٹھ گھر مسلمان بستے ہیں اسی ایک مختصر بستی میں دو مسجدیں ہیں ایک میں پنجگانہ اور جمعہ کی نماز ادا ہوتی ہے وہ مسجد بستی

کے اندر ہے اور ایک مسجد بستی سے خارج ہے پنجگانہ نہیں ہوتی فقط جمعہ پڑھا جاتا ہے بستی سے کسی قدر فاصلہ اور برسات میں آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے اس لیے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ عشاء کی اذان ہونے میں بھی اندھیرے اور تنہائی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے بانی مسجد چاہتا ہے کہ اُس مسجد کو مع آلات واسباب اُٹھا کر اپنے خرچ سے محلہ اور بستی کے اندر مناسب مقام میں لاوے یہ نقل مسجد مع اسباب وآلات جائز ہے یا نہیں (الف) مسجد کی دیوار تختہ لکڑی کی ہے چھت ٹین کی پختہ کوئی کام نہیں۔ (ب) مسجد کے نقل کرنے میں مسجد کے متعلق سب لوگ خوش ہیں کسی کا کسی طرح اعتراض نہیں۔ (ج) اگر مزعوم مقام میں نقل کی جائے پنجگانہ ادا ہوکے اور ہر طرح رونق اسلام کی ترقی میں کچھ شبہ نہیں۔ (سوال) اگر اسی مسجد میں کچھ جائداد وقف کردہ شدہ ہو اس کی آمدنی سے اُس کی نقل وحرکت کے خرچ اور مسجد جدید کے اخراجات مانند مسجد اوّل کے ادا کرنا واقف یا اُس کے متولی کو جائز ہوگا یا نہیں اگر کوئی روایت فقہی نقل کی جاسکے تو بہت بہتر ہے یہ سوال فرضی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے بعض مولوی منع کرتے ہیں بانی مسجد و متولی سخت پریشان ہیں احناف کے مذہب کے مطابق اُس بستی میں جمعہ نہیں ہوگا اگر پنجگانہ بھی نہ ہو تو وہ مسجد کس کام کی۔؟

الجواب۔ فی رد المحتار وفی جامع الفتاویٰ لھم تحویل المسجد الی مکان آخران ترکوہ بحیث لا یصلی فیہ ولھم بیع مسجد عتیق لم یعرف بانیہ وصرف ثمنہ فی مسجد آخر اھ سائحانی ج ۳ ص ۵۷۲ فی الدر المختار وفی صورۃ الاستغناء) فیصرف وقف المسجد والرباط والحوض الی اقرب مسجد او رباط او بئر او حوض وفی رد المحتار لکن علمت ان المفتی بہ قول ابی یوسف انہ لا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر کما مر عن الحاوی ج ۳ ص ۵۷۲

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ اصل اور راجح تو عدم جواز نقل ہے لیکن بعض علماء ضرورت میں جواز کے قائل ہوئے ہیں۔ سو بلا ضرورت شدیدہ تو اصل مذہب کو چھوڑنا جائز نہیں اور ضرورت شدیدہ میں گنجائش ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک مسجد مستغنی عنہ ہوجاوے اُس کا وقف دوسری مسجد میں صرف کرنا بھی جائز ہے۔ ۱۳؍ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابع ص ۲۶)

جائز بودن ممانعت اندر آمدن در مسجد شخصے راکہ موجب فساد باشد

سوال (۸۱۱) بوجہ خوف فتنہ (جیسا کہ اکثر مشاہدہ میں آتا ہے) ان کا مساجد مقلدین میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے یا نہیں؟

(نوٹ) یہاں غیر مقلدین مساجد احناف میں باوجودیکہ اُن کو (مقلدین کو) مشرک اور بدعتی سمجھتے ہیں آکر اُن کی (مقلدین کی) جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور اگر مقلدین میں سے کسی نے ذرا بھی چوں کی تو پندرہ بیس منتظمین مسجد پر جھوٹے دعوے عدالت غیر مسلم میں دائر کرتے ہیں اور جھوٹے گواہ پیش کر کے جھوٹی گواہی دلواتے ہیں اس طرح پر فساد برپا کرتے ہیں جس کا نتیجہ اکثر مواقع میں یہ ہوا کہ مساجد ویران ہو گئیں اور لوگوں نے بخوف جھگڑا و فساد مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔

(۲) ایک کتاب فتح المبین مصنفہ مولانا منصور علی صاحب مراد آبادی مطبوعہ آسی پریس لکھنؤ میں ان غیر مقلدین کے حالات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور جملہ مشاہیر علمائے حرب وعجم (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) اور ہند کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں اُس میں مولانا مقتدانا جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء و فضلاء مثلاً مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم و مغفور و مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہ کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں اور ایک عبارت بقلم مولانا محمد یعقوب صاحب درج ہے اور مواہیر تائیدی علماء موصوفین کے ثبت ہیں وہو ہذا۔ عقائد اس جماعت کے جبکہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم و تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے۔ تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحہ میں اُن کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض و خوارج کے ساتھ انتہی اس کتاب پر جناب والا کے بھی دستخط و مہر ثبت ہے۔ اور تقریر بھی درج ہے اور ایک کتاب اور بھی موسومہ بہ الاقتصاد مصنفہ جناب والا نظر سے گزری ہے لہذا استدعا ہے کہ اُن ہر دو کتابوں کی بھی تصدیق و توثیق فرمائی جائے۔؟

الجواب عن السوال الاول والثانی فی الدر المختار احکام المسجد ویمنع (آکل ثوم) منہ (من المسجد) وکذا کل موذٍ ولو بلسانہ اھ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص مسجد میں آکر ایذاء دیتا ہو یا فساد کرتا ہو اُس کو مسجد میں آنے کی ممانعت کر سکتے ہیں خواہ کسی فرقہ کا ہو۔ مگر ممانعت ایسا شخص کر سکتا ہے جس کی ممانعت سے

فساد میں زیادتی نہ ہو جاوے۔ ورنہ فر من المطر و وقف تحت المیزاب کا مصداق ہو جائیگا اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت اُس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب منع کرنے والا صاحب قدرت ہو۔ اور فتح المبین اِس وقت میرے سامنے نہیں مدت کی دیکھی ہوئی یاد نہیں البتہ اقتصاد میری تالیف ہے۔ اُس میں میرا مسلک اِس مسئلہ میں مذکور ہے۔
۳۰ ر ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۷)

حکم سرقہ مال مسجد وتلف کردن آں

سوال (۸۱۲) زید نے مسجد کی ایک چیز چرائی اور اپنے استعمال میں لاکر ضائع کردی اب اگر اس کی قیمت زید متولی مسجد کو دیدی تو بری الذمہ ہو جائیگا یا نہیں اور تخمینہ قیمت میں وقت سرقہ کا خیال ہوگا یا ادا کرنے کے وقت لحاظ ہوگا کیونکہ اختلاف اوقات سے اختلاف قیمت میں بھی ہو جایا کرتا ہے۔

الجواب۔ اگر متولی مسجد متدین وامین ہے تو اُس کو دیدینے سے بری ہو جائیگا ورنہ خود کسی طریق سے اس مسجد میں صرف کردے اور قیمت یوم ضیاع کی معتبر ہے۔
۲۰ ر شعبان ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۴)

معارف وقف مسجد

رسالہ القوال الاعلٰی فی وقف جامع دہلی

سوال (۸۱۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں۔ کہ جامع مسجد دہلی کا انتظام بذریعہ ایک مجلس شوریٰ کے ہوتا ہے جس میں دہلی کے دس معززین رؤسا، اسلام شامل ہیں اور اِس کا نام مجلس منتظمہ جامع مسجد ہے۔ اِس مجلس منتظمہ جامع مسجد دہلی کو حسب ذیل اقسام کی آمدنی ہوتی ہے (الف) کرایہ دکاکین متعلق جامع مسجد (ب) کرایہ ٹھیکہ اراضی افتادہ اطراف جامع مسجد مملوکہ جامع مسجد (ج) کرایہ دیگر جائداد سکنی واقع مختلف جامع مسجد ومقامات شہر دہلی جو کہ آمدنی مسجد مذکور کی پس انداز رقم سے وقتاً فوقتاً خرید ہو کر ملکیت جامع مسجد ہے۔ (د) متفرق قلیل آمدنی جو بعض اشخاص مسلمان بنام نہاد روشنی وآب وضو وظروف وغیرہ دیتے ہیں۔ جس کی مقدار دس پندرہ روپیہ سالانہ سے زائد نہیں۔ (ﮦ) بعض مقامی مصالح اور قومی ومُلکی ضروریات کے لحاظ سے بمشورہ مجلس منتظمہ غیر مسلم اقوام کے زائرین کے لیے جو مسجد مذکور کو دیکھنے آتے ہیں

ع ای الحکم الشرعی المنسوب باعتبار النقل لی الاہل ای اہل المذہب المعنی من یدین بہ کذا فی القاموس ۱۲-

فی کس دو پیسہ کا پاس مقرر کیا ہوا ہے اور ایک محرر اس کام پر ملازم ہے۔ اور اس پاس سے یہ بھی غرض ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص کوئی ایسی شے مسجد میں نہ لے جاوے جو ناجائز ہو۔ یا از راہ تعصب کوئی فعل موجب توہین مسجد نہ کرے اور اس سے جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ تنخواہ محرر پاس اور کاغذ چھپائی پاس ہوئے وغیرہ میں خرچ ہو کر بہت قلیل رقم رہ جاتی ہے ان جملہ اقسام آمدنی مذکورۂ بالا سے جس قدر رقم وصول ہو جاتی ہے وہ حسب ذیل امر میں خرچ ہوتی ہے۔

تنخواہ عملہ - عملہ مسجد امام صاحب و مؤذنان و دربانان و محرران۔
فراہمی[۲] - آب وضو در حوض مسجد بذریعہ چاہ۔ **فراہمی**[۳] - آب نوشیدنی برائے نمازیان و مسافران و زائرین اہل اسلام۔ **فرش**[۴] - دری جائے نماز فرش ٹاٹ و دیگر سامان متعلقہ فرش اندرونی و بیرونی۔ **صفائی**[۵] - مسجد بذریعہ ملازمان و اطراف مسجد بذریعہ خاکروبان۔ **وظائف**[۶] - طلبہ دینیات و طلبہ دیگر مدارس جو عربی کے ہیں تعلیم پاتے ہیں اور دیگر طلبہ فنون شرعیہ اور یہ سب مسلمان ہیں۔ **اخراجات**[۷] روشنی۔ بجلی بذریعہ الکٹرک کمپنی نمایان۔ **روشنی**[۸] - تیل گیس۔ **اخراجات** سامان روشنی ہر دو قسم مذکورہ۔ **سائبان**[۱۰] - و شامیانے ہائے جو موسم گرما میں بوجہ سخت تمازت آفتاب نمازیوں کی آسائش کے لیے صحن مسجد میں نصب کئے جاتے ہیں۔
خرید ظروف[۱۱] - گلی مٹکے بدھنیاں آب خورہ وغیرہ بہ تعداد کثیر۔ **جائداد سکنی**[۱۲] مملوکہ جامع مسجد کا ہاؤس ٹیکس وغیرہ جو حکومت کی طرف سے مقرر ہے۔ **محصول**[۱۳] - آبیانہ نل آب۔ **مقدمات**[۱۴] - متعلقہ تنازعات کرایہ وغیرہ جائداد مملوکہ جامع مسجد۔
تعمیرات و مرمت[۱۵] - خاص جامع مسجد جو کہ ہمیشہ کرائی جاتی ہے اور چونکہ عمارت جامع مسجد بہت بڑی سنگین اور عجیب و غریب ہے اس لیے اس کی معمولی مرمت بھی جو قیام اور بقاء مسجد کے لیے اشد ضروری ہے رقم کثیر میں ہوتی ہے۔
تعمیر مرمت[۱۶] و ترمیم وغیرہ متعلق جائداد مملوکہ مسجد مذکور۔ **اخراجات**[۱۷] - خرید ہیزم وغیرہ برائے آب گرم بموسم سرما۔ **اخراجات**[۱۸] متعلق دفتر جامع مسجد۔
امداد یتیماں - جو کہ یتیم خانہ انجمن مؤید اسلام دہلی میں پرورش پاتے ہیں۔
اخراجات - نومسلمان جو جامع مسجد میں مسلمان ہوتے ہیں خوراک و مکان

ومعلمان جہاں نومسلموں کو تقریبًا[۲۰] دو ماہ تک ضروری تعلیم دی جاتی ہے اور ارکان اسلام سکھائے جاتے ہیں۔ امداد غربا[۲۱] ء بذریعہ نقد و تقسیم کمبل و لحاف وکری ہائے موسم سرما۔ امداد مرمت[۲۲] و تعمیر بعض دیگر مساجد۔ اخراجات[۲۳]۔ رمضان شریف مثلاً برف وغیرہ جو کہ بوقت افطار و نماز تراویح روزہ داروں اور نمازیوں کے لیے روزانہ مہیا کیا جاتا ہے۔ پیشکش[۲۴]۔ حافظ قرآن جو منجانب جامع مسجد رمضان شریف میں نماز تراویح میں ختم قرآن شریف کرتے ہیں اور حافظ سامع کو بھی دیا جاتا ہے۔ تقسیم شیرینی[۲۵]۔ بروز ختم قرآن شریف جملہ نمازیان جامع مسجد جس میں کئی من شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ ملازمان[۲۶]۔ و متعلقین جامع مسجد جو تمام ماہ رمضان شریف میں محنت کے ساتھ کام کرتے ہیں اور غیر معمولی خدمت انجام دیتے ہیں بطور حق الخدمت نام نہاد انعام وغیرہ دیا جاتا ہے۔ اخراجات[۲۷]۔ وردی وغیرہ جو دربانان و جمعدار جامع مسجد کے لیے تیار ہوتی ہے۔ اخراجات[۲۸]۔ گولہ ہائے آتشبازی جو ماہ رمضان المبارک میں بوقت افطار روزہ اور بوقت ختم سحری بغرض اطلاع عام مسلمان شہر دہلی اور بوقت ختم نماز جمعۃ الوداع اور نماز عیدین بغرض اظہار شوکت اسلام چلائے جاتے ہیں۔ اخراجات[۲۹]۔ شامیانہ ہائے و ڈیرہ و خیمہ جات قنات و فرش وغیرہ جو یوم جمعۃ الوداع جس میں کثرت سے نمازی اطراف ملک سے آتے ہیں اور جامع مسجد کا فرش تمازت آفتاب سے مثل آگ کے ہو جاتا ہے۔ اس لیے غیر معمولی فرش اور شامیانہ وغیرہ۔ آسایش نمازیان کے لیے کرایہ پر لگائے جاتے ہیں۔ اور چونکہ مسجد مذکور میں اتنی گنجایش نہیں ہوتی تو مسجد کے باہر ہر سہ اطراف میں کثرت سے نمازی کھڑے ہو جاتے ہیں اسلیے یہ انتظام کرنا پڑتا ہے۔ بعض دیگر[۳۰] اخراجات متفرق معمولی و غیر معمولی مثال نمبر ۳۰۔ یعنی اخراجات متفرق۔ بعض قومی[۱] انجمن ہائے اسلامی و مدارس اسلامی مختلفہ خلافت یا قومی مسلم یونیورسٹی وغیرہ وغیرہ۔ بعض اخراجات[۲] بوجب احکام حکومت مثلاً ملک معظم کی تشریف آوری یا وائسرائے کے مسجد میں تشریف لانے پر ضروری مراسم یا بعض مواقع فتح پر بحکم گورنمنٹ روشنی کرنا۔ ترکوں[۳] یا دیگر مسلمان بادشاہوں کی فتوحات پر جامع مسجد میں روشنی کرنا

یہ مندرجہ بالا اخراجات وہ ہیں جو موجودہ وقت میں ہوتے ہیں اور سالہا سال سے کیے جا رہے ہیں اُن کی بابت یہ تحریر فرمایا جائے کہ ان اخراجات مذکورۂ بالا میں کونسا

خرچ ازروئے شرع جائز ہے اور کونسا ناجائز ہے۔ اور براہ مہربانی ہر ایک کی بابت بروئے مذہب حنفیہ جوابات تحریر فرمادیں۔ نیز حسب ذیل امور اس قسم کے ہیں کہ جن کی بابت مجلس منتظمہ جامع مسجد سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جامع مسجد کی آمدنی میں سے فلاں فلاں امر میں امداد کی جاوے مثلاً دہلی کے نواح ملحقہ میں جہاں حکومت ہند اب جدید شہر آباد کر رہی ہو بہت سی مساجد و مقابر زمانہ قدیم کی غیر آباد پڑی ہوئی ہیں اور مسلمانان دہلی ان مساجد کے قائم و آباد رکھنے کے لیے کوشش کر رہے ہیں چنانچہ وہ کامیاب ہو رہے ہیں اور اکثر مساجد غیر آباد میں امام و مؤذن مقرر کر دیئے ہیں اور چونکہ ایسی مساجد کی تعداد اطراف دہلی میں بہت زیادہ ہے اس لیے ہر ایک مسجد میں امام و مؤذن کا مقرر کرنا بلا صرف کثیر ناممکن ہے اس لیے مسلمانان دہلی جو اس کام کو کر رہے ہیں اُن مسجدوں کی آبادی و مرمت کے لیے جامع مسجد کی آمدنی سے روپیہ طلب کرتے ہیں۔ دویم۔ شعبۂ تبلیغ اسلام بھی نومسلموں کی امداد کے لیے روپیہ طلب کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اِن تمام امور کے متعلق تحریر فرمادیں کہ جامع مسجد کی آمدنی سے اگر وہ پس انداز ہو تو کس کس قسم کے اخراجات میں خرچ کرنا شرعاً درست ہے ایک یہ امر بھی قابلِ غور ہے اور اس پر ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جامع مسجد کی عالی شان عمارت اسلامی بادشاہوں کی یادگار ہے اور اس کا قائم رکھنا مقدم اور فرض ہے اِس عظیم الشان عمارت کی معمولی سے معمولی مرمت میں بھی ہزار ہا روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور آئندہ زیادہ مرمت اور درستی کی ضرورت پیش آرہی ہیں کیونکہ جس قدر عمارت کہنہ ہوتی جاتی ہے۔ اُسی قدر زیادہ مرمت طلب ہوتی جاتی ہے اِس خاص اور ضروری کام کے لیے جب تک ہمیشہ ایک رقم پس انداز میں نہ رکھی جاوے تو قیام مسجد خطرے میں پڑ جائے۔؟

الجواب۔ الروایات الاولیٰ۔ الذی یبدأ من ارتفاع الوقف عمارتہ شرط الواقف اولا ثم الی ما ھو اقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالامام للمسجد والمدرس للمدرسۃ (یعنی اذا کان وقفا علی المدرسۃ) یصرف الیھم بقدر کفایتھم ثم السراج والبسط کذلک الی اخر المصالح ھذا اذا لم یکن معینا (وغیر المعلوم فی حکم غیر المعین) فان کان الواقف معینا علی شئی یصرف الیہ بعد عمارۃ البناء کذا فی الحاوی القدسی ج ۳ ص ۲۰۴۔

الثانیة - رباط علی بابہ قنطرة علی نھر کبیر لا یمکن الانتفاع بالرباط الا بمجاوزة القنطرة ولیس للقنطرة غلة یجوز ان یصرف من غلة الرباط علی عمارة القنطرة ان کان الواقف شرط من الوقف انہ یصرف غلتہ الی ما فیہ مصلحة للرباط وان لم یشترط ذلک بل ذکر مرمتہ لا غیر لا یجوز ذلک (قیاسا) لان ھذا لیس من مرمتہ الرباط حتی لو کان الرباط بحال لو لم یصرف الغلة الی عمارة القنطرة لخرب الرباط استحسنوا انہ یجوز فیعمل بالاستحسان دون القیاس، کذا فی محیط السرخسی ج ۳ ص ۲۰۲

الثالثة - ولو اراد ان یقف ارضہ علی المسجد وعمارة المسجد وما یحتاج الیہ من الدھن والحصیر وغیر ذلک علی وجہ لا یرد علیہ الابطال (فطریقہ ان) یقول وقفت ارضی ھذہ ویبین حدودھا بحقوقھا ومرافقھا وقفا مؤبدا فی حیوتی وبعد وفاتی علی ان یستغل ویبدأ من غلاتھا بما فیہ من عماراتھا واجر القوام علیھا واداء مؤنتھا فما فضل من ذلک یصرف الی عمارة المسجد ودھنہ وحصیرہ وما فیہ مصلحة للمسجد علی ان للقیم ان یتصرف فی ذلک علی ما یری (ویقول ایضا فی الشرائط) واذا استغنی ھذا المسجد یصرف الی فقراء المسلمین فیجوز ذلک (لا شتراط الوقف) کذا فی الظھیریة - ج ۳ ص ۲۴۲ -

الرابعة - الفاضل من وقف المسجد ھل یصرف الی الفقراء قیل لا یصرف وانہ صحیح ولکن یشتری بہ مستغلا للمسجد - کذا فی المحیط - ج ۳ ص ۲۴۱ -

الخامسة - ارض وقف علی مسجد صارت بحال لا تزرع فجعلھا رجل حوضا للعامة لا یجوز للمسلمین انتفاع بماء ذلک الحوض کذا فی القنیة ج ۳ ص ۲۴۱ -

السادسة - مال موقوف علی المسجد الجامع واجتمعت من غلتھما (ای الموقوف علی المسجد والموقوف علی الفقراء المذکورین سابقا) ثم نابت الاسلام نائبة مثل حادثة الروم واحتیج الی النفقة

فی تلک الحادثۃ اما المال الموقوف علی المسجد الجامع ان لم یکن للمسجد حاجۃ للحال فللقاضی ان یصرف فی ذلک لکن علی وجہ القرض فیکون دینا فی مال الفیٔ الخ کذا فی الواقعات الحسامیۃ ج ۳ صـ۲۴۳۔

السابعۃ۔ واذا جعل السقایۃ للشرب واراد ان یتوضا منہا اختلف المشائخ فیہ واذا وقف للوضوء فلا یجوز الشرب منہ وکل ما اعد للشرب حتی الحیاض لا یجوز منہا التوضی کذا فی خزانۃ المفتین ج ۳ صـ۲۴۳۔

الثامنۃ۔ فی فتاوی اہل سمرقند مسجد فیہ شجرۃ تفاح یباح للقوم ان یفطروا بھذا التفاح قال الصدر الشہید المختار انہ لایباح کذا فی الذخیرۃ ج ۳ صـ۲۴۳۔

التاسعۃ۔ سئل شمس الائمۃ الحلوائی عن مسجد او حوض خراب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الی مسجد اخر او حوض (فیہ لف و نشر مرتب) قال نعم (لکونہما متجانسین) (وسئل ایضًا) لولم یتفرق الناس ولکن یستغنی الحوض عن العمارۃ وھناک مسجد محتاج الی العمارۃ او علی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الی عمارۃ ما ھو محتاج الی العمارۃ قال لا (لکونہما غیر متجانسین) کذا فی المحیط۔ (ثم فی المتجانسین یعتبر الاقرب فالاقرب ولعل المراد بقولہ ھناک لدلالۃ جزئیات القنطرۃ والرباط المذکورۃ فی السباق والسیاق علی ذلک) ھذہ کلہا من العالمگیریۃ الا ما بین القوسین فمن الکاتب بطریق الشرح۔

العاشرۃ۔ فی الدر المختار امر السلطان اکراہ وان لم یتوعد۔

ان روایات سے مسائل ذیل ثابت ہوئے۔ اول مصارف نمبر ۱ و ۲ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۲۴ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۹ میں صرف کرنا علی الاطلاق جائز ہے۔

الروایۃ الاولیٰ۔ دوم نمبر ۳ و نمبر ۱۱۔ یعنی آب نوشید نی و ظروف گلی چونکہ مصالح ضروریہ مسجد سے نہیں یعنی اس کو مسجد کی آبادی میں دخل نہیں

اس میں صرف کرنا نہیں۔

للروایۃ الخامسۃ والسابعۃ - البتہ اگر غالب گمان ہو کہ اگر آب نوشیدنی کا انتظام نہ کیا جاوے گا تو جماعت مصلیوں کی کم ہو جاوے گی اُسوقت درست ہے۔

للروایۃ الثانیہ قیاساً سوم نمبر ۶ - یعنی وظائف طلبہ و نمبر ۱۹ یعنی امداد یتامیٰ و نمبر ۲۰ یعنی امداد نومسلمان و نمبر ۲۱ یعنی امداد غربا ر کا بھی مصالح ضرور یہ مسجد سے کچھ تعلق نہیں اُن میں بھی صرف کرنا درست نہیں۔

للروایۃ الرابعۃ چہارم نمبر ۲۳ - یعنی وظائف و نمبر ۱۹ یعنی امداد یتامیٰ و نمبر ۲۰ یعنی امداد نومسلمان و نمبر ۲۱ یعنی امداد غربا ر کا بھی مصالح ضروریہ مسجد سے کچھ تعلق نہیں اُن میں بھی صرف کرنا درست نہیں۔

للروایۃ الرابعۃ - چہارم نمبر ۲۳ - یعنی اخراجات افطاری و نمبر ۲۵ یعنی شیرینی ختم یہ بدرجۂ اولیٰ جائز نہیں اس لیے کہ ان میں تو فقراء کو بھی تخصیص نہیں جب فقراء میں صرف کرنا درست نہیں جیسا اوپر کے نمبر میں ذکر ہوا تو غیر فقراء میں کیسے جائز ہوگا۔

للروایۃ الثامنہ ایضاً پنجم نمبر ۲۸ - یعنی گولہ آتشی یہ بھی سابق سے بدرجۂ اولیٰ اور سابق علی السابق سے درجۂ اولیٰ سے بھی درجۂ اولیٰ میں جائز نہیں کہ یہ نہ مسجد میں صرف ہوں نہ کسی کو دیئے جائیں۔

ششم نمبر ۲۲ - یعنی تعمیر دیگر مساجد - اس میں تفصیل ہے اگر کوئی رقم ایسی فاضل ہو کہ بگمان غالب جامع مسجد کو اُس کی حاجت نہ ہوگی نہ مرمت میں نہ دیگر ضروری مصالح میں تب تو جائز ہے پھر اُس میں بھی یہ ترتیب ہے کہ اگر کئی مسجدیں حاجتمند ہوں تو اول قریب کی مسجد میں پھر اُس کے بعد جو قریب ہو وعلیٰ ھذا للروایۃ التاسعہ اور اگر غالب احتمال ہو کہ جامع مسجد کی مرمت میں اُس کی ضرورت ہوگی تو پھر جائز نہیں۔

للروایۃ الاولیٰ - ہفتم - نمبر ۳۰ - اخراجات متفرقہ کی مثال میں تین مصرف لکھے ہیں سو تینوں کا مصلحت مسجد سے کوئی تعلق نہیں اسلیے درست نہیں البتہ اگر مثال دوم میں حکم شرعی کے عذر کو جس کو باقاعدہ پیش کرنا چاہیئے گورنمنٹ قبول نہ کرے اور حکماً مجبور کرے تو متولی شرعاً معذور ہوں گے۔

للروایۃ العاشرۃ - یا اگر کسی مصلحت سے منتظمین گورنمنٹ کے سامنے عذر پیش کرنے کو مناسب وقت نہ سمجھیں تو اُس وقت منتظمین اُس کے اخراجات کو خود اپنے ذات خاص پر برداشت کرلیں اور اس حالت میں بھی اگر جامع مسجد سے اُس کا تعلق ظاہر کرنے کی ضرورت سمجھیں تو بعد صرف کرچکنے کے اُس کا آمد و خرچ مسجد کے حساب میں درج کردیں یعنی آمدنی کو دوسری آمدنیوں کے ساتھ اور خرچ کو دوسرے خرچ کے ساتھ جمع کردیں اسی طرح مثال سوم میں اگر علماء اس روشنی کو قواعد شرعیہ سے جائز بتلادیں (کیونکہ مجھ کو اس کا جواز ثابت نہیں ہوا) اُس میں بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی خود برداشت کرلیں اور یہ مصارف کچھ ایسے کثیر نہیں جس کا تحمل تکلیف مالا یطاق ہو اور یہ سب اُس وقت ہے جب جائداد یا رقم موقوف صرف مسجد کے لیے وقف ہو یا ایسے وقف کی آمدنی یا ایسی رقم سے خریدی گئی ہو اور اگر واقف نے علاوہ مسجد کے لیے دوسرے جائز اخراجات کی بھی اجازت وقف میں دی ہے تو اُس وقت اُن میں بھی صرف کرنا درست ہے۔

للروایۃ الثالثۃ ای الجزء الاخیر منہا - اب رہے وہ امور جن میں صرف کرنے کا مجلس انتظامی سے مطالبہ کیا جاتا ہے سو اُس کی دو مثالیں لکھی ہیں۔ مثال اول جدید آبادی کی مساجد سو اُس کا حکم اوپر رسئلہ ششم میں مذکور ہوچکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان سب مصارف میں مقدم خود جامع مسجد کی مرمت ہے جس کا احتمال روزانہ غالب اور قوی ہوجاتا ہے اسلئے ایک کافی رقم پس انداز میں رہنا ضروری ہے اگر اس کے بعد گنجایش نہ رہی تو دوسری مساجد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

للروایۃ الاولیٰ - اور اگر گنجایش رہی تو بترتیب مذکور رسئلہ ششم صرف کرنا جائز ہے۔ دوسری مثال شعبۂ تبلیغ - سو ایسے امور میں صرف کرنے کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسجد کو اُس فاضل کی حاجت نہ رہے دوسری یہ کہ حاکم اسلام صرف کی اجازت دے۔ تیسرے یہ کہ بطور قرض کے صرف کیا جاوے پھر وہ قرض مال فئی سے ادا کردیا جاوے۔

للروایۃ السادسۃ - یہاں اول تو ایک بھی شرط نہیں اور اگر کسی شرط کے

تحقق کا کسی تاویل سے دعویٰ کیا جاوے تو مجموعہ شروط تو یقیناً منتفی ہے جب شرط جواز نہیں تو جواز بھی نہیں اور یہ مسئلہ مہتمم ہے البتہ اگر کسی وقت میں منتظمین متدین نہ ہوں اور مسجد کی رقم کے ضائع کر دینے کا اندیشہ ہو تو اُس وقت ایسے مصارف میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے اُس محمل یہی ہے۔ ونظیرہ فی الدر المختار احکام المسجد ضمن متولیہ لو فعل النقش او البیاض الا اذا خیف طمع الظلمۃ۔ فلا باس بہ کافی۔ اور اس نمبر میں معمولی اور غیر معمولی لفظ مبہم ہے اس کی تفسیر کے بعد حکم شرعی بتلایا جا سکتا ہے۔

ناجائز بودن تقسیم شیرینی از مال وقف

سوال (۸۱۴) جامع مسجد قصبہ کیرانہ میں جو کرایہ نامجات لکھائے جاتے ہیں اُن میں بقدر کرایہ ۲ر یا ۴ر یا ۸ر واسطے شیرینی ختم کلام مجید کے لکھائے جاتے ہیں جو تخمیناً مبلغ نو یا دس ہوتے ہیں اور شیرینی ۲۵ یا ۲۶ یا ۲۷ روپے کی تقسیم ہوتی ہے جو آمدنی مسجد سے ما بقی رقم دی جاتی ہے اور واقف نے آمدنی واسطے مصارف مسجد اور واردصادر کے وقف کی ہے تو یہ مبلغ ۱۶ یا ۱۷ روپئے علاوہ رقم کرایہ داران جو رقم مسجد سے شیرینی میں صرف کیے جاتے ہیں وہ منجملہ مصارف مسجد کے شمار ہوں گے یا نہیں اور شرعاً یہ صرف جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ شیرینی مصارف مسجد میں داخل نہیں لہٰذا وقف مسجد سے اس میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ نو دس روپے جو کرایہ کے ساتھ آتے ہیں اگر ان کو جزو کرایہ نہ کہا جاوے تب تو عقد اجارہ میں یہ شرط فاسد ہے وہ رقم قابل واپسی کے ہے اور اگر جزو کرایہ کہا جاوے تو شرط جائز ہے۔ مگر اس کا مصرف مثل مصرف کرایہ کے ہوگا اور یہ شیرینی میں صرف کرنا جائز ہوگا۔

حکم سائلان در مسجد وخوردن وآشامیدن در مسجد وغیرہ

سوال (۸۱۵) علاوہ امور مندرجہ بالا کے سوالات ذیل کا بھی جواب بروئے فتویٰ شرعی تحریر فرمایا جاوے۔

جامع مسجد کے اندر ہمیشہ عموماً اور جمعہ کے روز خصوصاً فقراء ومساکین بھیک مانگتے ہیں اور نمازیوں کو سخت پریشان کرتے ہیں۔ رات کے وقت عشاء کو زیادہ اور دن میں اُس سے کم شہر دہلی کے مرد عورتیں اور باہر کے مسافر مرد وزن جامع مسجد میں بطور تفریح وسیر وتماشہ آتے ہیں اور مسجد کے اندر دالان ہائے میں بیٹھکر بازار سے اشیاء خوردنی منگا کر کھاتے ہیں اور بعض اوقات میلہ ہائے فرش کو ناپاک

کرتی ہیں بعد میں اُس کو بذریعہ ملازمانِ مسجد پاک کرایا جاتا ہے۔ عورتیں مسجد میں چراغ جلانے آتی ہیں اور بطور منت چراغ روشن کرتی ہیں اور یہ عمل عرصہ دراز سے جاری ہے۔

فرید الدین منتظم جامع مسجد دہلی۔

الجواب - فی الدر المختار احکام المسجد - ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء مطلقا وقیل ان تخطی وانشاد ضالۃ او شعر الاما فیہ ذکر ورفع صوت بذکر الخ وفی رد المختار عن الغزالی استحبابہ الا ان یشوش جہرھم علی نائم ومصل او قارئ الخ ثم فی الدر المختار واکل ونوم الا لمعتکف وغریب الی قولہ والکلام المباح وقیدہ فی الظہیریۃ بان یجلس لاجلہ وفیہ و اتخاذہ طریقا بغیر عذر وصرح فی القنیۃ بفسقہ باعتیادہ وادخال نجاستہ فیہ الی قولہ ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسھم والا فیکرہ وفیہ باب الامامۃ ویکرہ حضورھن بجماعۃ ولو جمعۃ وعید و وعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان الخ - ان روایات سے ان سب امورِ مذکورۂ سوال کا ممنوع اور مذموم ہونا ثابت ہوا۔ پس جو شخص ان کے انسداد پر بدون کسی فتنہ کے قادر ہو اُس پر واجب ہے کہ اس کا انتظام کرے۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ تمت الرسالۃ المسماۃ بالقول اللاھلی۔ (تتمہ ۵ ص ۲۵۶)

سوال در مسجد	**سوال** (۸۱۶) وہ اشخاص جن کی حقیقت کچھ معلوم نہیں آپ کو فقیر بنا کر اور گداگر بن کر جمعہ اور عیدین و شب قدر و شب معراج کی جماعت کے وقت

مسجد میں سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں اور اُن کا چندہ ہوتا ہے اور لوگ اُن کو دیتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں اور اُن کو اس صورت میں دینا جائز ہو کر داخل خیرات ہو گا کہ نہیں؟

الجواب - فی الدر المختار ویحرم فیہ السوال ویکرہ الاعطاء وقیل ان تخطی الی قولہ ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ الخ فی رد المختار تحت قولہ و رفع صوت بذکر الخ بعد بحث طویل الا ان یشوش جہرھم علی نائم او مصل او قارئ - ج ۱ ص ۶۹۰ - اس روایت سے ثابت ہوا کہ مانگنا مسجد میں علی الاطلاق اور دینا بعض کے نزدیک علی الاطلاق اور بعض کے نزدیک جبکہ وہ سائل گردنوں پر پھاندتا ہو ناجائز ہے اور اگر اس سے کسی نمازی یا قرآن و وظیفہ پڑھنے والے کا

دل بٹتا ہو تب بلا اختلاف ناجائز ہے۔ ۲۷ / ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص۹۱)

خوردن در مسجد

سوال (۸۱۷) مسجد میں بعد اختتام وعظ شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور کھاتے ہیں یہ شرعاً درست ہے کہ نہیں۔؟

الجواب ۔ فی الدر المختار مع رد المحتار واکل ونوم الا لمعتکف وغریب ص۶۹ ج۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی بھی عادت کرنا مسجد میں نہ چاہئے اور اس کے قبل کے سوال کے جواب کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اکثر حاضرین کھانے میں مشغول ہو جاویں تب بھی ممنوع ہے۔ ۲۷ / ذیقعدہ ۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۹۱)

خفتن در مسجد

سوال (۸۱۸) وہ دنیا دار جس کے گھر بار موجود ہے اُن کو مسجد میں کسی وقت سونا جائز ہے کہ نہیں۔

الجواب ۔ اس سے سابق سوال کے جواب کی روایت سے اس کا حکم بھی معلوم ہوا کہ بجز معتکف یا پردیسی کے دوسروں کو مسجد میں سونا جائز نہیں۔ ۲۷ / ذیقعدہ ۳۲ھ

جائز بودن گرفتن شامیانہ بکرایہ برائے مسجد

سوال (۸۱۹) جامع مسجد میں تین شامیانے ہیں جو بعد کامیابی مقدمہ بنوائے گئے ہیں۔ ماہ رمضان المبارک میں چونکہ مصلیان کی کثرت ہوتی ہے اور وہ سہ شامیانے کافی نہیں ہوتے اور دھوپ کی شدت ہوتی ہے۔ اس لیے دو یا تین اور آخری جمعہ کو چار شامیانے کرایہ پر منگائے جاتے ہیں معمولی کرایہ فی شامیانہ ۸ / ہے مگر اس موقع پر بہت زیادہ کرایہ لیتے ہیں فی شامیانہ ایک روپیہ یا دو روپیہ ۸ /۔ یہ مصارف مسجد میں شامل ہو کر جائز ہے یا نہیں۔؟ درصورت خلاف ہر دو سوال. بجد شور وغل برپا ہوتا ہے اور متولیان کی نسبت خصوصاً متولی منتظم کی بہت کچھ گفت وشنید اور الزام لگائے جاتے ہیں بینوا ما ہو حق توجروا عند اللہ۔؟ (تتمہ ص۲۰۳)

الجواب ۔ یہ ضرورت اغراض مسجد سے ہے اس لیے جائز ہے۔ ۲۱ / شعبان ۴۲ھ

مروجہ بستن در مسجد (مسجد میں پنکھا لگانا)

سوال (۸۲۰) ما قولکم رحمکم اللہ۔ پنکھا لگانا مسجد میں بہ نیت ترویح مصلیان یا بارادہ تزئین مسجد درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حر مضا کی شکایت کیوں نہ دفع کی اور نہیں تو طرق مباح ملابس و مساکن و مطاعم وغیرہ وقنادیل و شامیانہ وغیرہ اشیائے تزئین میں

اور اس میں کیا فرق ہے حاصل یہ کہ یہ امر منجملہ بدعات قبیحہ ہے یا نہیں نصوص و اشارات کتاب و سنت و روایات فقہیہ سے جواب عنایت ہو۔ بینوا توجروا من عند اللہ۔ ؟

الجواب۔ مسجد حقیقت میں ایک دربار شاہنشاہی خداوندی ہے اور اُس میں نماز پڑھنی حاضری دربار شاہی ہے جیسے درباروں میں حاضر ہو کر بادشاہ کو آداب و مجرا بجالاتے ہیں اور اگر اظہار بندگی و پرستندگی کرتے ہیں اسیطرح مسجد میں حاضر ہونے سے یہی مقصود ہے کہ خداوند عالم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہو کر اپنی عبودیت کا اظہار کریں حقیقت نماز کی یہی ہے اور اسی وجہ سے اس میں خشوع و خضوع پر نظر ہے جس قدر خشوع و خضوع بجالائے گا اُتنی ہی اُس کی بندگی پسند آئے گی جب یہ معلوم ہو چکا کہ مسجد ایک دربار ہے اور اُس کے حاضرین درباری ہیں تو اب سمجھنا چاہیئے کہ دربار کی رونق و علو کو کوئی مکروہ و غیر مستحسن نہیں سمجھتا اور نہ درباریوں کی زیب و زینت کو کوئی مذموم و قبیح جانے مگر جو درباری صورت تکبر کی جو کہ منافی علت غائی حاضری یعنی بندگی کی ہے بنا کر آدیں۔ نیز بادشاہ نیز اہلِ عقل کو زشت و منکر معلوم ہو گا۔ اسی طرح جب مسجد دربار خداوندی ٹھیرا اور حاضرین درباری قرار دیئے گئے تو مسجد و اہلِ مسجد کی رونق و زینت کو تو عقل و نقل جائز رکھتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع[عہ۱] الآیہ وقال تعالیٰ خذو ا زینتکم[عہ۲] عند کل مسجد الآیہ۔ البتہ حاضران دربار اگر صورت فخر و تکبر کی بنا کر حاضر ہوں بیشک مواخذ و معاتب ہوں گے۔ پس اب دیکھنا چاہیئے کہ کونسی چیز زینت دربار و اہلِ دربار ہے وہ درست ہو گی اور کونسی چیز فخر و تکبر کی ہو وہ قبیح ہو گی پس شامیانہ و قنادیل و فرش وغیرہا کہ مقصود ان سے زینت مسجد ہے بر محل ہوں گے اور مسجد میں پنکھا لگانا کہ بڑا مقصود اس سے ترویح مصلیان ہے بے موقع ہو گا کہ خود تو شاہنشاہ مطلق کے روبرو دست بستہ کھڑے ہیں اور خادم پنکھا کر رہا ہے کیسی نازیبا صورت ہو گی اُدھر تو ارشاد ہے توموا للہ قانتین الآیہ۔ اور یہ صورت قنوت و تواضع سے کس قدر درجہ دُور ہے ع بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا۔ اگر کوئی ادنیٰ حاکم کے دربار میں جائے کیسے ہی زیب و زینت کرے اور عمدہ کپڑے

عہ۱ استدلال بعموم اللفظین ۱۲ عہ۲ کما لمس الحاجۃ الیہ غالباً ۱۲ منہ

پہنے ہو وہ ناخوش نہ ہوگا اور جو ایک خادم ساتھ پنکھا کرتا جائے بیشک مورد عتاب حاکم ہوگا۔ پھر کیا خداوند جل شانہ کا اتنا بھی لحاظ و خیال نہیں صدق تعالیٰ وما قدروا اللہ حق قدرہ[1] الآیہ۔ پھر یہ کہ اُس وقت کون کھینچے گا اگر کسی مسلمان سے کھچوایا تو اُس کی نماز نہ پڑھنے پر راضی ہوئے اور اُس کو ترک جماعت کا امر کیا اور جو کسی کافر سے کھچوایا تو بلا وجہ کافر کو مسجد میں داخل کرنا کیا ضرور ہے اور اگر نماز میں پنکھا نہ بھی کیا اور خارج نماز کیا تو کیا ہوا اول تو لگاتے اسی واسطے ہیں خارج نماز کے دستی پنکھے سے بھی ضرورت دفع ہوسکتی ہے پھر اتنا تکلف کرنا سوائے وقت نماز کے اور کس وقت کے لیے ہے دوسرے پھر بھی اس میں صورت فخر و تکبر کی ہے یہی وجہ ہے کہ پہلے لوگوں نے مساجد میں سب کچھ تکلف کیے مگر یہ کبھی نہیں سوجھی کیا وہ لوگ کر نہ سکتے تھے مگر یہی ہے کہ اس کی صورت ہی نہایت مکروہ ہے مساجد کیا دیوان خانے ہو جائیں گے رہے اور تکلفات مثل شامیانہ و قنادیل و فروش کہ محض زینت مکان کے لیے ہیں یہ چنداں قبیح نہیں اگرچہ زائد از حاجت یہ بھی فضول ہیں اور اس قدر تزئین واہیات ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما امرت بتشیید المساجد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لتزخرفنہا کما زخرفت الیہود والنصاریٰ۔ ابوداؤد تو فی الواقع جس قدر تکلفات مساجد میں بڑھ گئے ہیں جو زائد حاجت سے ہیں سب فضول ہیں مگر چونکہ اصل سب کی محتاج الیہ ہے اگرچہ لوگوں نے اُس پر زیادتیاں کر لی ہیں اس وجہ سے کسی درجہ کم بُری ہیں مثلاً شامیانہ کہ حقیقت میں دھوپ سے بچنے کے لیے مثل چھت کے ہے اصل میں ایسی چیز محتاج الیہ ہے مگر اُس پر یہ تکلفات کہ

---

[1] کما فسر الحاجۃ الیہ غالباً ۱۲ منہ [2] بلکہ فتاویٰ مجمع برکات میں لکھا ہے کہ اگر دوسرا شخص نمازی کو پنکھا جھلے اور یہ نمازی اُس سے راضی ہو تو نماز فاسد ہو جاوے گی عبارت اُس کی یہ ہے۔ فی الجامع لو روح غیر المصلی مصلیا ورضی بروحہ تفسد صلوٰۃ عند مشائخنا وہو الاحوط لانہ یصیر مروحا فی الصلوٰۃ کذا فی خزانۃ الجلالیہ انتہی۔ از رسالہ احکام المروحہ اگرچہ یہ روایت مرجوح ہے لیکن غایت درجہ کی اسمیں قباحت و شناعت ہوگی جو بعض بزرگوں نے اسکو مفسد سمجھا ۱۲

[3] فی صحیح البخاری امر عمر رضہ ببناء المسجد وقال اکن الناس من المطر وایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس قال انس تیباہون بہا ثم لا یعمرونہا الا قلیلا جلد اول ص ۶۴ ۱۲ منہ وایضاً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذم الزمان الآتی مساجدہم عامرۃ وہی خراب ۱۲ وقال الشامی فی اقسام البدعۃ ناقلا عن الشرح الجامع الصغیر للمناوی عن تہذیب النووی وقال مثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکلی ومکروہۃ زخرفۃ المساجد انتہی جلد اول ص ۲۷۶ لفظ منہ

کپڑا اُس کا رنگین و منقش و بیش قیمت و متکلف ہو یہ فضول ہے - فرش ہے اصل میں اس کی احتیاج ہے تاکہ کپڑے اور بدن خاک مٹی سے بچیں مگر اُس میں یہ افراط کہ بیش بہا شطرنجیاں اور قالین اُس پر اقسام اقسام بیل بوٹے یہ لغو - قندیل ہے اصل میں اس کی حاجت ہے تاریکی میں مسجد میں روشنی ضرور ہے مسجد کی دیواریں تیل سے بچانے کے لیے اور نیز چراغ کو ہوا سے بچانے کے لیے اگر چراغ کسی قندیل میں رکھدیا کچھ حرج نہ تھا مگر اُس پر یہ زیادتی کہ ضرورت ایک کی وہاں بیسوں لٹک رہی ہیں کہیں چمنی کہیں فانوس کہیں گلاس کہیں ہانڈی کہیں جھاڑ کہیں لالٹین پھر اُس میں موم اور چربی کی بتیاں حاجت سے زائد - یہ واہیات دیواریں پائداری کے لیے چونہ و گچ کافی ہیں پھر اُس میں یہ تکلف کہ بیل بوٹے رنگ برنگ سرخ و زرد یہ سب فضول ہے اسلیئے متولی کو فضولیات کا وقف سے بنانا جائز نہیں اگر بناوے گا ضمان آدے گا اما المتولی یفعل من مال الوقف ما یرجع الی احکام البناء دون ما یرجع الی نقش حتی لو فعل یضمن - واللہ اعلم بالصواب ہدایہ جلد اوّل صـ ۱۲۴ -
پس یہ سب تکلفات فضول اور واہیات ہیں اور ترک ان کا ضروری ہے مگر چونکہ اصل ان سب اشیاء کی محتاج الیہ ہے اس لیے ان میں چنداں قباحت نہیں بخلاف پنکھے کے کہ اصل میں اُس کی کوئی حاجت شدید نہیں - ہوا سب جگہ آتی ہے مگر پھر بھی جس قدر تھوڑی بہت حاجت ہے اُس کے لیے دستی پنکھا کافی ہے - اب اس پر قناعت نہ کرنا اور گرجا گھر کی طرح پنکھا باندھنا مسجد کی صورت اور اپنی سیرت خراب کرنا ہے پھر شاید اپنے خادموں کو ساتھ لاکر نماز میں پانوئں دبوانے لگیں کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت[۱] ہے - مگر جس شخص کو ذرا عقل سے بہرہ ہو وہ اس بات کو بیشک قبیح مستہجن سمجھے گا بندگی کرنی آیا ہے یا بندگی کرانے حضرت مولانا محمد اسحٰق محدث رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں تشریف لاتے تھے جوتہ اپنے ہاتھ سے اُٹھاتے اور کسی کو نہ دیتے تھے - خیر اس قدر احتیاط ہم ناکاروں سے نہیں ہو سکتی مگر جتنی بے احتیاطی ہو چکی چاہیئے تو اُس کی بھی درستی کریں جو یہ بھی نہ ہو سکے تو اور نئی تو نہ تراشیں - نقل مشہور ہے گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط -
ھذا ما یحکم بہ[۲] العقل الصحیح ومضمار البحث والاستدلال فسیح - فقط

---

[۱] یا مسند تکیے لگنے لگیں یا میز کرسی بچھنے لگیں کہ اس میں بھی آسائش ہے ۱۲ منہ حفی عنہ [۲] اس سب کا حاصل لزوم مفاسد بغیرہ ہے پس اگر بعض اکابر سے اس کی اجازت منقول ہو اُس کا حاصل اباحت فی نفسہ ہے فلا تعارض ۱۲ منہ

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۰۰ھ (امداد ثانی ص ۱۲۱)

بادکشی و روشنی برقی در مسجد

سوال (۸۲۱) یہاں بجلی کا انجن منگایا گیا ہے جس سے روشنی اور پنکھے کا کام لیا جاوے گا اگر مسجد میں اس کی روشنی کی جاوے یا اس کا پنکھا لگایا جائے جو خود بخود چلے گا اور کسی قسم کا شور یا بدبو نہ ہوگی تو جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - جائز ہے۔ ۷ رجب ۱۳۳۱ھ (حوادث اول و ثانی ص ۱۰۲)

منع متولی عوام را از چاہ مسجد

سوال (۸۲۲) مسجد کا کنواں متولی مسجد بزعم خود احتیاط وطہارت کے لیے سفید پوش نمازیوں کے سقاء و شرب و وضو غسل کیلئے مخصوص کرتا ہے کہتا ہے کہ عام اہل محلہ کے گھروں پر لیجانے کے لیے بھی نہیں ہے عوام کے ظروف جو بھرنے کو لاتے ہیں پھوڑ دیئے جاتے ہیں۔؟

الجواب - منع کرنا تو تنظیف وتطہیر مسجد کے لیے جائز ہے جبکہ قریب دوسرا ایسا ہو جس سے عوام کی رفع احتیاج ہوسکے لیکن گھڑے پھوڑ دینا ظلم اور حرام ہے اسی طرح اگر دوسرا کوئی کنواں نہ ہو تب بھی منع کرنا حرام ہے۔ واللہ اعلم۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ثانی ص ۱۸۲)

جواز تربع در مسجد

سوال (۸۲۳) زید کہتا ہے کہ مسجد میں چارزانو بیٹھنا سخت بے ادبی ہے اور سخت بے ادبی ہونے کی وجہ سے ناجائز۔ حتی الامکان دوزانو بیٹھے اور مجبوری سے چارزانو بیٹھنے کی اجازت ہوسکتی ہے اور جو شخص چارزانو بیٹھتا ہے خواہ خالی بیٹھے یا کچھ قرآن مجید یا وظیفہ پڑھنے کے لیے بیٹھے تو اس سے ناراض ہوتا ہے اور اُس کو ملامت کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو سخت گستاخی سمجھتا ہے کہ آدمی بعد نماز اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرلے اور پاؤں کو جو قعدہ میں بچھا تھا بچھا رکھے علیٰ ہذا القیاس اس طرح بیٹھنے کو بھی ناجائز بتاتا ہے کہ آدمی اپنے سُرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے اور دونوں پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لے لے خلاصہ یہ ہے کہ زید دوزانو بیٹھنے کے سوا مسجد میں ہر نشست کو بے ادبی کے سبب ناجائز بتاتا ہے بلکہ مسجد کے باہر بھی قرآن مجید یا وظیفہ پڑھنے کے وقت دوزانو بیٹھنے کے سوا ہر نشست کو جناب باری جل جلالہ میں بے ادبی و گستاخی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ کہ حضرت سفیان ثوریؒ

مسجد میں ایک بار اپنے سُرین اور دونوں قدموں پر بیٹھے تھے کہ جناب باری جل جلالہٗ کی طرف سے عتاب ہوا اور غیب سے آواز آئی کہ او ثور (بیل) یہ کیا بے ادبی وگستاخی ہے اُسی دن سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ ثوری کا لفظ اضافہ ہوگیا۔ عمرو کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد نماز صبح چارزانو ہی بیٹھے ہوئے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے جب آفتاب بلند ہوتا تو دو رکعت یا چار رکعت نماز اشراق ادا فرماتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چارزانو بیٹھنا بھی مسنون ہے نہ بے ادبی وگستاخی۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ جل شانہ کا ادب اور خوف کسی کے دل میں نہیں ہوسکتا جب آپ نے یہ نشست اختیار فرمائی تو صاف ظاہر ہے کہ اس میں عین ادب ہے نہ گستاخی و بے ادبی علیٰ ہذا القیاس سُرین اور قدموں پر بیٹھنا بھی بعض احادیث میں آیا ہے۔ البتہ نماز میں بلاعذر اس طرح بیٹھنا ضرور خلافِ ادب ہے خارج نماز بعض اوقات اس طرح بیٹھنا مسنون ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بعد نماز داہنا پاؤں کھڑا کرلینا بھی بعض اکابر سے ثابت ہے جو کم ازکم جائز ضرور ہے اور کسی طرح قابلِ ملامت نہیں رہا حضرت سفیان ثوریؒ کا قصہ وہ بے بنیاد ہے سند صحیح سے ثابت نہیں کتب تصوف سے معلوم ہوتا ہے چارزانو بیٹھنا خلافِ ادب نہیں بلکہ ادب کے موافق ہے کیونکہ تسبیح دوازدہ کے وقت اوّل چارزانو ہی بیٹھتے ہیں اور رگِ کیماس کو دبا کر ضربیں لگاتے ہیں اگر یہ نشست اللہ تعالیٰ کو مبغوض ونا پسند ہوتی تو اہل تصوف جو کہ کمال ادب جناب باری جل جلالہٗ کا ہروقت ملحوظ رکھتے ہیں کبھی اس کو اختیار نہ فرماتے پھر لطف یہ کہ اوّل ہی میں اختیار فرماتے ہیں یہ بھی نہیں کہ آرام لینے کی غرض سے آخر میں چارزانو بیٹھتے ہوں۔ اس کے علاوہ قرّاء اکثر چارزانو ہی بیٹھنا پسند فرماتے ہیں کیونکہ چارزانو بیٹھنے میں سینہ سے آواز بہ آسانی نکلتی ہے اور قرآن پڑھنے میں تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ زید وعمرو کے خیالات ظاہر کرنے کے بعد یہ بات دریافت طلب ہے کہ جو بات صحیح اور موافق حدیث وفقہ وتصوف ہو اُس سے اطلاع فرمایئے تاکہ اُس کے موافق اعتقاد وعمل رکھا جائے۔؟

الجواب۔ عمرو کا قول صحیح ہے۔ حدیث تو سائل نے لکھدی ہے تاضیخان

میں ہو۔ وہو کالتربع فی الجلوس والاتکاء قالوا انکان ذلک علیٰ وجہ التجبر یکرہ وان کان لحاجۃ ضروریۃ لا یکرہ اھ قلت ومن الحاجۃ طلب الراحۃ۔ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ محض کسی کا تراشیدہ خلاف نقل وخلاف لغت ہے۔ فی القاموس۔ وثور ابو قبیلۃ من مضر منہم سفیان بن سعید اور خلاف نحو بھی کیونکہ ثوری پر الف لام آتا ہے الثوری اگر ثوری کے وہ معنی ہوتے جو زید نے دعویٰ کیا ہے تو اس ترکیب میں اضافہ معنویہ ہوتے ہوئے الف ولام کا داخل ہونا اُس پر کس طرح جائز ہوتا۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ثانی صفحہ ۱۸۷)

حکم شامل کردن زمین نابالغ در مسجد

سوال (۸۲۴) جس زمین کو مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہوں اُس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جو صورت شرعاً درست ہو ویسا کیا جاوے یعنی مسجد کے پچھم جانب ۴ بسوہ زمین افتادہ ہم ہی لوگوں کی ہے جس میں سے تقریباً ایک بسوہ زمین مسجد میں شامل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے سب شرکاء راضی ہیں صرف یتیم نابالغ کی وجہ سے گڑبڑی ہے جو صورت شرعاً تجویز کی جاوے ویسا انتظام کیا جاوے مفتی...... صاحب نے تو لکھا ہے کہ مبادلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بھائی ایسا ولی نہیں جو اس قسم کا تصرف کر سکے اسلئے سخت دقت پیش آرہی ہے۔ میرا خاص حصہ اس زمین میں ۱۷۶ سہم ۲۸ سہم ہے باقی شرکاء زمین کے دینے پر راضی ہیں کوئی تردد نہیں۔ جواب جلد مرحمت فرمایا جاوے کیونکہ سب مواطے ہو گئے ہیں۔؟

الجواب۔ اس کو تصریحاً لکھئے کہ اگر بجز نابالغ کے دوسرے سب شرکاء اُس زمین ملحق بالمسجد سے اپنا حصہ تقسیم کرکے لے لیں تو جو حصہ نابالغ کا بچ جاوے وہ اُس سے منقطع ہو سکتا ہے یا نہیں۔ رجب ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۶۰)

بیع متولی اسباب مسجد را

سوال (۸۲۵) متولی مسجد مسجد کی کوئی شئی کسی وجہ سے فروخت کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ یہ شئی جس کا بیچنا چاہتے ہیں اگر فرش وجا نماز وغیرہ ہے یعنی ایسی چیز ہے جو مسجد کی عمارت میں متصل نہیں اور منقول ہے تو اُس کا حکم یہ ہے کہ جس نے یہ شئی مسجد میں دی ہے وہ اُس کو بیچ سکتا ہے اگر وہ نہ ہو اُس کا وارث اور جب وہ بھی نہ ہو تو با جازت قاضی اسلام یا باتفاق اکثر اہل اسلام بیع جائز ہے اور اگر وہ شئے ایسی ہے

جو مسجد کے اندر بطور جزو کے لگ چکی تھی پھر جدا ہو گئی جیسے کڑی تختہ وغیرہ یا اینٹیں بعد انہدام کے تو قاضی یعنی حاکم اسلام کی اجازت سے۔ اور اگر وہ نہ ہو تو اکثر اہل اسلام کے اتفاق سے اُس کی بیع جائز ہے اور اگر وہ شئے از قسم جائداد غیر منقول ہے جو مسجد کے لیے وقف ہے تو اُس کا بیچنا کسی طرح جائز نہیں۔ فی العالمگیریۃ من کتاب الوقف۔ ذکر ابو اللیث فی نوازلہ حصیر المسجد اذا صارت خلقا واستغنی اھل المسجد عنھا وقد طرحھا انسان ان کان الطارح حیا فھو لہ وان کان میتا ولم یدع وارثا ارجوان لا باس بان یدفع اھل المسجد الی فقیر او ینتفعوا بہ فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انہ لا یجوز لھم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی کذا فی المحیط السرخسی وفی المنتقی بواری المسجد اذا خلقت فصارت لا ینتفع بھا فاراد الذی بسطھا ان یاخذھا ویتصدق بھا بعد ما خلقت لم یکن لھم ذلک اذا کانت لھا قیمۃ وان لم یکن لھا قیمۃ لا باس بذلک کذا فی الذخیرۃ وایضا فیھا اھل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ وایضا فیھا وفی الفتاوی النسفیۃ سئل عن اھل المحلۃ باعوا وقف المسجد لاجل عمارۃ المسجد قال لا یجوز بامر القاضی وغیرہ کذا فی الذخیرۃ اھ۔ قلت قد سمعت استاذی ان عامۃ اھل الاسلام بمنزلۃ القاضی قلت لان ولایۃ مستفاد منھم فکانہ ھم ھو۔ فقط واللہ اعلم (امداد ثانی ص۹)

مسجد میں گھنٹہ رکھنے کا جواز

سوال (۸۲۶) مساجد میں گھنٹہ دار گھڑی لگانا جیسا عموماً رواج ہوتا جاتا ہے بوجہ عدم نقل از سلف وفی الجملہ مشابہت آواز جرس کچھ مکروہ نہیں۔؟

الجواب۔ خلاف اولیٰ کہنے کی تو گنجائش ہے لیکن ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ وہ جرس ممنوع نہیں بلکہ آلہ مفیدہ معرفت وقت کا ہے فقہاء نے خود طبل سحر کی اجازت لکھی ہے اور مسجد میں ہونا اس لیے مصلحت ہے کہ وہاں معرفت اوقات نماز کی زیادہ حاجت ہے۔ ۲۶/ شوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اول ص ۱۴۳)

سوال (۸۲۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر ایسی گھڑی رکھنا جو آواز زور سے آدھ گھنٹے کے بعد دیتی ہے اور ہر وقت تھوڑی تھوڑی آواز بدلی وغیرہ کے دنوں میں وقت نماز کے پہچاننے کے لیے جائز ہے یا نہیں اور اگر گھڑی مذکور مسجد سے خارج ہو مگر آواز مسجد کے اندر جاتی ہو تو اس صورت میں بھی رکھنا جائز ہے یا نہیں اور ان دونوں صورتوں کی آواز سے نماز میں کراہت ہوگی یا نہیں؟

الجواب - مسجد کے اندر گھنٹہ دار گھڑی بغرض اعلام وقت کے جائز ہے اور چونکہ بعض لوگ بینائی کم رکھتے ہیں بعضے نمبر نہیں پہچانتے اور بعض دفعہ روشنی کم ہوتی ہے اس لیے ضرورت ہوتی ہے آواز دار گھڑی کی تو اس مصلحت سے یہ جرس ممنوع سے مستثنیٰ ہے جیساکہ عالمگیریہ میں بعض فروع اس قسم کی لکھی ہیں اور حدیث میں تصفیق کی اجازت عین صلوٰۃ میں مصلحت کے لیے دلیل بین ہے مشروعیۃ صورت جس میں مقارعین لمصلحۃ الاعلام المتعلق بالصلوٰۃ کی - ۳ / شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث اول وثانی ص ۱۰۹)

نقش کردن آیات در محراب مسجد وغیرہ

سوال (۸۲۸) مساجد میں سنگ مرمر پر آیات قرآنی کندہ کرا کر لگانے کا کیا حکم ہے اگر جائز ہے تو اچھا ہے یا نہیں۔؟

الجواب - فقہاء نے مکروہ لکھا ہے بوجہ احتمال بے ادبی کے - لیکن اگر کندہ ہو کر لگ گئے ہوں تو اب اس کا اکھاڑنا بے ادبی ہے - لہٰذا اسکی حالت پر چھوڑ دیا جاوے - ۷ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانی ص ۲۶)

روشن داشتن چراغ در مسجد غیر وقت نماز

سوال (۸۲۹) مغرب و عشاء کے مابین اندرون مسجد چراغ روشن رکھنا اگرچہ نمازیوں کی آمد و رفت نہ ہو کیا ضروری ہے یعنی چراغ جلانا نمازیوں کے آسائش کے لیے ہے یا فی نفسہ مسجد کی کوئی تعظیم ہے کہ ضرورت روشن ہی ہو۔؟

الجواب - یہ وقت ایسا ہے کہ کسی کا مسجد میں آجانا تلاوت کے لیے یا نوافل کے لیے بعید نہیں بعضے آ بھی جاتے ہیں نیز مسجد کی اس میں حفاظت بھی ہے کہ کوئی جانور وغیرہ آجاوے تو دیکھ کر دفع کر دیا جاوے بلکہ روشنی میں آتے بھی کم ہیں اس لیے بلا نکیر ایسے وقت میں مساجد میں روشنی رہنا شائع و معتاد ہے - ۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ۲ ص ۲۳۰)

حکم دخول کافر در مسجد

سوال (۸۳۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

قنوج میں جامع مسجد شاہی واقع ہے اس کو تعمیر ہوئے ساڑھے پانچسو سال کا عرصہ گزرا۔ اس سے قبل ہندوؤں کا دیول یعنی بت خانہ تھا لہذا مسجد کی تعمیر کو اتنا زمانہ ہوا مگر ہندو اب تک اس کو سیتا کی رسوائی سمجھ کر دیکھنے آتے ہیں تو ان کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے مؤذن وغیرہ لالچ کیوجہ سے جانے کی اجازت دیدیتے ہیں وہ لوگ ننگے پیر ہوتے ہیں اور زانو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور عورتیں لہنگا پہنے ہوتی ہیں۔ لہذا ایسی حالت میں اُن کو مسجد کے اندر جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے داخل ہونے کی اجازت ہے یا نہیں۔ اور مشرک لوگ ناپاک ہیں اس وجہ سے ہم اُن کو مسجد کے اندر داخل ہونے سے منع کرتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر میں نجاست نہ ہو تو داخل ہونا جائز ہے۔ میرا یہ سوال ہے کہ جب مشرکوں کے ناپاک ہونے کا ثبوت ہے تو ان کی ظاہر و باطن نجاست میں کیا فرق ہے۔ اور اگر مشرکوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور جو صاحبان مسجد کے اندر مشرکوں کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں اُن کو کیا ثواب ملتا ہے اور میرے منع کرنے سے کیا مجھ کو عذاب حاصل ہوتا ہے اور ہندو مسلمانوں کو اپنے مندروں اور بت خانوں میں جانے سے منع کرتے ہیں اس خیال سے اگر ہم بھی منع کریں تو کیا مضائقہ ہے۔ اور ان کے پیر ننگے ہونے کیوجہ گرد و غبار میں آلودہ ہوتے ہیں اگر ان سے پیر دھونے کے واسطے کہا جاوے تو کیا حرج ہے۔ پیر میلے ہونے کی وجہ سے داخل ہونا ناگوار گزرتا ہے۔ جواب شافی سے مطلع فرمائیے۔؟

الجواب - فی الدر المختار احکام المسجد قبیل باب الوتر والنوافل ما نصہ وادخال نجاسۃ فیہ وعلیہ فلا یجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ ولا تطیینہ بنجس ولا البول والفصد فیہ ولو فی اناء و یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسھم والا فیکرہ اھ فی رد المحتار تحت قولہ وادخال نجاسۃ فیہ عن الفتاویٰ الھندیۃ لا یدخل المسجد من علی بدنہ نجاسۃ اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کے ابدان یا بواطن کے نجس وغیر نجس ہونے کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ جب مسلمان بچوں کا جبکہ غالب احوال میں اُن کا بدن نجس ہوتا ہے مسجد میں داخل کرنا حرام ہے تو بالغین کفار جہاں علاوہ نجاست غالبہ کے دوسرے موانع بھی ادخال مسجد کے

مجتمع ہیں اُن کو مسجد میں داخل ہونے کی کیسے اجازت دی جاوے گی اور نجاست کا اُن پر غالب ہونا ظاہر ہے خصوص پاخانہ کے بعد ازالہ نجاست کا اہتمام نہ ہونا اُن کا یقینی ہے اور دوسرے موانع میں سے بڑا مانع یہ ہے کہ وہ مندروں میں مسلمانوں کو نہیں جانے دیتے تو غیرت اسلامی ضرور مانع ہونا چاہئے۔ ۱۰ ر صفر ۱۳۵۳ھ

(النور ص۳ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ)

حکم مسجد ساختن در جائیکہ بعد ایک مدت ویراں شود

سوال (۱۳۸۱) آستانہ شہر سے ۴ میل فاصلہ پر ہے اور ہر چہار طرف ایک ایک میل تک کوآبادی کسی طرح کی نہیں ہے میرے ساتھ چند خادم رہتے ہیں نماز باجماعت ہوتی ہے آستانہ میں ایک جگہ نماز کے لئے مخصوص رہتی ہے جو موسم کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے اسی طرح رمضان المبارک میں تراویح کا انتظام ہے کبھی شہر سے زیادہ آدمی آجاتے ہیں تو مجبوراً میدان میں جماعت ہوتی ہے۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ آستانہ سے متصل مسجد بناؤں مختصر تعمیر ہوگی بعض اہل علم حضرات نے کہا کہ جب تک تم یہاں ہو مسجد آباد رہے گی تمہارے بعد ویران ہو جائے گی کیونکہ ایسی پُرخطر و غیر آباد جگہ میں کون قیام کرے گا اسلئے یہاں مسجد بنانا خواہ وہ بالکل ہی مختصر ہو مناسب نہیں۔ حضرت کے ارشاد کا طالب ہوں۔؟

الجواب۔ میں دجھا ً بھی اور دلیل سے بھی ان اہل علم حضرات سے متفق ہوں وجدان کا علم تو مجھ ہی کو ہے اور دلیل یہ ہے کہ مقصود مسجد بنانے سے تو تضاعف اجر ہے جس کی توقع غیر مسجد میں نہیں لیکن احادیث سے ثابت ہے کہ خود صحرا میں نماز پڑھنا گو بغیر مسجد کے ہو اور گو بغیر جماعت کے ہو موجب تضاعف اجر ہے جب مسجد کی غرض بغیر مسجد کے بھی حاصل ہے پھر مسجد بنا کر اُس کو خطرۂ ویرانی و بے حرمتی میں کیوں ڈالا جائے وہ احادیث یہ ہیں۔ فی الترغیب والترھیب للحافظ عبدالعظیم المنذری مانصہ الترغیب فی الصلٰوۃ فی الفلاۃ قال الحافظ رحمہ اللہ قد ذھب بعض العلماء الی تفضیلھا علی الصلوٰۃ فی الجماعۃ وعن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلاۃ فی الجماعۃ تعدل خمسۃ وعشرین صلاۃ فاذا صلاھا فی فلاۃ فاتم رکوعھا وسجودھا بلغت خمسین صلاۃ۔ رواہ ابوداؤد ورواہ الحاکم بلفظہ وقال صحیح علی شرطھما ورواہ

ابن حبان فی صحیحہ ۱ھ مختصراً - ۱۸ ربیع الاول ۵۴ھ (النور ص ۸ صفر المظفر ۱۳۵۵ھ)

مسجد کے دریا برد ہونے کے خوف سے اُس کو منہدم کرنا

سوال (۸۳۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ دریائے راوی نے ہمارے قصبہ سید والہ کو گرانا شروع کردیا ہے قصبہ کی آبادی کا ایک حصہ دریا نے کاٹ کر صاف کردیا ہے اور بعض بڑے بڑے مقامات گرچکے ہیں دریائے مذکور کی حالت اس قسم کی خوف ناک ہوچکی ہے جس سے اہالیان شہر کا متفقہ خیال ہوچکا ہے کہ اب یہ شہر ضرور منہدم ہوجاوے گا لوگ نئی آبادی کی بنیاد ڈالنے کے واسطے تجاویز کرچکے ہیں - اس قصبہ میں تقریباً چھ سات مساجد اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہیں اور وہ قصبہ کے باقی محلات کے ساتھ سخت خطرہ میں ہیں اگر دریا شہر کو کاٹ کر بتدریج ان مساجد کے قریب پہنچے اور ان کو گرانا شروع کردے جس سے یقیناً تمام ملبہ - پختہ اینٹیں لکڑی کا سامان - شہتیر - بانسے وغیرہ دریا میں غرق ہوجاویں گے یا بہہ جائیں گے اور چونکہ یہاں کے مسلمان بہت مفلوک الحال اور افلاس زدہ ہوچکے ہیں اس قسم کی پختہ عمارات زمانہ قدیم کی تعمیر شدہ ہیں اس صورت میں اور متذکرۃ الصدر حالات کے ماتحت اگر مسلمان مساجد کا تمام ضروری اور کار آمد ملبہ مع پختہ فرشوں کے اکھڑ لیں تاکہ نئی مسجد کی تعمیر میں لگایا جاسکے تو شرعاً مسلمانوں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں یعنی تحریم مساجد کے منافی تو نہیں جس سے خدا وخدا کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل مواخذہ ہو جواب بہت جلد ارسال فرمادیں کیونکہ تباہی ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے - بینوا توجروا - ؟

الجواب - نازک مسئلہ اور بڑے درجہ کے سائل - اس کا جواب تو جماعت محققین کے مشورہ سے دیا جانا مناسب تھا اب بھی ممکن ہے کہ دیوبند سے رجوع فرمایا جاوے اور یہ میری تحریر بھی بھیجدی جاوے باقی امتثال امر کے لئے میں بھی اپنا خیال عرض کردوں جزئیہ کا حوالہ تو ذہن میں نہیں قواعد سے عرض کرتا ہوں اگر غالب گمان گرنے کا نہ ہو تو ہدم جائز نہیں اور اگر غالب گمان ہو تو اس نیت سے جائز ہے (اور اس نیت کا اعلان بھی کردیا جاوے) کہ اگر دریا برد ہوگئی تو اس کے ملبہ سے نئی آبادی میں مسجد بنالیں گے اور اگر سالم رہی تو پھر اصلی جگہ تعمیر کردیں گے اور یہ سب تفصیل اُس وقت ہے کہ

جب خود منہدم ہو جانے کے وقت حمل و نقل کی قدرت نہ رہی گی ورنہ خود انہدام کا انتظار ضروری ہے۔ ۲۰ / جمادی الاولی ۵۴ھ (النور صفحہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ)

مسجد کی تعمیر شروع کرا کر نماز کی اجازت پھر انکار کرنے سے مسجد ہوتی ہے یا نہیں۔

سوال (۸۳۳) علمائے دین سے گزارش ہے کہ صورت ذیل میں شرع شریف کا جو حکم ہے اُس سے مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ایک شخص مسمیٰ خلیل احمد نے ایک قطعہ زمین خرید کی اس زمین سے ایک خاص قطعہ کو جس کی چوحدی واضح کر دی مسجد بنوانے کیلئے مخصوص کر دیا۔ اور پوری زمین کا نقشہ اس طرح سے بنوایا کہ مسجد کیلئے مخصوص کردہ قطعہ پر دو منزلی مسجد کا نقشہ دکھایا اور باقی پر مکان و دکان کا نقشہ دکھایا اور یہ نقشہ پاس ہو گیا مسجد بنوانے کے لیے اجازت ہو گئی اجازت حاصل ہونے کے بعد اشخاص محلہ اور بعض اعیان شہر کے سامنے مسجد کی بنیاد قائم کی اور سمت قبلہ قاعدہ سے ٹھیک کر کے اپنے ایک عزیز کی نگرانی میں مسجد کی تعمیر شروع کرادی چنانچہ نیچے کی منزل کی دیواریں مسجد نما بن گئیں اس کے بعد خلیل احمد صاحب نے مسمیٰ مولوی محمد عابد سے (جو کہ اس مسجد زیر تعمیر کے پاس مطب قائم کیے ہوئے تھے) فرمایا کہ مجھ سے اس مسجد کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے آپ چندہ یا جس طریق سے چاہیں تکمیل کرالیں خلیل احمد کے کہنے کے مطابق مولوی محمد عابد صاحب نے تکمیل کے کام کو انجمن تبلیغ اسلام کے حوالہ کیا اور انجمن نے چندہ سے کام شروع کرا دیا اور نیچے کے درجہ میں تبلیغ کا مکتب قائم کر دیا اور کچھ عرصہ تک اس میں مکتب قائم رہا جبکہ انجمن کی طرف سے اکثر حصہ چھت وغیرہ کا پٹ گیا تو خلیل احمد صاحب نے فرمایا کہ میرے والد خود اس کی تکمیل کریں گے انجمن والے اپنا حساب دیدیں تاکہ اُن کو روپیہ دیدیا جائے۔ انجمن والوں نے حساب دیدیا مگر باوجود تقاضا و دوا دوش کے کچھ عرصہ تک روپیہ انجمن کو واپس نہیں کیا اور خود کام بھی شروع نہیں کیا بالآخر مولوی محمد عابد صاحب نے جن کے ذمہ تکمیل کا کام آیا تھا قریب کے اُن مسلمانوں کو جو کہ اپنی دکانوں میں نمازیں پڑھ لیا کرتے تھے اجازت دیدی کہ مسجد کی چھت پر جماعت سے نماز پڑھ لیا کریں جب چھت پر اذان اور نماز ہونے لگی (جس جگہ یہ مسجد قائم کی گئی ہے وہاں مسلمانوں کے اعتبار سے ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے) ہنود نے اذان اور نماز سے مزاحمت تو نہیں کی مگر اُن کو ناگوار ضرور ہوا اور خفیہ طریق سے اُن کے مشورے ہوتے رہے مولوی محمد عابد صاحب نے ہنود کی طرز مخالفت کو محسوس کر کے

خلیل احمد اور اُن کے والد کو (جو کچھ عرصہ سے ملازمت کی وجہ سے لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے) لکھنؤ خط لکھا کہ مسجد کی چھت پر جب سے اذان نماز ہونے لگی ہے ہنود کا خیال ہے کہ مسجد بنوانا پاس نہیں ہوا ہے اذان نماز یہاں کیوں ہوتی ہے آپ مہربانی فرما کر نقشہ لیکر تشریف لائیے اور اہلِ ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کر دیجئے۔ دو ہفتہ تک کوئی جواب نہیں آیا تو پھر تاکیدی خط لکھا گیا چند یوم کے بعد خلیل احمد صاحب تشریف لائے تو بجائے اس کے کہ ہنود کو نقشہ دکھلا کر مطمئن کرتے اُنھیں لوگوں میں یہ اعلان شروع کر دیا کہ پہلا نقشہ میں نے منسوخ کرا دیا ہے اور اس پوری زمین کو میں فروخت کرنا چاہتا ہوں اور مولوی محمد عابد صاحب کو بھی نقشہ دکھلایا جس میں صرف ترمیم اس قدر تھی کہ اوپر کے حصہ میں مسجد کی شکل نہیں دکھائی تھی اور نیچے کے حصہ میں سمت قبلہ وغیرہ بجنسہ سابق تعمیر کے موافق تھی۔ خلیل احمد صاحب کا یہ کہنا تھا کہ مسجد نقشہ سے منسوخ کرادی ہے۔ ہنود میں خوشی کے چرچے ہونے لگے اور فوراً بیس پچیس[۲۵] قدم کے فاصلہ پر مندر بنوانے کی درخواست گزر گئی۔ حکام امپرومنٹ ٹرسٹ کی تحقیق میں جب یہ آیا کہ قریب میں مسجد کی بنیاد قائم ہوئی ہے وہ درخواست مندر کی نامنظور کردی۔ اب خلیل احمد صاحب علانیہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ مسجد میں نے منسوخ کرادی ہے اور کہیں بنوالوں گا اگر یہاں مسجد بنے گی تو ہماری زمین فروخت نہیں ہو گی اس لیے کہ ہم کو قیمت ہندوؤں سے زیادہ ملے گی اور وہ مسجد ہونے کی صورت میں خرید نہیں کریں گے۔ محض جائداد فروخت کرنے کی غرض سے اپنی نیت خراب کر رکھی ہے نہ خود مسجد کی تکمیل کراتے ہیں نہ مسلمانوں کو تکمیل کرنے دیتے ہیں اور ہندوؤں کو مندر بنوانے کا موقع دے رہے ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل کے ملاحظہ کے بعد ارشاد ہو کہ یہ مسجد قرار پا گئی یا نہیں۔ بصورتِ اول مسلمانوں کو حق ہے کہ اپنے اخر سے اس مسجد کی تکمیل کرلیں اور مندر بنانے کا موقع نہ دیں۔ انجمن والوں کو خاموش کرنے کے لیے منجملہ اٹھادن روپیہ کے صرف مبلغ پچیس روپے دیدیئے ہیں باقی ہنوز باقی ہیں۔

نوٹ :۔ خلیل احمد صاحب نے خود نماز نہیں پڑھی مگر حق مسلمانوں کو دیدیا اور مسلمانوں کا بنوانا اور حق تسلیم کر لیا اور نماز و اذان کی اطلاع پر دو تین ہفتہ تک خاموش رہے۔ ؟

الجواب - فی الدر المختار یزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل و بقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوٰۃ فیہ وفی رد المحتار قولہ بالفعل ای بالصلوٰۃ فیہ ففی شرح الملتقی انہ یصیر مسجدا بلاخلاف ثم قال عند قول الملتقی وعند ابی یوسف یزول بمجرد القول ولم یرد انہ لا یزول بدونہ لما عرفت انہ یزول بالفعل ایضاً بلاخلاف اھ قلت وفی الذخیرۃ وبالصلوٰۃ بجماعۃ یقع التسلیم بلاخلاف حتی انہ اذا بنی مسجدا واذن الناس بالصلوٰۃ فیہ جماعۃ فانہ یصیر مسجدا اھ وفی العالمگیریۃ الباب الحادی عشر واذا سلم المسجد الی متولی یقوم بمصالحہ یجوز وان لم یصل فیہ وھو الصحیح کذا فی الاختیار شرح المختار وھو الاصح کذا فی المحیط السرخسی اھ - ان روایات میں مسجد کے مسجد ہونے کی جتنی شرطیں ہیں متفق علیہا یا مختلف فیہ واقعہ مسئول عنہا میں سب متحقق ہیں قول بھی چنانچہ باربار زبانی بھی نقشہ میں بھی معاملہ سے بھی اُس کو مسجد کے لقب سے ذکر کیا - فقہاء یا طالق یا حر سے طلاق و اعتاق کا حکم کردیا ہے اور وقف امام ابو یوسف رح کے نزدیک مثل اعتاق کے ہے - اور فعل بھی چنانچہ اس میں نماز باجماعت ادا کرنے کو جائز رکھا جس سے اذن پایا گیا تسلیم بھی چنانچہ اس کی تکمیل کا انتظام ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا جو بانی کے ملازم بھی نہیں تولیت کی حقیقت اسی شان کا انتظام ہے پس جب سب شرطیں مسجد ہونے کی پائی گئیں اور کوئی مانع نہیں پایا گیا اس لیے وہ زمین مسجد ہوگئی - اب بانی کا انکار محض لغو ہے - واللہ اعلم - آخر شعبان ۱۳۵۴ھ (النور ص۷ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ)

حکم خفتن در مسجد

سوال (۸۴۳) زید کے مکان کے قریب مسجد بہت ہوادار ہے دوپہر کے وقت مکان سے اُس میں زیادہ عافیت ہوتی ہے اگر زید اُس وقت اس غرض سے مسجد میں جاکر سو رہے اور پھر نماز ظہر ادا کرکے چلا آوے تو کسی قسم کی توہین مسجد تو نہیں ہے اور زید مرتکب توہین مسجد تو نہیں - ؟

الجواب - فی الدر المختار وکل ونوم الا لمعتکف وغریب فی رد المحتار واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء فتاوی ہندیہ - ص۲۹۱ ج۱ - اس سے معلوم

ہوا کہ بجز معتکف یا مسافر کے اوروں کو مسجد میں سونا مکروہ ہے لیکن اگر کسی کو سخت ضرورت واقع ہو مثلاً گھر کی گرمی کا تحمل نہیں کرسکتا تو یہ حیلہ کرے کہ مسجد میں تھوڑی دیر کی اعتکاف کی نیت کرلے مثلاً بعد ظہر تک کی اور پھر اُس میں داخل ہو کر تھوڑا وقت عبادت وذکر میں بھی صرف کر دے پھر وہاں سو رہے اور ظہر پڑھ کر باہر آجاوے۔ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷)

مسجد کے صحن میں چارپائی بچھانا

سوال (۸۳۵) کیا راے ہے اس مسئلہ میں ایک طالب علم نے اتفاقاً نواڑ کا پلنگ اپنی مسجد کے صحن میں جہاں لوگ وضو کیا کرتے ہیں وہاں پر بچھایا۔ اب بعض شخص نے اعتراض کیا کہ جائز نہیں۔ اب گزارش ہے کہ طالب علم کی معذوری کو دیکھئے کہ کہاں تک ہے ارشاد فرمائیے کہ جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب - فی نفسہ جائز ہے اگر پاک ہو مگر چونکہ عرفاً یہ خلاف ادب ہے اس لیے مناسب نہیں جیسے جوتہ پہنکر مسجد کے اندر چلا جانا۔ ۲۷ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۲۰۷)

مسجد کے روپیہ میں مسجد کے لئے تجارت کرنا

سوال (۸۳۶) دریں دیار کہ رسوم برائے اخراجات ضروری مسجد اہل محلہ چیزے از نقود می دہند شدہ از بقیہ خرچ چیزے از نقود فراہم آید ازیں نقود برائے زیادتی مال مسجد تجارت درست است یا نہ۔؟

الجواب - باذن معطین درست است۔ فقط ۸ ذیحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اول ص ۲۱۱)

شرائط تولیت مسجد

سوال (۸۳۷) ایک مسجد کے متعلق ایک درگاہ شریف ہے جس میں اہل محلہ اور زائرین درگاہ شریف نماز پڑھتے ہیں اور جس کو ایک رئیس معتقد شیخ نے بپاس خاطر تیار کرایا تھا۔ ایک بزرگ اولاد شیخ سے جس کو بعض سجادہ نشین مانتے ہیں اُس مسجد میں نماز با جماعت آخر اور مکروہ اوقات میں ادا کرتا ہے اور انتظام مؤذن وامام اپنے اختیار میں رکھا ہے وہ مؤذن اور امام بغیر رعایت اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ کے حسب منشاء اُس سجادہ نشین کے اذان واقامت جماعت کرتے ہیں ایک جماعت اہل محلہ وزائرین ونیز باقی اولاد شیخ چاہتے ہیں کہ اقامت جماعت اوقات مستحبہ شرعیہ میں کیجاوے اور یہ سجادہ نشین صاحب عمداً اس سے تخلف کرتے ہیں اگر یہ سجادہ نشین صاحب اپنے اصرار پر قائم رہے اور نماز اوقات مکروہہ میں ادا کرے تو کیا اہل محلہ اور زائرین وباقی اولاد شیخ کو شرعاً حق حاصل ہے کہ اول وقت میں اُس مسجد میں نماز با جماعت ادا کریں

اور ایسا مؤذن و امام مقرر کریں جو اوقات مقررہ شرعیہ مستحبہ میں اپنے کام کو انجام دیں یا مسلمانان اہل محلہ و زائرین کو ایسے سجادہ نشین صاحب کا اتباع خواہ جیسے وقت میں نماز پڑھے لازم ہے اور براہ مہربانی و مرحمت یہ بھی بیان فرمادیں کہ کیا کسی سجادہ نشین صاحب کا یہ حق ہے کہ مسلمانوں کو اپنی شرکت میں نماز پڑھنے پر مجبور کرے خواہ وہ کسی وقت نماز پڑھنا چاہے۔ اور مسلمانوں کو پہلے وقت میں نماز باجماعت پڑھنے سے منع کرے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار کتاب الوقف جعل الواقف الولایۃ لنفسہ جاز بالاجماع وکذا لو لم یشترط لاحد فالولایۃ لہ عند الثانی وھو ظاھر المذھب الی قولہ والا فللحاکم فیہ وینزع وجوبا للواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون الی قولہ وان شرط عدم نزعہ او ان لا ینزعہ قاض ولا سلطان الخ وفیہ ولایۃ نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ الی قولہ ثم للقاضی اھ مختصرا وفی اثناء ھذہ العبارۃ طالب التولیۃ لا یولی الا المشروط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفیذ نھر وفی رد المحتار تحت قولہ ولایۃ نصب القیم الی الواقف ما نصہ عن التتارخانیۃ ما حاصلہ ان اھل المسجد لو اتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعند المتقدمین یصح ولکن الافضل کونہ باذن القاضی ثم اتفق المتاخرون ان الافضل ان لا یعلموا القاضی فی زماننا لما عرف من طمع القضاۃ فی اموال الاوقاف وکذلک اذا کان الوقف علی ارباب معلومین یحصی عددھم اذا نصبوا متولیا وھم من اھل الصلاح اھ وفی الدر المختار قبیل باب الوتر والنوافل ولاھل المحلۃ منع من لیس منھم عن الصلوۃ فیہ (ای اذا ضاق بھم المسجد کما فی رد المحتار) ولھم نصب متول فی رد المحتار ای ولو بلا نصب قاض کما قدمناہ عن القنیۃ وفیہ باب الامامۃ والاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلوۃ الی قولہ ولو ام قوما وھم لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد فیہ او لانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم اھ مختصرا۔ ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

۱۔ اگر ان سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی نہیں بنایا تو ان کو انتظامات

مسجد میں دخل دینا بدون رضامندی اہلِ محلہ کے مطلقاً ناجائز ہے۔

م ۲۔ اگر ان سجادہ نشین کو بانی مسجد نے متولی بنایا بھی ہو مگر اوقاتِ مکروہہ میں نماز جماعت کی عادت کرنے سے معزول کر دیئے جاویں گے حتیٰ کہ اگر ان کی تولیت میں عدم عزل کی بھی تصریح کر دی ہو تب بھی معزول کر دیئے جاویں گے یہاں تک کہ ایسے امورِ غیر مشروعہ کے اعتبار سے خود واقف بھی اگر متولی ہو وہ بھی معزول کر دیا جاتا ہے۔

م ۳۔ متولی و منتظم کے عزل و نصب کا اختیار شرعاً اہلِ محلہ کو حاصل ہے حتیٰ کہ بعض احوال میں اہل محلہ قاضی پر بھی مقدم ہیں۔

م ۴۔ ایسا امام بھی گنہ گار ہوتا ہے جس سے بوجہ اوقاتِ مکروہہ میں نماز و جماعت پڑھنے کے نمازیان مسجد کو کراہت و نفرت ہے۔

م ۵۔ بحالت مذکورہ خود سجادہ نشین کا مطلقاً انتظام میں دخل دینا ناجائز ہے بوجہ ارتکاب غیر مشروع کے بھی اور بوجہ دعویٰ تولیت کے بھی جبکہ اہلِ تولیت کے نہیں ہیں چہ جائیکہ اوروں کو اقامۃ سنن شرعیہ سے روکیں۔ ۶ ؍ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانی ص ۱۹۲)

تحقیق حلت گلگلہائے آوردہ مسجد حسب رسم جہلاء

سوال (۸۳۸) ایک بات یہاں پیش آئی کہ کچھ گلگلے اور ایک کچے آٹے کا چراغ اُس میں گھی ڈال کر روشن کر کے مسجد کے طاق میں رکھ دیتے ہیں اور اُس کو طاق بھرنا کہتے ہیں۔ آیا ان گلگلوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اس طرح سے گلگلے لانا جس میں بہت سی تقییدات و تخصیصات اعتقادیہ و عملیہ ہیں اور بعض جگہ عورتوں کا لانا مزید براں ہے عمل منکر اور بدعت ہے مگر اس سے خود اُن گلگلوں میں کوئی خبث یا حرمت نہیں آئی ما اھل لغیر اللہ بہ میں داخل نہیں کیونکہ مسجد میں لانا قرینہ اس کا ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہے لہذا ان کا کھانا حلال ہے البتہ اگر اس لیے نہ کھائے کہ فاعلین کو عبرت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

۵ ؍ صفر ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۵)

حکم ترغیب چندہ در مسجد

سوال (۸۳۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ یا جامع مسجد یا اور کسی مسجد میں چندہ مانگنا یا اس کی ترغیب دینا اور سائلوں کو صدقات خیرات دینا کیسا ہے۔؟

الجواب۔ اگر شق صفوف نہ ہو مرور بین یدی المصلی نہ ہو تشویش علی المصلین نہ ہو حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔ ۵ رشوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص۶۵)

استحباب سلام کردن وقت داخل شدن در مسجد وقتے کہ کسے دراں نباشد

سوال (۸۴۰) اگر خالی مسجد میں نمازی جائے اگر کوئی شخص مسجد میں نہ ہو تو السّلام علیکم کرنی چاہیے یا نہیں۔ اگر کرنی چاہیئے تو کون سے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ دوسرے آدمی کہتے ہیں کہ خالی مسجد میں السّلام علیکم نہیں کرنی چاہیئے اگر آدمی موجود ہوں جب کرنی چاہیئے۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ اذا دخل الرجل فی بیتہ یسلم علی اھل بیتہ وان لم یکن فی البیت احد یقول السّلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین کذا فی المحیط ج ۲ ص۲۱۷۔ اور بظاہر بیت اور مسجد میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ مسجد میں ملائکہ کا موجود ہونا اقرب ہے۔ اس لیے ان الفاظ سے سلام کرے۔ السّلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین لیکن صرف مسجد سے ضروری نہیں۔ ۲۳ رمحرم ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص۳۲)

دریچہ کشادن سوئے مسجد

سوال (۸۴۱) اگر بالاخانہ مکان خاص یا مشترک مثل بیٹھک کے کھڑکیاں مسجد میں کھولی جاویں جن سے سوائے فائدہ ہوا کے اور کوئی غرض قبض وتصرف زمین یا فرش وغیرہ کا مقصود نہیں جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ اگر کھڑکی وغیرہ آنے کے واسطے کھولی جاوے یہ تو جائز نہیں کیونکہ طرق حقوق ملک سے ہے اور مسجد غیر مملوک ہے اور اگر محض ہوا وغیرہ کے لیے کھولا ہے اور جس دیوار میں کھڑکی کھولتا ہے وہ اس کی مملوک ہو اور کوئی غرض فاسد نہ ہو تو اس میں اگر مسجد واہل مسجد کو کسی قسم کا ضرر وحرج نہ پہنچے تو جائز ہے اور اگر کوئی نقصان یا بے احتیاطی ہو جائز نہیں مثلاً مسجد میں وہاں سے دھواں جاوے یا خس وخاشاک وہاں سے پھینکا جاوے یہ منع ہے۔ ومن اخرج الی الطریق الاعظم کنیفا ومیزابا او جرصنا او بنی دکانا فلرجل من عرض الناس ان ینزعہ ویسع للذی عملہ ان ینتفع بہ مالم یضر بالمسلمین فاذا اضر بالمسلمین کرہ لہ ذلک لقولہ علیہ السّلام لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ ھدایہ ص۴۸۵ ج ۲۔ واللّٰہ اعلم۔

۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ (امداد ثالث صفحہ ۱۵۶)

تحقیق معنی حدیث مسند کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد فضیخ فضیخ نوشید وجواب اشکال برآں مع بقیہ سوال

سوال (۸۴۲) مسجد فضیخ کی وجہ تسمیہ کے متعلق وفاء الوفا میں بحوالہ مسند احمد ابن عمر سے یہ حدیث نظر آئی ہے۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بجر فضیخ ینش وھو فی مسجد الفضیخ فشربہ فلذلک سمی مسجد الفضیخ۔

سوال یہ ہے کہ یہاں فضیخ سے کیا مراد ہے آیا باذق مراد ہے جو بادہ کا معرب ہے یا کچھ اور۔؟

الجواب۔ لغت میں اس کے معنی ہیں عصیر العنب وشراب یتخذ من بسر مفضوح (رائے مکسورہ) اور شراب کے معنی ہیں ما شرب اور عصیر وشرب کے لیے سکر لازم نہیں پس فضیخ کا مسکر ہونا ثابت نہیں۔

بقیہ سوال۔ اسی کے ساتھ نیش کی تطبیق بھی مفہوم فضیخ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔؟

الجواب۔ نش کے لغوی معنیٰ ہیں صوت الماء وغیرہ اذا اغلا اور غلیان کے لیے بھی سکر لازم نہیں۔ چنانچہ ماء میں غلیان ہوتا ہے سکر نہیں ہوتا۔

بقیہ سوال۔ علاوہ اس کے نفس حدیث کے متعلق بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد ہے۔ اور اس کے رواۃ کون کون ہیں اور ان پر کیا جرح ہو سکتی ہے۔؟

الجواب۔ میں نے مسند احمد میں تمام مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جو کہ ڈیڑھ سو صفحہ سے زائد پر ہے ایک ایک حدیث کر کے دیکھی مجھ کو یہ حدیث نہیں ملی اگر نظر سے چوک گئی ہو میں نہیں کہہ سکتا اگر مل جاتی تو اس کے رجال دیکھے جاتے۔ لیکن اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو تو مضر کیا ہے۔ جبکہ اس کے مسکر ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور فرضاً اگر مسکر ہونا بھی مان لیا جاوے تو قبل تحریم مسکر پر محمول ہو سکتا ہے۔ ۲۷ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۰۷)

تحقیق صلوٰۃ یا دخول مسجد در نعال

سوال (۸۴۳) متعلق فقرۂ ذیل مندرجہ خط عزیزی بہ نسبت امیر کابل جوتوں سمیت سب اُن کے آدمی مسجد میں آئے اور جوتوں سمیت نماز پڑھی۔

الجواب۔ اس مقام پر تین امر ہیں۔ دو نہایت جلی اور ایک خفی۔ امر اوّل یہ بات یقینی اور متفق علیہ وثابت بلا دلیل اور مسلم ہے کہ نعال اگر طاہر ہوں تو اُن کو پہنے ہوئے

مسجد میں آنا یا نماز پڑھنا فی نفسہ قطع نظر عوارض خارجیہ سے جائز اور مباح ہی عام اس سے
کہ عوارض کیوجہ سے کہیں مستحسن ہو جاوے اور کہیں مستقبح ہو جاوے۔ امر دوم یہ بات
بھی یقینی اور متفق علیہ اور محقق ہے کہ اگر نعال نجس ہوں تو اُن کو پہنے ہوئے مسجد میں
آنا یا نماز پڑھنا ناجائز و حرام اور معصیت ہے جس میں جواز یا اس سے بڑھ کر استحسان
کا اصلا شائبہ بھی نہیں یہ دونوں امر تو جلی ہیں جو محل اشتباہ نہیں ہو سکتے۔ امر سوم جو کہ
خفی اور محل اشتباہ و معرض بحث ہے یہ ہے کہ عوارض خارجیہ کے اعتبار سے بصورت طہارت
آیا اس میں کوئی استقباح ہی یا نہیں یا اس سے ترقی کر کے استحسان کا حکم کیا جاوے۔
سو اوّل یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو حکم کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے وہ عارض کی وجہ سے بدل
جاتا ہے اور جو حکم شارع کو فی نفسہ مقصود ہوتا ہے وہ کسی حالت میں نہیں بدلتا اسکے
شواہد و نظائر علم فقہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ جاننا چاہیئے کہ یقینی ہی
کہ صلوٰۃ فی النعال شارع کے نزدیک کوئی حکم مقصود نہیں کیونکہ مقاصد شرعیہ میں
سے کوئی غرض اس کے ساتھ متعلق نہیں اب اس کا مدار عوارض پر رہا پس جہاں کوئی
عارض مانع نہ ہوگا وہاں منع نہ کیا جاوے گا بلکہ جہاں کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان ہوگا
وہاں مستحسن کہا جاوے گا اور جہاں کوئی عارض مانع ہوگا وہاں منع کیا جاوے گا۔
تیسرے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ مسجد اور صلوٰۃ دونوں چیزیں واجب الاحترام والادب
ہیں اور ادب کے بعض طرق محض عرف پر مبنی ہوتے ہیں پس جس ملک میں مع النعال
کسی کے فرش پر آنا اور آکر ملنا عرفاً خلافِ ادب شمار کیا جاتا ہے وہاں صلوٰۃ و دخول
مسجد مع النعال اس عارض بے ادبی کی وجہ سے واجب المنع ہوگا جس کا پتہ قرآن
سے لگتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا فاخلع نعلیك اور اس کی علت یہ فرمائی
انك بالواد المقدس طوی۔ خواہ ان کے نعال طاہر ہوں یا نجس ہوں لیکن عموم علت
ادب سے حکم معلول میں عموم ہو جاوے گا جہاں نعال نجسہ کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا
نہی اس کے ساتھ خاص ہوگی اور جہاں مطلق نعال کے ساتھ جانا خلاف ادب ہوگا نہی
اس کو بھی عام ہو جاویگی اور ہمارے دیار ہند کا عرف اس بارہ میں ظاہر ہے پس بناء علی التقریر
المذکور یہاں اس کی ممانعت ضروری ہے اور جس ملک میں یہ عرفاً خلاف ادب نہ ہو وہاں
منع نہ کیا جاویگا۔ سو اہل کابل کا عرف ایسا ہی ہوگا اور یہاں کے عرف کی اُن کو اطلاع نہ ہوگی

یا خاص وردی کے خیال میں ایسا عرف ہوگا یا دوسرے ملک میں ہونے کی وجہ سے بے اطمینانی اس کا عذر ہوگا اور اخیر درجہ یہ کہ فعل غیر نبی کا فی نفسہ حجت نہیں اور اگر کوئی عارض مؤثر فی الاستحسان کا حکم کیا جاوے گا جیسا بعض روایات میں اس کی ترجیح کی یہ علت فرمائی ہے کہ اہل کتاب خیال میں نماز نہیں پڑھتے لیکن یہ عارض متحقق نہیں بلکہ اصل علت کہ نہی عن التشبہ ہے خود مقتضی منع کو ہے کیوں کہ یہاں اس ہیئت میں تشبہ ہے۔ اب درایۃً و روایۃً اس میں کوئی اشکال نہ رہا۔ ۱۲ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد چہارم صفحہ ۱۶۳)

تمت
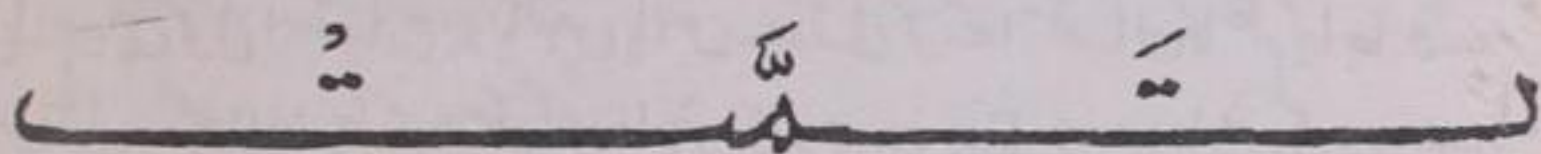
امداد الفتاویٰ مبوب جلد دوم
تمام ہوئی
والحمد للہ علی ذلک